لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب ما كان حديثا يفترى

سلسلۂ وزراء اسلام

کی

پہلی جلد

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہرون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحیی، فضل و جعفر برمکی

کی

مفصل سوانح عمری

کا

پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یحیی، دوسرے میں فضل، تیسرے میں جعفر برمکی
کی سوانح عمری اور اُن مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور
حضرت عباسہ کی شادی کے غلط واقعہ کی تحقیقات سے متعلق ہیں

مؤلفہ
خاکسار محمد عبد الرزاق۔ کانپوری

خواجہ عبد الله الوالی کے نظامی پریس کانپور میں چھپ کر شائع ہوا

فہرست مضامین کتاب البرامکہ طبع پنجم

الطرون

معذرت

فہرست ماخذ تصاویر اور نقشہ بغداد ہنوز طبع نہیں ہوا ہے
چھ برس چھ مہینے کے بعد کتاب طبع ہوئی ہے
لہذا یہی غنیمت ہے۔ (مؤلف البرامکہ)

ناظرین! قبل مطالعہ الفاظ ذیل کی صحت فرمائیے

نمبر	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
١	٦	٩	دُرُ	وُرُ	
٢	١٦	٥	دارابن دارا	داراب	
٣	٢٩	٨	تند مند	تنو مند	
٤	٣٥	٩	آدر	آذر	
٥	٣٧	١٢	"	"	آذر پر نمبر ٢ نوٹ کا ہندسہ لگایا جائے
٦	"	١٨	گویاکہ زمین پر	گویا زمین پر	
٧	٣٩	١٥	.	.	تاریخی غلطی کے بعد ہے کا اضافہ ہوگا
٨	٤١	١٦	خولیت	خوبست	
٩	٤٣	.	.	.	حسب ذیل عبارت نوٹ نمبر ٣ میں لکھی جائے " یہ سرو کا درخت بھی گویا گوتم بدھ کا درخت عرفان تھا جسکی صدیوں تک پرستش ہوتی رہی۔ فردوسی نے شاعرانہ انداز میں اسکا نام سرو کشمیر رکھا ہے۔" یہ تصحیح سب سے پہلے کرلیجائے۔
١٠	٤٥	٩	سنہ ٢٦٣ ق۔م	سنہ ٦٣١ ق۔م	
١١	٤٨	١٨	سنہ ٢٤٥ ق۔م	سنہ ٦٣٠ ق م	"
١٢	٤٩	١٠	نوربراتو	توربراتور	
١٣	٥٢	١٠	فریش	قریش	
١٤	"	١١	تفسرہ	تفسیرہ	
١٥	٥٥	٥	لتشہم	لتشبہم	
١٦	٦١	١٠	+	+	"اسکا نام نوبہار ہوا" (نوٹ کا ہندسہ (١) قائم کیا جائے۔
١٧	٦٥	١٨	+	+	نوٹ نمبر ١- کی سطر اول میں (اضافہ لفظ غلط)

نمبر	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۸	۷۰	۱۹	یامکا	مکا	
۱۹	۷۱	۷	یتره	آٹھ سو	
۲۰	۸۷	۲	ہوگئی	ہوگی	
۲۱	۱۲۰	سطر اول (نوٹ)	یہ جبال	یہ بھی جبال	
۲۲	۱۲۲	۱۴	بغ سروانو	بغ دانو	
۲۳	۱۲۵	۱۸	(نوٹ) مرمایا	فرمایا	
۲۴	۱۳۲	۷	ایک افسر کے تمہ	ایک افسر کے ذمہ	
۲۵	۱۵۲	۵	جمیت	جمعیّت	
۲۶	۱۵۵	۷	اہویہ	اُمیّہ	
۲۷	۱۶۲	۶	بیش	بیش قیمت	
۲۸	〃	۱۶	وزپر	وزیر	
۲۹	۱۶۳	۹	+	لہ	صرف نوٹ کا ہندسہ لکھنا چاہیے
۳۰	۱۶۹	۱۶	+	بھبابا وندہبابا	نوٹ نمبر ۲ سطر اول میں یہ الفاظ صاف طور سے لکھنا چاہیے
۳۱	۱۸۲	۵	اردشیر خواہ	اردشیر خوره	
۳۲	〃	۸	خراشان	خراسان	
۳۳	۱۸۳	۱۱	+	سمیساط	
۳۴	۱۸۴	۱۰	داخل	داخل ہیں	
۳۵	〃	۱۱	×	فی جریب	نوٹ کا ہندسہ جریب پر لکھا جائے
۳۶	۱۸۶	۲	جھشیری	جھشیاری	
۳۷	〃	۴	+	تھی	(یعنی وصول کی جاتی تھی)
۳۸	۱۸۷	+	+	نوٹ کی آخر میں اضافہ کرو	(انجمن ترقی اردو نے سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ مکمل سفرنامہ طبع کرایا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔
۳۹	۱۹۰	۳	مکسوس	مکوس	
۴۰	۱۹۶	نمبر ۱۸	علاقہ انجبل	انجبل	
۴۱	۱۹۹	نمبر ۵	بارہ کرور اتنالیس لاکھ اٹھائیس ہزار	بارہ کرور اتنالیس لاکھ اٹھائیس ہزار	۱۲۳۹۲۸۰۰۰
۴۲	۲۰۲	۳	بھی	یہی	
۴۳	۲۰۳	(نوٹ)	(سطر ۲) (اس سے)	(اس لئے)	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۴۴	۲۱۹	۱۹	علم الانوار	علم الانواز	
۴۵	"	۲۰	علم الالنساب	علم الانساب	
۴۶	۲۲۲	۱۵	نیا ذوق	تیاذوق	
۴۷	"	"	تھیوڈر	تھیوڈوز	
۴۸	۲۲۳	۱	ہی +		فرات بن شحنا کے بعد ہی زائد ہے حذف کیا جائے۔
۴۹	۲۳۳	۱۹	(نوٹ) شاہزاردوں	شاہزادوں	
۵۰	۲۴۲	نوٹ کی سطر ۴	سیجار	سنجار	
۵۱	۲۵۱	۳	+	+	مزدک پر ایک کا ہندسہ قائم کر کے نوٹ میں لکھو۔ "نظام الملک طوسی ملاحظہ ہو"
۵۲	"	۲۰	+	+	چنانچہ اسی طریقے سے (۱) کا ہندسہ قائم کیا جائے
۵۳	۲۶۰	۲۱	(نوٹ) نخوین مین	نخوین	
۵۴	۲۶۴	"	" صفحہ ۳۶	۲۳۶	
۵۵	۲۷۰	۱۲	نام	نام ہے	
۵۶	"	۱۷	(نوٹ) المخفض	المخصص	
۵۷	۲۷۵	۱۱	بذین	بدین	
۵۸	۲۷۶	۱۸	(نوٹ) بردوکی	رودکی (شاعر)	
۵۹	۲۷۷	۲	مقامی	مقامے	
۶۰	۲۸۵	(نوٹ ۲۳)	عودواز	عودنواز	
۶۱	۲۸۷	(نوٹ سطر ۲)	+	۱۵۳/۵	
۶۲	۳۰۶	۱۶	اصلاع	اصطلاح	
۶۳	۳۲۸	۱۱	اسکے	+	کاٹ دیا جائے۔
۶۴	۳۲۹		عادات خصائل	عادات وخصائل	
۶۵	"	(نوٹ سطر ۲)	مطبوعہ	مطبوعہ مصر	
۶۶	۳۳۶	"	امام اقدی	امام واقدی	
۶۷	۳۶۳	۱	بائجان	آذربائجان	
۶۸	۳۶۸	۳و۴	+	(کین - کیئے)	آخر میں اضافہ کرو۔ آغاز سطر سے لفظ کیئے کاٹ دیا جائے۔
۶۹	۳۷۰	۱۵	آمینیہ	آرمینیہ	
۷۰	"	(نوٹ سطر ۷)	زرارء	الوزراء	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۷۱	۳۷۶	۱۱	فضل	فصل	
۷۲	۳۸۰	۲۱ (نوٹ)	سبر	ستمبر	
۷۳	۳۸۴	۱۷ ″	فاسقتی	فاسقنی	
۷۴	۴۰۸	۲ ح	شکود	شکوہ	
۷۵	۴۰۴	۱۳ م	بالزن	باذن	
۷۶	۴۳۹	نوٹ ۲۱	اقجوان	اقحوان	
۷۷	۴۴۳	۱۴	محمد بن کیث	محمد بن لیث	
۷۸	۴۴۷	۵	مکبسبہ	مکسبہ	
۷۹	۴۵۲	۱۹	حب المطی	خب المطی	
۸۰	۴۷۶	۷	عوض	عوص	
۸۱	″	۲۱	(نوٹ) خلط مادہ	خلط ملط	
۸۲	۴۸۶	۱	دخترخوان	دسترخوان	
۸۳	۴۹۴	۱۱	ترنج البلا	آربع البلا	
۸۴	۵۲۰	۴	اوراسی	اُوداسی	
۸۵	۵۲۲	نوٹ (۱)	+	یہ (زمین) تین نہروں سے	
۸۶	۵۲۷	۱۰	کو	تو	
۸۷	۵۲۹	۵	قودیت	فودیت	
۸۸	۵۳۶	۳	جیب	طبیب	
۸۹	۵۴۱	۱۸	(علیحدہ کرکے)	قوسین کی علامت ہونا چاہیے	
۹۰	۵۴۵	۹	کو	کے	
۹۱	″	″	مقتول پر	مقتول ہونے پر	
۹۲	۵۹۶	۱۷	فصل	فضل	
۹۳	۶۰۵	۲۰	سز	سزا	
۹۴	۶۱۵	۱۰	وار	دَور	
۹۵	۶۵۵	۲	نوفلی	نوفل	
۹۶	۶۶۱	۱۴	طوسل	طوس	
۹۷	۶۶۷	۱۹	لاخیر	لاصبر	محمد عبدالرزاق مصنف البرامکہ ۶ر جون سنہ ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا دیباچہ

سنہ ۱۳۵۷ھ
۱۹۳۸ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! البرامکہ کی نظرِ ثانی ختم ہو گئی اور جدید نسخہ شائع ہو رہا ہے، میری نظر میں کل کی بات ہے کہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں نامی پریس کانپور سے پہلے مرتبہ البرامکہ کی اشاعت ہوئی تھی، اس کے بعد مولوی غلام محمدؐ مرحوم مالک اخبار وکیل امرتسر نے ۱۹۱۰ء میں میری اجازت سے دوسرا نسخہ طبع کیا تھا، چند سال کے بعد بعض تاجرانِ کتب نے مخفی طریقہ سے تیسرا اور چوتھا ایڈیشن چھاپ لیا لیکن اخلاقاً میں نے ان کا قصور معاف کیا اور کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔

اب یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ یہ کُل نسخے طبع اوّل کے مطابق تھے، جس میں ایک سطر کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ اضافہ کی گنجائش بھی نہ تھی کیونکہ عجم و عرب کی تاریخ میں آلِ برمک کا جسقدر سرمایہ تھا وہ انتخاب ہو چکا تھا، چنانچہ چالیس سال تک وہی نسخہ بازاروں میں فروخت ہوتا رہا اور اب وہ بھی نایاب ہے۔

مستشرقین یورپ کی علمی قدردانی سے اس طویل مدت میں جرمن، ہالینڈ، لندن، بیروت اور مصر سے چند نادر الوجود تاریخیں شائع ہوئیں، اور ان مطبوعات میں قدیم مورخ جہشیاری کی "تاریخ الوزرا" بھی شامل ہے۔ جو حالاتِ برامکہ میں سب سے پہلی کتاب تھی، چنانچہ اس سرمایہ کے فراہمی پر البرامکہ کی نظرِ ثانی شروع ہوئی اور کوئی سطر ترمیم و تنسیخ سے محفوظ نہ رہی، اور

متعدد قیمتی ابواب کا بھی اضافہ کیا گیا۔ خصوصاً برامکہ کی عہد مجوسیت کی تاریخ "اس لحاظ سے یہ نسخہ مطبوعات سابقہ سے زیادہ مکمل ہے۔ لیکن بحیثیت مصنف میری نظر میں ہنوز چند خامیاں البرامکہ میں موجود ہیں مگر اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک علامہ مسعودی کی تاریخ مرآۃ الزماں اور مرزبانی کی تاریخ برامکہ پردۂ خفا سے جلوہ افروز نہ ہوں، البتہ کلام شعرا کا اس قدر ذخیرہ موجود ہے کہ البرامکہ کی ایک دوسری جلد مرتب ہو سکتی ہے لیکن یہ مجموعہ تاریخی نقطۂ نظر سے قوم کے حق میں مفید نہ ہوگا، لہذا بہ حالت موجودہ یہ ترمیم شدہ نسخہ پیش کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ آئندہ زمانہ میں اس عمارت پر مزید اضافہ ہو سکے، اگر ایسا ہوا تو یہ خدمت آنیوالی نسلوں کے ذمہ ہے کہ وہ البرامکہ کی دوسری مکمل جلد لکھیں۔

خاکسار مؤلف

محمد عبد الرزاق "مہتمم تاریخ"

گورنمنٹ بھوپال

(فلک منزل)

شنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

مطابق

۱۲ مئی ۱۹۳۸ء

پہلا دیباچہ

۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نستعینہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم ۔

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کو رقم کا | حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

خاکسار مؤلف ! بکمال ادب، معزز ناظرین کی خدمت میں، گزارش پرداز ہے کہ عموماً تصنیف و تالیف کی منزلیں، نہایت دشوار گزار اور خطرناک ہیں۔ خصوصاً تاریخ اور سیرت نگاری، یہ وہ سنگلاخ گھاٹیاں ہیں کہ جن میں قلم کا مسافر بھی، ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بہزار دشواری اگر مَنْ[1] صَنَّفَ فَقَدِ اسْتُهْدِفَ کے خارا شگاف تیروں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو پھر راستہ صاف ہے، لیکن فیصلہ طلب یہ مسئلہ ہے کہ وہ کون بلند حوصلہ صاحب ہمت اور اولوالعزم اصحاب ہیں جو ان کٹیلی جھاڑیوں کو طے کرتے ہیں۔ دانشمندوں کے قول کے مطابق یہ وہ حضرات ہیں، جو خانقاہوں یا مدرسوں میں، علم و کمال کی مسندین

---

[1] یہ مقولہ علامہ جاحظ کا ہے مَنْ صَنَّفَ فَقَدِ اسْتُهْدِفَ فَاِنْ اَحْسَنَ فَقَدِ اسْتُعْطِفَ وَ اِنْ اَسَاءَ فَقَدِ اسْتُقْذِفَ رسالہ الایجاز والاعجاز امام ثعلبی مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ سنہ ۱۳۰۱ھ

بچھاکر بیٹھے ہیں اور جنکے حلقۂ درس میں مختلف ملک و دیار کے طلبہ زانوئے ادب تہہ کیے ہوئے، دینیات، معقول، منقول، حکمت اور فلسفہ کی تکمیل میں مشغول ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ خزانہ تاریخ کی کنجیاں بھی اسی مقدس گروہ کے ہاتھ میں ہیں، لیکن اس کا فیصلہ کون کرسکتا ہے؟ اور کیا بھی جائے تو تسلیم کون کریگا کہ قوم کے حق میں یہ علم مفید ہے اور وہ غیر مفید یا یہ کام نفع رساں ہے اور وہ مضرت انگیز، کیونکہ بانسری بجانے والا اپنی لَے کو اور ستار باز اپنی گت کو تمام دنیا کے مشغلوں سے اچھا جانتا ہے "وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ" لہذا اس مقدس گروہ کا بھی تاریخ (اور اس کے متعلقات پر) متوجہ نہ ہونا تعجب انگیز نہیں ہے کیونکہ بقول ایک فلسفی مورخ کے "یہ سادہ مزاج گروہ ابتک صحرائے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہا ہے"۔ لیکن دور حاضرہ میں جو ترقی تاریخ اور سیرت کی فلسفیانہ حیثیت سے ہو رہی ہے اس سے یقین ہے کہ ابتک جو کمی بھی وہ آیندہ پوری ہو جائے گی، میری استعداد علمی اور معلومات تاریخی ایک مبتدی سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے اگر میدان تاریخ کے سوار مجھ پیادہ کے دوڑ پر معترض ہوں تو میں اس کا مصداق ہوسکتا ہوں، کیونکہ تاریخ کی تصنیف و تالیف بھی اس شخص کا حصہ ہے جو علم الادب، علم اللسان، علم الرجال، اور فلسفۂ تاریخ کا ماہر ہو، لیکن محض اس خیال سے جسارت کی ہے کہ جس طرح قوم کے ہر فرد پر ملک اور سلطنت کے حقوق ہوتے ہیں اسی طرح ملکی زبان کا بھی حق ہے، اور مسلمانوں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ تمام حقوق اور فرائض کو جانتے ہیں اور نہ صرف جانتے ہی ہیں، بلکہ دل سے اس کے ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ زمانہ کے امتداد اور قومی سلطنت کے انقلاب نے یہ بات بالکل بھلا دی ہے کہ ہماری قومی زبان کیا تھی اور اس کے خزانہ میں کیسے انمول اور قیمتی جواہر تھے؟ یہ مسلّم ہے کہ اب ہندوستان کی علمی اور قومی زبان[1]

[1] آج سے ایک صدی قبل نظم و نثر میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انکے دیباچوں میں اُردو کا نام ہندی ہے اجکو ریختہ بھی کہتے

اُردو ہے، قومی زبان ہونے کا شرف نہ اب عربی کو باقی ہے نہ فارسی کو۔ ہاں اسقدر ضرور ہے کہ عربی کو باعتبار مذہب اور فارسی کو سلاطین ہند کی یادگار ہونے کی حیثیت سے اُردو پر بلاشبہ فضیلت ہے اس لئے جب ہم اُردو کو قومی اور ملکی زبان تسلیم کرتے ہیں تو نہایت صدمہ ہوتا ہے کہ اُس کے خزانے میں زر و جواہر کے بجائے سنگریزے ہوں اب سے پچاس٥٠ ساٹھ٦٠ برس پہلے کی حالت پر اگر نظر کرو! تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان نے دوسرا جنم لیا ہے، کیونکہ پہلا سرمایہ اُردو کا یہ تھا کہ اُس میں مثنوی میر حسن، چہار درویش، حاتم طائی، الف لیلہ اور شعرائے اردو کے دیوان یا اسی قسم کی نظم و نثر کی کتابیں تھیں، لیکن دولت برطانیہ کے فیض حکومت سے وہ زمانہ تھوڑے دن کے بعد جاتا رہا۔ ۱۸۳۵ء سے اُردو کا ستارۂ اقبال چمکا کیونکہ عہد شاہان مغلیہ میں اس کا صرف تلوار پر قبضہ تھا یعنی وہ محض لشکری زبان تھی، اب حضور سرکار ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ قیصر ہند خلد اللہ ملکہا کے دور میں قلم پر بھی حکمراں ہے اور ہندوستان کے دفاتر میں جاری ہوا اسکے بعد ۱۸۳۶ء سے اُردو اخبارات کا سلسلہ جاری ہوا ۱۸۴۲ء میں دہلی سوسائٹی سے علمی کتابوں کے ترجمے شائع ہوئے اور اب تو یہ نوبت پہونچی ہے کہ اُردو تمام نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون کی مالک بنی بیٹھی ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، طبیعات، ریاضیات، فلسفہ، جغرافیہ اور قانون، کون ایسا علم و فن ہے، جو اُردو میں نہیں ہے؟ انصاف یہ ہے کہ کبھی کچھ ہے لیکن اگر کمی ہے تو اسلام کے نامور اور مشہور فرمانرواؤں کی تاریخ و سیرت کی کمی ہے فاتحان ہندوستان کی بسیط تاریخیں موجود ہیں لیکن اسلام کی تاریخ ایسی وسیع ہے کہ اس کا تعلق صرف ہندوستان پر ختم نہیں ہوتا بلکہ تمام عالم میں تاریخ اسلام کا اثر دوڑا ہوا ہے کیونکہ جس طرح ایک ملک کی تاریخ دوسرے ملک کی تاریخ سے (بسبب واقعات) تعلق رکھتی ہے اسی طرح اسلام کی تاریخ صرف ہند یا فارس پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ باواسطہ یا بلاواسطہ

تھے لیکن آج یہ دعویٰ کرنا کہ ہماری اُردو بھی ہندی ہے۔ محض فریب اور مغالطہ ہے۔ اور یہی حال ہندی کا ہے، جو سنسکرت کے قالب میں ڈھالی جارہی ہے۔

تمام دنیا سے وابستہ ہے، البتہ باعتبارِ نشو ونمائے مذہب اسلام اگرچہ صرف عرب کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اسلام کی ابتدائی حکومت یا دار الخلافت کا سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب تھا لیکن ابتدائے اسلام سے آجتک جو ۱۳۱۵ھ تک ہو نچگیا ہے، اسلام کے سیکڑوں خاندان، سلطنت اور وزارت کے مالک ہوئے ہیں اُن سب خاندانوں کے کارناموں کا نام "تاریخ اسلام" ہے، ہر خاندان خاص فضائل سے مشہور تھا، آج اگر اُن کے حالات اور واقعات کوئی دیکھنا چاہے تو کہاں دیکھے؟ کیونکہ یہ دفتر کے دفتر عربی الماریوں میں بند پڑے ہیں لیکن سخت مشکل ہے کہ جو عربی کے مالک ہیں، اُن کو تاریخ کی طرف مطلق التفات نہیں، باقی رہے وہ نوجوان جنھوں نے زمانۂ حال میں تعلیم وتربیت پائی ہے اُنکی عربی تاریخوں پر دسترس نہیں! کیونکہ معاش کی ضرورتوں نے علوم جدیدہ کے اکتساب پر عوام وخواص کو متوجہ کردیا ہے، اسلئے موجودہ نسلوں سے علم عربی مفقود ہوتا جاتا ہے تاہم جس قدر ہو سکتا ہے مغربی زبانوں سے بیشتر اور مشرقی سے کمتر بذریعہ تراجم اپنی ملکی اور قومی زبان کی امداد کرتے ہیں لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ ہندوستان دنیا کی تاریخ میں علمی حیثیت سے مصر[۱] پر بھی مقدم تھا اور آج اُسکی یہ حالت ہے کہ جہالت میں روزافزوں ترقی کرتا جاتا ہے، ایسی حالت میں کیا ہمارے لئے یہ حیف کی جگہ نہیں ہے؟ کہ وہ علمی خزانے جن کی کنجیاں فیاض ازل نے مسلمانوں کو بخشی تھیں آج دوسری قوموں کے ہاتھ میں ہیں، چنانچہ ایک عیسائی مورخ[۲] اسلامی تاریخ لکھتے ہوئے، ہمارے علوم اور اُس کے زوال پر تحریر کرتا ہے کہ "مسلمان تو بہت ہیں مگر

---

[۱] مورخین علوم نے اپنے موقعہ پر طے کردیا ہے کہ عہد قدیم میں جب علمی ترقی ہوئی تو سب سے پہلے ہندوستان یا فارس میں اُس کا ظہور ہوا پھر غالباً ہندوستان سے مصر نے لیا۔ مصر، ہند، اور فارس کا مجموعہ یونان گیا اور یونان سے رومۃ الکبریٰ (دار السلطنت اٹلی) روم سے عرب پھر عرب اور روم اور یونان سے یورپ نے فیض اُٹھایا۔ لیکن اس مجموعہ کے علاوہ ہزاروں علمی مسائل ایسے ہیں کہ جو براہ راست ہندوستان سے عرب اور یورپ میں گئے ہیں۔

[۲] سنین الاسلام جلد اول صفحہ ۱۱ مطبوعہ پبلک انڈین اوپینین پریس لاہور۔ مصنفہ ڈاکٹر لیٹنر صاحب، جس کی لوح کتاب پر یہ فقرہ بھی ہے کہ "واسطے ہدایت مولویوں کے" افسوس!!

وہ جانتے کیا ہیں؟ اگر آج عربی کا ایک عمدہ دیوان یا تاریخ کی کتاب درکار ہو تو یورپ سے لینی پڑے گی۔ ابن خلدون، ابن رشد، حاجی خلیفہ، ابن بطوطہ، ابن الاثیر اور مقریزی وغیرہ جو اسلام میں آسمان علم کے آفتاب تھے یہاں (ہندوستان میں) ان کو کوئی جانتا بھی نہیں، تابط شرا، امرء القیس، عنترہ، حاتم، بحتری اور ابو تمام کا دیوان کتنے آدمیوں نے پڑھا ہے؟ انگلینڈ، جرمن اور فرانس میں صدہا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں اور ترجمہ قرآن تو لاکھوں" فاضل مورخ کی تحریر آنکھوں میں عبرت کا سرمہ لگا کر کہہ رہی ہے کہ "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار" اگر مسلمانوں میں اپنے علوم کا رواج ہوتا تو شاید ایک مورخ کے قلم سے ایسے الفاظ نہ نکلتے بیشک! یہ دلگداز واقعہ ہے کہ ہم ایسے سلف کے خلف ہیں، اور اپنے موروثی ترکہ سے بھی محروم ہیں، اور اس سے بڑھکر یہ بدنصیبی ہے کہ سلف کے جو کارنامے یاد رکھنے کے قابل تھے اُن کو بھی بھول چکے ہیں، لیکن قوم اس الزام سے پھر کسی قدر سبکدوش ہو جاتی ہے، جب کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ حضرت! یہ تو فرمائیے! کہ مشاہیر قوم کے دلچسپ حالات اور پُر فخر واقعات جس کے آپ اس قدر مداح ہیں، ہم کو کہاں مل سکتے ہیں؟ اور اُن کی بہم رسی کا کیا ذریعہ ہے"؟ اِس کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا ہو سکتا ہے، لیکن نہایت فخر و مسرت کا مقام ہے کہ ہمارے محترم مخدوم، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، فیلو یونیورسٹی الہ آباد، و پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ نے ایک سلسلہ رائل ہیروز آف اسلام (نامور فرمانروان اسلام) کا لکھنا شروع کیا ہے، چنانچہ سلسلہ خلافت سے "المامون" یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کی سیرت، شایع ہو چکی ہے، اس تصنیف سے جو اعتراض علماء پر عدم توجہی تاریخ کا تھا وہ کسقدر ساقط ہو گیا ہے۔ بزرگان قوم نے المامون کو قبول کے ہاتھوں میں لیا، اور اُس کے مضامین کو رغبت کے کانوں سے سُنا، اس شوق اور شغف سے پایا جاتا ہے کہ گئی گذری ہوئی حالت میں بھی مسلمانوں کو اپنی قومی تاریخ سے خاص شیفتگی ہے اور زمانے میں اب ایسے اصحاب کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے جن کی

گزرنا یہ عمر کا بڑا حصہ بوستان خیال، داستان امیر حمزہ، زہر عشق اور گلزار نسیم وغیرہ
کی ورق گردانی میں گزرتا تھا۔ اگر کوئی اہل نظر تجربہ کی عینک سے دیکھے تو اسکو
صاف معلوم ہوگا کہ جن ڈالیوں پر کبھی بلبلیں نغمہ سنجی کرتی تھیں جن کی سُریلی آوازوں سے
دل میں جان اور جان میں زندہ دلی پیدا ہوتی تھی اب اُن پر یورپ کی خوش رنگ و
خوبصورت چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔ جن لوگوں کو یہ دلکش ترانے مرغوب ہیں اُنھیں کوئل و
پپیہے کے زمزمے ناگوار ہیں، لیکن قانون قدرت کو کون توڑ سکتا ہے؟ باد صرصر کے تیز
جھوکوں نے ہزاروں آشیانے برباد کر دیئے ہیں اور بعض بعض شکستہ ڈالیوں پر جو
باقی ہیں اُمید نہیں ہے کہ وہ بھی زیادہ مدت تک قائم رہ سکیں۔ ہر حال یہ پچھلی بہار بھی
خاتمہ پر ہے، اور زمانہ کی ترقی کا ہر قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اس لئے "دُرْ[له] مَعَ الدَّهرِ
كَيفَ دَارَ" کو اپنا دستور العمل بنانا اور بمقتضائے زمانہ وہ کام کرنا چاہئے جس سے
کچھ سود و بہبود ہو، لیکن بقول بعض مصلحان قوم کہ "اب ہماری قسمت کے پیمانے عمدہ تصنیفات
ہیں، جو کچھ ملیگا اُنھیں پیمانوں پر ملیگا" اس لئے ضرورت ہے کہ علاوہ کتب علمیہ کے ایسی
تصنیفات بھی اُردو میں شایع کی جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رسوم و اخلاق کا آئینہ ہوں
تاکہ ہم اپنی آنکھ سے ہر داغ دھبے کو دیکھ سکیں۔ لیکن یہ صفت دوسری تصنیف میں بجز تاریخ
یا سیرت کے مفقود ہے، اس لئے شایقین کی بصیرت کے لئے، مختصراً تاریخ و سیرت کی
غرض و غایت لکھی جاتی ہے۔

تاریخ کے فوائد

کرۂ زمین کا رقبہ نہایت وسیع ہے، یہانتک کہ تمام عمر میں بھی کوئی سیاح ایک کنارے سے دوسرے تک پیادہ پا طے نہیں کر سکتا ہے اور تمام
کرہ کی تقسیم، ہفت اقلیم پر ہے اور ہر اقلیم میں مختلف خاندان تخت و تاج کے مالک ہیں
عدالت و تجارت میں ہر سلطنت کے اصول جداگانہ ہیں۔ پیداوار اور موسمی حالتوں کا تغیر

[له] چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ یا "جس رُخ زمانہ پھرے اُسی رُخ پھر جاؤ۔"

تبدل بالکل نرالا ہے، رعایا کے اوضاع، اطوار آداب نشست و برخاست، رسوم و اخلاق ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اگر ایک شخص کل حالات کو معلوم کرنا چاہے تو کیونکر کر سکتا ہے؟ جبتک وہ تاریخ نہ پڑھے۔ جب انسان کے دل پر زمانہ کے افکار اور غم و الم کا ہجوم ہوتا ہے، اُس وقت تفریح قلب اور رفع وحشت کا کوئی ذریعہ بجز تاریخ کے نہیں ہے، چنانچہ حکمائے معلومات کے دو ذریعے قرار دیئے ہیں، ایک عقل[1] دوسرے حس[2]، عقل اگرچہ گرانمایہ جوہر ہے لیکن حقائق الاشیاء سے کماہی نہ تو مستفید ہو سکتی ہے نہ تمام عالم کے حالات کا ادراک کر سکتی ہے۔ اس لئے انکشاف عالم کا مدار محسوسات پر ہے اور محسوسات کا انحصار مشاہدات اور مسموعات پر۔ لیکن تمام دنیا کے مشاہدے اور اس کا تجربہ چل پھر کر حاصل کرنا تو محال ہے، پس لامحالہ مسموعات پر جو تاریخ کا ماخذ ہے تامل کرنا پڑتا ہے اور اس تامل سے سب عقدے کھُلجاتے ہیں اور صرف تاریخ ہی ایسا علم و فن ہے، جس کے ذریعے سے ایک شخص ہندوستان میں بیٹھکر ہفت اقلیم کے حالات معلوم کر سکتا ہے اور اُن سے ویسا ہی تجربہ حاصل کر سکتا ہے، جیساکہ ذاتی مشاہدے سے اور قوموں کی موت و حیات، علم تاریخ سے وابستہ ہی۔ دنیا میں جو عظیم الشان قومیں، مثلاً مصری، کلدانی، یونانی، رومی، وغیرہ گذر چکی ہیں وہ تاریخ ہی کی بدولت زندہ ہیں اور خصوصاً وہ قومیں، جن کی بقا قدیم روایات پر ہے۔ اُن کا تو فرض ہے کہ وہ اپنی قومی تاریخ کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھیں۔ علاوہ ان فوائد کے قدرتی طور پر انسان کو تاریخ سے مناسبت خاص ہے، کیونکہ جس طرح آنکھوں کو حُسن محبوب ہے، ویسے ہی کانوں کو اچھی خبریں مرغوب ہیں، چنانچہ عرب کا یہ مشہور مقولہ[3] ہے کہ "لَا یَشْبَعُ الْعَیْنُ مِنْ نَظَرٍ وَلَا السَّمْعُ مِنْ خَبَرٍ وَلَا الْاَرْضُ مِنْ مَطَرٍ" اور اگر مذہبی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو علم تفسیر، فقہ، حدیث کے بعد تاریخ کا درجہ ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام، خلفائے عظام، بزرگان دین اور سلاطین کے اخبار و آثار اسی سے معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کے

---

[3] آنکھ کا دیکھنے سے، کان کا سُننے سے۔ زمین کا پانی سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہے۔

ادبار و اقبال کے فوٹو، انبیائے مرسلین کی سیرت و بعثت کی تصویر مورخوں ہی کے قلم سے کھینچی جاتی ہے، اور غالباً اسی شرافت کا اثر ہے کہ یہ علم ہمیشہ اُنھیں بزرگوں میں رہا ہے جو علمی کمالات کے اعتبار سے زمانہ میں مشہور عام رہے ہیں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بازاری یا ادنیٰ درجہ کا آدمی مورخ ہوا ہو اور نہ اس قسم کا آدمی کبھی تاریخ سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کیونکہ تاریخ حقیقت میں اُن لوگوں کے محامد و مناقب کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جن کو بارگاہ عالم میں خداوند تعالیٰ نے درجۂ خاص کی کرسی مرحمت فرمائی تھی اور ایک بڑی فضیلت تاریخ کی یہ ہے کہ تمام کتب سماویہ میں انبیائے علیہم السّلام کے معاملات اور اُن کے عہد زندگی کے حالات اور نیز پچھلے بادشاہوں کے قہر و جلال کے اخبارات (جو بنی آدم پر حکمراں رہے ہیں) درج ہیں اور یہی تعریف تاریخ کی ہے اور ائمہ حدیث کے قول کے مطابق کہ "اَلْحَدِیْثُ وَعِلْمُ التَّارِیْخِ تُوْاَمَانِ" تاریخ کی فضیلت بہت بڑھ جاتی ہے، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ راویوں کی جانچ اور روایت کی صحت، معاملات کی تحقیقات و تنقید، تاریخ ہی سے وابستہ ہے کیونکہ اگر کوئی محدث، مورخ نہ ہو اور اُس کو رسول اللہ صلعم و صحابۂ کرام کے معاملات کی خبر نہ ہو اور اُن کی دوستی، سچائی، خالص محبت، اور منافقین وغیرہ کی عداوت کا علم نہ ہو، اُسوقت تک کسی حدیث کا سچّا حال نہیں ظاہر ہو سکتا ہے اور نہ روایت کا حق ادا ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ وہ مفصل تذکرے اور اسلامی واقعات جو قرن نبوت یا عہد صحابہ سے متعلق ہیں تاریخ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ارسطوطالیس[1] اور بزرجمہر[2] کا قول ہے کہ "جو لوگ رائے صائب رکھتے ہیں، تاریخ اُن کی ہر وقت مددگار ہے" اور مورخ کو جو سانحہ پیش آتا ہے اُس کے انسداد کی تدبیریں (موجودہ حالت اور گذشتہ واقعات سے) بہت جلد کرتا ہے۔ اور مشکلات میں دل کو صبر، اور اطمینان ہو جاتا ہے، کیونکہ امم سابقہ کے حالات، یاد آ جانے سے اپنی حالت کو بھول جاتا

---

[1] ارسطوطالیس یونانی زبردست فلسفی، گراں پایہ عالم، جادو بیان خطیب اور حاذق طبیب تھا۔
[2] بزرگ مہر (بزرجمہر) بن سوخرا (لقب بختگان) نوشیروان کا وزیر تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب طوس بن نوذر تک پہونچتا ہے۔

ہے، تاریخ کے مطالعہ سے انسان میں راستی اور سچائی پیدا ہوتی ہے اور نیکو کاری کے ثمرات اور بدکاری کے نتائج معلوم ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ تاریخ اپنے واقعات دُہراتی رہتی ہے، اور پُرانے واقعات بار بار نئی صورتوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں قومی تاریخ کا زندہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا حیاتِ انسانی کا ایک زرّیں اُصول ہے، اور جو قومیں اپنی گذشتہ تاریخ مٹا دینگی، نہ وہ قوم کہلانے کی مستحق ہیں اور نہ اُن کو دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق ہے۔

سیرت یا سوانح عمری

ایک شعبہ تاریخ کا تذکرہ ہے، جس کو یونانی میں بیوگرفی، انگریزی میں لائف، عربی میں سیرت، اُردو میں سوانح عمری کہتے ہیں، اگرچہ تذکرہ لکھنے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، لیکن یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں کے بعد جنھوں نے ابتداءً اس فن میں ترقی کی تھی، یہ خاص فخر دانشمندان یورپ کو ہے جنھوں نے سترھویں صدی میں، اس فن کے اُصول و فروع پر کافی غور کیا اور اُسکے مطالب اور اغراض میں تبدل و تغیر کر کے ایک جداگانہ مفید فلسفہ اور عظیم الشان فن بنا دیا کیونکہ عیسائی گذشتہ دو صدی سے پہلے سوانح عمریوں میں پیشوایانِ مذہب کے افسانے لکھا کرتے تھے اور مذہبی علم ادب کا یہی بڑا عنصر تھا۔ لیکن موجودہ تہذیب اخلاق کے دور میں، سیرت ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے، جس کی تعریف معمولی الفاظ میں نہیں ہو سکتی ہے جیسا فخر یورپ کو موجودہ زمانہ کی سوانح عمریوں کے طرزِ تحریر پر ہے، ویسا ہی کمال و افتخار مسلمانوں کو ابتدائی صدیوں میں تھا اور اُس عہد کے تذکرے سب سے زیادہ قابل وقعت ہیں، لیکن اگر افسوس ہے تو اسقدر کہ یہ تحقیق و تدقیق اسماء الرجال تک محدود ہے باقی ائمۂ فن اور مجتہدین علوم کے تذکرے ہیں جنمیں صرف روایت[1] کی جھلک ہے اور درایت کو کچھ دخل نہیں ہے۔ برخلاف اس کے اس زمانہ میں تمام مشاہیر کی جداگانہ سوانح موجود

[1] روایت اور درایت یہ دو معمولی لفظ ہیں جو تاریخ و تذکرے میں اکثر آتے ہیں، لیکن جن وسیع معنوں میں ان لفظوں کا

ہیں جن میں بات بات پر جرح کی گئی ہے اور اُن کی زندگی کا کوئی ایسا کارنامہ نہیں ہے جس پر منطقی دلائل اور فلسفۂ تاریخ سے کوئی نتیجہ نہ نکالا گیا ہو، سیرت کے فوائد کم و بیش ہر قوم کے حکماء نے قلمبند کیے ہیں لیکن حکمائے یورپ نے خاصکر اس مضمون میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ مسٹر کارلائل ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "معزز طبقہ کے اسلاف کی تاریخ بہ نسبت دنیاوی تاریخ کے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ قومی زندگی کا طرز معاشرت اُس سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے گو اُن کا عمل اُسی زمانہ کا نتیجہ ہے، لیکن جو مجموعہ مفید خیالات کا ہے وہ انھیں کے دماغ کا ترتیب دیا ہوا ہے۔" ڈاکٹر اسمائلس[1] مصنف سیلف ہیلپ و کیرکٹر کا مقولہ ہے کہ "مشہور آدمیوں کی سوانح عمری نوع انسان کی ترقی کا مفید ذریعہ ہے، جس طرح کہ پہاڑی پر چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے اُسی طرح اُن کی روحانی روشنی آیندہ نسلوں کے واسطے اپنی چمک جاری رکھتی ہے۔" اور ہمارے زمانہ کا مشہور و معروف ادیب حیات سعدی کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "بیوگرفی اُن بزرگوں کی لازوال یادگار ہے، جنھوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے

استعمال ہوتا ہے اُس سے ہر شخص واقف نہیں ہے، لہذا حسب ذیل تصریح کی جاتی ہے تاکہ کتاب کے دیگر محل پر اسکے معنی سمجھنے میں دقت نہ ہو وہو ہذا " واقعات تاریخی کے ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں، روایت و درایت۔ روایت سے یہ مطلب ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُسکی سند اُس شخص تک پہونچائی جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود رہا ہو عرب کی تمام مستند تاریخیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس میں اَخبرنا و حدّثنا کے ذریعہ سے سند کا تمام سلسلہ مذکور کیا جاتا ہے اور اُن تمام راویوں کا نام لیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے واقعہ کی سند اُس شخص تک پہونچی ہے جو خود اُس واقعہ میں شریک تھا، چوتھی صدی تک اسلامی تاریخوں کا یہی طرز رہا اور گو زمانہ مابعد میں اس کا رواج کم ہو گیا ہے لیکن گذشتہ تین صدیوں کے واقعات میں ابتک اس کا لحاظ ہے، یعنی اُس زمانہ کے اُنھیں واقعات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو سلسلۂ سند کے ساتھ ثابت ہوں۔ درایت سے یہ غرض ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس پر اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضاء، زمانہ کی خصوصیتوں، منسوب الیہ کے حالات اور اسی قسم کے اور قرائن کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ واقعہ اس معیار پر پورا نہیں اُترتا تو اُس کی صحت مشتبہ ہوگی، یعنی احتمال ہوگا کہ تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ از رسالۂ اسکندریہ، شمس العلما شبلی نعمانی"

[1] کارلائل اور ڈاکٹر اسمائلس متاخرین علمائے انگلستان میں بہت مشہور ہیں اور اُن کے مضامین و تصانیف کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں اور جو انسان کی آیندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں' خصوصاً جو قومیں' علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجہ کو پہونچ جاتی ہیں اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے جو اُن کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنے کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے' دنیا میں اکثر لوگ ایسے گذرے ہیں' جنھوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ پڑھ کر اپنے تئیں انسانیت کے اعلیٰ درجے پر پہونچایا تھا۔ لوتھر[1] کے دل میں جو ایک غیر معمولی تحریک پیدا ہوئی اور بنجمن فرنکلن[2] نے نہایت پست حالت سے اعلیٰ درجہ کی ترقی اور شہرت حاصل کی' اس کا بڑا سبب یہی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔"

انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے کہ "جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام[3] کرو"۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکابر قوم کے تذکرے' آیندہ نسلوں کے واسطے ایسے ہی لازم ہیں' جیسے جسم کو روح یا آنکھ کو نور' اس لئے ہر شخص کو لازم ہے کہ وہ بزرگوں کی سوانح حیات سے فائدہ اُٹھائے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے' اور سیرت کے اس سبق کو نہ بھولے کہ "ہم کو کیا کرنا چاہئے اور کیا ہونا چاہئے" کیونکہ کسی فلسفی کا یہ مقولہ ہے کہ "تم وہی ہو جو ہونا چاہو" صبح سے شام تک لوگ سوانح عمریاں پڑھتے ہیں مگر ایک قصہ کی حیثیت سے' اور نتائج کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک کوئی معتد بہ فائدہ

---

[1] لوتھر جرمن کا رہنے والا' عیسائی مذہب کا ایک مشہور مصلح اور تمام یورپ کو پوپ کے پنجے سے نجات دینے والا ہے سنہ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا سنہ ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

[2] بنجمن امریکہ کا ایک مشہور فاضل ہے جس نے سب سے اول علم برق کے اصول دریافت کئے ہیں سنہ ۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا۔

[3] صفحہ ۴ - ۵ حیات سعدی مصنفہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالیؔ پانی پتی۔

نہیں اُٹھا سکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم الحیات یا آپ بیتی، مسائل روحانیات، فلسفہ، اور علم الاخلاق سے زیادہ مؤثر ہے، کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

عجب دلچسپ نقشہ عالمِ ایجاد رکھتا ہے | جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

بلحاظ نتائج مذکورہ بالا میں نے بھی تذکرہ نویسی پر قلم اُٹھایا ہے اور اس مقصد کیواسطے خاندان برامکہ انتخاب کیا ہے، جو خاص فضائل سے منسوب تھا اور جن کے جود و کرم کے افسانے اور علمی کارنامے بطور ضرب المثل آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں، اس کتاب کے پڑھنے سے واضح ہوگا کہ فیاضی حقیقت میں کیا چیز ہے، اور عوام و خواص کو اُس سے کیا نفع پہونچ سکتا ہے اور ارکان سلطنت کو بڑے تجربہ کی یہ بات معلوم ہوگی کہ "شخصی سلطنتوں میں جب کوئی وزیر یا امیر اپنا درجہ بادشاہ سے بڑھانا چاہتا ہے تو اُس وقت غیرت یا مصلحت ملکی سے بادشاہ اُس خاندان کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اور کس طرح ایک چشم زدن میں اُسکو مٹا دیتے ہیں"۔ جس طرح خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے جعفر وزیر سلطنت کو (جبکہ اُس کی قوت، سلطنت سے بڑھ گئی تھی) ہلاک کرا دیا اور تمام خاندان کو اوجِ حشم سے گرا دیا اور پھر مرتے دم تک اس غلطی کی تلافی نہ کر سکا اور جعفر برمکی جیسا وزیر اسکو نہ ملا، جس طرح اس خاندان کے ابتدائی ترقی کے حالات قابل تقلید ہیں ویسے ہی اُس کی تنزل اور ادبار کی تاریخ قابل عبرت ہے سلیمان[1] بن عبد الملک کے زمانہ سے تاریخ میں، برامکہ کا ذکر شروع ہوتا ہے لیکن اُن کے عروج اور زوال کی اصلی تاریخ خلافت عباسیہ سے وابستہ ہے ہارون الرشید عباسی کے عہد سلطنت میں برامکہ کا ستارہ فلک اقبال پر چمکا، لیکن چند ہی سال کی گردشوں میں ڈوب گیا۔ مورخین کے نزدیک ہارون الرشید کے عہد حکومت میں، اگر کوئی داغ ہے تو وہ برامکہ کا قتل ہے، برامکہ کے حالات نہایت دلچسپ تھے اور اسوقت تک اُردو زبان میں تحریر نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے عزیزان وطن کے سامنے، یہ تالیف پیش کیجاتی ہے اور برامکہ کی مناسبت سے "البرامکہ" نام ہے، برامکہ کی مستقل تاریخیں جو عربی میں لکھی گئی تھیں، اُن میں

[1] سلیمان بن عبد الملک۔ خلفائے بنی اُمیہ میں چھٹا تاجدار ہے جس نے ۹۶ھ سے ۹۹ھ تک حکومت کی تھی

کتاب الوزرا والکتاب، مصنفہ جہشیاری المسالک فی احوال البرامک اور اخبار البرامکہ مرزبانی بہت مشہور ہیں اور یہ ۳۰۰ھ سے ۳۶۷ھ تک کی تصنیف ہیں، ان کے علاوہ ابوالفرج علامہ اصفہانی، مصنف آغانی نے بھی ایک بسیط تاریخ موسومہ اخبار البرامکہ لکھی ہے، مگر وہ بھی نایاب ہے، البرامکہ کی تالیف کے زمانہ میں، میں نے بے انتہا کوشش کی کہ کوئی ایک نسخہ دستیاب ہو جائے، لیکن بدنصیبی سے ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں لگا، بلکہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ ممالک اسلام کے کتب خانے بھی ان سے خالی ہیں تب مجبور ہو کر فارسی اور عربی کی بسیط تاریخیں بنظر انتخاب دیکھنا شروع کیں خیال تھا کہ روضۃ الصفا اور فارسی کی دیگر تاریخوں میں، بہت کچھ حالات ملیں گے، لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی، تب مجبوراً عربی علم ادب، اور تاریخوں کی ورق گردانی شروع کی اور کم و بیش حالات جن مستند تاریخوں سے لیے گئے ہیں، اُن کے نام مفصل فہرست میں درج ہیں اور ان کتابوں کے علاوہ اخبارات اور علمی رسالے ہیں، جن کے نام بسبب طوالت فہرست سے کاٹ دیئے گئے ہیں اور وہ تمام کتابیں بھی اس فہرست سے خارج ہیں، جن کو بامید حالات برامکہ اوّل سے آخر تک پڑھا لیکن ایک واقعہ بھی نہیں ملا، بہرحال یہ وہ کتابیں ہیں جن سے زیادہ جامع اور معتبر ہونا مشکل ہے بعض بعض تاریخیں مثلاً طبری، مسعودی، کامل، ابن خلدون، متعدد جلدوں میں ہیں، ادبیات میں آغانی بائیس اور صبح الاعشیٰ چودہ جلد میں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا بھی یہی حال ہے، لیکن ان تمام کتابوں میں، متفرق طور پر برامکہ کا ذکر آیا ہے۔ اس لحاظ سے البرامکہ تمام مذکورۂ بالا، عربی فارسی اور انگریزی تاریخوں کا ایسا جامع و مانع انتخاب ہے کہ جس سے زیادہ فراہم کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔ جعفر اوّل سے لیکر جو مورث اور ابوالآباء خاندان برامکہ کا تھا جعفر ثانی تک جو عہد خلافت ہارون الرشید میں قتل ہوا، ہر ایک کے حالات اُس طرز پر قلمبند کیے گئے ہیں کہ جس کی آج کل ضرورت ہے اور اوّل سے آخر تک اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو بات لکھی جائے مستند کتابوں سے لکھی جائے، اس لئے ہر ایک روایت کا ماخذ حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے

لیکن باوجود اس محنت کے یہ ہرگز دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے تذکرہ نویسی کا حق ادا کیا ہے اور زمانۂ حال کے معیار کے مطابق ہے یا یہ کہ البرامکہ خاندان برامکہ کا جامع تذکرہ ہے، البتہ یہ ایک بنیاد ہے جس پر زمانہ آیندہ میں بڑی عمارت بن سکتی ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

۱۔ آغازِ دولت برامکہ اور ایران کی قدیم حکومتیں

۱۔ آغازِ دولت برامکہ "برامکہ کس خاندان کے چشم و چراغ تھے، اُن کا مرز و بوم کیا تھا، کس ملک میں اُن کا آفتابِ اقبال چمکا اور کہاں غروب ہوا"؟

یہ ایک اہم اور دلچسپ تاریخی سوال ہے، لیکن اس سے پہلے یہ تحقیق طلب ہے کہ تاریخ اسلام میں "تذکرہ برامکہ کس عہد سے شروع ہوتا ہے؟

اُصولاً یہ زمانہ دو حصوں پر تقسیم ہو سکتا ہے۔ ایک ایران کا دور قدیم دوسرا اسلام کا عہد جدید اور یہ مسلم ہے کہ خلافت راشدہ میں دورِ عثمانی (۲۳ھ-۳۵ھ) بنو امیہ میں عہد سلیمان بن عبد الملک اور حکومت عباسیہ میں عبد اللہ (ابو العباس سفاح پہلا عباسی خلیفہ) بن علی بن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانہ (۱۳۲ھ) سے صفحاتِ تاریخ میں برامکہ نظر آتے ہیں اور ہارون الرشید عباسی کے خلافت میں اوجِ کمال پر پہونچ کر برمکی خاندان ۱۸۷ھ میں تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور اُن کی تاریخ ہمارے لئے داستانِ عبرت بن جاتی ہے۔

برامکہ کی قدیم تاریخ (مع شجرۂ نسب) نہایت تفصیل سے فارسی زبان میں آج بھی موبدوں کے[1] پاس موجود ہے، لیکن اس کے دکھانے سے بھی یہ پیشوایانِ مذہب گریز کرتے ہیں، لہذا توضیح مطالب کے لئے سب سے پہلے عربی کتب جغرافیہ اور تاریخ پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے:-

[1] ہندوستان میں دو جگہ یہ تاریخی سرمایہ موجود ہے اور انشاء اللہ چند ماہ میں یہ ذخیرہ مل جائیگا۔ اس وقت بشرطِ ضرورت ایک ضمیمہ شائع کر دیا جائے گا۔

ابوبکر احمدؒ بن محمد المعروف بابن الفقیہ ہمدانی (متوفی سنہ ۲۹۰ ہجری / ۹۰۳ء) اور یاقوتؒ حموی (۶۲۶ھ / ۱۲۲۹ء)
شہر بلخ اور نوبہار کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

سلہ قال "عمر بن الازرق الکرمانی کانت البرامکہ اہل شرف علی وجہ الدھر ببلخ قبل ملوک الطوائف" سلہ

عمر بن الازرق کرمانی کا قول ہے کہ قدیم زمانہ سے برامکہ بلخ میں معزز تھے اور ملوک الطوائف کے عہد سے پہلے تھے۔

کرمانی کی یہ مختصر روایت ایک پہیلی ہے، جس کا بوجھنا آسان نہیں ہے لہٰذا اس کا فیصلہ ایران کی قدیم تاریخ سے ہوگا کہ ملوک الطوائف کون تھے، کہاں تھے اور کس زمانہ میں تھے؟ لہٰذا اس ضرورت سے دولت ایران کی قدیم تاریخ چند سطروں میں لکھی جاتی ہے۔

۲۔ ایران کی قدیم حکومتیں

دور حاضرہ کی ادبی، اثری (آثار قدیمہ) اور تاریخی تحقیقات کے مطابق سلہ ایران کی تاریخ آٹھ دوروں پر تقسیم ہے، لیکن اس مضمون کا تعلق، عہد عتیق سے نہیں ہے۔ لہٰذا میڈوی دور سے آغاز کیا جاتا ہے۔

الف۔ میڈوی دور

میڈیا (Media) ایران کے مغربی حصّہ کا نام ہے، جس کا مرکز حکومت اکتبانہ یا ہگ متانہ (ہمدان سلہ) تھا، اس حکومت کا آغاز ۷۰۳ھ قبل مسیح سے ہوا لیکن افسوس ہے کہ اس دور کا تاریخی سرمایہ تلف ہوچکا ہے، اور یہ وہی خاندان ہے، جس کو مورخین عجم

سلہ کتاب البلدان ہمدانی، مطبوعہ لیڈن ۱۳۰۲ھ صفحہ ۳۲۲ مادہ بلخ
سلہ معجم البلدان، یاقوت حموی، مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲۰ جلدہ لفظ نوبہار یاقوت کا ماخذ کوئی قدیم تاریخ ایران ہے، کیونکہ ہمدانی نے عمر کرمانی کا نام نہیں لکھا ہے۔ اور بقیہ حالات ہمدانی کے مطابق ہیں۔
سلہ ایران کا تلفظ زردشت کی مذہبی کتاب اوستا میں دسے رآن یا اسے ریانہ ہے جو آریہ قوم کا سرسبز و شاداب ملک تھا۔
سلہ زمانہ مابعد کا نام ہمدان ہے۔ بلاد جبل کے وسط میں، دامن کوہ الوند پر ہمدان واقع ہے، نہروں کی وجہ سے سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ عہد قدیم میں مسلسل سات فصیلوں کے اندر آبادی تھی۔ بدیع الزماں (صاحب مقامات) اور ابن خلوف شاعر کے کلام سے آجتک ہمدان کا نام زندہ ہے۔

پیشدادی (سلاطین عادل کا پہلا طبقہ) کہتے ہیں اور جس کا پہلا فرمانروا گیومرتیہ (گیومرث) تھا۔

ب۔ ہخامنی دور ۵۵۹ ق م یا ۵۵۰ ق م میں ایک دوسرے زبردست خاندان کا عروج ہوا، جس کا ہخامینی[2] یا ہخامنیشیہ نام تھا، جس نے میڈوی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

ایران[3] (فارس) کی یہ ایک جلیل الشان تاریخی حکومت تھی اور اس خاندان کا پہلا تاجدار سائرس (کرش، کیروش یا کیخسرو) اور نواں[9] یا اخیر فرمانروا داریوش (دارا ابن دارا) تھا جو سکندر اعظم کے حملہ میں نمک حرام گورنروں ماہیار (بی سس) اور جانوسیار (بزرائن ٹیز) کی سازش سے قتل ہوا۔

اور مردود (بقول اہل فارس) سکندر نے شیطان کے بہکانے سے ۳۳۰ ق م میں سلطنت پرشیا[4] (فارس) کو تہ و بالا کر ڈالا اور مقدس کتاب زردشت نامہ کو جو بارہ ہزار بیلوں کی (دباغت شدہ) کھالوں پر، آبِ زر سے لکھا ہوا تھا جلا کر خاک کر دیا۔

تاریخ ایران[5] کا یہ ایک عظیم الشان اور دلگداز واقعہ ہے، جس پر خود سکندر کو خون کے آنسو بہانا پڑے دارا قتل ہو کر دفن ہوا اور ماہیار و جانوسیار سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ اب یہ واقعہ فردوسی طوسی[6] کی زبان سے سنیئے:

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے شاہنامہ دیکھنا چاہیئے، فردوسی نے جس قدر لکھ دیا ہے وہ بھی غنیمت ہے۔

[2] ہخامینی Hakhamani

[3] ہسٹورینس ہسٹری صفحہ ۵۶۰ جلد ۲ مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء

[4] قدیم پرسہ (یونانی پرسس) ایران کے مشہور صوبہ فارس کا نام ہے، جس کی نسبت سے کل ملک ایران یا پرشیا Persia کہلاتا ہے لیکن جغرافی حیثیت سے ایران کا مفہوم فارس یا پرشیا سے زیادہ وسیع ہے جس میں میڈیا۔ پرشیا، اور پارتھیا تینوں صوبے داخل ہیں خوزستان کا صوبہ میڈیا میں داخل تھا جس کو کیخسرو نے اپنے عہد حکومت میں فارس میں شامل کر کے رقبہ سلطنت کو وسیع کر لیا تھا، پارتھیا Parthia سے شمالی مشرقی ایران مراد ہے۔

[5] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۱

[6] شاہنامہ صفحہ ۵۹ جلد ۳ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۲ھ

سکندر ہمہ جامہا کرد چاک
بتاج کیاں بر پراگند خاک

فرو ریخت از چشم او آبِ خوں
دوتا کرد پشت و سرِ خود نگوں

یکے دخمہ کردش بآئین او ے
بد آنساں کہ بُد فرّہ دیں او ے

تن اش زیر کافور شد ناپدید
وزآں پس کسے روی دارا ندید

چو پرداخت ازاں دخمۂ ارجمند
زبیرون بزد دارہاے بلند

یکے دار بر نام جانوسیار
دگر ہمچناں از در ماہیار

دو بدخواہ را زندہ بردار کرد
سرِ شاہ کُش مرو بیدار کرد

ابوالحسنؒ علی مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء) اور فردوسی طوسی (۴۱۵ھ / ۱۰۲۴ء) کی زبان میں ہخامنشی خاندان کا نام کیانی ہے جو پہلوی لفظ کَیْ (بمعنی جبّار) سے منسوب ہے اور اس کا یونانی تلفظ "اے، کے، می، نی، آن" (Achaemenians) ہے جو میرے نزدیک لفظ کیانی کا یونانی لہجہ ہے۔ سلاطین ایران کا یہ دوسرا نامور طبقہ تھا، جن کے حالات فردوسی نے نہایت تفصیل سے شاہنامہ میں لکھے ہیں۔

کیانیوں میں، کیکاؤس، کیخسرو، کیقباد، کے لہراسپ اور گشتاسپ، شاہِ شاہاں[۲] (شاہنشاہ) کہلاتے ہیں۔ اور کیانیوں کی یہ پہلی شاخ ہے، دوسری شاخ میں، اسفندیار (اسفندیاد، اسپندیاد) بہمن درازدست (دیاؤ ہمنو، اردشیر، لونگے مے نس، ارتازرکسیز) اور دارائی اعظم (داریاؤش) ہیں[۳]۔ ان کے ناموں کو مورخین یونان نے اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ اُن کی اصلی صورتیں پہچاننا مشکل ہے تاہم صحیح حالات کے لئے دنیا مورخین یونان کی شکر گزار ہے اور خود ایرانیوں نے تاریخ یونان سے نفع اُٹھایا ہے، جس کی شاہنامہ سے تصدیق ہوتی ہے۔

---

[۱] کتاب التنبیہ ومفاتیح العلوم، خوارزمی صفحہ ۹۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۵ء
[۲] آثار قدیمہ کے کتبات میں شاہ شاہاں کا لفظ ہے۔
[۳] ہسٹورینس ہسٹری شجرۂ خاندان ہخامنشی۔

مورخین عجم اور عرب کی روایات کے مطابق کیانیوں نے سات سو تینتیس یا پانچسو ستر سال حکومت کی ہے، جن کے کارنامے کوہ بے ستون (بیستون) اور نقش رستم کے کتبات میں تفصیل[1] سے درج ہیں۔

۳- ملوک الطوائف یا شاہان اشکانیہ

سکندر کی مشرقی فتوحات یا قتل دارا سے ارتخشتر بن پابک (اردشیر بن بابک) کی تخت نشینی (سنہ ۲۲۶ء) تک جس قدر زمانہ گذرا ہے تاریخ ایران میں یہ ملوک الطوائف کا دور ہے، جس کو اصطلاحاً[2] وقفہ کہتے ہیں اور اس وقفہ کی مدت پانسو چھپن یا پانسو تیرہ سال ہے یہی وہ زمانہ ہے جس میں تخت ایران پر کوئی ایک شاہنشاہ حکمران نہ تھا، بلکہ ملک کے مختلف صوبے (موصل سے آذربائجان تک) مختلف شاہزادوں کے قبضہ میں تھے جو ملوک[3] الطوائف کہلاتے تھے، فردوسی کا بھی یہی بیان[4] ہے۔

پس از روزگارِ سکندر جہان — چہ گوید کرا بود تختِ مہان
بگیتی بہر گوشہ ہر یکے — گرفتہ ز ہر کشورے اندکے
چو بر تختِ شان شاہ بنشاندند — ملوک الطوائف ہمی خواندند
ازیں گونہ بگذشت سال دو ویست — تو گفتی کہ اندر جہان شاہ نیست

---

[1] ملاحظہ ہو "قدیم نقش ایران" مطبوعہ بمبئی۔

[2] سکندر کی فتوحات ایران کے بعد یعنی ۳۳۰ ق م سے ساسانی حکومت کے قیام کا خیال ایرانیوں میں پیدا ہو گیا تھا، لیکن مسلسل کوششوں کے بعد ۲۲۶ء میں یہ حکومت قائم ہوئی۔ اس لئے مجموعی مدت ۳۳۰+۲۲۶=۵۵۶ سال ہوتی ہے اور مسعودی کے نزدیک ۵۱۳ سال ہے، ادبیات ایران براؤن صفحہ ۴۴ و کتاب التنبیہ صفحہ ۹۰

[3] سکندر نے جب دارا پر فتح پائی تو اس نے قصد کر لیا تھا کہ خاندان شاہی میں سے کسی شاہزادہ کو زندہ نہ رکھا جائیگا، کیونکہ سکندر کے دل میں یہ خطرہ تھا کہ ایرانی یونان پر ضرور حملہ کریں گے، چنانچہ ارسطو سے مشورہ کیا گیا، اس نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور سکندر کو مشورہ دیا کہ یہ خوں ریزی اصول سیاست کے خلاف ہے، بجائے قتل کے کل ملک مختلف شاہزادوں پر تقسیم کر دیا جائے، وہ باہمی رقابت سے لڑکر خود ہی فنا ہو جائیں گے، چنانچہ باستثنا ئے صوبہ عراق ایسا ہی کیا گیا اور یہ صوبہ یونانیوں کے قبضہ میں رہا۔ تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۲۰۷ جلد اول مطبوعہ لیڈن ۱۸۶۶ء

[4] شاہنامہ تذکرہ ملوک الطوائف۔

اور چونکہ اشک بن اشکان (از نسل سیاوش بن کیکاؤس) اس طبقہ کا پہلا فرمانروا تھا اس لئے یہ اشکانیہ بھی مشہور ہیں اور قدیم ایران کی صوبہ وار حکومتوں میں یہ پارتھیا (Parthia ' شمالی مشرقی ایران) کی حکومت تھی' اس طبقہ میں اکیسو حکمراں ہوئے ہیں جن میں سے فردوسی نے چند[1] کا حال لکھا ہے اور یہی وہ فرمانروایان ایران ہیں جن کی طرف عمر کرمانی نے اشارہ[2] کیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ برامکہ کی تاریخ کئے لہراسپ کیانی سے شروع ہوتی ہے' جو ملوک الطوائف سے قبل تھے (تفصیل اپنی جگہ پر لکھی جائے گی)

۴۔ مصنفین عجم اور برامکہ

تمہید مندرجہ بالا کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ ایرانی مصنف برامکہ کی قدیم تاریخ کس زمانہ سے شروع کرتے ہیں۔ اس موضوع پر مستند ماخذ حسب ذیل ہیں۔

الف۔ سیاست نامہ خواجہ حسن نظام الملک طوسی (متوفی ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء) اپنی مشہور کتاب سیاست[3] نامہ میں مشاہیر وزرائے ایران پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

[1] یہ مسعودی کی روایت ہے' جس کی تصدیق کارنامک (حالات اردشیر) سے بھی ہوتی ہے کیونکہ سکندر کی موت کے بعد دوسو چالیس کم ملوک الطوائف ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا اردوان تھا اور بابک' اصفہان دفارس کا مرزبان (حاکم و تعلقہ دار) تھا اور دہقانوں سے قدیم مالکان اراضی اور کاشتکار مراد ہیں۔

[2] ملوک الطوائف کے سنین حکومت میں بہت اختلاف ہے عہد جدید کی تاریخ میں پانسو تیرہ سال' مسعودی کے نزدیک پانسو تیرہ اور فردوسی دوسو سال تسلیم کرتا ہے' اور اس کا یہ سبب ہے کہ جب اردشیر نے ۲۲۶ء میں ساسانی حکومت کی بنیاد ڈالی ہے اس وقت کل ملک محروسہ میں یہ پیشین گوئی عام تھی کہ زردشت کے ایک ہزار سال بعد (زردشت کا زمانہ سکندر سے دوسو اسی یا تین سو سال قبل تھا) مجوسی مذہب اور اُن کی سلطنت برباد ہو جائیگی لہذا اردشیر نے اس خیال سے کہ شاید پیشین گوئی صحیح ثابت ہو' سال رواں میں سے پورے تین سو سال کم کر دیئے اور مشہور کیا کہ ایک ہزار سال میں سے ہنوز پانسو چھیاسٹھ سال گذرے ہیں اور میری اولاد چارسو چونتیس سال تک حکومت کر سکتی ہے اور یہ تخمینہ تقریباً صحیح نکلا کیونکہ یزدجرد سوم (اخیر ساسانی تاجدار) کے قتل ہونے تک ساسانی حکومت کی مدت چارسو چھبیس یا چارسو اکتالیس سال ہوتی ہے' اس تحقیقات سے ظاہر ہے کہ ملوک الطوائف نے زائد از پانسو سال حکومت کی ہے اور برامکہ اس عہد سے قبل تھے لہذا کرمانی کی روایت تاریخی حیثیت سے مستند ہے اور کرمانی منجملہ اُن قدیم راویوں کے ہے جن کا مورخین عرب نے اکثر ذکر کیا ہے۔ اور تاریخ عجم عموماً دہقانوں' مرزبانوں اور موبدوں (پیشوایان مذہب) کی روایات سے مدون ہوئی ہے۔ کتاب التنبیہ باب زوال حکومت عجم از صفحہ ۹۵ و کامل اثیر صفحہ ۲۱۸ جلد اوّل

[3] سیاست نامہ مطبوعہ پیرس (فرانس) ۱۸۹۱ء از صفحہ ۱۵۱۔ یہ کتاب سول سروس کورس میں داخل ہے۔

روزے سلیمان بن عبدالملک (۹۶ھ-۹۹ھ) بار دادہ بود، و بزرگان دولت و ندما حاضر بودند بزبان او چناں رفت کہ ملکِ من از ملک سلیمان بن داؤد علیہما السلام اگر بیشتر نیست کمتر ہم نیست، الا آنکہ او را دد و دیو و پری بفرمان بود بد مرا نیست و از گنج و تجمل و مملکت و فرمانروائی کہ امروز مراست در ہمہ جہاں کس را نیست۔

یکے از بزرگان حاضر بود، او را گفت کہ بہترین چیزے کہ آں در مملکت باید و باد شاہاں را بودہ است ملک ما ندارد گفت آں چیست؟

گفت آں وزیرے کہ در خور تو باشد نداری، گفت چگونہ؟ گفت تو باد شاہ و باد شاہزادہ، وزیر ہم وزیر زادہ باید کافی کہ دہ پدر او وزیر بودہ باشد، گفت در جہاں وزیرے بدیں صفت کہ تو یاد کردی بدست آید؟ گفت آید، گفت کجا؟ گفت بہ بلخ۔

گفت آں کیست؟ گفت جعفر بن برمک است کہ پدران او تا اردشیر بابکاں وزیر بودہ اند۔

نوبہار، بلخ کہ آتشکدۂ قدیم است برایشاں وقف است، چوں اسلام پدید آمد و ملک از خاندان عجم برفت، پدران او بہ بلخ مقام کردند و ہم انجا بماندند و وزارت ایشاں را موروث است، و کتابہا است از تربیت و سیر وزارت نہادہ کہ چوں فرزندان ایشان خط و ادب آموختندے آں کتب پدریشاں وادندے تا یاد گرفتندے و سیرت ایشاں پرورش یافتے بر قاعدہ پدران از ہمہ جہاں وزارت ترا او شاید"

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ "جب سلیمان بن عبدالملک سے مصاحبوں نے عرض کیا کہ جس شان شکوہ کی ہماری سلطنت ہے، اس کے حسب حال کوئی وزیر نہیں ہے، تب سلیمان نے دریافت کیا کہ وزیر کیسا ہونا چاہیئے؟ جواباً عرض کیا گیا کہ وزیر السلطنت ایسا

ہو، جس کی نسل میں وزارت پشت سے وزارت چلی آتی ہو یہ سن کر سلیمان کو تعجب ہوا، لیکن مصاحبوں نے یقین دلایا کہ بلخ میں ایک خاندان مقیم ہے جو برمکی کہلاتا ہے اور یہ وہ خانوادہ ہے جسکے بزرگ عہد اردشیر بن بابک تک مسلسل وزیر ہوتے آئے ہیں۔

ب۔ نزہت القلوب | سیاست نامہ کے بعد، دوسری مستند شہادت نزہتہ القلوب کی ہے یہ کتاب حمد اللہ مستوفی قزوینی کی ہے جو ۷۴۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے اسلام کے ابتدائی حالات میں یہ مورخ لکھتا ہے:۔

"در سنہ سبع وتسعین (۹۷ھ) آغاز دولت برامکہ بود و اول شان جعفر برمکی کہ بجعفر بلخی مشہور بود از تخم گودرز دستور اردشیر بابکان است و نود سال دولت وزارت در خاندان او۔ از ایشان پنج کس وزارت کردند، جہاں کرم، وکریم جہاں بودند"[1]

قزوینی نے سیاست نامہ کی روایت پر اس قدر اضافہ کیا ہے کہ برامکہ گودرز وزیر کی نسل سے تھے۔ اور یہ گودرز اردشیر کا وزیر تھا، باقی درمیانی کڑیاں غائب ہیں (یہ بحث شجرۂ نسب میں تفصیل سے لکھی جائیگی) اور اسناد مذکور کی مزید تائید تاریخ مبدا و معاد[2] سے بھی ہوئی ہے۔

ج۔ مبدء و معاد | سلیمان بن عبدالملک اموی، وقتے گفت ملک من بیش از سلیمان است، مصاحبانش، گفتند، وزیرے کہ بایں ہمہ ممالک بر سد نداری از وزرائے اکاسرہ، جعفر نام، جوانے ساکن، نوبہار بلخ است، او را باید طلبید، وقریہ نوبہار ملوک عجم وقف آتشکدہ بلخ داشتند، تولیت آں بہ برامکہ گذاشتند، در دولت اسلام آتشکدہ برطرف شد، اما قریہ در تصرف برامکہ ماندہ بود۔ جعفر

---

[1] نزہت القلوب صفحہ ۴۹ مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ۔
[2] نسخہ قلمی سکہ، جلوس اکبر شاہ غازی، کتب خانہ مسٹر حامد دہلوی سپرنٹنڈنٹ حمیدیہ لائبریری بھوپال

مسلمان شدہ، از علم عربی بہرہ یافتہ، و علم حساب از آبا میراث دارد و امر وزیر بے تدبیر است، سلیمان اورا باعزاز طلبید، و وزارت بخشید ایشان از اولاد جاماسپ بودند، و برمک لقب جعفر بن جاماسپ، بود کہ زر جعفری بوے منسوب است کہ علم کیمیا می دانست و بقولے، متولی آتشکدہ را برمک میگفتند ونیز گفتہ اند برمک نوبہار بلخ است۔"

اس عبارت سے کئی تاریخی عقدے حل ہوتے ہیں۔

۱- برامکہ کا مورث جعفر وزرائے ساسانی (اکاسرہ) سے تھا۔

۲- آتشکدہ (بلخ) کے لئے جو جاگیر وقف تھی اور جس کے متولی برامکہ تھے، اس علاقہ کا نام نوبہار تھا۔

۳- برامکہ حکیم جاماسپ کی نسل سے تھے، جو کہ لہراسپ کیانی کا وزیر یا مشیر تھا اور اور جعفر بلخی بھی اسی جاماسپ کی نسل سے تھا، جس کا لقب برمک ہوا۔ یہ علم حساب اور کیمیا خوب جانتا تھا (خاندان برامکہ میں صرف ایک ہی جاماسپ ہوا ہے جو حکیم تھا)

۴- آتشکدہ کے متولی کا لقب برمک[1] تھا یا یہ کہ خود نوبہار بلخ کا نام برمک تھا۔

یہ اہم تنقیحات اور قیمتی نوٹ ہیں، جن کا فیصلہ مستند اور معتبر تاریخوں سے اپنی جگہ پر کیا جائیگا، ناظرین البرامکہ یہ جملہ مباحث یاد رکھیں۔

فردوسی، خواجہ نظام الملک طوسی اور حمداللہ قزوینی کے سامنے جو سرمایہ قدیم تاریخ عجم کا موجود ہوگا وہ ہم کو میسر نہیں ہے، لہذا ان بزرگوں کی روایتیں صدیوں سے مستند مانی جاتی ہیں، ان کے بعد روضۃ الصفا وغیرہ میں برامکہ کے جس قدر حالات ہیں، ان کا ماخذ متاخرین کی تصنیفات ہیں، لہذا ان اسناد سے بالکل بحث نہیں کی جائیگی۔

---

[1] یہ معما ابھی حل نہیں ہوا ہے کہ تولیت نوبہار کی وجہ سے برمک کیوں کہتے تھے۔ مفصل بحث آگے آتی ہے۔

۲۔ بلخ کی تاریخی عظمت

برامکہ کس زمانہ میں تھے اور اُن کا تعلق، کن درباروں سے رہا' اس کا اجمالی بیان ہو چکا۔ اب بلخ کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے، جس میں آتشکدۂ نو بہار تھا اور جس کے انتساب سے خاندان برامکہ مشہور ہوا۔

صوبہ خراسان (اقلیم چہارم) کے چار عظیم الشان شہروں میں[1] سے ایک بلخ بھی ہے جو قدامت کے لحاظ سے اُمّ البلاد کہلاتا ہے۔

بلخ کا بانی کیومرث (اوستا[2] کا گیو مرتیہ) پیشدادی ہے۔ لیکن شاہانہ تعمیرات کی تکمیل طہمورث اور منوچہر (بن ایرج بن فریدوں) کے عہد میں ہوئی۔ اسکے بعد جب کے لہراسپ (کیخسرو کا بھتیجہ) نے بلخ کو دارالسلطنت بنایا تو اس کا حسن وجمال' انتہائی درجہ پر پہنچ گیا۔

بخت نصر (بنوخذ نصر) شاہ بابل[3] جس زمانہ میں، بیت المقدس کو برباد کر رہا تھا، اس وقت لہراسپ بلخ کی آرائش میں مصروف تھا۔

بلخ کو باختر[4] بھی کہتے ہیں' اور اس کا یہ سبب ہے کہ عہد قدیم میں 'بابل اور نینوی کی طرح باختر بھی' خراسان میں ایک بڑا شہر تھا اور باختر سے تین میل کے فاصلہ پر بلخ ایک قصبہ تھا جب باختر ویران ہو گیا تو کیانیوں کے دور میں بلخ 'دارالسلطنت ہو کر باختر کا قائم مقام بن گیا۔ اہل فارس

---

[1] انتخاب از مرآۃ البلدان ناصری، مصنفہ صنیع الدولہ محمد حسن خاں' اعتماد السلطنت مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ و گنج دانش محمد تقی خاں حکیم، مطبوعہ اصفہان ۱۳۰۵ھ اور بلخ و نزہت القلوب (باب جغرافیہ) مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۵ء صفحہ ۵۵ تذکرہ بلخ و تاریخ کامل صفحہ ۱۰۰ جلد اول۔

[2] زردشت کی مذہبی کتاب کا نام اوستا ہے' جس کی نسبت دعویٰ ہے کہ وہ صحیفۂ آسمانی ہے۔

[3] بخت نصر کلدانی کا زمانہ ۶۰۵ق م سے ۵۲۲ق م تک رہا ہے۔

[4] باختر Bakhtaria کے علاوہ آوستا (کتاب زردشت) میں بلخ کا نام باخدی Bakhdhi اور بخل (BakhL) بھی ہے' ملاحظہ ہو ڈارمسٹیٹر (D.ARMESTATER) ترجمہ اوستا ۲۰۴ جلد ۳، مطبوعہ پیرس ۱۸۹۲ء

مشرق کو باختر کہتے ہیں اور کبھی مغرب پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، اسی طرح وہ صوبہ خراسان کو بھی مشرق کہتے ہیں، کیونکہ خور (آفتاب) مشرق سے نکلتا ہے اور یونانی میں بلخ کا نام بکٹریہ ہے جو باختر کی مسخ شدہ صورت ہے۔

ایرانیوں کی نظر میں بلخ اس لئے مقدس ہے کہ زردشت کی آگ اول اسی جگہ چمکی پھر اطراف عالم میں اسکے نورانی شعلے بلند ہوئے اور پرستش شروع ہو گئی۔

ایران کے ہر ایک مورخ نے بلخ کے ذکر میں یہ جملہ ضرور لکھا ہے کہ "قبل از اسلام بواسطہ آتشکدہ موسوم بہ نوبہار، بلخ را محترم می دانستند" بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ بلخ کا مذہبی احترام آتشکدہ نوبہار سے وابستہ تھا۔

بلخ عہد اسلام میں

فتوح البلدان بلاذری کی روایت کے مطابق بلخ سنہ ۳۰ھ (۶۴۹ء) میں احنف بن قیس کی سپہ سالاری اور حضرت عبداللہ بن عامر کی قیادت میں فتح ہوا اور چار لاکھ یا سات لاکھ سالانہ خراج پر صلح ہو گئی اور مقبوضات پر سابق مرزبان قابض رہے[1]

احمد بن یحییٰ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) نے ایک معمولی واقعہ کی حیثیت سے فتح بلخ کا ذکر کیا ہے اور نوبہار و برامکہ کی تفصیل نہیں لکھی ہے لیکن عجم اور عرب کی تاریخوں میں یہ واقعہ حد تواتر کو پہونچ گیا ہے کہ نوبہار کا علاقہ سالانہ خراج پر جعفر بلخی (برمکی) کے قبضہ میں رہا۔

مصنف گنج دانش، حالات بلخ میں لکھتا ہے۔

"آتش کدہ در آں (شہر بلخ) بود از جمیع بزرگ تر، برمک جد برامکہ خادم آنجا بود وے بر جمیع آں بلاد حکم داشتہ و فرماں روا بود، تا آنکہ در زمانہ خلیفہ سوم بلخ مفتوح شد اولاد وے را نوبت آتش پرستی سر آمد و باسلام ترغیب نمود، نزد حضرت عثمانؓ آمدہ متعہد و ضامن مالیات آنجا شدہ و حکومت آنجا را گرفتہ مسلمان شد"

اسکی تصدیق کتاب البلدان ابن الفقیہ اور یاقوت کے جغرافیہ معجم البلدان، اور

[1] فتوح البلدان، بلاذری صفحہ ۴۰۸ مطبوعہ مصر ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

تاریخ ماوراء النہر سے بھی ہوتی ہے اور یاقوت لکھتا ہے:-

کانوا ضمنوا مالاً عن البلد ... انہ رغب فی الاسلام فاسلم ... سمی عبداللہ ورجع الی اھلہ ... ولدہ وبلدہ"

متولیٔ نوبہار نے بلخ کی جمع (خراج) کو تسلیم کر لیا اور مسلمان ہوا۔ اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور تکمیل معاہدہ کے بعد وہ بمقام بلخ اپنے اہل وعیال میں واپس چلا گیا۔

متولیٔ نوبہار کا نام جعفر تھا یا عبداللہ، یہ بحث شجرۂ نسب میں طے ہوگی۔

خلافت راشدہ کے بعد بھی بلخ ایک آباد اور متمدن شہر تھا، لیکن عہد چنگیز خاں (۶۱۷ھ/۱۲۲۱ء) سے زوال شروع ہوا اور اب قدیم آبادی سمٹ کر مزار شریف (مقبوضۂ گورنمنٹ افغانستان) میں آگئی ہے۔ اور یہی قصبہ گویا قدیم بلخ ہے، جس کی تجدید اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ (المتوکل علی اللہ) امیر افغانستان خلد اللہ تعالیٰ ملکہ کے حکم سے ہو رہی ہے۔ حزقیل نبی، ابراہیم ادہم اور حضرت شقیق بلخی کے مزار، کھنڈرات بلخ میں ہنوز بوسہ گاہ خلائق ہیں۔

شدیم خاک ولیکن بہ بوئے تربت ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد میخیزد

۳۔ قدیم ایرانیوں کا مذہب اور اُن کی عبادت خانے

جب تک قدیم ایرانیوں کا مذہب معلوم نہ ہو، لفظ "نوبہار" اور برمک کی اصلیت سمجھ میں نہیں آسکتی ہے۔

مجوسیوں کا اعتقاد ہے کہ مہ آباد اُن کا ابوالبشر (بابا آدم) پہلا بادشاہ اور پہلا پیغمبر تھا اور یہ

لے مصنفہ معتمد السلطان محمد تقی خاں بہادر صفحہ ۳۰ ذکر بلخ مطبوعہ بمبئی۔

اُس زمانہ کی بات ہے جس کو اصطلاحاً غیر تاریخی یا "زمانہ قبل تاریخ" کہتے ہیں۔

قانون مہ آباد کے مختلف ابواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس زمانہ میں ایک ذات
کی عبادت ہوتی تھی اور ہزاروں سال تک توحید قائم رہی، لیکن پیغمبری دور کے خاتمہ
الحاد کا دورہ ہوا۔

عہد قدیم[1] میں حکومت بھی پیغمبروں کی تھی مہ آباد[2]، جے افرام[3]، شای گلیو اور یاسان
آجام تک جو یکے بعد دیگرے حاملان شریعت و حکومت تھے توحید زندہ رہی۔

دورِ نبوت کے بعد جب پیشدادیوں میں، حکومت آئی تو کیومرث (ملقب بہ گل شاہ یا ملک
پہلا تاجدار ہوا، اسکے لقب سے ظاہر ہے کہ یہ صرف خدا کی بنجر زمین پر حکمران تھا۔ اور ہنوز ایرانی
کی معمولی تمدنی ترقیوں سے بھی محروم تھے۔ کیومرث نے پہاڑ کے غاروں کو مسکن بنایا، شیر و پلنگ
کی کھال سے، اپنی ذات اور رعایا کے لئے، لباس تیار کیا، جانوروں کو مطیع و فرمانبردار بنایا، خو
نوش کا سامان ہوا، جیسی تمدنی ترقی تھی، اسی معیار سے مذہب کی بھی رفتار تھی۔

کیومرث کے بعد عہد جمشید میں غیر معمولی تمدنی ترقی ہوئی، اور مذہبی حیثیت سے آگ
مظہر الٰہی تسلیم کر لیا گیا۔ اسکے بعد اژی دھاک یا اژدھاک (یہ اوستا کا صحیح تلفظ ہے
عربوں نے ضحاک[1] بنا لیا ہے اور اِسی لفظ کی وجہ سے اژی دھاک کے حالات میں متعدد غلطیا
ہوئی ہیں) فرمانروا ہوا۔ چنانچہ ضحاک کے عہد حکومت میں ستارہ پرستی (صابی مذہب) شروع
ہوئی، جس کو فریدوں اور منوچہر نے اپنے زمانہ میں خوب ترقی دی[2]۔ دبستان مذاہب میں
ستارگاں و آسمانہا، ساہلے انوار مجردہ اند، بنابریں، ہیاکل سیارہ ہفت گانہ
پیر استندے و طلسمے مناسب ہر ستارہ از کانے ساختہ داشتندے۔

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ملل و نحل شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء و شاہنامہ فردوسی حالات کیومرث۔
۲؎ مصوروں نے ضحاک کے شانوں پر دو سانپ بھی بنا دیے ہیں، حقیقت میں گوشت کے دو لوتھڑے تھے جب ان میں سوزش ہوتی تھی تو بیل یا مغز انسان کی مالش کیجاتی تھی۔ ملاحظہ ہو تجارب الامم ابن مسکویہ حالات ضحاک
۳؎ تاریخ کامل صفحہ ۴۴ جلد اول ۴؎ بعض مورخ اسکے قائل ہیں کہ ستارہ پرستی بھی عہد جمشید سے شروع ہوئی۔

وتبوسط ایں کدہ سالاراں، بادشاہ را دیدندے و در ہر پیکرگاہ، چندیں وزیر و سپہ دار بکار بادشاہی مشغول بودندے۔ کہ آں کارہا از متعلقات پیکر آں کدہ است

در خورستار ہر کدہ تمام روز سفرہ گسترده بود، اقسام اطعمہ واشربہ آمادہ ہیچ کس را منع نہ کردندے، ہر کہ خواستے بخوردے وچنیں در کوی ہر کدہ بیمارستانے تا بیمار از مردم متعلق ہر اختر کہ بودے طبیب آں بیمارستانش علاج کردے وچنیں برائے مسافراں جاہا آمادہ بود، چوں بشہر آمدے از متعلقاں ہر کدہ کہ بودے بداں کوئے رفتے۔

ایں[1] ہیکل ہائے عظیم است وگرنہ در ہر خانہ پیکر ہائے کواکب بود وتفصیل آں در اخترستان مذکور است۔

و در برابر ہفت پیکر، آتشکدہ بزرگ بود کہ ایشاں را کیوان آذر، ہرمز آذر، بہرام آذر، ہور آذر، ناہید آذر، تیر آذر، ماہ آذر می نامیدند۔ و ہر آذر کدہ منسوب بہ یکے از کواکب سبعہ بود و در آں جا آنچہ بایستے افروختہ بفروختندے

متولیوں کے ذریعہ سے بادشاہ کی ملاقات ہوتی تھی اور ہر مندر میں اعلیٰ وادنیٰ درجہ کے اہلکار شاہی خدمات کے لئے مقرر تھے اور یہ خدمتیں اس مندر سے مخصوص تھیں۔

ہر مندر کے ساتھ ایک باورچی خانہ تھا جس میں ہر وقت دستر خوان بچھا رہتا تھا اور طرح طرح کے لطیف کھانے اور شربت تیار رہتے تھے جس وقت جس کا جی چاہے کھائے کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، اسی طرح ہر مندر کے متعلق ایک شفاخانہ بھی ہوا کرتا تھا جس میں انہیں بیماروں کا علاج ہوتا تھا جو مندر مذکور کے پجاری ہوتے تھے اور مسافروں کے قیام کیلئے بھی ہر مندر کیساتھ مہمان خانے تھے

یہ تو بڑے مندروں کے حالات ہیں ورنہ پوجا کے لئے ہر گھر میں ستاروں کی مورتیاں موجود تھیں۔ جسکی اخترستان میں تفصیل ہے

اور ہر مندر کے متصل ایک بڑا آتشکدہ بھی تھا جو انہیں سات ستاروں کے نام سے موسوم تھے۔ کیوان آذر، ہرمز آذر، بہرام آذر، ہور آذر، ناہید آذر، تیر آذر، ماہ آذر۔ اور ان میں وہ بخور جلا کرتے تھے جو اُس دیوتا سے منسوب تھے۔

[1] دبستان مذاہب صفحہ ۲۳۔

جس زمانہ تک ایران میں ستارہ پرستی قائم رہی، اس وقت تک کسی نے آگ کی عبادت نہیں کی نہ اس کو معبود مانا۔ لیکن چونکہ آگ مظہر یزدانی تسلیم کر لی گئی تھی، اس لئے اظہار عظمت کیلئے مندروں کے ساتھ ساتھ آتشکدے بھی تھے جن میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی لیکن دیوتاؤں کے سامنے اسکی چمک دمک اور حرارت کو فروغ نہیں ہوا ان آتشکدوں کے متولی بھی جداگانہ ہوتے تھے، یہ اہم واقعہ نتیجہ خیز ہے اس کو یاد رکھئے۔

جس طرح ہر دیوتا کے لئے کھٹے کڑوے، بدمزہ اور روغن آمیز کھانے مقرر تھے ویسے ہی بخور بھی مختلف تھے، مثلاً صندل (چندن) زعفران (کیسر) عود (مندل) مصطگی[1]، صمغ عربی، سندروس[2]، حب الغار[3] اور میعہ[4]۔

ایران کے خلاف ہندوستان کے دیوتاؤں کے سامنے جو کھانے رکھے جاتے تھے وہ لطیف ہوتے تھے اور ان پر ہر قسم کے خوشبودار پھول اور ناریل چڑھائے جاتے تھے۔

سلہ ۱۔ مصطگی رومی۔ ممالک شام، ایشیائی کوچک، آرمینیہ، اور ان ممالک کے نواح میں مصطگی کا درخت ہوتا ہے یہ قد و قامت میں درخت پیلو (جس کی مسواک بنائی جاتی ہے) کے برابر ہوتا ہے، جوف درخت سے قطرے ٹپک کر جم جاتے ہیں، جو ایک قسم کا گوند ہے۔ یہ اوّل درجہ کا ہے اور جو گوند درخت میں اشگاف لگا کر پیدا کیا جاتا ہے وہ درجہ ادنیٰ کا ہوتا ہے بھوپال کے جنگل میں بھی مصطگی کا درخت ہوتا ہے۔ اور یہ محض اتفاق ہے

۲۔ سندروس:۔ ہندی میں چندروس کہتے ہیں مثل کافور کے یہ بھی ایک درخت کا گوند ہے جس کا رنگ زرد (کہربا کے مشابہ) ہوتا ہے بعض اطبا کا قول ہے کہ درخت کا فور سے شب میں جو تراوش ہوتی ہے وہ کافور ہے اور دن میں جو قطرات ٹپکتے ہیں وہ چندروس ہے۔ علاوہ بخور کے دیگر امراض میں بھی مستعمل ہے۔

۳۔ حب الغار۔ غار عربی ہے یونانی میں سقلیموس کہتے ہیں، پھلی کا نام حب الغار ہے۔ جو چھوٹے ریٹھے (بندق) کے برابر ہوتی ہے، اس درخت کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ یونانیوں میں غار کا درخت نہایت متبرک ہے، اس کی لکڑی سے دستی چھڑیاں اور ٹوپیاں بنائی جاتی ہیں، پتّے نہایت خوشبودار ہوتے ہیں اور متعدد امراض میں یہ پھل مستعمل ہوتا ہے۔ یونانیوں نے اس کے متعدد خواص لکھے ہیں (از "مخزن الادویہ" و "تحفۃ المومنین")

۴۔ میعہ۔ یہ ایک درخت کا گوند ہے جو ملک شام میں ہوتا ہے اور اس کو میعہ سائلہ کہتے ہیں اور جس کو جوش دیکر منجمد کر لیا جاتا ہے وہ میعہ یابسہ ہے۔ یہ خوشبودار تیل ہے۔ شامی اس کو بمنزلہ عنبر سمجھتے ہیں، یہ روغن ملک شام سے ایران میں جاتا تھا۔ اور غار کا درخت بھی شام میں ہوتا ہے۔

مصارف کے لئے شاہان ایران نے ہر مندر کے لئے جاگیریں مقرر کردی تھیں، مندروں کے لئے خدام میں نجومی بھی شامل تھے، کیونکہ عبادت کے لئے سب سے بہتر وہ دن ہوتا تھا جب ستارے حالت شرف میں اپنے برج کے اندر ہوں، علاوہ بریں یہ نجومی نیک و بد ساعت سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے اور شاہی نجومی جداگانہ تھا اور یہ سب ستارہ پرستی کا نتیجہ تھا جسکے اشارات فارسی علم ادب میں بکثرت موجود ہیں۔

جب منوچہر بوڑھا ہوگیا اور اُس کی موت کا وقت قریب آگیا تو اس کے پاس نجومی جمع ہوئے، اُنھوں نے حالات آسمانی سے اس کو آگاہ کیا۔

جو سال منوچہر شد بر دو شصت ٭ ز گیتی ہمی بار رفتن بہ بست
ستارہ شناساں بر او شدند ٭ ہمی ز آسماں داستانہا زوند

خطوط کے عنوان پر جس طرح فی زمانا بسم اللہ یا مقدس الفاظ لکھے جاتے ہیں اُس عہد میں ستاروں کے نام ہوتے تھے، نوذر، سام پہلوان کو خط لکھتا ہے۔

بہ سکسار ماژندراں بود سام ٭ نخست از جہاں آفریں بود نام
خداوند بہرام و ناہید و ہور ٭ کہ ہست آفرینندۂ پیل و مور

چنانچہ یہ اصنام پرستی جو ستاروں کی شکل میں تھی، زردشت کی بعثت پر ملکا بند ہوگئی اور آتشکدوں کی آگ چمک اُٹھی۔ اور مذہب کا نیا دور شروع ہوا۔

۴- آتش پرستی اور قدیم آتشکدے

۱- ظہور آتش ہوشنگ شاہ پیشدادی ایک دن چند مصاحبوں کے ہمراہ کسی پہاڑ پر تھا کہ دور سے ایک خوفناک اژدہا نظر آیا، جسکے منھ سے دُھواں نکل رہا تھا اور

سر پر دو آنکھیں، چشمۂ خون کی طرح چمک رہی تھیں اسلحہ ساتھ نہ تھے، لہذا اژدہے پر سنگ باری کی گئی، پتھروں سے تو یہ موذی ہلاک نہ ہو سکا لیکن مسلسل ضربات سے آگ کی چنگاریاں چٹان سے نکلنے لگیں یہ منظر دیکھکر ہوشنگ متحیر رہگیا، فردوسی لکھتا ہے۔

جہاں دار پیش جہان آفرین	نیائش ہمی کرد و خواند آفرین
کہ اورا فروغے چنین ہدیہ داد	ہمین آتش آنگاہ قبلہ نہاد
بگفتا فروغیست این ایزدی	پرستید باید اگر بخردی
شب آمد بر افروخت آتش چو کوہ	ہمان شاہ در گرد او با گروہ
یکے جشن کرد آن شب و بادہ خورد	سدہ نام آن جشن فرخندہ کرد

خلاصہ یہ ہے کہ ہوشنگ شاہ نے اس روشنی (فروغ) کو قابل پرستش سمجھا اور آگ کے شعلے کو نور یزدانی خیال کیا۔ خدا کی تعریف کی اور اسی شب میں پہاڑ پر آگ جلا کر ندیموں کے جھرمٹ میں، بادہ نوشی شروع ہوئی۔ اور اس یوم مسرت کا نام جشن سدہ رکھا گیا، جو ماہ بہمن کی دسویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں چقماق سے آگ نکالنے کا طریقہ جاری ہوا، جو ہنوز وحشی اقوام میں موجود ہے۔

ہوشنگ اور طہمورث کے بعد جمشید کا دور آیا، مذہب کا عقلی طور پر احساس ہوا اور قوم نے جمشید کو نہ صرف فرمانروا بلکہ ایک وجود ربانی تسلیم کر لیا اور وہ خود بھی خدائی کا مدعی ہوا۔

منم گفت با فرۂ ایزدی	ہم شہریاری و ہم موبدی
گراید دنکہ و انید من کردم این	مرا خواند باید جہان آفرین

۲۔ آتشکدے

چنانچہ اس عہد میں بمقام خوارزم[2] پہلا آتشکدہ تعمیر ہوا جسکو گشتاسب نے بلحاظ قدامت وعظمت داراب جرد[3] میں منتقل کر دیا تھا اور اسکی آگ سے

---

[1] شاہنامہ صفحہ جلد اول

[2] خوارزم۔ مابین ماوراء النہر و طخارستان ایک چھوٹا صوبہ ہے جس کا صدر بھی خوارزم کے نام سے مشہور ہے۔

[3] داراب جرد:۔ صوبہ فارس کے پرگنہ اصطخر میں ایک مشہور قریہ تھا۔ معجم البلدان یاقوت صفحہ ۲ جلد ۴

متعدد آتشکدے گرم ہوئے تھے۔

جمشید کے بعد ظالم اژدی ہاک (ضحاک) فرمانروا ہوا اور اس عہد کے مشہور حکیم پیکر نے آگ کو ایزد برتر کا درجہ دیا[1] اور ممالک ایران سے دژ ہوخت گنگ (موجودہ بیت المقدس) تک آتش پرستی شروع ہوگئی، جب فریدوں بن آبتین (اوستا کا تھری تونہ) کیانی اژدی ہاک کا جانشین ہوا تو اس نے بھی آتش پرستی کو خوب ہی فروغ دیا اور جشن صدارت کے موقع پر جملہ آتشکدوں کے اندر عنبر و زعفران جلانے کا حکم صادر ہوا۔

مے روشن و چہرۂ ماہِ نو | جہاں پُر زداد و سرِ ماہِ نو
بفرمود تا آتش افروختند | ہمہ عنبر و زعفراں سوختند

طوس میں[2] دوسرے مشہور آتشکدے آذر خراد (آذر خرد) اور آذر برزین مہر تھے ان میں پہلا عابدوں و زاہدوں کے لئے وقف تھا، گشتاسپ نے آذر خرد کو بھی کابل میں منتقل کرلیا، اور آذر برزیں پیشہ وروں کے لئے تھا۔

فریدوں کے بعد جب اس کا پوتا منوچہر (مینو چہر) بن ایرج حکمراں ہوا تو اس نے بھی فریدوں کی تقلید کی فخریہ کہتا ہے۔

براہ فریدوں فرخ رویم | نیا ماں کہن بود اگر ما نویم
شب تار جوئندہ کین منم | ہماں آتش تیز برزیں منم

اس کے علاوہ بلخ میں منوچہر نے ایک شاندار مندر ماہتاب کا بھی تعمیر کیا تھا جو تاریخ میں نوبہار کے نام سے مشہور ہے (تفصیل آگے درج ہے)

---

[1] دوسرا حکیم میلان تھا جو ہوا کو خدا کہتا تھا اور تیسرا شیداسپ تھا جو خاک کی الوہیت کا قائل تھا۔

[2] طوس — وہی قدیم شہر ہے جس کو اب مشہد مقدس یا مشہد رضوی کہتے ہیں۔ صوبہ خراسان کا مشہور شہر ہے۔ اسکی عظمت امام علی رضا علیہ السلام کے نام نامی سے وابستہ ہے۔

منوچہر کے بعد کیکاؤس اور کیخسرو بھی اپنے بزرگوں کے پیرو تھے، چنانچہ کیخسرو نے اردمیہ[1] میں آتش کدہ آذرگشسپ تعمیر کیا تھا۔ اس کے جملہ بخاری سپاہی تھے۔

جب کیخسرو ملک کا دورہ کرتا ہوا آذر آبادگان[2] (آذربائیجان) میں پہونچا ہے تو وہ اُس کے اندر داخل ہوا تھا۔

چنیں تا در آذر آبادگاں | بشد با بزرگان و آزادگاں
ہمی خورد بادہ ہمی تاخت اسپ | بیامد سوی خان[3] آذرگشسپ
جہاں آفریں را ستائش گرفت | بآتش کدہ بر نیائش گرفت

یہ مشہور روایت ہے کہ جب گشتاسپ زردشت پر ایمان لایا ہے تو امشا سفند (فرشتے) اس قدیم آتشکدے سے آگ لائے تھے، چنانچہ کیخسرو مرتے دم تک آتش پرست رہا۔ اور عالم نزع میں اپنے جانشیں کو وصیت کرتا ہے۔

دگر ہر کجا رسم آتشکدہ است | کہ بے ہیر بد جائے ویراں شدہ است
بباید ہمی آتش افروختن | بداں نام نیکو بہ بیند و ختن

کیخسرو کا دوسرا آتشکدہ آذر کاؤس تھا، جو دز بہمن[4] میں تعمیر ہوا تھا، یہ ایک عظیم الشان ناقابل تسخیر قلعہ تھا جب کیخسرو نے فتح کر لیا تو اس مقام میں بطور یادگار یہ آتشکدہ بنایا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی آتش کدے تھے، چنانچہ مارسس جبل اصفہان میں ایک مشہور آتشکدہ تھا۔ کیانیوں کے بعد جب ملک میں طوائف الملوکی ہو گئی تو اس زمانہ میں بھی آتش کدے بکثرت

---

[1] اردمیہ:۔ صوبہ آذربائیجان میں مشہور شہر ہے، شہر خوئے کے جانب جنوب اور بحیرہ اردمیہ سے جانب مغرب ایک منزل کے فاصلہ سے آباد ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زردشت کا یہی وطن تھا۔

[2] آذربائیجان ایران کا قدیم صوبہ ہے جو ارمینیہ اور کردستان کے مابین واقع ہے۔ اس صوبہ میں بکثرت آتشکدے تھے اسلئے آذر آبادگان نام ہوا

[3] جو آتشکدے بہت بڑے ہوتے تھے اور جن میں بکثرت خدام و مسافر ٹھہرتے تھے وہ خان بھی کہلاتے تھے اب خان کا لفظ ایران میں سرائے و رباط کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

[4] یہ قلعہ اردبیل (اربیلا) میں تھا لیکن آبادی دز بہمن کے نام سے مشہور رہی۔ یہ شہر کسی زمانہ میں سبز تھا اسکے قریب بلند پہاڑ سیلان ہے جس پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔

تے انہیں کچھ زرتشت قدیم تھے اور اکثر نو تعمیر۔ مورخ مسعودی[1] کا بیان ہے۔

"بیت نار معظم عند سائر طبقات الناس الفرس، یقال لہٗ آذرخش وآذر احد اسماء النار بالفارسیۃ والخش الطیب وکان الملک من ملوك الفرس اذا ملك زارہٗ ماشیاً تعظیماً وتنذر لہٗ النذور وتحمل لہ التحف والاموال"

ایک آتشکدہ ہے جو ایرانیوں کے تمام طبقات میں معظم ہے اور اس کا نام آذرخش ہے۔ فارسی زبان میں آگ کے متعدد نام ہیں ان میں سے ایک نام آذر[2] بھی ہے اور خش کا ترجمہ ہے "پاک" اور جب کوئی بادشاہ تخت نشیں ہوتا ہے تو وہ اس آتشکدہ کی زیارت کو پا پیادہ جاتا ہے اور نذریں چڑھاتا ہے اور ہر قسم کے تحفے اور مال بھیجتا ہے"۔

مسعودی نے عربی لہجہ میں جس آتشکدہ کا نام آذرخش لکھا ہے وہ در اصل کیخسرو کا آذر گشسپ ہے، جس کو متاخرین آذر گشتاسپ بھی کہتے ہیں۔

آتش کدوں کے نام کا اول یا آخر جزو اکثر آذر ہوتا تھا تاکہ نام لیتے ہی عبادت خانہ کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے، مثلاً آذر نوش، آذر آبان، آذر خُذینَن، اور کیوان آذر وغیرہ[3]

پہلوی میں آگ کے متعدد نام ہیں، لیکن مقدس صرف تین ہیں۔ ۱۔ گشسپ۔ ۲۔ فرنگ (فروبہ یا خراد) ۳۔ مہر۔ اسی مضمون کی طرف فردوسی اشارہ کرتا ہے۔

چو آذر گشسپ و چو خراد و مہر | فروزاں چو بہرام و ناہید و مہر

گشسپ وہ آتش سیال ہے، جو شعلہ خیز ہو اور اس کی تڑپ اور لپٹ کسی وقت میں کم نہ ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ گویا کہ زمین پر بجلی گرا چاہتی ہے اور اسی لغوی مناسبت سے آتشکدہ

[1] کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۹۵ و مروج الذہب جلد اول (بیروت النیران)
[2] آذر ایک موکل تھا جو تیر اعظم پر تعینات تھا اور آذر کی ترکیب سے فارسی میں مختلف الفاظ و محاورات ہیں۔
[3] ہفت قلزم صفحہ ۲۲ جلد ۹ مطبوعہ قدیم، لکھنؤ۔

کا نام آذر گشسپ تھا، جو سپاہیوں کے لئے مخصوص تھا۔
اور دوسرا آذر فرونگ خراسان میں، مذہبی پیشواؤں کے لئے[1] تھا، تیسرا آذر برزین علاقہ نیشاپور میں تھا، جس کے پرستار صرف مزدور تھے۔

آگ پر ایمان لانا جزو مذہب تھا، لہذا آگ کی تعظیم مختلف طریقوں سے کیجاتی تھی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ مقدس اسمائے باریتعالیٰ کی طرح آگ کی بھی قسم کھاتے تھے۔ اور احترام کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سنگین جرائم کے ملزم جلتی ہوئی آگ کے اندر سے نکل کر اپنی بے گناہی ثابت کرتے تھے۔

سیاوش بن کیکاؤس پر جب اس کی سوتیلی ماں سودابہ[2] نے اقدام زنا کا الزام لگایا، اس وقت یہ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر دہکتے ہوئے الاؤ کے اندر (جو وسیع پیمانہ پر تیار کیا گیا تھا) آہستہ خرامی کے ساتھ نکلا اور جلنے سے محفوظ رہا (فردوسی نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے)

مترجم[3] اوستا ڈار مسٹیٹر نے بھی کسی قدیم تاریخ سے یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "بعد از دارا ملوک طوائف ہر یک برائے خویش آتش گاہ ساختند" اس دور کے بعد ساسانیوں کی حکومت ہوئی، اس میں بھی اردشیر سے نوشیرواں تک ہر ایک نے آتش کدے بنائے جو فتوحات اسلام تک باقی تھے۔

ابن حوقل سیاح (۳۴۱-۳۵۸ھ) کا بیان ہے کہ وہ اس کثرت سے تھے کہ بجز سرکاری کاغذات کے کوئی شخص ان کی تعداد نہیں بتا سکتا تھا اور اس کثرت کا سبب مورخ مسعودی نے یہ لکھا ہے کہ "جب اسلام نے ترقی کی تو مجوسیوں نے اس خیال سے متفرق مقامات پر آتش کدے

---

[1] گشتاسپ نے اسکو کابل میں منتقل کر لیا تھا۔
[2] سودابہ کا عربی نام سعدیٰ ہے یہ شاہ یمن کی بیٹی تھی، ارض یمن کو اصطلاح جغرافیہ میں عرب حمیر کہتے ہیں فردوسی نے حمیر کو مادر اں لکھا ہے، حمیر یمن کا پہلا بادشاہ تھا جسکے نام سے یہ ملک مشہور ہوا، کتاب التیجان مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۴۷ھ۔
[3] ڈار مسٹیٹر جلد ۳

بنائے کہ اگر ایک برباد ہو جائیگا تو دوسرا باقی رہیگا"

خلاصۂ تحقیقات یہ ہے کہ اول ایرانی قوم نے آگ کو مظہر الٰہی تسلیم کیا، پھر اس کی پرستش ہوئی، جب زردشت کا عروج ہوا تو مندر فنا ہو گئے اور اس وقت سے آغاز اسلام تک آتش پرستی جاری رہی۔

ایران کی بت پرستی کے متعلق مورخ مسعودی[1] کی روایت ہے کہ طہمورث پیشدادی[2] کے زمانہ میں جب بوذاسف (مہاتما سدارتھ منی گوتم بدھ) ایران پہونچے ہیں تو ان کے وعظ کے اثر سے اس ملک میں بت پرستی جاری ہوئی۔

یہ بیان غلط ہے اور کسی طرح قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ بدھ[3] کی ولادت (۵۶۸ ق م) میں ہوئی ہے اور پچیس۲۵ سال کی عمر تھی کہ (روشن ضمیر) بن کر سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے اور راسی سال کی عمر (۴۸۸ ق م) میں انتقال ہوگیا۔ یہ کیخسرو بن سیاوش (ولادت ۵۸۸ ق م) کیانی کا زمانہ تھا اور مورخین ایران کی روایت کے مطابق طہمورث، کیخسرو سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے تھا۔

اور ہندوستان کی تاریخ میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ بدھ مذہب راجہ اشوک کے زمانہ میں ہند سے نکل کر بلاد مشرق میں پھیلا ہے اور اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۱ ق م تک حکومت کی ہے لہٰذا قدیم پیشدادی دور اور آتش کدۂ نوبہار کے حالات میں بدھ کا تذکرہ محض فسانہ ہے۔ اور ایک عظیم الشان تاریخی غلطی۔

---

[1] مسعودی تذکرہ بیوت النیران جلد اول۔

[2] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، جلد چہارم طبع یازدہم، تذکرہ گوتم بدھ

[3] بدھ کی سنہ ولادت اور وفات میں اختلاف ہے، گرنڈویڈل جرمنی کی تحقیقات ہے کہ بدھ کی ولادت ۵۵۶ ق م میں ہوئی اور ۴۷۶ ق م انتقال ہوا۔ سرجان مارشل ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ ہندوستان لکھتے ہیں کہ ۵۶۲ ق م میں ولادت اور ۴۸۲ ق م میں موت ہوئی۔ یہ سب سے اخیر تحقیقات ہے۔

مہاتما بدھ کے مختلف نام ہیں، پالی زبان میں بودھاست۔ سنسکرت میں بدھی ست۔ عبرانی میں، جوزافت۔ عربی میں بوذاسف۔ ایرانی میں بوداسدی۔ تاریخ بدھ (مترجمہ کتاب جاتک تھارن ناٹا بزبان پالی) مترجمہ ریس ڈیوڈس مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء

۵۔ شتؔ وخشنورِ زردشت کی بعثت، ستارہ پرستی کا زوال اور آتش پرستی کا جدید نظام

(پیغمبر)

وہ دور ختم ہوچکا جس میں زردشت[1] ایک پیکرِ خیالی تسلیم کیا گیا تھا، اب ایشیا اور یورپ میں زردشت بن پورشسپ بن پیترسپ ایک تاریخی وجود مانا جاتا ہے اور وہ ایرانیوں کا پیغمبر[2] اس کی ماں کا نام دغدویہ (دغداو یا ددغدو) اور نانا کا نام فراہیمرا تھا۔

پیغمبروں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اعلیٰ خاندان سے ہوں اور اُن کا نسب داغ و دھبہ سے پاک ہو اس لئے یزدان نے زردشت کو شہنشاہ فریدون کی نسل سے پیدا کیا تھا۔

زردشت کے لغت پہلوی میں متعدد معنی ہیں کوئی عابد النار (آگ کا پجاری) رفیق آتش اور عقل کل کہتا ہے اور کوئی زریں حکومت اور اونٹ والا، بیان کرتا ہے لیکن قرین صحت یہ ہے کہ زرتشت کا ترجمہ "یزداں پرست" ہے۔

زردشت کی ولادت کا فخر کس قریہ اور شہر کو حاصل ہے یہ ہنوز تحقیق نہیں ہوا لیکن یہ مسلم ہے کہ اس کی ماں رَے کی رہنے والی تھی اور باپ آذربائجانی تھا۔

زردشت نے جدید تحقیق کے مطابق ۶۶۰ق م میں جنم لیا اور یوم ولادت سے تقریباً بیس سال تک کے حالات عجائب پرستی سے لاماں ہیں، لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ عالم شباب

---

[1] عربی و فارسی میں یہ نام مختلف لہجوں سے آتا ہے زرتشترہ۔ زرتشت۔ زردشت۔ زردہشت۔ زرادشت۔ زرادست اسی طرح یونانی اور انگریزی لہجہ بھی مختلف ہیں لیکن اہل یورپ عام طور پر زوروا سٹر کہتے ہیں۔

[2] اس مضمون کا ماخذ حسب ذیل کتابیں ہیں قدیم ایران کا پیغمبر "زورواسٹر" مصنفہ اے۔ وی ویلز جیکسن مطبوعہ نیویارک ۱۸۹۹ء۔ (۲) شاہنامہ فردوسی (۳) دبستان مذاہب (۴) ملل و نحل شہرستانی (۵) تاریخ کامل ابن اثیر (۶) مراۃ البلدان ناصری (۷) ادبیات ایران پروفیسر براؤن (۸) انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا۔

...میں زردشت، زہد و تقویٰ، رحم و کرم اور انسانی ہمدردی میں ڈوبا ہوا تھا اور کاشتکاروں پر حد مہربان تھا، جب عمر کی تین منزلیں طے ہو گئیں تو وطن سے چند عزیزوں اور دوستوں کے ہمراہ بلخ میں داخل ہوا جو اس وقت کیانی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔

اس زمانہ میں گشتاسپ (وشتاسپیہ، ہسٹاسپینز) فرمانروا تھا، اور مختلف مذاہب کے علاوہ تمام ملک، اوہام پرستی اور الحاد میں مبتلا تھا اور نجومیوں اور جادوگروں کا بھی زور تھا۔

داخلہ بلخ کے بعد عرصہ تک زردشت کی دربار میں رسائی نہ ہوئی لیکن جب شہرت عام ہو گئی تو چند امراء کے توسط سے دربار میں پہونچ گیا، ایک روایت یہ ہے کہ درباری محل کی چھت شق ہو گئی اور زردشت ایک تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔

بہرحال جب شہنشاہ کا سلام زردشت کو نصیب ہوا تو پیشوایان مذہب نے مناظرہ کی درخواست کی، بادشاہ نے حکم دیا اور تین یوم تک مناظرہ ہوتا رہا، جب زردشت نے فلسفۂ الہیات کے ۳۲ سوالات کے جواب دیدیے تو گشتاسپ، زردشت کی پیغمبری کا قائل ہو گیا[1]

مورخین عرب نے زردشت کے جو ابتدائی حالات لکھے ہیں، فردوسی کا بیان اُن سے زیادہ دلچسپ ہے وہ شاہ سے اپنا تعارف[2] اس طرح پر کراتا ہے۔

بشاہ جہاں گفت پیغمبرم	ترا سوی یزداں ہمی رہبرم
یکے مجمر آتش بیاورد باز	بگفت از بہشت آوردم فراز
بیاموز آئین و دین بہی	کہ بے دین نہ خوب است شاہنشہی
چو بشنید از وشاہ بہ دین بہ	پذیرفت از و دین و آئین بہ
رہ بت پرستی پراگندہ شد	بہ یزداں پرستی پراگندہ شد

---

[1] زردشت کا ایک نام زردہشت بھی ہے سہ
خجستہ پئے نام او زردہشت | کہ اہرمن بدکنش را بکشت،

[2] شاہنامہ صفحہ اوّل جلد ۳

زردشت نے گشتاسپ سے کہا کہ "میں پیغمبر ہوں اور یزداں کی دعوت دیتا ہوں میرا معجزہ یہ عود دانی ہے جس کو بہشت سے اپنے ساتھ لایا ہوں، اسے زردشت! بر دین (زردشت کے مذہب کا نام ہے) کو قبول کر، کیونکہ بادشاہی کے لئے لامذہبی پسندیدہ نہیں ہے۔"

الغرض گشتاسپ نے زردشت کی دعوت کو بطیب خاطر قبول کر لیا۔ گشتاسپ کے ساتھ لہراسپ اور ولی عہد اسفندیار، بیگمات اور وزیر اعظم حکیم جاماسپ اور دوسرے ارکان دولت نے بھی بیعت کر لی یہ[1] واقعہ گشتاسپ کے ۳۰ سنہ جلوس کا ہے۔

گشتاسپ کے مذہبی احکام

مجوسیت میں داخل ہونے کے بعد گشتاسب نے جو مسلسل احکام جاری کئے وہ حسب ذیل[2] ہیں۔

پس آزاد گشتاسپ بر شہر بگاہ | فرستاد ہر سو بکشور سپاہ
پراگندہ گردِ جہاں موبداں | نہاد از برِ آذراں گنبداں

۲۔ طوس یا نیشاپور کا قدیم آتشکدہ[3] آذر مہر زین جو مدت سے سرد پڑا ہوا تھا جس میں نہ لکڑی جلتی تھی نہ عود سلگتا تھا، از سر نو گرم کیا جائے۔

نخست آذر مہر برزین نہاد | بکشور نگر تا چہ آئیں نہاد
کہ آں مہر برزین بے دود بود | منور نہ از ہیزم و عود بود

ان احکام کی فوراً تعمیل ہوئی، ابتک آتشکدوں پر گنبد نہ تھے۔ لہٰذا امتیاز کے لئے ہر آتش کدہ پر شاندار گنبد تعمیر ہوئے جس کو فردوسی گنبد زردشت لکھتا ہے۔ اور ویران آتشکدوں[4]

---

[1] ملل و نحل شہرستانی [2] شاہنامہ جلد سوم صفحہ ۲۔ [3] یہ آتشکدہ لہراسپ نے قائم کیا تھا فردوسی لکھتا ہے۔

یکے شارسانی برآورد شاہ | پراز برزن و کوی و بازارگاہ
بہر برزنے جائے جشن سدہ | ہمہ گرد برگرد آتش کدہ
یکے آذرے ساخت برزین بنام | کہ بُد بابزرگی و با فرو کام

[4] بعد ازیں بفرمودہ شہنشاہ، موبدان در ہر شہر رعایت آذر بر داختند و گنبد فراز آں ساختند ہیربد ہا گماشتند و اوقات عبادت تعین فرمودند۔ دبستان مذاہب، صفحہ ۲۴۔ مقالہ ۱۴۔

موبد تعینات کیئے گئے، جنھوں نے از سر نو آگ کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ خیز کر دیا، اور اشاعت مذہب کے لئے ملک محروسہ میں فوجیں روانہ کیں اور یہ دین کو بزور تلوار پھیلایا۔

۳۔ جب گشتاسپ نے یہ دین قبول کر لیا تو اس واقعہ کی یادگار میں زردشت نے حکم دیا، کہ آذر مہر برزین کے دروازہ پر ایک سرو کا درخت لگایا جائے، چنانچہ یہ درخت لگایا گیا جو خلاف عادت، چند سال میں غیر معمولی طریقہ پر پھیلا اور بڑھا اور اسمیں ہزاروں شاخیں نکلیں اور صدیوں تک قائم رہا اور اس درخت کے نیچے ایک خوبصورت طلائی محل بھی بنایا گیا جو چالیس گز مربع تھا اور اس محل کی خاک عنبر اور زمیں (فرش) نقرئی تھی، اسکے بعد دیوار پر جمشید کا مرقع (روغنی تصویر) بنایا گیا اور فریدوں کی بھی شاندار تصویر، جسکے ہاتھ میں گرز گاؤسار تھا۔ اور مشاہیر قوم اسکے علاوہ تھے اور محل کے اندر اسٹیج کے طور پر ایک آہنی حلقہ قائم کیا گیا تھا جس میں گشتاسپ بیٹھا کرتا تھا اور اس محل پر ایک کتبہ[1] بھی لگایا کہ "گشتاسپ نے زردشت کا مذہب قبول کر لیا ہے"۔ اسکے بعد حکم عام جاری ہوا۔ دد

کنوں جملہ ایں پند من بشنوید | پیادہ سوی سرو کشمر روید،
بگیرید یکسر رہ زردہشت | بسوی بتِ چیں بر آرید پشت

کہ تمام رعایا پیادہ پا چل کر سرو کشمیر کی زیارت کو آیا کرے اور اب بت خانہ چین کی طرف جانے کی ضرورت باقی نہیں ہے"۔

اس زمانہ میں چین اور ایران دونوں میں بت پرستی جاری تھی لیکن چینی بت خانہ سے کوئی بدھ خانقاہ (وہار) مراد نہیں ہے، کیونکہ بدھ مذہب ایران میں فتح سکندر کے بعد پھیلا ہے لہذا عہد گشتاسپ میں بدھ مذہب کی اشاعت ایران و چین میں نہ تاریخ کے خلاف، بلکہ ایک امر محال ہے۔

---

[1] عمارات پر کتبہ کے موجد ایرانی ہیں۔

جنگ ایران و توران

گشتاسپ کی تلوار نے جب مجوسیت کو ایران کا ملکی مذہب بنایا تو اندرون ملک فتنہ سے محفوظ رہا۔ لیکن ہم سوانہ ممالک (خصوصاً توران) میں اس تبدیلی مذہب کا بُرا اثر پڑا۔

اسی زمانہ میں گشتاسپ کے ایک درباری (ایشم) نے ارجاسپ شاہ توران کو یہ خبر دی کہ گشتاسپ نے زردشت کا یہ دین قبول کر لیا ہے' یہ سُنکر ارجاسپ برہم ہوا، لیکن مصلحتاً اس نے پہلے ایک دوستانہ اور نصیحت آمیز خط لکھا اور خط کے اخیر میں یہ بھی دھمکی دی کہ اگر دو مہینہ کے اندر ترک مذہب نہ کیا تو خلخ (توران کا دارالسلطنت) سے جرار فوجیں بلخ پر روانہ ہونگی شاہی محلات برباد کر دیئے جائیں گے اور گشتاسپ کے اہل و عیال لونڈی غلام بنائے جائیں گے اور زردشت کی نسبت لکھا کہ۔"

بجز زرق چیزے ندارد بہ مشت | بس است اینکہ گوید منم زردہشت
نگونش ہمی زندہ بردار کن | مگوئیش از آن نیز با کس سخن

وہ ایک مکّار شخص ہے نام کے سوا اس میں کچھ بھی نہیں ہے اور اس لائق ہے کہ اسکو خاموشی سے سولی دیجائے" اور یہ خط نامخواست اور بیدرفش قاصدوں کے حوالہ کیا جو تین سو سواروں کی معیت میں روانہ ہوئے، یہ خط جس قدر اشتعال انگیز تھا ظاہر ہے، لیکن گشتاسپ اس خط کے مضمون سے مرعوب نہ ہوا اور جاماسپ کے مشورہ سے خط کا ترکی بہ ترکی جواب روانہ کیا۔

تبدیلی مذہب کے علاوہ ایران و توران میں جنگ کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ زردہشت کے حکم سے گشتاسپ نے سالانہ خراج دینا بند کر دیا تھا، فردوسی کا بیان ہے۔

بشاہِ جہاں گفت زردشت پیر | کہ در دین ما این نباشد ہژیر (دستور)
کہ تو باژ (خراج) بدہی بہ سالار چیں | نہ اندر خور آید بآئین و دین

اس حکم سے ظاہر ہے کہ زردشتی مذہب ایک سیاسی مذہب تھا۔

شاہ توران کے سامنے جب قاصدوں نے گشتاسپ کا جواب پیش کیا تو وہ پڑھتے ہی

آپلے سے باہر ہو گیا اور سپہ سالار کو فوج کی تیاری کا حکم دیا۔
تورانی فوج کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی، جس پر کہرم، اندیرتاں، گرگسار، بیدرفش، خشاش
نوش دیو اور تبہ جیسے کہن سال افسر مقرر کیئے گئے اور خود سپہ سالار اعظم بنا۔ چنانچہ خلخ سے یہ
فوج روانہ ہو کر دریائے جیحوں کے کنارے ٹھہر گئی اور اسی جگہ گشتاسپ نے تورانی فوج کا مقابلہ کیا،
ایرانی لشکر بھی تورانیوں سے تعداد میں کم نہ تھا، الغرض دو ہفتہ تک خونریز جنگ جاری رہی جس میں
گشتاسب کا جوان اور بہادر بھائی زریر اور دوسرے نامی پہلوان قتل ہوئے اور قریب تھا کہ ایرانیوں
کو شکست ہو جائے، لیکن عین معرکہ میں اسفندیار کی شرکت سے فتح ہو گئی اور ارجاسب ناکام
خلخ کو واپس گیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زردشتی مذہب کے رواج پذیر ہوتے ہی جنگ ہوئی لیکن
ایسا نہیں ہے، اشاعت مذہب کے انتیسویں سال یعنی ۵۶۱ ق م میں یہ پہلی جنگ ہوئی تھی۔
میدان کارزار سے واپسی کے بعد گشتاسپ نے ایک عظیم الشان دربار کیا ارکان فوج
و امرا کو کارگذاری کے صلے دیئے گئے اور ایک جدید آتش کدہ کی تعمیر کا حکم جاری ہوا جسکی
تفصیل یہ ہے۔

خرامید بر گاہ و بارہ بہ بست	بگاہ شہنشاہی اندر نشست
بفرمود تا آذر افروختند	براو عود ہندی ہمی سوختند
زمینش بکردند از زر پاک	ہمہ ہیزمش عود و عنبرش خاک
ہمہ کار او را بنام کردند	پس "خان گشتاسپی" نام کرد
بفرمود تا بر در گنبدش	نہادند جاماسپ را موبدش

اس آتشکدہ کا نام آذر نوش تھا، لیکن عوام میں وہ خان گشتاسپی مشہور ہوا۔
اس آتشکدہ کی زمین نقرئی تھی اور لکڑی کے عوض عود و عنبر جلتا تھا چونکہ یہ عظیم الشان آتشکدہ
تھا لہٰذا اسی مرتبہ کا موبد بھی مقرر کیا گیا اور یہ گشتاسپ کا نامور وزیر حکیم جاماسپ تھا اور یہ پہلا

له شاہنامہ از صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۰ جلد ۲۔

مذہبی عہدہ تھا جو برامکہ کے مورث اعلیٰ کو دیا گیا۔ شاہی معبد (نوبہار) کے زوال تک جملہ موبد اسی خاندان سے ہوتے رہے۔ موبد کا عہدہ نہایت معزز تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ طبقۂ اعلیٰ کے اصحاب مقرر ہوتے تھے کیونکہ یہی موبد خدمت قضا بھی انجام دیتا تھا اور شہر و پرگنہ کا حاکم بھی ہوتا تھا۔ مصنف آئین ہوشنگ مقدمہ کتاب میں لکھتا ہے۔

"موبد موبداں یا ہیربداں یعنی مجتہدین و حکماء و علماء و آگاہان دین و دولت و اینان درہر زماں در ہر شہر و دیار چند کس بودند کہ موافق فرمان یزداں و کتاب فرمان فرہنگ درہر بلاد حکومت و اجتہاد میکردند و حکام اکثر ولایات ازیں گروہ بودند دانیان باید از نژاد دستوراں" اس سے ظاہر ہے کہ موبد اعظم کو خاندان وزارت سے ہونا چاہئے اور یہ شرف جاماسپ کو حاصل تھا۔ ان امور سے فارغ ہونے کے بعد گشتاسپ نے اشاعت بہ دین کے لئے نہایت سختی سے احکام جاری کئے اور ولیعہد اسفندیار کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار فوج لیکر بلخ سے روانہ ہو اور بزور تلوار مجوسیت کی اشاعت کرے اور جسقدر کلیسں (مندر) باقی ہوں وہ سب برباد کر دیئے جائیں اور بت پرستوں کا قتل عام کیا جائے۔

بدو گفت پایت بزین اندر آر ‏— همہ کشوراں را بدین اندر آر
ازاں شہر با بت پرستاں بخش ‏— بس آتشکدہ کن بآئین وخش
بشد تیغ زن گرد کش پور شاہ ‏— بگرد ہمہ کشوراں با سپاہ
بروم و ہندوستاں برگشت ‏— ز دریا و تاریکی اندر گذشت
شہ روم و ہندوستان و یمن ‏— همہ نامہ کردند زی پیلتن

(شعر)

سعادتمند بیٹے نے باپ کا حکم سُنا اور اپنی مہم پر روانہ ہو گیا اور اقرار کیا ع

"بہ گیتی صد آتش کدہ نو کنم"

لہ عرف عام کے لحاظ سے برامکہ لکھا گیا ہے ورنہ لفظ برمک زمانہ مابعد کی یادگار ہے۔
لہ آئین ہوشنگ صفحہ ۱۹ مطبوعہ قدیم بمبئی۔

اسفندیار نے جن ممالک کا دورہ کیا، ان میں ہندوستان بھی شامل ہے اور اسی عہد میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آتشکدے قائم ہوئے۔ جنکے حالات تاریخ اور سفرناموں میں موجود ہیں۔ مثلاً میں صرف ایک آتش کدہ کا ذکر کرتا ہوں جو صوبۂ بہار میں بمقام اورٹ[1] دولواد شہر گیا سے جانب جنوب ۱۰ میل کے فاصلہ پر دریاے نیرنجن کے کنارے) واقع تھا؛ اس آتشکدہ کا موبد یا پروہت "کاسیا پا" پنڈت تھا، جس میں ایک رات گوتم بدھ بھی مقیم ہوا تھا اور اپنی کرامت سے اس اژدہے کو جو آتش کدے کے اندر تھا زیر کر لیا تھا۔ چنانچہ سانچی ٹوپ (بھوپال) کی دیواروں پر بدھشٹ دور کا جو تمدن دکھایا گیا ہے اس میں بطور عجائبات کے (شرقی دروازہ پر) اس آتشکدہ کی بھی تصویر موجود ہے[2]۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایک کشکول ہے جس کے اندر پانچ پھن کا سانپ کنڈل مارے بیٹھا ہے اور اس کے اندر سے دھواں نکل رہا ہے۔ اس زمانہ تک بدھ کا اسٹیچو تیار نہیں ہوا تھا اور نہ تصاویر کا رواج تھا بلکہ ایک تخت اور پیپل کا درخت بنایا جاتا تھا جس سے یہ مراد تھی کہ یہاں مہاتما بدھ موجود ہیں یہی حال اُس نقش کا ہے اور تصاویر کا رواج کنشکا راجہ کے زمانہ سے ہوا ہے، جس کی ابتدا اس تصویر سے ہوئی جو پہلی صدی عیسوی میں سکہ پر بنائی گئی تھی؛ چنانچہ عہد گشتاسپ میں جو آتش کدے ہندوستان میں قائم ہوئے تھے وہ اُسوقت تک موجود تھے جب ایرانی ترک وطن کرکے پہلی مرتبہ ہندوستان میں آئے ہیں۔

اسفندیار نے اپنے دورہ میں پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر مندر تھے، سب منہدم کر دیئے اور ہر آبادی میں ایک نیا آتشکدہ بنایا۔

بتان از سرِ گاہ می سوختند | بجائے بت آتش برافروختند

گشتاسپ نے اسفندیار سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب وہ اس مہم سے واپس آئے گا تو اُسکو ایران کا شہنشاہ بنایا جائیگا اور وہ خود تخت سے الگ ہو جائیگا، لیکن شاہ نے اپنے داماد کرزم

---

[1] اس مقام میں بیل کے درخت بکثرت تھے لہٰذا جگہ کا نام اردو لرا ہوا۔
[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو A Guide to Sanchi اے گائڈ ٹو سانچی) صفحہ ۶۶ مصنفہ سر جان مارشل ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ ہندوستان۔

کے کہنے سے ایفائے وعدہ نہیں کیا اور چند الزام لگا کر اسفندیار کو ایک دور دراز مقام پر قید کر دیا اور خود جہان پہلوان (یہ شاہی خطاب ہے) زال کے پاس سیستان میں جا کر مہمانی کے لطف اٹھاتا رہا ادھر مخبروں نے ارجاسپ کو اطلاع دی کہ بلخ میں اس وقت آتش کدوں کے پجاریوں کے سوا ایک مسلح سپاہی نہیں ہے۔

مگر ہفت صد مرد آتش پرست | همه پیش آذر برآورده دست
جز اینها به بلخ اندرون نیست کس | از آهن گراں ہمیں است و بس
(فردوسی)

میدان خالی پا کر ارجاسپ نے فوراً بلخ پر فوج کشی کر دی، بوڑھا شہریار لہراسپ نوبہار سے نکلا اور فوجی لباس پہن کر میدان میں آیا اور داد شجاعت دے کر مارا گیا۔ گشتاسپ کی آمد سے پہلے ہی نوبہار اور نوش آذر وغیرہ جس قدر آتش کدے بلخ میں تھے سب برباد کر دیئے گئے کیونکہ اس حملہ کی غرض و غایت یہی تھی۔

ارجاسپ بلخ میں مقیم تھا کہ گشتاسپ کی ایک بیگم [1] سیستان پہونچی اور اس نے گشتاسپ سے رو رو کر اہم واقعات بیان کئے فردوسی کہتا ہے۔

شہنشاہ لہراسپ در شہر بلخ | بکشتند و شد روز ما تار و تلخ
از آنجا بنوش آذر اندر شدند | رد و ہیربذ را ہمہ سر زدند
ز خونشاں فروزندہ آتش بمُرد | چنین بد کنش خوار نتواں شمرد
بِبُردند پس [1] دختران اسیر | چنیں کار دشوار آساں مگیر

یہ خبر ملتے ہی گشتاسپ واپس آیا اور اسفندیار کو بھی بلا لیا اور باپ بیٹوں نے ارجاسپ کا زبردست مقابلہ کیا، تورانیوں کو شکست ہوئی اور ارجاسپ میدان جنگ سے فرار ہو گیا یہ واقعہ ۵۲۵ ق م کا ہے۔ فردوسی نے اس معرکہ آرائی کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن دبستان مذاہب میں یہ واقعہ

---

[1] ان کا نام ہما اور بہ آفرید تھا دوسری جنگ میں جب اسفندیار کی بدولت گشتاسپ کی فتح ہو گئی تو اس صلہ میں ہما کی شادی اسفندیار سے کر دی گئی کیونکہ زردشتی مذہب کے مطابق بہن کی شادی بھائی سے جائز تھی۔

مختصر الفاظ میں جامعیت سے لکھا گیا ہے لہٰذا اس موقعہ پر وہ روایت لکھی جاتی ہے۔

"در کتب زردشتیاں و تاریخ قدمائے اہل ایران آمدہ کہ در آوانے کہ ارجاسب باردوم بہ بلخ لشکر کشید گشتاسپ شاہ در سیستان مہمان زال پہلوان بود و اسفندیار در دژ گنبداں در بند بود۔ لہراسپ با ہمہ ریاضیات کہ می کشید با فریزداں در نبرد جاں سپرد گزاشت سپس آں شہر را ترکاں بگرفتند "تور براتور" نام ترک بہ معبد زرتشت پیغمبر داخل شدہ بشمشیرے اور اشہید کرد، زرتشت پیغمبر شمار افراز یعنی سبحہ (تسبیح) کہ آنرا یاد افراز نیز گفتند در دست داشت بجانب او افگند ازاں فروغے درخشندہ برآمد وآں آتش در تور براتور افتاد و اور اسوخت"

خلاصہ یہ ہے کہ لہراسپ میدان کارزار میں اور زرتشت آتش کدہ نوش آذر میں قتل ہوا لیکن زرتشت نے اپنے دشمن تور براتو پر تسبیح پھینکی جس میں سے ایک آتشیں شعلہ نکلا اور اس نے تور کو جلا کر خاک کر دیا، پیغمبر عجم کا یہ ایک معجزہ بیان کیا جاتا ہے، آتشکدہ کی تباہی کا فردوسی نے بھی بصراحت ذکر کیا ہے۔

وزآں پس ببلخ اندر آمد سپاہ
جہاں شد ز تاراج و کشتن تباہ

نہادند سر سوی آتش کدہ،
بداں کاخ و ایوان زر آزدہ

ہمہ زند و استا برافروختند
ہمی کاخ و ایوان ہمی سوختند

ورا ہیربد، بود ہشتاد مرد،
زبان شاں ز یزداں پر از یاد کرد

ہمہ موبداں را بکشتند شاں،
رہ گبر کی بر نوشتند شاں

ز خون شاں بمرد آتش زردہشت
ندانم چرا ہیربد را بکشت

لکھا ہے کہ ترکوں نے آتش کدہ نوش آذر کو جلا کر خاک کر دیا۔ حملہ کے وقت آتش کدہ میں اسی ہیربد موجود تھے، ان کو ذبح کر ڈالا اور انھیں کے خون سے آتش کدہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا، حقیقت یہ ہے کہ ترکوں نے آگ کو ٹھنڈا نہیں کیا بلکہ اپنے دلوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور یہ جو کچھ ہوا

ارجاسپ کے حکم سے ہوا۔ علاوہ بریں اوستا و ژند کا مکمل نسخہ بھی جو آتش کدہ میں موجود تھا جلا دیا گیا۔"

زردشت ستتر برس کی عمر اور سینتالیسویں تبلیغی سال میں بتاریخ ۱۰ مئی ۵۸۳ ق م (مطابق ماہ اردی بہشت روز خور) آتش کدہ آذر نوش میں قتل کیے گئے۔ (۶۰۰ تا ۵۸۳)

۳۔ آتش کدہ نو بہار کی تجدید

لہراسپ کے قتل ہونے پر آتش کدہ نو بہار کا دروازہ کھولا گیا کیونکہ لہراسپ نے معتکف ہونے کے بعد عوام و خواص کے لئے اس کا دروازہ بند کر دیا تھا، لہراسپ اگرچہ مجوسی ہو گیا تھا لیکن وہ آفتاب پرست تھا چنانچہ لہراسپ کے بعد، بجائے مندر کے یہ معبد آتش کدہ ہو گیا اور اخیر تک اس میں آگ جلتی رہی اور یہی سبب ہے کہ متاخرین مورخین نے نوبہار کو بجائے مندر کے آتش کدہ لکھا ہے

۴۔ اوِستا

زردشت کی مذہبی کتاب یا صحیفہ آسمانی کا نام اوِستا ہے۔ زردشت نے قدیم پہلوی زبان میں اس کی شرح (تفسیر) خود لکھی اور اس کا نام ژند رکھا باوجود تفسیر کے ژند کی عبارت بھی عام فہم نہ ہوئی تب ژند کی بھی شرح لکھی گئی اور اسکا پاژند (تفسیر التفسیر) نام ہوا۔

اوستا کی تعلیم طبقہ اعلیٰ اور شرفا تک محدود تھی، عوام یا اچھوت محروم تھے۔ مذہبی احکام کے علاوہ اوستا عہد سلف کی تاریخ بھی تھی اور مختلف علوم خصوصاً ریاضی نجوم اور طب کا بھی اس میں کافی ذخیرہ تھا۔ جو زردشت کے علمی تبحر پر دلیل ہے۔

اہل کتاب کی متعدد نقلیں گشتاسپ کے زمانہ میں ہوئی تھیں اور جا بجا اوستا کے نسخے موجود تھے، لیکن سکندر کے حملہ میں یہ جملہ کتابیں تلف ہو گئیں، تاہم اب بھی مختلف ابواب باقی ہیں جس میں اوراد و اذکار، احکام، شیاطین کے خلاف دعائیں تزکیہ نفس کے اصول اور اہرمزد و اہرمن اور فرشتوں کا بیان ہے۔ ایام و شہور (دن و مہینے) کا بھی مفصل ذکر ہے۔

سلہ کامل اثیر صفحہ ۱۸۱ جلد اول و دبستان مذاہب صفحہ ۱۹۴۔

مہینہ کے تیس دن ہوتے ہیں اور ہر دن ایک فرشتہ یا موکل کے سپرد ہے، جو مخلوقات کے لئے احکام نافذ کرتا ہے۔ اور ان فرشتوں کے رضامند رکھنے کے لئے خاص خاص دعائیں اور وظیفے ہیں جرمنی فرنچ اور انگریزی میں اوستا کا موجودہ حصہ مع اصل و ترجمہ موجود ہے۔

زردشت کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ "نظام عالم دو خداؤں کے سپرد ہے، جو نیکیوں اور حسنات کا خدا ہے، اس کا نام اہرمزد ہے اور جو بدی و سیئات کا خدا ہے وہ اہرمن ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی خدمات انجام دیتے ہیں، ایک کو دوسرے کے معاملات میں دخل دینے کا استحقاق نہیں ہے، لیکن نظام عالم کے اعتبار سے اہرمزد ہمیشہ اہرمن پر غالب رہتا ہے، زردشت کے مذہب میں آگ پر ایمان لانا فرض تھا، اس ضرورت سے قدم قدم پر آتش کدے تعمیر ہوئے تھے، اگرچہ زردشت سے قبل دس بڑے آتش کدے موجود تھے لیکن گشتاسب کے عہد سے ساسانیوں کی حکومت تک ہزاروں کی تعداد میں یہ آتش کدے قائم ہوئے، شہروں کے آتش کدے مفصلات کے مقابلہ میں زیادہ شاندار ہوتے تھے اور شاہی آتش کدے تکلفات اور آرائش کے لحاظ سے، میوزیم کا درجہ رکھتے تھے، جس طرح ہندوستان میں مہاتما گوتم بدھ کو راجہ اشوک مل گیا تھا، اسی طرح زردشت کا مبلغ ایران میں گشتاسپ کیانی تھا اس شہنشاہ نے اپنی تلوار سے وہی کام لیا جو مسیحیت کے لئے قسطنطین رومی نے کیا تھا۔

حالات برامکہ، سمجھنے کے لئے زردشت کی اس قدر تاریخ کافی ہے۔ اب نوبہار کی مفصل تاریخ ملاحظہ فرمائیے، جو برامکہ کا مخصوص آتش کدہ تھا، مورخین عرب و عجم نے نوبہار کے جس قدر حالات لکھے ہیں اول میں ان کو بجنسہ نقل کرتا ہوں اس کے بعد جو غلطیاں یا غلط فہمیاں ہوئی ہیں اُن پر تبصرہ کیا جائے گا۔

۶- نوبہار (بلخ) کی تاریخ

گزشتہ اوراق میں نوبہار کا ضمنی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اب اس کی مفصل تاریخ لکھی جاتی ہے، اول عربی جغرافیوں کا اقتباس پیش ہے، آخر میں عام تبصرہ کیا جائیگا۔

۱- ابن الفقیہ ہمدانی سب سے پہلے جس جغرافیہ نگار نے نوبہار کے مفصل حالات لکھے ہیں وہ ابن الفقیہ ہمدانی (متوفی ۲۹۰ھ / ۹۰۲ء) ہے یہ مصنف اپنے مشہور جغرافیہ کتاب البلدان میں لکھتا ہے:[1]

النوبهار هو من بناء البرامكة وكان دينهم عبادة الاوثان فوصفت لهم مكة وحال الكعبة بها وماكانت قريش والعرب تدين به فاتخذوا عليه بيتاً يقال له "النوبهار" ببلخ وتفسره "الجديد" فكانت العجم تعظم ذلك البيت وتحج اليه وتهدى اليه وتلبس الحرير وتنصب الاعلام على القبة - واسمها عندهم "اشبت" وكانت القبة مائة ذراع فى مثلها وارقة مستديرة حولها وكان حول البيت ثلث مائة وستون مقصورة

نوبہار برامکہ کی تعمیرات سے ہے اور ان برمکیوں کا مذہب بت پرستی تھا، جب ان کو شہر مکہ، خانہ کعبہ، قریش اور عربوں کے مذہب کا علم ہوا تو اُنھوں نے بھی بلخ میں یہ مکان (معبد) بنایا جس کا نام نوبہار تھا۔ نوبہار کا ترجمہ "جدید" (نیا) ہے تمام ایرانی (مجوسی) نوبہار کا حج اور اس کا احترام کرتے تھے۔ نذرانے چڑھاتے تھے اور اسکو حریر و دیبا سے آراستہ کیا جاتا تھا، اس عمارت پر ایک قبہ (گنبد) تھا جس کو یہ اشبت کہتے تھے۔ یہ سو ہاتھ لابنا اور اسی قدر چوڑا تھا جس پر جھنڈے نصب تھے اور عمارت کے چاروں طرف خادموں اور موبدوں کی قیام کیلئے

[1] کتاب البلدان صفحہ ۳۲۲۔

يسكنها خدامها و قوّامه على كل خادم خدمته يوم فلا يعود الى خدمته الى الحول فسموا سادنها الاكبر "برمكا" اى انه باب مكه و والى مكة فصار كل من ولّى منهم ذلك يسمّى "برمكا" وكانت ملوك الصين وكابل شاه تدين بذلك الدين فكانوا اذا احجّوا سجدوا للصنم الاكبر۔"

تین سو ساٹھ حجرے تھے اس حساب سے تمام سال میں صرف ایک دن خدمت کرنا پڑتی تھی (باقی ایام کی تعطیل تھی) اور سب سے بڑے افسر (موبداعظم) کا لقب "برمکا" تھا یعنی مکہ کا دروازہ یا مکہ کا حاکم (اس اعتبار سے) جو شوتی ہوتا تھا اس کا لقب برمکا ہوتا تھا' چین اور کابل کے بادشاہ بھی اس مذہب میں تھے اس لئے جب وہ نوبہار کا حج کرتے تھے تو بڑے بت کو سجدہ کرتے تھے (یعنی اُس مورت کو جو مندر میں نصب تھی)

۲۔ مروج الذہب مسعودی | مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ؍۹۵۷ء) نے اپنی مشہور تاریخ مروج الذہب[۱] (مرغزار طلا) میں ایک باب ایران کے مندروں (ہیاکل) اور آتش کدوں (بیوت النیران) پر لکھا ہے اس میں نوبہار پر یہ مختصر نوٹ ہے۔

والبيت الرابع هو النوبهار الذى بناه منوشهر بمدينة بلخ من خراسان على اسم القمر وكان المتوكل بسدانته يدعى "البرموك" هو سمة عامة لكل سدنة ومن اجل ذالك سميت "البرامكة"

چوتھا[۲] مشہور ہیکل نوبہار ہے جس کو فارس کے بادشاہ منوچہر (بن ایرج بن فریدوں) نے ماہتاب کے نام پر صوبہ خراسان کے شہر بلخ میں تعمیر کیا تھا۔ جو نوبہار کا متولی ہوتا تھا وہ برموک کہلاتا تھا اور یہ ایک عام لقب تھا جو ہر متولی نوبہار کو دیا جاتا تھا اور یہی وجہ تسمیہ "برامکہ" کی ہے۔"

[۱] مروج الذہب صفحہ ۶ جلد ۲ حاشیہ کامل اثیر مطبوعہ مصر۔
[۲] مسعودی نے نوبہار کو چوتھے نمبر پر لکھا ہے، ہفت قلزم میں چھٹا اور المسالک الابصار میں ساتواں نمبر ہے، عمارت ایک ہی ہے اختلاف کا یہ سبب ہے کہ بلخ میں سبعہ سیارہ کے سات مندر تھے جن کو مورخین نے مختلف ترتیب سے لکھا ہے۔

دیگر حالات یہ ہیں کہ نوبہار کی عمارت نہایت شاندار، پختہ اور مستحکم تھی نیزوں کے اوپر سبز حریر کے جھنڈے لہرایا کرتے تھے جن میں سے ہر ایک پھریرا سو سو ہاتھ کا ہوتا تھا۔
نوبہار کے علاوہ منوچہر نے بھی ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام ہمین آذر تھا۔

۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی | یاقوت (متوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء) کا بیان ہے۔

نو بہار الضا

بلخ بناء للبرامکۃ ....
نصبوا حوله الاصنام وزينوه بالديباج والحرير وعلقوا عليه الجواهر النفيسه وتفسير النوبهار " البهار الجديد" لان " نو" الجديد وكانت سنتهم اذا بنوا بناءً حسناً او عقدوا باجديداً او طاقا تشريفاً كللوه بالريحان او يتوجوا ذالك باول ريحان يطلع فى ذالك الوقت .... فسمى نوبهار لذلك وكانت الفرس تعظمه وتحج اليه .... وتنصب على علاقتيه الاعلام وكانوا يسمون قبة الاستون .... ويقال ان ريح ربما حملت الحرير

نوبہار بھی بلخ میں، تعمیرات برامکہ سے ہے جسکے چاروں طرف بت کھڑے تھے اور ان کو دیبا اور حریر کے کپڑے پہنائے جاتے تھے اور جواہرات سے آرائش کیجاتی تھی۔ نوبہار کی تفسیر ہے "نئی بہار" (عربی میں لفظ نو کا ترجمہ جدید ہے) برامکہ کی عادت تھی کہ جب وہ (اس عمارت کے اندر) کوئی خوبصورت ایوان، نیا دروازہ یا محراب بناتے تو اس کو گلِ ریحان سے سجاتے تھے اور فصل بہار شروع ہوتے ہی ان پر تازہ پھولوں کی کلیاں چڑھائی جاتی تھیں اسلئے اس مندر کو نوبہار کہتے تھے۔ ایرانی نوبہار کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا حج بھی اور اسکے سب سے بڑے گنبد پر جھنڈے نصب تھے جس کو قبۃ الاستون کہتے تھے (عمارت کی بلندی

لہ مروج الذہب صفحہ ۹ جلد ۵ حاشیہ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر۔
لہ معجم البلدان صفحہ ۳ جلد ۸

من العلم الذی فوق القینة فتلقیه بترمذ و بینهما اثنا عشر فرسخا۔ وکانوا یسمون السادن الاکبر "برمك" لتشبیهم البیت بمکة یسمون سادنه ابن مکة "	کا اندازہ اس طرح پر ہو سکتا ہے) کہ جھنڈے کا پھریرا اُڑ کر بلخ سے ترمذ میں جا کر گرتا تھا حالانکہ ان دونوں شہروں میں چھتیس[۳۶] میل کا فاصلہ تھا اور منتظم اعلیٰ (موبد) کو برمک کہتے تھے اور چونکہ نوبہار (بلحاظ عظمت) خانہ کعبہ سے مشابہ تھا لہذا نوبہار کے موبد کو ابن مکہ بھی کہتے تھے۔

۴۔ آثار البلاد قزوینی | زکریا[۵۱] بن محمد بن محمود القزوینی (متوفی ۶۸۲ھ ۱۲۸۳ء) اپنی مشہور کتاب آثار البلاد میں لکھتے ہیں۔

بلخ مدینة عظیمة من امهات بلاد خراسان بناها منوچهر بن ایرج بن فریدون کان بها النوبهار وهو اعظم بیت من بیوت الاصنام "	صوبہ خراسان کے قدیم ترین شہروں میں بلخ بھی ہے اس کا بانی منوچہر بن ایرج بن فریدوں تھا، اسی شہر میں نوبہار تھا، جو بت کدوں میں سب سے بڑا تھا۔

بقیہ عبارت ابن الفقیہ اور یاقوت کے مطابق ہے اور یہ وہی منوچہر ہے جسکو عرب مورخین منوشہر (م۔ن۔و۔ش۔ہ۔ر) لکھتے ہیں۔ (صحیح نام مینوچہر ہے)

۵۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار	مندرجۂ بالا اسناد میں، مسالک[۵۲] الابصار، مصنفۂ شہاب الدین بن فضل اللہ العمری اخیر کتاب ہے جو ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء میں تصنیف ہوئی ہے اور عربی میں یہ مشہور انسائیکلو پیڈیا (قاموس العلوم

[۵۱] آثار البلاد مطبوعہ ویتریج گوٹنگن ۱۸۴۸ء از صفحہ ۲۲۱

[۵۲] مسالک الابصار صفحہ ۲۲۳۔ جلد اول مطبوعہ مصر۔ عبارت مندرجہ کتاب بعد صحت لکھی گئی ہے، اصل متن غلط تھا اور یہ تصحیح کیوں کی گئی ہے اس کا سبب تبصرہ میں درج ہے۔

والفنون) ہے۔

سنا بہا بیت النوبہار بناہ منوشہر لہشتریذہی (عابد النار) بمدینة بلخ وکان یاتیه من الصابئة من یتقرب بالقمر وکان یسمّی المتولی لسدانة برمك و کانت ملوك الفرس۔ تعظمه وتعظم متولیه وآلت ولایته الی ابی خالد البرمکی ولھذا قیل البرامکه۔ و کان قد کتب علی باب النوبھار بالفارسیة قال لھراسف الملك (ابواب الملوك تحتاج الی ثلث خصال، عقل وصبر ومال)[1]

(ایرانیوں کا) ساتواں مندر نوبہار ہے جس کو منوچہر بدنے بلخ میں تعمیر کیا تھا اس میں وہ صابی (ستارہ پرست) آتے تھے جو چاند کی پوجا کرتے تھے۔ اور نوبہار کے متولی برمک کہلاتے تھے۔ شاہان فارس نوبہار اور اس کے متولی کی تعظیم کرتے تھے، اخیر میں منصب تولیت خالد بن برمک کے باپ کو ملا اور اس لیے یہ خاندان برامکہ کہلایا۔ نوبہار کے دروازہ پر فارسی میں یہ کتبہ لگا ہوا تھا، لہراسپ شاہ کا قول ہے کہ شاہوں کے دروازے عقل، صبر اور مال کے محتاج ہیں۔

۶۔ گشتاسپ نامہ دقیقی و شاہنامہ فردوسی

مستند عربی جغرافیوں کا اقتباس ہو چکا، متاخرین کی تصنیفات بھی نوبہار کے حالات سے مالامال ہیں لیکن ان کا ماخذ کتب مذکورۂ بالا ہیں۔ لہٰذا ان روایتوں کو قصداً ترک کر دیا ہے۔

سیاست نامۂ نظام الملک طوسی کے بعد سب سے اہم شہادت استاد دقیقی[2] اور فردوسی کی ہے (یہ دونوں نظام الملک سے قبل تھے) لہٰذا وہ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

[1] تعلیقی المربعات المخصص ابن سیدہ صفحہ ۹۔ جلد ۱۲
[2] گشتاسپ نامۂ دقیقی، مطبوعہ بمبئی۔ ان اشعار کو فردوسی نے بھی شاہنامہ میں نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ اول جلد ۳۔

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت — فرود آمد از تخت و بر بست رخت
ببلخ گزین شد بر آں نو بہار — کہ یزداں پرستاں بداں روزگار
مر آں خانہ را داشتندے چناں — کہ مر مکہ را تازیاں ایں زماں
بداں خانہ شد شاہ یزداں پرست — فرود آمد آں جا وہیکل بہ بست
بہ بست آں درِ با فریں خانہ را — نہشت اندر آنخانہ بیگانہ را
بپوشید جامہ پرستش پلاس — خدارا بدیں گونہ باید سپاس
بیفگند یارہ فرو ہشت موی — سوی داورِ دادگر کرد روئ
ہمی بود سی سال پیشش بپائ — بدنیساں پرستید باید خدائ
نیایش ہمی کرد خورشید را — چناں چونکہ بُد راہ جمشید را

خلاصہ یہ ہے کہ "جب لہراسپ کیانی بوڑھا ہو گیا تو اپنے ولیعہد گشتاسپ کو تاج و تخت سپرد کر دیا اور موٹے کپڑے پہن کر اور بالوں کی جٹا بنا کر مصروف عبادت ہوا اور مسلسل تیس سال تک نوبہار میں مقیم رہا۔

اُس زمانہ میں ایرانی نوبہار کا ویسا ہی احترام کرتے تھے جس طرح آج عرب خانہ کعبہ کی عزت کرتے ہیں۔ لہراسپ نے عبادت خانہ کے اندر سے تمام پجاریوں کو نکال دیا تھا اور دروازے بند کر کے تنہا اسکے اندر رہتا تھا۔ لہراسپ مذہباً جمشید کا مقلد تھا نہ سورج کی پوجا کیا کرتا تھا۔"

۷۔ نوبہار بت خانہ تھا یا آتش کدہ

اسناد مندرجہ بالا میں سب سے پہلے مورخ مسعودی نے صراحت کی ہے کہ نوبہار کا مندر چاند دیوتا کے نام پر بلخ میں منوچہر نے تعمیر کیا تھا جس کی تائید مسالک الابصار سے بھی ہوتی ہے بلا شبہ نوبہار چاند دیوتا کا مندر تھا اور اس کے اندر چاند کی فلزاتی مورت نصب تھی جسکی زیارت کے لئے ستارہ پرست دور دور سے آیا کرتے تھے، لیکن دبستان مذاہب کی تشریح

کے مطابق نوبہار کے پہلو میں بھی ایک جداگانہ آتشکدہ موجود تھا، یہی سبب ہے کہ نوبہار آتشکدہ کے نام سے مشہور ہوا اور منوچہر کے عہد سے کیخسرو تک نوبہار میں تقریباً ۲۶۰۰ سال تک چاند کی مورت کی پرستش ہوتی رہی، لہراسپ اخیر زمانہ میں، آفتاب پرست ہوگیا تھا لہذا ۲۰۰ سال تک نوبہار آفتاب کا مندر رہا اور یہ دوسرا انقلاب تھا۔

معرکۂ ارجاسپ تورانی میں جب لہراسپ قتل ہوگیا تو یہ مندر گشتاسپ کے حکم سے آتش کدہ بنایا گیا اور یہ تیسرا انقلاب تھا، چنانچہ ۵۸۳ء قدم سے فتح خراسان (۳۰ھ ۶۴۹ء عہد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) تک نوبہار آتش کدہ رہا اور جب متولی نوبہار مسلمان ہوگیا اسوقت آتشکدہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، اس تاریخی شہادت کے بعد کون دعوی کرسکتا ہے کہ نوبہار آتش کدہ نہ تھا؟ افسوس ہے کہ قدیم مورخین عجم نے نوبہار کی مفصل تاریخ جن کتابوں میں لکھی تھی وہ آج مفقود ہیں، البتہ متاخرین میں صاحب دبستان مذاہب نے بلخ کے حالات لکھتے ہوئے پیکرستان قمر کا (الفاظ ذیل میں) ضمنی تذکرہ کیا ہے۔

دربلخ ہیکلستان (منادر) وآذرکدہا (آتشکدے) بودہ اند۔ پیکر ماہ بغایت نیکو بود، بنابراں خانہ را "مہ گیر یا مہ گاہ" گفتندے رفتہ رفتہ تازیان (عرب) مکہ اش گفتند"

حقیقت میں پیکر ماہ سے نوبہار مراد ہے، کیونکہ بلخ میں چاند دیوتا کا صرف یہی ایک مندر تھا اور اس کا نہایت قدیم نام فارسی زبان میں "مرگہ" یا "مہ گاہ" تھا جن کا ہندی ترجمہ "چندرما استھان" ہے اور مہ گاہ کو ایک زمانہ دراز کے بعد عربوں نے مکہ کہنا شروع کیا۔

۷۔ نقد و تبصرہ آتش کدہ نوبہار

۱۔ برمک و نوبہار | ابن الفقیہ وغیرہ نے نوبہار کے حالات میں لکھا ہے کہ، جب برامکہ کو قبیلہ قریش، شہر مکہ، اور خانۂ کعبہ، کا علم ہوا تو انھوں نے اس مقدس معبد کے جواب میں

نوبہار کا مندر بنایا اور متولی نوبہار کا لقب برمک ہوا کیونکہ برمک کی تشریح، بابِ مکہ، والیٔ مکہ، یا ابنِ مکہ (مکہ کا دروازہ، مکہ کا حاکم، مکہ کا بیٹا) ہے۔

یہ وجہ تسمیہ جسقدر عجیب ہے اُسی قدر گمراہ کن بھی ہے، برمک کا مفہوم الفاظ مذکورۂ بالا سے واضح نہیں ہوتا ہے اور نہ لغتِ عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے (تفصیل آگے آتی ہے) اور یہ واقعہ ہے کہ قدیم عجم نے کبھی، عرب کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا ہے اور نہ خانہ کعبہ کا احترام کیا ہے، بلکہ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ خانہ کعبہ کیوان (زحل) کا مندر تھا اور یہی وہ قومی تعصب ہے، جس کی بنا پر فردوسی یزدگرد کی زبان سے کہتا ہے۔

ز شیر شتر خوردن سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں راکنند آرزو	تفو بر تو ای چرخ گرداں تفو

ایسی حالت میں یہ کہنا کہ برامکہ نے (جو ٹھیٹ مجوسی اور خراسانی تھے) نوبہار کو خانہ کعبہ کے جواب میں تعمیر کیا تھا، محض غلط اور نرا قیاس ہے، یہ بھی کسی عرب کی فیاضی تھی جس نے غلطی سے نوبہار کو، خانہ کعبہ کا مماثل بنا دیا ہے۔ جسکی تصدیق دبستان مذاہب کی روایت سے ہوتی ہے اور اس تاویل اور معنی آفرینی کا صرف یہ مقصد تھا کہ مکہ کو لفظ برمک کا مادۂ اشتقاق بنایا جائے۔

ایرانیوں کی جس قدر تاریخ اور جغرافیہ کی کتابیں ہیں اُنھوں نے بالاتفاق یہی لکھا ہے کہ نوبہار کی تولیت کے سبب سے متولی کا لقب برمک ہوا اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ برمک کا مادۂ اشتقاق، مکیدن (بمعنی چوسنا) ہے لیکن یہ وجہ تسمیہ سراپا مہمل ہے[1]

۲۔ لفظ اشبت کی تحقیقات

ابن الفقیہ نے کتاب البلدان[2] میں نوبہار کے قبہ کا نام اشبت لکھا ہے لیکن کتاب کے فاضل اڈیٹر غوجی (De-goeje) نے حاشیہ میں اشبت کی حسب ذیل چار شکلیں اور لکھی ہیں جو مختلف

---

[1] یہ دلچسپ افسانہ لفظ برمک کی تحقیقات میں لکھا جائیگا۔ [2] کتاب البلدان صفحہ ۳۲۲

نسخوں میں پائی گئی ہیں۔

الاسلبت ۔ الاشبت ۔ الاست ۔ الاستین ۔

دراصل بشمول لفظ اشبت، یہ پانچوں لفظ مہمل ہیں، جس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نقل و کتابت میں، امتداد زمانہ سے اصل لفظ میں فرق ہو گیا ہے۔

بعض اوقات کتاب کے کیڑے بھی الفاظ کو چٹ کر جاتے ہیں اور کتابوں کا موکل کنیکج[۱] بھی کچھ مزاحمت نہیں کرتا ہے۔

مستشرقین یورپ قابل تعریف ہیں کہ تصحیح کتاب کے وقت جو لفظ ان کو جس نسخہ میں ملتا ہے وہ بجنسہ نوٹ کرتے جاتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے لفظی اختلاف کی صحت کرنا ان کا کام نہیں ہے ان کی نظر صرف متن کی عبارت پر ہوتی ہے۔

نوبہار کی تاریخ عجم سے عرب میں گئی یہی وجہ ہے کہ فارسی الفاظ بدل گئے ہیں اور لفظ اشبت ممکن ہے کہ زردشت ہو، جو مسخ ہو کر اشبت رہ گیا ہے، کیونکہ آتشکدوں پر جس قدر گنبد تھے وہ عموماً گنبد آذر کہلاتے تھے، فردوسی کہتا ہے:۔

سوی گنبد آذر آرید روی | بہ فرمان پیغمبر راست گوی

اور زردشت عرصہ تک نوبہار میں بھی مقیم رہا ہے۔ (لہٰذا اس کا گنبد قبۂ زردشت مشہور ہو گا۔ جو بگڑتے بگڑتے اشبت رہ گیا[۲]

اسی طرح یاقوت کا قبۃ الاستون بھی مہمل ہے ممکن ہے کہ قبہ استودان (دخمہ) کے دھوکہ میں الاستون لکھا گیا ہو، تاویل کا میدان نہایت وسیع ہے، لیکن قابل قبول وہی لفظ ہو گا جس کی صداقت پر تاریخ ایران اپنی مہر ثبت کر دے۔ ایک قیاس اور ہے وہ یہ کہ لفظ شت محرف

---

[۱] کنیکج - عہد قدیم کے ہر قلمی نسخہ میں اس موکل کا نام موجود ہے جو کتابوں کو کیڑے سے محفوظ رکھتا ہے یہ قدیم خوشنویسوں کا اعتقاد تھا۔

[۲] یا یہ کہنا چاہیے کہ زردہشت ہو گا، متعدد ناموں میں زردہشت زیادہ مقدس ہے، فردوسی کا قول ہے۔ ے
خجستہ پے و نام اورزردہشت | کہ اہرمن بدکنش را بکشت

ہو کر اشبت ہو گیا ہے، کیونکہ دبستان مذاہب میں، مندروں کے نام کے ساتھ بلحاظ تقدس لفظ شت مستعمل ہوا ہے، مثلاً پیکر شت کیوان، ہیکل شت آفتاب اسی طرح گنبد شت نوبہار ہوگا، جو عربی میں تہتہ الشت سے اشبت ہو گیا ہے۔ اب صرف نوبہار کی تحقیقات باقی رہی ہے۔ مصنف بىدار و معاد نے جو مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں ان میں سے یہ قرین قیاس ہے کہ فی الحقیقت منوچہر کے اس مندر کا ابتدائی نام نوبہار نہ تھا، یہ نام برامکہ کے زمانہ تولیت میں ہوا ہے، جیسا کہ عموماً جغرافیہ نگاروں نے لکھا ہے، کیونکہ نوبہار دراصل اس علاقہ یا جاگیر کا نام تھا، جو ہیکل قمر کے لئے وقف تھی، یہ اکیس[1] میل کا ایک تعلقہ تھا، جسکی آمدنی سے مصارف ادا ہوتے تھے، اور یہ ویسا ہی نام ہے جس طرح امام موسیٰ رضا علیہ السّلام کی انتساب سے طوس کا نام آج تک مشہد (مقدس) ہے۔ اور یہ علاقہ خوش سواد پُرفضا، اور دلکش منظر رکھتا ہوگا اس لئے اس کا نام نوبہار ہوا۔

منوچہر کے عہد میں مندر کا نام مہ گہ یا مہ گاہ تھا، جیسا کہ دبستان مذاہب کی روایت ہے۔ یاقوت کا یہ لکھنا کہ جب نوبہار کے کسی حصہ میں عمارت بڑھائی جاتی تھی تو وہ پھولوں سے سجائی جاتی تھی یا یہ کہ فصل بہار میں مورتوں پر ریحاں کے پھول چڑھائے جاتے تھے، یہ محض قیاس ہے، جسکی تاریخ ایران سے تصدیق نہیں ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے جسقدر مندر تھے اُن سب میں بخور جلایا جاتا تھا مورتوں پر پھول چڑھانے کا دستور نہ تھا یہ تخصیص ہندوستان کے دیوتاؤں کے لئے ہے یہ شاعرانہ تخیل محض اس لئے ہے کہ نوبہار کی وجہ تسمیہ میں لفظی و معنوی مطابقت ہو جائے۔

۲- کیا نوبہار کا نام نودہار تھا

مستشرقین یورپ جب کسی مسلمہ نظریہ (تھیوری) کے خلاف کوئی نئی رائے قائم کرتے ہیں تو ابتدا ہی سے ایسی پرواز اُٹھاتے ہیں جس سے اُن کا مقصد پورا ہو اور مشرق کی ہر روایت کو اپنے قیاسات کے سامنے نعوذ، غلط قرار دیتے ہیں، جسکی مثال میں نوبہار کی نظیر کافی ہے۔

[1] صحیح فیصلہ یہی ہے۔

فاضل مستشرق[۱] ز خاو، قدیم مندر اور آتش کدہ نو بہار کو بدھ خانقاہ قرار دیکر نو بہار کا لفظ نو وہار کرتا ہے۔

سنسکرت میں خانقاہ کے لئے وہار (یہ صحیح لفظ ہے) کا لفظ ہے جو عام طور سے وہار مستعمل ہے

مہاتما گوتم بدھ کے حیات میں جس قدر خانقاہیں تعمیر ہوئیں وہ وہار کہلاتی ہیں اور راجہ اشوک[۲] وغیرہ کے زمانہ میں جو خانقاہیں تیار ہوئیں ان کو نو وہار کہتے ہیں کیونکہ لفظ "نو" اور "نوا" فارسی سنسکرت اور پالی زبان میں بمعنی جدید[۳] مشترک ہے۔

قدیم خانقاہوں پر امتداد زمانہ سے کائی جم گئی تھی اور وہ دور سے سیاہ نظر آتی تھیں اسلئے امتیاز کے لئے نئی خانقاہوں کو نو وہار یا نوا وہار کہتے تھے۔ ایک زمانہ کے بعد گوتم بدھ اور شہر بہار کے تعلقات سے وہار کو بہار یا بہار کہنے لگے اور معنی دونوں کے ایک ہی رہے یعنی خانقاہ علمائے اسلام بھی بدھوں کی خانقاہ اور بدھ سے واقف تھے، محقق[۴] خوارزمی، ہندی الفاظ کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ بہار	بیت اصنام الہند (ہندوستان کے مندروں کا نام بہار ہے)
۲۔ بُدّ	وہو صنم الہند الاکبر الذی یحجون و یسمّی کل صنم بُدّا۔ (ہندوستان کا سب سے بڑا بت، جس کا حج کیا جاتا ہے اس کا نام بُد (بدھ) ہے اور عموماً ہر ایک بُت کو بھی بُدّ (بدھا یا بت) کہتے ہیں) مندر، خانقاہ

استوپہ، یہ تینوں لفظ جداگانہ ہیں، لیکن بدھ مذہب کے جس قدر مندر ہیں وہ استوپہ (استوپ) کہلاتے ہیں استوپہ بغیر دروازہ کا ایک بڑا ٹھوس گنبد ( ) ہوتا ہے جسکے اندر رشی اور منی لوگوں کی راکھ دفن ہوتی ہے اور اسکے چاروں طرف بطور احاطہ عظیم الشان

---

۵۱ ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب الہند بیرونی ترجمہ انگریزی و مضمون براکمہ مندرجہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اول نوشتہ ڈبلیو بارتھالڈ (W. Barthald)

۵۲ تاریخ ہندوستان الیٹ صاحب جلد اول صفحہ ۱۴۹ کا مفصل نوٹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء و نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۲۷ ملاحظہ ہو

دیواریں ہوتی ہیں جن پر نقوش و تصاویر کے ذریعہ سے بدھ مت دور کا تمدن دکھایا جاتا ہے جس طرح ریاست بھوپال میں سانچی ٹوپ یا دکن میں ایلورا ہے

اور خانقاہ (وہار) مدرسہ نما ایک عمارت ہوتی تھی جس میں بدھ درویش رہا کرتے تھے اور اس جگہ ان کی مذہبی تعلیم بھی ہوتی تھی، چونکہ وہاروں میں بھی گوتم بدھ کا مجسمہ (اسٹیچو) بڑے یا چھوٹے پیمانہ پر ہوتا تھا، اس لئے خوارزمی نے خانقاہ کو مندر کے معنی میں استعمال کیا ہے اور یہ عام تعریف نہیں ہے بلکہ بدھ مذہب سے مخصوص ہے۔ اس کے بعد خوارزمی نے بتایا ہے کہ بدھ مورتی کی زیارت کے لئے جاتری آیا کرتے تھے اور بدھ کا لفظ عموماً بت کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، لہذا وہار اور بہار دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پاٹلی پتر (پٹنہ) سے سندھ تک ہزاروں وہار تھے جو اسلامی حکومت کے زمانہ تک باقی تھے، جن کا تذکرہ سیاحوں اور مورخوں نے تفصیل سے کیا ہے۔

نوبہار کا مندر، منوچہر نے ولادت بدھ سے نوسو ستر سال قبل تعمیر کیا تھا جس میں چاند کی پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کا سادہ نام "مہ گہ" تھا، ایسی حالت میں زخاؤ کا نوبہار کو بدھوں کی خانقاہ کہنا ایک فاش تاریخی غلطی ہے، علاوہ بریں پہلوی زبان، مذہبی الفاظ اور مصطلحات کے لئے ہندی الفاظ کی محتاج نہ تھی جو نوبہار کا نام نودہار رکھا جاتا، اس میں پیغمبر (وخشور) فرشتہ (امشا سفند) جنیو (کستی[1]) یا زنار معجزہ (فرجود) جنت (پیمسار، مینوسار) پل صراط (چینود) مندر (پیکرستان) بت دشمن (بتجاری)[2] وغیرہ الفاظ موجود ہیں اور خلافت[3] ہارون الرشید میں فضل برمکی گورنر خراسان ۱۷۹ھ/۷۹۵ء میں جب دورہ کو نکلا ہے تو اس نے نوبہار کے کھنڈرات کو منہدم کرا دیا کل عمارت تو استحکام کی وجہ سے ٹوٹ نہ سکی صرف ایک حصہ

---

[1] ہمہ سوی شاہ زمیں آمدند | بہ بستند کستی بدیں آمدند (فردوسی)

[2] اسفندیار گشتاسپ سے کہتا ہے۔

اگر تاج ایران سپاری بمن | پرستش کنم چوں بتاں را شمن

[3] کتاب الوزراء والکتاب جہشیاری صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ جرمن (فولڈ گراف)

برباد ہوگیا تھا۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کی چنانچہ مورخین نے اس واقعہ کو بنظر استعجاب دیکھا ہے کیونکہ یہ عمارت، فضل کے آباؤ اجداد کی ایک بہترین یادگار تھی اور شعرا نے اس واقعہ پر فضل کی مداحی کی ہے[1]۔ اسوقت تک نوبہار آتش کدہ مشہور تھا۔

۴۔ مسالک الابصار کی تین اہم غلطیاں

تنقید سے پہلے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ جو عبارت متن میں نقل کی ہے، وہ بعد تصحیح لکھی گئی ہے یہ کتابت کی غلطیاں یا تو قدیم میں یا ٹائپ کے حروف کمپوز کرتے وقت غلطی ہوئی ہے اور یہ صرف تین لفظ ہیں۔

۱۔ اوّل لفظ منو شہر ہے، جس پر نقطہ لگ جانے سے متو شہر ہوگیا ہے۔ متو شہر، فارس عرب اور ہند میں کوئی حکمران نہیں ہوا یہ وہی منوچہر بن ایرج بن فریدون ہے جس کا متعدد جگہ ان اوراق میں ذکر آچکا ہے۔

۲۔ دوسرا صحیح لفظ ہیربذی ہے، جو کتاب میں الہندی چھپ گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ منوچہر کو ہند سے کیا مناسبت؟ منوچہر کیانی کو ایرانیوں نے پیغمبر کا درجہ دیا ہے، لہٰذا اس کا خطاب ہیربد تھا جس طرح سب سے اخیر میں گشتاسپ کو ہیربد کا خطاب[2] قوم سے عطا ہوا تھا۔

۳۔ تیسرا لفظ لہراسف (لہراسپ) ہے، اصل[3] کتاب کی جو نقل میرے سامنے ہے اس میں بجائے لہراسف کے، سوراشف الملک ہے، کمپوز کرتے وقت لہراسف کا سوراشف ہوجانا ایک معمولی بات ہے اور لہراسپ اس لئے صحیح ہے کہ یہ بوڑھا شہنشاہ تیس سال تک نوبہار میں مقیم رہا تھا جس کا ذکر دقیقی کے اشعار میں بھی موجود ہے۔

---

[1] اس اخیر بربادی کے بعد اگر نوبہار کو ایرانیوں نے نوہار (خانقاہ) بنا لیا ہو تو وہ خارج از بحث ہے۔ لیکن تاریخ ایران سے یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

[2] مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۳۰ و ۱۰۰، تحقیق لفظ ہیربد و تاریخ سلاطین عجم۔

[3] عزیز محترم سید سلیمان ندوی نے یہ نقل اپنے قلم سے لکھکر میرے پاس بھیجی ہے اور عربی عبارت کے نیچے یہ جملہ لکھا ہے کہ "عرب و ہند کے تعلقات" میں بریکٹ کی اندر سوراشف کے بجائے صحیح نام بوداسف بنا یا گیا ہے۔ صفحہ ۱۲۲ - لکچر مذکور۔

اس کتبہ کے متعلق تاریخ مسعودی میں بھی ایک روایت ہے اور چونکہ وہ بھی ایک تاریخی غلطی ہے لہذا اس موقع پر اس کی صحت ضروری ہے، علامہ[1] مسعودی نے اس کتبہ کو بوذاسف (مہاتما بدھ) سے منسوب کیا ہے، اصل عبارت یہ ہے۔

قال المسعودی وقد ذکر بعض اھل الروایات انہ قرأ علی لنوبھار، ببلخ کتابًا بالفارسیۃ ترجمۃ قال بوذاسف ابواب الملک محتاج الی ثلاث خصال، عقل وصبر ومال"	مسعودی نے کہا کہ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے نوبہار بلخ کے دروازہ پر فارسی میں ایک کتبہ پڑھا، جس میں لکھا تھا کہ بدھ کا قول ہے کہ بادشاہوں کے دروازے تین خصلتوں کے محتاج ہیں، عقل، صبر، مال

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد مسعودی نے دوسرا جملہ یہ لکھا ہے:۔

واذ تحتہ بالعربیۃ کذب بوذاسف الواجب علی الحر اذا کان مع واحدۃ من ھذہ الخصال ان لا یلزم باب السلطان۔	فارسی کتبہ کے نیچے کسی نے عربی میں یہ لکھدیا تھا کہ بوذاسف کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ جس شخص میں ان تین صفات میں سے ایک بھی ہو اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ بادشاہ کے دروازے پر جائے۔

مسعودی[2] نے خود بدھ کے زمانہ کی تحقیقات نہیں کی، ورنہ یہ غلطی نہ ہوتی، بلکہ جو سُنا وہی لکھدیا، میرے نزدیک مسالک الابصار کی روایت جس میں بصراحت لہراسپ (ملک) موجود ہے وہی صحیح ہے کیونکہ بوذاسف، ملک نہ تھا۔ ایک مذہبی پیشوا تھا۔ جیسا کہ مورخین نے لہراسپ اور نوبہار کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] مروج الذہب صفحہ، جلد ہ حاشیہ کامل اثیر اور یہی وہ روایت ہے جسکی بنا پر مولنا سید سلیمان ندوی نے لہراسف کو بوذاسف سمجھا ہے۔ [2] مسعودی نے بدھ کے زمانہ کے متعلق جو غلطی کی ہے، اس کی تصیح دوسری جگہ ہو چکی ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۲

۷۔ لفظ برمک کی تحقیقات اور خاندان برامکہ کی وجہ تسمیہ

برمک کی جمع برامکہ اور برامک آتی ہے اس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ برمک عربی لفظ ہے لیکن علم اللسان (فیلالوجی) نے اپنے اصول کے موافق فارسی سے اس لفظ کو عربی میں ڈھالا ہے اور عربی قاعدہ سے اس کی جمع بھی بتائی ہے۔

فارسی، ہندی وغیرہ کے صدہا الفاظ[1] عربی میں موجود ہیں، مثلاً دہقان، مرزبان، ہیربد زندیک[2] اور برہمن انکی جمع، دہاقین، مرازبہ، ہرابدہ، زنادقہ اور براہمہ آتی ہے، یہی حال پیادہ کندہ اور رہنج کا ہے جو عربی میں جاکر بیدق، خندق اور مجوس بن گئے ہیں، اسی طرح یونانی لفظ میکانکس (Mechanics) (علم جرثقیل) کس خوبصورتی سے منجنیق[3] بنا ہے، ایسا ہی عمل لفظ برمک میں ہوا ہے، لیکن فارسی لغت نویسوں نے برمک کی جو تشریح کی ہے وہ حقیقت سے منزلوں دور ہے۔

برہان قاطع جو فارسی کا مشہور لغت ہے اس کا مصنف رشیدی اور لطائف کے حوالہ سے لکھتا ہے، "برمک نام جائے وولایتے است ولقب جعفر پدر خالد کہ در اوائل حال مجوسی بود ومتولی سدانیہ[4] کہ از موقوفات نوبہار کہ آں بت خانہ وآتش کدہ بلخ است بہر کہ متولی آنجا شدے

---

[1] فرائد اللغت مطبوعہ بیروت، ملاحظہ ہو جس میں ۱۹۰، الفاظ غیر زبانوں کے مثالاً درج ہیں۔

[2] زندک فارسی کا اسم صفت ہے اور اس کا ترجمہ ہے ژند کا معتقد یعنی اوستا کی بجائے اس کی تفسیر ژند پر ایمان لانے والا یہ لفظ عہد قدیم میں مقلدین مانی کے لئے مخصوص تھا کیونکہ وہ غیر مذہب کی الہامی کتابوں کے معنی اپنی رائے کے مطابق کیا کرتے تھے اور یہ لفظ فرقہ باطنیہ کے لفظ تاویل کے مرادف تھا، عربوں نے زندیک کو زندیق بنایا جس کا اطلاق گمراہ فرقوں پر کیا جاتا ہے بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ لفظ آرامی زبان سے فارسی میں گیا ہے ادبیات ایران براؤن صفحہ ۲۸۱

[3] منجنیق چار پہیوں کی ایک گاڑی ہے، جو لکڑی اور لوہے کے پرزوں سے بنائی جاتی ہے اور میدان کارزار میں اس کے ذریعہ سے، دشمن کی فوج اور قلعوں پر بارود، حشرات الارض (سانپ۔ بچھو) اور بھاری پتھر برسائے جاتے ہیں اس کی شکل رتھ (ہندوستان کی مشہور سواری) سے مشابہ ہوتی تھی۔ [4] سدانہ کا ترجمہ تولیت ہے سدنہ، سدن اور سادن خانہ کعبہ یا بت

برمک گفتند ے ؛

برمک نہ کوئی مقام ہے نہ ولایت، نہ آتش کدۂ نوبہار کی جاگیر کا نام سدانیہ[1] ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ نوبہار کا موبد برمک کہلاتا تھا' ارباب لغت کے علاوہ تمام مورخ اور جغرافیہ نگاران عرب وعجم بھی برمک کے یہی معنی بتاتے ہیں لیکن فارسی تاریخوں میں[2] برمک کی ایک وجہ تسمیہ اور بھی لکھی ہے جو نہایت دلچسپ ہے اور چونکہ لغت اور تاریخ کے ایک ہی الفاظ ہیں لہذا برہان قاطع[3] سے بقیہ عبارت متعلق لفظ برمک لکھی جاتی ہے کہ "چوں جمال حالش (جعفر پدر خالد برمکی) بہ زیور اسلام آراستہ گردید با عیال واطفال بجانب دمشق کہ دار الملک حکام بنی امیہ بود توجہ نمود' بعد از چند روز بہ بارگاہ سلیمان[4] بن عبد الملک آمد' چوں چشم سلیمان بر جعفر افتاد رنگش متغیر شد' اشارہ فرمود تا اورا از مجلس بیروں بردند' خواص وندمائے مجلس از صدور این حکم تعجب نمودہ سبب آں پرسیدند' سلیمان گفت ایں شخص زہر ہمراہ دارد گفتند چوں معلوم خداوند شد؟ گفت دو مہرہ بر بازوی من بستہ است کہ ہرگاہ زہر یا طعام یا شراب زہر دار بر مجلس در آورند' آنہا بحسب خاصیت حرکتے عنیف می کنند' حضار کیفیت حال از جعفر پرسیدند جواب داد بلے قدرے زہر در زیر نگیں انگشتر دارم بجہت آنکہ در ہنگام شدت الم بر مکم' واز مذلت برہم لہذا او برمک واولاد او برمکی ملقب ومشہور شدند"

یہی مضمون بادنی تغیر روضۃ الصفا تاریخ برامکہ ضیاء برنی میں موجود ہے صرف اسقدر اختلاف ہے کہ مورخین کے نزدیک یہ واقعہ عہد خلیفہ ولید بن عبد الملک[4] کا ہے۔

اور سندر کے بجاری خادم کو کہتے ہیں۔ معلم پطرس بستانی لکھتا ہے "سدن الرجل یسدن سدنا وسدانۃ خدم الکعبۃ او بیت الصنم وعمل الحجابۃ" محیط المحیط جلد اول صفحہ ۹۴

[1] جمہور الممالک قلمی تاریخ خراسان پیش نظر ہے جسمیں بلخ کا ایک ایک قصبہ مسج ہے لیکن سدانیہ کوئی تعلق نہیں ہے۔

[2] دیکھو روضۃ الصفا تاریخ برنی وغیرہ۔ [3] تشریح برمک صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ دار السلطنت کلکتہ۔ ہفت قلزم کی یہ عبارت ہے "برمک نام جائے ولقب مردیست جعفر نام نسبش بہ ملوک فرس می رسد" بقیہ عبارت برہان قاطع کے مطابق ہے جلد اول صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ قدیم لکھنؤ۔ [4] بجائے ولید کے سلیمان بن عبد الملک ہے جیسا کہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھا ہے

یہاں اس تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے کہ جعفر دمشق میں کس خلیفہ کے عہد میں آیا البتہ یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ یہ وجہ تسمیہ کہاں تک موزوں ہے۔ میرے نزدیک عبارت مذکورۂ بالا محض ایک لطیفہ ہے جس کو تاریخ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے کیونکہ دربار خلافت میں آنے سے پہلے جعفر برمک کے لقب سے مشہور تھا۔ علاوہ بریں دمشق میں آنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ گردش فلکی اور افلاس جعفر کو بلخ سے دمشق میں کھینچ لایا اور یہ بھی مورخین کو تسلیم ہے کہ جعفر علم حساب، کیمیا اور شاعری میں فرزانۂ روزگار اور اپنے زمانہ میں ایک دانشمند شخص تھا۔ جب جعفر کا یہ کمال مسلم ہے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جعفر ایسا شخص عرب کی زبان سے واقف نہ ہوگا جو دربار کی زبان تھی؟ کیونکہ ولید بن عبدالملک فارسی نہیں جانتا تھا، لیکن اس شبہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کوئی ضرورت جعفر کو عربی زبان دانی کی نہیں تھی کیونکہ گفتگو ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ بالفرض اگر ایسا ہوا تو یہ وجہ تسمیہ جو لفظ برکم سے ماخوذ ہے بالکل بیکار ہو جاتی ہے کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ جس وقت جعفر کی زبان سے برکم نکلا اس وقت سے اس کا برمک لقب ہو گیا" یہ وجہ تسمیہ تکلف سے خالی نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ مصادر فارسی میں مکیدن اور برمکیدن کھانے اور چوسنے کے معنی میں مستعمل ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ قلیل الاستعمال ہے نثر کے علاوہ نظم میں بھی شعراء نے مک[1] اور برمک استعمال کیا ہے، حکیم سوزنی کا مشہور شعر ہے

یا بد ز تو جواب نعم سائل نعم
از پیر سالخوردہ، تا طفل شیر مک

ایک دوسرا شاعر خاندان برامکہ کے زوال کا پُراثر نظارہ دکھلا کر ارباب زمانہ کو یوں نصیحت کرتا ہے

ای طفل دہر گر تو ز پستان حرص و آز | زفرے دو شیرۂ دولت و اقبال برمکی
در عہد عمر غرہ مشو! از کمال خویش | یاد آور از زمان بزرگان برمکی

[1] دیکھئے نوادر المصادر مصنفہ ٹیک چند بہار مصنف لغت بہار عجم۔ "تحقیقات مصادر فارسی میں یہ ایک بے نظیر کتاب ہے مطبوعہ قدیم لکھنؤ

متاخرین شعرائے ہند میں سے غالب مرحوم فرماتے ہیں[1]:-

برکیند ہمہ برکیاں زہر زرشک
چوں ثنا خواں سخایش برآناں رفتند

سیدھی بات یہ ہے کہ جب یہ واقعہ مورخین عجم نے عربی تاریخوں سے نقل کیا ہوگا تو بجائے تجوزم کے برکم، ترجمہ کیا جس کو غلطی سے، متاخرین نے لفظ برمک کا ماخذ بنایا، ایرانیوں کی یہ دیسی ہی ظرافت یا بلند پروازی ہے، جس طرح عربوں نے لفظ مکہ سے برمک بنانے کی کوشش کی تھی۔

کتاب البرامکہ (طبع اوّل ۱۸۹۷ء) میں جو وجہ تسمیہ برمک کی لکھی گئی تھی وہ بھی آج لطیفۂ شاعرانہ معلوم ہوتی ہے، میں نے برمک کا مادہ اشتقاق پیر مغ (آتش کدہ کا بوڑھا پجاری) قرار دیا تھا کیونکہ عربوں نے بھی لفظ مغ میں عجیب وغریب[2] تصرفات کئے ہیں، لیکن جب عجم کی تاریخ کا (غور وفکر سے) مطالعہ کیا گیا اور برامکہ کی تاریخی تحقیق میں پورا شاہنامہ پڑھنا پڑا۔ اسوقت یہ غلطی محسوس ہوئی اب صحیح تحقیقات ملاحظہ فرمایئے!

برمک کا مادہ اشتقاق اور وجہ تسمیہ

دبستان مذاہب کی روایت نقل ہو چکی ہے کہ منوچہر کے مندر کا نام مہ گہ یا مہ گاہ تھا اور عہد قدیم میں وہ کسی مخصوص نام سے موسوم نہ تھا بلکہ ایک زمانہ دراز کے بعد وہ نوبہار کے نام سے مشہور ہوا ہے اور سند قبولیت اسی نام کو حاصل ہوئی چنانچہ خلافت عثمانی میں جب بلخ فتح ہوا ہے اسوقت بھی مسلمانوں کی زبان پر نوبہار کا نام جاری تھا، مہ گہ خالص فارسی لفظ ہے جو ہیکل قمر" بیت[3] القمر" پیکرستان ماہ اور "چندرماں استھان" کا مرادف ہے، کیونکہ اس مندر میں چاند کی مورت نصب تھی، معرکہ

---

[1] کلیات غالب فارسی، قصیدہ در مدح نصیر الدین شاہ آودہ

[2] کتاب اوستا میں مغ، موغو، موغش، موغوطش، (بحالت مرکب) مگوشں اور مگوپت موجود ہیں اور سب کے ایک ہی معنی ہیں، عربوں نے مغ سے مجوس اور مجوسس وغیرہ الفاظ بنائے ہیں۔ "ادبیات براؤن"

ارجاسپ تورانی میں آتش کدہ آذر نوش برباد ہو گیا تھا اور جب افراسیاب کے قتل ہونے پر مہ گہ (نوبہار) خالی ہو گیا اسوقت گشتاسپ نے اپنے وزیر حکیم جاماسپ کو اس مندر کی تولیت سپرد کی اور اسی دن سے سورج پرستی کے عوض آتش پرستی ہونے لگی اور اسی عہد میں مہ گہ پر لفظ بر کا اضافہ ہوا جس کو ایرانی بر مہ گہ یا برمہگ کہتے ہونگے۔ اور جسکو زمانہ مابعد میں عربوں نے برمک کہا[1]

پہلوی زبان میں لفظ برؔ کے متعدد معنی ہیں اور مختلف ترکیبوں کے ساتھ بر کا استعمال ہوتا ہے مثلاً دستوبر، دستور بر (دستور۔ مقتدای مذہب) نوبر (میوۂ نورس و دختر نوخیز) برنا، برومند برخوردار، وغیرہ، شاہنامہ میں متعدد نظائر موجود ہیں، جب مہ گہ پر لفظ بر کا اضافہ ہو گیا، تو اب اس کے معنی دستور یا متولی کے ہو گئے، برؔ ثمر (پھل) کے معنی میں بھی مستعمل ہے جس کا اطلاق مجازاً اولاد پر بھی کیا جاتا ہے

متاخرین جغرافیہ نگاروں کو برمک کے ماخذ اور اس کے معنی میں جو غلط فہیاں ہوئی ہیں وہ صرف لفظی مغالطہ ہے اور اس معمہ کا حل حسب ذیل ہے۔

جب نوبہار کی تاریخ فارسی سے عربی میں منتقل ہوئی اور عربوں نے مہ گہ کا لفظ سنا تو یہ لفظی ثقالت ان کو ناگوار معلوم ہوئی اور انصاف یہ ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان سے مشکل سے نکلتا ہوگا لہذا ادیبوں نے مہ (مخفف ماہ) اور گہ (مخفف گاہ) کی ہائے ہوز (ہ) کو حذف اور کاف فارسی (گ) کو کاف عربی (ک) سے تبدیل کر دیا اس معمولی تصرف کے بعد مہ گہ، مک رہ گیا۔

اور جنھوں نے مہ گہ کی بجائے مہ گاہ تلفظ کیا تھا ان کے یہاں خراد پر چڑھنے کے بعد یہ لفظ ماکا ہو گیا تیسری شکل یہ ہوئی کہ جن ادیبوں نے گھ کی ہائے ہوز کو قائم رکھا انھوں نے گھ

---

[1] "ادبیات براؤن

کو مکہ پڑھا اور لفظ بر کا اضافہ پہلے ہی ہو چکا تھا چنانچہ کتاب البلدان وغیرہ سے جو عبارتیں نقل ہو چکی ہیں انمیں برمک، برمکا اور برمکہ، تینوں تلفظ موجود ہیں جو مہ گہ کی معرب شکلیں ہیں مسعودی نے برموک خلاف قیاس لکھا ہے علامہ جار اللہ ابو القاسم محمود زمخشری صاحب تفسیر کشاف (متوفی ۵۳۸ھ ۱۱۴۴ء) نے بھی اسی طرح ربیع الابرار میں برمکا لکھا ہے جو لفظاً صحیح ہے۔

متاخرین کو متقدمین کے اس تصرف لسانی کی خبر نہ تھی انھوں نے معبد کے خیال سے مکا اور مکہ کو شہر مکہ سمجھ لیا اور سیدھے خدا کے گھر پہونچ گئے۔

اور اسی جگہ سے غلطیوں کا آغاز ہوا الغرض یہ وہ لفظی دھوکہ تھا جس پر تیرہ سو برس سے معرکہ آرائیاں ہو رہی ہیں، تاریخ ایران کے سیکڑوں صفحات پڑھنے کے بعد برمک کا مادہ اشتقاق اور اس کی وجہ تسمیہ لکھی گئی ہے جو لفظاً و معناً لغت اور تاریخ ایران کے مطابق ہے اور نیز اسی بناپر میرا یہ دعویٰ ہے کہ برامکہ زردشتی (مجوسی) تھے اور خالص ایرانی، اِن کو ہندی اور بدھ مذہب کا پیرو بتانا زخاؤ کی ایک تاریخی غلطی ہے۔ مورخین اور جغرافیین کا یہ کہنا کہ متولی نوبہار کو برمک کہتے تھے، اس تشریح کے بعد بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ برمک کا لفظی ترجمہ ہی "چاند کے مندر کا متولی"

زخاؤ کی ایک دوسری غلطی زخاؤ نے لفظ برمک میں بھی غلطی کی ہے۔ اور وہ اِس کو بجائے فارسی کے لفظ پَرمَک بناتا ہے اور یہ محض اس لئے کہ برامکہ کو ہندی اور بدھ مت کا پیرو ثابت کیا جائے۔

صحت کی غرض سے میں نے لفظ برمک کی تحقیق کاشی (بنارس) کے علمائے سنسکرت سے کی چنانچہ پتمبر دت برتھوال ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ڈی لٹ لیکچرر ہندی سنٹرل ہندو کالج بنارس یونیورسٹی اور بالکرشن مصر وائس پرنسپل و پروفیسر ویدانت اورنٹیل کالج ہندو یونیورسٹی نے بعد تحقیقات جو خطوط بھیجے ہیں اُن کی نقل حسب ذیل ہے۔

---

[1] وکان من یلیہ یسمّی برمکا یعنی والی مکۃ وانتھت البرمکۃ الی ابی خالد بن برمک واسلم علی سیدنا عثمان وسماہ عبد اللہ، ربیع الابرار

परमक शब्द संस्कृत में चलता नहीं है। यह आवश्यक नहीं कि यह संस्कृत का ही हो। 'परम' पर स्वार्थे 'क' लगकर, परमक बन सकता है। उस दशा में उसका अर्थ आला मर्तबा वाला उचित ही है। संस्कृत में बहुधा विशेषणों पर 'क' प्रत्यय लगा नहीं करता है परन्तु ऐसे उदाहरण भी मिलते हैं जिनमें विशेषणों पर भी यह प्रत्यय लगाया जाता है।

पीताम्बरदत्त

(परमकः)

"परम एव परमकः।" स्वार्थेकन। प्रकृष्ट इत्यर्थः। प्रकर्षश्च तपसा, विद्यया, धनेन, यशसा, शक्त्या च अनेकधा भवति। १

"परमकं सुखं यस्येति" व्युत्पत्त्या प्रकृष्ट सुखाश्रयोऽर्थः। २

"परमं कं जलं यस्मिन्" इति व्युत्पत्त्या विमलविपुल जलाशय इत्यर्थः। ३

"परं अकति कुटिलं गच्छतीति" योगेन परकुटिलगतिमान सर्पादिरर्थः। ४

परौ प्रकृष्टौ मकौ मकारककारौ यस्मिन्निति व्युत्यपत्त्या मकारककारविन्यस्तो वाक्यविशेषोऽर्थः।

"पेन पापेन रमते रमयति वा" इति परमकः पानद्वारा सुखस्याश्रयः कारको वा। इत्यर्थः।

बालकृष्ण मिश्रः
Vice Principal & Prof. Vaidant Oriental College of
Benares Hindu University Benares.
15/7/1934

"لیکچرر صاحب کی تحقیق ہی کہ پرمک کے سنسکرت ہونے میں شبہہ ہے اور لفظ پرم کے آخر میں ک کے اضافہ سے پرمک بنا ہی اور یہ اضافت توصیفی ہی اس صورت میں پرمک کے معنی ہونگے اعلی مرتبہ والا' اگرچہ یہ عام قاعدہ سنسکرت کا نہیں ہی لیکن کبھی کبھی صفت میں حرف کاف لگاتے ہیں"۔

اور وائس پرنسپل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "پرم پر کاف کا اضافہ ہوا ہے اس اضافہ سے علم، دولت، طاقت، عبادت، شہرت وغیرہ کی ترقی مقصود ہے اور پرمک سے ایسا شخص بھی مراد ہے جو عیش و آرام سے زندگی بسر کرتا ہو یا شراب وغیرہ پی کر مست رہتا ہو اور نیز اس لفظ کے معنی ایسے چشمہ کے بھی ہیں جو صاف ستھرے پانی سے لبریز ہو اور پرم کے معنی تموج (لہر) کے بھی ہیں، جیسے سانپ کی لہراتی ہوئی چال ہوتی ہے۔ اور پرمک

اس دُکاندار کو بھی کہتے ہیں جو لوگوں کو شربت پلا کر اپنی روزی پیدا کرے اور خوش و خرم رہے۔"
ان علماء کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ لفظ پرَم کا اگرچہ سنسکرت ہونا مشتبہ ہے۔ لیکن ہندی ضرور ہے اور اضافت کے بعد وہ متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے اور اُسکے ایک معنی برتر اور بڑے مرتبہ والے کے بھی ہیں۔
اگر مزید تحقیق کی جائے تو مشرقی اور مغربی زبانوں میں پرَمک کے وزن پر اور الفاظ بھی مل جائیں گے' لیکن اس قسم کے خانہ ساز الفاظ سے نوبہار کا متولی (برمک) کیوں کر مراد ہوگا؟ برمک کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ماہ تاب کے مندر کا خادم ہو۔ اگر سنسکرت یا ہندی میں پرم یا پرَمک کے معنی پجاری کے ہوتے تو شاید زخاؤ کی رائے ایک حد تک قابل تسلیم ہوتی بحالت موجودہ تو یہ ایک مضحکہ خیز استدلال ہے۔ اور جب پرَمک حقیقی معنی میں برمک کا مرادف نہیں ہے تو خانداں برامکہ ہندی کیوں کر ہو سکتا ہے۔؟

۸۔ خاندان برامکہ کی ابتدائی تاریخ

برمکی خاندان کا اصل وطن کہاں تھا؟ تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن مورخین نے عموماً برامکہ کو بلخی لکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صوبہ خراسان کے کسی دوسرے شہر سے آکر (تولیت نوبہار کے سبب سے) بلخ میں سکونت پذیر ہوئے ہوں جیسا کہ بعض روایات سے[1] معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حکیم جاماسپ ۱۔ برمکیوں کا جد اعلیٰ جاماسپ بن لہتاسپ تھا، جو عہد گشتاسپ میں نوبہار کا پہلا موبد مقرر ہوا اور اس خدمت کے اعزاز میں وہ کُل ملک محروسہ کا موبد موبدان (قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس) بھی کر دیا گیا اور یہ وہ اعلیٰ مذہبی منصب تھا جس کے سامنے

---

[1] تاریخ مبدء و معاد۔

سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں دوسرا اعزاز یہ عطا ہوا کہ دستور اعظم بنایا گیا کیونکہ وزارت اِس خاندان میں موروثی تھی، جاماسپ کا جد اعلیٰ گودرز اُردشیر کا وزیر تھا اور یہ سلسلہ وزارت عہد عباسیہ میں ختم ہوا۔ حکیم جاماسپ، زردشت کی نظر میں بھی محترم و معتقد رہا، چنانچہ زردشت نے اپنی بیٹی "پوست" کا نکاح جاماسپ سے کر دیا تھا اور جاماسپ کی ایک بھتیجی زردشت سے منسوب[۲] تھی اور فضل و کمال کے اعتبار سے بھی جاماسپ حکیم، مہندس، اور نجومی تھا۔

ارجاسپ نے جب ایران پر فوج کشی کی ہے اُسوقت گشتاسپ مشورہ کے لئے جاماسپ[۳] کو بُلاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ستاروں کی تاثیر سے اِس جنگ کا کیا انجام ہوگا؟ اس واقعہ کے ذیل میں فردوسی جاماسپ کا تعارف کراتا ہے اور اُس کے جملہ اوصاف گناتا ہے

بخواند آں زماں شاہ، جاماسپ را ۔۔۔ کہ دستور بُد شاہ گشتاسپ را (وزیر اعظم)

سر موبداں بود و شاہِ رواں ۔۔۔ چراغِ بزرگاں و اسپہبداں

ستارہ شناسے گراں مایہ بود (منجم) ۔۔۔ آیا اوبدانش کرا پایہ بود

پرسید از و شاہ و "گفتا خدائے ۔۔۔ ترا دین بداد است و پاکیزہ رائے"

بباید ت کردن ز اختر شمار، ۔۔۔ بگوئی ہمہ مرمرا روئے کار

جاماسپ نے کیا جواب دیا، اس کے لئے شاہنامہ ملاحظہ فرمایئے یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے جاماسپ کی علم و حکمت کا مرقع وہ تخت بھی تھا جس کو جاماسپ نے گشتاسپ کے حکم سے تیار کیا تھا۔ اس تخت کا نام طاقدیس[۴] تھا جس کی تعریف غیر ممکن ہے، یہ عجائبات علی کا ایک طلسم تھا اور رصدگاہ (Observatary) کا کام دیتا تھا تخت کے چاروں طرف منطقۃ البروج کا نقشہ اور سبع سیارہ اپنے اپنے جگہ پر دکھائے گئے تھے۔ یہ تخت اکسو ستر گز طویل اور اکسو بیس[۱۲۰] گز عریض تھا۔ فردوسی کہتا ہے۔

ز کیواں ہمہ نقشہا تا بماہ، ۔۔۔ بداں تخت کرد او بفرمان شاہ

---

[۱] نزہت القلوب حمد اللہ [۲] اوستا اور بندہشن میں تفصیل ہے۔ [۳] شاہنامہ صفحہ ۶ جلد ۲ [۴] طاقدیس کی تفصیل فردوسی نے خسرو پرویز کے حالات میں کی ہے اور سراج اللغات آرزو میں بھی مفصل حالات ہیں

یہ مرصع تخت، سکندر کے زمانہ تک شاہی خزانہ میں محفوظ تھا، فتح ایران کے موقع پر سکندر نے جہاں چند حماقتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس تخت کو پارہ پارہ کر کے جواہرات نکال لیئے اور اس نادرالوجود علمی یادگار کو مٹا دیا۔

زبیدانشی کاریکبارہ کردہ	مرا اور اسکندر ہمی پارہ کردہ

گشتاسپ نے اسفندیار کی موت پر جب اپنے پوتے بہمن وراز دست کو تاج و تخت سپرد کیا ہے اور جاماسپ کو ادائے مراسم شاہانہ کی ہدایت کی ہے، اُسوقت تک شاہنامہ میں جاماسپ کا ذکر ہے، اس کے بعد معلوم نہیں ہوتا کہ جاماسپ کہاں غائب ہو گیا۔ لیکن قرینہ اس کا مقتضی ہے کہ جب اِسکی وزارت (گشتاسپ کی موت پر) ختم ہو گئی اور بہمن نے اس کو قلمدان وزارت نہیں دیا تب وہ نوبہار میں جاکر بیٹھ رہا ہوگا، کیونکہ اس کا یہ مذہبی اقتدار وزارت سے بہت بڑھکر تھا اور یہ بھی جاماسپ کی خدمات و جاں نثاری کا صلہ تھا کہ زوال نوبہار تک تولیت اُسکے خاندان میں رہی اور میری رائے میں یہی برمک اعظم تھا جس کو نوبہار کی وقفی آمدنی اور شاہانہ نذرانوں نے امیر کبیر بنا دیا تھا اور عام نذر و نیاز کے علاوہ نوبہار پر حریر سبز کے پھریرے بھی چڑھائے جاتے تھے اور یہ بھی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔

تمام کتابوں میں جہاں ذکر برامکہ ہے اُس سے یہی خاندان مراد ہے، کیونکہ مثل قیاصرۂ روم، اکاسرۂ عجم، فراعنۂ مصر، خاقان چین، تبع حمیر، نجاشی حبش، برامکۂ بلخ بھی اپنے اعزازی خطاب میں ضرب المثل ہیں۔ برمکی خاندان علم انشا، حساب، حکمت، نجوم، طب کیمیا، اور سیاست میں اوّل سے اخیر تک ممتاز رہا ہے۔ اور یہ جملہ خاندانی مفاخر جاماسپ کی وجہ سے تھے، کیونکہ اس فخر روزگار حکیم نے اپنے خاندان کے لئے ایک خاص نصاب (کورس) مرتب کیا تھا، جس کے اکتساب سے ہر برمکی عالم و فاضل ہو کر سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچتا تھا[۱]

---

[۱] سیاست نامہ، مبدء و معاد، کتاب البلدان ہمدانی۔

تاریخ ایران میں حکیم جاماسپ کے بعد دو جاماسپ اور ہوئے ہیں۔ ایک شاہ قباد کا بھائی (نوشیرواں کا چچا) اور دوسرا خسرو پرویز کا وزیر یہ بھی حکیم اور دانشمند تھا لیکن یہ دونوں خارج از بحث ہیں

۲۔ ساسب برمکی	۲۔ جاماسپ کے بعد ساسب نوبہار کا متولی ہوا اور یہ جاماسپ کا بیٹا تھا۔

اسکے بعد شجرۂ نسب میں پانچ یا چھ کڑیاں غائب ہیں۔

۳۔ فیروز برمکی	۳۔ اخیر دور یعنی عہد شیرویہ قباد (۶۲۸ء) میں نوبہار کا متولی فیروز تھا اور

مستند کتابوں سے ثابت ہے کہ خسرو پرویز کے عہد (۵۹۱ء) تک نوبہار کا احترام بدستور تھا[۱] اور یزدجرد کے بعد بھی قائم رہا اور ولید بن عبدالملک کے عہد میں یہ آتش کدہ ہمیشہ کے لئے سرد ہو گیا۔

یہ خاندان ابتدا سے زمانہ کا نبض شناس رہا ہے کیونکہ جب ایران میں زردشت نے بت پرستی کو مٹا کر آتش پرستی جاری کی اور گشتاسپ نے یہ دین قبول کر لیا، اُسوقت جاماسپ بھی، زردشت کا مرید ہو گیا۔ اسی طرح فیروز نے بھی جب اسلامی قوت کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو اُس نے بھی مدینہ جا کر بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ اور نوبہار کا علاقہ سالانہ خراج پر[۲] لے لیا۔ یہ واقعہ ۳۰ھ ۶۴۹ء کا ہے۔

نوبہار کا اخیر برمک کون تھا۔ اور اس کا کیا نام تھا؟ تاریخوں میں اسکی تفصیل نہیں ہے لیکن کتاب[۳] البلدان اور معجم البلدان میں زوال نوبہار کے جو حالات لکھے ہیں اس سے یہ معمّا حل ہو جاتا ہے چنانچہ عبارات مذکور کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

خلافت عثمانی میں جب اخیر برمک نے اسلام قبول کر لیا۔ اور وہ مسلمان ہو کر بلخ واپس گیا تو اس تبدیلی مذہب کی وجہ سے ایرانی برمک سے ناراض ہو گئے اور

۱؎ کتاب التاج فی اخلاق الملوک علامہ جاحظ صفحہ ۹۹ مطبوعہ مصر ۱۹۱۴ء

۲؎ گذشتہ اوراق میں تصفیہ ہو چکا ہے کہ خلافت عثمانی میں نوبہار کا تعلقہ اخیر متولی نے خراج پر لے لیا تھا اور میری تحقیقات کے مطابق یہ فیروز برمکی تھا۔

۳؎ ملاحظہ ہوں حالات بلخ و نوبہار کتاب البلدان ہمدانی و معجم البلدان یاقوت جسکے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اُنہوں نے اسکو تولیت نوبہار سے معزول کر کے اس کے ایک بیٹے کو متولی کردیا اور نیزک طرخان، شاہ ترکستان نے جو بت پرست (صابی) تھا برمک معزول کو ایک خط لکھا اور تاکید کی کہ تم اپنے آبائی مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ برمک نے جواب دیا کہ میں نے برضا ورغبت اسلام قبول کیا ہے۔ اب اس کو ترک نہیں کر سکتا ہوں۔ شاہ مذکور بعض مجبوریوں سے اُسوقت خاموش ہو گیا لیکن بعد میں دھوکہ سے برمک اور اُسکے دس بیٹوں کو قتل کر دیا۔ صرف ایک نابالغ لڑکا زندہ رہا۔ برمک کی بیوی نے اس خیال سے کہ دشمن اس بچہ کو بھی قتل نہ کر ڈالیں، وہ مع بچہ کے کشمیر[1] چلی گئی، اور اس ملک میں نابالغ کی تعلیم وتربیت ہوئی یہانتک کہ یہ لڑکا جوان ہو گیا، اور منجملہ دیگر علوم کے اس نے طب اور نجوم میں بھی کمال حاصل کیا۔

ایک مدت کے بعد بلخ میں طاعون پھیلا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ یہ عذاب تبدیلی مذہب کی وجہ سے آیا ہے (ایران کے ہر مفتوحہ شہر میں سُرعت کے ساتھ اسلام پھیل گیا تھا) چنانچہ بلخیوں نے نوجوان برمک کو کشمیر سے بلایا اور اس کو نوبہار کا متولی مقرر کیا۔ یہ برمک اپنے بزرگوں کے مذہب پر تھا۔"

میری تحقیقات کے مطابق برمک مقتول کا نام فیروز تھا، جو برامکہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوا اور جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ اور یہ نوجوان برمکی جو کشمیر سے آکر نوبہار کا متولی ہوا فیروز کا بیٹا جعفر بلخی تھا جس کے نام سے برامکہ کی جدید تاریخ شروع ہوتی ہے، باپ قتل ہو چکا تھا اور جعفر کی پرورش ماں کے سایۂ عاطفت میں ہوئی لہذا جعفر یقینی اس زمانہ تک

[1] خلافت فاروقی میں جب ایران فتح ہو گیا تو متعصب ایرانیوں نے جو اپنے مذہب پر قائم رہے اور اسلامی حکومت سے متنفر تھے اُنھوں نے بلخ وغیرہ کی سکونت ترک کر دی اور کشمیر میں جا کر آباد ہو گئے تھے کیوں کہ آب وہوا اور دلکش مناظر کے اعتبار سے صرف کشمیر ہی ایران کے معتدل شہروں کا مقابلہ کر سکتا تھا اور کوہ الوند کے مرغزاروں کا جواب کشمیر میں موجود تھا۔ اور غالباً کشمیر میں فیروز کے بھی عزیز موجود ہوں گے یہی سبب ہے، کہ فیروز کی بی بی بلخ سے بھاگ کر کشمیر گئی تھی اور اُس کے حق میں یہی بہتر تھا۔

اپنے آبائی مذہب پر ہوگا- یہ جعفر تاریخوں میں محل ولادت کے نام سے بلخی مشہور ہے-

۳- جعفر برمکی نے شاہ صغانیان[1] کی بیٹی سے نکاح کیا، جس کے بطن سے حسن پیدا ہوا اور اسی کے نام سے جعفر کی کنیت ابوالحسن ہوئی- اور ایک دوسری بی بی سے جو بخارا[2] کی تھی (ممکن ہے کہ شاہ بخارا کی بیٹی ہو) خالد، عمرو، سلیمان[3] تین بیٹے اور ایک بیٹی ملقب بہ ام خالد پیدا ہوئی اور ایک کنیز سے جو شاہ بخارا نے ہدیۃً بھیجی تھی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کال تھا اور دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کا لقب اُمّ القاسم تھا-

اسمائے مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفر کی یہ اولاد اس زمانہ کی ہے جب کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا ورنہ ان کے نام ایرانی ہوتے- افسوس ہے کہ ابن الفقیہ اور یاقوت نے جعفر بلخی کے زمانہ کفر اور اسلام کی تفریق نہیں کی ہے- اور تین نسلوں کے حالات یکجائی لکھ دیئے ہیں ورنہ یہ واقعہ اور صاف ہو جاتا، لیکن ایرانیوں نے عموماً جعفر اور عربوں نے اُس کے بیٹے خالد سے برامکہ کی تاریخ شروع کی ہے اور یہی وہ خالد ہے جو ابوالعباس سفاح کا وزیر ہوا- اور جس کی اولاد ہارون الرشید کے زمانہ تک وزارت پر ممتاز رہی-

۴- عہد اسلام اور ابوالحسن جعفر بلخی

۴- یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ فیروز کے قتل پر اُسکا ایک بیٹا قوم کی جانب سے نوبہار کا متولی بنایا گیا تھا، اور سب سے چھوٹا بچہ آغوش مادر میں تھا جس نے کشمیر میں تعلیم پائی اور جب یہ جوان ہو گیا تو اہل وطن کی تحریک پر بلخ میں آکر نوبہار کا متولی ہوا- اور یہ وہ برمک تھا جس کے زمانہ میں آتشکدہ نوبہار ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا- مورخین

---

[1] صغانیان جس کو ایرانی چغانیاں کہتے ہیں ماوراالنہر کا ایک بڑا علاقہ ہے- اور اس کا صدر بھی صغانیان کے نام سے مشہور ہے شہر ترمذ کے قریب ہے، سرسبز و شاداب علاقہ ہے، نزہت القلوب صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ لیڈن و معجم صفحہ ۳۶۱/۵

[2] بخارا ماوراالنہر کا بڑا شہر ہے، سمرقند سے آٹھ یوم کے فاصلہ پر ہے- زمانہ عروج میں آبادی کا قطر ۳۶ میل تھا باغات اور میووں کی افراط تھی، شاہان سامانیہ کا صدر تھا-

[3] ۱۶۳ھ میں جب ہارون الرشید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا ہے- اسمیں حسن اور سلیمان فرزندان جعفر بھی خالد کے ہمراہ تھے- طبری صفحہ ۹۰ ۱۰۵ مطبوعہ لیڈن-

ایران کا یہ متفقہ بیان ہے کہ یہی جعفر برمک کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ اور اسی کی اولاد کو عہد عباسیہ میں عروج ہوا۔

واقعات مذکورہ سے ظاہر ہے کہ عہد خلافت[1] عثمانی میں بھی آتشکدہ نوبہار بند ہو گیا تھا لیکن فیروز کے قتل پر اس کا ایک بیٹا پھر متولی ہوا اور یہ مذہبی آزادی اس بنا پر ہو گی کہ ادائی خراج کی شرط پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نوبہار کا علاقہ فیروز کو دیدیا تھا اور نیز ادائی جزیہ کے بعد ہر ذمی (غیر مسلم جزیہ دینے والے) مذہبی رسوم میں آزاد تھا، لیکن ولید بن عبد[2] الملک اموی کے عہد میں قتیبہ بن مسلم باہلی نے ۸۶ھ میں جب بلخ کا محاصرہ کیا ہے اسوقت نوبہار برباد کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے آذر زردشتی ٹھنڈی ہو گئی۔ اور بلخ مملکت اسلام میں داخل ہو گیا سنین کی مطابقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس وقت جعفر بلخی نوبہار کا متولی تھا اور اس اخیر تباہی کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔ جس کی تصدیق[3] تاریخ مبدء و معاد سے ہوتی ہے اور تاریخ میں یہ برمک اصغر مشہور ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اس کا نام جعفر رہا۔ کیونکہ یہ نام عبداللہ نے رکھا تھا۔ اور چونکہ عہد طفلی مجوسیوں میں گزرا (بمقام کشمیر) تھا لہذا وہ اسوقت تک آتش پرست تھا اور اخیر زمانہ میں مسلمان ہوا[4]۔

سلیمان بن عبد الملک کا دربار اور جعفر برمکی

تاریخ مبدء و معاد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جعفر برمکی اس اخیر انقلاب کے بعد معاش سے پریشان حال تھا (غالباً نوبہار کا علاقہ اس کے قبضہ سے نکل گیا تھا) اور یہی سبب ہے کہ وہ بلخ سے دمشق گیا اور سلیمان بن عبد الملک کے دربار میں کامیاب ہوا۔

---

[1] یاقوت نے نوبہار کے حالات میں لکھا ہے کہ خلافت عثمانی میں قیس بن الہیثم نے نوبہار کو برباد کر دیا تھا لیکن صحیح یہ ہے کہ نوبہار کی عمارت ہارون الرشید کے زمانہ تک موجود تھی تفصیل اپنی جگہ پر لکھی جائیگی۔

[2] سرح العیون شرح رسالہ ابن زیدون صفحہ ۱۰۰ حالات قتیبہ بن مسلم و تاریخ طبری

[3] یہ عبارت گزشتہ اوراق میں نقل ہو چکی ہے۔ [4] یہ تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے کہ برامکہ مجوسی تھے "کانوا قدیما علی دین المجوس ثم اسلم من اسلم منھم وحسن اسلامھم" الفخری صفحہ ۱۷۸۔

جعفر علاوہ حسن صورت کے علم وفضل میں خاص امتیاز رکھتا تھا فارسی، عربی، علم ادب، طب، نجوم، کیمیا اور شاعری میں ضرب المثل تھا۔ غرض کہ دنیاوی اعزاز کے واسطے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فیاض ازل نے جعفر سے دریغ رکھی ہو۔ اور غالباً یہی کمال جعفر کو بلخ سے دمشق میں لایا تھا، کیونکہ اس عہد میں دربار خلفاء کے سوا اظہار کمالات کا کوئی دوسرا موقع اہل علم کے حق میں نہ تھا۔ جب جعفر دمشق میں پہونچا ہے اُس وقت خاندان اُمیہ کا چھٹا تاجدار سلیمان بن عبدالملک تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ یہ خلیفہ ۹۶ھ ۱۵ء میں تخت نشین ہوا اور ۹۹ھ ۷۱۷ء میں فوت ہو گیا لیکن اس عرصہ میں فتوحات کی نہایت ترقی ہوئی ہندوستان پر فوج کشی ہوئی دیبل (ٹھٹھ) فتح ہوا۔ خوارزم، سمرقند، کابل، اور فرغانہ پر اسلامی نشان اُڑتا تھا۔ علاوہ اس کے حدود اسلامی کے دائرہ میں شام واندلس اور تمام افریقہ کا رقبہ داخل تھا اور خاص دارالخلافہ دمشق[1] کی شان وشوکت کا کیا پوچھنا ہے؟ چنانچہ دارالخلافہ کی عظمت وجلال کو دیکھکر جعفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اب جعفر کو یہ فکر ہوئی کہ کسی حیلہ سے دربار کا داخلہ میسر ہو۔ اور حقیقت میں غریب مسافر کے لئے یہ ایک مشکل موقع تھا۔ مگر اپنے مطلب میں کامیاب ہونے کے واسطے جعفر نے یہ تدبیر نکالی کہ اول امرائے دربار اور ارکین سلطنت سے ملنا شروع کیا۔ چونکہ جعفر ایک مشہور آتشکدہ کا متولی اور رئیس اعظم تھا، اس لئے تمام اسلامی مجالس میں اسکی عزت ہوتی تھی اور قطع نظر اس خصوصیت کے جعفر کی شیریں کلامی اور فصاحت وبلاغت کا جادو سلیمان کے ہر ندیم پر اپنا اثر کرچکا تھا۔ اس لئے دمشق کے ہر گلی کوچے میں جعفر کی نکتہ سنجی کی داد دیجاتی تھی۔ ارکین سلطنت نے جب ہر طرح جعفر

[1] اقلیم چہارم میں یہ شہر بہت قدیم ہے اور شام کے تمام شہروں سے بڑا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا جب ارم بن سام بن نوح نے اس کو آباد کیا تھا۔ آٹھ میل کے دور میں آباد ہے مورخین کا بیان ہے کہ باغ ارم اسی شہر میں تھا جسکو شداد نے عمارت بنا کر وسیع کر دیا تھا لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اسی کی صفت ہے ابتدائے زمانہ سے آجتک مختلف خاندانوں میں اس کی حکومت رہی ہے اور اس کے فتح کرنے میں ہر قوم کا تقریباً حصہ ہے چنانچہ اول شاہان بابل وفارس نے اس پر قبضہ کیا۔ اور چار سو برس تک انکا ماتحت رہا اُس کے بعد ڈھائی[۲۵] سو برس تک یونانیوں کا فرمانبردار رہا جب یونان کا زوال ہوا تو رومیوں کے سایے میں چلا گیا ساڑھے سات برس کے بعد رومیوں سے عربوں نے چھین لیا۔ اور ساڑھے چار[۴۵۰] سو سال اُس پر حکمران رہے ۳۳۳ برس قبل حضرت عیسیٰ کے سکندر اعظم نے فتح کیا اور ۶۳۵ء میں

کی قابلیت کا اندازہ کر لیا اُس وقت لسبیل تذکرہ خلیفہ سے جعفر کے مفصل حالات بیان کیے۔ خلیفہ نے حالات سن کر یہ خیال کیا کہ "اگر فی نفسہ جعفر جامع صفات نہوتا تو کسی کو اوس کے فضائل بیان کرنے کی میرے حضور میں جسارت نہوتی اور خود اہل دربار کا جعفر کو پیش کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ایک گراں مایہ جوہر ہے۔ اور اہل دربار کو یہ اندیشہ تو ضرور ہی ہوا ہوگا کہ جعفر کی شہرت عام مجھ تک ضرور پہنچ جائیگی اس لئے خود اُنھوں نے تمام حالات عرض کر دیئے" چنانچہ سلیمان بن عبد الملک نے حکم دیا کہ اچھا جعفر کو دربار عام میں پیش کرو جب جعفر خلیفہ کے روبرو حاضر ہوا۔ تو خلیفہ نے اُس کی شکل دیکھتے ہی حاجب کو حکم دیا کہ جعفر کو سزا دی جائے۔ خلیفہ کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور وہ بھی اس سختی سے کہ جعفر کھڑے سے گر پڑا اور گرتے ہی بیہوش ہوگیا، جعفر نیم کشتہ اور مجروح دربار سے باہر بھیج دیا گیا۔ بقیہ روایت وجہ تسمیہ میں نقل ہو چکی ہے لیکن یہ واقعہ محض ایک فسانہ ہے، ہاں! یہ قابل تسلیم ہے کہ دوسری مرتبہ ندیموں کی سفارش سے جعفر کو سلیمان کا سلام نصیب ہوا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

مورخین عجم لکھتے ہیں کہ سلیمان نے جعفر کو طلب کر کے وزارت سپرد کی تھی، لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ صرف اسقدر ہے کہ جعفر، سلیمان کے دفتر انشا میں کاتب مقرر ہو گیا تھا۔ جعفر برمکی، ہشام بن عبد الملک (تخت نشینی ۱۰۵ھ ۷۲۴ء سنہ) وفات

بقیہ حاشیہ ایرانیوں نے بالکل تباہ کر دیا لیکن ۱۳ھ ۶۳۴ء میں خلیفہ اول کے آخیر عہد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور ۴۲ھ ۶۶۲ء میں امیر معاویہ نے اپنا دار الخلافہ بنایا چنانچہ اسوقت سے دمشق ترقی کرتا گیا اور جسوقت جعفر یہاں پہنچا ہے۔ یہ اس کے عروج کا زمانہ تھا۔ اسکے بعد سلطنت عباسیہ، فاطمیہ، سلجوقیہ، کے قبضہ میں رہا ۵۴۲ھ ۱۱۴۷ء و ۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء کے جنگ صلیبی کے بعد پندرھویں صدی میں تیمور نے قبضہ کر کے برباد کر دیا لیکن ۹۲۲ھ ۱۵۱۶ء یعنی عہد سلیم اول سے ترکوں کے قبضہ میں آیا قدامت کے ہزارہا منظر اس شہر میں ہیں چنانچہ ولید بن عبد الملک کی بنوائی ہوئی مسجد جس میں ۸۰ کرور ۴۲ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا تمام دنیا میں بے نظیر تھی۔ اول یہ مسجد ایک ہیکل عظیمہ تھی جو مشتری کے نام پر بنائی گئی تھی، جب یونانیوں سے عیسائیوں کے قبضہ میں آئی تو کنیسہ ہوئی جب مسلمانوں نے لیا تو مسجد بنا دیا اور دنیا کی مشہور سیرگاہوں یعنی صغد سمرقند، شعب بوان، ابلہ بصرہ کے بعد غوطۂ دمشق ہے۔ بقول ابن حوقل سیاح آٹھ دن تک مسافر اس سیرگاہ کی حد میں سفر کر سکتا ہے اور اُس کو سایہ دار درخت باغستان یا نہر اور خوشگوار پانی کے چشمے ملتے ہیں" ماخوذ از جغرافیہ جام جم و سفرنامہ ابن جبیر و جغرافیہ یاقوت و تاریخ نزہت القلوب و خریدۃ العجائب ابن الوردی و تاریخ مسعودی وغیرہ۔ [1] تاریخ قلمی عینا برنی و ہفت قلزم وغیرہ۔

(۱۲۴ھ ۷۴۲ء) کے زمانہ تک زندہ رہا اور مرتے دم تک سادات کرام کا ہمدرد تھا۔ اب جعفر کے نامور فرزند خالد کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

۹۔ ابو العباس خالد بن جعفر برمکی داعی اکبر خلافت عباسیہ

ا۔ خالد کی ولادت جعفر برمکی کا یہ بلند اقبال[۱] بیٹا خلیفہ ولید بن عبد الملک اُموی کے زمانہ (۹۰ھ ۷۰۹ء) میں پیدا ہوا اُس وقت جعفر بلخی مسلمان ہو چکا تھا یہی سبب ہے کہ ابن الفقیہ وغیرہ نے جعفر کی اولاد کے جو نام لکھے ہیں اس میں خالد بھی موجود ہے اور سب نام اسلامی ہیں۔

طبری[۲] کی روایت ہے کہ خالد برمکی عبد اللہ بن مسلم باہلی کا بیٹا ہے۔ یہ ایک اختلافی روایت ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج[۳] بن یوسف کی عہد گورنری (۸۶ھ ۷۰۵ء) میں جب قتیبہ بن مسلم نے اضلاع خراسان پر فوج کشی کی اور بلخ کا محاصرہ ہوا تو متولی نوبہار (برمک اصغر) کی بی بی قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئی۔ اور بطور حرم عبد اللہ کے پاس رہی اور حاملہ ہو گئی، صلح کے بعد قتیبہ کے حکم سے قیدی واپس

---

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۳۲ جلد ۲

[۲] طبری کبیر صفحہ ۱۱۸۱ مطبوعہ لیڈن۔

[۳] یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے جو خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراقین کا والی تھا اس کا ظلم حاتم کی سخاوت سے کم مشہور نہیں ہے حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر ائمہ مذہب اور پیشوایان دین پر تھیں صحابہ کرام اور عامہ مسلمین کی تعداد جو حجاج نے قتل کرائی ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ اس کے ظلم کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ جو حضرت عمر بن عبد العزیز نے کی ہے کہ "اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لادیں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا"۔ بے سقف قیدخانہ اسی کا ایجاد ہے۔ مرد عورت سب کو ایک زنجیر میں اسی نے قید کیا۔ صحرا نشین لوگوں کے ہاتھوں پر انکے اور اُن کی ولادت گاہ کے نام گدوائے عرب کی کشتیوں پر رال کا روغن لگایا۔ سب سے پہلے جسکے دربار میں ہزار خوان کھانے کے اہل مجلس کے سامنے رکھے گئے وہ یہی حجاج ہے لیکن باوجود سفاکی کے اس کا شمار دنیا کے مدبرین اعظم میں ہے۔ ادیب بھی تھا اور مقرر بھی اس کے بلیغ خطبات نے فتوحات ملکی میں تلوار سے زیادہ کام دیا ہے۔ ۴۱ھ میں ولادت ہوئی ۹۵ھ ۷۱۴ء میں فوت ہوا۔ عربی زبان پر اسکا یہ احسان ہے کہ نصر بن عاصم نے اس کے حکم سے حروف پر نقاط و اعراب لگائے کہ تلاوت قرآن میں آسانی ہو۔ ابن خلکان وغیرہ۔

قریشی[1] خلافت کے اس بناء پر امیدوار تھے کہ آنحضرت نے بشارت[2] دی تھی کہ ہاشمیوں میں سلطنت
قائم ہوگئی۔ اس لئے سادات (حسنی و حسینی) اور آل عباس دونوں وقت کے منتظر تھے اور جب
عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے اُن کے کان میں اذان دی اور دعا فرمائی
"اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّین وعلّمہ التاویل"۔ اور بطور فال چند کلمات ارشاد فرمائے جس سے
عباسیوں کو خاص طور پر خلافت کی آرزو پیدا ہوئی۔ اور اُن کا وقت اُسی اُدھیڑ بُن میں گذرنے لگا
چنانچہ اس وقت تین سیاسی گروہ موجود تھے۔ اِن میں سے ایک اُموی خلافت کو ظالمانہ اور قابل
لعنت سمجھتا تھا۔ اور یقین رکھتا تھا کہ یہ حکومت عنقریب زوال پذیر ہوگی۔ یہ عباسی تھے۔
دوسرے کا خیال تھا کہ امام حسین کی شہادت کے بعد ابن الحنفیہ خلیفہ ہوں گے۔ اور تیسرے
طبقہ امامیہ کا اعتقاد تھا کہ شہید کربلا کے بعد علی بن حسین (امام زین العابدین) مسند خلافت پر
متمکن ہوں گے اور پھر یہ سلسلہ[3] القائم محمد بن الحسن علیہ السلام تک چلتا رہے گا۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین حضرت علی اور معاویہ
امیر شام میں جنگ شروع ہوگئی جو تاریخ میں معرکہ جمل اور صفین کے نام سے مشہور ہے جس کا
خاتمہ امام حسن علیہ السلام کی نیک نفسی نے کر دیا۔ یعنی آپ خلافت سے دست بردار ہوگئے۔
یہ واقعہ ۴۱ھ کا ہے۔ اور امیر معاویہ بلا شرکت غیرے خلیفہ بن گئے اور ۱۹ سال کی حکومت
کے بعد انتقال کیا۔ امیر کے بعد یکے بعد دیگرے ابو خالد یزید بن معاویہ اور معاویہ ثانی بن یزید

---

[1] الفخری از صفحہ ۱۲۶۔ مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مصر۔ یہ مختصر تاریخ نہایت مفید ہے۔ اس کا نام منیۃ الفضلا فی تاریخ الخلفاء والوزراء ہے۔ اور مشہور نام الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ ہے مصنف کا نام صفی الدین ابو جعفر محمد بن تاج الدین علی ہے اور کنیت ابن طقطقی (طباطبا) ولادت ۶۶۰ھ وفات ۷۰۹ھ یا ۷۰۱ھ

[2] حضرت عباس کے حق میں یہ طویل دعا تھی اس کا ایک ٹکڑہ یہ بھی تھا کہ واجعل الخلافۃ فی عقبہ یعنی عباس کے خاندان میں خلافت باقی رہے۔

[3] پورا نام امام کا حسب ذیل ہے۔ امام مہدی القائم المنتظر محمد بن الحسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ مفتاح العلوم خوارزمی صفحہ ۳۲ باب ائمہ اثنا عشر

حکمراں ہوئے۔ تین[1] سال سات مہینے کے بعد یزید بھی مر گیا اور معاویہ نے دو ماہ بائیس[2] یوم کے بعد خلافت سے استعفا دیدیا اور اُمیہ خاندان میں تخت و تاج کے لئے جھگڑے شروع ہو گئے۔

امام زین العابدین اپنے محترم چچا کی تقلید میں عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور اُن کو خلافت کی آرزو نہ تھی لہٰذا موقع کو غنیمت سمجھ کر عبداللہ بن زبیر (صحابی رسول اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کے نواسے) نے مکہ حجاز، عراق، یمن اور بصرہ پر قبضہ کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ بنی ہاشم اور علوی خود مدعی خلافت تھے، بدیں وجہ عبداللہ بن عباس اور محمد بن الحنفیہ نے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اِس جرم پر یہ دونوں بزرگ قید کر دیئے گئے

ابن[1] زبیر کی حکومت ہنوز مستقل نہ ہوئی تھی کہ مختار بن[2] ابی عبید ثقفی ملقب بہ کیسان شہید کربلا کے قصاص کا مدعی ہو کر اُٹھا اور کوفیوں کو ہموار کر کے امام محمد بن الحنفیہ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور امام صاحب کو قید سے آزاد کرایا۔ مختار بڑا چالاک تھا، اس حکمت سے وہ خود کوفہ میں ایک حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔

ابن زبیر نے جب دیکھا کہ مختار ثقفی کی قوت بڑھ رہی ہے تو انھوں نے اپنے بھائی مصعب کو ایک جرار لشکر کے ساتھ مختار کے مقابلہ کو روانہ کیا، اس معرکہ میں مختار قتل ہو گیا اور ابن زبیر نے مختار کا سر بطور ہدیہ امام محمد کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جب سپہ سالار مارا گیا تو امام محمد کے حوصلے پست ہو گئے اور انھوں نے درویشانہ زندگی اختیار کی اور خونریزی کے مخالف ہو گئے ابن زبیر نے کوشش کی کہ امام محمد بیعت کر لیں مگر امام صاحب نے منظور نہ کیا اور ابن زبیر کے واقعہ شہادت تک شام و حجاز میں پھرتے رہے اور اخیر میں عبدالملک سے بیعت کر کے اپنی زندگی کو محفوظ کر لیا اور مقام ایلہ (شام) میں ۸۱ھ میں انتقال کیا، لیکن مرتے دم اپنے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کے حق میں وصیت کر گئے۔ اور یہ جماعت ہاشمیہ کے نام سے مشہور ہوئی

---

[1] عبداللہ بن زبیر نے ۶۴ھ / ۶۸۳ء تا ۷۲ھ / ۶۹۲ء حکومت کی

[2] مختار کا عہد ۶۴ھ / ۶۸۳ء تا ۶۷ھ / ۶۸۶ء۔ امام زین العابدین نے ۹۵ھ / ۷۱۳ء میں رحلت فرمائی۔ اور سیاسیات سے آخر وقت تک علیحدہ رہے

امام صاحب اگرچہ فوت ہو چکے تھے، لیکن جماعت کیسانیہ (مختار ثقفی کے داعی) کا اعتقاد تھا کہ وہ زندہ ہیں اور ایک زمانہ کے بعد اُن کا ظہور ہوگا۔ لہٰذا یہ گروہ درپردہ امام ابو ہاشم کے حق میں صوبہ خراسان اور شام میں خلافت کی کوشش کرتا رہا۔ اس درمیان[۱] میں ابو ہاشم، ایک وفد میں شریک ہو کر ہشام بن عبد الملک کے دربار میں پہنچے۔ امام صاحب نہایت وجیہہ، خوبصورت اور فصیح البیان تھے اور ان میں ریاست کی بھی شان موجود تھی۔ ہشام نے اُن کو بڑے تپاک سے لیا، اپنا مہمان رکھا اور صلہ و انعام بھی دیا۔ لیکن امام صاحب کی ذات خطرہ سے خالی نہ تھی، لہٰذا وقت رخصت اُن کو دودھ میں زہر دیدیا۔ جب امام صاحب پر زہر کا اثر ہوا تو وہ دمشق سے سیدھے حمیمہ[۲] میں چلے گئے۔ جہاں علی بن عبد اللہ بن عباس مقیم تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "اب میرا وقت آخر ہے۔ یاد رکھو! عنقریب بنو اُمیہ سے سلطنت منتقل ہو کر تمہارے خاندان میں آئے گی اور جس قدر دعاۃ (نقیب یا دعوت دینے والے) امام صاحب کے ہمراہ تھے، ان کو حکم دیا کہ "تم علی سے اسی وقت بیعت کرو اور جو دُعاۃ خراسان میں پھیلے ہوئے تھے، اُن کو وصیت کی کہ وہ بھی آل عباس کی خلافت کی کوشش کریں۔" یہ تائید غیبی تھی جو عباسیوں کو حاصل ہوئی اور علویین کی مجتمع قوت یکایک آل عباس کی طرف منتقل ہوگئی اور یہی وہ دن ہے جس دن خلافت عباسیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، لیکن بنی فاطمہ نے اس انتقال خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ ابو ہاشم کی تقریر[۳] سے اب علی کو یقین ہو گیا کہ خلافت ان کے خاندان میں ضرور آئیگی لہٰذا اب علی کارروائی پہلے سے زیادہ شروع ہوئی۔

علویین کے حالات آپ پڑھ چکے۔ اب امیر معاویہ کے خاندان پر ایک نظر ڈالنا چاہیئے۔ یزید اور معاویہ ثانی کے انتقال پر خاندان امیر میں، یزید کا بیٹا خالد وارث حقیقی موجود تھا، لیکن یہ ہفت سالہ

---

[۱] الفخری صفحہ ۱۲۰

[۲] حمیمہ یہ ایک موضع ہے جو دمشق کی پرگنہ شراۃ میں واقع تھا اور مدینہ کی سڑک پر تھا۔ ولید بن عبد الملک نے یہ موضع علی کو جاگیر میں دیا تھا۔ ابو الفدا صفحہ ۲۰۹ جلد اول۔ ۱۲

[۳] امام ابو ہاشم کا ۹۸ھ/۷۱۶ء میں انتقال ہوا۔ اور اب علی بن عبد اللہ عباسی کی دعوت کا زور شور سے آغاز ہوا۔

بچہ، بارِ خلافت کو نہیں اُٹھا سکتا تھا لہٰذا مروان بن الحکم اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو گیا اور خاندانی اصحاب نے اس کو بتاریخ ۷ ذی قعدہ ۶۴ھ (۱۱ اپریل ۶۸۴ء) خلیفہ تسلیم کر کے بیعت شروع کر دی اور مخالفین نے بھی مجبوراً بیعت کر لی۔ چنانچہ ۲۳ سال کے بعد امیر معاویہ کے خاندان سے خلافت منتقل ہو کر مروان کی طرف چلی گئی۔ اور دار الخلافہ بدستور دمشق رہا۔

مروان نے تخت نشین ہوتے ہی یزید کی بی بی ام خالد سے نکاح کر کے نابالغ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اس کو آیندہ خلیفہ کرنے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد مروان نے سب سے پہلے ابن زبیر کو مصر و شام سے بے دخل کر دیا اور چونکہ مروان نے خالد کو خلافت سے محروم کر کے عبد الملک اور عمر بن عبد العزیز کے لئے بیعت لی تھی بدیں وجہ ام خالد نے مروان کو قتل کرا دیا[1] اور عبد الملک بن مروان رمضان ۶۵ھ ۶۸۴ء میں حکمراں ہوا۔

امام زین العابدین خلافت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ لہٰذا عبد الملک نے سب سے پہلے ابن زبیر اور مصعب امیر عراق کی طرف توجہ کی۔ حجاج بن یوسف سپہ سالار نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی، ابن زبیر نے زبردست مقابلہ کیا لیکن آخر میں حرم کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو گئے۔ حجاج نے خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے آگ برسائی۔ حرم کعبہ کی دیواریں منہدم ہو گئیں پردے اور تبرکات[2] جل گئے اور طائر حرم (ابن زبیر) کو جال میں پھانس کر تاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۷۳ھ ۶۹۲ء ذبح کر ڈالا۔ اور مصعب بھی معرکہ کارزار میں شہید ہوئے۔ اب مدعیان خلافت میں بنو امیہ کے حریف صرف ابو محمد علی بن عبد اللہ بن عباس باقی تھے لیکن انھوں نے بھی ۱۱۸ھ ۷۳۶ء میں وفات پائی[3]۔ اب علی کے جانشین اُن کے بڑے صاحبزادے محمد ہوئے۔

۱۔ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

امام محمد بن علی، خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے ہم عصر تھے۔ یہ بڑے مدبر تھے۔ انھوں نے خلافت عباسیہ کی مخفی دعوت ۱۰۰ھ (عہد عمر بن عبد العزیز) سے شروع کر دی تھی لیکن اپنے والد کے انتقال

[1] کنیزوں نے ام خالد کے حکم سے سوتے میں مروان کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ [2] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مینڈھے کے سینگ ہنوز محفوظ تھے۔ اسکے علاوہ اور بھی تبرکات تھے۔ یہ سب جل گئے۔ [3] یعقوبی صفحہ ۳۸۵، طبری صفحہ ۱۵۹۲

کے بعد سرعت سے عملی کام جاری کیا، مصر، حجاز، شام اور خراسان میں دُعاۃ مقرر کئے کیونکہ واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ یہی زمانہ کامیابی کا ہے۔ سادات کے دعاۃ (پروپیگنڈا کرنے والی جماعت) جو خراسان میں، بنی فاطمہ کے لئے کوشش کر رہے تھے، اُنھوں نے ابوہاشم کی وصیت کے مطابق اب اپنا طرز عمل بدلا اور عباسیوں کی مُنادی کرنے لگے۔ اس وقت تک یہ دستور تھا کہ جس امام کے حق میں اعلان کیا جاتا تھا اُس کا نام مخفی رکھا جاتا تھا۔ امام محمد نے بھی اپنی دُعاۃ کو حکم دیا کہ "یدعون للبیعۃ الرضا من آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی ہمارے دُعاۃ اہل بیت کے خلافت کی دعوت دیں اور کسی خاص شخص کا نام نہ لیں، کیونکہ نام کے اعلان پر خلفائے اُمیہ اسکی زندگی کا خاتمہ کر دینگے۔ چنانچہ اخیر تک یہی عمل جاری رہا۔

امام محمد نے پہلا مرکز دعوت کوفہ میں قایم کیا۔ اس زمین میں یہ تاثیر تھی کہ یہاں ہر نئی تحریک سرسبز ہو جاتی تھی اور دوسرا صدر خراسان کو قرار دیا۔ جو دمشق سے منزلوں دور تھا اور خراسان کا انتخاب اس بنیاد پر تھا کہ ایرانی ہزاروں سال سے شخصی حکومت کے عادی تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ خلفائے اُمیہ نے اُمور سلطنت میں عربوں کو فوق دیا تھا اور یہ خالص عربی حکومت تھی اور عجمی حقیر سمجھے جاتے تھے، ان کے حقوق مسلمانوں کے برابر نہ تھے۔ اور مختلف ٹکسوں کی گران باری اسکے علاوہ تھی لہٰذا من حیث القوم ایرانی انقلاب حکومت کے لئے تیار تھے اور اموی خلفا فسق و فجور سے بدنام ہو چکے تھے اور یہی سبب تھا کہ تابعین صحابہ انصار اور خوارج بنو اُمیہ کے سخت مخالف تھے۔

کوفہ کا دفتر مراسلت کے لئے صدر قرار دیا گیا تھا۔ چنانچہ دُعاۃ خراسان کی رپورٹیں پہلے کوفہ جاتی تھیں اور کوفہ کا نائب امام جملہ مراسلت کا خلاصہ مرتب کرکے تتمیمہ روانہ کرتا تھا۔

---

[1] کوفہ فوجی چھاؤنی تھی۔ جس میں جاہل سپاہی آباد تھے اس وجہ سے ہر نئی تحریک میں یہ شریک ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں اخیر زمانہ اُمیہ اور آغاز دولت عباسیہ میں علمی ترقی ہوئی اور بصرہ کا رقیب بن گیا۔

جدید[1] تحریک کے بعد شیعان علی نے ۱۰۱ھ میں علانیہ امام محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کی چنانچہ حسب ذیل اصحاب بیعت کے بعد بکارِ خاص کوفہ اور خراسان کو روانہ ہو گئے۔

۱۔ میسرہ عبدی (غلام علی بن عبداللہ) ۲۔ محمد بن خنیس	کوفہ
۳۔ ابو محمد الصادق (ابو عکرمۃ السراج) ۴۔ حیان العطار	خراسان

عربوں کے مقابلہ میں ایرانی زیادہ معتمد علیہ تھے بدیں وجہ صوبہ خراسان کی طرف خاص توجہ تھی۔ کوفیوں نے شہید کربلا سے غداری کی تھی، اس لئے اب وہ قابل اعتماد نہ تھے تاہم حجازی عربوں کی قلت کو کوفہ اور بصرہ سے پوری ہو سکتی تھی اس لئے کوفہ کو بھی مرکز قرار دیا تھا۔ شام اور مصر کی رعایا دل سے بنی اُمیہ کو چاہتی تھی۔ اس لئے ان صوبوں میں عباسی دعوت کامیاب نہیں ہوئی اور ضابطہ یہ مقرر ہوا کہ جو رضا کار اطاعت کا حلف اٹھاتا تھا وہ سنداً ایک تحریر لکھ دیتا تھا اور یہ اصل سند امام صاحب کی خدمت میں روانہ کر دی جاتی تھی۔

ابو عکرمہ نے مختلف قبائل عرب سے حسب[3] ذیل بارہ نقیب انتخاب کیے۔

۱۔ سلیمان بن کثیر الخزاعی
۲۔ لاہز بن قریظ التمیمی
۳۔ قحطبہ بن شبیب الطائی
۴۔ موسیٰ بن کعب التمیمی
۵۔ ابو داؤد خالد بن ابراہیم شیبانی
۶۔ قاسم بن مجاشع التمیمی
۷۔ ابو النجم عمران بن اسمٰعیل المعیطی
۸۔ مالک بن الہیثم الخزاعی
۹۔ طلحہ بن زریق الخزاعی
۱۰۔ ابو حمزہ عمرو بن اعین خزاعی
۱۱۔ ابو علی الہروی شبل بن طہمان الحنیفی
۱۲۔ عیسیٰ بن اعین الخزاعی

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۰۰ جلد ۲ مطبوعہ بمبئی و اخبار الطوال دینوری
[2] خلفائے اُمیہ نے غیر معمولی صلہ اور انعام دیکر شامی اور مصریوں کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔
[3] طبری صفحہ ۱۳۵۸

ان نقیبوں کے ماتحت ستر اصحاب اور تھے جو مختلف طبقات سے منتخب ہوئے تھے، اور ان جملہ نقیبوں کو سند تقرری دربار سے عطا ہوئی اور تعمیل احکام کے لئے ایک ایک نقل دستور العمل کی دیدی گئی تھی۔ یہ داعی سوداگروں کے لباس میں شہر، قصبات و دیہات میں پھیلا دیئے گئے۔ یہ بنی اُمیہ کے عیوب اور مظالم بیان کر کے اہل بیت کی مداحی کرتے تھے۔ حمیمہ سے جسقدر احکام صادر ہوتے تھے بعد تعمیل وہ پرزہ پرزہ کر کے آٹے کے ساتھ گوندھے جاتے تھے اور روٹیاں پک جاتی تھیں۔ اس احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدت تک افشائے راز نہ ہوا۔ اور حج کے زمانہ میں جملہ دُعاۃ جمع ہوتے تھے اور امام محمد صاحب بھی حج کو جاتے تھے اور آئندہ سال کا پروگرام (کام کی فہرست) مرتب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس طریقہ سے برسوں کام ہوتا رہا۔ میسرہ عبدی، نائب کوفہ کی وفات پر ابو ہاشم بکیر بن ماہان مقرر ہوا جو امام ابراہیم کا کاتب تھا۔ یہ امیر کبیر تھا اور اس نے کثیر رقم اشاعت دعوت میں صرف کی۔ اصحاب کوفہ میں دوسرا زبردست حامی حفص بن سلیمان (ابوسلمۃ الخلال) تھا یہ بکیر بن ماہان کا داماد تھا۔ کوفہ میں اس شخص نے عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ اور تبلیغ دعوت میں کثیر دولت صرف کی۔

اس زمانہ تک سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز[۵۱] یزید بن عبدالملک تین اموی خلیفہ فوت ہو چکے تھے۔ اور دُعاۃ مذکور خراسان میں کامیاب ہوتے جاتے تھے اور بجائے (رے، خراسان) کے اب ان کا مرکز مرورود (طخارستان) تھا۔ یزید کے بعد ہشام بن عبدالملک حکمراں ہوا۔ اس عہد میں خراسان کی گورنری پر خالد بن عبداللہ قسری بھیجا گیا۔ اس نے جاسوسوں کے روزنامچوں پر بڑی توجہ سے عمل کیا۔

---

۵۱ الفخری صفحہ ۱۲۶ ۵۲ عمر بن عبدالعزیز تاریخ اسلام میں عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ کی بنا پر پانچویں خلیفہ مانے جاتے ہیں یعنی وہ خلفائے راشدین کے درجہ میں ہیں۔ انھوں نے مسجد نبوی کو وسیع کیا۔ باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا اور خطبہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جو لعن و طعن کی جاتی تھی وہ حکماً بند کرادی۔ انکے انتقال پر پہلی صدی ہجری کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ خیال عام ہو گیا کہ اب کوئی عظیم الشان انقلاب ہوگا کیونکہ ہر صدی کے آغاز پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس خیال نے بھی حکومت امویہ کو سخت نقصان پہنچایا۔ اور دعاۃ عباسیہ نے اس عقیدہ پر خاص طور پر زور دیا۔

ابوعکرمہ، محمد بن خنیس اور حیان العطار جو تاجروں کے لباس میں تھے گرفتار ہوئے اور خالد قسری نے پہلے اُن کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور پھر سولی پر چڑھا دیا۔ عمار العبدی ایک داعی زندہ بچ کر کوفہ پہنچا اور بکیر نے اس حادثہ کی رپورٹ حمیمہ روانہ کی۔"[1]

امام صاحب نے بکیر کو اُس کی مراسلہ کے جواب میں حسب ذیل خط لکھا۔"

الحمد للہ الذی صدق مقالتکم ودعوتکم وقد بقیت منکم قتلی ستقتل	خدا کا شکر ہو کہ اُسنے تمہارے قول اور دعوت کی سچائی ظاہر کردی اور ابھی تمہاری جماعت میں بہت لوگ قتل کیے جائیں گے۔"

مطلب یہ تھا کہ انقلاب حکومت کے لئے رضا کاروں کو ہر وقت قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے دُعاۃ مذکور کی جگہ پر امام محمد نے خراسان میں سلیمان، مالک، موسیٰ، طلحہ، اور خالد برمکی کو انتظام[2] دعوت کے لئے روانہ کیا اور ہدایت کی کہ انتہائی رازداری سے اہل بیت کی دعوت کی جائے ان لوگوں نے نہایت سرعت سے کام جاری کیا۔ ۱۰۲ھ/۷۲۰ء میں عمار العبدی بھی قتل ہو گیا۔ اور ۱۰۵ھ/۷۲۹ء تک مقتولین کی تعداد گیارہ تک پہنچ گئی۔ ۱۱۷ھ/۷۳۵ء میں سلیمان، مالک، موسیٰ طلحہ، خالد اور لاہز گرفتار ہوئے۔ لیکن سلیمان نے ایک ایسی تقریر کی جس سے یہ سب قتل ہونے سے بچ گئے۔

۱۱۸ھ/۷۳۶ء میں بکیر نے عمار بن یزید کو مرو روانہ کیا اس زمانہ میں بابک خرمی (ملحد) کا مذہب خراسان میں پھیل گیا تھا۔ بابک نے نماز، حج، اور زکوٰۃ کو ارکان اسلام سے ساقط کر دیا تھا اور عورتیں عموماً حلال تھیں۔ اس انقلاب سے بھی عمار نے کافی فائدہ اُٹھایا۔ اسکے بعد ۱۲۱ھ/۷۳۹ء میں زید بن علی اور یحییٰ بن زید نے عراق و خراسان میں علم خلافت بلند کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں بزرگ میدان کارزار میں شہید ہوئے۔ اور فوجی قوت بھی برباد ہو گئی اور عباسیوں

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۸۸۔ اخبار الطوال صفحہ ۳۲۰ اور بعض زندہ آگ میں جلا دیئے گئے [2] تاریخ میں پہلے مرتبہ نام آیا ہے

[3] طبری صفحہ ۱۵۰۶

کے لئے میدان صاف ہوگیا۔ ۱۲۵ھ/۷۴۲ء میں خلیفہ ہشام فوت ہوگیا اور ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ یہ سراپا[1] فسق و فجور تھا اس نے حرم کعبہ میں بیٹھکر شراب نوش کی۔ ایک مرتبہ قرآن میں فال کھولی۔ جواب مقصد کے خلاف تھا لہذا اُس ورق کو ٹکڑے کر کے ہوا میں اُڑا دیا۔ مستھل ذیقعدہ ۱۲۵ھ میں امام محمد کا بھی انتقال ہوگیا وہ مرتے دم اپنے بڑے صاحبزادہ ابراہیم کو جانشین کر گئے۔ اسی دوران[2] میں تاج و تخت کے لئے بنو امیہ میں خانہ جنگی ہوگئی اور مروان ثانی بن محمد بن مروان بن الحکم ۱۲۷ھ/۷۴۴ء میں خلیفہ ہوگیا۔ تاریخ میں یہ مروان[3] الجعدی اور مروان الحمار کے نام سے مشہور رہا۔ جو خاندان اُمیہ کا آخیر تاجدار تھا۔ اس نے عباسی دعوت کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور انسداد کی طرف توجہ نہ کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صوبہ خراسان اور عراق، خلفائے اُمیہ کے خلاف جہاد پر تیار ہوگیا۔ اور ۲۰ سال کے اندر عباسیوں کے دعاۃ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ اس زمانہ میں امام محمد کا داعی اعظم ابومسلم[4] خراسانی تھا جو اصفہان میں پیدا ہوا اور کوفہ میں جوان ہوا۔ ابومسلم کا نام ابراہیم اور کنیت ابواسحٰق تھی یہ عثمان بن بشار بن سدوس کا بیٹا تھا جس کا سلسلہ نسب گودرز کیانی سے ملتا تھا۔ ۱۲۴ھ/۷۴۲ء میں غلام کی حیثیت سے امام محمد کے پاس آیا۔ امام صاحب نے ابومسلم کنیت قرار دی اور ابو موسیٰ سراج نے اسکو مذہبی تعلیم اور دعوت عباسی کے اسرار سے آگاہ کیا۔ فراغ تعلیم کے بعد ۱۲۵ھ/۷۴۲ء میں یہ خراسان بھیجا گیا اور لعبد بیعت اسکو داعی الکبیر کا منصب عطا ہوا۔ خراسان پہنچکر ابومسلم نے اپنا لقب

---

[1] طبری ۹ ۸۹ [2] و قرمانی صفحہ ۱۴۲ [2] کتاب الاشراف مسعودی و طبری ۱۸۹۰ [3] مروان جس زمانہ میں الجزیرہ کا گورنر تھا اسوقت جعد بن درہم کے مشورہ سے تمام کام انجام دیتا تھا لہذا حقارت کے طور پر وہ جعدی کہلایا۔ دوسری نسبت الحمار کی ہے اسمیں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لڑائی کے موقع پر گدھا بڑے صبر سے کام لیتا ہے عربی میں مثل ہے "فلاں اصبر من حمار فی الحروب" مروان کی بھی میدان جنگ میں یہی حالت تھی لہذا وہ حمار مشہور رہا۔ دوسرے یہ کہ ایک صدی کی مدت کو عرب حمار کہتے ہیں۔ قبضہ دمشق سے مروان ثانی تک ایک صدی پوری ہوگئی تھی، لہذا اس فرمانروا کا لقب الحمار رہا۔ اور ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ مروان، میدان جنگ سے گدھے پر سوار ہو کر فرار ہوگیا تھا لہذا اس گدھے پن سے اسکا نام الحمار ہوگیا۔ کتاب التاج جاحظ [4] اخبار الطوال ۳۲۲ و الفخری صفحہ ۱۲۳

نقیب آلِ محمدؐ رکھا اور دعوت کا عملی کام شروع کیا

۲- امام ابراہیم بن محمد بن علی

۱۲۷ھ (۷۴۴ء) میں امام ابراہیم نے حج کیا۔ سلیمان، لاہز، قحطبہ وغیرہ جمع ہوئے انھوں نے بیس ہزار دینار اور دو لاکھ درہم اور قیمتی تحائف نذر کئے۔ حج کے بعد ہی دعاۃ خراسان میں ابومسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ابوسلمۃ الخلال حرّان (الجزیرہ) بھیجا گیا۔ ہاشمی دعاۃ نے بھی عباسیوں کے ساتھ خراسان میں کام کیا اور جب اچھے کارکن جمع ہوگئے تو ابومسلم نے ستر نقیب اور مقرر کئے اور رقبہ دعوت کا کوئی موضع ایسا نہ تھا جہاں یہ نقیب موجود نہ ہوں۔ اس زمانہ میں خراسانی عرب (قحطانی اور نزاری قبائل) جنگ وجدال میں مصروف تھے۔ ابومسلم نے اس فساد سے بھی نفع اٹھایا اور تمام ملک میں امویوں کے خلاف آگ لگا دی[۲]۔

ابومسلم کے عہد میں کلمہ اعلان یہ تھا کہ آل ہاشم کو امیہ کے مظالم سے نجات دلاؤ۔ جو رضا کار بھرتی ہوتے تھے ان سے حلف لیا جاتا تھا اور یہ بھی اقرار کرایا جاتا تھا کہ ہم روزینہ کا مطالبہ نہ کریں گے۔ ۱۲۹ھ (۷۴۶ء) میں امام ابراہیمؑ نے ابومسلم کو تین علم بھیجے جو

---

[۱] دولت عباسیہ کی تاسیس میں ابومسلم کا مرتبہ عمرو بن العاص سے بڑھ کر ہے جنھوں نے امیر معاویہ کو خلیفہ کرایا تھا سپہ سالاروں میں ابومسلم ایک نامور مدبر ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی سوانح عمری لکھی جائے۔ ابومسلم سات برس کی عمر میں یتیم ہوگیا۔ عیسیٰ اور معقل عجلی نے جو ماہ البصرہ کے سردار تھے اس کو پرورش کیا۔ ۱۹ سال کی عمر تھی کہ امام علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام صاحب نے ابوالنجم عمران بن اسمٰعیل معیطی کی دختر سے شادی کردی یہ بڑا غیور تھا۔ فتوحات کی خبر سن کر مسرت کا اظہار نہیں کرتا تھا اور نہ شکست سے افسردہ خاطر ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں باورچی خانہ ساتھ رہتا تھا جس میں ۳۰۰ باورچی تھے۔ اور مطبخ کا سامان ۴۰۰ اونٹوں پر چلتا تھا۔ رحم وکرم کا اسمیں مطلق مادہ نہ تھا۔ اس نے اپنی حکومت (ایام دعوت) کے زمانہ میں ۶ لاکھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ صرف میدان کارزار میں ہنستا تھا اور کسی موقع پر اسکو ہنسی نہیں آتی تھی۔ دولت عباسیہ کا حقیقی بانی یہی ہے۔ منصور عباسی نے اسے قتل کیا کیونکہ یہ ازحد خودسر ہوگیا تھا۔ یہ لامذہب تھا اور تناسخ کا قائل، فرقہ راوندیہ کا مقلد تھا۔ اور ابن المقنع اسکی الوہیت کا قائل تھا مظالم میں یہ دوسرا حجاج تھا۔ (از کتاب ارائی مسئلہ شرقیہ مطبوعہ اسکندریہ ۱۸۹۷ء و روضۃ الصفا، ابن خلکان، کامل اثیر و طبری

[۲] طبری صفحہ ۹۴۹- ابوالفدا حالات قیام دولت عباسیہ و ابن العبری صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ بیروت۔

رائت النصر، ظل، اور سحاب کے ناموں سے موسوم تھے اور ان جھنڈوں کے پھریرے سیاہ تھے۔ ابو مسلم کی، اب قوت بہت بڑھ گئی تھی لہذا امام کے حکم سے بجائے رازداری کے علانیہ دعوت شروع ہوئی۔

مصنف روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ ابو مسلم گودرز گیلانی کے نسل سے تھا جب سیاوش پسر کیکاؤس قتل کیا گیا تو اسکی ماتم میں گودرز نے سیاہ لباس پہنا تھا۔ لہذا ابو مسلم نے اپنی خاندانی روایت زندہ رکھنے کے لئے امام محمد کے ماتم میں فوج کی وردی سیاہ کر دی اور خود بھی سیاہ لباس پہنا۔ اور امام ابراہیم نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا اور قائمی خلافت کے بعد سیاہ لباس، عباسیوں کا شعار (سرکاری لباس) ہو گیا اس وقت ابو مسلم کی جس قدر فوج تھی سب کے بازو پر ایک سیاہ دھجی بطور امتیاز بندھی ہوئی تھی اور اسی بنا پر مورخین عرب نے ابو مسلم کی فوج کا نام مسودہ رکھا ہے اور ہر سپاہی کے پاس ایک ایک ڈنڈا تھا جسکا نام ستم ظریفی سے ابو مسلم نے کافر کوب رکھا تھا۔ یہ ڈنڈے (Baton) اور فوج کے کل علم سیاہ تھے۔ اور ان پر قرآن کی مناسب حال آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔

ابو مسلم کی حکومت اور اعلان دعوت

امام ابراہیم کے حکم سے ابو مسلم قومس سے مرورود میں داخل ہوا۔ رمضان المبارک ۱۲۹ھ (۹ جون ۷۴۷ء) کی یہ پہلی تاریخ تھی اور قبیلہ خزاعہ کے ایک گانوں میں جس کا نام سفید رنج (علاقہ ہرات) تھا آکر ٹھہر گیا۔ اور دعاۃ کے مشورہ سے طے پایا کہ رمضان المبارک کی پچیسویں تاریخ کو خدا کا نام لیکر عباسی رضا کار اٹھ کھڑے ہوں۔ اس اشارہ کے لئے چوبیسویں رمضان کی شب جمعہ کو پہاڑی کی چوٹیوں پر آگ جلائی جائے۔ چنانچہ آگ کا مشتعل ہونا تھا کہ علاقہ مرورود کے مواضعات سے ہزاروں مجاہد نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے جمع ہو گئے یہی ابو مسلم کی فوج تھی۔

ہرمزقرہ والوں نے اپنے علاقہ سے بائیس سو پیادے اور صرف سولہ سوار روانہ کئے

اس کا سردار ابو العباس مروزی تھا۔ امام صاحب کی ہدایت کے مطابق رایت النصر پر سیاہ پھریرا لگا کر میدان میں نصب کیا یہ علم چودہ گز طویل تھا اور ابو مسلم کے اعتقاد میں یہ درفش کاویانی تھا چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک یوم شنبہ ۱۲۵ھ کو خلافت عباسیہ کا اعلان کر دیا گیا اور صیغہ راز کی کارروائی بند کی گئی اور ۲۹ رمضان کو رایت ظل اور سحاب بھی چھاؤنی میں نصب کر دیے گئے۔

جب ابو مسلم کی حکومت قائم ہو گئی اُس وقت اس نے نصر بن سیار گورنر خراسان کو ایک خط لکھا جسمیں حمد و نعت کے بعد یہ آیت لکھی تھی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ اِۨسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

سورۂ فاطر۔ اخیر رکوع۔ پارہ ۲۲

اور (یہ منکر تو) اللہ کی بڑی بڑی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کے پاس (خدا کی طرف سے) کوئی ڈرانے والا آئیگا تو (کوئی سی امت بھی ہو) وہ ضرور ہر ایک امت سے زیادہ راہ راست پر ہونگے۔ پھر جب ڈرانے والا ان کے پاس آ ہونچا (اسکے آنے سے) انکی نفرت کو (الٹی) ترقی ہوئی ۝ کرنے لگے ملک میں سرکشی اور بری (بری) تدبیریں کرنے۔ اور بری تدبیر (الٹی) بری تدبیر کرنیوالے ہی پر پڑتی ہے تو ہو نہ ہو (یہ لوگ) اسی برتاؤ کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے تو (اے پیغمبر) تم خدا کے قاعدہ کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدہ کو ہرگز ٹلتا ہوا پاؤ گے ۝

لہ ایرانیوں کا تاریخی فوجی علم جسکو کاوہ لوہار نے فریدوں کے عہد میں استعمال کیا تھا۔ یہ نہایت مقدس علم تھا اور اہم معرکوں کے وقت میدان جنگ میں بھیجا جاتا تھا۔ یہ جواہرات سے گرانبار رہتا تھا۔ عہد فاروقی میں یہ علم مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ؎۲ طبری صفحہ ۱۹۵۰

نصر نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا اور فوراً میدان جنگ میں اتر آیا معرکہ سخت تھا لیکن ابو مسلم کامیاب ہوا۔ سنہ ۱۳۰ ہجری میں ابی ورد اور مرورود پر ابو مسلم کا قبضہ ہو گیا، اس وقت سات ہزار فوج ابو مسلم کے ماتحت تھی۔

گورنر خراسان نے مروان کو اپنی ہزیمت کی اطلاع دی اور لکھا کہ امام[1] ابراہیم سے دو لاکھ خراسانی بیعت کر چکے ہیں، اگر جلد تدارک نہ کیا گیا تو پھر ابو مسلم سے مقابلہ دشوار ہو جائیگا اور دبی ہوئی چنگاریاں مشتعل ہو کر شعلہ افگن ہو جائینگی اور بغیر انسانی قربانی کے یہ آگ ٹھنڈی نہ ہوگی۔ اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بنو امیہ جاگ رہے ہیں یا سوتے ہیں۔" مروان نے مراسلہ پڑھتے ہی معاویہ بن ولید بن عبد الملک والی دمشق کو حکم بھیجا کہ صرف امام ابراہیم کو گرفتار کر کے پیش کرو۔ چنانچہ والی کے حکم سے عامل بلقار نے آغاز محرم سنہ ۱۳۲ھ میں امام ابراہیم کو جو مسجد میں مصروف عبادت تھے جا کر گرفتار کیا[2] اور گرفتاری کے بعد حرّان کے جیل میں بھیج دیئے گئے۔ جہاں دو مہینہ کے بعد انتہائی تکالیف کے ساتھ امام ابراہیم قتل کر دیئے گئے۔ اسباب موت میں مختلف روایات ہیں۔ یہ دنیا کا عظیم الشان واقعہ ہے کہ ایک فقیر بے نوا مسجد کی چٹائی پر سر بسجود ہے اُس کو نہ اپنی ذات کی فکر ہے، نہ اہل وعیال کی، اُس کے پاس نہ مال ہے نہ دولت لیکن ہزاروں خراسانی اس کے واسطے سر بکف میدان جنگ میں موجود ہیں اور بنو امیہ کی فوجیں کٹ رہی ہیں خود اُسکی نعش بے گور وکفن پڑی ہوئی ہے۔ مگر اُسکی اولاد کے لئے شاہانہ مسندیں بچھائی جا رہی ہیں، سچ ہے "إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ" (خدا جس کام کو چاہتا ہے تو اُس کے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے)

۵ - ابو العباس عبد اللہ جانشین امام ابراہیم امام صاحب نے حُمیمہ سے روانگی کے وقت اپنے حقیقی بھائی ابو العباس عبد اللہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور حکم دیا کہ پورا خاندان حمیمہ سے

---

[1] اخبار الطوال ۳۴۰ - ابن العبری صفحہ ۲۰۶ و الفخری صفحہ ۱۲۰ و یعقوبی [2] کتاب الاشراف مسعودی صفحہ ۲۷

کوفہ روانہ ہو جائے چنانچہ ابوالعباس کے ہمراہ حسب ذیل اصحاب کوفہ روانہ ہوئے۔ یہ وہ عباسی ارکان ہیں۔ جو سلطنت قائم ہونے پر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ اور عباسیوں کی تاریخ انکے حالات سے مالامال ہے۔

۱۔ داؤد، سلیمان، عیسیٰ، صالح، اسماعیل، عبداللہ، عبدالصمد فرزندان علی بن عبداللہ بن عباس (امام ابراہیم کے چچا) [1]

۲۔ موسیٰ بن داؤد بن علی۔

۳۔ جعفر و محمد فرزندان سلیمان۔

۴۔ فضل، عبداللہ، ابوالعباس، محمد فرزندان صالح۔

۵۔ جعفر و محمد فرزندان ابو منصور

۶۔ عیسیٰ بن موسیٰ، بن محمد بن علی۔

۷۔ عبدالوہاب، محمد (ابو جعفر منصور) برادران امام ابراہیم۔

۸۔ یحییٰ و عباس فرزندان محمد۔

۹۔ یحییٰ بن جعفر بن تمام بن العباس۔

ان کے علاوہ چند غلام تھے۔ اور یہ قافلہ صفر ۱۳۲ھ کو کوفہ میں داخل ہو گیا۔ ابو سلمۃ الخلال [2] نے اس قافلہ کو مخفی طور پر قصر مقاتل میں (کوفہ سے دو منزل کے فاصلہ پر) ٹھہرایا تھا۔ یہ صحرائی مقام تھا لہذا ابوالعباس نے ابو سلمہ کو لکھا کہ ہم کو داخلہ کوفہ کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ابو سلمہ نے بجبر و اکراہ ڈھائی مہینہ کے بعد اجازت دی اور یہ لوگ ولید بن سعد الحال (بنی اود) کے مکان میں آکر مقیم ہوئے۔ لیکن فوج والوں کو ان کے حالات سے دو مہینہ تک اطلاع نہیں دی گئی۔ امام ابراہیم کی گرفتاری سے ابو مسلم کی کارروائیوں میں فرق نہیں آیا تھا۔ مرو اور ہرات کے قبضہ کے بعد ابو مسلم کی فوج اندرون ملک کی فتوحات میں مصروف تھیں۔ قحطبہ بن

---

[1] طبری صفحہ ۲۳ جلد ۳ حصہ اول و صفحہ ۲۷۔ [2] جہشیاری صفحہ ۲۳ و طبری صفحہ ۲۷۔

شبیب، حمید بن قحطبہ، مسیّب بن زہیر، اور خالد برمکی، ری، ہمدان، نہاوند، شہر زور، موصل، اور عراق کی فتح میں مشغول تھے۔

۶۔ ابوسلمہ کی مخفی کارروائی ابو العباس اور اُنکے ساتھیوں کے ساتھ ابوسلمہ نے جو کج ادائی کی اس سے دعاۃ اور ارکان فوج ناراض تھے۔ لیکن اُنھوں نے مصلحت ملکی سے ابوسلمہ کو رضامند رکھا اور یہ بھی یقین دلایا کہ امام ابراہیم نے ہم کو آپکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ابوسلمہ ابتک آلِ عباس کا داعی تھا۔ لیکن جب عباسی قافلہ کوفہ میں آگیا۔ اُسوقت ابوسلمہ کی نیت بدل گئی اور علویین میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہا، لہٰذا اس نے حسب ذیل اصحاب انتخاب کیئے۔ امام جعفرؑ بن محمد صادقؑ بن باقرؑ، عبداللہؑ المحض بن حسن بن حسین بن علی اور عمرؑ الاشرف بن امام زین العابدینؑ پھران ائمہؑ کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کو حکم دیا کہ فوراً مدینہ روانہ ہو اول امام جعفر کی خدمت میں جاضر ہوکر یہ خط پیش کرنا اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو پھر بقیہ خطوں کو تلف کر دینا، درصورت انکار امام عبداللہ کے پاس جانا، اگر وہ بھی انکار کردیں تو پھر عمر الاشرف سے ملنا۔ ہدایت کے مطابق قاصد اوّل امام جعفر صادق سے ملا امام صاحب نے فرمایا کہ "ابوسلمہ کو مجھ سے کیا غرض ہے وہ تو کسی اور ہی کا حامی ہے۔" قاصد نے عرض کیا کہ "حضور! ابوسلمہ کا عریضہ ملاحظہ فرمائیں۔" امام صاحب نے خط ہاتھ میں لے لیا رات کا وقت تھا خط کو بغیر پڑھے ہوئے چراغ کے نذر کر دیا۔ قاصد نے جواب مانگا ارشاد ہوا کہ "ابوسلمہ کے خط کا یہی جواب ہے جو تو نے دیکھا ہے۔" یہاں سے مایوس ہوکر قاصد حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خط پیش کیا امام صاحب دعوتی خط لیکر امام جعفر صادق کی خدمت میں آئے اور خط پیش کرکے فرمایا کہ "ابوسلمہ نے مجھے خلافت کی دعوت دی ہے اور خراسانی ہمارے ساتھ ہیں۔" امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا۔

لہ جہشیاری صفحہ ۴۴۔ روضۃ الصفا باب دعوت عباسیہ الفخری صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ مصر ۱۳۴۰ھ

امام جعفر صادق	یہ تو فرمائیے کہ خراسانی کب سے آپ کے ہمدرد بنے ہیں؟ کیا آپ نے ابو مسلم کو کوفہ روانہ کیا ہے اور جو اصحاب آپ کے طرفدار ہیں کبھی اُن کی صورت بھی دیکھی ہے اور بغیر شناسائی وہ کیونکر ہمدرد ہو سکتے ہیں؟
امام عبد اللہ	جناب کی یہ تقریر کسی خاص وجہ سے ہے۔
امام جعفر صادق	خدا شاہد ہے کہ جب میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فرض جانتا ہوں تو آپ سے نصیحت میں کیونکر بخل کرونگا؟ یاد رکھیے یہ حکومت کسی اور ہی کا حصہ ہے اور میرے نام بھی جداگانہ خط آیا ہے۔

امام صاحب کی تقریر سُن کر حضرت عبد اللہ ناراض ہو کر اُٹھے لیکن قبول دعوت سے اُنھوں نے بھی انکار کر دیا۔ اب قاصد عمر الاشرف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ "میں صاحب خط ہی کو نہیں جانتا ہوں جواب کسکو لکھوں"

الغرض قاصد مدینہ سے ناکام واپس آیا۔ اور عباسیوں کو بھی اس مخفی کارروائی سے اطلاع ہو گئی۔ اب مجبوراً ابو سلمہ نے تمام دُعاۃ کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ یوم جمعہ (یکم جنوری ۷۵۰ء) کو ابو العباس کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت ابو العباس سفاح کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مروان بن محمد ہی کی حیات میں خلافت عباسیہ قائم ہو گئی۔

جہشیاری کی روایت ہے کہ بیعت ہو جانے کے بعد سابق خوارزمی (امام ابراہیم کا غلام) کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے امام ابراہیم کے موت کی خبر سُنائی۔ پہلے رسم تعزیت ادا ہوئی۔ اس کے بعد قیام خلافت کی خوشی منائی گئی

اس مضمون میں آپنے جابجا دعاۃ کے سلسلہ میں خالد کا نام پڑھا ہے۔ یہ خالد ابوالحسن جعفر برمکی کا بیٹا ہے۔ خراسان کے جو مشاہیر اصحاب تحریک خلافت میں دامے، درمے، قدمے سخنے شریک تھے، اُنمیں خالد کا درجہ بہت بلند تھا، کیونکہ وہ متولی نوبہار کا بیٹا تھا۔ اور محض اس پیرزادگی کا اثر تھا کہ مرو اور بلخ وغیرہ کے کل باشندے اس کے جھنڈے کے

نیچے جمع تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود اختصار، یہ مضمون پھر بھی طویل ہو گیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ دولت عباسیہ کی ابتدائی تاریخ عین برامکہ کی تاریخ ہے اور اِس جان نثاری کا جو صلہ عباسیوں نے خالد کو دیا اُس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۱۰۔ دولت عباسیہؔ کی ابتداء ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی ملقب بہ سفاحؔ پہلا عباسیؔ خلیفہ ۱۳۲ھ ۷۴۹ء لغایۃ ۱۳۶ھ ۷۵۴ء

ابومسلم کو جب علم ہوا کہ ابو العباس کے ہاتھ پر بیعت شروع ہو گئی ہے اور عباسی اقتدار روز مرہ بڑھ رہا ہے تب وہ خراسان سے فوج و لشکر کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا اور آتے ہی عباسیوں سے دریافت کیا کہ جناب ابن الحارثیہ[1] کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ ابو جعفر منصور نے اپنے بھائی ابو العباس کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ ہوتے ہی ابومسلم نے سفاح کو سلام کیا اور مصافحہ کے بعد پاؤں چومے، پھر خلافت کی مبارک باد دی، اِس کے بعد سفاح اپنے عزیزوں، دوستوں، اور اکابرین شیعہ (ابو الجہم موسیٰ بن کعب، محمد بن صول، مسلم بن محمد، ہبار بن حصین) کے ہمراہ مسلح اُٹھا اور جامع مسجد میں آیا۔ نماز پڑھی اور خلفاء کے آداب کے مطابق منبر پر کھڑے ہو کر کوفیوں کو مخاطب کر کے خطبہ دیا۔ حمد و نعت النبی کریم کی قرابت پر فخر، اور خلفاء راشدین کی مدح کے بعد بنو حرب اور بنو مروان کے مظالم بیان کئے اور اہل کوفہ کو اطمینان دلایا کہ خلافت ان کے ساتھ سب سے زیادہ سلوک کرے گی، اور فوج کی تنخواہ میں اضافہ کیا۔ دوران خطبہ میں ابو العباس کو کھانسی آئی اور وہ خطبہ کو ناتمام چھوڑ کر منبر سے اُتر آیا۔ خلیفہ کے چچا داؤد بن علی نے بقیہ خطبہ پورا کیا اور بیان کیا کہ "بنی اُمیہ کے مظالم

---

[1] حارثیہ ایک کنیز تھی۔ جسکے بطن سے ابو العباس پیدا ہوا تھا اور یہ ایک پیشین گوئی تھی کہ پہلا خلیفہ ابن الحارثیہ ہوگا اور اسکا نام کسی کو معلوم نہ تھا اس لئے ابو مسلم نے ابن الحارثیہ کو دریافت کیا تھا۔ [2] طبری از صفحہ ۲۹ لغایت ۳۷ جلد ۲۔

حد سے بڑھ گئے تھے اور تمہاری حالت غلاموں سے بدتر ہو گئی تھی، جملہ حقوق پامال ہو چکے تھے لہذا ہم اٹھے ہیں اور تم سے اللہ و رسول اور حضرت عباس کے نام پر عہد کرتے ہیں کہ ہماری حکومت کتاب اللہ اور سنت نبوی کے مطابق ہوگی"۔

ان خطبات نے عرب و عجم کو مسخر کر لیا۔ نماز کے بعد پھر بیعت شروع ہوئی اور خواص نے بیعت کی جسکا سلسلہ رات تک جاری رہا ابو مسلم اور ابو سلمہ نے بھی بیعت کی اور سفاح کی جازت سے پھر ملکی مہمات میں مصروف ہو گئے اور اسی دن[۱] خالد برمکی اول مرتبہ سفاح کے حضور میں بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ سفاح نے بکمال شفقت حال دریافت کیا تب خالد نے عرض کیا کہ "حضور کا غلام خالد بن برمک ہوں"۔ اور عربی میں ایسی فصیح گفتگو کی کہ سفاح کو اسکے عرب ہونیکا گمان ہوا۔ بیعت کے بعد ارشاد ہوا کہ "تم جس خدمت پر ہو فی الحال اسی پر کام کرو (منتظم تقسیم مال غنیمت) تمہاری خدمات کا عنقریب صلہ دیا جائیگا"۔ خالد نے تائیس حکومت عباسیہ میں جسقدر ایثار سے کام لیا یہ اس نصیحت کا اثر تھا جو جعفر برمکی نے ایک موقع پر خالد سے کی تھی ابن العدیم نے بروایت ابن الازرق تاریخ حلب میں لکھا ہے کہ جعفر برمکی ہشام بن عبد الملک (۱۰۵ھ) کے در دولت پر حاضر تھا کہ وہاں محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تشریف لائے جعفر ان کا جاہ و جلال دیکھکر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور حال پوچھا لوگوں نے بیان کیا کہ یہ خاندان رسالت سے ہیں۔ تب جعفر نے اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ "یہ اہل بیت سے ہیں اور یہی خلافت کے مستحق ہیں۔ جہاں تک تم سے ہو سکے ان کی مدد کرو کہ یہ بڑی یادگار ہے"۔ چنانچہ خالد نے باپ کی نصیحت پر دل سے عمل کیا۔ جب ارکان فوج سفاح سے بیعت کر چکے تو وہ مسجد سے اپنی قیام گاہ (حمام بن اعین) پر واپس گیا۔

یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ (۲۹ اکتوبر ۷۴۹ء) کا ہے اور سفاح کی خلافت کا یہی پہلا دن تھا۔

---

[۱] جہشیاری صفحہ ۵۴

۱۔ خلیفہ مروان کی موت خلافت امویہ کا خاتمہ اور دولت عباسیہ کا استقلال

بیعت[1] کے بعد ابو مسلم کی مجاہدانہ قوت بہت بڑھ گئی تھی چنانچہ اطراف خراسان صُغانیاں، ختلان، کِش اور نسف کے علاقہ سے تقریباً ایک لاکھ رضاکار جمع ہوئے، جن کے لباس سیاہ تھے اور آلات حرب میں کافر کوب کے سوا کچھ نہ تھا اس وقت فوجی سرداروں میں قحطبہ بن شبیب (حجازی عرب) ابو عون اور عبد الملک بن یزید الازدی خراسانی اور ابو عون خالد برمکی نہایت نامور تھے۔ جن کی قیادت میں سمرقند، طخارستان، طوس، نیشاپور، رے، ہمدان، نہاوند اور جرجان فتح ہوا۔ یہ اخیر معرکہ بہت زبردست تھا، پچاسی سال کا بوڑھا گورنر نصر بن سیار بھی اس جنگ میں شریک تھا، اور نباتہ بن حنظلہ مشہور سردار اُمیہ بھی اس معرکہ میں قتل ہوا۔ خالد برمکی نے مال غنیمت جمع کر کے نہایت دیانت سے تقسیم کیا۔ جرجان کے بعد اصفہان میں عامر بن ضبارہ نے قحطبہ عباسی کا مقابلہ کیا۔ قحطبہ کامیاب ہوا اور عامر کا سر ابو مسلم کے پاس روانہ ہوا۔ مال غنیمت میں افراط سے طنبورے اور دوسرے آلات موسیقی بھی تھے جو بنی اُمیہ کے سرداران فوج کی عیش پسندی کا ایک نمونہ تھا۔ اس شکست کے بعد مروان نے شام و عراق سے کمک طلب کی اور شہر زور پر مروان کے بیٹے عبد اللہ سے مقابلہ ہوا۔ سنہ ۱۳۱ھ (اگست ۷۴۹ء) میں عبد اللہ شکست کھا کر فرار ہوا۔ اور ابو عون عبد الملک کامیاب ہوا۔ اب مروان خود مقابلہ پر آیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی اور اُموی خلیفہ کا یہ اخیر مقابلہ تھا جس میں شہزادے اور جملہ فوجی سردار شریک تھے۔ اس معرکہ میں سفاح نے اپنے چچا عبد اللہ بن علی کو ابو عون کی مدد پر روانہ کیا۔ دریائے زاب[2] کے کنارہ موصل و سنجار کے مابین مقابلہ ہوا۔ یہ وہ میدان ہے جہاں دارا اور اسکندر میں جنگ ہوئی تھی

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۳۴۲۔ یعقوبی صفحہ ۴۰۴۔ الفخری صفحہ ۱۳۰ تاج العروس صفحہ ۱۰۹ ۔ ۲ جلد، مطبوعہ خیریہ پریس حالات خالد برمکی۔ کتاب التاج جاحظ صفحہ ۱۰۶۔ [2] طبری صفحہ ۳۸۰۔

چنانچہ مروان کو اس میدان میں یوم شنبہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۲ھ (۲۵ جنوری ۷۵۰ء) کو شکست ہوئی۔ اس ہزیمت سے مروان کا دل بیٹھ گیا اور وہ میدان جنگ سے فرار ہوا سفاح کو فتح کی مبارکباد بھیجی گئی۔ سفاح نے ہر ایک سپاہی کو بحساب ۵۰ درہم انعام دیا مال غنیمت بافراط ملا جس میں کثیر تعداد سے اسلحہ تھے۔ مروان کی انتہائی بدنصیبی یہ ہے کہ جب وہ شکست خوردہ سپاہیوں کے ہمراہ موصل پہونچا تو رعایا نے اُس کو پل پر سے گذرنے کی اجازت نہ دی اور پل توڑ دیا۔ مجبوراً دجلہ عبور کر کے حران گیا پھر وہاں سے دمشق پہنچا دمشق پر عباسیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور ایوان خلافت پر سیاہ علم نصب تھا تب مجبور ہو کر مروان مصر کی طرف فرار ہوا اور بوصیر (مصر صعید متصل فیوم نیل کا مغربی کنارہ) کے ایک گرجا میں جا کر پناہ گزیں ہوا عامر بن اسمٰعیل مزنی جاسوس ہمراہ تھا اُس نے (صالح بن علی اور عبدالملک ازدی کو یہ تعاقب میں تھے) مروان کا پتہ دیا خانقاہ محصور کر لی گئی ایک کوفی نے مروان پر نیزہ سے حملہ کیا اور علی نے بڑھ کر سر کاٹ لیا یہ واقعہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲ھ (۵ اگست ۷۵۰ء) کا ہے۔ اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ خلافت اُمیّہ کا اخیر خلیفہ میم بن میم بن میم ہوگا جس کو عین بن عین بن عین قتل کریگا چنانچہ مروان بن محمد بن مروان کو علی[۱] بن عبداللہ بن عباس نے قتل کیا۔ اخیر وقت میں مروان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

اَلدَّھْرُ یَوْمَانِ ذَا اَمْنٍ وَذَا غَدَرٍ	زمانہ دو دن پر تقسیم ہے ایکدن امن کا ہے اور دوسرا دن اندیشہ کا
وَالْعَیْشُ شَطْرَانِ ذَا صَفْوٍ وَذَا کَدَرٍ	اور زندگی کے بھی دو حصے ہیں نصف میں خوشی ہے اور نصف میں رنج
وَکَمْ عَلَی الْاَرْضِ مِنْ خَضِرٍ وَیَابِسَۃٍ	زمین پر بیشمار خشک و تر چیزیں ہیں۔
وَلَیْسَ یُرْجَمُ اِلَّا مَا لَہٗ ثَمَرٌ	مگر پتھر اُسی درخت پر مارتے ہیں جس میں پھل ہوں

[۱] ایک روایت یہ ہے کہ مروان کو عامر جاسوس نے قتل کیا چنانچہ عامر کے نام کا بھی پہلا حرف عین ہے اور واقعی قاتل عبداللہ سمجھا جائیگا جو مروان کے تعاقب میں فوج لیکر گیا تھا۔ اور اس مہم کا سپہ سالار تھا۔

وَاِنْ تَكُنْ عَتَّبَتْ اَيْدِي الزَّمَانِ بِنَا	اگر زمانہ کے ہاتھوں نے ہم کو ستایا
وَنَالَنَا مِنْ تَجَنِّي بُؤْسِهٖ ضَرَرٌ	اور اُسکی سختیاں ہم پر پڑیں (تو کوئی تعجب نہیں)

پانچ سال دس ماہ سولہ یوم کی حکومت کے بعد ۶۲ سال کی عمر میں مروان قتل ہوا اور بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو کر دولت عباسیہ قائم ہو گئی۔

۲۔ عبرت مروان کے گرتے ہی سر کاٹ لیا گیا تھا اور تالو سے زبان کھینچ لی گئی تھی چنانچہ زبان سر کے قریب رکھی ہوئی تھی کہ ایک بلی آئی اور لقمہ تر سمجھ کر کھا گئی۔ صبح کو سر مقام کوفہ ابوالعباس کے پاس روانہ کیا گیا۔ جب مروان کا سر پیش ہوا، تو سفاح نے شکرانہ کا سجدہ ادا کیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ مجھے فتح نصیب ہوئی اور اب کوئی مروان کا بدلہ لینے والا موجود نہیں ہے۔" مروان الحمار کا جسم قصبہ بوصیر میں دفن ہوا جو غالباً اس تاجدار کی وجہ سے فی زمانہ ابوصیر الملک مشہور ہے اور سر کوفہ میں یا تو دفن ہوا یا پھینک دیا گیا۔

مروان کے قتل[1] کے بعد عباسی سپہ سالار عبداللہ بن علی اور دیگر عباسیوں نے بڑی سفاکی سے آل مروان کا قتل عام شروع کر دیا اور ان ظالموں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ بنو امیہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رہیگا چنانچہ ایک ہی وقت میں نہر ابی فطرس کے کنارے ۸۰ اموی قتل ہوئے ان میں کچھ نیم جان، زخموں سے چور پڑے دم توڑ رہے تھے کہ وہ بھی مُردوں میں شامل کر دیئے گئے پھر ان نعشوں پر فرش بچھا کر دستر خوان چنا گیا اور سب نے کھانا کھایا زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں آرہی تھیں اور عباسی کھانے میں مصروف تھے۔ اور صرف اسی پر بس نہیں کیا۔ صحابی رسول اللہ امیر معاویہ[1]، یزید[2]، عبدالملک[3] اور ہشام[4] کی قبریں اُکھڑوا ڈالیں، اور ہڈیاں آگ کے نذر کی گئیں لیکن جس کو خدا رکھے اُسکو کون مٹا سکتا ہے؟ اموی خاندان کا ایک شہزادہ عبدالرحمٰن زندہ رہا اور اس نے اندلس (اسپین) جاکر ایسی سلطنت قائم کی جس پر عباسی ہمیشہ رشک کرتے رہے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۵ [2] الفخری، طبری۔

۳۔ سفاح کے ملکی انتظام ابو سلمتہ الخلال، ابو مسلم اور دیگر مشاہیر فوج کی بیعت کے بعد ۱۷ جمادی الاول ۱۳۲ھ (یکم جنوری ۷۵۰ء) کو ابوالعباس عبداللہ کی باضابطہ رسم تخت نشینی عمل میں آئی اور مہدی لقب ہوا۔ لیکن کوفہ میں سب سے پہلے اس نے جو تقریر جامع مسجد میں کی تھی اس میں سپاہیوں کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ تم بنی اُمیہ کے مقابلہ میں تیار ہو جاؤ کیونکہ میں سفاح (خونریز) ہوں سفاح کا لفظ ایسی منحوس ساعت میں اس کی زبان سے نکلا تھا کہ وہ زبان زد ہو گیا اور اصل لقب (مہدی) صفحات تاریخ میں لکھا رہ گیا۔ سفاح نے خلیفہ اور امیر المومنین ہو کر اپنے چچا داؤد بن علی کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور عباسیوں میں یہ پہلا گورنر (والی) تھا اور ابو جعفر منصور کو خراسان روانہ کیا کہ وہ فوج اور روسائے خراسان سے بیعت کی تکمیل کرے

۴۔ دار الخلافہ انبار سفاح دو سال تک کوفہ میں مقیم رہا۔ لیکن کوفیوں کے قول و فعل کا اعتبار نہ تھا لہذا ۱۳۴ھ میں بجائے کوفہ کے انبار دارالحکومت ہوا۔ ساسانی دور میں اس جگہ سرکاری غلہ کے گودام اور کھتے تھے اس مناسبت سے اُس کو انبار کہتے تھے چنانچہ سفاح نے شاہی محلات اور دفاتر انبار میں بنائے اور اس نئی آبادی کا نام ہاشمیہ رکھا۔ انبار فرات کے کنارے مابین بابل و ہیت بغداد کے جانب مغرب اور شہر ابن ہبیرہ کے مقابل واقع تھا[1]

۵۔ خالد برمکی اور دیوان الخراج مروان کے قتل ہونے پر دفتر غنائم شکست ہو گیا تھا لہذا سفاح نے بنظر قدردانی خالد برمکی کو دیوان الخراج (دفتر مال) اور دیوان الجند (دفتر فوج) کی خدمت سپرد کی اور برامکہ میں خالد پہلا شخص تھا جو اس رفیع الشان خدمت پر فائز ہوا اور یہ عہدے درجہ وزارت کی ہم پلہ تھے۔ جہشیاری[2] کی روایت ہے کہ خالد کا تمام خراسانیوں پر اثر تھا اور ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کو خالد

---

[1] طبری صفحہ ۷۱ [2] جہشیاری صفحہ ۱۵

کے ہاتھ سے نفع نہ پہونچا ہو کیونکہ خالد ہی کے ہاتھ سے ایک ایک سپاہی کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا۔

۶۔ اصلاح دفتر خالد نے سفاح کے حکم سے دفتر مال کو صحف میں ترتیب دیا۔ اور دفتر انشا کی یہ پہلی تہذیب تھی۔ صحف سے یہ مراد ہے کہ جمع خرچ کی باضابطہ فردیں مرتب ہوئیں، جس طرح بہی کھاتہ لکھا جاتا ہے اِس زمانہ تک حساب کے کاغذات تھیلوں میں باندھکر رکھ دیئے جاتے تھے اور اِن کی جلد بندی نہیں ہوتی تھی۔)

۷۔ خالد کا اعزاز اسی زمانہ میں[1] سفاح کے یہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ریطہ تھا اور اتفاق سے خالد کے گھر میں بھی لڑکی ہوئی جو اُم یحییٰ کے لقب سے موسوم تھی۔ سفاح کی بی بی ام سلمہ نے خالد کی دختر کو دودھ پلایا اور خالد کی بی بی ملقب بہ ام خالد بنت یزید نے ریطہ کی رضاعت کی یہ دونوں لڑکیاں ایک پلنگ پر سوتی تھیں اور جب کبھی لحاف ہٹ جاتا تھا تو سفاح خود اُٹھکر اُڑھا دیتا تھا۔ اور سفاح نے مرتے دم تک خالد کے اس وقار اور خانگی تعلقات کو نبھایا اور سفاح کے بعد ہارون الرشید تک جسقدر خلفاء ہوئے اُنھوں نے برامکہ کے اعزاز کو قائم رکھا اور یہ خالد کی ابتدائی خدمات کا قیمتی صلہ تھا۔

۸۔ حفص بن سلیمان ابی سلمۃ الخلال ابوسلمہ نے سفاح کے ساتھ جو غداری کی تھی اُس کا تذکرہ ہو چکا ہے لیکن سفاح نے سیاسی مصلحتوں سے ابوسلمہ کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا۔ اور ابوسلمہ نے اپنا لقب وزیر آل محمد رکھا یہ دولت عباسیہ کا پہلا وزیر تھا۔

وزیر کے کیا فرائض ہیں یہ مفصل بحث کسی دوسری جگہ آئے گی اس موقع پر لفظ وزیر کے

---

[1] جہشیاری صفحہ ۷۶ [2] ابوسلمۃ الخلال، بنو حارث بن کعب کا غلام تھا۔ کوفہ میں سرکہ فروشوں کے محلہ میں رہتا تھا یا خود سرکہ بیچتا تھا اس وجہ سے خلال مشہور ہوا۔ بڑا فیاض تھا۔ اسلحہ اور گھوڑوں کا بہت شوق تھا۔ ادیب، عالم، اور مدبر تھا۔ الفخری۔

معنی بیان کیے جاتے ہیں۔

ارباب لغت کا بیان ہے وَزَر (بالفتح) کے معنی ملجا اور معتصم (جائے پناہ) اور اونچے پہاڑ کے ہیں اور وِزر (بالکسر) کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں اگر وزیر کا مادہ وَزَر قرار دیا جائے تو اس صورت میں وزیر وہ ذات ہے جو رعایا کے حق میں ایک بہترین ملجا و ماویٰ ہو اور بحالت وِزر یہ معنی ہیں کہ جو شخص وزن اٹھانے میں کسی دوسرے کا شریک ہو اور یہی مادہ وزارت ہو۔ دراصل وزیر اس معتمد ہستی کا نام ہے جو کسی سلطنت کا بار اٹھائے اور فرمانروا کا امور سلطنت میں معین و مددگار ہو اور شاہ اور رعایا کے مابین ایک وکیل اور امانت کیساتھ معاملہ فہم اور راست باز بھی ہو۔

ابو سلمہ وزیر آل محمد عوام عباسیین کا حامی تھا لہٰذا ابو مسلم کے مشورہ سے وہ قتل کر دیا گیا۔ قتل سے ایک دن قبل سفاح نے اس کو بڑا خلعت دیا جب رات کو گھر روانہ ہوا تو راستہ میں مرار بن انس اور اُسید بن عبد اللہ نے قتل کر دیا اور مشہور کیا کہ ابو سلمہ کو خوارج نے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد ابو الجہم بن عطیہ نے وزارت کی اور ابو الجہم کے بعد سفاح نے خالد برمکی کو وزیر مقرر کیا۔

۹۔ وزارت خالد برمکی

ابو سلمہ اور ابو الجہم کے بعد سفاح نے خالد برمکی کو وزارت پر مقرر کیا لیکن خالد وزیر کے لقب سے مشہور نہیں ہوا، کیونکہ ابو سلمہ کے قتل پر یہ لقب منحوس سمجھا جاتا تھا چنانچہ بعض شعراء نے اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے

خالد نے عہد سفاح میں کیا خدمات انجام دیں اس کی تفصیل نہیں ہے کیونکہ سفاح نے مسند نشینی سے پانچ سال انتقال کیا اور وزارتیں تبدیل ہوتی رہیں اسی بنا پر خالد کو بھی اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن خالد کو جو کچھ کرنا تھا وہ وزارت سے قبل کر چکا تھا اور عہد سفاح میں خالد نے جس قدر غیر معمولی کام کیے ان میں تاسیس حکومت عباسیہ

ل الفخری صفحہ ۱۴۳ و جہشیاری صفحہ ۲۰۰ و طبری صفحہ ۴۰

سب سے اہم خدمت تھی۔

۱۰۔ سائلوں کا خطاب ایک وزیر کی حیثیت سے خالد کے محل پر صبح سے شام تک اہل غرض کا مجمع رہتا تھا ان میں ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے، فقیر، مسکین، شعرا، علماء، اکابر، واشراف اور ارکان دولت بھی اور بلا استثنار یہ اصحاب سائل کہلاتے تھے۔ خالد نے اس لقب کو حالات اور واقعات کے لحاظ سے مکروہ سمجھا اور فی الحقیقت لفظ سائل میں حقارت کا مادہ موجود تھا لہذا خالد نے حکم دیا کہ آئندہ سے یہ حضرات زوّار کے خطاب سے موسوم ہوں۔ بات کچھ نہ تھی لیکن محض لفظی اُلٹ پھیر سے عوام اور خواص خوش ہو گئے اور اہل علم نے اس خطاب کی داد دی چنانچہ کسی نے خالد کو مخاطب کر کے کہا۔ "وَاللهِ مَا نَدْرِي أَيُّ أَيَادِيكَ عِنْدَنَا أَجَلُّ أَصِلَتُنَا أَوْ تَسْمِيَتُنَا" خدا کی قسم! ہم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ آپ کی فیاضیاں ہمارے حق میں زیادہ قیمتی ہیں یا زوار کا خطاب

۱۱۔ فیاضی (خالد امیر ابن امیر تھا اور اس نے فیاضی بھی اپنے بزرگوں سے میراث میں پائی تھی عہد سفاح میں، اس کے فیاضی کی روایتیں مورخین نے لکھی ہیں الفخری میں صرف اس قدر ہے کہ جشن نوروز کے موقع پر (مجوسیوں کی تقلید میں شاہان اسلام بھی نوروز کا جشن مناتے تھے) بہ حیثیت وزیر السلطنت اُمرا نے تحفے پیش کیے ان میں سونے اور چاندی کے کچھ جام (پیالے) بھی تھے۔)

سلاطین عجم کے درباروں میں جشن نوروز کے موقع پر شراب کا بھی دور ہوتا تھا۔ اور شراب سے لبریز صراحیاں اور ساغر بھی نذرانہ میں آتے تھے اس تقریب سے خالد کے بھی سامنے طلائی و نقرئی پیالے پیش ہوئے۔

شعرائے دربار موقع محل کو خوب جانتے ہیں انھوں نے جب پیالوں کو دیکھا تو رال ٹپکی اور ایک شاعر نے اپنے مدحیہ قطعہ میں ان پیالوں کا بھی ذکر کیا۔ اداشناس ممدوح نے وہ سب قیمتی پیالے ان شاعروں کو انعام میں دیدیئے۔ یہ پیالے اگرچہ شراب سے خالی تھے تاہم شعرار

کے حق میں سرور انگیز تھے۔

۱۲۔ سفاح کی سیرت | یہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جو ایک سال کے بعد پردہ میں رہنے لگا۔ گانا بھی پردہ کی آڑ سے سنتا تھا۔ جب سرور میں آتا تو بے اختیار ہو کر مغنیوں کی داد دیتا اور دوبارہ فرمائش کرتا (اَحۡسَنۡتَ وَاللہِ اَعِدۡ ھٰذَا لصَّوۡت) اس نے کبھی کسی ندیم و مغنی کو بغیر صلہ کے (نقد ہو یا لباس) واپس نہیں کیا جنھوں نے احسانات کیئے تھے انکو (اسمیں سادات بھی شامل ہیں) مالامال کر دیا۔ کام کرنے کے اوقات مقرر تھے اور شنبہ کی رات کو نبیذ پیتا تھا، کفایت شعار بھی تھا۔ ایک قمیص کو کئی کئی مرتبہ دھولا کر پہنتا تھا، عطریات سے بھی ذوق نہ تھا۔

۱۳۔ سفاح کی خانگی زندگی | سفاح کی بی بی ام سلمہ کے لقب سے مشہور تھیں اور یہ یعقوب بن ولید بن عبد اللہ مخزومی کی بیٹی تھیں۔ چنانچہ ام سلمہ نے سفاح کو انکے حسن و جمال کی وجہ سے خود ہی انتخاب کیا تھا اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب سفاح ایک معمولی غریب عباسی تھے۔ جدال و قتال کے واقعات سے ناظرین البرامکہ اکتا گئے ہونگے لہذا ان کی دلچسپی کے لیئے ام سلمہ کے نکاح کی دلچسپ حکایت پر سفاح کا تذکرہ ختم کیا جاتا ہے۔

ام سلمہ کے پہلے شوہر عبدالعزیز بن عبد الملک بن مروان تھے جب اس شاہزادہ کا انتقال ہو گیا تو ایک دولتمند امیر (ہاشم) سے عقد کیا جب یہ بھی داغ مفارقت دے گئے تو تیسرے شوہر کی جستجو تھی اتفاق سے ایک دن اپنے محل میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ سامنے سے ابوالعباس عبد اللہ کا گزر ہوا پہلی ہی نظر میں ابوالعباس کی جوانی اور رعنائی پر فریفتہ ہو گئیں۔ سہیلیوں سے کہا کہ ذرا دیکھنا! یہ کون جا رہے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت عباس کی نسل سے ہیں۔

اس عہد میں بنو امیہ کی حکومت تھی اور ہاشمی عالم غربت میں پڑے پھرتے تھے، لیکن

---

[۱] کتاب التاج جاحظ صفحہ ۱۳۲ و ۵۲ و ۴۰ و ۱۵۵ [۲] جہشیاری تذکرہ سفاح۔

ام سلمہ نے جو ایک امیر کبیر خاتون تھیں ابو العباس کی افلاس کا کچھ خیال نہ کیا بلکہ اُنکی خاندانی شرافت اور ظاہری وجاہت کی بناء پر دو چار دن کے بعد (اور رسم عرب کے مطابق) ایک کنیز کے معرفت نکاح کا پیغام دیا اور پیغام کے ساتھ ہی ایک سو اشرفیوں کی تھیلی بھی نذرانہ میں بھیجدی۔

جب کنیز نے ابو العباس کو ام سلمہ کا پیام سنایا تو یہ حیرت زدہ رہ گئے اور بولے! ام سلمہ تو ایک امیرزادی ہیں اور میں مفلس! ایسی حالت میں، ان کے شوہر ہونے کی عزت کیونکر حاصل کر سکتا ہوں۔ کنیز نے کہا کہ حضور نا ام سلمہ کی سرکار میں روپیہ کی کیا کمی ہے؟ اُنھوں نے خود ہی نذر پیش کی ہے اس کو قبول فرما کر نکاح کی اجازت دیجئے! ابو العباس نے اشرفیوں کی تھیلی دیکھتے ہی نکاح کی منظوری دیدی اور اپنی بلند اقبالی پر مسرور ہوئے اور خود ہی اُم سلمہ کے بھائی سے نکاح کا پیام دیا۔ یہاں کیا دیر تھی، چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا، پانچسو اشرفیاں دین مہر قرار پایا شب کو نوشہ میاں! دلہن کے حجلۂ عروسی میں داخل ہوئے جیبنوں کا رعب حسن مشہور ہی ان پر ایک وقت میں دو طرف سے بجلیاں گریں، کبھی یہ ام سلمہ کے حسن و جمال پر درود پڑھتے تھے اور کبھی ایوان عروسی کے ساز و سامان کو نظر حیرت سے دیکھتے تھے ام سلمہ ایک شہ نشین میں بناؤ سنگھار کیئے ہوئے زرّیں مسند پر جلوہ افروز تھیں ساری پنڈلی میں کوئی عضو ایسا نہ تھا جسمیں مرصع جواہرات کے زیور نہوں یہ عالم حیرانی میں بت بنے کھڑے تھے اتنی جرأت نہ کر سکے کہ شہ نشین تک پہونچیں، ام سلمہ اپنے مسکین شوہر کی پریشانی سے خود متاثر ہوئیں، کنیزوں کو حکم دیا کہ شہ نشین کے نیچے دوسرا فرش بچھاؤ حکم کی دیر تھی کہ دوسری زرّیں مسند بچھائی گئی اور اس عرصہ میں دلہن نے سادہ لباس پہنا اور مرصع زیورات الگ کر دیئے یہ حضرت اب بھی دم بخود کھڑے تھے کہ ام سلمہ نے رسیلی اور شیریں الفاظ میں مرحبا کہکر خیر مقدم کیا ہاتھ پکڑ کر مسند پر بٹھایا، خدا خدا کر کے اب ابو العباس کے ہوش درست ہوئے اور بی بی سے مانوس ہو گئے۔ ام سلمہ نے اسی جلسہ میں کہا

کہ آپ حلف اُٹھائیں کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ دوسرا نکاح نہیں کر سکتے اور نہ کسی کو اجازت دی جاتی ہے کہ کوئی حرم شبستان عیش میں داخل ہو۔ یہ زر خرید شوہر تھے لہٰذا لیلیٰ خاطر نئے سرے سے ایجاب و قبول کیا اور دونوں میاں بیوی عیش و آرام سے بسر کرنے لگے ابو العباس کو یہ نکاح مبارک ہوا اور ایک بیٹا پیدا ہوا اور چند ہی سال میں خلافت اُمیہ کو پامال کر کے خلیفہ بن گئے حکمراں ہوتے ہی رنگ بدلا، مگر جوہر شرافت کا اثر تھا کہ پری جمال بی بی کے مطیع رہے کسی دوسری عورت کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتے تھے اب دربار میں مختلف الخیال اصحاب جمع ہوتے جاتے تھے نیک اعمال بھی اور سیہ کار بھی چنانچہ ندیموں میں ایک خالد بن صفوان بھی تھے جو بڑے قصہ گو حاضر جواب اور لسّان تھے: اُنھوں نے ایک دن عرض کیا کہ "میں مدت سے موقع کا منتظر تھا آج کوئی نہیں ہے اگر حضور پسند فرمائیں تو دروازہ بھی بند کروا دیا جائے سبھے خلوت میں کچھ گزارش کرنا ہے" درخواست منظور ہوئی حاجب کو حکم دیا گیا کہ کوئی آنے نہ پائے، مطمئن ہونے پر خالد نے تقریر شروع کی۔

"امیر المومنین! خادم کو حضور کی حالت دیکھکر تعجب ہوتا ہے، اور وہ یہ ہی کہ باوجود اقتدار سلطنت آپ پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے میں دیکھتا ہوں کہ آٹھوں پہر آپ اسکی اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اگر وہ بیمار ہو جائے تو حضور بھی بیمار ہیں، گھڑی بھر کو وہ نظر سے او جھل ہو جائے تو آپ آپے میں نہیں رہتے ہیں اور محض اس محکومی کے طفیل امیر المومنین دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہیں۔ اگر یہ پھندا گلے سے نکل جائے تو یک نظر معلوم ہو کہ اس دنیا میں کیسی کیسی ناز آفریں، پری وش، اور دلربا عورتیں موجود ہیں کوئی قد و قامت میں قیامت ہے، کوئی مہ جبین، فتنہ عالم ہے، کوئی نازک بدن اور نازنین ہے کوئی سانولی صورت او رموہنی مورت ہے، کوئی مدینہ کی جادو بیان ہے، کوئی طائف اور یمامہ کی سحر طراز ہے، کسی کی چتون زہر میں ڈوبی ہوئی ہو کسی کی سیہ تابِ زلفیں دل کے لئے کمندیں نظر کے تیر کلیجہ کے پار ہوتے ہیں علاوہ کنیزوں کے شاہزادیاں (بنات الملوک) بھی ہیں جو محل میں داخل ہو کر باعث راحت

ہوسکتی ہیں تو سچ ہے!

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد | بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جب تقریر ختم ہوگئی تو ابوالعباس نے کہا کہ میاں خالد! تم نے آج وہ باتیں سنائی ہیں جو میں نے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ تم سچ کہتے ہو! بلا شبہ میں دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہوں تمہارا یہ فسانہ بہت ہی دلکش ہے، جی چاہتا ہے کہ پھر سنوں، خالد نے اپنی تقریر دُہرائی اور اس مرتبہ اور بھی زیادہ لفاظی سے کام لیا۔ یہ وہ مشک نافہ تھا جس نے سفاح کے دماغ کو عطر آگیں کر دیا اور خالد کی دلاویز تقریر سے کچھ دیر کے لئے امیرالمؤمنین کا دل ضرور ڈانواں ڈول ہوگیا۔ اور ام سلمہ سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ بھول گئے اور خالد کو رخصت کر کے غور و فکر میں پڑ گئے۔"

سفاح خالد کی خیالی باتوں کی دُھن میں تھا کہ اتنے میں ام سلمہ آگئیں میاں کو ملول دیکھکر پوچھا، خیر تو ہے کس بات کی فکر ہے؟ کیا کوئی خبر آئی ہے، کیا کوئی غنیم آرہا ہے جس سے آپ پریشان ہیں۔ سفاح نے جواب دیا کوئی فکر کی بات نہیں ہے، ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ام سلمہ! فرمائیے؟ میں بھی تو سُنوں کہ آخر وہ کونسی بات ہے۔ اب مجبوراً سفاح نے خالد کی تقریر ام سلمہ کے سامنے دہرائی یہ فسانہ سنتے ہی ام سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اور خشم آلود نگاہوں سے میاں کی طرف دیکھا اور بولیں! خیر میں نے آپ کی رام کہانی سُنی اب یہ فرمائیے کہ آپ نے اس حرام زادے (ابن الفاعلہ) کو کیا جواب دیا۔ سفاح اس سوال پر بگڑا اور کہا، واہ بیگم صاحب! خالد تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہے اور آپ اسے گالیاں دے رہی ہیں۔ ام سلمہ کو اس جواب سننے کی کہاں تاب تھی آگ بگولہ ہوکر اُٹھی اور اپنے محل میں جاکر دس غلاموں کو حکم دیا کہ خالد بن صفوان کو اسقدر مارو کہ اُسکی ہڈیاں چور ہو جائیں

اب خالد کا حال سُنئے! یہ سمجھے ہوئے تھے کہ میری تقریر سفاح پر اثر کر گئی ہے اب اُس کی زندگی کا نیا دور شروع ہوگا اور میری بن آئیگی اور یہ بھی خیال تھا کہ امیرالمؤمنین کا

چوبدار خلعت و انعام لیکر آتا ہوگا یہ اسی چکر میں تھے کہ غلاموں نے دروازہ پر دستک دی آپ فرط مسرت سے بیخود ہو کر نکل آئے اور بولے جناب! ادھر آیئے خالد میں ہوں اور جو آپ انعام لائے ہوں وہ جلد دیجئے۔ غلاموں نے کہا لیجئے اور بے تکان ڈنڈے بازی شروع کر دی، خالد بھاگے اور دروازہ بند کرکے بیٹھ رہے۔ اور کچھ دنوں تک گھر کے اندر روپوش رہے، اس کے بعد پھر دربار سے طلبی ہوئی، خالد کا خون خشک ہوگیا اور سمجھے کہ اب جان کی خیر نہیں ہے تاہم ڈرتے ڈرتے ایوان خلافت تک پہنچے۔ سفاح کی نشست کے قریب ہی دوسرے دالان میں باریک پردہ پڑا ہوا تھا اور کسی کے چلنے پھرنے کی حرکت بھی محسوس ہوتی تھی خالد نے قیاس کیا کہ امیر المؤمنین کے قریب ہی ام سلمہ بھی تشریف فرما ہیں۔

سفاح نے پوچھا خالد! کہاں غائب تھے عرض کیا کہ غلام گھر میں بیمار پڑا تھا، آج حسب الحکم حاضر ہوا ہوں، سفاح نے کہا کہ گذشتہ صحبت میں تم نے حسین عورتوں کے دلچسپ حالات سنائے تھے آج پھر وہی داستان سناؤ۔ خالد نے عرض کیا کہ عرب میں سوکن (دوسری عورت) کو ضرّہ کہتے ہیں اور بلاشبہہ یہ ضرر (نقصان) سے مشتق ہے، اور یہی سبب ہے کہ جس نے ایک بی بی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت کی اس نے ضرر اٹھایا۔ سفاح نے خفا ہو کر کہا تم نے مجھ سے پہلے دن یہ ہرگز نہیں کہا تھا جو اس وقت کہہ رہے ہو۔

خالد! حضور خدا کی قسم میں نے یہی عرض کیا تھا اور پھر کہتا ہوں کہ جس گھر میں تین بیبیاں ہوں تو وہ جہنّم کا نمونہ ہے یا یہ کہنا چاہئے کہ ایک دیگچی ہے جو چولھے پر اُبلتی رہتی ہے یہ سنکر سفاح بہت ہی برہم ہوا اور کہا حضرت عباس کی قسم! یہ سراسر جھوٹ ہے۔

خالد! امیر المؤمنین کو یاد نہیں رہا۔ میں نے تو یہ بھی عرض کیا تھا کہ جس مرد کے چار بیبیاں ہوں وہ ہمیشہ مبتلائے آفت رہیگا یہ کم بخت اُس کو قبل از وقت بوڑھا بنا دیتی ہیں اور بیمار ڈالدیتی ہیں، اور یہ محل کی لونڈیاں سنڈٹی دیونیاں خدا ان سے محفوظ رکھے انہیں اور مردوں میں صرف ایک خاص فرق ہے اس فقرہ پر پردہ کے پیچھے سے ایک قہقہہ کی

آواز آئی اور خالد نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا! امیر المؤمنین میں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے محل میں قبیلہ قریش کا ایک مہکتا ہوا پھول ہے۔ اسکے ہوتے ہوئے آپ دوسری عورتوں اور لونڈیوں کو تاکتے، جھانکتے ہیں۔"

پردہ سے آواز آئی چچا جان! تم سچ کہتے ہو تم نے یہی کہا ہوگا لیکن یہ سب باتیں انہوں نے اپنے دل سے گڑھ کر تمہاری طرف منسوب کر دی ہیں۔ ام سلمہ تو قہقہے لگا رہی تھیں اور سفاح خالد کو گالیاں دے رہے تھے حرام زادے! بدمعاش! شیطان، خدا تجھ سے سمجھے! ابے مردود تو نے مجھے جھوٹا کرایا۔ موقع کو غنیمت سمجھکر خالد فرار ہوگیا آتے وقت تو موت کا یقین تھا مگر جاتے وقت صلہ وانعام کی امیدیں تھیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، خالد گھر پہنچا ہی تھا کہ ام سلمہ کی طرف سے دس ہزار دینار اور ایک گھوڑا سواری کے لئے پہونچ گیا اور بات گئی گذری ہوئی۔

۱۴۔ سفاح کی موت یکشنبہ تیرھویں ذی الحجہ ۱۳۶ھ (۹ جون ۷۵۴ء) کو چار سال آٹھ ماہ چار یوم حکومت کر کے سفاح نے بعارضہ چیچک انتقال کیا یہ خلیفہ نہایت مدبر، فیاض، متواضع، اور خوش اخلاق تھا لیکن اس کے عہد میں بنی امیہ پر جو مظالم ہوئے اس اعتبار سے وہ حجاج اور ابو مسلم کے بعد تاریخ میں تیسرا ظالم ہے۔

۱۱۔ ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی (المنصور دوانیقی)
دوسرا عباسی خلیفہ ۱۳۶ھ / ۷۵۴ء لغایت ۱۵۸ھ / ۷۷۵ء

سفاح نے انتقال کے وقت اپنے حقیقی بھائی ابو جعفر منصور کے حق میں وصیت[۲] کی

---

[۱] کتاب الاذکیا ابن جوزی و اعلام الناس وغیرہ [۲] طبری کی روایت ہے کہ سفاح نے منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی کو ولیعہد کیا تھا اور دستاویز الکو لپیٹ کر مہر و دستخط عیسیٰ کے سپرد کر دی تھی۔ طبری صفحہ ۸۰۔

اس لئے کہ منصور ہر معرکہ میں شریک رہا اور تاسیس خلافت میں ابو مسلم کا شریک غالب تھا اور اس زمانہ میں وہ حج کو گیا ہوا تھا چنانچہ حج کی واپسی کے بعد بمقام ہاشمیہ منصور ذی الحجہ ۱۳۶ھ (جون ۷۵۴ء) میں سفاح کا جانشین ہوا اور اسکے قبل کوفہ میں عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کے لئے بیعت لی اور سفاح کے موت کی اطلاع دی اور واپسی حج کے موقع پر ابو مسلم نے راستہ میں بیعت کی اسوقت تک خالد برمکی وزیر تھا اور عہد منصور میں ایک سال تک بدستور وزارت کرتا رہا۔

۱- وزارت ابی ایوب سلیمان بن مخلد الموریانی

ابو ایوب الموریانی کو منصور نے خلافت سے قبل ایک غلام کی حیثیت سے خرید کیا تھا اور خود ہی تربیت کی کسی ضرورت سے یہ ایکمرتبہ سفاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سفاح اس کے حسن صورت اور تقریر سے بہت خوش ہوا اور پوچھا تم کون ہو؟ عرض کیا امیر المومنین کے بھائی منصور کا غلام ہوں۔ سفاح نے کہا تم آج سے میرے ہو۔ اور اپنی خدمت میں رکھ لیا اور منصور کو اسکی آزادی کی سفارش کی چنانچہ ابو ایوب سفاح کی حیات تک ہاشمیہ میں رہا۔

خالد برمکی محض اپنی قابلیت کی وجہ سے اُمرا کی نظر میں کھٹکتا تھا۔ اسی زمانہ میں کردوں نے موصل میں بغاوت کردی ابو ایوب نے اس حیلہ سے خالد کو موصل بھیجدیا جب وزارت خالی ہوئی تب منصور نے ابو ایوب کو جوہر قابل سمجھکر وزیر کردیا جب خالد موصل سے واپس آیا تو وہ افسر دیوان الخراج (وزیر مال) کردیا گیا۔ لیکن خالد کو ہر مشورہ ملکی میں منصور شریک رکھتا تھا۔

برامکہ کے ملکی انتظامات کو مورخین نے بہت کم لکھا ہے کہیں کہیں ضمنی واقعات لکھ جاتے ہیں انشاء اللہ کوشش کی جائیگی کہ البرامکہ میں بھی انتظامی حالات کی تفصیل ہو، فی الحال آبادی بغداد کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے جس میں خلفائے عباسیہ اور برامکہ برابر

ؔ طبری صفحہ ۱۳۶ ۵۲ الفخری عہد منصور عباسی۔ موریانی: اہواز (خوزستان) کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہشیاری صفحہ ۱۰۱

کے شریک ہیں۔

۱۲۔ ذکر آبادی دارالسلام بغداد

۱۔ اسلامی دارالخلافے عہد سعادت (رسالت) اور خلافت میں دولت اسلامیہ کا دارالخلافہ اور مرکز ارضی مدینہ طیبہ تھا۔ لیکن امیر معاویہ نے گورنری شام کے زمانہ میں دمشق کو بہت مستحکم کر دیا تھا لہٰذا مصلحت ملکی سے امیر معاویہ نے خلیفہ ہونے کے بعد، بجائے مدینہ اور کوفہ کے دمشق کو دارالخلافہ بنایا اور اسی قسم کی مصلحتوں سے منصور نے بجائے دمشق کے بغداد کو انتخاب کیا اور سفاح کی موت پر انبار (ہاشمیہ) سے نئے دارالخلافہ کو بغداد میں منتقل کرنا پڑا اس ترتیب سے خلفائے اسلام کا یہ پانچواں شاندار دارالخلافہ تھا۔ اور دنیائے اسلام میں اگر اس کا جواب ہو سکتا تھا تو وہ خلفائے بنو اُمیہ اُندلس کا قرطبہ (کارڈوا) تھا اور یہی وہ دو مقام تھے جن میں تمدن عرب کی تکمیل ہوئی تھی۔

دولت عباسیہ کے زوال سے تقریباً ایک صدی قبل تک متمدن شہر بصرہ کے بعد بغداد ہی لاجواب سمجھا جاتا تھا اور لوگ فخریہ کہتے تھے کہ: "الدُّنْیَا هِیَ بَصْرَةٌ وَلَا مِثْلُكَ یَا بَغْدَادُ۔" اور عہد ہارون الرشید اور مامون الرشید میں تو بغداد بلاشبہ جنت الفردوس اور عروس البلاد کے زریں خطاب کا مستحق تھا۔

۲۔ بنائے بغداد کے اسباب ہاشمیہ کا رقبہ محدود تھا اور وسعت و استحکام سلطنت کی غرض سے اب وہ وقت آگیا تھا کہ وسیع پیمانہ پر پایۂ تخت آباد کیا جائے اور سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ کوفہ اور دمشق کی بغاوت انگیز آندھیوں سے دارالخلافہ محفوظ رہے۔ اس لئے پُر فضا اور وسیع آراضی کی تلاش ہوئی، ملک کے گوشہ نشین بوڑھے راہب اور مرزبان مشورہ کے لئے طلب ہوئے اور اُن سے گرمی، سردی، بارش اور حشرات الارض

(کیڑے مکوڑے) کے حالات دریافت کیے گئے۔ چنانچہ کامل تحقیقات کے بعد قدیم بغداد کا انتخاب ہوا۔ اور یہ ایک ایسا موقع تھا کہ جو نہ تو وسط عرب میں تھا، اور نہ اسقدر دور تھا کہ انتظام میں دشواریاں پیش آئیں۔

عرب کا یہ زرخیز خطہ سیاسی اسباب کے علاوہ اعتدال آب و ہوا میں بھی ضرب المثل تھا اور اس کے چاروں طرف زرخیز شہر اور صوبے تھے منصور کے مزاج میں تفتیش اور تحقیق بہت تھی اس لیئے وہ ہاشمیہ سے آیا۔ اور بغداد کے ویرانہ میں ڈیرے ڈال دیئے اور جرجرایا سے موصل تک گھوم پھر کر اس علاقہ کو اچھی طرح سے دیکھا، اس سفر میں اس کے ہمراہ ابو ایوب الموریانی، سلیمان بن مجالد، اور عبد الملک بن حُمید کاتب بھی تھے۔ چند روز کے قیام کے بعد جب آب و ہوا کا اندازہ ہو گیا، اُسوقت آبادی شہر کی منظوری صادر کی گئی۔

منصور کو ذاتی تحقیقات پر بھی وثوق نہ تھا لہذا اس نے اہل الرائے کی ایک جماعت انتخاب کی اور اُن کو اراضیات کے ملاحظہ کے لئے موقع پر بھیجا چنانچہ اُنھوں نے جو وسیع رقبہ انتخاب کیا تھا اس کے اندر بغداد، آباد ہوا۔

یہ انتخاب ہر حیثیت سے موزوں تھا، اور بڑی خوبی یہ تھی کہ دو دریا[2] یعنی دجلہ (ٹیگرس) اور فرات (یوفراٹس) قریب ہی تھے جن کے حدود میں جنگ کے موقع پر حفاظت کے لئے خندقیں تیار ہو سکتی تھیں اور نیز دجلہ کے اتصال سے دیار بکر سے لیکر بصرہ، بحرین، ہندوستان، اور چین تک اور فرات کے راستہ سے شام، مصر، مغرب خراسان اور آذربایجان کا تجارتی مال بغداد تک آسکتا تھا۔ اور بغداد تجارت کی ایک

---

[1] مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۲۳۱ [2] دجلہ یہ ارض اشور کا دریا ہے اس کا قدیم نام ہدکلہ ہے یہ جبال آرمینیہ سے نکلا ہے اور بڑے زور سے بہتا ہے دجلہ کا طول ۱۱۴۶ میل ہے۔ بمقام قرنا فرات میں آکر مل جاتا ہے۔ فرات کا نام پراتو ہے یہ دریا نہایت خاموشی سے بہتا ہے اور یہ جبال آرمینہ سے نکلا ہے اس کا طول ۱۷۸۰ میل ہے بابل اور اشور کی تجارت انھیں کے ذریعہ سے ہندوستان اور مصر تک جاری تھی۔

مشترکہ منڈی بن سکتی تھی۔ بہرحال جس طرح دریائے نیل مصر کے لئے زینت ہی ویسے ہی دجلہ و فرات بغداد کے لئے تھے اور کمیٹی نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ بغداد کی آبادی میں مختلف مقامات پر پُل بنائے جائیں تاکہ جنگ کے موقع پر یہ پُل توڑ دیئے جائیں اور دشمن شہر کے اندر نہ آسکے اور اسی مقصد سے بغداد میں یکے بعد دیگرے پانچ پُل اور تین فصیلیں تعمیر ہوئیں، الغرض منصور نے یہ علاقہ پسند کرلیا۔ اور یہ بات اُس کے ذہن نشین ہوگئی کہ بصرہ، کوفہ، واسط اور موصل کے اتصال سے بغداد بہت جلد غیر معمولی ترقی حاصل کریگا۔

۳۔ خرید اراضی نئے دارالخلافہ کے لئے جو رقبہ تجویز ہوا تھا اس میں بیشتر کھنڈرات تھے، لیکن ایک حصہ قدیم آبادی کا ہنوز موجود تھا، جسمیں ایرانی، عرب اور عیسائی آباد تھے، اور اِن کے متعدد گرجے اور خانقاہیں (دَیر) بھی موجود تھیں، جو ادائے معاوضہ کے بعد منہدم ہوسکتی تھیں، چنانچہ مہندسوں (انجنیروں) نے جو تخمینے پیش کئے اس کے مطابق معاوضہ ادا کیا گیا۔

۴۔ قدیم بغداد صدیوں سے یہ روایت مشہور ہی کہ جس رقبہ میں منصور نے نیا شہر آباد کیا وہاں نوشیرواں عادل کا ایک باغ تھا جہاں بیٹھکر وہ مقدمات فیصل کیا کرتا تھا اور اسی مناسبت سے یہ رقبہ باغِ داد[۱] مشہور تھا جو مخفف ہوکر بغداد ہوگیا یہ وجہ تسمیہ اصمعی اور ابن درستویہ[۲] نحوی کی طرف منسوب ہے جو صدیوں سے صحیح سمجھی جاتی تھی لیکن علم[۳] الآثار کی تحقیقات نے اس وجہ تسمیہ کو غلط ثابت کیا ہے۔ جدید تحقیقات یہ ہے کہ

---

[۱] ملاحظہ ہو مفاتیح العلوم خوارزمی تحقیقات لفظ بغ صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ و تاریخ خطیب بغدادی جلد اوّل

[۲] اصمعی کا ترجمہ کسی دوسری جگہ موجود ہے ابن درستویہ کا نام عبداللہ بن جعفر درستویہ تھا ۲۵۸ھ میں ولادت ہوئی ۳۴۷ھ میں وفات پائی علم النحو کا امام تھا۔ از قضاء الارب فی ذکر علماء النحو والادب صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۱۶ھ

[۳] تاریخ بغداد القدیم والحدیث علی ظریف الاعظمی مطبوعہ مصر ۱۳۴۴ھ۔

کلدانی (بابلی) شہروں میں بغداد (دجلہ کے شرقی جانب) ایک قدیم شہر تھا جو مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار برس پہلے آباد تھا۔ جس پر ۱۱۰۰ء ق م میں آشوری بادشاہ بل کلا نے قبضہ کیا۔ اس عہد میں یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا لیکن بخت نصر نے اپنے زمانہ (۵۶۱ء ق م) میں بغداد کو بڑی ترقی دی تھی اور دجلہ کے مغربی ساحل پر ایک رفیع الشان محل تعمیر کیا تھا جس کی دیواریں محکمہ آثار قدیمہ عراق نے ۱۸۴۸ء میں برآمد کی ہیں یہ قدیم بغداد کیخسرو کیانی (کورش) کے حملہ (۵۳۸ء ق م) تک ایک قریہ کی شکل میں موجود تھا جس پر ۲۲۶ء میں ساسانی قابض ہوئے اور عہد صدیقی میں جب خالد بن الولید (۱۳ھ ۶۳۴ء) نے عراق فتح کیا ہے اُس وقت قدیم بغداد کا صرف ایک حصہ باقی تھا جو عربی جغرافیوں میں سوق بغداد کے نام سے مشہور ہے[1] اس زمانہ میں یہاں ایک بازار بھرتا تھا اور نسطوری عیسائیوں کے دیر اور گرجے بھی موجود تھے چنانچہ دیر مارفیثوں (دیر العتیق) اور کلی لی شوع اور ایک ایرانی باغ اخیر وقت تک موجود تھا۔ جس کا معاوضہ منصور نے ادا کر کے یہ کل رقبہ تعمیر جدید کے لئے خرید کر لیا اور یہ قدیم آبادی مغربی دجلہ پر تھی۔

۵۔ بغداد کی وجہ تسمیہ محکمہ آثار قدیمہ[2] نے عمارات سے جو اینٹیں برآمد کی ہیں ان پر سماری خط میں قدیم بغداد کا نام بلغ داد، بلغ سرد انوا اور بل دودو منقش ہے اور وجہ تسمیہ کا راز انہیں کلمات کے اندر مخفی ہے۔

کلدانی دیوتاؤں کی تاریخ میں بلغ کا نام ہنوز نہیں ملا ہے، لیکن بل موجود ہے لہذا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی دیوتا کے دو نام مختلف لہجوں میں ہوں، اور میری رائے میں جبکہ بغداد کا پہلا جزو بلغ ہے تو پھر بلغ دیوتا کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ اب ہم بلغ اور بل کی مزید تصریح کرتے ہیں۔

الف۔ بل کلدانیوں کا مشہور دیوتا بل (Bal) ہے جسکا تلفظ[3] بال (Baal)

---

[1] معجم البلدان یاقوت مادہ بغداد [2] تاریخ الاعظمی مذکور [3] ہسٹوری آف نیشن جلد ۱۲۔ باب السیریا صفحہ ۱۰۷۔

تھا لہٰذا اِن کی تالیفِ قلوب کے لئے اس کا نام باب الدولہ قرار پایا۔ منصور اس دروازہ کے قبہ (مجلس) میں بیٹھ کر شہر کی سیر کیا کرتا تھا۔

۴۔ باب الشام باب السلام	شمال ومغرب۔ شام، مصر اور اہل مغرب کے لئے۔

ہر دروازہ پر شاندار قبے تھے جن کی بلندی پچاس گز تھی اور آبادی کے لیے حفاظت کے لئے ہر دروازہ پر فوجی افسروں کی ماتحتی میں ایک ایک ہزار جُندی (فوجی سپاہی) تھے، یہ دروازے اسقدر بلند تھے جن میں سے سوار نیزہ اُٹھائے ہوئے چلے جاتے تھے اور انکے کھولنے اور بند کرنے کے لئے بیس پچیس آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ اندرونی دروازے تھے اور ان کی مقابل چار بیرونی دروازے، اسی شان کی اور تھے۔

۳۔ پُل، نہریں، سڑکیں	شہر مدور کا رقبہ چالیس وقیقہ (چار ہزار مربع گز) تھا۔ جو پہلی فصیل کے اندر تھا، اور تین بڑے پُل (جسر) عبور کرنا پڑتے

تھے، جو جسر اعلیٰ، جسر اوسط، اور جسر اسفل، کہلاتے تھے، اور شہر کے اندرونی اور بیرونی سڑکوں کا ان پلوں سے اتصال تھا، پلوں کے مابین کشتیوں کی آمد رفت کے لئے بھی دو بڑے گھاٹ (الفرضہ) موجود تھے، پھر دجلہ[1] اور فرات سے بڑی اور چھوٹی بیس[2] نہریں نکالی تھیں جو شہر کے اندر جاری اور باغات کو سیراب کرتی تھیں اور ان کے علاوہ گھروں کے اندر کاریزیں (زمین دوز نہریں) بھی رواں تھیں جس سے متفرق مقامات میں پانی پہنچایا جاتا تھا اور چاہات بھی بکثرت تھے (۵ اگز کی گہرائی میں پانی نکل آتا تھا) لیکن پانی عموماً کھاری تھا جو متفرق کاموں اور کپڑا دھونے میں صرف ہوتا تھا۔

نہروں کے کنارے خوبصورت بازار اور امراء کے قصر وایوان تھے اور ہر نہر کا ایک خاص نام تھا جو وزیر، امیر، اور شاہزادے نہروں کے نکاس پر ذاتی روپیہ صرف کرتے تھے وہ نہر

---

[1] دجلہ مشرقی سمت کی نہریں فرات سے اور مغربی نہریں دجلہ سے نکالی گئی تھیں۔

اِس کے نام سے موسوم ہوتی تھی اور یہی اُصول سڑکوں، کوچوں، اور بازاروں (شوارع ولسواق کے لئے تھا۔ سڑکیں عموماً چوڑی تھیں، اور سب سے چوڑی سڑک شارع کوفہ چالیس ہاتھ (تقریباً ستر فٹ) تھی، چار بڑی سڑکیں تھیں اور ہر سڑک ایک دروازے کے سامنے سے شروع ہوکر اور اندرونی حصہ طے کرکے باہر نکل جاتی تھی پھر ان کی بھی شاخیں تھیں، سڑکوں کے کنارے بھی بازار اور قصر و ایوان تھے اور پھر ان کے اطراف میں رعایا کے مکانات جملہ سڑکیں پختہ اینٹوں کی تھیں، - بازاروں میں یہ خصوصیت تھی کہ ہر صنعت و تجارت کے لئے ایک لائن مخصوص تھی ایرانی جنکا لقب ابناء (صاحبزادے) تھا، اور عیسائیوں کی آبادی، انکے بازار، اور عبادت خانے بالکل علیحدہ تھے کہ امن و امان کی زندگی بسر کریں۔

باب خراسان کے سامنے ایک وسیع میدان (Parade) تھا جس میں فوج کا جائزہ لیا جاتا تھا، اور باب الشام کے مقابل فوجی بارکیں (حربیہ) تھیں، باب الکوفہ کے مقابل ایک بڑی سیرگاہ (پارک) تھی جو زہیریہ کے نام سے مشہور تھی اور باب البصرہ کے قریب نہر صراط جاری تھی جس کے کنارے کتب فروشوں کی دُکانیں تھیں، گویا شہر کی آبادی کے ساتھ ہی اشاعت علوم و فنون کی بھی بنیاد پڑگئی تھی، جلد بندی بھی کتب فروشوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی اور اُن کے دوش بدوش کاغذ بیچنے والے (وراق) تھے۔

۴۔ قصر الذہب یا طلائی محل شہر مدور کے اندر شاہی قصر و ایوان تھے اِن میں پہلا، قصر الذہب تھا جس کی تعمیر فصیل کے ساتھ ہی شروع ہوئی تھی، یہ خلیفہ منصور کا سکونتی محل تھا، وسط شہر میں یہ قصر دو سو مربع گز اراضی میں تعمیر ہوا تھا، جس کا درمیانی ہال (کمرہ) تیس گز لانبا اور بیس گز چوڑا تھا، اس کے وسط میں خلیفہ کی نشست کے لئے ایک صفہ (چبوترہ) تھا۔ یہ قصر بہت بلند تھا جس کی کھڑکیوں[1] میں بیٹھکر منصور شہر کی حالت اور اُمرائے دولت کی شان و شوکت دیکھا کرتا تھا، اس کی تعمیر میں چار ہزار آٹھ سو تراسی

---

[1] ہر محل کے قبہ پر ایک پرند کی شکل تھی جس کی پروں کی حرکت سے ہوا کا رُخ معلوم ہوتا تھا۔

اشرفیاں (طلائی سکہ دینار قیمتی پانچ روپیہ) صرف ہوئیں، قصر کے بیرونی حصہ میں باغ تھا۔ جس کے اندر سنگ مرمر کے حوض تھے اور ان کے قبوں پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا جس پر آیات قرآنی یا بہترین اشعار لکھے گئے تھے اور باغ کی ہر روش پر سُرخ سنگ ریزوں کا فرش تھا۔

قصر الذہب پر ایک بڑا برج تھا جسکا نام قبۃ الخضرا تھا، اس پر گہرا چپتہ سبز رنگ تھا اور اس کی بلندی اسی گز تھی اور بغداد کے اندر آنے والے قافلوں کو میلوں سے نظر آتا تھا اور انصاف یہ ہے کہ اس ایوان کی عظمت و دلکشی اسی برج سے تھی، اور جھروکہ درشن (غرفہ) کے متصل قیمتی سامان (فرنیچر) سے سجا ہوا ایک کمرہ تھا جہاں ملاقات کرنے والے اصحاب بٹھائے جاتے تھے ۳۲۹ھ (۹۴۱ء) میں قبۃ الخضرا پر بجلی گری اور برباد ہو گیا۔

۔ قصر الخلد | قصر الذہب کے بعد ۱۵۱ھ میں ایک دوسرا محل تعمیر ہوا جس کا نام قصر الخلد تھا یہ ایوان دجلہ پر باب خراسان کے باہر تھا۔ موقع اور آرائش کے لحاظ سے فی الحقیقت یہ فردوس اور خلد کا نمونہ تھا، ربیع حاجب اور ابان بن صدقہ کاتب کی نگرانی میں اسکی تعمیر ختم ہوئی شاہزادہ امین الرشید اور زبیدہ خاتون کا آخر زمانہ تک اس محل میں قیام رہا۔ اس کا صدر دروازہ بہت بڑا تھا جس میں چاندی اور سونے کی پھلیاں (کیلیں) جڑی ہوئی تھیں، قصر الخلد کے قریب قصر السلام تھا جس میں منصور قصر الذہب کی تعمیر سے قبل رہا کرتا تھا، منصور کی حیات میں ولیعہد مہدی کا قیام اسی محل میں تھا۔ یہ محل دراصل شاہزادہ موسیٰ ہادی کے لئے بنوایا گیا تھا۔

۶۔ جامع منصور عباسی | ایوان شاہی کے پہلو میں جامع مسجد تعمیر ہوئی جو باب کوفہ اور باب خراسان کے سامنے تھی۔ مسجد کا رقبہ تنو مربع گز تھا۔ اور بڑا دروازہ باب الذہب (طلائی دروازہ) کے نام سے مشہور تھا یہ مقدس عمارت آٹھویں صدی ہجری تک قائم رہی۔ لاگت، سامان اور آرائش میں عدیم النظیر تھی۔ اس مسجد اور قصر الذہب کے

اطراف میں امرا کی حویلیاں تھیں۔

۷۔ دفاتر تصور شاہی اور جامع مسجد کے قریب ہی شاہی دفاتر (کچہریاں) تعمیر ہوئے۔ ان میں سے ایوان عام، دیوان الخراج، دیوان الجند، دیوان الصدقہ، بیت المال (خزانہ) صدر عدالت، محبس (موسومہ مُطبق) اسلحہ خانہ (قصر فردوس میں) اور دفتر شُرطہ (پولیس) شہر مدور کے بیرونی حلقہ میں تھے۔ اور فوجی بارکیں بھی شہر کے باہر تھیں۔ منصور کے بعد جو دفاتر قائم ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔

۸۔ عمارات رفاہ عام | رفاہ عامہ کی عمارات میں عہد منصور میں صرف ایک بیمارستان (شفا خانہ) تعمیر ہوا تھا۔

۹۔ قصر الطین | عہد منصور میں خالد برمکی اُمرائے دولت میں داخل تھا اور اسکے بیٹے اور پوتے ہنوز منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ البتہ خاص کاموں پر یحییٰ بن خالد بھیجا جاتا تھا۔ خالد کا محل بھی قصر الذہب سے کم نہ تھا جسکا نام قصر الطین (مٹیا محل) تھا۔ اسمیں یہ خصوصیت تھی کہ خام اینٹوں سے تعمیر ہوا تھا۔ اور حسن و جمال میں بے مثل تھا۔ یہ قصر، شماسیہ (تفصیل آگے آئیگی) میں تھا۔ اور قصر الطین سے متصل ایک بڑا بازار تھا جو خالد کے نام سے سوق خالد مشہور تھا۔ یہ جملہ قصور و ایوان مشرقی بغداد میں تھے۔ جا بجا ہوٹل (باورچیوں کی دوکانیں) بھی موجود تھے۔ جن میں ہر وقت نفیس کھانا تیار ملتا تھا۔

۱۰۔ منصور عباسی کا بغداد اور صرفہ تعمیر | منصور کے عہد میں مسلسل پانچ سال تک تعمیر بغداد کا کام جاری رہا اور روزانہ ایک لاکھ مزدور اور صناعوں نے کام کیا۔ جب بقدر ضرورت سکونتی محل اور دفاتر تیار ہو گئے۔ اسوقت صفر ۱۴۶ھ / ۷۶۳ء میں منصور ہاشمیہ (انبار) سے نئے دار الخلافہ میں آگیا۔ اور جدید شہر کا نام دار السلام رکھا گیا اور دجلہ کا نام وادی السلام قرار پایا۔

فقہا کے نزدیک قدیم نام بغداد (بغدان) مکروہ تھا۔ کیونکہ وہ بغ دیوتا کے نام سے

کارخانے تھے۔ آٹا پیسنے کی چار سو چکیاں تھیں جو دن رات چلا کرتی تھیں۔

۱۲۔ شمّاسیہ میں برامکہ کے قصر و ایوان

برامکہ نے اپنے قصر و ایوانات کے لئے رصافہ میں ایک وسیع قطعہ اراضی انتخاب کر لیا تھا۔ جسکا نام شماسیہ تھا خالد برمکی کا محل قصر الطین بھی اسی جگہ تھا۔ خالد کی انتقال پر یحییٰ برمکی وزیر السلطنت ہرون الرشید نے یہ محل اپنے بیٹے جعفر کو دیدیا تھا چنانچہ جعفر نے اسکو بڑے پیمانہ پر وسیع کیا۔ اور اس محل کی تعمیر میں دو کرور درہم (پچاس لاکھ روپئے) صرف کر دیئے۔

یحییٰ، فضل، اور محمد برمکی کے مکانات اور باغات اور یحییٰ کا بازار (سوق یحییٰ) بھی شماسیہ میں تھا۔ اور شماسیہ کے اندر ایک خاص رقبہ محفوظ تھا، جس میں برامکہ صرف اپنے متوسلین کے لئے مکانات بنوا دیتے تھے۔ یہ مقام "الدور (جمع دار بمعنی مکان) کہلاتا تھا۔

بغداد میں جس قدر مکانات تھے۔ وہ یا تو ایرانی طرز کے تھے یا رومی، جسکے نمونے مدائن اور دمشق وغیرہ میں بکثرت موجود تھے اور عموماً معمار اور سنگتراش وغیرہ ایرانی اور رومی تھے۔ اور کرخ میں انکی ایک بڑی جماعت ہر وقت موجود رہتی تھی۔ فرش ہر مکان کا اینٹ یا پتھر کا ہوتا تھا کہ سیل سے محفوظ رہیں۔

امراء کے مکانات احاطوں کے اندر تعمیر ہوتے تھے۔ جس میں خدام کے حجرے، پائین باغ اور مردانہ نشستگاہیں ہوتی تھیں اور حرمسرا جداگانہ۔ اور فصلی ترکاریوں کے لئے نہروں کے کنارے زمین چھوڑ دی جاتی تھی۔ محل کی اندرونی دیواریں اور چھتیں منقش ہوتی تھیں۔ دروازے اکثر آبنوس کے لگائے جاتے تھے۔ جس پر تانبہ کے پتّروں سے بیل اور پھول پتے کی نقاشی ہوتی تھی۔ ہر مکان پر خوبصورتی کے لئے قبہ لازم تھا اور وہ ایسے خوشنما ہوتے تھے کہ گویا ہوا میں معلق ہیں۔ پانی کے لئے گھروں کے اندر حوض بنائے جاتے تھے۔ جن پر سنگ مرمر کی خوبصورت اور نازک ستون ہوتے تھے

اور وسط میں قبہ ۔ اِن قبوں پر طلائی حروف میں جلی قلم سے آیات قرآنی لکھی جاتی تھیں یا نظر فریب تصویریں ہوتی تھیں اور گرمیوں کے لیے تہہ خانے (سرد ابے) بھی تھے۔

بغداد کی رونق، قصر و ایوان کے علاوہ مساجد سے بھی تھی۔ ہر بڑے محلہ اور بازار میں شاندار مساجد کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھُلے ہوئے تھے۔ منجملہ انکے مسجد قنطرہ، مسجد عبداللہ بن حرب مسجد مُسیّب، جامع منصور المہدی بہت مشہور ہیں۔

خیزراں (والدہ ہروں الرشید) نے اپنے دائرہ (خیزرانیہ) میں محل کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی بنوائی تھی۔ جس میں تین سو طلائی اور نقرئی قندیلیں روزانہ روشن ہوتی تھیں اور ماہ صیام میں غیر معمولی تکلف ہوتا تھا۔ مسجد میں سنگ موسیٰ کا فرش تھا جو آئینہ سے زیادہ چمکدار تھا۔ دیواروں پر خوشنما بیلیں تھیں مثلاً سیب مع شاخ اور پتوں کے اور پھولوں کی ڈالیاں، جسمیں کچھ پھول کھلے ہوئے اور کچھ کلیاں۔ اور ہر پھول پتہ فطرت کا صحیح نمونہ۔ اس مسجد کے علاوہ خیزراں کا ایک خاص محل اور تھا جس کا نام اشناس تھا۔[1]

بغداد کے اُمرائے کبار میں مُعن بن زائدہ شیبانی (مشہور فیاض) رَوح بن حاتم المہلبی اور آلِ قحطبہ کا خاندان تھا۔ اُنھوں نے بھی حسب حیثیت محل بنائے، باغ لگائے۔ اور سب کے سرتاج برامکہ تھے۔ جنکو تاریخی شہرت حاصل ہے۔ شیبانی برامکہ کے مخالف اور مہلبی موافق تھے اور تیسرے درجہ کے اُمراء میں سول اور ملٹری (ملکی اور فوجی) عہدہ دار تھے جنکے دم سے بغداد کی رونق تھی۔

۱۴۔ بغداد میں عیسائی اُمراء اور علماء

خلافت راشدہ کے بعد بنو اُمیہ کے عہد خلافت میں عیسائیوں کو بہت عروج ہوا۔ جس کی بنیاد امیر معاویہ کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ اور زمانہ ما بعد میں انکو بڑے بڑے عہدے دیئے گئے اور حقوق سابقہ میں (جو ذمیوں کو حاصل تھے) اضافہ کیا گیا۔

[1] مروج الذہب

ابوالعباس سفاح کو دمشق میں، خلیفہ مروان ثانی کے مقابلہ میں جو کامیابی ہوئی۔ اس میں عیسائی امرا بھی شریک تھے۔ اور انھوں نے مخفی طریقہ سے جو امداد پہنچائی اسکا صلہ دیا جانا ضروری تھا۔ لہذا سفاح، منصور، ہرون الرشید اور مامون الرشید نے انکو صلاۃ اور انعام سے مالامال کر دیا۔ اور طبابت و کتابت کے خدمت کے علاوہ ندیموں میں بھی داخل ہوئے اور شعر و شاعری میں بھی مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہے کیونکہ شامی و مصری عیسائیوں کی مادری زبان عربی تھی۔ علاوہ بریں عیسائیوں نے ریاضی اور ہیئت میں بڑی ترقی کی تھی۔ اس لئے محکمہ تعمیرات میں بھی دخیل تھے۔ بغداد میں تقریباً پچاس ہزار صناع تھے۔ انمیں عیسائی معماروں کی کثرت تھی اور عیسائی محلے آباد تھے۔ جہاں انکے گرجے اور خانقاہیں باعث رونق تھیں۔ اتوار کے دن مسلمان بھی تفریحاً گرجوں کی طرف جا نکلتے تھے۔

۱۵۔ بغداد کی آب و ہوا نرخ اجناس اور پیداوار

بغداد کی آب و ہوا نہایت معتدل تھی، بقول شاعر

ع مثل نبض صاحب صحت تھی ہر موج صبا"

یا حکیم انوری کی زبان سے یہ کہنا چاہیئے ؎

صبا سرشتہ بنجاکش طراوت طوبی

ہوا نہفتہ در آبش حلاوت کوثر

اور مردوں کے مقابلہ میں، صنف ضعیف (عورتوں) کے لئے بغداد کی آب و ہوا بہت زیادہ مفرح تھی۔

تجارتی مال سے بغداد کے بازار پٹے رہتے تھے لہذا ہر جنس کے نرخ ارزاں تھے۔ اس عہد کا مکمل جنسوار یکجائی نہیں ہے۔ خطیب بغدادی اور حمد اللہ وغیرہ نے بعض اشیاء کے نرخ لکھے ہیں جس سے روزمرہ کی چیزوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ خرما ۶۰ رطل ایک درہم۔ (ایک رطل = ۷ ۵ ۲ درہم)

۲- شہد خالص ۱۰ رطل ایک درہم
۳- گوشت بکری ۶۰ " "
۴- گوشت گاؤ ۹۰ " "
۵- ایک بکری "
۶- ترکاریاں اور میوے نہایت ارزاں

قحط شاذ و نادر ہوتا تھا- بغداد کا علاقہ مع مضافات کے سر د سیر تھا- ایک من غلہ اور کپاس کی تخم ریزی میں بیس من کی پیداوار ہوتی تھی-

جاڑا شدت سے پڑتا تھا اور برف باری بھی ہوتی تھی- اسی طرح گرمی بھی تیز پڑتی تھی، کلام شعرا میں مچھر اور پسوؤں کی بھی شکایت موجود ہے لیکن خون فاسد کے لئے یہ نشتر بھی ضروری تھے- کسی نے سچ کہا ہے-

ع بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

ارباب جغرافیہ لکھتے ہیں اُمرا بغداد میں عیش کرتے تھے اور غربا تکلیف اُٹھاتے تھے آج لندن، پیرس، اور برلن کی بھی یہی حالت ہے- اقتصادی نقطہ نظر سے کہہ سکتے ہیں کہ اس تکلیف کا باعث مردم شماری کی کثرت اور سرمایہ کی قلت تھی- لیکن مورخین عموماً اُمرا اور متوسط طبقہ کے حالات لکھا کرتے ہیں۔ اب اشعار ذیل ملاحظہ ہوں-

بغداد دار لاھل المال طیبۃ | وللمفالیس دار الضنك والضيق
باہم نفسے بسر بری عمر عزیز | ضائع نہ گزارد از جوانی نفسے

اثیر الابن الادمانی کہتا ہے-

گر تو خواہی کہ جہاں جملہ بہ یکجا بینی | وآں جہاں را ہمہ در عیش مہیا بینی
ہمہ سر دیدہ چو خورشید شو اندر بغداد | وانگہی ہمچو فلک گرد ثریا بینی

۱۶- دجلہ کا اثر بغداد پر دجلہ نے بغداد کی دلکشی پر غیر معمولی اضافہ کیا تھا- جس طرح پھولوں

کی کیاریوں سے چمن کی رونق ہوتی ہے۔ اسی طرح دریا، شہروں کے لئے باعث زینت ہوتے ہیں۔ اور دجلہ کو بغداد سے وہی مناسبت ہے جو نیل کو قاہرہ سے ہے۔ زراعت کی سرسبزی اور پیداوار کے علاوہ، دجلہ مال تجارت کے لئے ایک زبردست بندرگاہ تھا۔ کشتیوں کے ذریعہ سے ہند، عرب، چین، مصر، شام، تک کا مال بغداد میں آتا تھا۔ اور جو عمارتیں اسکے کنارے تھیں وہ ازحد دلفریب تھیں۔ شکارگاہوں، سیرگاہوں اور باغات کی رونق و سرسبزی دجلہ کی نہروں سے تھیں اور وہ دن سے زیادہ رات میں بہار دیتا تھا۔ ہزاروں کشتیاں شب میں رواں رہتی تھی۔ جنکی روشنی اور محلات کے لالٹینوں سے ساحل دجلہ بقعۂ نور نظر آتا تھا۔

ع چو در شب ز انجم رہ کہکشاں

کشتیاں سادہ، رنگین، سرخ، سفید، شیروہاں، مورپنکھی، عقاب، سانپ گھوڑے اور ہاتھیوں کی صورت میں تیرتی پھرتی تھیں۔ بیگمات اور خلفاء کے بجرے محل نما ہوتے تھے۔ جن میں ہر قسم کا سامان راحت ہوتا تھا۔

حکیم انوری[1] نے ایک قصیدہ میں بغداد کی اچھی تصویر کھینچی ہے۔ لہذا چند اشعار اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں اور یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ دور حاضرہ میں حکومت عراق کے زیر سیادت بغداد اب پھر ترقی کر رہا ہے۔ جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اشعار منتخب قصیدہ حکیم انوری

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر	کہ کس نشان ندہد در جہاں چناں کشور
سواد او بہ مثل چوں سپہر مینا رنگ	ہوائے او بصفت چوں نسیم جاں پرور
کنارِ دجلہ ز ترکانِ سیمتن خلخ	میاں رجبہ ز خوبان ماہ رخ کشمر

[1] حکیم انوری بڑے رتبہ کا نجومی اور شاعر تھا۔ ۵۴۵ھ میں بمقام بلخ فوت ہوا۔ سلطان سنجر سلجوقی کی مدح میں قصائد یادگار ہیں۔ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۲۴۔

ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب	بران صفت کہ پراگندہ بر سپہر اختر
بر شبیہ باغ شود آسمان بہ وقت غروب	بہ شکل چرخ شود بوستان بوقت سحر
بوقت شام ہمی این بآں سپاردگل	بگاہ بام ہمی آں باین دہد اختر
شگفتہ نرگس بویا بہ طرف لالہ ستان	چنانچہ در قدح گوہریں مئے اصفر
بخاصیت ہمہ سنگش عقیق لولو بار	بہ منفعت ہمہ خاکش عبیر غالیہ بر
نوائے طوطی و بلبل، خروش عکہ وسار	ہمیں کنند خجل لحنہائے خنیاگر

جس باغ کی یہ بہار تھی اس کی خزاں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ہے زیارت گاہ مسلم گو جہاں آباد بھی	اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جسکے لئے سامان ناز	لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیب حجاز

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم
جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم

جس کے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی	کانپتا تھا جن سے روماان کا مدفن ہے یہی

(علامہ سر محمد اقبال ہندی)

بغداد کی تاریخ بقدر ضرورت لکھ دی گئی ہے۔ اور جو نقشہ بغداد کا البرامکہ میں دیا گیا ہے وہ بہت مکمل ہے جسکو سامنے رکھ کر بغداد کی پانسو برس کی تاریخ (قصر و ایوان و عمارات) پڑھی جا سکتی ہے۔

بغداد کے تاریخ کے بعد اب پھر خالد برمکی کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

۱۲- ابو العبّاس خالد برمکی

عہد ابو جعفر منصور و ابو عبد اللہ محمد مہدی

۱۳۶ھ لغایۃ ۱۶۳ھ
۷۵۴ء لغایۃ ۷۷۹ء

۱- خالد کی اصابت رائے کا ایک تاریخی واقعہ

تعمیر بغداد کے زمانہ میں روزانہ ہزاروں روپیہ کا خرچ تھا اور خزانہ معمور نہ تھا ایک دن منصور نے ابو ایوب الموریانی سے کہا کہ "کوئی ایسی تجویز پیش کرو کہ تعمیر کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے، اور خزانہ پر کثیر مصارف کا بار نہ پڑے" وزیر السلطنت نے عرض کیا کہ "سب سے زیادہ صرفہ اینٹوں کی تیاری میں ہوتا ہے، میری رائے میں نوشیرواں عادل کے محلات جو مدائن (ارض بابل) میں ویران پڑے ہیں، خصوصاً ایوانِ کسریٰ[1] کا قصر ابیض (سفید کوٹھی) توڑا جائے اور اس کے ملبہ (اینٹ، چونہ، لکڑی) سے بغداد کی تعمیر کی جائے تو لاکھوں روپیہ کی بچت ہو سکتی ہے۔"

---

[1] ایوان کسریٰ یا طاق کسریٰ شہر مدائن دار السلطنت نوشیرواں میں ایک عظیم الشان ایوان تھا جسکے اندر متعدد قصر تھے، اور یہ شاہی محل تھا اور بغداد سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع تھا، اس کا طول سو گز اور عرض پچاس گز تھا اور بلندی اسّی گز اور صحن کے اندر ایک چبوترہ تھا جو بیالیس ۴۲ گز طویل اور بیسٹھ ۶۲ گز عریض اور بائیس گز بلند تھا، پوری عمارت اینٹ و چونہ کی تھی، جس سے زیادہ خوبصورت اور بلند عمارت ملک محروسہ میں نہ تھی اسکو نوشیروان (۵۳۱ء لغایت ۵۷۹ء) نے تعمیر کیا تھا، اب یہ محل منہدم ہو گیا ہے، صرف ایک بڑی محراب باقی ہے جسکو خسرو پرویز (۵۹۱ء لغایت ۶۲۸ء) نے تعمیر کیا تھا۔ یہ محراب ایکسو بیس ۱۲۰ فٹ بلند ہے جنگ عظیم کے زمانہ میں دولت برطانیہ کی سپاہیوں کو دوپہر کے وقت اس محراب سے بہت آرام ملا (اس کا عرض بیاسی فٹ ہے) بحتری شاعر عرب اور خاقانی شروانی نے اس ایوان پر نہایت دلگداز نظمیں لکھی ہیں اب جسقدر عمارت باقی ہے وہ نوشیرواں کے حسن عمل کی یادگار ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

جزائے حسن عمل بیں کہ روزگار ہنوز + خراب می نکند بارگاہ کسریٰ را + از مراۃ البلدان ناصری و نزہت القلوب

منصور نے اس تجویز کو پسند کیا اور بسبیل تذکرہ خالد برمکی سے مشورہ کیا، خالد نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ امیر المومنین کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، خزانہ عامرہ میں کس چیز کی کمی ہے کہ شاہان عجم کی یہ عمارت برباد کی جائے (سچ ہے)

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ | آثار پدید ست صنادید عجم را

علاوہ بریں باعتبار فتوحات اسلام بھی ایوان کسریٰ آثار اسلام سے ہے جسکی شکل دیکھتے ہی ابتدائی زمانہ رسالت مآب کا یاد آتا ہے اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کا مصلیٰ تو اب تک موجود ہے، اور ان خصوصیات کے بعد نوشیرواں اور خسرو نے ایوان کو ایسا مستحکم بنایا ہے کہ اس کی ایک اینٹ بھی مسلم اپنی جگہ سے الگ ہوگی اور جسقدر رقم عمارت کے گرانے اور ڈھلائی ملبہ میں صرف ہوگی، اس سے کم مقدار میں نئی عمارت بن جائیگی۔ اس لئے میری رائے میں ایوان منہدم نہ کیا جائے۔"

منصور نے خالد سے بگڑ کر کہا کہ "تیرے آبا و اجداد مجوسی تھے انکی محبت ابتک تیرے دل میں باقی ہے، اس لئے تو نہیں چاہتا ہے کہ آتش پرستوں کے آثار دنیا سے مٹائے جائیں۔"

خالد بمقتضائے ادب خاموش رہا اور منصور نے تعمیر رصافہ کے زمانہ میں ایوان کی کھدائی کا حکم جاری کیا، ہنوز ایوان کا ایک حصہ (قصر ابیض) شکست ہوا تھا کہ خالد کی رائے کی تصدیق ہوگئی اور حساب دیکھنے پر معلوم ہوا کہ جس قدر رقم ڈھلائی ملبہ کی دی گئی ہے وہ اس لاگت سے زیادہ ہے جس سے نئی اینٹیں تیار ہو سکتی تھیں" اب منصور نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خالد سے کہا کہ اب میرا قصد ہے کہ ایوان مسمار نہ کرایا جائے۔"

یہ سنتے ہی خالد نے مکرر عرض کیا کہ "میں امیر المومنین کی اس رائے کا بھی مخالف ہوں اب کام بدستور جاری رہنا چاہیے اور ایوان کسریٰ گرا دیا جائے۔"

---

[۱] سعدی شیرازی کا مشہور شعر ہے۔ چو صیتش در افواہ دنیا فتاد ۔ تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد [۲] الفخری زنرۃ القلوب

[۳] ابوجعفر منصور نے برہم ہو کر کہا تھا۔ هيهات ! يا خالد ! ابيت الا الميل الى اصحابك العجم" برامکہ کے مجوسی ہونے کے یہ بڑی سند ہے۔ غلام کے حالات سے آقا ہی خوب واقف ہوتا ہے۔ طبری صفحہ ۳۲۰۔

منصور نے غضبناک ہو کر کہا کہ تیری یہ رائے بھی غلط ہے، خالد نے عرض کیا کہ امیر المومنین خدا کی قسم میری دونوں رائیں خیر خواہی کی بنا پر تھیں، میں نے اوّل انہدام ایوان سے اس لئے منع کیا تھا کہ ایوان ملوک عجم کی یادگار ہے جن کی سلطنت تو برباد ہو چکی ہے، لیکن انکی عظمت و شوکت کی مثال موجود ہے، اور یہ عمارت زبان حال سے بول رہی ہے کہ ملوک فارس اگرچہ زبردست تھے لیکن جس قوم نے ان پر فتوحات حاصل کیں وہ ان سے بھی زیادہ قوی تھی جس نے عجم کو تہ وبالا کر ڈالا، اور اس سے اسلام کی شان ظاہر ہوتی ہے اور اب میں جو کہتا ہوں کہ ایوان منہدم کر دیا جائے، اس میں یہ حکمت ہے کہ جب آیندہ نسلیں بنی ہوئی عمارت کے بعض حصّوں کو ٹوٹا ہوا دیکھیں گی تو کہیں گی کہ ایک وہ قوم تھی جس نے یہ مستحکم محل بنایا تھا اور دوسری وہ تھی جو بنی ہوئی عمارت کو بھی توڑ نہ سکی۔ حالانکہ عمارت کے بنانے سے اس کا گرانا بہت آسان ہے۔" اس معقول جواب سے منصور خاموش ہو گیا، لیکن ایوان کسریٰ کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔

۲۔ بیعت مہدی و خلع عیسٰی بن موسیٰ بن محمد بن علی

منصور، خالد کی اصابت رائے کا معتقد ہو چکا تھا لہٰذا اس نے بیعت مہدی کے معاملہ میں بھی خالد سے مشورہ کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ربیع الاول ۱۴۶ھ میں خلیفہ منصور[1] نے اپنے معزز بھتیجے عیسٰی بن موسیٰ کو جو عہد سفاح سے ابتک کوفہ کا والی تھا، معزول اور ولیعہدی سے خارج کر کے شاہزادے مہدی کے لئے بیعت لینا چاہی جو اس وقت ۲۵ سال کا تھا حالانکہ عیسٰی کو خود سفاح نے منصور کے بعد ولیعہد مقرر کیا تھا اور سند ولیعہدی سفاح نے اپنے قلم سے لکھکر اور مہر و دستخط کر کے عیسٰی کو سپرد کر دی تھی جس پر خاندانی اصحاب کے بھی دستخط تھے اور عیسٰی کا یہ مرتبہ تھا کہ مسند پر سفاح کے دائیں جانب بیٹھتا تھا اور منصور بائیں جانب، لیکن باوجود اس اعزاز اور معاہدے

[1] جہشیاری صفحہ ۱، ۲، ۳، کامل صفحہ ۲۱۴۔ طبری صفحہ ۳۳۱ واقعات ۱۴۷ھ و الفخری ۱۲

کے منصور کی نیت بدل گئی چونکہ معاملہ نہایت اہم تھا لہٰذا خالد سے مدد چاہی۔

خالد نے طبقۂ اعلیٰ کے تیس۳۰ اصحاب کو منتخب کیا، اور منصور کو ساتھ لیکر کوفہ روانہ ہوا اوّل منصور نے عیسیٰ کو سمجھایا کہ وہ خلع بیعت پر آمادہ ہو جائے، لیکن عیسیٰ اپنے استحقاق پر مستقل رہا، اور شرعی دلائل سے منصور کو ساکت کر دیا، تب منصور نے ناجائز سختیاں شروع کیں اور زہر بھی دیا گیا، لیکن پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی، اس کے بعد خالد نے عیسیٰ سے مشاہیر اصحاب کے سامنے گفتگو کی اور منصور سے آکر بیان کیا کہ درحقیقت عیسیٰ خلع بیعت پر آمادہ ہے جس کی تصدیق ان گواہوں سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس تصدیق پر منصور نے مہدی کے واسطے بیعت لینا شروع کی، دراصل یہ خالد کی حیلہ سازی تھی اور ایک روایت یہ ہے کہ کثیر رقم دیکر ولیعہدی کو منصور نے عیسیٰ سے خرید کر لیا، بہرحال عیسیٰ ولیعہدی سے معزول ہوا، اور مہدی باضابطہ ولیعہد مقرر ہو گیا، منصور نے خالد کا شکریہ ادا کیا اور اس کارگزاری کے صلہ میں منصور نے خالد اور اُس کی اولاد کے حق میں غیر معمولی احسان کیئے۔

۳۔ خالد اتالیق مہدی عباسی اس واقعہ کے بعد ہی خالد کو مہدی کا اتالیق مقرر کیا اور یہ ہدایت کی کہ "ہر جگہ خواہ بزم ہو یا رزم، مہدی کے ساتھ ساتھ رہے اور حصول تجربہ کے لئے رہے اور طبرستان[1] کی حکومت مہدی کے سپرد کر کے خالد کو ہمراہ کر دیا اور رخصت کے وقت خالد کو پھر سمجھایا کہ ہمیشہ مہدی کے پاس رہنا چونکہ مہدی کا عالم شباب تھا اس لئے دار الحکومت میں پہونچکر عیش اور طرب کے جلسوں میں پڑ گیا دن کو سیر و شکار اور رات کو بے تکلفی کے جلسوں سے دل

---

[1] طبرستان اور رے عراق عجم کے دو مشہور صوبے ہیں اور اُنکے دار السلطنت بھی اسی نام سے مشہور ہیں لیکن رے بہت قدیم ہے چنانچہ بلحاظ قدامت عرب رے کو ام البلاد و شیخ البلاد کہتے ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام نے اسکی بنیاد ڈالی تھی، لیکن عہد ہوشنگ منوچہر اور فریدوں میں روز بروز ترقی ہوتی رہی، اور زوال حکومت فارس کے بعد عہد اسلام میں مہدی عباسی نے اسکو خوب آباد کیا تھا۔ اب ویران ہے اور اسکے شمالی حصہ میں طہران آباد ہے، طغرل بیگ سلجوقی کا گنبد آثار قدیمہ میں سے آج تک باقی ہے۔ از جام جم و نزہۃ القلوب

بہلایا کرتا تھا۔ خالد نے مہدی کا یہ رنگ دیکھکر سمجھایا کہ صاحب عالم! امیر المؤمنین نے آپکو ولیعہد سلطنت کیا ہے، آپکے حاسد، دشمن، اور برابری کے دعویدار بہت ہیں اور اس مقام کی روانگی سے امیر المؤمنین کا یہ مقصد ہے کہ اُمورِ سیاست میں کامل دستگاہ حاصل ہو، اطراف عالم میں بلند اقبالی اور ملک گیری کی شہرت ہو اور دشمنوں کی نظروں میں عزّت اور وقار بڑھے اور یہی عمر کام کرنے کی ہے اگر اِس وقت کافی شہرت نہوئی تو آیندہ قوم اور ملک میں کیا اعتبار ہوگا؟ میری یہ عرض ہے کہ بندگان عالی فوج بھرتی کریں اور ملک کی آمدنی کا بڑا حصّہ فوج پر صرف کیا جائے، مالگذاری کے اُصول مرتب ہوں رعایا کے مقدمات میں عدل وانصاف سے تجاوز نہو، سرحدی مقامات پر دشمنوں کے حملہ کا انسداد کیا جائے اور جو راستے خطرناک ہیں اُن پر حفاظت کے لئے فوجی چوکیاں مقرر ہوں، دشمن کے عام حالات سے ہر وقت خبردار رہنا چاہئے اور جملہ اُمور ملکی کی امیر المؤمنین کو اطلاع ہوتی رہے، اور یہی بادشاہوں کے فرائض ہیں، جب اِن کاموں سے فرصت ملے تو سیر وشکار کا بھی مضائقہ نہیں، چونکہ خالد کی تقریر محبّت آمیز اور حکمت آموز تھی اِس لئے مہدی پر اُس کا اچھّا اثر پڑا، شکار کا جانا بھی کم ہوگیا اور اُمور سلطنت میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔

۴۔ **خالد کی فراست اور ذہانت**

ایک[1] دن کا واقعہ ہے کہ مہدی فوج کے ساتھ ایک جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، خالد بھی ہمراہ رکاب تھا کہ دور سے ایک قلعے کی بلندی معلوم ہوئی، مہدی نے قلعے کے اوپر جاکر نظارہ کرنا چاہا، چنانچہ مہدی مع اپنے منتخب سپاہیوں کے قلعہ کے اندر داخل ہوا ناگاہ شمال کی جانب سے گرد اُڑتی ہوئی نظر آئی، خالد نے مہدی سے کہا کہ غبار خالی از علت نہیں ہے کیا تعجب ہے کہ دشمن کے لشکر کی گرد ہو کیونکہ یہ آندھی کی علامت نہیں ہے اور ہوا کی معمولی رفتار میں اس وقت تک

[1] خالد برمکی کا یہ واقعہ ابن خلکان میں بھی تحریر ہے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ ابن خلکان کے نزدیک یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب ابو مسلم خراسانی و قحطبہ بن شبیب لطائی نے یزید بن عمر بن ہبیرۃ الفزازی عامل عراقین پر حملہ کیا تھا اور جہشیاری کی بھی یہی روایت ہے۔

کچھ اضافہ نہیں ہوا ہے یہ عبارت ضرور کسی رسالہ کا ہے اس لئے ہم کو ہوشیار رہنا چاہئے مہدی کو خالد کی باتیں تعجب انگیز معلوم ہوئیں لیکن بزرگ ناصح کے کہنے سے روانہ ہوا ایک فرسنگ طے کیا ہوگا کہ گورخر، ہرن، اور صحرائی جانور بھاگتے ہوئے نظر آئے خالد نے کہا کہ یہ صحرائی جانور کسی کے بھگائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں آگے بڑھے چلو، تھوڑی دور پہونچنے پر معلوم ہوا کہ لشکر دیالمہ لڑائی کے ارادہ سے آرہا ہے، مہدی نے واپس جانا غنیمت سمجھا۔ خالد نے بڑھکر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ شاہزادہ عالم یہی تو لڑائی کا موقع ہے، دشمن کی فوج منزل مارے ہوئے آرہی ہے، ہر ایک سپاہی تھکا ماندہ، بھوکا، پیاسا ہے، ہماری فوج اگرچہ حریف کے مقابلہ میں کم ہے لیکن تازہ دم اور دھاوے کے قابل ہے سب کو جمع کر کے حملہ کر دینا چاہئے انشاء اللہ فتح ہمارے ساتھ ہے اور بغیر مقابلہ واپس جانے میں علاوہ بدنامی کے غنیم کو جرأت ہوگی اور اگر تھوڑا سا بھی وقفہ مل گیا تو پھر مقابلہ مشکل ہوگا، چنانچہ مہدی نے فوراً حملہ کر دیا، میدان میں تلواریں چمکنے لگیں، تھوڑی دیر میں دیالمہ کو شکست ہوئی، اکثر ہلاک ہوئے اور کسی قدر گرفتار، میدان مہدی کے ہاتھ رہا اور بے شمار غنیمت ہاتھ لگی جس میں سے منتخب چیزیں خالد کو عطا کیگئیں اور امیر المؤمنین کے حضور میں اس واقعہ کی ایک عرض داشت مہدی نے اپنے قلم سے لکھکر روانہ کی۔ اس معرکہ کے بعد سے خاندان عباسیہ کو آل برمک سے خاص محبت ہوگئی اور خالد برمکی منصور و مہدی کی نظر و نمیں معزز و ممتاز ہوتا جاتا تھا بلکہ تاریخی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ آیندہ استحکام خاندان برامکہ کا باعث ہی مہدی عباسی ہے چونکہ خلیفہ منصور خالد کی عاقلانہ کارروائیوں سے نہایت خوش تھا اس لئے ۱۴۵؁ھ[1] میں خالد کو نہایت[2] ذمہ داری کا کام یعنی موصل کی گورنری مرحمت ہوئی۔

موصل کی حکومت کیونکہ اس صوبہ میں اکراد (قبائل کرد)[3] نے نہایت شورش پھیلا رکھی تھی چنانچہ خالد نے اپنی عاقلانہ کوشش سے کل انتظام کر دیا اور کردستان میں جو

[1] کامل اثیر صفحہ ۲۱۷ جلد ۵ [2] صفحہ ۹ جلد ۶ کامل اثیر [3] آج بھی کردوں کی یہی حالت ہے۔

Marfat.com

بغاوت ہو رہی تھی اُس کو رفع کیا یہ زبردست معرکہ تھا اس میں تین لاکھ کردتھے جنمیں سے ۶۰ ہزار میدان جنگ میں قتل ہوئے اور جو قید ہوئے وہ جداگانہ، اس انتظام کے بعد خالد واپس آیا چونکہ قائم مقامی کی کارروائی میں خالد نے نیک نامی حاصل کی تھی اس وجہ سے منصور کو خالد کا خیال تھا۔ ۱۵۸ھ میں جب موسیٰ بن کعب گورنر موصل نے سرکشی کی تو خلیفہ نے اُسکی معزولی کا حکم صادر فرمایا اور شہزادہ مہدی کو حکم دیا کہ تم رقہ کو موصل ہو کر روانہ ہو اور موسیٰ کو گرفتار کرکے اُس کی معزولی کا اعلان کرو مگر عام طور پر یہ شہرت ہو اور بظاہر بیت المقدس کی روانگی معلوم ہو چنانچہ مہدی نے ایسا ہی کیا اور کل احکام کی تعمیل کرکے واپس ہوا لیکن اکراد کی شرارتوں کی متواتر خبریں پہنچ رہی تھیں اس لئے اب ایک عاقل اور منتظم حاکم کی ضرورت تھی منصور نے ارکان سلطنت سے پوچھا کہ موصل کی گورنری کے قابل کون شخص ہے، مسیب[۱] بن زہیر نے کہا کہ میرے نزدیک خالد برمکی سے بڑھکر کون ہوسکتا ہے، منصور نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خالد کو مقرر کروں کیونکہ ابھی[۲] ایک معاملے میں وہ ماخوذ ہے۔ اور تیس[۳] لاکھ درہم اُس کے ذمّہ واجب الادا ہیں اور جس کی میعاد صرف تین یوم ہے اگر اندر میعاد داخل نہ ہوئے تو اُس کو سزا دی جائیگی، لیکن مسیب نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ میں خالد کی ضمانت کرتا ہوں، تب دوسرے دن خالد منصور کے سامنے پیش ہوا اور یحییٰ ابن خالد کی کوشش اور عمارہ بن حمزہ کی فیاضی سے کل روپیہ بھی داخل خزانہ ہوگیا، اور بقیہ تین لاکھ خلیفہ نے معاف کر دیا اور موصل کی گورنری کا فرمان خالد کو مل گیا، چنانچہ خالد نے پہونچتے ہی تمام فساد اور ہنگامے رفع کر دیئے اور ملک کو اپنے احسانات اور انتظامات سے فرمانبردار بنالیا، اُس وقت سے منصور کی وفات تک برابر خالد موصل کی گورنری[۴] پر مقرر رہا اور خلیفہ منصور کا یہ حسن سلوک خالد تک محدود نہ تھا، بلکہ اُس کے فرزند یحییٰ برمکی کو بھی بڑے

۱؎ طبری صفحہ ۳۸۲ ۲؎ کامل میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ لیکن اور تاریخوں سے پایا جاتا ہے موصل کی گورنری پر ۱۵۸ھ تک خالد مقرر رہا ۳؎ یہ واقعہ صوبہ فارس کے متعلق ہے طبری صفحہ ۳۸۱ ۴؎ کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۶

بڑے صلے اور انعام ملا کرتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ ملکی عہدے بھی ملنے لگے۔

۶۔ خالد اور صوبہ رے کی حکومت منصور خالد کی انتظامی قابلیت اور عقل ورائے کا تجربہ کر چکا تھا، لہٰذا اس نے دیوان الخراج کی خدمت سے صوبہ کی ولایت (گورنری) پر بھیج دیا اور حکومت رے[1] کی سند مرحمت کی، اور اس بڑے صوبہ کے ساتھ طبرستان اور دنباوند کی حکومت کا بھی اضافہ کیا گیا، چنانچہ خالد نے طبرستان کو اپنا صدر بنایا اور اپنے بیٹے یحییٰ برمکی کو بطور نائب رے میں تعینات کیا، چنانچہ یحییٰ رے میں تھا کہ منصور نے ولیعہد مہدی کو یہ صوبہ سپرد کیا کہ وہ سلطنت کا تجربہ حاصل کرے، چنانچہ اس تقریب سے یحییٰ کو بھی مہدی کی خدمت گزاری کا موقع ملا اور خالد مسلسل سات سال کے بعد فارس کی ولایت پر تبدیل کیا گیا اور یحییٰ برمکی کو آذربائجان کی گورنری مرحمت ہوئی۔

۷۔ ولایت فارس ابو ایوب[1] موریانی وزیر السلطنت کو خالد سے ولی عداوت تھی اور اُس کا خیال تھا کہ خالد اگر بغداد میں رہا تو وہ ضرور وزیر ہو جائیگا۔ لہٰذا اس نے رے سے فارس[2] کا تبادلہ کیا اور وہ ہر وقت خالد کی شکایتیں منصور سے کیا کرتا تھا، خالد ۲ سال تک فارس میں رہا، چنانچہ قیام فارس کے زمانہ میں ابو ایوب نے خالد پر سرکاری رقم کے تغلب کا مقدمہ چلایا اور اس پر تین لاکھ درہم کا مطالبہ قائم کیا، اور خالد جوابدہی کے واسطے بغداد میں طلب ہوا مطالبہ جائز تھا یا ناجائز اسے کون سنتا ہے خالد نے سات لاکھ دینار جو اُس کے پاس موجود تھے پیش کرنا چاہے لیکن یہ رقم قبول نہوئی اور حکم ہوا کہ پورا مطالبہ بیباق کیا جائے چنانچہ صالح (صاحب المصلی) اور مبارک ترکی نے نقد اور خیزراں (بیگم مہدی) نے دو لاکھ درہم کا ایک قیمتی زیور بھیجدیا منصور کو جب معلوم ہوا کہ خالد کے پاس سات لاکھ کے سوا کچھ نہیں ہے اور بقیہ رقم دوستوں نے فراہم کردی ہے تو کل مطالبہ معاف کردیا۔ وزیر السلطنت کو یہ معافی نہایت گراں گزری اور اُس نے ایک[3] جہبذ (ساہوکار) کو بلا کر اپنے پاس سے روپیہ دیا کہ خالد کے نام سے ہی کھاتہ

[1] جہشیاری صفحہ ۸۰، [2] کامل اثیر صفحہ جلد ۶، [3] جہشیاری صفحہ ۵۲ [4] یہ پہلا موقع ہے کہ تاریخ اسلام میں جہبذ کا لفظ آیا ہے جہبذ

میں درج کر لو اور دریافت حال ہونے پر اقرار کر لینا' اس فریب کاری کے بعد وزیر نے منصور سے اطلاع کی کہ خالد کی کثیر رقم فلاں دوکان میں جمع ہے۔ منصور نے ساہوکار کو طلب کر کے پوچھا اس نے اقرار کیا اس کے بعد منصور نے خالد سے دریافت کیا تو اس نے خدا کی قسم کھا کر بیان کیا کہ میں نے ساہوکار کے پاس کچھ روپیہ جمع نہیں کیا ہے اور نہ اسکو پہچانتا ہوں۔

اس کے بعد منصور نے دوسرے طریقہ سے تحقیقات کی تو ساہوکار نے جان کی امان مانگ کر صحیح حال بیان کر دیا۔ منصور نے وزیر سے پھر کچھ نہیں کہا، اور آیندہ کوئی شکایت خالد کی سماعت نہیں ہوئی لیکن اسی قسم کی بداعمالیاں ابوایوب کے زوال کا باعث ہوئیں۔

۸۔ طرز حکومت حکومت میں خالد کا طرز عمل منصفانہ تھا جور و ظلم یا جبر و ستم مزاج میں پاس نہ آتا تھا، باوجود اس کے حکومت میں شان و شوکت کا جلوہ نظر آتا تھا،

احمد[1] بن محمد سوار المصلی کا قول ہے کہ میں نے خالد سے زیادہ کسی کو ہیبت والا نہیں دیکھا کوئی ایسا نہ تھا جس کے دل میں خالد کی ہیبت نہو ابن خلکان[2] نے بروایت ابوالحسن مسعودی لکھا ہے کہ یحیی عقل و رائے میں فضل فیاضی میں جعفر کتابت و فصاحت میں محمد عیش پسندی و ہمت میں موسیٰ شجاعت و ہیبت میں مشہور تھا اور خالد جامع صفات تھا، مصنف الفخری[3] کا قول ہے وکان خالد بن برمك من رجال الدولة العباسية فاضلاً جليلاً كريماً حازماً يقظاً استوزره السفاح مورخ جہشیاری لکھتا ہے کان خالد بن برمك سخيا جليلاً سريًا نبيلاً كثير الاحسان، صحيح العقل، سديد الرائ،

بقیہ صفحہ ۱۴۸ آجکل اصطلاح میں سیٹھ ساہوکار اور بینکر کو کہتے تھے جو ذریعہ ہنڈی سرکاری صوبوں کا خراج صدر خزانہ میں داخل کرتا تھا اور کل امرا اپنی آمدنیاں جہبذ کے پاس جمع کرتے تھے یہ کام تجارتی اصول پر ہوتا تھا اور عموماً یہ عیسائی ہوتے تھے یا یہودی اور ہنڈی کا ترجمہ عربی میں سفتجہ ہے جہشیاری نے ایک دوسری جگہ اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

[1] کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۶-۱۲

[2] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ حالات یحیی برمکی۔

[3] الفخری صفحہ ۱۲۹۔

۹۔ خالد کا علم وفضل وملکی اقتدار خالد کے فضل وکمال، علم ورائے، تدبیر وشجاعت، شوکت وعظمت کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے، جس شخص نے خلافت عباسیہ میں اپنی اولاد کے واسطے امارت ووزارت بلکہ سلطنت کا اعزاز قائم کیا وہ یہی خالد برمکی ہے، خالد کی خداداد قابلیت کا اندازہ صرف اسی سے نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی بڑی جاگیروں کا والی تھا، بلکہ اپنے خاندان اور اولاد کو اپنے ہی دور حکومت میں معزز عہدوں پر پہنچا دیا تھا، جس طرح خود مہدی عباسی کا اتالیق تھا اسی طرح انتظاماً ہارون الرشید کے لئے اپنے بیٹے یحییٰ کو اتالیق مقرر کرا دیا تھا کیونکہ یہی شہزادہ آگے چل کر تاج وتخت کا وارث ہونیوالا تھا چنانچہ اس خیال کا نتیجہ یحییٰ کے حق میں نہایت مفید ہوا خلیفہ سفاح بھی خالد کی بڑی عزت کرتا تھا اور خالد کا اقتدار اسی زمانہ میں عروج پر پہنچ گیا تھا۔[1]

۱۰۔ ابوجعفر منصور کا اخیر حج اور موت خلفائے بنو امیہ اور عباسیہ حج کے وقت خاص اہتمام کرتے تھے اور بڑی شان وشوکت سے حج کو جاتے تھے اور پہلے سے اعلان کیا جاتا تھا، چنانچہ روانگی سے قبل اطراف وجوانب سے قافلے دارالخلافہ میں جمع ہونے شروع ہوتے تھے۔

منصور نے ۱۵۸ھ میں جب حج کا اعلان کیا تو عراق وغیرہ سے قافلے آکر باب الکوفہ کے میدان میں جمع ہو گئے، حجاج سواری کے اونٹوں کی ہودج اور عماریوں کو خوب سجاتے تھے، جنکے قبوں پر دیبا اور حریر چڑھا ہوتا تھا۔ (منصور کا یہ پانچواں حج تھا)

زادِراہ کے لئے خشک میوے، تر کھجوریں، میٹھے کلچے، خبیص (گھی اور چھوارے کا مالیدہ) اور پانی کے مشکیزے ساتھ ہوتے تھے، امیر حج (ناظر قافلہ) کا اونٹ نہایت شاندار ہوتا تھا اور اس کی آرایش دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، یہ امتیاز اس لئے تھا کہ دور سے ہر حاجی کو نظر آجائے۔ امیر حج کا فرض تھا کہ وہ جماعت کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھے حاجیوں کے

---

[1] کامل اثیر جلد ۶۔ الفخری مقریزی، ماوردی، مسعودی جلد اول ودوم آغانی جلد ۹، المستطرف ابوالفدا جلد اول عقد الفرید ۱۲

مال واسباب کی حفاظت کرے اور ایسے راستہ سے قافلہ کو لیجائے جس میں پانی اور چارہ افراط سے ہو اور حاجیوں کو حج کی تاریخ سے قبل مکہ پہنچا دے اور راستہ میں جو معاملات پیش آئیں ان کا فیصلہ کرے (یہ مجسٹریٹی اختیارات واپسی حج تک قائم رہتے تھے)

ابو جعفر منصور کی سواری میں سفید ہاتھی تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عرب خلیفہ ہاتھی پر سوار ہو کر حج کو روانہ ہوا — عماری پر سیپ کا کام تھا اور طلائی نقش و نگار خلیفہ کے دائیں ہاتھ میں عصائے خلافت تھا اور رنگین جبہ پہنے ہوئے تھا اور اس کے اوپر سبز چادر بنوی تھی جس کو منصور نے اہل ایلہ سے تین سو دینار میں خرید کیا تھا۔ ابو جعفر کا گندمی رنگ تھا نحیف الجثہ، گال پچکے ہوئے، آنکھیں بڑی بڑی، اونٹ کے بالوں کے سیاہ رنگ کی ٹوپی اور نہایت قیمتی۔ چہرہ سے شاہانہ عظمت نمایاں تھی۔

حفاظت قافلہ کے لئے فوج ہمراہ تھی، جسکے علم سیاہ تھے، سورج بلند ہوتے ہی قافلہ میں بوق (تانبے کی بڑی لانبی ترہی) بجتا تھا۔ جس کی ہولناک آواز سے حاجی روانگی کے لئے تیار ہوتے تھے خلیفہ کا ہاتھی سب سے آگے چلتا تھا، اس سفر میں بیگمات اور دیگر خواتین بھی تھیں۔ ولیعہد مہدی مشائعت کے لئے قصر عبدویہ (بغداد سے دو یوم کی مسافت) تک آیا منصور نے خدا جانے کس خیال سے مہدی کو ایک طویل وصیت کی (جو تاریخوں میں درج ہے) اور گلے لگا کر رخصت کیا اس وصیت میں سیاسی مسائل بھی تھے مثلاً یہ کہ خراسانیوں کے ساتھ بقدر امکان مراعات کرنا۔ قبیلہ بنی ہاشم سے اعانت نہ چاہنا کیونکہ وہ اہل بیت کے طرفدار ہیں۔ یہ قافلہ کوفہ تک پہنچا تھا کہ منصور علیل ہو گیا اور ہنوز مکہ معظمہ تین میل تھا کہ منصور کا انتقال ہو گیا یہ واقعہ ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کا ہے اسوقت ۶۵ برس کی عمر تھی اور حکومت کرتے ہوئے بائیسواں سال تھا۔ مکہ معظمہ میں تجہیز و تکفین ہوئی عیسیٰ بن موسیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی ثنیۃ العلاۃ میں دفن ہوا

۱۱ منصور کی مختصر سیرت

خلفائے عباسیہ میں منصور کا شمار مدبرین میں تھا۔ بیدار مغز، ہوشیار اور کفایت شعار تھا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ انتقال کے

وقت اپنے ولیعہد کیلئے خزانہ میں ۸۱ کروڑ لاکھ ساٹھ ہزار درہم نقد علاوہ جواہرات اور دیگر سامان کے چھوڑ گیا۔ منصور کے عہد میں بھی والیان صوبہ مختلف ذرائع سے ناجائز رقمیں جمع کر لیتے تھے اس دولت کا ایک حصہ ساتھ رہتا تھا اور بہت زیادہ رقم جہبذ کے یہاں جمع کرائی جاتی تھی اور قدم قدم پر جاسوس مقرر تھے۔ جب صحیح واقعات معلوم ہوجاتے تھے تو صوبیداروں کے کل مال منقولہ کی قرقی کر کے مال ضبط کر لیا جاتا تھا اور یہ رقم خزانہ عامرہ کے علاوہ "بیت مال لمظالم" میں جمع کی جاتی تھی اور ان رقومات منضبطہ کا جمع خرچ بالکل الگ رہتا تھا منصور کے وقت تک اس خزانہ میں لاکھوں روپیہ جمع تھے چنانچہ عالم سکرات میں یہ وصیت کی کہ مہدی میرے بعد جملہ رقم عمال اور والیان ملک کو تقسیم کر دے تاکہ مہدی اطمینان سے حکومت کرے اور ملک میں ہر دلعزیزی پیدا ہوجائے اس سخت گیری سے یہ غرض تھی کہ والیان صوبہ سرکش نہ ہوجائیں اور پھر انکی معزولی محال ہو۔"

منصور نے لگان میں بجائے وصولی نقدی کے مقاسمہ (پیداوار غلہ کی مناسب شرحوں سے تقسیم) کا عمل جاری کیا تاجروں سے چنگی وصول کی۔ صبح کو نماز اور ضروریات سے فارغ ہو کر دیوان عام میں آکر سرکاری کاغذات دیکھنا شروع کرتا تھا۔ خالد برمکی اور دیگر ارکان دولت حاضر رہتے تھے اس کے بعد فوج کے معالات طے کرتا تھا، نماز عصر کے بعد محل سرا میں جاتا تھا یہاں اس کے بزرگ بھی موجود ہوتے تھے جن سے بشرط ضرورت صلاح ومشورے کرتا تھا، نماز عشاء کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا تھا (کھانوں کی تفصیل کسی دوسری جگہ بیان ہوگی) کھانے سے فراغ کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر کل ملک محروسہ کی ڈاک دیکھتا تھا جو تمام دن جمع ہوتی رہتی تھی، اس وقت بھی خالد کو شرف حضوری حاصل ہوتا تھا سرکاری کام طے کرنے کے بعد خوابگاہ میں چلا جاتا تھا جہاں عرب کے قصہ گو اور شعراء حاضر ہوتے تھے۔ کچھ دیر کی لطفِ صحبت کے بعد یہ لوگ چلے جاتے تھے۔

منصور کی فوج آلات حرب سے ہر وقت مکمل رہتی تھی۔ حجاز میں مکہ، اور یمن سرحد ہند

پر بحرین عراق میں بغداد کوفہ بصرہ اور مصر و شام موصل آرمینہ اور آذربائجان فوجی مرکز تھے
ہر مرکز (چھاؤنی) میں ضرورت کے مطابق سوار اور پیادے رہتے تھے، افسر اکثر ایرانی تھے۔
عرب کمتر۔ بغداد کی حفاظت کے لئے قلعہ رفیقہ میں کافی فوج رہتی تھی یہ قلعہ فرات کے کنارہ
تھا اس کے عہد میں یونانی علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوئیں (تفصیل آیندہ لکھی جائیگی)
اور مذہبی علوم کی بنیاد پڑی۔ عجمی تمدن کا رواج ہوا، خصوصاً لباس، مذہب میں راسخ العقیدہ
تھا، سادات کرام، وزیر موریانی کے مشورہ سے قتل بھی ہوئے اور جیل میں بھی داخل کیے
گئے، اور یہ واقعات اس زمانہ کے ہیں جبکہ خالد مفصلات میں تھا۔ حرم میں تین بیبیاں تھیں
اور صرف تین کنیزیں۔ نماز عید کو شاہانہ تزک سے نکلتا تھا، سواری میں خچر ہوتا تھا جو نقرئی
زیورات سے آراستہ ہوتا تھا۔ اولاد میں محمد المہدی، جعفر اکبر، سلیمان، عیسیٰ، یعقوب، جعفر
اصغر، صالح المسکین، قاسم اور ایک بیٹی عالیہ تھی۔

۱۳۔ ابو عبد اللہ محمد المہدی تیسرا عباسی خلیفہ

۱۵۸ھ ۷۷۵ء لغایت ۱۶۹ھ ۷۸۵ء

خلیفہ المنصور کے انتقال پر ذی الحجہ ۱۵۸ھ (اکتوبر ۷۷۵ء) میں ابو عبد اللہ محمد المہدی
تخت نشین ہوا جسکی بیعت کی تکمیل منصور نے اپنی حیات میں کر دی تھی۔ منصور کی وفات
پر ربیع بن یونس حاجب نے بیعت کی تجدید کی۔

۱۔ خالد کی خدمات عہد مہدی میں

مہدی نے بھی[1] اپنے عہد میں خالد برمکی کو صوبہ فارس کی
حکومت پر مقرر کیا تھا چنانچہ خالد نے اس صوبہ کا مالی
انتظام (بندوبست اراضی) کیا۔ اور نوشیرواں کے عہد سے درختوں (ہر درخت پر ایک خاص

---

[1] جشیاری صفحہ ۱۳۸ و ۱۸۸

ٹیکس تھا)، پر جو محصول لیا جاتا تھا وہ یک قلم معاف کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رجب سنہ ۱۶۳ھ (مارچ سنہ ۷۷۹ء) میں جب مہدی[1] نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ تو ہارون الرشید کو سپہ سالار مقرر کیا۔ ایک لاکھ فوج ہمرکاب تھی اور خالد برمکی کو بہ حیثیت مشیر اعظم ہمراہ کیا اور فوجی تجربہ کاروں میں حسن بن قحطبہ، ربیع حاجب، اور حسن و سلیمان برمکی (برادران خالد) بھی ساتھ کئے گئے۔ یحیٰی برمکی کے ذمہ مراسلت اور حساب (مصارف لشکر) کا کام سپرد کیا گیا۔ یہ مہم کامیاب واپس آئی۔ لیکن دوسرا معرکہ جو جمادی الثانی سنہ ۱۶۵ھ (۲۱ جنوری سنہ ۷۸۱ء) میں ہوا یہ پہلے سے[2] زیادہ سخت تھا اس جہاد میں بھی یحیٰی برمکی شریک تھا مجاہدین کی تعداد ۹۵۹۳۰ ہزار تھی۔ ہرون الرشید کی عمر اسوقت ۱۸ سال کی تھی لیکن وہ مجاہدانہ لڑتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہونچ گیا۔ راستہ کے قلعے اور فوجی چھاؤنیاں برباد کر دیں۔ بعض عمال نے نذرانے دیکر صلح کر لی اور اپنے شہروں کو تباہی سے بچایا۔ اس رقم کی تعداد ۱۹۳۴۵۰ دینار اور ۲۱۱۴۰۸۰۰ درہم تھی۔ مال غنیمت میں ایک لاکھ گائیں اور بکریاں آئیں اور یہ سب خوراک میں صرف ہوئیں۔ اور ایک گھوڑا چار آنہ اور خچر ڈھائی روپیہ میں بک گیا۔ زرہیں درہم سے کم میں فروخت ہوئیں۔ بہترین قسم کی ۲۰ تلواریں بھی چار آنہ میں بکیں تھیں۔ میدان کارزار میں ۵۴ ہزار یونانی قتل ہوئے اور پانچ ہزار گرفتار۔ پھر ان قیدیوں میں سے دو ہزار اور قتل کر دیئے گئے۔ ملکہ ایرینی نے اپنے یتیم بچہ کو پیش کر کے ستر ہزار دینار سالانہ خراج پر صلح کر لی، واپسی پر راہ نما ساتھ کئے گئے۔ اور فوج کو یونانی سرحد تک رسد دی گئی

---

[1] طبری از صفحہ ۴۹۴

[2] طبری صفحہ ۵۰۳۔ تاریخ تمدن جرجی زیدان، تاریخ خلافت سر ولیم میور صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۴ء و تاریخ گبن حالات جہاد قسطنطنیہ۔

۱۴- ابوالفضل یحییٰ بن خالد برمکی

۱- ولادت | خالد برمکی کا نامور اور بلند اقبال بیٹا یحییٰ برمکی ہشام بن عبدالملک کے عہد سلطنت (اخیر ۱۱۹ھ / ۷۳۷ء یا آغاز ۱۲۰ھ / ۷۳۸ء) میں پیدا[1] ہوا تھا۔ جس زمانہ میں اس خوش نصیب کی ولادت ہوئی اُس وقت خالد کی کیا حالت تھی، یہ ظاہر کرنا مشکل ہے؟ اس لئے کہ سفاح عباسی کے دربار میں خالد برمکی کا زمانہ ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور سلیمان بن عبدالملک کا عہد حکومت، جس میں یحییٰ کا دادا جعفر برمکی دمشق میں آیا تھا، ۹۹ھ / ۷۱۷ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ یحییٰ کا زمانۂ طفولیت تنگدستی میں گزرا ہوگا۔ کیونکہ خالد کو دولت امویہ میں اسوقت تک کوئی اعزاز حاصل نہیں تھا۔ اور ۱۰۱ھ / ۷۱۹ء سے امام محمد بن علی عباسی کی تحریک خلافت شروع ہوگئی تھی۔ اور نوبہار کا علاقہ اس سے بہت پہلے قبضہ سے نکل چکا تھا لیکن ولادت سے ۱۴ یا ۱۵ برس بعد کا زمانہ یحییٰ کے حق میں نہایت مبارک تھا۔

۲- طفولیت | اس زمانہ میں ابوسلمۃ الخلال کے قتل پر خالد برمکی، سفاح کا وزیر مقرر ہوچکا تھا اور منصور عباسی کے زمانہ میں ابتدائی وزارت، اس کے بعد دیوان الخراج اور صوبجات کے ممتاز عہدے سرمایۂ دولت تھے۔

۳- تعلیم و تربیت | تاریخوں میں یحییٰ کے اساتذۂ فن کی تصریح نہیں ہے۔ تاہم وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ علمی روشنی اس زمانہ میں پھیل گئی تھی، دربارِ خلافت میں علما اور مجتہدین فن موجود تھے، اس لئے یحییٰ کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی ہوگی اور یحییٰ کے جسقدر حالات کتابوں میں ہیں اُن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خالد برمکی نے جمیع علوم و فنون کی

---

[1] یحییٰ برمکی کا سن ولادت کسی تاریخ سے نہیں معلوم ہوا۔ لیکن تمام مستند مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ۱۹۰ھ ہجری میں ۷۰ برس کی عمر میں یحییٰ نے انتقال کیا اس لئے سنہ ولادت اخیر ۱۱۹ھ یا آغاز ۱۲۰ھ سمجھنا چاہیئے۔

اپنے ہونہار بیٹے کو تعلیم دلائی تھی، اور خاندانی نصاب بھی پڑھایا گیا ہوگا جو حکیم جاماسپ کا مرتبہ تھا۔ خصوصاً علم ادب، نجوم اور سیاست میں یحییٰ کا کمال مورخین کو تسلیم ہے۔

۴۔ یحییٰ کا سنِ رشد اور ملکی اعزاز

جب یحییٰ کے شباب کا دور آیا اُس وقت خالد برمکی حکومت عباسیہ میں کمال اقتدار رکھتا تھا اور ابو جعفر منصور نے خالد کی کارگزاریاں دیکھکر اُس کو موصل کا والی (گورنر) کر دیا تھا۔ اور اُسی زمانہ میں خالد کے استحقاق پر نظر کر کے یحییٰ کو بھی محرم (۱۱ر نومبر ۷۷۴ء) ۱۵۸ھ میں آذربائیجان کا حاکم مقرر کیا۔ یہ پہلا مستقل عہدہ تھا جو یحییٰ برمکی کو دیا گیا۔ عہدِ منصور میں تو صرف اسی قدر ترقی ہوئی، لیکن مہدی عباسی کا عہدِ حکومت یحییٰ کے حق میں دورِ ترقی تھا۔ یہ خلیفہ اُمور سلطنت میں ہمیشہ خالد کی رائے پر چلتا تھا۔ اس لئے خالد نے کمال دور اندیشی سے یحییٰ کو ہارون الرشید کا اتالیق مقرر کرایا۔ اور یحییٰ کی یہ اتالیقی خاندانِ برامکہ کے آیندہ عروج و استحکام کا باعث ہوئی اور خلافتِ عباسیہ میں برامکہ کی اتالیقی اب موروثی کے درجے پر پہونچنے والی تھی۔[۱]

۵۔ یحییٰ اتالیق ہارون الرشید

ہارون الرشید نے بچپن سے یحییٰ کی گود میں پرورش پائی تھی، اس لئے یحییٰ سے بہتر دوسرا اتالیق ہونا مشکل تھا۔ اور ہارون کی سیاسی اور علمی قابلیت کا سبب بھی یہی تھا کہ اُس نے یحییٰ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ اور خلافت عباسیہ میں منصور سے ہارون تک جسقدر خلیفہ ہوئے ہیں اُنکی اولاد کی عام نگرانی اور اتالیقی برامکہ کے سپرد رہی۔ خلفائے بنی اُمیہ کا دستور تھا کہ وہ اپنے شاہزادوں کو قبائل عرب میں بھیج دیتے تھے، تب اُن کو فصیح عربی اور برجستہ گوئی آتی تھی لیکن یہ برامکہ اور علمائے عصر کی فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا کہ ہارون اور اُسکے بیٹے مامون و امین گھر بیٹھے فصیح و بلیغ بن گئے تھے۔ یحییٰ برمکی، ہارون کا ایسا اتالیق

۱۔ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر۔ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۱

تھا کہ خواہ بزم ہو یا رزم کبھی جدا نہ ہوتا تھا۔ مجلسوں میں بیٹھتا تو ادب، لڑائی میں جاتا تو فنون جنگ سکھاتا۔

مہدی نے جب ہارون کو حدود مغرب، آذربائیجان، اور آرمینیہ کی حکومت سپرد کی تو خاص قابلیت کے اصحاب ہمراہ کیے۔ اُن میں ثابت بن موسیٰ کو کاتب الخراج اور یحییٰ برمکی کو کاتب الرسائل مقرر کرکے بھیجا تھا۔[1]

ہارون الرشید جب عالم شباب پر پہونچا اُسوقت یحییٰ برمکی چہل سالہ ہو چکا تھا۔ اور اس زمانہ تک یحییٰ نے خالد برمکی کے حیات میں دربار عباسی کی جو ملکی خدمات انجام دی ہیں وہ لکھی جا چکی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں اپنے بڑے بیٹے ابو محمد موسیٰ (الہادی) کے بعد ابو جعفر ہارون کے لئے فوج سے بیعت لی اور اُسکو الرشید کا خطاب عطا کیا اور روایات کی بناء عیسیٰ بن موسیٰ، ولی عہدی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ دونوں بھائیوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لہذا چند سال کے تجربہ کے بعد مہدی نے اپنی سابقہ رائے کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ہادی کو ولیعہدی سے ہٹا کر رشید کو مقدم کر دیا جائے اور رشید کے بعد ہادی کی خلافت کا آغاز ہو۔ چنانچہ اس خیال کی تکمیل کے لئے مہدی نے جرجان[2] کا سفر کیا، جہاں اس وقت ہادی حکمراں تھا۔ (سلطنت کا کام سکھانے کے لئے ہادی اور رشید کو صوبے تقسیم کر دیئے گئے تھے) لیکن ماسبذان[3] تک پہنچا تھا کہ شب پنجشنبہ ۲۲ محرم ۱۶۹ھ

---

[1] طبری صفحہ ۵۰۰ و ۵۲۲ وجہشیاری حالات مہدی عباسی [2] جرجان مابین طبرستان و خراسان ایک آباد شہر تھا، جسکو یزید ابن مہلب بن ابی صفرہ نے آباد کیا تھا۔ خاک جرجان سے مشاہیر اہل علم پیدا ہوئے ہیں جسکی مستقل تاریخ لکھی گئی ہے معجم یاقوت صفحہ ۷۹ جلد ۳ [3] ماسبذان کا صحیح نام ماہ سبذان ہے۔ ایران میں متعدد شہر ماہ سے منسوب ہیں۔ مثلاً ماہ دینار، ماہ نہاوند، ماہ بہراذاں، ماہ شہریاراں اور ماہ بسطام وغیرہ۔ فارس کے کوہستانی علاقہ بلاد الجبل کا ماسبذان بھی ایک مشہور شہر ہے۔ دینور (دین آور) اور اصفہان کے مابین واقع تھا معجم صفحہ ۲۶۳ جلد ۷

(۴؍اگست ۷۸۵ء) کو یکایک مہدی کا انتقال ہوگیا۔ یہ موت مشتبہ ہے، غالباً ہادی نے اُسکو زہر دلوایا جسکی تصدیق طبری اور مسعودی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ مہدی نے ماسبذان سے ہادی کے پاس (بمقام جرجان) ایک قاصد بھیجا تھا جسکے ہمراہ چند غلام بھی تھے، لیکن ہادی نے غلاموں کو تو باریابی کا موقعہ ہی نہیں دیا اور قاصد کو پٹوا کر نکال دیا۔

اس زمانہ میں مہدی شکار میں مصروف رہا۔ ایک دن شکار سے واپس آیا تھا کہ ایک کنیز کے ہاتھ سے امرود لیکر کھایا، وہ زہر آلود تھا، جسکے کھاتے ہی فوت ہوگیا۔ اس سفر میں ہٰرون الرشید ہمراہ تھا، اس نے جنازے کی نماز پڑھائی اور مہدی کو موضع راذیا رزین (مضافات ماسبذان) میں دفن کر دیا[۱] اور ہادی بدستور ولیعہد رہا۔ مہدی کے اس طرز عمل نے ہادی کو رشید کی طرف سے ازحد برہم کر دیا تھا، جس کا بہت جلد ظہور ہوا۔

مہدی کی رحلت پر ارکانِ فوج کی خواہش تھی کہ ہٰرون الرشید اپنی خلافت کا اعلان کر دے، لیکن یحییٰ برمکی نے عرض کیا کہ "یہ حق آپ کے بڑے بھائی ہادی کا ہے، جسکی ولیعہدی کی باضابطہ تکمیل ہو چکی ہے"۔ یہ سنتے ہی سعادت مند بھائی نے ہادی کو ایک خط لکھا "جس میں پہلے مہدی مرحوم کی تعزیت تھی، پھر تہنیت خلافت، اسکے بعد لکھا کہ آپ بغداد پہونچکر مسندِ خلافت کو زینت دیں"۔ اور اُسی وقت چادر نبوی، عصا، اور مہر خلافت اپنے معتمد غلام نصیر کو دی کہ برید (ڈاک) کی گاڑی میں سوار ہوکر فوراً جرجان روانہ ہوجائے چنانچہ نصیر نے بہ کمال سرعت خط اور لوازمۂ خلافت ہادی کے پاس پہونچا دیا۔ ہادی ایک مہم میں مصروف تھا لیکن بھائی کا خط پڑھتے ہی بغداد روانہ ہوگیا۔ اور ڈاک گاڑی میں سوار ہوکر ۲۰؍صفر ۱۶۹ھ میں بغداد پہونچا[۲]۔ یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے ڈاک گاڑی میں سفر کیا۔ رعایا نے ہادی کا پرجوش استقبال کیا۔ اور قصر الخلافۃ میں قیام ہوا۔ پھر

---

[۱] طبری صفحہ ۵۰۶-۴۸۹ و ۵۲۲ و مسعودی صفحہ ۱۷۶ مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۳ھ جلد ۲۔ [۲] جہشیاری صفحہ ۹۸ و ۹۹ و طبری ۵۲۵ والفخری ۲۱۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء ۱۲۰۔

ایک مہینہ بعد عیسٰی[1] آباد کے قصر السّلام میں چلا گیا۔

۶۔ سیرۃ مہدی عباسی

یہ بڑا دیندار[2] خلیفہ تھا، ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید میں سب سے پہلے اس نے کتابیں لکھوائیں قسطنطنیہ پر کئی مرتبہ جہاد کیا۔ امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ قاضی صاحب کا یہ مرتبہ تھا کہ مہدی کے ہمراہ تخت پر بیٹھتے تھے۔ ابو جعفر منصور کے مقابلہ میں مہدی عادل تھا۔ اس خلیفہ نے شاہانہ شان و شوکت کو بہت بڑھایا۔ ایک سال تک پردہ میں رہا کہ رعب و جلال زیادہ ہو پھر عام دربار کرنے لگا۔ ابو عون عبد الملک نے ترک پردہ کا سبب پوچھا تو بیان کیا کہ "تم لوگوں کے دیکھنے میں زیادہ لطف ہے"۔

دیوانِ عام میں روزانہ دیر تک بیٹھکر مقدمات فیصل کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے عہد میں ایک کونسل[3] قائم کی تھی جس کا نام "مجلس لرد المظالم" تھا۔ اس کونسل کے ارکان، عمال و صوبیداروں کے مظالم کی تحقیقات کیا کرتے تھے جو وصول تحصیل خراج میں رعایا پر ظلم کرتے تھے۔ یہ مجلس قضاۃ کی بھی نگراں تھی اور یہ بھی جانچ کرتی تھی کہ فوج کو وقت پر تنخواہ ملتی ہے یا نہیں؟

مہدی شکار کا بہت شایق تھا اور بڑی شان سے نکلتا تھا۔ شکار[4]ی کتے جنکے گلوں میں طلائی طوق تھے ساتھ ہوتے تھے۔ باز اور شکرے بھی پرندوں[5] پر اڑائے جاتے

---

[1] عیسٰی آباد، مشرقی بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے۔ جس کو خلیفہ مہدی کے تیسرے بیٹے عیسٰی نے آباد کیا تھا۔ اس کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ محض ایک جاگیردار تھا۔ معجم یاقوت ص ۲۷۷ جلد ۲

[2] جہشیاری و کتاب التاج جاحظ [3] احکام السلطانیہ و مقدمہ ابن خلدون۔

[4] الفخری و حیاۃ الحیوان دمیری۔ مسعودی جلد اوّل و اغانی جلد ۹

[5] باز جب شکار کر کے لاتا تھا تو شکاری اس کو ایک چڑیا نذر کرتا تھا۔ تکلفات یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ برچھوں کی انی بھی طلائی تھیں۔

تھے یہ عربوں کا عام مذاق نہ تھا صرف ملوک کندہ[1] یہ شکار کھیلتے تھے اور نہروں کے کنارے سبزہ زار میں ہرنوں کے پیچھے گھوڑے دوڑائے جاتے تھے۔ تیروں سے شکار ہوتا تھا۔ مہدی کا ہر تیر ہرن کے سینہ کے پار ہوتا تھا۔ ایک دن دوران شکار میں ایک پُرلطف واقعہ پیش آیا جسکی تفصیل[2] یہ ہے کہ بحالت شکار بارش ہونے لگی۔ مہدی گھوڑا دوڑا کر ایک بدوی ملاح کے گھر پہونچ گیا۔ میزبان نے مہمان کا خیر مقدم کیا۔ مہدی کپڑے اُتار کر آگ کے قریب بیٹھ گیا اور میزبان سے پوچھا کہ "میری دعوت کے لایق کچھ سامان بھی ہے؟ غریب ملاح نے کہا جی ہاں! ایک چھاگل میں کچھ نبیذ موجود ہے اور وہ لاکر سامنے رکھدی۔

مہدی نے ایک بڑا پیالہ بھر کر پیا، کچھ وقفہ کے بعد سُرور آیا رنگ لائی، مہدی نے عالم سرور میں بدوی سے کہا کہ بھائی صاحب! آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ بدوی نے کہا "مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔ مہدی نے کہا سنو! میں امیر المومنین کا ایک مقرب خادم ہوں۔ بدوی نے کہا "بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ مَوْضِعِكَ" (خدا آپ کا مرتبہ بڑھائے) پھر مہدی نے دوسرا پیالہ نوش کیا اور ذرا دیر کے بعد بدوی سے پوچھا کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ اُس نے عرض کیا کہ آپ امیر المومنین کے ایک خادم ہیں۔ یہ سُنکر مہدی نے کہا ہرگز نہیں! میں تو امیر المومنین کی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ بدوی نے کہا "رَحُبَتْ بِلَادُكَ وَطَابَ مُرَادُكَ" (تمہاری حکومت میں وسعت ہو اور مقصد میں کامیابی) اس کے بعد مہدی نے تیسرا پیالہ پیا، اور پوچھا اے بھائی عرب میں کون ہوں؟ بدوی نے کہا ابھی آپ کہہ چکے ہیں کہ میں ایک فوجی افسر ہوں۔ مہدی نے کہا ایسا نہیں ہے؟ بدوی! اچھا فرمائیے! آپ کون ہیں؟ مہدی نے کہا کہ میں تو امیر المومنین ہوں!

---

[1] کندہ بحرین و مشقر کا یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا۔ یہ مرتفع علاقہ حضر موت سے قریب تھا۔ انکی حکومت ۴۸۰ء سے ۵۶۰ء تک رہی

[2] اعلام الناس و مروج الذہب مسعودی جلد ۲ حالات مہدی عباسی صفحہ ۱۰۰

یہ سنتے ہی بدوی نے سامنے سے چھاگل اور پیالہ اٹھالیا۔ مہدی نے کہا بھائی صاحب ساغر وصراحی کہاں لے چلے؟ بدوی نے کہا خیریت اسی میں ہے کہ امیر المومنین چوتھا پیالہ نہ پئیں ورنہ فرمائیں گے کہ "اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ" (میں خدا کا رسول ہوں) اس برجستہ جواب پر مہدی نے بھی ایک قہقہہ لگایا اور ہنستے ہنستے دُہرا ہوگیا۔ اتنے میں سوار اور امرا سامنے سے نظر آئے، بدوی گھبرایا۔ مہدی نے کہا بھائی صاحب! خوف نہ کیجئے، اور اُٹھ کھڑا ہوا کپڑے پہن کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ بدوی کو خلعت اور ایک تھیلی درہموں کی انعام دی گئی۔ رخصت کے وقت بدوی نے رکاب تھامی اور عرض کیا کہ "امیر المومنین کے جملہ ارشادات صحیح ہیں، اب اگر آپ چوتھا پیالہ پی کر رسالت کا دعویٰ کریں تو میں ایمان لانے کو تیار ہوں۔" مہدی بدوی کے اس فقرے پر بھی خوب ہنسا اور رخصت ہوگیا۔"

خانہ کعبہ پر گراں بہا پردہ چڑھایا اور سابق کے سب پردے اُتروا دیئے۔ دیواروں کی مشک و عنبر سے پوتائی کی۔ حج بڑی شان وشکوہ سے کرتا تھا۔ خلیفہ ہونے کے بعد پہلے حج میں سات لاکھ دینار و درہم اور ڈیڑھ لاکھ جوڑے مساکین کو تقسیم کئے، حرم کو وسیع کیا۔ مکہ والوں کو برف کا شربت پلوایا۔ پانسو انصاریوں کے وظیفے مقرر کئے اور اُن کو عراق میں عہدے بھی دیئے۔ یہ انعامات اہلِ حرم کے تالیفِ قلوب کے لئے تھے۔ بغداد سے مکہ تک جا بجا رباط، تالاب اور حوض بنوائے۔ منصور کے مجوزہ راستے میں تبدیلی کر دی کہ مکہ تک قافلے جلد پہونچیں سڑکوں پر شمار میل و فرسنگ کیلئے پتھر نصب کئے۔ مساجد سے مقصورے (نماز پڑھنے کے حجرے) علیحدہ کرادیئے۔ طولانی منبروں کو گھٹا کر عہدِ رسالت کے مطابق کر دیا۔ مکہ مدینہ، یمن اور بغداد کے راستوں میں ڈاک (برید) کی چوکیاں قائم کیں کہ سادات (مدعیان خلافت) کی خبریں جلد جلد ملتی رہیں۔

زندہ دلی کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ رات میں قصص و حکایات و اشعار سنتا تھا۔ ایک دن ناغہ کر کے نبیند بیتا تھا۔ اسی عہد میں مقنع خراسانی (مدعی الوہیت) نے (جو واحد العین

اور پست قامت تھا۔ مرو سے خروج کیا۔ یہ وہی شعبدہ باز ہے جس نے چاہ نخشب[1] سے مصنوعی چاند نکالا تھا جسکی روشنی ۲ میل تک پھیلتی تھی۔ یہ مذہبًا ابو مسلم خراسانی کا مقلد تھا

اس خلیفہ کے عہد میں تین[2] وزیر ہوئے۔ ابو عبد اللہ المعاویہ بن یسار، ابو عبد اللہ یعقوب بن داؤد اور فیض بن ابی صالح۔ اور اسی عہد میں یہودی اور عیسائی ساہوکاران نے ہنڈی کا کام جاری کیا۔ فوج کی تنخواہ بھی یہ ساہوکار (جہبذ) تقسیم کرتے تھے۔

۱۵- ابو محمد موسیٰ (الہادی) چوتھا عباسی خلیفہ

۱۶۹ھ ۷۸۵ء لغایت ۱۷۰ھ ۷۸۶ء

۱- ہادی کی تخت نشینی مہدی عباسی کی خبر وفات ملتے ہی، ربیع بن یونس حاجب نے غرہ صفر ۱۷۰ھ میں بمقام بغداد، ہادی کی بیعت لینا شروع کردی تھی اور جب ہادی جرجان سے آگیا تو ۲۱ صفر ۱۷۰ھ سے پھر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس اہم کام سے فراغ کے بعد از سر نو ارکان دولت اور صوبوں کا انتظام کیا گیا۔

منصب وزارت ابو الفضل ربیع کو عطا ہوا اور یحییٰ برمکی شاہی خدمات سے محروم رہا۔ اس کو صرف ہارون الرشید کی خدمت کتابت (پرائیوٹ سکریٹری) سپرد ہوئی اور ہدایت کی گئی کہ رشید کی جاگیرات کا بھی انتظام کرتا رہے۔

تخت نشینی کے بعد ہادی کے برادرانہ تعلقات، رشید سے کیسے رہے؟ اب اسکی تفصیل ملاحظہ ہو۔

---

[1] نخشب، جیحون اور سمرقند کے مابین ترکستان کا مشہور شہر ہے۔ اور سمرقند سے تین مرحلہ کا فاصلہ ہے معجم البلدان یاقوت صفحہ ۲۷۳ جلد ۸

[2] اس مضمون کا ماخذ حسب ذیل کتابیں ہیں۔ جہشیاری کتاب التاج جاحظ، طبری مسعودی، کامل ابن خلدون، الفخری، سیوطی

۲- ہادی کی حکومت یہ خلیفہ اگرچہ رعب و داب والا تھا لیکن خلافت کی شان و شوکت کو سنبھال نہ سکا۔ دن رات لہو و لعب میں رہا کرتا تھا۔ اس لئے جملہ معاملات سلطنت کی نگرانی خیزران (مادر ہادی و ہارون) نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی، اور وہ مہدی کے زمانہ سے امورِ سلطنت میں دخیل بھی تھی۔ صبح کو خیزران کے محل پر اُمرائے دربار، اور فوجی سرداروں کا مجمع ہوتا تھا۔ اُن کی درخواستوں کے مطابق احکام صادر کرتی تھی اور خیزران کے آگے ہادی کی کچھ چلتی بھی نہ تھی۔ الغرض چار مہینہ تک ماں بیٹوں میں اتفاق رہا، لیکن ایک مقدمہ میں تکرار ہوگئی اور چونکہ وہ معاملہ خیزران کے موافق طے ہوا۔ اس وجہ سے ہادی اور بھی مشتعل ہوگیا، یہاں تک کہ گفتگو میں ادب کا پہلو ہاتھ سے جاتا رہا۔

۳- ہادی اور خیزران کی مخالفت ایک دن غصے میں آکر ماں سے کہنے لگا کہ "اب اگر دروازے پر میں نے کسی امیر کو دیکھا تو یقینی اُسکی گردن اُڑا دونگا۔ اور آپ کا یہ کام ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کیجئے۔ یا تسبیح پڑھئے!" بیٹے کی بات سُن کر خیزران جھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر دونوں میں کشیدگی ہوگئی۔ ہادی نے ماں سے تو اس طرز پر گفتگو کی اور دربارِ عام میں اُمرائے سلطنت اور افسرانِ فوج سے پوچھا کہ "تمہاری مائیں افضل ہیں یا میری ماں؟" سب نے عرض کیا کہ "امیر المومنین کی ماں افضل ہیں" فرمایا اچھا بتاؤ! تم میں سے کون اس بات کو جائز رکھتا ہے کہ امیر المومنین کی ماں سے اُس کی مجلس میں جاکر اِدھر اُدھر کی باتیں کرے۔" ارکانِ سلطنت ہادی کا مطلب سمجھ کر چُپ ہو رہے اور سب نے خیزران کی درباداری بند کردی[1]۔

۴- ہارون الرشید کے خلاف ہادی کی حریفانہ کوششیں ہادی کے طرزِ عمل سے ہارون بھی ناراض تھا لیکن کسی معاملہ میں دست اندازی نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی ہادی اپنی چالوں سے نہیں چوکتا تھا اور مہدی مرحوم کی وصیت کے خلاف چاہتا تھا کہ "خلافت سے

---

[1] طبری صفحہ ۵۶۹ - الفخری صفحہ ۱۴۳ و مسعودی جلد ۲ حالات ہادی۔ [2] الفخری حالات ہادی۔ [3] ہادی معاملاتِ حرم میں شدید الغیرۃ تھا اور یہ سلیمان بن عبد الملک کی تقلید تھی۔

رشید کو محروم کرکے اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو ولیعہد مقرر کرے۔" اور یہ خیال ترکان سلطنت اور خود ہارون سے بھی ظاہر کر دیا تھا جیسا کہ ہادی کے حسب ذیل اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

نصحت لهرون فرد نصيحتي
وكل امرئ لا يقبل النصح نادم
وادعوه للامر المولف بيننا
فيبعد عنه وهو في ذاك ظالم
ولولا انتظاري منه يوماً الى غد
لعاد الى ما قلته وهو راغم

میں نے ہارون کو نصیحت کی مگر اس نے نہ مانا اور جو شخص نصیحت نہیں قبول کرتا ہے۔ نادم ہوتا ہے۔
میں اسکو اس کام کیطرف بلاتا ہوں جو آپس کے میل ملاپ کا سبب ہے لیکن وہ پاس نہیں آتا۔ اور یہ اسکی ناانصافی ہے۔
مجھکو اگر کل تک کا انتظار نہ ہوتا۔
تو ہارون کو میری بات چار ناچار ماننا ہی پڑتی۔

جہشیاری کی روایت ہے کہ ہارون الرشید اس امر پر رضامند ہو گیا تھا کہ ولیعہدی سے دست بردار ہو جائے لیکن یحییٰ برمکی نے جو ہارون کا اتالیق و کاتب تھا اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور یہ اس لئے کہ ہارون کی خلافت سے قلمدان وزارت ملنے کی یحییٰ کو اُمید تھی جس کا وہ ایک عرصہ سے اُمیدوار تھا بلکہ اسی آرزو میں وہ ہادی کے خلاف ہارون کی بیعت کے واسطے کوشش کر رہا تھا اور ہادی کے اظہار خیالات کے بعد تو پوری کوشش اس میں کرنے لگا کہ ہادی اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو جب ہادی نے دیکھا کہ یحییٰ اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا ہے تو علاقہ رقہ میں اُسکو جاگیر دی اور اُسکے بعد ہی بیس ہزار اشرفیاں انعام دیں اور ولیعہدی جعفر کے لئے تاکید کی۔ لیکن اس صلہ و انعام کا بھی یحییٰ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔

جامع الحکایات کا مصنف لکھتا ہے کہ اسی زمانہ میں ایک دن یحییٰ کو ہادی نے بلایا جب گھر واپس آیا تو سخت متوحش تھا۔ ہادی نے حکم دیا تھا کہ وہ ہارون کو آمادہ کرے کہ اپنے بھتیجے کی بیعت منظور کرے۔ اور یحییٰ قسم کھاتا تھا کہ میں امیر المومنین کے ارشاد کے مطابق کوشش

۱؎ کامل ابن اثیر صفحہ ۲۲ جلد ۶ ۲؎ سیوطی ۳؎ جہشیاری صفحہ ۱۰۱ ۴؎ رقہ شرقی فرات پر مشہور آباد شہر تھا۔ الجزیرہ میں حران کے بعد رقہ کا درجہ تھا۔ حران سے تین یوم کی مسافت پر واقع تھا۔ رقہ کو البیضا بھی کہتے ہیں جسکی نسبت سے حافظی۔ ۵؎ قاضی صاحب تفسیر بیضاوی مشہد میں۔ یاقوت صفحہ ۲۷، ۲ جلد ۴ ۶؎ باب ۲ صفحہ ۷، مطبوعہ بمبئی

قاضی ناصر الدین ... مفسر تفسیر بیضاوی کا کل رقہ

کر رہا ہوں لیکن ہارون میرا کہنا نہیں مانتا ہے۔ مگر یحییٰ کی باتوں پر ہادی کو یقین نہ آتا تھا اور وہ اس گفتگو کو بناوٹ سمجھتا تھا۔"

یحییٰ اسی سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک غلام پر ناراض ہوا اور اسکو اس زور سے طپانچہ مارا کہ انگشتری کا حلقہ ٹوٹ گیا اور نگینہ زمین پر گر کر چور ہو گیا۔ قیمتی نگینے کے ٹوٹنے سے یحییٰ کا دل اور بھی شکستہ ہو گیا۔ (یحییٰ بدفالی اور شگون کا قائل تھا) یحییٰ کے حزن و ملال کی جب ایک شاعر کو اطلاع ہوئی تو اس نے حاضر ہو کر اشعار ذیل پڑھے جس کا لفظی ترجمہ فارسی میں یہ ہے۔

انگشتری از شکست و اُفتاد نگیں	زنہار بدیں سبب نباشی غمگیں
آں حلقہ کشادہ گشت و آں بند شکست	فالیست نکو نیک بیندیش دریں

یحییٰ یہ اشعار سن کر خوش ہو گیا اور فال نیک سمجھا۔" اس حکایت کے لکھنے سے صرف واقعۂ تاریخی کی تائید ہے فال و شگون سے بحث نہیں ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ یحییٰ برمکی نے ہادی کو باتوں ہی باتوں میں رکھا اور انعام و صلے کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ تب مجبور ہو کر ہادی نے یحییٰ کو جیل بھیج دیا۔ مگر وہ اپنی سرگرم کوششوں سے یہاں بھی خالی نہ تھا۔

۵۔ ہادی و یحییٰ کی گفتگو خلافت پر

محمد بن یحییٰ برمکی راوی ہے کہ قید میں جاتے ہوئے یحییٰ نے ہادی کو ایک رقعہ لکھا۔ اور حاضری کی اجازت چاہی۔ ہادی نے خلوت میں یحییٰ کو بلا لیا۔ اور حال پوچھا۔ یحییٰ نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! اگر آپ باپ کی وصیت پر قائم نہ رہینگے تو رعایا پر خراب اثر پڑیگا۔ اور آیندہ ملکی پیچیدگیاں بڑھ جائیں گی، کیونکہ جب بادشاہِ وقت خود معاہدے کا پابند نہ رہے تو رعایا بھی اپنے قول و قسم پر قائم نہیں رہتی ہے۔ علاوہ بریں جعفر ہنوز نابالغ ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا وقت آجائے کہ امیر المومنین کا سایہ ہم پر نہ رہے۔ اس وقت سیاست و شریعت کے مطابق کون ایسا ہے۔ جس کو ہم امام

[1] جہشیاری صفحہ ۱۰۱ و الفخری صفحہ ۱۷۹ و مسعودی صفحہ ۱۸۶ جلد ۲۔

بنا سکتے ہیں؟ ہادی نے کہا کہ "ہاں! مجھے بھی اس میں تردد ہے۔" تب یحیٰی نے کہا کہ "اسوقت ضرور ہے کہ فلاں فلاں اصحاب[1] عویدار خلافت ہو کر اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور خلافت اولادِ مہدی سے نکل جائیگی۔" یحیٰی کی آزاد اور عاقلانہ رائے سُن کر ہادی بھی متفکر ہوا۔ اور کہا بیشک آپ کا کہنا صحیح ہے۔ اب تک میں غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ جب یحیٰی نے ہادی کو راہِ راست پر دیکھا تو مکرر عرض کیا کہ "مصلحتِ وقت یہی ہے کہ ہارون کو خلع بیعت کی تکلیف نہ دی جائے اور میں بحلف شرعی اقرار کرتا ہوں کہ جب جعفر جوان ہو گا تو ہارون کو اس پر آمادہ کرونگا کہ وہ جعفر کی بیعت قبول کرلے۔" اس گفتگو کے بعد ہادی نے یحیٰی کو رخصت کردیا۔ لیکن محبت پدری نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ بجائے بیٹے کے بھائی مسند نشین ہو۔ اس لئے یحیٰی کو چند روز قید کے مصائب جھیلنا ہی پڑے اور ہارون پر پہلے سے زیادہ سختیاں ہونے لگیں۔

ہرثمہ[2] بن اعین سے منقول ہے کہ ایک دن ٹھیک دوپہر کے وقت ہادی نے مجھکو خلوت میں بُلایا۔ چونکہ ہادی کے مزاج سے میں واقف تھا، خوف سے کانپنے لگا اور جب حرم سرا کے اندر داخل ہوا تو سب مصاحبوں کو رخصت کر کے تخلیہ کیا اور حکم دیا کہ "دروازے بند کر کے واپس آ۔" اس حکم نے میرے رہے سہے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ جب میں لوٹ کر آیا تو مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ "ہرثمہ! مجھے دن رات اس سگِ ملحد (یحیٰی بن خالد) سے سخت تکلیف پہونچ رہی ہے اس کمبخت کو سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے کہ سرداران فوج اور اعیان سلطنت کو بھڑکایا کرتا ہے اور اپنے آقا (ہارون الرشید) کی دعوت اور بیعت کا درپردہ اعلان کر کے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور ہارون مسندِ خلافت پر بٹھایا جائے۔

[1] ہادی نے ہارون الرشید پر اثر ڈالنے کے لئے محمد بن فروخ، یزید بن مزید، عبد اللہ بن مالک اور علی یقطین، فوجی افسروں کو بھی جمع کیا اور اُنھوں نے جعفر کی ولیعہدی کا مطالبہ کیا۔ اور جب معلوم ہوا کہ یہ رکاوٹ یحیٰی برمکی کی وجہ سے ہی تو ہادی نے یحیٰی کو قید کر دیا۔ لیکن اسی زمانہ میں ہادی کا یکایک انتقال ہوگیا۔ اور سب مشکلیں حل ہوگئیں۔ جہشیاری صفحہ ۱۱۱ [2] ہرثمہ فوج کا سپہ سالار اور نسباً ہاشمی تھا [3] جامع الحکایات۔

۶۔ ہادی کے احکام

لہٰذا اسی وقت ہارون کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ اگر محل میں ایسا موقع نہ ہو تو میری طرف سے پیام دینا کہ آپ کو بھائی جان یاد کر رہے ہیں تشریف لے چلئے! پھر اثنائے راہ سے اپنے گھر لیجا کر کام تمام کر دینا۔"

میں یہ حکم سُن کر حیران رہ گیا۔ اور عرض کیا کہ "اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں" کہا ہاں اجازت ہے۔ تب میں نے عرض کیا کہ "ہارون الرشید آپ کا حقیقی بھائی ہے اور آپ کے بعد ولیعہد خلافت ہے۔ اگر حکم کی تعمیل کر دی جائے تو خدا کے سامنے آپ کیا جواب دینگے اور زمانہ کیا کہے گا۔" میری گفتگو سُن کر ہادی نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ اگر تعمیل حکم میں توقف ہوا تو تیرا سر نہ ہو گا۔ پھر رخصت کے وقت کہا کہ "جب میرے حکم کی تعمیل ہو جائے تب جیل میں جانا اور وہاں آل ابو طالب میں سے جس قدر قید ہوں اُن میں سے بعض کو قتل اور بعض کو دجلہ میں غرق کر دینا اور جب یہ سب اُمور طے ہو جائیں تو فوج لے کر کوفہ کو روانہ ہونا۔ عباسیوں میں سے جو لوگ ہمارے ہمدرد ہوں اُنکو علیحدہ کر کے شہر میں آگ لگا دینا کہ کُل شہر جل کر خاک ہو جائے اور جو عمارت جلنے سے بچے وہ مسمار کر دینا۔" میں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! یہ تو اہم امور ہیں، میں کیونکر ان پر پیشقدمی کر سکتا ہوں۔" جواب ملا کہ "یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اور آل ابو طالب کے مددگار۔ ملک میں جو فساد ہونگے اُن کے باعث یہی کوفی ہونگے۔" جب سب ہدایتیں کر چکا تو کہا کہ "جب نصف شب گزر جائے، تب یہاں سے باہر جانا اور سب سے پہلے ہارون کو قتل کرنا۔ پھر ترتیب وار دیگر کاموں پر متوجہ ہونا۔" یہ کہکر حرم سرا میں چلا گیا۔ میں سمجھا کہ ناخوش ہو کر اُٹھا ہے۔ اب کوئی دوسرا امیر اس خدمت پر مقرر ہو گا، اور میں قتل کیا جاؤنگا، اور میرے روکنے سے یہ مطلب ہے کہ افشائے راز نہ ہو مجھے یقین تھا کہ میں ضرور قتل کر دیا جاؤنگا اس لئے دل یہ چاہتا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد سے نکل کر ایسے ملک کی راہ لوں، جہاں کوئی میرا اشناسا نہ ہو۔ غرضکہ ان خیالات میں ایسا ڈوبا کہ نیند آگئی اور اس قدر سویا کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں سو رہا تھا کہ ایک خادم نے آکر جگایا

"اُٹھو! امیر المومنین یاد فرماتے ہیں" میں کلمہ شہادت پڑھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور بہت سے حجاب کے پردے طے کر کے وہاں تک پہونچ گیا جہاں سے عورتوں کی باتوں کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ اب میں نے خیال کیا کہ ہادی کا یہ مطلب ہے کہ مجھے کوئی الزام لگا کر قتل کرے۔ اگر میں حرم سرا میں داخل ہو جاؤں تو مجھ سے پوچھے گا کہ بلا اجازت کیوں آیا؟ اُس وقت میں کوئی جواب نہ دے سکونگا؛ اور یہی حیلہ میرے قتل کو کافی ہے۔ چنانچہ اس خیال کے موافق سب سے اخیر درجے میں جا کر میں ٹھہر گیا۔ خادم نے آگے بڑھنے پر ہر چند اصرار کیا، مگر میں نے ایک قدم نہ بڑھایا اور کہا "العوذ باللہ! میں کیونکر حرم شاہی کے اندر داخل ہو سکتا ہوں۔ اور مجھ پر کیا منحصر ہے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ حرم خلافت میں داخل ہو۔" جب خادم نے بہت ضد کی تب میں نے کہا کہ "جبتک امیر المومنین خود نہ بلائیں گے خدا کی قسم میں آگے قدم نہیں بڑھا سکتا ہوں۔" چونکہ یہ فقرہ میں نے بلند آواز سے کہا تھا اس لئے اندر سے آواز آئی "ویلک یا ہرثمہ! اندر آ" یہ آواز سنکر میں خوفزدہ ہو گیا کیونکہ یہ آواز امیر المومنین کی والدہ خیزران کی تھی۔ پھر آواز آئی کہ ہرثمہ! اس وقت میں نے تجھکو ایک بڑے کام کے واسطے بلایا ہے۔" میں اندر چلا گیا۔

خیزران نے پردے کی آڑ سے کہا کہ "ہرثمہ! موسیٰ (ہادی) نے دنیا سے کوچ کیا اور قضائے الٰہی نے اُس کے جور و ظلم سے تجھکو اور سب مسلمانوں کو بچا لیا۔ دیکھ! تخت پر ہادی مردہ پڑا ہوا ہے۔" میں نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک چادر اوڑھے ہوئے ہادی تخت پر لیٹا ہے اور نبض پر ہاتھ رکھا تو بالکل ٹھنڈا پایا۔ میں نے خدا کا شکر کیا اور خیزران سے پوچھا کہ یہ واقعہ کیونکر ہوا؟ خیزران نے کہا کہ "فرزند عزیز ہارون اور آل ابوطالب اور اہل کوفہ کے لئے جو حکم ہادی نے دیا تھا میں اُسکو سُن رہی تھی۔ جب ہادی اندر آیا تو میں نے ہارون کے خون کی معافی چاہی اور اُسکو میں نے قسم دی کہ وہ اپنے ارادوں سے باز آئے۔ لیکن اُس نے میری بات نہ سُنی اور نہایت سختی سے جھڑک دیا۔ تب میں نے اور بھی نرمی کی۔ خدا اور رسول کا

واسطہ دیا اور اُس کے سامنے سرزمین پر رکھ دیا لیکن ہادی پر کچھ بھی اثر نہوا۔ اور تلوار نکال کر مجھ سے کہا کہ اگر چپ نہو جاؤ گی تو ابھی گردن اُڑا دونگا۔ اب میں نا اُمید ہو کر خاموش ہو رہی اور خدا سے اُسکے حق میں بد دعائیں کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں یہ فتنہ سو رہا۔ جب جاگا تو شدت سے کھانسی آئی اور گلے میں پھندا پڑ گیا۔ میں نے ایک پیالہ پانی کا دیا لیکن پھندا ٹوٹتا تو در کنار وہی پانی پھانسی کا پھندا ہو گیا[1] اور دم فنا ہو گیا۔

۷۔ ہادی کی سیرۃ

خلافت[2] کے بعد عمر نے وفا نہ کی۔ ایک سال دو ماہ کے بعد ہی ۲۶ سال کی عمر میں موسیٰ ہادی فوت ہو گیا۔ یہ عباسیوں میں پہلا خلیفہ ہے جس کی اردلی میں حرس (باڈی گارڈ) ننگی تلواریں لے کر چلے۔ مہدی کی طرح یہ بھی زنادقہ کا دشمن تھا امام حسین بن علی بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب بمقام فخ (مکہ سے ۱ میل) اسی زمانہ میں شہید ہوئے اور تین دن تک نعشیں بے گور و کفن پڑی رہیں (یہ مدعی خلافت ہو کر اُٹھے تھے) عبد الجبار صاحب الزنادقہ کے نام سے ملحدوں کی نگرانی پر مقرر تھا۔ اسلحہ میں تیر و کمان کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ ظلم و شقاوت کے ساتھ بہادر بھی تھا۔ ایک مرتبہ خچر پر سوار چند غلاموں کے ہمراہ تفریح کر رہا تھا کہ ایک خارجی نے حملہ کیا۔ غلام بھاگ گئے اور قریب تھا کہ خارجی اسکو قتل کر ڈالے کہ یکایک ہادی نے چلا کر کہا کہ اسکو قتل کر دو۔ خارجی سمجھا کہ کوئی میرے پیچھے ہے۔ اس نے گردن موڑی، اُدھر ہادی نے فوراً خارجی کو پکڑ لیا اور تلوار چھین کر قتل کر دیا۔ اس دن سے خچر کی سواری ترک کی اور عمرو بن معدی کرب کی تاریخی تلوار صمصامہ ہر وقت ہاتھ میں رہتی تھی۔ فضل بن ربیع حاجب اور ابراہیم موصلی ندیم خاص تھا۔ ہادی موسیقی کا بھی بہت

---

[1] مورخین نے ہادی کے اسباب موت میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے کہ اسکے گلے میں ایک زخم تھا جسکے صدمے سے فوت ہوا بعض کا خیال ہے کہ جب ہادی نے ہارون کو زہر دینا تجویز کیا اور اُسکا راز کھل گیا تو خیزران نے ہارون کی محبت میں ہادی کو زہر دیدیا اور خیزران کی کنیزوں نے سوتے میں گلا دبا دیا۔ مگر پہلی روایت صحیح ہے۔ فی الحقیقت ہادی بہت بیمار تھا تاریخ الحکما ابن القفطی (طیفوری طبیب کے حالات) میں تفصیل موجود ہے، مطبوعہ جرمن صفحہ ۲۱۸

شائق تھا۔ ہر روز گانا سنتا تھا۔ اسحٰق موصلی کا قول ہے کہ اگر ہادی چند سال اور زندہ رہ جاتا تو میرے گھر کی دیواریں طلائی ہو جاتیں۔ مغنیوں کے بعد شعراء کو بھی خوب انعام دیتا تھا۔ مشہور شاعر سلم الخاسر کو ایک شعر کا صلہ ۳ لاکھ درہم دیا، خود بھی شاعر تھا، شکار بھی کھیلتا تھا، شکی مزاج تھا ذرا سے وہم پر ارکانِ دولت اور ندیموں سے بدظن ہو جاتا تھا۔ محل میں کثرت سے کنیزیں تھیں اور کئی بیبیاں۔ اس لئے کم سنی میں بکثرت اولاد ہو گئی تھی اور ایک لڑکا اندھا پیدا ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باغ میں بمقام عیسیٰ آباد دفن ہوا اور موضع فسایاد (مضافات بغداد) میں انتقال کیا۔

۱۶۔ ابو جعفر ہارون الرشیدؒ

پانچواں[۵] عباسی خلیفہ

۱۷۰ھ ۷۸۶ء لغایت ۱۹۳ھ ۸۰۹ء

۱۔ ہارون الرشید کی تخت نشینی

خلیفہ ہادی نے ہرثمہ بن اعین سپہ سالار کو رشید کے قتل کا جو حکم دیا تھا وہ آپ پڑھ چکے ہیں لیکن قضا و قدر کا یہ فیصلہ تھا کہ رشید زندہ رہے لہٰذا منٹوں میں ہادی کا مجوزہ نظام تبدیل ہو گیا، رشید خلیفہ ہوا اور ہادی دنیا سے چل بسا خیزران[۲] کی روایت ہے کہ جب ہادی خواب غفلت سے جاگا اور یکایک اس کا انتقال ہو گیا تو میں نے ہرثمہ کو حکم دیا کہ تو اسی وقت یحییٰ برمکی کو جیل سے رہا کر اور اس کو میرا یہ

---

[۱] مروج الذہب صفحہ ۱۸۲۔ جلد ۲ طبری، مسعودی، جہشیاری، آغانی، عقد الفرید جلد ۲

[۲] جہشیاری صفحہ ۱۰۵ و طبری صفحہ ۵۶۹ و ۶۰۱۔

پیغام[1] پہونچا دے کہ رات ہی رات میں ہارون الرشید کی بیعت کو تمام کرے"۔ چنانچہ یحییٰ برمکی نے جیل سے نکل کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ہارون الرشید کو جو قصر الخلد میں سو رہا تھا جگایا، اور خلافت کا مژدہ سنایا، تہنیت کے الفاظ سن کر ہارون الرشید نے حیرت سے یحییٰ کی طرف دیکھا، اور نہایت حسرت سے کہا کہ بابا جان! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟ بھائی صاحب سن لیں گے تو یہ ہنسی بلائے جان ہو جائیگی؟ یحییٰ نے متانت سے عرض کیا کہ "قضائے الٰہی نے اِس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں"۔

اس گفتگو کے ختم ہوتے ہی ابراہیم بن ذکوان الحرّانی وزیر خلیفہ ہادی حاضر ہوا، اور اُس نے مُہر خلافت پیش کی، اِس کے بعد ہی ایک خواص یہ پیام مسرت لائی کہ مشکوے معلیٰ میں (مراجل کے بطن سے وارثِ تاج و تخت پیدا ہوا یہی وہ مبارک فال شاہزادہ تھا جس کی قسمت میں مامون الرشید ہونا لکھا تھا، چنانچہ شنبہ کی رات اسولھویں ربیع الاول ۱۷۰ھ (۲۰ ستمبر ۷۸۶ء) کو بڑی دھوم سے بمقام عیسیٰ آباد ہارون الرشید کی بیعت خلافت ہوئی۔ دنیا میں روزانہ صبح ہوتی ہے، سورج نکلتا ہے، دن ڈوبتا ہے اور رات آتی ہے، لیکن یہ رات نہایت عجیب و غریب تھی جس میں ایک خلیفہ (موسیٰ ہادی) نے وفات پائی، دوسرا خلیفہ (ہارون الرشید) تخت[2] خلافت پر بیٹھا، اور تیسرا (مامون الرشید) عالم وجود میں آیا۔

قبل طلوع آفتاب رشید کی بیعت ہو چکی تھی اور یحییٰ نے رات ہی میں اہتمام کر کے ہارون الرشید کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یحییٰ برمکی کے حسن عمل سے ہارون الرشید خلیفہ[3] ہوا۔ ورنہ ممکن تھا کہ رشید کامیاب نہ ہوتا، اس لئے کہ وہ خانہ جنگی اور سیاسی جوڑ توڑ سے بہت گھبراتا تھا اور

---

[1] جہشیاری کی روایت ہے کہ خود خیزران نے یحییٰ کو جیل سے بلایا تھا اور ہادی کی نعش کو دیکھکر یحییٰ نے ہارون الرشید کو خلافت کی خوشخبری سنائی تھی صفحہ ۱۰۵۔ [2] مورخین نے اس رات کا نام لیلۃ الھاشمیہ رکھا ہے [3] ہارون الرشید کی ولادت محرم ۱۴۹ھ میں ہوئی تھی۔ اسوقت عمر کا اکیسواں سال تھا جہشیاری وطبری والفخری۔

مشیت الٰہی بھی شامل تھی، اگر چند گھنٹے ہادی اور زندہ رہتا تو یحییٰ اور ہارون کا بھی خاتمہ ہو جاتا

۲۔ ہارون الرشید کا پہلا دربار

ربیع الاوّل کی سترھویں تاریخ (۱۷۰ھ) یکشنبہ کا دن اور ظہر کا وقت تھا کہ ہارون الرشید قصر الخلد سے قصر الذہب (بغداد جدید) کو شاہانہ جلوس کیساتھ روانہ ہوا۔ راستہ میں عیسیٰ آباد کے پل پر یکایک سواری ٹھہر گئی اور حکم ہوا کہ غوطہ خور طلب ہوں جب یہ آ گئے تو رشید نے انکو دجلہ کا ایک خاص مقام بتایا جہاں اس نے ایک دن اپنی بیش انگوٹھی پھینک دی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ مہدی عباسی نے ایک لاکھ دینار میں یہ انگوٹھی خرید کر کے رشید کو دیدی تھی جب ہادی خلیفہ ہوا تو رشید کو مجبور کیا کہ "انگوٹھی واپس کی جائے"۔ لیکن رشید نے انکار کیا اور جب زیادہ تقاضہ ہوا تو برہم ہو کر دجلہ میں ڈالدی تھی۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک غواص نے انگوٹھی لاکر نذر کی۔ اس واقعہ کو رشید نے مبارک فال سمجھا، انگوٹھی پہنی اور اب جلوس آگے بڑھا۔[1]

قصر الذہب کے صدر دروازہ پر بنو ہاشم اور ارکان دولت نے نئے تاجدار کا استقبال کیا اور دیوان عام میں پہونچکر ہارون الرشید نے مہدی مرحوم کے تخت پر جلوس کیا۔ یہ مرصع تھا جسکی طلائی چوبوں پر ایک خوبصورت قبہ قائم تھا اور اس پر ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا۔ تخت کے دونوں جانب دو سیاہ چتر تھے جن کو غلام نیزوں کی چھڑوں پر لیئے ہوئے تھے اور یہ چھڑیں بھی طلائی تھیں اور تخت ہی کے قریب (دائیں جانب) ایک مرصع منبر بھی رکھا ہوا تھا۔ (اس جگہ وزیر بیعت لیتا تھا) ہارون الرشید سیاہ حریر کا لباس پہنے تھا، کاندھے پر سبز چادر جو تی پڑی تھی ہاتھ میں عصا تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلی میں مہر خلافت، اور عام درباری بھی سیاہ لباس میں تھے تخت کے دائیں بائیں، ایرانی، رومی، اور حبشی غلام مزرکش (زرتیں) وردیاں پہنے ہوئے استادہ تھے، اور ابوہاشم مسرور الکبیر سیاف اعظم (خواجہ سرا اور جلادوں کا افسر) ایک گرز لیئے ہوئے سرہانے کھڑا تھا، اس وقت مسرور کا سیاہ تاب ہولناک چہرہ اور سیاہ ریشمی

---

[1] طبری صفحہ ۶۰۰، ۳ انگوٹھی کا نگینہ بیش قیمت تھا جس کا نام "الجبل" تھا۔

بجا اس مصرعہ کا مصداق تھا ع سَوَادٌ فِیْ سَوَادٍ "

ایوان میں تخت کے سامنے زریں مسندیں بچھی ہوئی تھیں۔ جس پر خاندان کے بڑے بوڑھے اور شاہزادے بیٹھے تھے۔ امرائے برامکہ آل قحطبہ اور آل مہلب صف بستہ کھڑے تھے اور تخت کے دائیں جانب یحییٰ برمکی کی کرسی تھی۔ خاندانی رسم کے مطابق ہارون الرشید نے سر سے عمامہ اتار کر ایک مختصر تقریر کی، جس میں برادر مرحوم (موسیٰ ہادی) کی موت پر رنج و افسوس کا اظہار تھا، پھر حاضرین جلسہ میں سے مقتدر اصحاب نے سر نیاز جھکا کر خلیفۂ مرحوم کی تعزیت کی۔"

عام بیعت رات ہی کو ہو چکی تھی لیکن طبقہ اعلیٰ میں جو اصحاب باقی رہ گئے تھے انھوں نے اس وقت بیعت کی اور اطاعت کا حلف اٹھایا۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

"انا نبایع سیدنا و مولانا الامام المفترض الطاعۃ علی جمیع الانام ابا جعفر ھارون الرشید بن عبد اللہ محمد المھدی علی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ واجتہاد امیر المومنین وان لا خلیفۃ سواہ "	میں سیدنا اور مولانا اور اُس امام سے بیعت کرتا ہوں جس کی اطاعت سب پر فرض ہے اور وہ امیر المومنین ابو جعفر ہارون الرشید بن عبد اللہ محمد المھدی ہے۔ یہ بیعت خدا کی کتاب سنت نبوی اور اجتہاد امیر المومنین پر کی جاتی ہے جسکے سوا اور کوئی خلیفہ نہیں ہے۔"

تکمیل بیعت کے بعد بنو ہاشم، سرداران فوج اور ارکان دولت نے تہنیت خلافت عرض کی۔ پھر حاضرین نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، جسکے آغاز میں حضرت عباس اور دوسرے عباسی خلفاء کے نام تھے۔ دعا کے بعد دربار برخاست ہوا اور تاج پوشی کی رسم ختم ہو گئی

۳۔ یحییٰ برمکی کی وزارت ہارون الرشید کی نیک نفسی اور علو ہمتی ہزاروں تعریف کی مستحق ہے۔ کہ اُس نے پہلے دربار میں اپنے محسن، مربی اور اتالیق یحییٰ

لہ ہشیاری صفحہ ۱۰۶ و کامل صفحہ ۳۶ جلد ۶ و ابن خلدون ۲۱۹، ۲۲۳ جلد ۲۔ ابن خلکان ۳۲۲۔ جلد ۲۔ طبری صفحہ ۵۷۸ تاریخ الخلفاء سیوطی

برمکی کو مخاطب کر کے کہا۔

یا ابت! انت اجلستنی ھٰذا المجلس ببرکۃ رائك وحُسن تدبیرك وقد قلدتك امر الرعیۃ واخرجتہ من عنقی الیك، فاحکم بما تری و استعمل من شئت واعزل من رأیت و دفع الیہ خاتمہ۔

بابا جان! آپ کی رائے کی برکت اور حسن تدبیر نے مجھکو اس مجلس میں بٹھایا یعنی (خلافت ولائی) ہے۔ اس لئے رعایا کے تمام معاملات اپنے طرف سے میں آپ کو سپرد کرتا ہوں، آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں جسکو چاہیں معزول کریں، اسکے بعد مہر خلافت سپرد کردی۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ ہارون الرشید نے یحیی برمکی کو نہ صرف وزارت بلکہ خلافت کے کامل اختیارات دیدیے تھے اور اس زمانہ تک دولت عباسیہ میں جسقدر وزرا رگذرے تھے، یحیی کا اقتدار سب سے بالاتر تھا اور باستثنائے دیوان الخاتم جملہ دواوین (محکمے) کا صدر تھا۔

شعراء کی تہنیت

ہارون الرشید کی تخت نشینی پر شعرائے عصر نے مدحیہ قصائد اور متفرق نظمیں پڑھیں جن کا کتب ادب میں بڑا ذخیرہ ہے لیکن اس موقع پر صرف ابراہیم الموصلی اور ایک بدوی کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

الم تران الشمس کانت مریضۃ
فلما ولی ھرون اشرق نورھا
تلبست الدنیا جمالاً بملکہ
فھرون والیھا ویحیی وزیرھا

۱ تم نے نہیں دیکھا؟ آفتاب بیمار تھا۔
۲ جب ہارون خلیفہ ہوا تو اسکی روشنی چمک اٹھی
۳ دنیا نے اسکی سلطنت سے خوبصورتی کا لباس پہن لیا
کیونکہ اب ہارون بادشاہ ہے اور یحیی اس کا وزیر

اس نظم کے صلہ میں ہارون الرشید نے ایک لاکھ اور یحیی برمکی نے پچاس ہزار درہم مرحمت کئے۔ اعلام الناس کی روایت ہے۔ کہ جب ہارون الرشید کی مسند نشینی کی شہرت قبائل عرب میں پھیلی تو ایک بدوی دربار میں آیا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ جیسے کوئی شخص مجھ سے

۱؎ سیوطی بروایت مورخ صولی وطبری صفحہ ۶۰۱ ۲؎ اعلام الناس خلافت ہارون الرشید۔

کہتا ہے کہ ہارون الرشید تخت نشین ہوا ہے تو اس کے حضور میں یہ اشعار پہنچا دے۔ ہارون نے بدوی کا مطلب سمجھکر حکم دیا کہ اشعار سناؤ۔ اجازت ہوتے پر اس نے یہ چار شعر پڑھے۔

تواسرنت خلافت من قریش	تو نے خلافت قریش سے ورثہ میں پائی ہے۔
تزف الیکما ابداً عروسا	وہ خلافت ہمیشہ تم دونوں کے پاس دلہن بنکر
الی ھٰرون تھدی بعد موسیٰ	آئیگی۔ موسیٰ ہادی کے بعد ہارون کے پاس
تمیس وما لھا ان لا تمیسا	ناز کرتی ہوئی جائیگی اور جب یہ موقع حاصل ہو، تو وہ کیوں نہ ناز کرے۔

جب اعرابی پڑھ چکا تو انعام دیکر رخصت کر دیا۔

۱۷۔ یحییٰ برمکی کی وزارت، فرائض منصبی و نظام حکومت

۱۔ خیزراں اور یحییٰ برمکی، موسیٰ ہادی کی موت پر حکومت کا نظم و نسق خیزراں کے ہاتھ میں تھا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہارون الرشید یا یحییٰ برمکی میں حکمرانی کا مادہ نہ تھا، بلکہ رشید کو اپنی ماں کی خاطر منظور تھی اور اُن صدمات کی تلافی جو ہادی کی موت سے خیزران کو پہنچے تھے۔ اس لئے یحییٰ برمکی روزانہ اپنے بیٹوں فضل اور جعفر کے مشورہ سے انتظامی اُمور طے کرتا تھا اور یہ جلسہ دوپہر تک رہتا تھا۔ اس کے بعد جملہ کاغذات خیزران کے حضور میں پیش ہوتے اور جو احکام صادر ہوتے، وہ یحییٰ کے دستخطوں سے جاری کئے جاتے تھے اور اس پر مہر ثبت کی جاتی تھی، اور یہ خدمت ابوالعباس طوسی کے سپرد تھی کچھ دنوں کے بعد یحییٰ برمکی کی تحریک پر مہر لگانے کا طریقہ بند ہو گیا اور ۱۷۱ھ میں دیوان الخاتم کی خدمت بھی یحییٰ کے سپرد ہو گئی اور بقول مورخ طبری اب یحییٰ دو وزارتوں

لہ جشیاری و طبری صفحہ ۶۰۰

کا مالک تھا[1]

یحییٰ نے وزیر ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ ملک محروسہ میں ہارون الرشید کی خلافت کا اعلان جاری کیا اور دفتر انشاء (سکریٹریٹ) کے صدر کاتب (میر منشی) یوسف بن قاسم بن صبیح نے اعلان کا مسودہ مرتب کیا، فضل برمکی کے مکان پر مسودہ کی نقلیں تیار ہوئیں اور ذریعہ برید (ڈاک) روانہ کیگئیں اور جو اُمراء رشید کے خلاف تھے اُن کے قتل کا خیزران نے حکم دیدیا تھا لیکن یحییٰ نے سب کے قصور معاف کر دیئے۔

خیزران کے انتقال (۱۷۳ھ) پر ہارون الرشید نے یحییٰ کو تمام سیاہ و سفید کا مالک کر دیا تھا، اور اس کی ہر تجویز منظور کیجاتی تھی، اور ادب کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ بابا جان کہکر خطاب کیا۔

۲۔ نظام حکومت

وزرائے برامکہ کے کارنامے اور انکی خود مختاری کی شان سمجھنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ دولت عباسیہ کا نظام حکومت دکھایا جائے۔ وہ اصحاب جنہوں نے عہد جاہلیت عرب کی تاریخ پڑھی ہے اُنکو معلوم ہے کہ عرب میں شاہنشاہی اور بادشاہی نہ تھی بلکہ ہزاروں سال سے جمہوری طرز کی حکومت قائم تھی جسکی ابتدا شیوخ قبائل کی حکومت سے ہوئی اور عہد رسالت تک یہی شان تھی۔ البتہ خلافت صدیقی (۱۱ھ ۶۳۲ء) میں اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی۔ لیکن یہ عارضی دور (۲½ سال) فتوحات اور انسداد فتنہ ارتداد میں ختم ہوگیا۔ لہذا انتظامی حیثیت سے یہ عہد خارج از بحث ہے لیکن خلافت فاروقی میں ساڑھے دس سال (۱۳ھ ۶۳۴ء لغایت ۲۳ھ ۶۴۴ء) کے اندر وسعت سلطنت کے ساتھ ایک زبردست نظام حکومت کی بنیاد پڑی لیکن یہ حکومت[2] بھی نہ تو شخصی تھی اور نہ کامل جمہوری، البتہ حضرت عمرؓ کی انداز حکومت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی سلطنت کو جمہوریت کے قالب میں ڈھالنا چاہتے تھے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ اور ایوان حکومت میں مجلس شوریٰ (کونسل) کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو جمہوریت کا دیباچہ تھا۔ مجلس[3] کی

---

[1] طبری صفحہ ۶۰۸

[2] شخصی حکومت یہ ہے کہ فرمانروا جو چاہے کر گزرے اور کوئی پرسش نہ کرے۔ جمہوریت یہ ہے کہ رعایا کی مداخلت غالب رہے اور خود فرمانروا کی بھی حیثیت ایک اعزازی ممبر سے زیادہ نہ ہو۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۱۴، ۶۳

انعقاد کا معمولی طریقہ یہ تھا کہ منادی مدینہ کی گلیوں میں الصلوٰۃ جامعۃ (نماز کیلئے جمع ہو جاؤ) کے نعرے لگاتا تھا۔ مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہوتے۔ حضرت عمر دو رکعت نماز کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر مسئلہ زیر بحث پر تقریر کرتے، پھر عام مباحثہ شروع ہوتا اور قوم کی متفقہ فیصلہ پر عمل کیا جاتا اور ہر گتھی کے سلجھانے کا یہی طریقہ تھا۔ پھر فتوحات کے بعد صوبجات کا تعین کیا گیا اور ملکی و فوجی ضرورتوں سے دواوین[1] (جمع دیوان) عالم وجود میں آئے۔ اور انتظامی امور میں عجم کی اکثر تقلید کی گئی اور دیوان (بمعنی دفتر و محکمہ) کا لفظ بھی، عجم سے مستعار لیا گیا۔ اور عمال کی خدمات کا معاوضہ تجویز ہوا، سنگین جرائم کی تفتیش میں کمیشن کا قاعدہ جاری ہوا اور عمال کی انتخاب کا حق رعایا کو دیا گیا۔

خلافت فاروقی کے اس نظام میں امیر معاویہ (امیہ خاندان کے اول حکمران) نے بہت کچھ ترمیم کر دی اور شخصی حکومت کا آغاز ہوا۔

شام کا ملک مسلمانوں نے رومیوں سے فتح کیا تھا، لہذا اس ملک کے رسوم و آئین بہت کچھ رومی تھے اور شام کی رعایا اظہار نمود اور شان و شوکت کی عادی تھی، اس ضرورت سے امیر معاویہ نے اسلامی حکومت کو شہنشاہی قالب میں ڈھالا اور دار الخلافہ دمشق کو بھی ایک رومی شہر بنا دیا۔ جس کی تقلید اُنکے جانشین کرتے رہے۔

یہ امر کسقدر تعجب خیز ہے کہ جو والیان صوبہ (عہد فاروقی میں) کمل کے کرتے پہنتے تھے وہ اس زمانہ میں حریر اور دیبا کی عبائیں پہننے لگے، اور بجائے جَو کی موٹی روٹی کے سفید میدہ کی چپاتیاں اور پرندوں کے گوشت کا قورمہ انکے دسترخوان پر آنے لگا۔

ایوان خلافت پر حاجب اور دربان مقرر ہوئے اور اکثر جدید عہدے روم اور فارس کی تقلید میں قائم کئے گئے۔ تاہم امیر معاویہ تک خلافت راشدہ کی کچھ جھلک باقی تھی۔

---

[1] دیوان، دفتر، دوات، دبستان کا ماخذ لفظ دیب ہے۔ جسکے معنی لکھنے اور خط کھینچنے کے ہیں۔ یہ پنجافشی دَوَر کا لفظ ہے قدیم عجم میں بجائے پڑھنے کے اول لکھنا سکھایا جاتا تھا جس سے لفظ دبستاں پیدا ہوا۔ اور دیوان اس جگہ کا نام ہے جہاں تحریری سرمایہ محفوظ رہے

لیکن ۶۰ھ؁ میں ابو خالد یزید بن معاویہ کے تخت نشین ہوتے ہی خلافت تمام و کمال دنیوی بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔ اور ملک میں شراب نوشی اور فسق و فجور کا آغاز ہوا، نشہ میں جھومتے ہوئے یزید نے نماز پڑھائی اور زبان پر یہ شعر تھا۔

اَنَا الْمَسْمُوْمُ مَا عِنْدِیْ بِتِرْیَاقٍ وَّلَا رَاقِیْ[1]
اَدِرْ کَاسًا وَّ نَاوِلْہَا اَلَا یَا اَیُّہَا السَّاقِیْ

"میں تو زہر کا مارا ہوا ہوں، میرے پاس نہ تریاق ہے نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔
ارے او ساقی! (بس اب میرا یہی علاج ہے) کہ تو شراب کے پیالے بھر بھر کر پلائے جا"

اس خاندان میں یزید کے بعد بہتر[۷۲] سال کے اندر بارہ[۱۲] خلفاء اور ہوئے ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی، جن کا مختصر تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے بنو امیہ کا دور استبدادی تھا۔ یعنی یہ سب خود مختار بادشاہ تھے، جو رسم و رواج کے موافق خلیفہ کہلاتے تھے۔ اسی طرح عباسی حکومت بھی شخصی تھی اور ابتدائی دور سراپا قہر و جلال تھا۔ استقلال حکومت کے لئے سفاح، منصور، اور مہدی عباسی نے ہر قسم کی سفاکیاں جائز رکھیں۔ اور سادات کرام پر جو مظالم توڑے وہ صفحات تاریخ سے ظاہر ہیں۔

جملہ انتظامی اُمور خصوصاً صیغہ مال (خراج) دیوانی (فصل مقدمات) اور فوج (عسکریت) کے ہر معاملہ میں یہ خلفاء خود مختار تھے اور والیان صوبہ کو بھی کامل اختیارات حاصل تھے۔ بنو اُمیہ کے زمانہ تک عرب حکومت میں شریک غالب رہے، لیکن عباسی دور میں ایرانیوں کا غلبہ ہوا اور ان کے بعد ترک دخیل ہوگئے[2]۔ استیصال حکومت بنو امیہ

---

[1] یزید بڑا شاعر تھا، خصوصاً شراب کے مضامین خوب لکھتا تھا، ابو نواس وغیرہ اس صنعت میں یزید کے خوشہ چین ہیں۔ یہ مطلع یزید کے ایک مشہور قصیدہ کا ہے۔ جس کے دوسرے مصرعہ کو خواجہ حافظ شیرازی نے بادنیٰ تغیر اپنی غزل کا مطلع بنا لیا ہے۔

[2] معتصم باللہ (۲۱۸ھ؁ ۸۳۳ء) کے زمانہ سے ترکوں کا زور ہوا اور تیسری صدی ہجری میں عباسی حکومت ترکی امراء کے ہاتھ میں آگئی اور خلافت برائے نام رہ گئی۔ عہد راضی باللہ (۳۲۲ھ؁) سے وزیر کا لقب امیر الامراء ہوگیا۔ اور امرائے دیالمہ و سلاجقہ نے اپنے لئے رئیس الرؤساء اور سلطان کا خطاب تجویز کیا۔ اور لفظ وزیر غائب ہوگیا۔ ترکوں نے یہ منصب بزور تلوار قائم کیا تھا۔

الجبال، (فارس کا پہاڑی علاقہ) دیلم (بحر فزوین کا کوہستانی سلسلہ) طبرستان، جرجان، قوس، صحرائے خراسان (ریگستانی علاقہ) سیستان، خراسان، ماوراء النہر (بخارا و سمرقند کا ملک)، خوارزم (نہر جیحون کا شمالی حصہ)

۲۔ ممالک مغرب[1] دیار عرب[2]، بحر فارس دیار مغرب، مصر، شام، بحر الروم، (۷) اور الجزیرہ (دیار عرب میں حجاز، یمن، عمان، ہجر حضرموت شامل ہیں) جند یعنی چھاؤنی

۳۔ اجناد الشام | شام کا صوبہ، سات چھاؤنیوں پر تقسیم تھا۔ جسکی تفصیل یہ ہے۔

	صدر			صدر	
۱۔ فلسطین	صدر	رملہ	۴۔ دمشق	صدر	دمشق
۲۔ آردن	"	طبریہ	۵۔ قنسرین	"	حلب
۳۔ حمص	"	حمص	۶۔ عواصم	"	انطاکیہ

عواصم سے شام کا بالائی حصہ مراد ہے جو حلب سے اسکندرونہ تک پھیلا ہوا تھا۔

۷۔ ثغور۔ (سرحدی علاقہ) جس میں کوہ طورس کا پورا رقبہ اور لیمیاط و طلیۃ وغیرہ داخل ہیں)

اور اسی اُصول کے مطابق مصر بھی بالائی اور نشیبی رقبہ کے لحاظ سے دو حصوں پر تقسیم تھا یعنی مصر صعید (UpperEgyPt) اور مصر اسفل (LowerEgyPt)

خلاصہ یہ ہے کہ باستثنائے اندلس (اسپین) باقی دنیائے اسلام، ہارون الرشید کے قبضہ میں تھی۔ فرمانروائے روم، باج گذار تھا اور سندھ میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور ان ممالک کا رقبہ تقریباً تینتیس[3] لاکھ اٹھائیس ہزار اور چودہ میل مربع تھا۔

۶۔ بندوبست یا صیغۂ خراج | توراۃ مقدس سے ثابت ہے کہ زمین کا مالک قدیم زمانہ سے بادشاہ سمجھا جاتا ہے، جو کاشتکار زمین سے فائدہ اُٹھاتے تھے وہ معاوضہ میں ایک خاص رقم بادشاہ کو نذر کرتے تھے، اس کا نام نذرانہ یا خراج تھا، جس کو

---

[1] ممالک مغرب سے افریقہ شمالی کے وہ ساحل مراد ہیں جو مصر کے حدود سے جانب مغرب واقع ہیں یعنی برقہ، طونس، تامرت، طنجہ، سوس اور زویلہ۔ [2] دیار عرب سے ساحل جزیرۃ العرب مقصود ہے جسکی حد عبادان (دہانہ دجلہ) سے خلیج فارس تک ہے۔ اس حصہ میں بحرین، عمان، مہرہ، حضرموت، ساحل عدن جدہ اور یمن تک شامل تھا۔ اور دوسری جانب عرب کی حد ایلہ پر ختم ہوتی ہے۔

[3] عراق کی مساحت طول میں سندھ سے ۱۲۵ فرسخ اور عرض قدیب سے طوان تک ۸۰ فرسخ تھا جس کا مجموعہ ۳۰۰۰۰ میل مکسر تھا۔

ہندوستان میں لگان کہتے ہیں۔ نقدی کے علاوہ لگان میں پیداوار کا بھی ایک حصہ لیا جاتا تھا، جس کو عرب تعدیل (بٹائی) کہتے ہیں۔

صیغہ خراج بھی عہد فاروقی میں قائم ہوا تھا، اور عراق کی پیمائش ہو کر لگان بحساب جنس تشخیص کیا گیا تھا جسکی تقلید، عہد امیہ و عباسیہ میں ہوتی رہی۔ عہد ہارون الرشید میں بندوبست کے متعلق جو نئے معاملات پیش آتے تھے اس میں قاضی ابو یوسف سے مشورہ کیا جاتا تھا وہ صحابہ کے طرز عمل اور اپنے اجتہاد سے احکام صادر کرتے تھے جسکی تصدیق کتاب الخراج (قاضی ابو یوسف) سے ہوتی ہے۔ لیکن یحییٰ برمکی، قباد اور نوشیرواں کے دستور العمل کو بھی پیش نظر رکھتا تھا۔ اور مناسب ترمیم کر دیتا تھا۔

حضرت عمرؓ فاروق نے (نوشیرواں کی تقلید میں) صوبہ عراق کا لگان حسب ذیل مقرر کیا تھا۔ (عراق میں کوفہ، بصرہ، واسطہ، مدائن، حلوان اور سامراء داخل

۱۔ نخلستان یا کھجور کے باغات	فی جریب[۱]	دس درہم سالانہ	(ڈھائی روپیہ)
۲۔ انگور	″	آٹھ درہم	(دو روپیہ)
۳۔ نے شکر	(صوبہ خوزستان اہواز وغیرہ)	چھ درہم	ڈیڑھ روپیہ
۴۔ گیہوں	فی قفیز	ایک درہم	(چار آنہ)
۵۔ جو	فی جریب	دو درہم	(آٹھ آنہ)
۶۔ روئی	″	پانچ درہم	(سوا روپیہ)
۷۔ تل	″	آٹھ درہم	(دو روپیہ)
۸۔ بقولات (ترکاریاں)	″	تین درہم	(بارہ آنہ)

یہ لگان درجہ اول کی آراضی کا تھا۔ اور ادنیٰ درجہ میں شرح مذکور سے بھی کم تھا اور اکثر ترمیم ہوتی رہتی تھی۔ اور عہد عباسیہ تک یہی شرح قائم تھی جس میں کبھی اضافہ ہوا اور کبھی کمی۔

[۱] ایک جریب ساٹھ گز مربع کی تھی اور جریب کے دسویں حصہ کا نام قفیز ہے۔ اور یہ عراق کی پیمائش تھی۔

عربوں کو چونکہ ملک کی آبادی اور رعایا کی خوش حالی مدنظر تھی لہذا غیر معمولی اضافہ لگان کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور جسقدر خراج وصول ہوتا تھا اسکو غنیمت سمجھا۔

صوبہ خراسان کے خراج کی شرح نہیں معلوم ہوسکی لیکن عام اُصول یہ تھا کہ خراج کی رقم نصف پیداوار سے کسی حال میں زیادہ نہ ہو۔

افتادہ آراضی کو جو کاشتکار آباد کرے وہ اسکی ملک ہو جاتی تھی لیکن اگر تین سال کے اندر آباد نہ کرے تو پھر وہ بے دخل کر دیا جاتا تھا۔

صوبۂ مصر کی زراعت کی ترقی دریائے نیل کی طغیانی پر موقوف تھی لہذا اس صوبہ کی شرح لگان بالمقطع فی جریب ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھی۔ جسکو بندوبست استمراری کہنا چاہیے۔ اور کل خراج (ایک قسط میں) سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔

نقدی کے علاوہ حسب ذیل آراضیات[1] پر بحساب عُشر (پیداوار کا دسواں حصہ) وصول کیا جاتا تھا

۱۔ جو آراضی قدرتی پانی (بارش، ندی، نالہ) سے سیراب ہو۔

۲۔ جو زمین فوتی، فراری، بغاوت یا بذریعہ استعفا، کسی غیر مسلم (ذمی) کاشتکار کے قبضہ سے نکل کر مسلمان کی کاشت میں آئے۔ اور وہ زمین بھی جو بعد فتح سپاہیوں کو تقسیم کی گئی ہو۔

۳۔ جس ملک کے باشندے، فوج کشی کے وقت مسلمان ہو چکے ہوں یا بزمانہ جنگ صلح کرلی ہو۔

۴۔ آراضی افتادہ جو کسی کی ملک نہ ہو اور جسکو کسی مسلمان نے آباد کرلیا ہو۔ یہ شرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی تھی، لہذا عُشری آراضیات میں فرمانروائے وقت کو بھی کمی بیشی کا اختیار نہ تھا۔ البتہ خراجی آراضیات میں تخفیف اور معافی جائز تھی۔ عُشری آراضیات کا لگان ہر فصل پر پیداوار سے وصول کیا جاتا تھا۔ عشر کا اطلاق متفرق آمدنی پر بھی کیا جاتا ہے۔

۱۔ خراج کی وصولی مصر و شام (یمن اور حرمین بھی) کا خراج رومیوں کے زمانہ سے سکہ طلائی (دینار) میں وصول ہوتا تھا، کیونکہ یہ علاقے زرخیز تھے اور ان میں معدنیات بھی تھیں اور بقیہ

---

[1] جامع صغیر، فتوح البلدان بلاذری، ہدایہ، کتاب الخراج قاضی ابویوسف، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں۔

صوبوں کا خراج سکہ نقرئی (درہم) میں لیا جاتا تھا۔ عہد عباسیہ میں بائیس ۲۲ درہم کا ایک دینار ہوتا تھا چنانچہ جہشیدی نے اسی حساب سے خراج درج قائمہ (تختہ آمدنی) کیا ہے۔ لیکن مورخ گبن وغیرہ نے چار آنہ کا درہم مانا ہے، جس کے حساب سے ایک دینار کی قیمت پانچ روپیہ یا بیس ۲۰ درہم ہوتی ہے۔ نقدی کے علاوہ ملک کی پیداوار اور مصنوعات[۱] بھی ایک معینہ مقدار اور تعداد میں وصول کیجاتی تھی مثلاً:-

۱۔ پیداوار جنگل	خالص شہد، موم اور ریشم۔
۲۔ فواکہات	انار، سیب، بہی، شفتالو، کھجور، انگور خشک۔
۳۔ ادویہ و مسالہ	زیرہ، ہڑ، لونگ، جائے فل، رب انارین، عود ہندی، گلاب کے شیشے۔
۴۔ لباس اور فرش	منڈیل، مختلف ریشمی کپڑوں کے تھان، ریشمی حلے، چادریں، کمل، تکیے، لنگیاں، سادے جا نماز اور پھٹے دار فرش، جوتے۔
۵۔ حیوانات	ہاتھی، گھوڑے، ٹٹو، باز اور شکرے۔

۶۔ متفرقات شکر، قند، مہر لگانے کی مٹی، لونڈی غلام، خاص قسم کا نمک، مچھلیاں، اچار، اور یہ ذخائر سرکاری گوداموں میں آکر جمع ہوتے تھے۔

دولت امویہ کے عہد تک یہ دستور تھا کہ والیان صوبہ آمدنی کو بعد منہائی مصارف داخل خزانہ کیا کرتے تھے اور اس آمدنی کا نام ارتفاع جبایۃ[۲] تھا۔ لیکن عہد عباسیہ میں والی صوبہ بحیثیت مستاجر (ٹھیکہ دار) بالمقطع رقم داخل خزانہ کرتا تھا اور فوج اور عمال کی تنخواہ کے مصارف خود صوبہ دار ادا کرتا تھا۔ خزانہ شاہی پر اسکا بار نہ تھا۔ البتہ دار الخلافہ کے ملکی اور فوجی اخراجات ازواج و اولاد کے مصارف، خاندانی وظائف اور مناصب، تعلیمات، صدقات و خیرات، انعام و اکرام اور لونڈی غلاموں کی خریداری پر جس قدر صرفہ ہوتا تھا یہ رقم جیب خاص سے ادا ہوتی تھی اور اسکے بعد بھی کروروں کی توفیر ہوتی تھی، کیونکہ وسط تیسری صدی ہجری تک خلفا کے مصارف کی یومیہ تعداد سات ہزار دینار سے زیادہ نہ تھی[۳]۔

---

[۱] انتخاب از نقشہ محاصل مندرجہ تاریخ جہشیاری۔ [۲] مقریزی صفحہ ، جلد اول مطبوعہ مصر [۳] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان۔

بعض صوبے (افریقہ) ایسے تھے جنکی کل آمدنی بھی اُس ملک کے مصارف کے لئے کافی نہ ہوتی تھی بلکہ بیت المال سے مزید رقم صوبہ دار کے پاس بھیجی جاتی تھی، رعیت داری اصول کے مقابلے میں ادائے خراج کا یہ طریقہ بہت آسان تھا لیکن موروثی مستاجری نے اکثر والیان صوبہ کو خود مختار بنا دیا تھا۔ اس صیغہ کی مصطلحات کی خوارزمی نے تشریح کی ہے۔ مثلاً حاصل، باقی، محسوب، مردود، اغلاق الخراج (سب سے اخیر شرح لگان) وغیرہ۔

۲۔ ہنڈی کا استعمال | آپ کو یہ سُنکر تعجب ہو گا کہ خراج کی رقم بیت المال میں ساہو کار (جہبذ) ذریعہ ہنڈی (سفتجہ) جمع کرتے تھے۔ یہ مہاجن[۱] پیشہ در یہودی تھے یا عیسائی۔

ضبطی مال و اسباب کے خوف سے عمال اور ولاۃ بھی اپنا ذاتی سرمایہ ساہو کاروں (جہابذ) کی دوکان میں جمع رکھتے تھے اور خانگی لین دین میں بھی ہنڈویات کا چلن تھا، سرکاری ضرورت سے خلفا بھی قسط بندی پر مہاجنوں سے قرض لیا کرتے تھے۔ اور یہ رُپیہ بلا سودی ہوتا تھا کیونکہ لاکھوں روپیہ سے یہ ساہوکار ذاتی نفع اُٹھایا کرتے تھے۔ بعض صوبوں کی وصولی بھی براہ راست جہابذ کرتے تھے۔ اور یہ انکم ٹیکس سے محفوظ تھے۔

مصر[۲] میں بھی اسی قسم کے ساہو کار تھے جو بڑے پیمانہ پر غلہ کی بھی تجارت کرتے تھے اور قحط کے زمانہ میں گورنمنٹ کو غلہ قرض دیتے تھے۔

۳۔ متفرق آمدنی | متفرق محاصل سے جزیہ، زکوٰۃ، عشور، غنیمت اور فے وغیرہ کی آمدنیاں مراد ہیں۔ جسکی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ ابوہلال صابی عہد المقتدر باللہ عباسی مطبوعہ یورپ۔ اس عہد کی مشہور جہبذ یوسف بن فنیحاس اور ہرون بن عمران یہودی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جسکے تذکرہ میں تفصیل ہے۔

[۲] سفرنامہ حکیم ناصر خسرو علوی پانچویں صدی ہجری۔ مطبوعہ جرمن۔
فارسی میں صرف یہی ایک سفرنامہ یادگار ہے۔ خاکسار نے اس کا اُردو ترجمہ اور تاریخی و جغرافی حل مع سوانح حیات ناصر خسرو کامل دس سال کی محنت میں مکمل کیا ہے۔ طباعت کا تخمینہ مع نقشہ جات وفوٹو تقریبا تین ہزار روپیہ ہے۔ اسکی اشاعت علم دوست حضرات کی توجہ پر منحصر ہے۔

۱۔ جزیہ | یہ قدیم زمانہ کا ایک ٹیکس ہے، پانچویں[1] صدی قبل مسیح میں جب ساحل ایشیائے کوچک کے باشندوں کو یونانیوں نے اپنے حمایت میں لیکر فنیقیہ والوں کے حملہ سے بچایا ہے تو اُن سے جزیہ وصول کیا تھا جسکو حفاظت جان کے صلے میں یہ لوگ خوشی سے ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح رومانیوں نے جب گال (فرانس) کا ملک فتح کیا ہے تو وہاں کے باشندوں پر ۹ گنی سے ۱۵ گنی تک سالانہ جزیہ وصول کیا تھا۔ اس کے بعد یونانیوں سے ایران میں یہ ٹیکس آیا جسکا نام گزیت تھا۔ گزیت کے لغت میں یہ معنی ہیں

"گزیت زرے باشد کہ حکام ہر سال از رعایا گیرند و آنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از ذمی می ستانند"

گزیت کی سند میں اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

گہش خاقان خراجِ چین فرستد
گہش قیصر گزیت دین فرستد (نظامی گنجوسی)

گزیت رزِ بار ورشش درم
بجز ماستاں برہمیں رو رقم (فردوسی)

فردوسی کہتا ہے کہ ساسانی عہد میں انگور کی ٹیٹوں اور کھجوروں پر چھ درہم کے حساب سے لگان (گزیت) لیا جاتا تھا۔

جب مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا تو غیر مسلم رعایا پر حفاظت جان و مال کے معاوضہ میں جزیہ مقرر کیا گیا اور جزیہ دینے والے فوجی خدمت سے معاف کر دیئے گئے۔ عہد عباسیہ میں جزیہ کی شرح یہ تھی۔

۱۔ دولتمند	۴۸ درہم (بارہ روپے)	سالانہ
۲۔ متوسط	۲۴ " (چھ روپے)	"

[1] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان صفحہ ۱۶۹ جلد اول مطبوعہ مصر۔

۳۔ ادنیٰ ۱۲ درہم (تین روپے) سالانہ

بیس سال سے کم عمر والے اور ۵۰ سال سے زائد عمر والے بوڑھے مرد، عورت مجنون، مفلوج، اندھے، مفلس، راہب (عیسائی درویش) اور فوجی ملازم جزیہ سے بری تھے۔ اور حکام کی رپورٹوں پر کمی بھی ہو جاتی تھی اور کبھی بجائے فی کس، ٹیکس چوکیداری کی طرح فی گھر جزیہ وصول ہوتا تھا۔ اور یہ ٹیکس بذریعہ اقساط وصول کیا جاتا تھا۔ اور نقدی کے عوض کبھی جزیہ میں دوسری جنس بھی قبول کی جاتی تھی چنانچہ نجران کے عیسائی بجائے نقدی کے حلے (ایک قسم کا لباس[۱]) دیا کرتے تھے۔

بہر حال جزیہ کوئی مذہبی ٹیکس نہ تھا بلکہ حفاظت جان و مال کا ایک معمولی معاوضہ تھا اور لفظ جزیہ بھی عربی نہیں ہے بلکہ گزیت سے معرب ہوا ہے (جزیہ کے مفصل حالات کے لئے قباد و نوشیرواں کا قانون دیکھنا چاہیئے) یہ رقم خراج سے جداگانہ تھی۔

۲۔ زکوٰۃ جزیہ کے مقابلہ میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور یہ اُن پر ایک بھاری ٹیکس تھا، کیونکہ کوئی جائداد اور کوئی آمدنی زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہ تھی، اونٹ، گھوڑے، بھیڑ بکریاں، زراعت، باغات، زیورات سب کی زکوٰۃ وصول ہوتی تھی۔ اور زکوٰۃ کی کُل آمدنی خدا کی راہ میں غریب، محتاج، مسافروں پر خرچ ہوتی تھی، فرمانروا پر یہ آمدنی حرام تھی۔ قرآن حدیث اور فقہ میں زکوٰۃ کے مفصل قواعد موجود ہیں۔

وصولی زکوٰۃ کا عامل جداگانہ مقرر ہوتا تھا، جو اپنے اختیارات سے رقم کو تقسیم بھی کرتا تھا۔ زکوٰۃ کی رقم صرف مسلمانوں پر صرف ہوتی تھی، ذمیوں کی امداد دیگر آمدنی سے کی جاتی تھی۔

۳۔ عشور جو مسلمان مصر و روم وغیرہ کے ممالک میں بغرض تجارت جاتے تھے، اُن سے مال تجارت پر دس فیصدی محصول لیا جاتا تھا۔ اسی اصول پر حضرت عمرؓ نے ان تاجروں پر جو ممالک غیر سے عرب میں تاجرانہ حیثیت سے آیا کرتے تھے۔ یہ ٹیکس جاری کیا تھا۔

[۱] حضارۃ الاسلام صفحہ ۱۲۸ و مقدمہ ابن خلدون و بلاذری۔

یہ ٹیکس خلافت عباسیہ کے بعد بھی جاری رہا، کل مال پر پوری سال کے لئے ایک مرتبہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ عشور کے علاوہ خوانچہ والے اور دوسرے معمولی کاروبار کرنیوالے سے جو سڑکوں پر بیٹھتے تھے جو چنگی وصول کی جاتی تھی جس کو مکس (جمع مکوس[1]) کہتے تھے۔ تاجروں سے سال میں ایک مرتبہ ٹیکس لیکر ان کو کل ملک محروسہ میں گشت کرنیکا اختیار دیا جاتا تھا اور روزمرہ[2] تک کا مال محصول سے مستثنیٰ تھا۔ (یہ آمدنی سائر کی ہے عشر کی جمع عشور ہے)

۴۔ غنیمت عرب جب قبائل (اندرون ملک) میں لوٹ مار کرتے تھے تو لوٹ کے مال میں اونٹ کم تر اور بکریاں زیادہ آتی تھیں عربی میں بکری کو غنم کہتے ہیں، اور اسی لفظ سے غنیمت بنا ہے اور غنیمت سے وہ مال مراد ہے جو دوران جنگ میں وصول ہو جس میں علاوہ نقدی کے آراضیات بھی شامل ہیں۔ مال غنیمت تقسیم ہو جاتا تھا اور آراضیات کی آمدنی داخل خزانہ ہوتی تھی (اگر اراضیات تقسیم ہو جاتیں تو آیندہ نسلیں فوائد سے محروم رہ جاتیں)

۵۔ فئے یہ وہ مال ہے جو بغیر جنگ و جدال کے مشرکین سے ہاتھ آیا ہو۔ اقسام مذکورہ بالا کی جو آمدنیاں ہوں وہ محاصل متفرقہ میں داخل تھیں جن میں معدنیات اور جھیل و تالاب وغیرہ کی بھی آمدنی شامل تھی۔ دریائی آمدنی[3] میں موتی، مونگا، عنبر وغیرہ شامل تھا اس کا نام سیب البحر تھا۔ مہدی عباسی بازاروں کے ہر دوکاندار سے ٹیکس وصول کرتا تھا۔ محاصل کی تفصیل ہو چکی، اب نقشہ محاصل خراج ملاحظہ فرمائیے۔
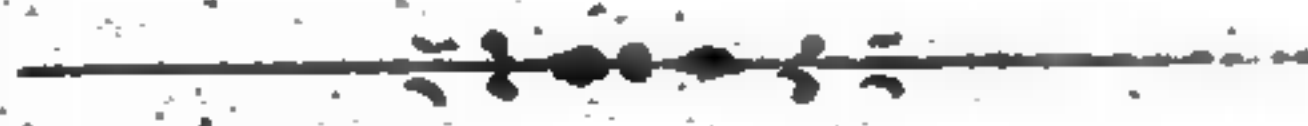
---

[1] خوارزمی صفحہ ۵۶

[2] یعقوبی صفحہ ۱۸۲ جلد اول

[3] یہی ٹیکس ہے جس کو اب میونسپلٹی تہ بازاری کے نام سے وصول کرتی ہے۔

[4] مال غنیمت میں گورنمنٹ کا پانچواں حصہ تھا۔

(۴) نقشہ خراج دولت عباسیہ[1]
(موارد بیت المال)

نمبر شمار	نام صوبہ یا ضلع	تعداد خراج مع پیداوار و مصنوعات	کیفیت
۱	علاقہ سواد	آٹھ کرور سات لاکھ اسی ہزار درہم ۸۰۷۸۰۰۰۰	یہ غلّہ کی قیمت ہے۔ سواد (عراق) زرخیز علاقہ تھا، اس لئے بجائے نقدی کے غلّہ وصول کیا جاتا تھا۔ عراق کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھا۔
	"	ایک کرور اڑتالیس لاکھ درہم ۱۴۸۰۰۰۰۰	یہ[2] ابواب المال کی رقم ہے۔ اس مد میں معاون اور غنائم کا پانچواں حصہ اور جزیہ شامل تھا۔ (خوارزمی)
	" "	۱۔ حُلّہ نجران دوسو (۲۰۰) ۲۔ مہر لگانے کی مٹی دوسو چالیس رطل ۲۴۰	عہد فاروقی سے نجران کے عیسائی خراج میں قیمتی کپڑے دیا کرتے تھے۔ رطل کی مقدار ایکسو اٹھائیس[1/2] درہم کے برابر تھی۔
۲	کسکر	ایک کرور سولہ لاکھ درہم ۱۱۶۰۰۰۰۰	
۳	اضلاع دجلہ یا سواد دجلہ	دو کرور آٹھ لاکھ درہم ۲۰۸۰۰۰۰۰	
۴	حُلوان	اڑتالیس لاکھ درہم ۴۸۰۰۰۰۰	

[1] منقول از کتاب الوزراء جہشیاری از صفحہ ۳۵۸-۳۶۳۔ [2] خلافت فاروقی میں باوجود نرمی جمع کے ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول ہوتے تھے۔

۵	اہواز (خوزستان)	دو کرور پچاس لاکھ درہم ۲۵۰۰۰۰۰۰	
	″	شکر تیس ہزار رطل ۳۰۰۰۰	
۶	فارس	دو کرور ستر لاکھ درہم ۲۷۰۰۰۰۰۰	
	″	گلاب تیس ہزار شیشے ۳۰۰۰۰	
	″	۲- عرق انگور سیاہ خشک بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰	
	″	۳- انار، بہی (رمان وسفرجل) ایک لاکھ پچاس ہزار ۱۵۰۰۰۰	
	″	۴- الانبجات پندرہ ہزار رطل ۱۵۰۰۰	یہ آم کا مربہ تھا جس میں شہد کی آمیزش ہوتی تھی - خوارزمی صفحہ ۱۷۷
	″	۵- انگور خشک (مویز) تین کُر ہاشمی	ایک کُر = ۶۰ قفیز اور ایک قفیز = ۸ مکاکیک اور ایک مکوک = ۳ کیالج اور ایک کیلجہ = ۶۰۰ درہم (خوارزمی)
	″	۶- سیراف کی مٹی پچاس ہزار رطل ۵۰۰۰۰	یہ مٹی مہر کے لیے سیراف سے آتی تھی اور اسکا رنگ سرخ تھا - اسکو گل مختوم بھی کہتے ہیں -
۷	کرمان	بیالیس لاکھ درہم ۴۲۰۰۰۰۰ ۱- یمن اور خبیص کے ریشمی کپڑوں کے تھان پانسو (۵۰۰)	(ثوب متاع یمنی)

		۲- کھجوریں بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰	
		۳- زیرہ ایک سو رطل ۱۰۰	
۸	مکران	چار لاکھ درہم ۴۰۰۰۰۰	
۹	سندھ مع ملحقات	ایک کرور ساٹھ لاکھ درہم ۶۰۰۰۰۰۰	
		۱- کیرج دس لاکھ قفیز ۲- ہاتھی تین زنجیر ۳- دو ہزار جوڑے کپڑے ۴- عود ہندی قسم اول ڈیڑھ سو رطل قسم دوم " ۵- دو ہزار جوڑے جوتے ۶- پٹکے چار ہزار ۷- لونگ } کافی ۸- جائفل } مقدار	کمر بند خدمت گاروں کے لئے
۱۰	سجستان یا سیستان	چھیالیس لاکھ درہم ۴۶۰۰۰۰۰ ۱- تین سو جوڑے (ثیاب المعینہ)	

		۲- قند بیس ہزار رطل ۲۰۰۰۰	
۱۱	خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم ۲۸۰۰۰۰۰۰ ۱- چاندی کے ٹکڑے ایک من ۲- نقرہ چاندی دو ہزار- ۳- ٹٹو- چار ہزار ۴۰۰۰ ۴- غلام - ایکہزار ۱۰۰۰ ۵- ہڑ تین سو رطل ۳۰۰ ۶- ستائیس ہزار تھان پارچہ	من کی مقدار تھی، ۲۵ درہم اور ایک درہم کا ساتواں حصہ (خوارزمی)
۱۲	جرجان	ایک کرور بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰ ۱- ریشم ایکہزار شقہ	
۱۳	قومس	ایک کرور پچیس لاکھ درہم ۱۲۵۰۰۰۰۰ ۱- چاندی کے ٹکڑے ایک من	

		۲- دو ہزار نقرہ	
		۳- کُل ننٹر عدد	
		۴- انار چالیس ہزار	
۱۴	صوبہ طبرستان ۱- رویاں، علاقہ دیلم ۲- دنباوند یا دماوند پہاڑی سلسلہ	ترسیٹھ لاکھ درہم ۶۳۰۰۰۰۰	
		۱- فرش طبری چھ سو ۶۰۰	
		۲- کمبل یا چادر دو سو ۲۰۰	
		۳- تھان پارچہ پانسو ۵۰۰	
		۴- مندیل تین سو ۳۰۰	
		۵- جامات چھ سو ۶۰۰	
۱۵	رَے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ۱۲۰۰۰۰۰۰	
		۱- انار- ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ ۲- شفتالو- ایک ہزار رطل ۱۰۰۰	
۱۶	اصفہان	ایک کروڑ دس لاکھ درہم ۱۱۰۰۰۰۰۰	بعض حصے خراج سے مستثنیٰ تھے-
		۱- شہد- بیس ہزار رطل	
		۲- موم- بیس ہزار رطل	

۱۷	ہمدان و دستبی	ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ درہم ۱۱۸۰۰۰۰۰ ۱۔ رُبِ انار بین ایکہزار رطل ۲۔ شہد کوہ اروند بیس ہزار رطل	
۱۸	۱۔ ماہ البصرہ (نہاوند) ۲۔ ماہ الکوفہ (دینور) ۳۔ ماسبندان وغیرہ	دوکرور سات لاکھ درہم	
۱۹	شہرزور مع ملحقات	دو کرور چالیس لاکھ درہم ۲۴۰۰۰۰۰۰	
۲۰	موصل مع ملحقات دیاربکر، مضر و ربیعہ	دو کرور چالیس لاکھ درہم ۲۴۰۰۰۰۰۰ ۱۔ شہد سفید بیس ہزار رطل	
۲۱	الجزیرہ مع اضلاع فرات دیار اُت	تین کرور چالیس لاکھ درہم ۳۴۰۰۰۰۰۰	
۲۲	آذربائجان	چالیس لاکھ درہم ۴۰۰۰۰۰۰	
۲۳	موقان و کرخ	تین لاکھ درہم ۳۰۰۰۰۰	
۲۴	جیلان	۱۔ غلام ایک سو ۱۰۰	

		۲۔ شہد بارہ مشک ۳۔ چادریں بیس ۲۰ ۴۔ باز شکاری دس ۱۰	
۲۵	آرمینیہ	ایک کرور تیس لاکھ درہم ۱۳۰۰۰۰۰۰	
		۱۔ فرش محفور بیس عدد	ایک قسم کا ٹھپہ دار فرش
		۲۔ رقم دھاریدار چادریں پانسو اسّی قطیفہ	چادر کے ساتھ قطیفہ لکھتے ہیں جس طرح طاقہ اور تھان
		۳۔ ملح المنبوذ ماہی دس ہزار رطل ۱۰۰۰۰	ایک خاص قسم کا نمک جو مچھلی سے تیار کیا جاتا تھا۔
		۴۔ طریح، دس ہزار رطل ۱۰۰۰۰ ۵۔ باز تیس ۳۰ ۶۔ خچر دوسو	طریح ایک بالشت کی مچھلی ہے جو ارجیش (آذربائجان) میں پیدا ہوتی ہے اور بغداد کے بازار میں بھی فروخت ہوتی تھی۔ اسکو نمک سود کرکے رکھ چھوڑتے ہیں جب یہ عرصہ کی ہو جاتی ہے تو اس کے جوشاندہ سے قے ہوتی ہے۔ بحر الجواہر مطبوعہ ۱۲۸۲ھ لکھنؤ مطبع علوی علی بخش خاں
	میزان کل درہم باورق (نقری سکہ)	بیالیس کرور پینتیس لاکھ اسی ہزار درہم ۴۲۳۵۸۰۰۰۰	
		صوبجات شام	
۲۶۔	قنسرین و عواصم	چار لاکھ نوے ہزار دینار ۴۹۰۰۰۰	

نمبر	صوبہ	رقم	کیفیت
۲۷	حمص	تین لاکھ بیس ہزار دینار ۳۲۰۰۰۰ (۱) انگور خشک (مویز) ایک ہزار وزن ۱۰۰۰	
۲۸	دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار ۴۲۰۰۰۰	
۲۹	اردن	چھیانوے ہزار دینار ۹۶۰۰۰	
۳۰	فلسطین (اجناد الشام)	تین لاکھ دس ہزار دینار ۳۱۰۰۰۰ ۱- انگور خشک (مویز) تین لاکھ رطل	ملک شام میں انگور اور نارنگیاں بافراط ہوتی ہیں۔ رومیوں کے عہد میں شراب کے بکثرت کارخانے تھے۔
۳۱	مصر	دس لاکھ بیس ہزار نو سو دینار ۱۰۲۰۹۰۰	صوبہ مصر میں شہر تنس، دمیاط اور اشمون خراج سے مستثنیٰ تھے۔ اور ان کی آمدنی مصارف خیر میں وقف تھی۔
	میزان کل دینار (طلائی سکہ)	اٹھائیس لاکھ چھتیس ہزار دینار ۲۸۳۶۰۰۰	
۳۲	صوبہ افریقہ (برقہ)	دس لاکھ درہم ۱۰۰۰۰۰۰	
۳۳	افریقہ	ایک کرور تیس لاکھ درہم ۱۳۰۰۰۰۰۰	
	میزان درہم	ایک کرور چالیس لاکھ ۱۴۰۰۰۰۰۰	
۳۴	یمن	آٹھ لاکھ ستر ہزار دینار ۸۷۰۰۰۰	

نمبر	مد	رقم	کیفیت
۲۵	مکہ و مدینہ (حجاز)	تین لاکھ دینار ۳۰۰۰۰۰	
۱	میزان کل درہم	بیالیس کروڑ پینتیس[۲۵] لاکھ اسی ہزار ۴۲۳۵۸۰۰۰۰	
۲	میزان کل دینار	چالیس لاکھ چھ ہزار ۴۰۰۶۰۰۰	
۳	جملہ دینار کی قیمت درہم میں	آٹھ کروڑ اکیاسی لاکھ بتیس ہزار ۸۸۱۳۲۰۰۰	جہشیاری نے ۲۲ درہم کا ایک دینار درج حساب کیا ہے
۴	جملہ خراج درہم میں	اکیاون کروڑ سترہ لاکھ بارہ ہزار ۵۱۱۷۱۲۰۰۰	بشرح ۲۲ درہم
۵	کل ملک کا خراج سکہ انگریزی میں	بارہ کروڑ اتنالیس لاکھ اٹھائیس ہزار ۱۲۷۹۳۸۰۰۰	مطابق تحقیقات مورخ گبن ایک دینار قیمتی پانچ روپیہ اور ایک درہم چار آنہ

یہ وہ آمدنی ہے جو اس عہد میں کسی فرمانروا کو حاصل نہ تھی۔ مورخ جہشیاری نے سرکاری کاغذات سے یہ گوشوارہ مرتب کیا ہے۔ ابن[۱] خرداذبہ، قدامہ[۲] اور ابن خلدون وغیرہ نے جو آمدنی لکھی ہے۔ تنقیح کے بعد اس میں غلطیاں ثابت ہوئی ہیں۔ لہذا یہ نقشہ محاصل نہایت صحیح ہے۔ برامکہ کے بعد مامون الرشید کے عہد میں بھی وزارت ایرانیوں کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن کل ملک کا خراج انتالیس[۳۹] کروڑ آٹھ لاکھ پچپن ہزار درہم سے زائد وصول نہیں ہوا۔

---

۱ ابن خورداد بہ جغرافی ایک پارسی نومسلم کی اولاد تھا اسکی کتاب المسالک الممالک (۲۳۰ھ لغایت ۲۳۴ھ زمانہ تصنیف) مشہور ہے المعتمد کے زمانہ میں تھا۔ ۲ ایک نومسلم عیسائی تھا۔ اسکی کتاب الخراج ۲۶۶ھ میں تصنیف ہوئی بہت مشہور ہے۔ ۳۱۰ھ/۹۲۲ میں فوت ہوا۔ ۳ تاریخ تمدن جرجی زیدان ۱۲

منصور عباسی کے زمانہ میں چار کروڑ پچاس لاکھ درہم کی آمدنی تھی اور مرنے کے بعد خزانہ میں نوّے کروڑ۔ اسی لاکھ درہم چھوڑ گیا اور ہارون الرشید کی وفات پر علاوہ جواہرات کے خزانہ میں دس کرور دینار موجود تھے۔

بکثرت ایسے اصحاب ہیں جو برامکہ کی فیاضیوں کو محض فسانہ سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ برامکہ اس کُل آمدنی کے مالک تھے اور خزانہ ان کے قبضہ میں تھا۔ وہ جسقدر فیاضی کرتے تھے آمدنی کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

۱۸۔ دولت عبّاسیہ کے انتظامی صیغے

وزیر اعظم کے ماتحت جسقدر بڑے صیغے تھے اُن کے افسروں کا انتخاب یہ وزیر خود کرتا تھا۔ اور یہ صیغے حسب ذیل تھے۔

۱۔ دیوان الرسائل یا دفتر انشاء — ایوان خلافت سے روزانہ جس قدر احکام صادر ہوتے تھے انکا اجرار دیوان الرسائل سے ہوتا تھا۔ یہ خاص شاہی دفتر تھا۔ جس کو آجکل کی اصطلاح میں سکریٹریٹ کہتے ہیں۔

ایک کاتب (میر منشی) کی ماتحتی میں متعدد محرر (اہلمد) ہوتے تھے۔ اور یہ شاہی دفاتر دیوان کہلاتے تھے۔

دیوان الرسائل کا موجد بھی لہراسپ کیانی[3] ہے، اسی شہنشاہ نے دفتر انشا کے محرروں کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا تھا کہ وہ عوام سے ممتاز رہیں اور آمدورفت

---

[1] مروج الذہب صفحہ ،، [2] طبری صفحہ ۶۲،
[3] جہشیاری باب کتاب دکتابت۔

دفتر کے لئے سواری مقرر تھی۔ ان کاتبوں کے اعزاز کا اندازہ ان کے لقب سے ہوتا ہے۔ یہ "زبان شاہان" یعنی لسان الملوک کہلاتے تھے۔ یہ بڑے جفاکش اور ذی ہوش ہوتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ ایکدن نوشیرواں عادل ٹہلتا ہوا دفتر انشا میں جا نکلا۔ منشیوں کو دیکھا کہ وہ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف ہیں، شاہ کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ "دیوان ہستند" (یہ سب جنگلی ہیں) اسی دن سے یہ دفتر دیوان کہلایا لیکن یہ ایک لطیفۂ شاعرانہ ہے، دیوان، خالص فارسی لفظ ہے جو عہد ساسانی سے صدیوں قبل رائج ہو چکا تھا۔

عہد اسلام میں وسیع پیمانہ پر دیوان الرسائل سب سے پہلے امیر معاویہ نے قائم کیا۔ اس زمانہ تک عرب مختصر اور سادہ نگاری کے عادی تھے۔ اور ان کی تحریریں تکلفات سے دور تھیں، اور وہ شاہانہ تہذیب کتابت سے بھی واقف نہ تھے لہذا مجبوراً اول یہ خدمت شامی عیسائیوں کو دی گئی، جو یونانی اور عربی کے ادیب تھے۔ چنانچہ امیر کے نامور کاتب عبید اللہ بن اوس غسانی، اسطفانوس رومی، سرجون بن منصور اور ابن اوثال نصرانی تھے۔ یہ کاتب امیر کے بعد بھی عرصہ تک ملازم رہے اور انکے بعد عرب بھی جدید آداب مراسلت سے واقف ہو گئے۔ عبدالحمید[1] بن یحییٰ عامری عہد امیہ کا نامور ادیب ہے، جسکے زور قلم کے فسانے مشہور ہیں۔

عہد عباسیہ میں بھی ابان بن صدقہ اور ابن المقفع وغیرہ یادگار زمانہ ہیں۔ ہر خلیفہ کا کاتب خصوصی صرف ایک ہی ہوتا تھا اور اس کی ماتحتی میں متعدد کاتب سیغہ وار ہوا کرتے تھے۔ مثلاً کاتب فرامین، کاتب السر (پرائیویٹ سکریٹری) کاتب اسناد (قطیعہ[2] جاگیر وغیرہ)

---

[1] عبدالحمید شامی معلم پیشہ تھا۔ خوش نصیبی سے خلیفہ مروان بن محمد کا کاتب ہو گیا۔ فن انشا میں اس کا جب کا کوئی مقابل نہ تھا۔ اس نے ابومسلم کو مروان کی طرف سے ایک خط لکھا تھا اور اسکا دعویٰ تھا کہ اگر یہ خط ابومسلم نے پڑھ لیا تو اسکا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا یا وہ مر جائیگا۔ ابومسلم بھی اسکی معجز نگاری کا قائل تھا لہذا قاصد سے خط لیکر جلا دیا۔ مروان کی شکست کے بعد عباسیوں نے اسکو بھی گرفتار کر کے ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا۔

[2] جاگیر جو آراضیات کی شکل میں ہوتی تھی اسکو قطیعہ کہتے تھے ایک جاگیر طعمہ تھی اس زمین پر تاحیات قبضہ رہتا تھا اور قابض عشر ادا کرتا تھا۔ مرنیکے بعد ورثاء پر منتقل نہ ہوتی تھی

کاتب خصوصی اقتدار ورسوخ میں وزیر کا ہم پلہ ہوتا تھا۔ جملہ فرامین، مراسلات اور معاہدات کے مسودے یہ اپنے خاص انشا میں تیار کرتا تھا۔ دستخط کے بعد سرخ روشنائی سے مہر لگاتا تھا اسکے بعد خلیفہ کے دستخط ہوتے تھے اور روزانہ جسقدر عرضیاں گذرتی تھیں ان پر بھی کاتب حکم لکھتا تھا۔ یہ احکام نہایت مختصر اور فصیح و بلیغ الفاظ میں لکھے جاتے تھے، جن کے نمونے عقد الفرید وغیرہ میں موجود ہیں۔ کاتب کے علاوہ وزرار بھی احکام لکھتے تھے۔

اوّل مراسلت میں مختلف پیمانہ کے کاغذ مستعمل ہوتے تھے، ان کاتبوں نے خاص پیمانہ مقرر کیا۔ یہ دفتری تہذیب بھی عہد اُمیہ میں ہوئی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے قبل شاہی فرامین طومار (کاغذ کا لانبا تختہ) پر لکھے جاتے تھے۔ موصوف نے ایک بالشت کی مقدار مقرر کی جس کی عہد عباسی میں تقلید کی گئی۔ عہد امیہ میں ایک طومار کی قیمت چار آنہ (ایک درہم) تھی منصور نے ایک دانق (ایک پیسہ سے کچھ زیادہ) کردی۔

ہارون الرشید کے عہد میں جب فضل برمکی نے کاغذ سازی کا کارخانہ جاری کیا تو کاغذ کی افراط بھی ہوئی اور قیمت بھی کم ہوگئی۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ-۱۲۵ھ) کے زمانہ میں سرکاری کے طراز (گورنمنٹ مارکہ) حریر وریشمی کپڑوں پر لکھے جاتے تھے۔ اس کا موجد جنادہ بن ابی خالد کاتب تھا۔ کاتبوں کی تنخواہ تین سو درہم ماہانہ تھی جس پر عہد مامون الرشید میں اضافہ ہوا۔ کاتبوں کے لئے خوشنویس ہونا لازم تھا۔ تقریبات پر ان کو صلے و انعام بھی ملتے تھے اور بعض کاتبوں کی بیبیاں بھی تنخواہ پاتی تھیں[1]۔

۲۔ دیوان الخراج

وصول تحصیل مالگذاری کے دفتر کا نام دیوان الخراج تھا (ریونیو آفس) یہ عظیم الشان صیغہ تھا جسکی شاخیں اضلاع اور صوبوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور صدر بغداد تھا۔ یہ صیغہ عہد فاروقی میں

---

[1] جہشیاری۔

قائم ہو چکا تھا۔ اور وہی نظام بادنیٰ تغیر خلافت عباسی تک رہا۔ خراج[1] نقرئی اور طلائی سکوں میں مطابق شرح بندوبست وصول کیا جاتا تھا (تفصیل نقشہ محاصل میں درج ہے) لیکن منصور عباسی کے زمانہ سے یہ ظالمانہ بدعت شروع ہوئی کہ گورنران صوبہ نے جمع مقررہ پر لاکھوں روپیہ اضافہ کر کے پورا صوبہ مستاجری (ایک میعاد معینہ کا ٹھیکہ) پر لینا شروع کیا۔ یہ صوبیدار جمع مقررہ سے بہت زیادہ وصول کرتے تھے۔ چنانچہ اضافہ جمع کی بنا پر والیان صوبہ سے معتبر ضمانت داخل کرائی جاتی تھی۔ یہ ضامن یا تو جہبذ ہوتے تھے، یا امرار و وزرار۔ درصورت عدم وصولی والی معزول کر دیئے جاتے تھے اور رقم بقایا والی کی ذات و جائداد اور ضامنوں سے وصول کی جاتی تھی اور پھر بھی رقم رہ جاتی تھی۔ خالد اور یحییٰ برمکی کو متعدد مرتبہ اس قسم کے تاوان ادا کرنے پڑے ہیں۔

دفاتر خراج[2] کا عربی میں ترجمہ

خلافت فاروقی میں عراق اور فارس کا دفتر خراج فارسی زبان میں، شام کا رومی (یونانی) میں اور مصر کا قبطی میں تھا۔ اس عہد میں مسلمان غیر زبانوں سے واقف نہ تھے، لہذا ایرانی، رومی اور مصری اہلکار دفاتر مال کا کام کرتے تھے جن کو معقول تنخواہ دی جاتی تھی۔ لیکن بنو امیہ کے زمانہ میں جب عبد الملک بن مروان حکمراں ہوا تو سب سے پہلے حجاج بن یوسف گورنر عراق نے (۷۸ھ) میں اپنے صوبہ کا دفتر خراج عربی میں منتقل کیا۔ حجاج کی ملکی خدمات میں یہ سب سے بڑی خدمت تھی۔ اور ابو الولید صالح بن عبد الرحمن نے یہ عظیم الشان خدمت انجام دی۔ ایرانیوں نے ایک لاکھ کا نذرانہ پیش کیا کہ صالح خدمت ترجمہ سے دست بردار ہو جائے لیکن صالح نے رشوت لینے سے انکار کر دیا۔ جب یہ دفتر عربی میں منتقل ہو گیا تو ایرانی علما نے مجلس ماتم منعقد کی

---

[1] لفظ خراج، یونانی لفظ لَاَدَارَجُ کا معرب ہے، جس کا ترجمہ ہے منقول اور چونکہ خراج بھی دست بدست وصول ہوتا ہے اس سے خراج کہلایا۔ خوارزمی صفحہ ۵۹۔

[2] جہشیاری مختلف مقامات

اور جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ عربی زبان میں جمع خرچ مرتب نہیں ہو سکتا ہے۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد (۱۲۴ھ) میں اسحاق بن طلیق (بنی نہشل) نے صوبہ خراسان (عراق عجم) کا فارسی دفتر بھی عربی میں منتقل کیا۔

شام کے دیوان الخراج کا افسر سرجون بن منصور رومی تھا۔ ایک دن اتفاق سے دوات خشک تھی اس بے ادب نے بجائے پانی کے چند قطرے پیشاب کے دوات میں ٹپکا کر کام شروع کر دیا۔ جب اس واقعہ کی عبدالملک کو اطلاع ہوئی تو اس نے سرجون کو موقوف کر دیا۔ اور اس خدمت پر ابو ثابت سلیمان بن سعد کو مقرر کیا۔ جس نے رومی سے عربی میں دفتر منتقل کیا۔ اس واقعہ سے سرجون بہت متاثر ہوا اور اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اب وہ دمشق سے رخصت ہوں اور کوئی دوسرا پیشہ اختیار کریں۔"[1]

اسی طرح ولید بن عبدالملک کے عہد (۸۶ھ) میں مصر کا دفتر خراج بھی عربی میں ہو گیا اور یہ خدمت ابن یربوع حمصی نے انجام دی۔

عربوں کی مصری حکومت اور ان کا تمدن نہایت حیرت انگیز ہے۔ قدیم مصری، عربی زبان پر فریفتہ تھے اور انہوں نے عربی میں اسقدر ترقی کی کہ اپنی مادری زبان (قبطی) بھی بھول گئے اور آجتک مصریوں کی زبان عربی ہے۔

نجد، یمن، حجاز اور شام کے بعد اس مقدس زبان کی خدمت سب سے زیادہ مصریوں نے کی ہے۔ اور آج تک کر رہے ہیں۔

۳۔ دیوان الجند یا دیوان الجیش

فوجی نظام | عہد رسالت میں، مجاہدین ہی لشکر اسلام کے سوار و پیادے تھے، اور ان کا

[1] فتوح البلدان بلاذری ۱۲

معاوضۂ خدمت یہ تھا کہ خدا کی راہ میں رنگین کفن پہن کر جنت الفردوس حاصل کریں۔ اس کے بعد جب خلافتِ راشدہ کا آغاز ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فوجی سپاہی بھی وہی پرجوش مجاہد تھے، لیکن کسی رجسٹر میں نہ انکا نام درج تھا، نہ تنخواہ معین تھی، نہ اُن پر کوئی مستقل افسر تھا مالِ غنیمت میں سے جو رقم پس انداز ہوئی بحصۂ رسدی دو سال تک وہی تقسیم ہوتی رہی، جس کی مقدار دس روپیہ سے بیس روپیہ تک تھی، لیکن خلافت فاروقی میں جب صوبوں سے لاکھوں کی آمدنی خراج میں وصول ہوکر داخل بیت المال ہوئی تو مجلس شوریٰ کی تجویز سے دیوان الجند بھی قائم ہوا، اور مہاجرین وانصار اور قبائل عرب جنہوں نے عہدِ رسالت سے آج تک عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں اُن کے نام درج رجسٹر ہوئے اور ابتدا خاندان رسالت سے کیگئی۔ اس کے بعد اُن کا نمبر آیا جنہوں نے قبول اسلام اور ہجرت میں سبقت کی تھی اور ایک سالانہ رقم، نام بنام مقرر ہوئی جس کی تعداد دوسو درہم سے پانچ ہزار درہم تک تھی[۱] اور یہ وہ مقدس اصحاب تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ اور یہی وہ سالانہ وار تھے جن پر فوج کا اطلاق کیا گیا۔ پھر ان اصحاب کے دو حصے کر دیئے گئے یعنی جو مسلمان ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے وہ فوج نظام (مشاہرہ یاب) کے جُندی (سپاہی) کہلائے اور جو غیر حاضر رہتے اور ضرورت کے وقت فوجی خدمات انجام دیتے تھے اُن کا نام مطوّعہ (والنٹیر، رضاکار جہادی فوج) ہوا۔ اور یہ بھی تنخواہ پاتے تھے۔ اس کے بعد ممالک مفتوحہ میں جو متمدن شہر تھے اُن میں چھاؤنیاں (جُند) قائم ہوئیں جو حسب ذیل ہیں۔

(مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، موصل، مصر، دمشق، حمص، اردن، اور فلسطین۔)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس تقسیم پر عہد اُمیّہ اور عباسیہ میں بہت کچھ ترمیم ہوگئی جسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

[۱] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۲۴۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲۔ فتوح البلدان بلاذری ۴۴۰۔ یعقوبی صفحہ ۵

دیوان الجند کا افسر نہایت مدبر، امین اور محاسب ہوتا تھا اور سپہ سالار کی خدمت خلیفہ خود انجام دیتا تھا یا شاہزادے اور بعض اوقات فوجی سرداروں میں سے بھی کسی کو یہ خدمت سپرد کیجاتی تھی فوج میں بڑی تعداد پیادوں (راجل) کی تھی۔ یہ ڈھال، تلوار اور نیزے سے لڑتے تھے۔ تیر اندازوں کا دستہ (رُماۃ) عام سواروں (فرسان) سے جُداگانہ تھا۔ ریگستانی مقامات کے لیے شتر سوار (رکبان) تھے سفاح عباسی[1] نے پیادے کی تنخواہ اسی درہم اور سوار کی ۱۶۰ درہم مقرر کی تھی جو اسوقت تک بدستور تھی اور مال غنیمت میں سے جداگانہ حصہ ملتا تھا۔

فوج میں ایرانی بیشتر اور عرب کمتر تھے اور یہ زور مامون الرشید تک قائم رہا۔ اور یہ وہی فوج تھی جسکو ابو مسلم اور خالد برمکی نے (صوبہ خراسان سے) بھرتی کیا تھا۔ فوج کے علم سیاہ تھے اور رومیوں کی تقلید میں عقاب وغیرہ نام ہوتے تھے لیکن جب معتصم باللہ (۲۱۸ھ-۲۲۷ھ / ۸۳۳ء-۸۴۲ء) میں خلیفہ ہوا تو اس نے فوج میں سے عربوں کو نکال دیا اور یہ پہلی کمزوری تھی جس کی بناء پر عربوں سے حکومت نکل گئی۔

قلعہ شکن آلات میں منجنیق، دبابہ، اور کبش تھے۔ منجنیق رومی آلہ تھا جس کی مختلف شکلیں تھیں اور اس سے فوجِ غنیم پر پتھر وغیرہ برسائے جاتے تھے۔ دبابہ لکڑی کا ایک متحرک برج تھا جو رتھ (مشہور سواری) سے مشابہ تھا۔ اس کے اندر سپاہی بیٹھ جاتے تھے۔ یہ مصری آلہ ہے جسکے ذریعہ سے فصیلوں پر چڑھتے تھے کبش بھی دبابہ سے مشابہ تھا۔ اس آلہ[2] سے دیواریں منہدم کی جاتی تھیں۔

بری فوج کے علاوہ بحری فوج بھی تھی، جس کے بیڑے[3] کو اسطول کہتے تھے اور صدر مقام بحر الروم تھا۔ اور دار الصناعۃ (کارخانہ جہاز سازی) ٹیونس میں تھا۔ اس محکمہ کا افسر امیر البحر (مسخ شدہ لہجہ (ایڈمرل (Admiral ہے) کہلاتا تھا۔ خلافت راشدہ سے عباسیہ

---

[1] کتاب الوزراء جہشیاری

[2] مطبوعات جدید (تاریخ و لغت) مصر و بیروت میں سب کی تصویریں موجود ہیں۔ [3] شلندیات بھی کہتے تھے۔

تک فوجی نظام مکمل ہو گیا تھا بدیں وجہ قدیم فیوڈل[1] سسٹم (نظام جاگیرداری) توڑ دیا گیا تھا۔ تنخواہ سال میں دو[2] مرتبہ اور کبھی چار مرتبہ تقسیم ہوتی تھی۔ دفتر میں ایک[3] رجسٹر رہتا تھا جس میں سپاہی کا نام و نسب نامہ اور شرح تنخواہ درج ہوتی تھی۔ اس رجسٹر کا نام الجریدۃ السوداء تھا۔

۴۔ دیوان الخاتم

یہ دفتر اہمیت میں وزارت سے بھی بڑھکر تھا اور اس پر طبقہ اعلیٰ کے اُمراء مقرر ہوتے تھے۔ (اس امیر کے پاس مہر خلافت کا صندوقچہ[4] رہتا تھا) اسلام میں فرامین و خطوط پر مہر کی ابتدا رخود رسولِ کریمؐ نے فرمائی تھی جس کی خلفاء نے تقلید کی۔ اہم کاغذات، معاہدات، مراسلات ممالک غیر، اسناد جاگیر اور احکام خزانہ[5] (رقوم انعام وغیرہ) پر مہر کا لگایا جانا ضروری تھا۔ (سلاطین ایران میں بھی مختلف قسم کی مہروں کا رواج تھا)

یہ مہر بڑی عظمت کی چیز تھی، اس کی تعظیم کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا۔ مُہر پر بجائے نام کے اکثر نصیحت آمیز مقولے ہوا کرتے تھے۔ بڑی اور چھوٹی دونوں قسم کی مہریں تھیں یحییٰ برمکی کی تحریک پر ہارون الرشید نے اس دفتر کو شکست کر دیا تھا اور عہد عباسیہ کے بعد اسلامی حکومت میں پھر یہ دفتر قائم نہیں ہوا۔

---

[1] فیوڈل سسٹم کے موجد قدیم حکمائے روم تھے۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو مشاہیر اُمراء سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے اور ہر مہم کے موقعہ پر فوجیں کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ یہ امراء بیرن کہلاتے تھے۔ ایران میں بھی یہ طریقہ جاری تھا۔ چنانچہ مرزبان درجہ اوّل اور دہقان درجہ دوم کے جاگیردار تھے۔ جب ان جاگیرداروں نے گورنمنٹ سے بغاوت کی تو یہ اصول موقوف ہوا اور تنخواہ دار فوج مقرر ہوئی جو آج تک جاری ہے۔ اور یہی وہ نظام ہے جس نے رومی سلطنت کو برباد کر دیا تھا۔ [2] مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۶۵ [3] مفاتیح العلوم صفحہ ۵۶ [4] جہشیاری، یعقوبی، ماوردی۔ [5] امیر معاویہ کے عہد میں ایک انعامی رقم خزانہ سے دو مرتبہ برآمد ہو گئی تھی اس لئے احکام خزانہ پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی۔

۵۔ دیوان الشُرطَہ

دفترِ پولیس کا نام ' دیوان الشرطہ ' ہے، جس کا صدر بغداد تھا اور شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ابتداء میں یہ محکمہ قاضی القضاۃ کے ماتحت تھا اور قضاۃ کے اجلاس سے جس قدر فیصلے صادر ہوتے تھے، اُن کا نفاذ اس محکمہ سے ہوتا تھا، لیکن بعد میں یہ مستقل دفتر جداگانہ قائم ہوا۔ صدر و مفصلات کے افسر شرطہ مجسٹریٹی اختیارات بھی رکھتے تھے۔ اور صاحب الشرطہ (انسپکٹر جنرل) ترقی کر کے سپہ سالاری تک پہونچ جاتا تھا۔

جب اُمراء کی گرفتاری یا جائداد کی قرقی کی جاتی تو ان احکام کی تعمیل دیوان الشرطہ سے ہوتی تھی۔ عہد ہارون الرشید میں ابراہیم بن جبرئیل اور طاہر بن حسین صاحب الشرطہ تھے۔

۶۔ دیوانُ الصدقات

حسنات و خیرات کے دفتر کا نام دیوان الصدقات تھا۔

۷۔ دیوانُ الضِیاع

خلیفہ کی ذاتی جاگیریں صرف صوبہ عراق میں تھیں کیونکہ یہ علاقہ ممالک محروسہ میں سب سے زیادہ زرخیز اور دار الخلافہ سے قریب تھا لہذا ایک افسر کی نگرانی میں دیوان الخراج سے جداگانہ یہ دفتر قائم ہوا۔

الفاتیح ان دفاتر کے حالات جہشیاری سے ماخوذ ہیں۔

۸- دیوان الزمام

فوجی اخراجات کے دفتر کا نام دیوان الزمام تھا، جس کو زمانۂ حال کی اصطلاح میں بخشی گری کہتے ہیں۔ مہدی عباسی نے اس صیغہ کو وسیع کر کے دیوان الازمہ نام رکھا تھا اور اس دفتر میں ملک محروسہ کے تمام صیغوں کے مصارف کی تنقیح کی جاتی تھی اور ادنیٰ سی خیانت پر اہلکار وافسر جیل بھیج دیئے جاتے تھے۔ اب ہر گورنمنٹ میں دفتر محاسبی یا اکونٹ آفس جداگانہ ہوتا ہے۔

۹- دیوان النفقات

جیب خاص یا صرف خاص کے دفتر کا نام دیوان النفقات تھا۔ حرم شاہی کے مصارف، انعامات، عطیات، دارالخلافہ کے فوج کی تنخواہ، اور مناصب کا تعلق بھی اسی دفتر سے تھا۔ یحییٰ برمکی نے ابتدا میں فضل بن ربیع کو اسی خدمت پر مقرر کیا تھا، جو اخیر میں وزارت تک پہونچا۔

۱۰- دیوان البرید

روم و فارس میں محکمۂ ڈاک قدیم زمانہ سے موجود تھا اور عہد اسلام میں اس صیغہ کا باضابطہ افتتاح عہد امیر معاویہ میں ہوا۔ ایران میں ڈاک کے جس قدر گھوڑے اور خچر تھے وہ دُم بریدہ ہوتے تھے (دُمیں کاٹ دینے سے رفتار بڑھ جاتی ہے) چنانچہ عربوں نے "بریدہ دم" سے برید بنایا اور محکمۂ ڈاک کا نام دیوان البرید رکھا۔

الناظم: ان دفاتر کے حالات جہشیاری، اور ماوردی سے ماخوذ ہیں ۱۲

برید کے معنی قاصد اور نامہ بر کے بھی ہیں اور بارہ میل یا چھ میل کی منزل کا نام بھی برید ہے اور عموماً بارہ میل طے کرنے کے بعد ڈاک کے گھوڑے تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔

عہد عباسیہ میں منصور نے یہ محکمہ اس مقصد سے قائم کیا تھا کہ مکہ اور مدینہ میں جو سادات کرام آباد ہیں اُن کے حالات کی روزانہ اطلاع ہوتی رہے (یہ مدعی خلافت تھے) اور ابتدا میں بغداد سے حرمین تک ڈاک کا انتظام تھا لیکن ڈاک رسانی کے علاوہ جب اس صیغہ سے خفیہ اور جاسوسی کا کام بھی متعلق ہو گیا تو پھر اس کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا گیا اور کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں دیوان البرید نہ ہو۔ دیوان البرید کا افسر بند لفافے، امیرالمومنین کے نام روانہ کرتا تھا اور وزیر اعظم سے لے کر ادنیٰ محرروں تک کے حالات سے اطلاع دی جاتی تھی اور ملک کے عام واقعات جداگانہ ہوتے تھے۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں معتمد حبشی غلام، مسرور اس محکمہ کا افسر تھا مگر اس میں انتظامی قابلیت نہ تھی۔ جہشیاری کی روایت[۵۱] ہے کہ ہارون کے مرنے پر چار ہزار لفافے ایسے برآمد ہوئے جن کی مہریں بھی نہ ٹوٹی تھیں۔ اس محکمہ کا سالانہ خرچ ۱۵۹۱۰۰ دینار تھا۔ یہ افسر بغیر حاجب کی اطلاع کے ہر وقت امیرالمومنین تک پہونچ جاتا تھا۔

ڈاک کے تھیلے گھوڑوں اور اونٹوں پر بھی جاتے تھے اور گاڑیاں بھی چلتی تھیں۔ عمال اور والیانِ صوبہ جب کسی اہم ضرورت سے تبدیل کئے جاتے تھے تو وہ اپنے مستقر (صدر مقام) تک ڈاک گاڑیوں میں سفر کرتے تھے۔ ڈاک کی چوکیاں مقرر تھیں، جہاں گھوڑے بدلے جاتے تھے۔ قریب تر مقامات

[۵۱] جہشیاری صفحہ ۲۳۶ و احکام السلطانیہ و تاریخ تمدن جرجی زیدان۔

میں ہرکارے ڈاک لیجاتے تھے۔ جن کو سعادت اور ساعی (دوڑنے والے) کہتے تھے۔ یہ عموماً تیز رفتار ہوتے تھے، بعض ساعی ایکسو چالیس[۱] میل یومیہ طے کرتے تھے اور اُن کے راستے عام سڑکوں سے جداگانہ تھے، (پگ ڈنڈی) جس سے ڈاک بہت جلد پہنچتی تھی۔ سڑکوں کی مرمت اور راستوں کا امن و امان بھی صاحب البرید کے ذمّہ تھا۔ تازہ میوے بھی ڈاک کے ساتھ آتے تھے ہرکارہ کے لیئے فرانق[۲] (حامل الخرائط) کا بھی لفظ مستعمل تھا۔ اس دفتر میں خطوط کی آمد و رفت کا ایک تختہ روزانہ مرتب ہوتا تھا، جس کو زمانۂ حال کی اصطلاح میں رجسٹر موصولہ و مجریہ کہتے ہیں اور اس تختہ کا نام الاسکدار تھا۔

۱۱- دیوان الماء
یا
محکمۂ آبپاشی

عراق کا صوبہ[۳] دریائے دجلہ، فرات، زاب (اعلیٰ، اسفل، اوسط) اور انہار زندرود، میسان، کوثی دقیط، جوبرا اور نہر الملک وغیرہ کی افراط سے نہایت زرخیز تھا۔ اور ساسانی دور میں بھی اس صوبہ کی آبادی اور ترقی زراعت کی طرف خاص توجہ تھی۔ چنانچہ عہد ساسانی میں محکمۂ انہار کا نام "دیوان الکستبزود" تھا جس کا ترجمہ عربی میں "دیوان الماء" کیا گیا ہے۔ "کست بزود" عربی لہجہ ہے فارسی نام اس محکمہ کا "کاشت افزود" تھا۔ یعنی وہ محکمہ جس کے ذریعہ سے زراعت بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ عربوں نے کاشت کو "کست[۴]" اور "افزود" کو بزود

---

[۱] مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۶۴ [۲] [۳] یعقوبی جلد اوّل صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ ۱۸۸۳ء [۴] یعنی کشت

بنا کر الکستبز ود کر لیا۔ اور عربوں کی یہ دیانت قابل تعریف ہے کہ جو چیز جس ملک سے حاصل کی تھی اُن الفاظ کو بھی بجنسہٖ قائم رکھا ہے۔

اس محکمہ کا افسر اسمو[1] ار جمعبندی مرتب کرتا تھا۔ اور یہ کاشتکار ارباب المیاہ (پانی لینے والے) کہلاتے تھے۔ اِن کاشتکاروں کو یہ بھی حق حاصل تھا کہ وہ زائد پانی دوسرے کاشتکار کے ہاتھ بیچ ڈالیں اور یہ رقم خود وصول کر لیں۔

بعض اصطلاحیں جو تاریخوں میں موجود ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ محکمہ انہار (دیوان المار) بڑے پیمانہ پر تھا۔ کھیتوں میں قلابہ (نلکے، نلکیاں) کے ذریعہ سے پانی جاتا تھا اور یہ قلابے مختلف قطر کے تھے۔ مثلاً جس قلابہ کا دہانہ طول و عرض میں وزن جَو کے برابر تھا وہ السبت کہلاتا تھا۔ اور جو قلابہ وزن السبت کے برابر تھا وہ فنکال تھا۔ اور سب سے بڑا قلابہ "کوالسجہ" کہلاتا تھا[2]۔

کھیتوں کے علاوہ باغات میں بھی یہ محکمہ پانی دیتا تھا اور خلاف ورزی قواعد پر پانی کے روک دینے کا بھی اس کو اختیار حاصل تھا۔

نہروں سے پانی نکالنے کے مختلف آلات تھے مثلاً دولاب (بڑا چرس) دالیہ[3]، غرافہ، زرنوق اور ناعورہ، اور منجنون۔

اراضیات کے مختلف نام تھے۔

۱۔ المسقی۔ وہ زمین جس میں نہروں سے پانی دیا جائے۔

۲۔ النجسی، العذی، العثری، البعل۔ وہ زمین جو بارش کے پانی سے سیراب ہو۔

۳۔ الغرب۔ جس زمین میں چرس کے ذریعہ سے پانی دیا جائے۔

۴۔ الغیل۔ آب رواں یا وہ پانی جو حوض میں جمع ہو۔

---

[1] انگریزی علاقہ میں محکمہ نہر کا انتظام تقریباً اسی اصول پر ہے۔ [2] مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۶۸۔
[3] ایک رسّی میں چھوٹی چھوٹی ٹھلیاں باندھکر چرخ پر چڑھائی جاتی ہیں جنمیں ہر مرتبہ بافراط پانی آتا تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

۵- الکظائم - کاریز (زمین دوز نہر)

۶- العربہ - پانی کی چکی جو کشتیوں پر لگائی جاتی تھی۔

آبپاشی کی شرح مختلف تھی۔ اگر کوئی کاشتکار یا باغبان مقدار معینہ سے زیادہ پانی استعمال کرتا یا ضایع کرتا تو اس کا فیصلہ حاکم کرتا تھا۔ (مجسٹریٹ انہار)

وزارت کے ماتحت جو بڑے دیوان (دفاتر) تھے اُس کی تفصیل ہو چکی اب اعلیٰ عہدے داروں کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

۱- قاضی

مقدمات کے فیصلہ کرنے کا نام قضا ہے اور عہدہ دار قاضی کہلاتا تھا۔

اسلام میں نبی کریم نے اس خدمت کو خود انجام دیا تھا جس کی تقلید خلفائے راشدین نے کی اور جب حکومت کا دائرہ بڑھ گیا تو مفصلات میں بھی قضاۃ کا تقرر کیا گیا اور قاضی القضاۃ (قاضیوں کا افسر، یا چیف جسٹس) کا دفتر دار الخلافہ بغداد میں تھا۔

مفصلات کے قاضیوں کا اپیل، دیوان المظالم (عدالت اپیل اوّل) میں ہوتا تھا اور جج کا لقب صاحب المظالم تھا۔ اور دیوان المظالم کا اپیل قاضی القضاۃ سنتا تھا۔ اور اخیر اپیل دربار خلافت میں پیش ہوتا تھا۔

کورٹ آف وارڈس، اوقاف، وصیتوں کا نفاذ، یتیموں اور مجنونوں کی جائداد کا تحفظ، مفلسوں کی خبر گیری، بیواؤں کا عقد (جب کوئی وارث نہو) دفتر قضا سے متعلق تھا۔

قاضی القضاۃ کو کبھی کبھی سپہ سالاری کی بھی خدمت سپرد ہوتی تھی۔ اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲) مصر، شام اور مالوہ وغیرہ میں یہ طریقہ ہنوز جاری ہے [۱] احکام السلطانیہ از صفحہ ۵۸ و صفحہ ۶۴

میدانِ جنگ سے کامیاب آتے تھے۔ اور اس عہد کے علماء نے ثابت کر دیا تھا کہ " السَّیْفُ وَالْقَلَمُ تَوْاَمَان " (تلوار اور قلم دو جڑواں بھائی ہیں) کی مثل صحیح ہے۔

ہارون الرشید کے عہد میں امام یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف) قاضی القضاۃ تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ وہ نامور شاگرد ہیں[1] جنھوں نے استاد کو زندہ جاوید کر دیا۔ امام ابو یوسف نے قضاۃ کے لئے امتیازی لباس (خاص قسم کا جوغہ، قمیص، طیلسان (چادر) عمامہ اور ایک خاص قسم کی اونچی ٹوپی) مقرر کیا تھا جس کو دوسرے علماء نہیں پہن سکتے تھے۔

قاضیوں کو دیوانی اور فوجداری کے کامل اختیارات حاصل تھے۔ اور خلیفہ کے خلاف بھی وہ مقدمات کی سماعت کرتے تھے اور عموماً ہر معرکہ میں ایک قاضی فوج کے ساتھ رہتا تھا جو اہم معاملات اور مقدمات کو اسی وقت فیصل کرتا تھا اور خلیفہ و ولیعہد کے انتخاب میں بھی قاضی القضاۃ کی رائے کو دخل تھا۔

۲۔ محتسب

قاضی القضاۃ کی ماتحتی میں ایک محتسب بھی ہوتا تھا[2]۔ حسبہ یا احتساب بھی ایک مذہبی خدمت تھی۔ محتسب فقہ (مذہبی قانون) کا ماہر ہوتا تھا۔ بازاروں اور مجمع عام میں خلاف شرع امور کو روکنا اور اعمال حسنہ کی تعمیل کرانا محتسب کا اصلی فرض تھا۔ علاوہ بریں امور ذیل کی نگرانی بھی اسکے ذمہ تھی۔

۱۔ اجناس خوردنی میں ملاوٹ نہو مثلاً دودھ، گھی، مٹھائی، شہد وغیرہ

---

[1] ۱۱۳ھ میں ولادت ہوئی۔ امام صاحب نے ۱۸۲ھ میں انتقال کیا۔ [2] ماوردی ۲۰۸

۲- کوئی دوکاندار کم نہ تولے نہ کم وزن کے باٹ رکھے۔

۳- بار برداری کے جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا جائے

۴- کشتیوں میں مقدار معینہ سے زیادہ آدمی نہ بٹھائے جائیں۔

۵- شارع عام پر جو مکانات مخدوش ہوں وہ گرا دیئے جائیں۔

۶- مکتب کے معلم لڑکوں پر سختی نہ کریں (مکاتب تو فنا ہو گئے ہیں۔ انگریزی اسکولوں کے ماسٹروں پر آج بھی محتسب کی ضرورت ہے اور یہ اکثر وہی ہوتے ہیں جو فن تعلیم سے ناواقف ہوتے ہیں) زمانہ حال کا فلسفۂ تعلیم زدو کوب کا مخالف ہے)

۷- نااہل اور جاہل (غیر سند یافتہ) طبیب مطب نہ کر سکیں۔

محتسب اپنے پیادوں کے ہمراہ رات دن گشت کیا کرتا تھا اور اُس کے ہاتھ میں دُرّہ (کوڑا) ہوتا تھا۔ یہ خدمت بھی مسلمان سے مخصوص تھی۔ محتسب کا دفتر جامع مسجد میں رہتا تھا۔ فی زمانناً محتسب کے بعض اختیارات میونسپل سکریٹری، ہیلتھ افیسر، پولیس اور ایکٹ ظلم حیوانات کے تحت میں داخل ہیں[1]۔

۳- معدّل

یہ عہدہ دار بھی دفتر قضا کا ماتحت تھا۔ اس کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں نیک چلن، بد اعمال اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ عدالت میں شہادت کے وقت قاضی کو گواہوں کی ثقاہت اور اعتبار و عدم اعتبار کا حال اس رجسٹر سے معلوم ہوتا تھا۔ مسلمانوں کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کا جواب آج تک کسی قوم سے نہ ہو سکا۔

دستاویزات کی رجسٹری بھی معدّل کرتا تھا۔ مشتبہ جائداد اور قرضوں کے کاغذات

---

[1] دولت مغلیہ میں بھی محتسب کا عہدہ تھا۔ قدیم خاندانوں میں ہنوز درّے موجود ہیں۔

بھی مرتب رکھتا تھا۔ یہ خدمت بھی مسلمان سے مخصوص تھی۔

۴۔ حاجب

حاجب سے وہ عہدہ دار مراد ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کو دربارِ عام یا تخلیہ کی صحبت میں خلیفہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ شاہانہ عظمت قائم رکھنے کے لئے یہ منصب بہت ضروری تھا۔ امیر معاویہ اس کے موجد ہیں (خلافت راشدہ میں ہر امیر و غریب براہ راست خلیفہ تک پہونچ جاتا تھا)

سفر و حضر میں حاجب ساتھ رہتا تھا۔ حرم شاہی کی حفاظت بھی حاجب کے ذمہ تھی اور اقتدار کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات وزیر اعظم کو بھی حاجب سے دبنا پڑتا تھا۔ محمد بن خالد برمکی اور فضل بن ربیع جیسے اصحاب اس خدمت پر مقرر تھے۔

۵۔ حارس

جو اصحاب حفاظت جان کے لئے مقرر تھے وہ عام ندماء (مصاحب) سے جداگانہ ہوتے تھے اور یہ خدمت حرس کے نام سے موسوم تھی جس پر معتمد اُمراء مامور[1] ہوتے تھے۔ ہارون الرشید کا حارس ہرثمہ بن اعین تھا جو بعد میں سپہ سالار ہوگیا تھا۔ حارس کا دوسرا نام یاور ہے۔ (افسر باڈی گارڈ)

۶۔ والی و عامل

تحصیل خراج اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اضلاع اور صوبوں پر عامل اور والی مقرر تھے۔ عامل کا درجہ کلکٹر ضلع کے مساوی تھا اور والی صوبہ

---

[1] یعقوبی صفحہ ۵۰۴ جلد ۲۔ جہشیاری صفحہ ۲۸۹ و ۲۵۲۔

کا گورنر یا لفٹننٹ ہوتا تھا۔

عہد سعادت میں جب اسلامی لشکر جہاد پر جاتا تھا تو سپہ سالار کو یہ مژدہ سُنایا جاتا تھا۔ کہ ملک مفتوحہ کی عنان حکومت، تمہارے ہی ہاتھ میں ہوگی۔ خلافت راشدہ میں بھی یہی اُصول رہا۔ خلفائے بنو اُمیّہ نے یہ قاعدہ توڑ دیا اور ولایت کے لئے مخصوص قابلیت کے اصحاب منتخب کئے گئے۔ ہر صوبہ، رقبہ اور مردم شماری وغیرہ کے اعتبار سے چند اضلاع پر تقسیم ہوتا تھا۔ اور جملہ عمالِ والی کے ماتحت ہوتے تھے۔

عباسی دور میں ملکی تعلیم کے لئے شاہزادے اور قریبی رشتہ دار والی مقرر کئے[1] جاتے تھے۔ اور اس حکومت کا نام "امارت استکفار یا امارت تفویض" تھا۔ اور والی کے فرائض حسب ذیل تھے۔

۱۔ فوج کا انتظام	۲۔ محاصل ملکی و شرعی (خراج و زکوٰۃ) کی وصولی
۳۔ مذہبی تبلیغ	۴۔ حدودِ شریعت کا نفاذ
۵۔ نماز کی امامت	۶۔ حاجیوں کے قافلے کا انتظام

۷۔ حکومت عامّہ

اور کبھی غیر خاندان والے بھی افسر صوبہ ہوتے تھے، جو باغی ہو کر خود مختار ہو جاتے تھے اور اسی قسم کے صوبیداروں سے دولتِ عباسیہ میں طوائف الملوکی کی بنیاد پڑی۔ اور عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔

حکومت بنی اُمیّہ نے تالیف قلوب کے لئے اپنے صوبیداروں کو یہ حکم بھی دیدیا تھا کہ بیت المال سے بقدر ضرورت مصارف لے لیا کریں چنانچہ دولتِ عباسیہ میں شاہزادے اور برامکہ (جو والی تھے) خزانہ کے مالک تھے۔ اور جن کی

---

[1] احکام السلطانیہ صفحہ ۲۴

تنخواہیں مقرر تھیں وہ بیس لاکھ درہم سالانہ پاتے تھے۔ یہ عہدہ بھی مسلمانوں سے مخصوص تھا۔

۷۔ رئیس الاطباء

بیمارستان یعنی شفاخانوں کا اہتمام وسیع پیمانہ پر تھا اور اکثر اطباء عیسائی تھے جنکے حالات اپنی جگہ پر لکھے جائیں گے۔

۸۔ خُدام

ہزاروں لونڈی اور غلاموں کے علاوہ خلیفہ کی خدمت کے لئے ہر ہر کام پر جداگانہ خادم مقرر تھے۔ یہاں تک کہ جوتہ پہنانے والا (کفش بردار) بھی خاص ہوتا تھا۔ ضمنی حالات کے تحت میں دوسرے خدام کا بھی ذکر کیا جائیگا۔

۱۹۔ یحییٰ برمکی کے علمی کارنامے

سنسکرت، فارسی اور یونانی سے مفید کتابوں کے ترجمے

مجلس مناظرہ، علوم وفنون کی اشاعت

ہارون الرشید کے عہد میں ملکی انتظام اور فیاضی کے علاوہ جس صفت نے یحییٰ کی وزارت کو اقصائے عالم میں ضرب المثل کے درجہ تک پہونچایا ہے وہ اُسکے علمی کارنامے ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دولت عباسیہ میں جو کچھ ہوا، وہ خلفائے اُمیہ کی تقلید تھی لہٰذا یہ مضمون ایک مختصر تمہید کا محتاج ہے۔

۱- عہد جاہلیت عرب

عربوں میں ادبی مذاق، خصوصاً شاعری اور خطابت (تقریر کرنا) نہایت قدیم زمانہ سے ہے اور یہ مورخانہ فیصلہ ہے کہ اُمم سامیہ (حضرت سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد) میں عربی زبان اُم الالسنہ (زبانوں کی ماں) کے قریب ہے، جس کی شاخوں میں نبطی اور حمیری (یمن کے قبیلہ سبا اور حمیر کی زبان) مشہور ہیں۔ اور ان کے نمونے (کتبات میں) موجود ہیں۔ اور اخیر دور میں حجاز کی ترقی یافتہ زبان قبیلہ قریش کی تھی، جس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآن حکیم اُسی لہجہ میں نازل ہوا ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اسلام سے قبل جو زمانہ گزرا ہے وہ اصطلاحاً عہد جاہلیت کہلاتا ہے۔ لیکن جاہلیت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور یہ جاہلیت، غیر تاریخی زمانہ سے شروع ہوکر پانچویں صدی عیسوی پر ختم ہوجاتی ہے۔ جس کو "جاہلیت اولی" کا خطاب دیا گیا ہے اور یہی تو وہ جہالت ہے جس پر شعرائے عرب نے فخر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اس عہد کا کوئی ادبی نمونہ میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ البتہ تیسری صدی کے کتبات موجود ہیں (یہ علمائے آثار کی تحقیقات سے ہے) جن کے مطالعہ سے قدیم اور جدید زبان کا بیّن فرق معلوم ہوتا ہے۔ البتہ جاہلیت ثانیہ (۵۰۰ء لغایتہ ۶۰۹ء) کا کافی ذخیرہ ہے۔ جو علمائے بصرہ اور کوفہ نے عہد اسلام میں مرتب کیا تھا۔
عربوں کو اپنے حافظہ پر بڑا ناز تھا اور لکھنا عیب میں داخل تھا، یہی سبب ہے کہ متقدمین شعرائے جاہلیت کا کلام اور علوم عرب کا کثیر حصّہ تلف ہوگیا ہے۔ اس عہد کے علوم وفنون میں شاعری (مع لغت، ضرب الامثال وقومی فسانے) اور خطابت سرمایۂ فخر تھی اس کے بعد دیگر علوم میں ملکی جغرافیہ، علم النجوم، علم الانواء (بارش اور بچھتر دل کا علم) علم الانساب، طب، بیطاری، کہانت (فال)، عرافت (غیب دانی) علم قیافہ اور تعبیر خواب تھا۔ جانوروں کی آواز اور پرواز

کے شگون (زجر) پر بھی عمل کرتے تھے۔ شاعری اور ایام العرب (قومی لڑائیاں) میں روایت کو زیادہ دخل تھا۔ اور ہر شاعر کا راوی ضرور ہوتا تھا جو سفر و حضر میں ساتھ رہتا تھا۔ عہد اسلام میں جاہلیت کے مفید علوم باقی رہے اور جو شرع کے خلاف تھے وہ فنا ہو گئے اور تعلیم القرآن کے سلسلہ میں بکثرت نئے علوم و فنون کا خلافت راشدہ میں آغاز ہوا۔[1]

۲۔ عہد رسالت اس مقدس عہد کی مدت (۱ھ/۶۲۲ء[2] لغایۃ ۱۱ھ/۶۳۲ء[3]) نہایت قلیل تھی اور یہ کل زمانہ تبلیغ و اشاعت اسلام میں ختم ہو گیا۔ پھر بھی تہذیب و تمدن اور علمی حیثیت سے جو کچھ ہوا وہ غنیمت ہے۔

اسلام نے غیر قوموں کے قابل تقلید امور (بشرطیکہ مذہب کے خلاف نہ ہو) اور غیر زبانوں کے حصول میں کبھی تعصب نہیں برتا۔ اور ہمیشہ فراخ دلی سے تعلیم کی اجازت دی مثلاً زید بن ثابت نے نبی کریم کے حکم سے زبان عبرانی و سریانی سیکھی اور بعض صحابہ نے فارسی حاصل کی اور جنگ احزاب (۵ھ/۶۲۶ء) میں حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے اطراف میں خندق کی کھدائی ہوئی اور محاصرہ طائف میں منجنیق کا استعمال ہوا اور جزیہ کے نفاذ میں قباد و نوشیرواں کا دستور العمل بھی پیش نظر رہا۔ یہ ایرانیوں اور رومیوں کی تقلید تھی اور خلفاء بھی انھیں آثار کے پیرو تھے۔

۳۔ خلافت راشدہ دور خلافت ۱۱ھ/۶۳۲ء سے شروع ہو کر ۴۰ھ/۶۶۱ء میں ختم ہو جاتا ہے، یہ فتوحات و نظم و نسق (ملکی انتظام) کا زمانہ تھا اور اسی عہد میں تعلیم القرآن کا آغاز ہوا جس کے ساتھ ادب، عربیت، حدیث

---

[1] علوم العرب کو میں نے تاریخ جاہلیت عرب کی دوسری جلد میں تفصیل سے لکھا ہے اور کتبات بھی نقل کر دیئے ہیں۔ اس کی اشاعت کا انشاء اللہ جلد انتظام ہو گا [2] ۱۵ر جولائی ۶۲۲ء جمعہ کے دن نبی کریم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اور اسی دن سے سنہ ہجری کا آغاز ہوا۔ [3] حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی۔

وفقہ کی بھی تعلیم جاری ہوئی اور شعرائے جاہلیت کا کلام، معلومات عامّہ، ادبیت اور اوراک مسائل قرآنی کے لئے بچوں کو یاد کرانا لازمی قرار دیا گیا، کیونکہ عربوں کا مشہور مقولہ ہے کہ "اِنَّ الشعر دیوان العرب" اور اسی زمانہ میں حکمائے یونان کے خیالات سے بھی مسلمان کسی قدر واقف ہوئے۔

یہ واقعہ ہے کہ جب عمر ابن العاص نے (عہد فاروقی میں) مصر فتح کیا تو مشہور عیسائی فلسفی جان[1] (John) عربوں کا یحیی نحوی) دربار میں حاضر ہوا۔

عیسائی مورّخ ابن العبری لکھتا ہے[2]۔

"ودخل علی عمرو وقد عرف موضعہ من العلوم فاکرمہ عمرو وسمع من الفاظ الفلسفۃ اللّتی لم تکن للعرب بھا انسۃ ما ھالہ"

اور جان، عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوا، عمرو نے اس کی علمی فضیلت سے واقف ہو کر عزت افزائی کی (ندیموں میں داخل کر لیا) اور عمرو نے اس کی زبان سے وہ فلسفیانہ الفاظ سُنے جس سے عرب کبھی مانوس نہ تھے۔

ابن ندیم بھی اس روایت کی تائید کرتا ہے۔ اس مورّخ کے یہ الفاظ ہیں۔ "و لمّا فتحت مصر علی ید عمرو بن العاص دخل الیہ واکرمہ ورای لہ موضعًا" اس کے بعد دوسرے اُمرائے عرب نے بھی فلسفہ کی قدردانی کی اور ترجمہ علوم یونانی پر کثیر دولت صرف کر دی، اور بقول صاعد اندلسی یہ بھی قابل تسلیم ہے کہ صدر اسلام میں عربوں نے ممالک غیر کے علوم و فنون پر توجہ نہیں کی وہ صرف اپنی زبان اور قرآن کے فدائی تھے۔ البتہ طب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ

[1] جان کو علاوہ فلسفہ کے علم النحو میں بھی کمال تھا اس لئے وہ غرماطی قوس (نحوی) مشہور تھا لہذا عربوں نے بھی اُسی خطاب سے یاد کیا۔

[2] مختصر الدول ابوالفرج ملطی المعروف بہ ابن العبری صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء۔

قدیم سے عربوں میں موجود تھی لیکن ہنوز ابتدائی حالت میں تھی۔

۴۔ خلافت بنوامیہ اس خلافت یا حکومت کے بانی امیر معاویہ ہیں، یہ عہد فاروقی سے صوبہ شام کے والی (گورنر) تھے۔ اس زمانہ میں کُل شامی رعایا رومی تمدّن میں ڈوبی ہوئی تھی اور جسقدر عیسائی علماء دربار میں موجود تھے وہ یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے ماہر تھے اور مذاکرۂ علمیہ میں اُمرائے عرب اُن سے یونانی علوم وفنون پر گفتگو بھی کیا کرتے تھے، لیکن عام مسلمانوں میں اسوقت تک مذہبیّت غالب تھی لہذا عہد امیر تک علوم عقلیہ کا زور نہیں ہوا۔

عرب، شاعری کے تو فطرتاً دلدادہ تھے لیکن دوسری زبانوں پر بھی اُنکو سلطنت کی ضرورت سے توجہ کرنا پڑی اور تہذیب و تمدن کا بھی یہی مقتضی تھا۔

دربار خلافت میں متعدد عیسائی اور یہودی عالم تھے جو دفتر انشا میں کاتب اور بیمارستانوں[۲] (شفاخانے) میں طبیب تھے۔ ان میں[۳] ابن آثال بہت مشہور ہے۔ یہ طبیب درجہ کتابت سے کلکٹری (عامل حمص) تک پہنچ گیا تھا، لیکن اس کا اصلی پیشہ طبابت تھا لہذا ابن آثال نے طب یونانی کی بعض کتابوں کا ترجمہ امیر کے حضور میں پیش کیا۔ یہ طبیب ادویہ مفردہ اور مرکبات کا ماہر تھا۔

دوسرے دَور[۴] میں حجاج بن یوسف (والی عراق) کا طبیب نیا ذوق (تھیوڈر)

---

[۱] قدیم اطبائے عرب میں لقمان بن عادیا اور ابن خذیم مشہور ہیں اور عہد رسالت کا طبیب حارث بن کلدہ ثقفی تھا جس نے جندی ساپور کی طبیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی اور عہد امیر معاویہ میں فوت ہوا۔ از بلوغ الارب مطبوعہ بغداد

[۲] عہد اسلام میں خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی نے شفاخانے قائم کئے اور ہر شفاخانہ میں بیماروں کے لئے بکثرت حُجرے (وارڈس) بنوائے اس لئے بجائے دارالشفا کے بیمارستان نام قرار پایا، اور یہ لفظ بھی عرب میں فارس سے آیا ہے کیونکہ اس زمانہ کے جملہ اطباء جندی ساپور یونیورسٹی (اہواز) کے تعلیم یافتہ تھے۔ اور تاریخوں میں اخیر دور تک یہی لفظ قائم رہا۔

[۳] طبقات الاطباء صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ء

[۴] ابن القفطی صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۸ مطبوعہ یورپ۔

بھی عیسائی تھا اور فرات بن شحناثا یہودی، یہ طبیب برسوں، عیسیٰ بن آموسی عباسی اور خلیفہ ابو جعفر منصور کا طبیب رہا، فرات اسی تیاذوق کا ایک نامور شاگرد تھا۔

دوسرا عیسائی طبیب تیاذون تھا، حجاج مٹی کھانے کا عادی تھا۔ ایک دن حجاج نے اس طبیب سے علاج کی خواہش کی اس نے عرض کیا کہ "عزیمة مثلك ایها الامیر" یعنی تجھ ایسے امیر کا کسی بات پر عزم کر لینا ہی کافی ہے۔ حجاج بڑا غیور تھا، اس نے عہد کیا کہ اب مٹی نہ کھاؤنگا، چنانچہ بغیر کسی علاج کے مٹی سے نفرت ہو گئی، اور عزم شاہانہ کے یہی معنی ہیں۔

امیر معاویہ اور یزید کے بعد ابو ہاشم خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ) نے جو تاریخ اسلام میں "حکیم آل مروان" کے خطاب سے ممتاز ہے، مصر و اسکندریہ سے ماہرین زبان یونانی، سریانی اور قبطی کو دمشق میں طلب کیا۔

ان علماء نے خالد[1] کے لئے طب، نجوم، کیمیا اور صنعت کی کتابیں ترجمہ کیں اور بقول ابن ندیم۔

هذا اول نقل كان فى الاسلام من لغة الى لغة	اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

(خالد کا مترجم اصطفن عیسائی تھا اور خالد خود بھی عالم اور حکیم تھا اس کو طب اور کیمیا سے خاص دلچسپی تھی)

امیر معاویہ کے بعد، مروان بن الحکم (دوسری شاخ میں) پہلا اموی خلیفہ ہوا، اس کے لئے ماسرجویہ (بصرہ کا یہودی طبیب[2]) نے اہرن قس بن اعین کی قرابادین

---

[1] خالد سلطنت سے محروم رہا اور علمی مشاغل میں عمر گزاری۔ قریشیوں میں خالد سب سے بڑا عالم تھا۔ اس کی تصنیف میں کتاب الحرارة، کتاب صحیفة الکبیر اور صحیفة الصغیر مشہور ہیں۔ خالد کا استاد مریانس ایک یونانی راہب تھا۔ ابن خلکان و الفہرست صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ یورپ و کشف الظنون صفحہ ۹۰ جلد ۳ مطبوعہ یورپ

[2] ابن القفطی صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ یورپ ۱۳۲۰ھ (طبقات الاطباء حالات ماسرجویہ)

کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ شاہی کتب خانہ میں محفوظ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ خلافت میں اس نسخہ کو کتب خانہ سے نکلوایا اور چالیس[۴] دن تک یہ کتاب مصلّے پر رکھی رہی اور استخارہ کے بعد اس کی نقلیں ملک محروسہ میں شایع ہوئیں۔

حضرت عمر کا شمار خلفائے راشدین میں ہے، لیکن انھوں نے بھی یونانی تراجم کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور یونانی علماء کی قدر کی۔

خلافت سے قبل جب عمرو بن عبدالعزیز مصر کے والی تھے تو عبدالملک بن ابجر الکنانی (معلم زبان یونانی مدرسہ اسکندریہ) سے صحبت رہتی تھی اور یہ آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا جب خلیفہ ہوئے تو ابن ابجر کو اسکندریہ سے بُلا کر افسر الاطباء مقرر کیا۔

اس دور[۱] کے بعد ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ / ۷۲۴ء لغایۃ ۱۲۵ھ / ۷۴۳ء) کے زمانہ میں تاریخ عجم کا قیمتی ذخیرہ عربی میں ترجمہ ہوا، اور ارسطو کے وہ خطوط (رسائل) جو اسکندر اعظم کے نام تھے اسی زمانہ میں ترجمہ ہوئے۔

امیر معاویہ کے بعد خاندان اُمیہ میں ہشام سے بڑھکر کوئی علم دوست خلیفہ نہیں ہوا یہ انتہائی ترقی کا دور تھا۔

۱۳۲ھ / ۷۴۹ء میں بنو اُمیہ کی حکومت کا ورق اُلٹ گیا، لیکن جو سلسلہ تراجم کا شروع ہو چکا تھا وہ بدستور ترقی کرتا رہا اور اشعار عرب، لغت، انساب، ایام العرب، غزوات و سیر، تفسیر، حدیث اور فقہ کا بھی کافی سرمایہ جمع ہو گیا[۲]۔ تراجم یونانی

---

[۱] الفہرست صفحات ۱۱۷، ۲۴۴ و کتاب التنبیہ مسعودی صفحہ ۱۰۶

[۲] تراجم کے علاوہ ائمۂ وقت نے اب تک جو علمی و مذہبی خدمات کی تھیں اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابن جُریج (عبدالملک) ابن عبدالعزیز بن جریج اموی متوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) نے مکہ معظمہ میں، امام مالک (باقی صفحہ ۲۲۵)

کی یہ مختصر تاریخ تھی، اب عہد عباسیہ کی علمی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

۵۔ دولت عباسیہ خلفائے بنو اُمیّہ کی عظیم الشان سلطنت پر جب عباسیوں کا قبضہ ہوگیا اور ابو جعفر منصور دوسرے خلیفہ نے بغداد کو دار الخلافہ بنایا تو بازاروں میں کتب فروشوں کی دوکانیں بھی قائم ہوئیں اور کاغذ بیچنے والے (ورّاق) بھی اُن کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ پھر سوق الورّاقین ایک مستقل بازار[۱] ہوگیا۔ یہ کتب فروش جلد بندی کے علاوہ نادر کتابوں کی نقلیں بھی (فروخت کے لیے) کراتے تھے اور نقل نویس، نساخ کہلاتے تھے، سیکڑوں علماء کی معاش کا یہ بہترین ذریعہ تھا۔ ساتویں صدی ہجری تک یہ پیشہ فروغ پر رہا، علمی ترقیات کا یہ دیباچہ تھا۔

منصور عباسی چاہتا تھا کہ علمی اور تمدنی ترقیات میں وہ خلفائے امویہ سے بازی لیجائے، لہذا قیام خلافت کے بعد ہی قیصر روم[۲] سے فلسفہ وغیرہ کی کتابیں منگائیں اور غیر زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ شروع کرایا اور ذاتی دلچسپی کے علاوہ یہ علمی تحریک[۳] اس بنا پر شروع ہوئی کہ دربار دمشق کے جملہ یہودی اور نسطورین عیسائی علماء اور فارس کے زبان داں جو طب اور نجوم میں کمال مہارت رکھتے تھے، بغداد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴) مدنی (ابو عبداللہ مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ) نے مدینہ طیبہ میں، امام اوزاعی (عبدالرحمن بن عمر اوزاعی فقیہ متوفی ۱۵۷ھ) نے شام میں، ابن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ) اور حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں، معمر بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۳ھ) نے یمن میں، سفیان بن سعید ثوری ہمدانی صاحب تصوف (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں حدیث اور تفسیر کی کتابیں لکھیں اور امام اعظم ابو حنیفہ کوفی (متوفی ۱۵۰ھ) نے دلائل کے ساتھ فقہ کو ترتیب دیا۔ محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۱ھ) نے سیر و مغازی میں کتابیں لکھیں اسکے بعد طب وغیرہ کا آغاز ہوا [۱] تاریخ خطیب تذکرہ بغداد مطبوعہ مصر [۲] بعث ابو جعفر المنصور الی ملک الروم ان یبعث الیہ بکتب التعالیم مترجمۃ فبعث الیہ بأقلیدس و بعض کتب الطبیعات و قرأھا المسلمون و اطلعوا علی ما فیھا و ازدادوا حرصا علی الظفر بما بقی منھا "کشف الظنون جلد ۳ صفحہ ۹۱ [۳] متعصب عیسائیوں نے دمشق سے نسطورین فرقہ کو جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ یونانی اور ریانی زبان کے ماہر تھے (باقی)

میں جمع تھے اور منصور حدیث و فقہ کے علاوہ فلسفہ، نجوم اور طب میں خود مجتہد فن کا درجہ رکھتا تھا اور اسی شوق میں[1] ایک طبی درسگاہ جاری کی تھی جس کا معلم فرات بن شحناثا تھا۔ اور عہد رشید میں یوحنا و یحییٰ (پسران ماسویہ ابوحنا) عیسائی طبیبوں نے ایک طبی مجلس بھی قائم کی تھی، جس میں بحث و مباحثہ کے بعد بیماروں کا علاج کیا جاتا تھا اور نسخے قلمبند کر لئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں بھائی طبی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے (اور علوم و فنون کا دوسرا محسن یحییٰ برمکی تھا، جس نے عہد ہارون الرشید میں وسیع پیمانہ پر بیت الحکمۃ (محکمہ ترجمہ) قائم کیا اور محض یحییٰ کی ذات سے طب، فلسفہ، نجوم، ہیئت کی کتابیں ترجمہ ہوئیں اور علم کلام کی بنیاد پڑی) مختصر یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا آغاز عہد رسالت سے ہوا۔ اس مقدس عہد میں انسان کی روحانی نشوونما ہوئی۔ جس کا اصطلاحی نام تہذیب ہے اور امیر معاویہ کے زمانہ سے ہر قسم کی مادی ترقی شروع ہوئی جس کا نام تمدن ہے) اور اب تک جو کچھ ہو چکا تھا عہد عباسیہ میں اس پر اضافہ ہوا اور ذہنی ترقیات درجہ کمال تک پہونچ گئیں اور بغداد علوم و فنون کا مرکز بن گیا اور خلافت کے زوال پر جب طوائف الملوکی ہو گئی تب بھی فرمانروایان اسلام کی زیر سایہ اسلامی تمدن ترقی پذیر رہا اور ان ترقیات کا سرچشمہ قرآن حکیم کی تعلیم اور عربی زبان تھی جو اقصائے عالم میں جاری تھی۔ تفصیلی حالات کے لئے الفہرست اور کشف الظنون کا مطالعہ کافی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۲۵) جو کتب علمیہ کے ترجمے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اخراج سے ملک شام میں طب کا زوال شروع ہوا اور بغداد میں ترقی ہوئی۔

[1] مختصر الدول ملطی صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ آکسفورڈ لندن

۶۔ ہندوستان کا علمی ذخیرہ بغداد میں

۱۔ طب

جب اسلامی دار الخلافہ دمشق کے عوض بغداد قرار پایا تو علمائے ہندوستان کو بھی عباسی دربار میں اپنے علوم و فنون پیش کرنے کا موقع ملا، ورنہ تجارتی حیثیت سے تو ہندو عرب کا ہزاروں سال سے تعلق ہے لیکن علمی خیالات کا تبادلہ عہد منصور عباسی سے شروع ہوا جس کی بنیاد اس علمی وفد (ڈپوٹیشن) سے پڑی جو سندھ سے بغداد میں حاضر ہوا تھا۔

دوسرا سبب[۱] یہ تھا کہ آغاز خلافت میں ہارون الرشید کسی سخت مرض میں مبتلا ہوا اور اطبائے بغداد کے علاج سے شفا نہ ہوئی تب ابو عمر الاعجمی کے مشورہ سے سفر خرچ بھیج کر یحییٰ برمکی نے منکہ (منکا یا مانک) وید کو ہندوستان سے طلب کیا (اس زمانہ میں فرمانروایان ہند اور خلفاء سے دوستانہ مراسم قائم تھے اور خط و کتابت جاری تھی) جس کے علاج سے رشید اچھا ہو گیا۔ خلیفہ اور وزیر دونوں پر اس علاج کا کافی اثر پڑا اور ویدک کی عظمت ان کے دلوں پر چھا گئی اور اس صلہ میں یحییٰ برمکی نے منکہ کو اپنے ندیموں میں داخل کر لیا پھر اپنے ذاتی شفاخانہ کا افسر مقرر کیا اور یہ بھی حکم دیا کہ "سنسکرت سے طبی کتابوں کا ترجمہ کیا کرے۔"

طب کی قدامت

صفحات تاریخ سے ظاہر ہے کہ طب کا وجود دنیا میں چھ ہزار برس قبل مسیح قدیم سے ہے اور اس کے موجد کلدانی تھے لیکن اطبائے ہند کا دعویٰ ہے کہ طب کی ایجاد کا فخر ہم کو حاصل ہے اور وہ مصری طب کو بھی ہندی طب کی شاخ سمجھتے ہیں لیکن عقلی فیصلہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم اپنے طب کی خود ہی موجد ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ جن اقوام نے طب کو علمی حیثیت سے مدون کیا ہے

---

[۱] طبقات الاطباء باب دوازدہم جلد ۲ مطبوعہ مصر۔

وہ کلدانی، ہندی، مصری، یونانی اور عرب ہیں اور ہر قوم نے اپنے ہم سوانہ قوم سے بھی نفع اُٹھایا ہے۔

سنسکرت سے عربی میں ویدک کی جو کتابیں اس عہد میں ترجمہ ہوئیں اُنکی تعداد اگرچہ قلیل ہے لیکن پھر بھی یہ ایک قیمتی اور مفید اضافہ تھا۔ اور جن کتابوں کا ترجمہ یحییٰ برمکی کے حکم سے ہوا وہ حسب ذیل ہیں۔

اسشسرتا یا سسرتا

ہندوؤں کے ماہر فن اور عدیم النظیر ویدوں میں سشسرت کا خاص درجہ ہے۔ اس نے دیوداس سے بنارس میں طبی تعلیم پائی تھی۔ سشسرت کی مشہور کتاب "سشسرت سنگھٹا" ہے۔

یہ کتاب حکیم بوعلی سینا کے قانون کے ہم پلہ ہے۔ علم الادویہ کے علاوہ سشسرت، فن جراحی میں بھی کامل تھا۔ عربی میں سب سے پہلے یہی کتاب ترجمہ ہوئی ہے، جس کا نام "کتاب سسرو فی الطب" ہے۔ یہ امراض کے شناخت اور معالجات میں ایک بسیط کتاب ہے۔ جس کا منکہ نے خاص یحییٰ کے لئے فارسی میں ترجمہ کیا۔ پھر عربی میں منتقل ہوئی۔ اس ترجمہ کا دوسرا نام "علاجات الادواء و معرفۃ علاجھا" بھی ہے۔ یہ ترجمہ یحییٰ کے شفاخانہ میں طبیبؔ دستور العمل کا کام دیتا تھا۔ اسی موضوع یعنی شناخت امراض میں ایک کتاب اور ترجمہ ہوئی ہے جس کا نام مورخ یعقوبی نے ندان لکھا ہے جس میں چار سو چار بیماریوں کی شناخت کا بیان ہے۔

منکہ کی دوسری مترجمہ کتاب ہندوستان کی جڑی بوٹوں پر ہے۔ جن میں ایک ایک بوٹی کے دس دس نام ہیں۔

اطباؔئے ہند عقاقیر (جڑی بوٹی) کی تصویریں بھی (کتابوں میں) بناتے تھے

لہ یعقوبی صفحہ ۱۰۵ جلد اول مطبوعہ لیڈن ۔ ٹلہ مسعودی صفحہ ۱۶۲ جلد اول مطبوعہ یورپ۔

اور ہر پھول پتی کا اصلی رنگ دکھایا جاتا تھا۔

۲۔ قرابادین: یہ قرابادین (Graphaidion) اہرن قس کی تصنیف

یا

کُنّاشُش: ہے جو سریانی میں تھی ماسرجویہ نے اوّل عربی میں ترجمہ کیا۔ پھر کنکہ ہندی نے اصل کتاب کا خلاصہ یحییٰ کے نذر کیا (اسکو سنسکرت سے تعلق نہیں ہے)

۳۔ کتاب السموم: یہ شاناق[1] ہندی کی تصنیف ہے، جس میں ہر قسم کے زہر (سمیات) کا بیان ہے۔ سمیات کی تحقیقات میں ہندی اطباء کا درجہ بہت بلند ہے۔ عام زہروں کے علاوہ جس قدر زہریلے سانپ ہیں ان کی بھی کافی تحقیقات کی گئی ہے۔ کتاب مذکور کو اوّل منکہ[2] نے فارسی میں ترجمہ کیا پھر ابو حاتم بلخی نے عربی میں منتقل کیا۔

۴۔ سسرک: منکہ نے فارسی میں اور عبداللہ بن علی نے عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ بھی طب میں ہے مگر اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

۵۔ عطریات: کشید عرق اور عطریات پر بھی ایک کتاب ترجمہ ہوئی منجملہ اُن کے عطر بر ملکی مشہور ہے۔

نامور ویدؔ[3] چرک ہندی کی بھی کتاب "چرک سنگھٹا" اسی زمانہ میں ترجمہ ہوئی ہے۔ اوّل فارسی میں پھر عبداللہ نے عربی میں منتقل کی الفہرست میں اسکا ذکر ہے۔

---

[1] شاناق (چانگ یا سنگھ) طب کے علاوہ علوم حکمت، سیاست، اور فن جنگ کا بھی ماہر تھا اور ان فنون پر اس کی تصنیف موجود ہیں اور جوتش میں بھی فرد تھا۔ طبقات صفحہ ۳۲ جلد ۲ [2] منکہ یا ماتک یہ پہلا ہندی وید ہے جو بغداد پہونچا حسن معالجہ میں مشہور تھا سنسکرت کے علاوہ فارسی کا بھی عالم تھا، اس نے متعدد کتابیں سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیں جو بعد میں عربی میں منتقل کی گئیں۔ الفہرست وطبقات [3] چرک ہندوستان کے نامور مہاراجہ کنشک کے دربار میں تھا، اس راجہ کی تخت نشینی ۸۰ء میں ہوئی تھی۔ یہ ماگھ سمبت کا بانی ہے (باقی)

جب ہندی طبیبوں کے مطب بغداد میں قائم ہو گئے تو ہندوستان کی خاص خاص دوائیں نسخوں میں اور مسالے کھانوں میں مستعمل ہوئے جن کی تفصیل تاریخوں اور سفرناموں میں موجود ہے۔ مثلاً چند نام درج کئے جاتے ہیں۔

ترپھلا (اطریفل یعنی مجموعہ ہلیلہ، بلیلہ، آملہ) گٹ (قسط) بہیڑہ (بلیلج) ہڑ (ہلیلج) پیپلی (فلفل) املی (تمر ہندی) نیلوپھر (نیلوفر) لیمو (لیمون) ناریل (نارجیل) جاٹے پھل (جوز بوا) کنکٹ پھل یا لونگ (قرنفل) چندن (صندل) موشکا (مسک) اود[1] (عود یا مندل) کیسر (زعفران) ایل (ہیل۔ الائچی) تیجپات (سانج) رائی (خردل) وغیرہ، بعض دوائیں بہ سلسلہ تجارت ایران ہوتی ہوئیں اس زمانہ سے بہت پہلے عرب میں پہونچ گئی تھیں۔ مثلاً زرنجبیرا یا سونٹھ (زنجبیل) اور کپور (کافور)۔

ہارون الرشید کے دربار میں جسقدر طبیب، نجومی اور دیگر ہندی علماء جمع تھے وہ یحیٰی کے حکم سے طلب کئے گئے تھے اور ان پر بھی برامکہ کے ابر کرم کی بارش ہوا کرتی تھی۔ ان میں مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سالٹہ[2] عربوں کے گلے سے حروف ثقیلہ ادا نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے سالٹہ کو وہ صالح کہتے تھے اور مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر سالٹہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

سالٹہ کے باپ کا نام بہلہ تھا۔ ابتدا میں محلات کے اندر سالٹہ کا علاج ہوا کرتا تھا کیونکہ اطبائے ہند میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ پھر یہ خدمت جبرئیل بن بختیشوع کے سپرد ہوئی۔ سالٹہ نے ایک معرکہ کا علاج کیا تھا جس کی تفصیل دوسری جگہ آئیگی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹) ناگارجن ماہر علم کیمیا اور آشو گھوش (بدھ مذہب کا نامور عالم) بھی چرک کے ہم عصر تھے۔ سنجھل کے حالات میں چرک کا ضمنی تذکرہ ہے۔ طبقات صفحہ ۳۲۔

[1] اود (عود) ساحل کارومنڈل سے عرب میں جاتا تھا اس لئے اسکا نام مندل بھی ہے۔

[2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۴۵، یعقوبی صفحہ ۱۰۵ جلد اول۔

۲-آبندھن | مورخین عرب آبندھن کو ابن دھن لکھتے ہیں یعنی دھن کا بیٹا[1] یہ رسم الخط کی ابتدائی غلطی ہے جس کی صدیوں کی بعد تصحیح کی جاتی ہے۔ ہارون الرشید نے اس کو ملک محروسہ کے شفاخانوں کا افسر الاطبار مقرر کیا تھا۔ یہ سنسکرت سے علمی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا کرتا تھا چنانچہ سندھنشان اور استانگر کا مترجم یہی ہے۔

پروفیسر ایڈورڈ زخاؤ (Sachau) نے آبندھن کے نام کی صحت میں دلچسپ موشگافیاں کی ہیں مگر پھر بھی صحیح نام نہ بتا سکے۔

۳-صنجھل | یہ عربی لہجہ ہے، اسکا ہندی نام سنگھل ہوگا یہ مشہور طبیب اور نجومی تھا۔

۴-جودر | یہ نام گدریا گودر ہوگا۔ یہ بھی نجومی تھا اس کی کتاب الموالید کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔

۵-بہلہ یا بھلاّ | یہ بھی ایک مشہور طبیب ہے۔

۶-کنکہ یا کنک | یہ ہندوستان کے نجومیوں میں سب سے ممتاز اور جلیل الشان تھا ابومعشر جعفر بن محمد بلخی منجم (متوفی ۲۷۲ھ) نے اس کو نجومیوں کے طبقہ میں رکھا ہے طبیب بھی تھا۔ اوقات فرصت میں ترجمہ بھی کرتا تھا۔ کنکہ کی تصنیف میں کتب ذیل مشہور ہیں (یہ ہندی کے عربی ترجمے ہیں)۔ (صحیح نام Kuttaka / کتاکا ہے)

۱-کتاب النمودار فی الاعمار (عمروں کے بیان میں)

۲-کتاب اسرار الموالید (اسرار پیدائش)

۳-و ۴-کتاب القرانات الکبیر والصغیر (بڑی اور چھوٹی لگن کے بیان میں)

۵-کتاب فی احداث العالم والدور فی القران

۷-نہق | (دنہک یا نانگ) یہ بھی نجومی تھا۔

[1] سالٹ اور آبندھن ہند میں مشہور ہیں۔

۸۔ مارنگر | مارکرم [1] | |
۹۔ بازیگری | بجے گر | یہ صحیح تلفظ ہے
۱۰۔ سندھ باریاسندباد | سدھ بار |

۱۱۔ فلیسرقل | اس نام میں بہت زیادہ حروف کا ردوبدل ہوا ہے لہذا قیاس بیکار ہے۔

یہ جملہ نام عربی سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ طبیہ کالجوں اور ہندو یونیورسٹی کے طلبہ جو علمی تحقیقات (ریسرچ) میں مصروف ہیں۔ یقین ہے کہ وہ صحیح ناموں اور مزید حالات پر روشنی ڈالیں گے اور جن اطباء و حکماء کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں [2] ان کے نام یہ ہیں۔

باکھر [1] یا جبھر، راجہ، سکہ یا منکا، داہر، انکو، زنکل، اندی، جیاری، انکر، توکشل رائے [3]، کپل، ساویرم، برہم گپت، آریہ بھٹ، براہمر اور ایک خوش نصیب دیوی رد ساپنڈ تانی۔

اس طبیبہ نے خاص عورتوں کے علاج پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ایک عربی میں ترجمہ ہوئی ہے۔

اطبائے مذکور کی تصنیفات پڑھکر علمائے عرب، ہندوستان کی علمی فضیلت سے واقف ہوئے اور اُنھوں نے اپنی تصنیف میں علمائے ہند کی کتابوں اور اقوال کا ذکر کیا ہے، جس کی تصدیق ابن سینا کے قانون اور ابوریحان بیرونی کی الآثار الباقیہ، طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ، عقد الفرید ابن عبدربہ، اور کتاب البیان جاحظ سے ہوتی ہے۔

---

[1] مارکرم، سدھ بار، اور فلیسرقل کا لغداد ۲ تا کتاب البیان جاحظ (مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰) سے بھی ثابت ہے۔
[2] منجھل کے حالات میں یہ نام آتے ہیں اور بقیہ نام الفہرست وغیرہ سے لکھے گئے ہیں۔
[3] رائے نے سانپوں کے اقسام اور انکی زہر کے بیان میں جو کتاب لکھی ہے اس کا ترجمہ ہوگیا ہے۔

ہندو طبیبوں کے علاوہ عباسی دربار اور برامکہ کی سرکار میں جورجیس[1] بن بختیشوع جبرئیل[2] بن بختیشوع[3] اور بختیشوع بن جورجیس بھی ملازم تھے۔ یہ سب طبیب عیسائی تھے اور جبرئیل کو یحییٰ برمکی وغیرہ کی ڈیوڑھیات سے بھی تنخواہ ملتی تھی۔

طب کی ترقیات میں کلدانیوں کا نام سرے پر ہے۔ ۲۰۰ء میں جب کلدانی طب کا زوال شروع ہوا تو شاہان عجم نے طب کی سرپرستی کی اور محض بقائے طب کیلئے

---

[1] جورجیس کو منصور عباسی نے ۱۴۸ھ؁ میں اپنے علاج کے لئے جندی سابور سے طلب کیا تھا۔ یہ فارسی اور عربی دونوں زبانوں کا عالم اور ایک راسخ العقیدہ عیسائی تھا۔ اس کی بی بی بہت ضعیف تھی منصور نے خدمت کے لئے تین رومی کنیزیں بھیجدیں۔ جورجیس نے ان کو واپس کر دیا۔ سبب پوچھا تو عرض کیا کہ میں عیسائی ہوں، میرے مذہب میں جب تک بی بی زندہ رہے گھر میں دوسری عورت نہیں آسکتی ہے نہ شادی ہوسکتی ہے۔ منصور طبیب کی سچائی سے بہت خوش ہوا اور اسکو حرم سرا میں جانے کی اجازت دی، کوئی خاتون اس بوڑھے طبیب سے پردہ نہ کرتی تھی۔ ۱۵۲ھ؁ (۷۶۹ء) میں جب یہ بیمار رہا تو منصور عیادت کو گیا اور طبیب کے سامنے اسلام پیش کیا اور کہا کہ اگر تو مسلمان ہوجائے تو میں تیرے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ جورجیس نے جواب دیا کہ امیر المومنین! جس جگہ میرے بزرگ ہیں خواہ جنت ہو یا دوزخ مجھے بھی وہی جگہ پسند ہے۔ منصور ہنس کر چپ ہو رہا۔ اور دس ہزار دینار انعام دیکر جندی سابور کو رخصت کیا اور عیسیٰ بن شہلانہ کو جو جورجیس کا شاگرد تھا اسکی جگہ پر مقرر کیا۔ ابن القفطی صفحہ ۱۵۸

[2] جبرئیل، عیسائی اطباء میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھا۔ یہ ہارون الرشید اور جعفر برمکی کا طبیب خاص تھا رشید نے اسکو ندیم بنا کر طبقۂ امراء میں داخل کر لیا تھا۔ اور اس کا یہ اعزاز تھا کہ ارکان دولت کی عرضیاں جبرئیل کے ذریعہ سے پیش ہوتی تھیں۔ اس طبیب نے پندرہ سال رشید کی خدمت کی، دس ہزار درہم (ڈھائی ہزار روپیہ) ماہانہ تنخواہ پاتا تھا اور سالانہ تقریبات میں دو لاکھ ساٹھ ہزار درہم انعام ملتے تھے۔ زبیدہ خاتون، شاہزادی عباسہ اور فاطمہ سے ایک لاکھ ستر ہزار درہم اور یحییٰ، فضل اور جعفر برمکی سے پندرہ لاکھ سالانہ اور عباسی شاہزادوں اور دیگر امراء سے تنخواہیں مقرر تھیں اور پندرہ لاکھ درہم سالانہ، جاگیر کی آمدنی تھی اور غیر متوقع انعام اس فہرست سے خارج ہیں۔ الغرض اس طبیب کی سالانہ آمدنی کی میزان ایک کرور درہم تک پہنچتی ہے۔ جبرئیل نے ۲۳ سال رشید کی اور ۱۳ سال برامکہ کی خدمت کی ہے۔ حیاۃ الحیوان پر جبرئیل کے رسائل نہایت بیش قیمت ہیں ۲۱۳ھ؁ (۸۱۸ء) میں بمقام مدائن فوت ہوا۔ اور دیر ماسرجیس میں دفن ہوا۔ ابن القفطی و طبقات الاطباء۔

[3] ابو جبرئیل بختیشوع بن جورجیس، سفاح عباسی کا طبیب تھا۔ متوکل باللہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔ ضرورت کے وقت جندی سابور سے آیا کرتا تھا۔ یہ بھی امیر کبیر تھا اسکی ترنگ خانہ میں صرف پانچہزار دبیقی پائے جامے تھے ۲۵۶ھ؁ (۸۶۹ء) میں فوت ہوا۔ ابن القفطی۔

جندی سابور میں [1] طبیہ یونیورسٹی قائم کی چنانچہ ساسانیوں کے دور تک جندی سابور طب کا مرکز رہا اور بغداد میں جندی سابور سے اطباء آتے رہے اور ان کی وجہ سے عربوں میں طب کو فروغ ہوا۔

۲۔ نجوم

یحییٰ برمکی خود بڑا نجومی تھا، وہ بات بات پر زائچہ کشی کیا کرتا تھا۔ تعمیر بغداد کا زائچہ منصور کے حکم سے جن نجومیوں نے کیا تھا ان میں یحییٰ بھی شریک تھا۔ اور حکیم جاماسپ کے عہد سے یہ علم اس خاندان میں چلا آتا تھا۔ اصطرلاب کے استعمال میں برامکہ کو خاص مہارت تھی۔ خصوصاً جعفر[2] برمکی سب پر فائق تھا۔ ہندی جوتشیوں کے علاوہ یحییٰ کی جن ایرانی نجومیوں سے صحبت رہتی تھی ان میں [3] نوبخت

---

[1] جندی سابور صوبہ خوزستان (اہواز) کا مشہور اور آباد شہر تھا۔ اس علاقہ کی آب و ہوا نہایت معتدل تھی۔ پہلے سابور اول (شاہ پور) نے قسطنطنیہ کے نمونہ پر اس قطعہ اراضی میں ایک شہر آباد کرنا چاہا لیکن یہ علاقہ جندا نامی ایک مرزبان کی جاگیر میں تھا۔ اس نے اراضی کے بیع کرنے سے انکار کیا لیکن مشکل سے اس امر پر رضامند ہوا کہ نئے شہر کا جو نام قرار پائے اسمیں میرا نام بھی شامل رہے لہذا شاہ پور نے اپنے اور جندا کے نام سے اس شہر کا نام جُندا شاہ پور رکھا جو کثرت استعمال سے جندی سابور ہوگیا۔ شاپور نے قیصر فیلس کی دختر سے شادی کی تھی چنانچہ قیصر نے اپنی نگرانی میں یہ شہر آباد کرایا۔ اور قسطنطنیہ سے جو کاریگر آئے تھے ان میں یونانی طبیب بھی تھے۔ جن کی ذات سے جندی سابور طب کا مرکز بن گیا اور اطباء نے جندی سابور کو اپنا وطن بنا لیا۔ ابن القفطی۔ تذکرہ جندی سابور۔ [2] آغانی اور اعلام الناس میں کئی جگہ ذکر ہے۔ [3] نوبخت کا خاندان بھی مثل برامکہ کے طبقہ امراء میں تھا اور دولت و علم میں بھی یہ اصحاب ممتاز تھے۔ نوبخت کی اولاد میں حسن اور فضل نامور نجومی تھے۔ فضل فارسی سے عربی میں ترجمہ بھی کیا کرتا تھا اور بیت الحکمۃ میں افسر تھا۔ نوبخت کا پوتا اسمٰعیل، علم کلام کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی مجلس میں متکلمین جمع ہو کر مذہبی مناظرے کیا کرتے تھے۔ نوبخت جب بوڑھا ہوگیا تو اس نے خلیفہ منصور کے سامنے اپنے بیٹے ابوسہل کو پیش کیا، منصور نے پوچھا صاحبزادے تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا کہ مجھ کو خورشاہ، طیماذاہ، ماباذاہ خسرو بن شاہ کہتے ہیں۔ یہ نام سنکر منصور نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ پورا جملہ کون ادا کرسکتا ہے؟ میں تم کو صرف کنیت سے یاد کرونگا چنانچہ ابوسہل مشہور ہوا۔ ابن القفطی صفحہ ۴۰۹ و الفہرست تذکرہ نوبخت۔

فارسی، ابو سہل بن نوبخت اور حسن بن سہل نامور نجومی تھے۔ ان کے علاوہ ابو حفص عمرو بن[1] الفرخان طبری یحییٰ کا ندیم تھا۔ یہ ایرانی نجومی منصور عباسی کے دربار میں جمع تھے۔ جن کی عہد رشید میں یحییٰ برمکی نے سرپرستی کی اور عہد منصور سے نجوم کی کتابیں بھی ترجمہ ہونا شروع ہوئیں۔

اور یہودیوں میں ماشاء اللہ[2] (میشا بن ابری) منجم اور عیسائیوں میں توفیل[3] بن توما ہادی درباری نجومی تھے۔ اور جب ہندی نجومیوں کا سردار کنکہ، یحییٰ کے مصاحبوں میں داخل ہوا، اس وقت سے ہندی جوتش کی تحقیقات کا شوق پیدا ہوا۔

جودر، منجھل اور کنکہ نے جوتش کی کتابیں ترجمہ کرکے پیش کیں اور اسی زمانہ میں یحییٰ کے خاص منجم الحیاط نے یحییٰ کے لئے کتاب المنشور تصنیف کی، ان نجومیوں کے علاوہ احمد بن یحییٰ نہاوندی۔ رصدی، اور محمد بن موسیٰ خوارزمی بھی مشہور نجومی تھے۔

۳۔ **علم ہیئت** | علم ہیئت (اسٹرانومی (Ostronomy) کے لئے دنیا ایشیا کے صحرا نشیں چرواہوں کی مرہون منت ہے۔ یہ طویل راتوں میں بیکاری سے پریشان ہوکر صفحۂ افلاک کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور ہر ستارہ کی حرکت وسکون پر گہری نظر ڈالتے تھے اور اُن کا دل شہادت دیتا تھا کہ اِن ستاروں کا تغیر و تبدل کسی اُصول کے تحت میں ہے۔ اور یہ ستارے موسم اور زراعتی فصلوں پر خاص

---

[1] عمر بن الفرخان، روسائے مترجمین سے تھا، نجوم کی کتابیں ترجمہ کرتا تھا۔ اس عہد کے نجومیوں میں عربوں کے مقابلہ میں عجمی زیادہ ماہر تھے۔ ابوریحان بیرونی نے اسکے رسالہ نوادر عجائبات پر ایک رسالہ لکھا ہے۔

[2] ماشاء اللہ، عہد منصور میں بغداد آیا اور مامون الرشید کے زمانہ تک زندہ رہا۔ یہ ضمیر کے سوال خوب بتاتا تھا (سائل خاموش رہے اور نجومی خود حالات بیان کرے اس کو ضمیر کہتے ہیں) میرے والد منشی الٰہی بخش رمال ومنجم ضمیر کے سوالات کی فیس پچاس روپیہ لیا کرتے تھے۔ [3] توفیل، مہدی عباسی کے عہد میں کل نجومیوں کا افسر تھا۔ نوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔ ہومر ملک الشعراء یونانی کے مثنوی ایلڈ کا عربی میں اُس نے ترجمہ کیا تھا اور ایک عربی ترجمہ دور حاضرہ میں بھی ہوا ہے جو بیروت سے شائع ہوا ہے اور اُردو نظم میں ایک ترجمہ لکھنؤ میں ہوا ہے عرب ہومر کو اومیروس کہتے ہیں۔ ابن القفطی وطبقات۔

اثر رکھتے ہیں، اس لئے اُنھوں نے ان کے نام رکھے اور اُن کے طلوع وغروب کا اندازہ کیا۔ پھر ثوابت (ٹھہرے ہوئے ستارے) کی امداد سے سمتیں مقرر کر کے ہر ستارہ کے لئے ایک منزل مخصوص کی، جس سے فصلوں کی بنیاد پڑی اور سیر وسفر میں انھیں ستاروں نے میل وفرسنگ کا کام دیا۔ اس علم کے معلم اول کس ملک کے باشندے تھے۔ یہ اختلافی مسئلہ ہے لیکن تاریخی آثار سے ثابت ہے کہ علم ہیئت کی ایجاد کا فخر بھی کلدانیوں کو ہے[1]۔

آج سے چار ہزار برس قبل اس قوم نے فلکیات میں انتہائی کمال حاصل کیا تھا اور اثر دی ہاک (ضحاک) نے کواکب سبعہ کے نام پر سات ہیکلیں بابل میں تعمیر کی تھیں[2] اور حکیم تن کلوشس (سنہ ۲۱۳۰ ق م) وطین فروشس وغیرہ ان کے مہتمم تھے اس زمانہ میں بابل والے مندروں سے رصدگاہ[3] کا کام لیتے تھے۔ یہ عمارتیں مسطح میدانوں میں بنائی جاتی تھیں اور کئی کئی درجوں کی ہوتی تھیں۔ جن کو بابلی زبان میں زکورات کہتے تھے۔

کلدان کے بعد علم ہیئت میں ہندوستان کا درجہ بہت بلند ہے اور یہ اس علم کے خود موجد ہیں۔ ہند کے بعد مصری ہیں اور ان کے اُصول بھی جداگانہ تھے،

---

[1] ابن القفطی صفحہ ۱۰۴ و ۲۱۰ [2] سلاطین بابل میں شروکن اول کا خاندان نہایت قدیم ہے اور معتبر دلائل سے علمائے آثار نے ثابت کیا ہے کہ شروکن سنہ ۳۸۰۰ ق م میں تھا اور اس کے زمانہ میں سورج وچاند کے گرہن کا حساب مرتب تھا۔ یہ علم ہیئت کی قدامت کی ایک زبردست دلیل بھی۔ اور شروکن سے نو سو برس قبل بابل میں سال کی دوازدہ ماہی تقسیم جاری تھی اور منطقۃ البروج کا نقشہ مرتب ہو چکا تھا۔ (انتخاب از تحقیقات آثار قدیمہ بابل)

[3] رصدگاہ (ابزرویٹری Observatry) ایک بلند عمارت کا نام ہے جس میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے آلات مناسب مقامات میں نصب ہوتے ہیں جن کی مدد سے ستاروں کی چال، ان کی مدت، محل قیام طلوع وغروب اور باہمی تناسب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ سنہ ۳۲۹ ق م سے سنہ ۱۲۴ء تک روما اور اسکندریہ میں رصدگاہیں قائم ہو چکی تھیں اور بغداد وشماسیہ (دمشق) میں مامون الرشید نے رصدگاہیں تعمیر کیں۔ اور اسکے بعد مصر، (باقی)

کیونکہ اُنہوں نے بھی نہ کسی سے حاصل کیا نہ دوسروں کو تعلیم دی۔ ہند و مصر کے بعد عربوں کا نمبر ہے۔ یہ اہل بابل کے شاگرد ہیں اور اُنہوں نے ہندوستان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور سب سے اخیر میں یونانیوں نے علم ہیئت میں ترقی کی ہے۔

حکمائے یونان میں تھیلس (Thales) طالیس یا ثالیس ملطی (۶۶۰ ق م) نے زمین کو مرکز کائنات مانا، اور اس نے سب سے پہلے زیچ بنائی[۲] اس کے بعد فیثاغورس (ولادت ۵۸۰ قم) نے بجائے زمین کے آفتاب کو مرکز مانا، کیونکہ اس حکیم کی رائے میں خود آفتاب محل مرکز میں واقع تھا اور دیگر سیارے مع زمین کے اس کے گرد گردش کرتے تھے۔ یہ نظام محسوسات کے خلاف تھا لہذا دوسرے حکمار نے اس نظریہ (تھیوری) کو تسلیم نہیں کیا۔ اور عرصہ تک زیر بحث رہا۔ فیثاغورس کے بعد ارسترخوس (ہمعصر ارشمیدس ۲۸۰ ق م) نے یہ ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے۔ حکمائے ہند میں آریہ بھٹ اور مسلمانوں میں ابوسعید احمد بن محمد سنجری بھی حرکت زمین کے قائل تھے۔ ان حکمار کے بعد بطلیموس[۱] قلوذی اسکندری نے یہ نظام قائم کیا کہ زمین ساکن ہے اور آفتاب دیگر سیاروں کے ساتھ اس کے گرد حرکت کرتا ہے۔ مسلمانوں نے بطلیموسی ہیئت کے ساتھ اعتنا کیا اور اس نے علم ہیئت کی منتشر معلومات کو ایک کتاب میں جمع کیا۔ یہی وہ مشہور عالم کتاب ہے جس کا نام عظمت و فوائد کے لحاظ سے مجسٹی سن ٹینس ہے جس کو عرب مجسطی کہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶) ایران اور ہندوستان میں تعمیر کا سلسلہ جاری ہوا۔ جن کے کھنڈرات دہلی، اُجین، اور بنارس میں ہنوز موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب نظام الملک طوسی کا نوٹ (رصدگاہ پر) ملاحظہ ہو۔

[۱] بطلیموس قلوذی (Ptolemoceus) اور مجسطی کے لئے انسائیکلو پیڈیا برطانیہ ( ) جلد ۲۲ ملاحظہ ہو۔

اصل یونانی سے مجسطی کے متعدد ترجمے ہوئے لیکن ان میں سب سے زیادہ مقبول تین ترجمے ہیں۔ پہلا ترجمہ وہ ہے جو یحییٰ برمکی کے حکم سے ہوا تھا اس کا مترجم یحییٰ بن بطریق تھا لیکن یہ سب ترجمے اور ان کی شرحیں مبہم تھیں، اس لئے یحییٰ نے بیت الحکمۃ کے مترجم ابو حسان اور سلما کو حکم دیا کہ مجسطی کا از سر نو ترجمہ کیا جائے، چنانچہ یہ اخیر ترجمہ مستند قرار پایا۔ اس کے بعد مامون الرشید نے کل ترجموں کی جانچ کرائی، حجاج بن یوسف اور ثابت بن قرہ کے ذمہ تصحیح کا کام سپرد ہوا، چنانچہ انھوں نے کل ترجموں سے ایک خلاصہ مرتب کیا جو عموماً پسند ہوا۔ اخیر دور میں ابوریحان بیرونی نے بھی ترجمہ کیا اور ایک خلاصہ لکھا۔ دوسرا ترجمہ سنسکرت میں شروع کیا تھا، لیکن وہ ناتمام رہا۔ اس کتاب میں تیرہ[1] مقالے تھے۔ مجسطی کے ترجمہ سے نئے نئے مسئلے حل ہوئے مثلاً زمین کے نقطہ راس اور ذنب کو دریافت کیا۔ اور نیز رصد گاہوں میں دائرۃ البروج کے میل (دائرہ معدل النہار سے سورج یا ستاروں کا فاصلہ) کو خط استوا پر پایا۔ اس تحقیقات سے وقت کا صحیح تعین[2] ہوا۔

بطلیموسی نظام تمام یورپ میں کوپرنیکس، (Copernicus) (۱۴۷۳-۱۵۴۳ء) کے زمانہ تک جاری رہا۔ مجسطی کا عربی سے پہلا ترجمہ لاٹن میں ہوا۔ پھر یونانی نسخہ بھی مل گیا اور وہ بھی شائع کیا گیا۔ دنیائے علم میں یحییٰ برمکی کا یہ احسان عام تھا جو مجسطی کی اشاعت سے ہوا۔

اس زمانہ میں علم ہیئت کی مشہور کتاب "برہمپت سدہانت" ہندوستان سے

---

[1] ایک ترجمہ حجاج بن مطر کا دوسرا اسحق کا تیسرا ثابت کا تھا۔ ثابت نے اسحق کے بھی ترجمہ کی صحت کی تھی۔

[2] مجسطی کی تفصیل کے لئے کشف الظنون، الفہرست، دائرۃ المعارف دیکھنا چاہیے۔

بغداد میں داخل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ[1] ہے کہ ۱۵۴ھ (۷۷۱ء) یا ۱۵۶ھ (۷۷۳ء) میں سندھ سے ایک علمی جماعت، منصور عباسی کے دربار میں پہونچی، ان علماء میں ایک پنڈت بھی تھا جو ہیئت اور ریاضی کا علامہ تھا۔ اس نے ہدیۃً کتاب سدھانتا (یہ مختصر نام ہے) خلیفہ کے حضور میں پیش کی اور اس کے مضامین بھی بیان کئے۔ کیونکہ یہ پنڈت سدھانتا کا حافظ تھا۔ کتاب مذکور ہندوستان کی مشہور زیچ ہے جو راجہ بیگر سے منسوب ہے ابوریحان بیرونی نے لکھا ہے کہ اس کا مصنف برہم گپت ہے اور یہ کتاب برہم سدہانت کہلاتی ہے جس کو عرب سندہند کہتے ہیں۔ اسی موضوع پر برہم گپت کی دوسری کتاب "پانی سیا، سدہانت" ہے۔ برہم گپت ہندوستان کا نامور عالم ہے۔ ہیئت میں یکتا تھا۔ تیس ۳۰ سال کی عمر تھی۔ جب برہم سدہانت تصنیف کی۔

ہیئت کی اصطلاح میں زیچ[2] اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ستاروں کی حرکات اور اعمال فلکی کا مفصل حال ہوتا ہے اور رصدگاہوں میں اصطرلاب[3] کے بعد زیچ سے سے کام پڑتا ہے اور پھر زیچ کی مدد سے پترا (تقویم) تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ علم الافلاک کی ایک مشہور شاخ علم الازیاج بھی ہے۔

سدہانتا میں زمانہ کی تقسیم کلپ کی حساب سے تھی (ایک کلپ چار ارب اور بتیس ۳۲ کرور سال کے برابر ہوتا ہے) جس کے مطابق حساب لگانا نہایت دشوار تھا۔ اس لئے اخیر پانچویں صدی عیسوی میں ہند کے نامور مہندس آریہ بھٹ (اس کو عرب ارجاباد یا اریاباد کہتے ہیں) نے زمانہ کی اس طویل مدت میں ترمیم کردی

---

[1] ترجمہ کتاب الہند ابوریحان بیرونی صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ لندن وتاریخ الحکما ابن القفطی تذکرہ محمد فزاری صفحہ ۲۷۰ وطبقات الامم اندلسی صفحہ ۴۹ بیروت۔ [2] زیچ فارسی زیگ۔ رشتہ معماران کہ درستی و نادرستی عمارت بداں معلوم می نمایند وتختہ کہ منجمان طالع کسی را از جدول آں معلوم می نمایند۔ سواد السبیل مفید عام لاہور۔

[3] اصطرلاب مشہور آلہ ہے۔ یہ یونانی لفظ اسٹرالابن (Ostrolabon) سے ہے جس کا لفظی ترجمہ عربی میں مراۃ النجوم ہے یعنی ستاروں کا آئینہ، اسٹر (ستارہ) اور لابون آئینہ کو کہتے ہیں۔ اصطرلاب معرب۔ خوارزمی صفحہ ۲۲۲

اور ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی جو اس کے نام سے آریہ بھٹ مشہور ہے، جسکو عرب ارجبند یا ارج بھر کہتے ہیں۔ اس کتاب کا ابوالحسن اہوازی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس فاضل (آریہ بھٹ) نے بجائے کلپ کے زمانہ کی تقسیم کا حساب جُگ سے رکھا ہے (ایک جُگ، کلپ کا ہزارواں حصہ ہے) اس کو عرب "سنی ارجبند" کہتے ہیں یعنی آریہ بھٹ کے سال اور کلپ کا ترجمہ "سنی السند ھند" ہے (سدھانتا کے سال) یہ واقعہ ہے کہ بطلیموس اور فیثاغورس کی تصنیف سے قبل عرب نے سدھانتا سے علم ہیئت کے مسائل حاصل کئے۔

سدھانتا[1] اور آریہ بھٹ کے علاوہ اس سلسلہ کی تیسری کتاب کرن کھنڈ یا کھنڈ یاک ہے۔ جس کو عرب الارکند کہتے ہیں، یہ بھی برہم گپت کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا اصل نسخہ (سنسکرت) ہنوز موجود ہے۔ چنانچہ سدھانتا[1]، آریہ[2] بھٹ، کرن کھنڈ[3] کا عربی میں ترجمہ ہوا، اور عربوں کی یہ ایمانداری قابل احترام ہے کہ اُنھوں نے ترجموں کا نیا نام بھی نہیں رکھا بلکہ اصل کتاب کے نام کو عربی سانچہ میں ڈھال لیا ہے مثلاً سندہند (سدھانتا) ارجبند (آریہ بھٹ، ارکند (کھنڈ) وغیرہ۔ اور غالباً سدھانتا

---

[1] خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں جو وفد آیا تھا اُس کے حالات میں ابن القفطی نے سند ہند پر یہ مختصر نوٹ لکھا ہے "قدم علی الخلیفۃ المنصور فی سنۃ ست وخمسین سنۃ ۱۵۶ھ ومایۃ، رجل من الهند قیم الحساب المعروف بالسند هند فی حرکات النجوم مع تعادیل معمولہ علی کُردجات محسوبۃ لنصف نصف درجۃ مع ضروب من اعمال الفلک من الکسوفین ومطالع البروج وغیرہ ذالک.... وتفسیر السند هند باللغۃ الهندیۃ الدا هر الدا هر (بے گنتی زمانہ) ابن القفطی صفحہ ۲۷۰۔ عربوں نے ہندی ہیئت کی متعدد اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ہندی اصطلاح کو قائم رکھا ہے۔ مثلاً کردجہ (وترمستوی) اسی طرح اوج کا لفظ ہی جو اصل میں اوچ ہے مشہور لفظ جیب ہے جو غلطی سے (بمعنی گریباں) مستعمل ہے۔ یہ بھی ہندی ہے جو اصل میں جیوا تھا اور عربی میں معرب ہو کر جیب ہو گیا ہے۔ یہ مصطلحات ہندو عرب کے قدیم علمی تعلقات پر دلالت کرتے ہیں

یہی وہ کتاب ہے جس نے عربوں[1] کو ہندسہ یا رقم لکھنا سکھایا۔ اور لفظوں میں رقم کا لکھنا بند ہوا۔

خلیفہ منصور جب سدھانتا کے مضامین سے واقف ہوا تو دربار کے نامور ریاضی داں محمد بن ابراہیم[2] فزاری کو ترجمہ کا حکم دیا۔ یہی وہ ریاضی کا مسلمان عالم ہے، جس نے سب سے پہلے اصطرلاب کا استعمال کیا۔ چنانچہ محمد فزاری نے پنڈت مذکور کی اعانت سے اس بیش بہا کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا اور ترجمہ کا نام سند ہند کبیر (بڑی سدھانتا) رکھا گیا۔ اور کرن کھنڈ کا ترجمہ یعقوب بن طارق نے کیا (اس کا عہد ۱۵۴ھ سے ۱۶۱ھ تک ہے) اور یہ دونوں عالم پنڈت مذکور کے شاگرد ہو گئے۔

ترجمہ[3] کے بعد فزاری، حبش بن عبد اللہ اور ابو جعفر[4] محمد بن موسیٰ خوارزمی نے سند ہند کا ایک خلاصہ تیار کیا۔ چنانچہ ہر سہ کتب کے ترجمہ سے عربوں میں ہیئت کے تین مذہب قائم ہوئے لیکن قبولیت کی سند، سدھانتا ہی کو ملی اور یہی کتابیں عربوں میں علم ہیئت کی ترقی کا باعث ہوئیں۔

---

[1] تفصیل کے لئے مفاتیح العلوم خوارزمی میں حساب الہندسہ اور عربی انسائیکلو پیڈیا کا مضمون حساب دیکھنا چاہیے۔

[2] الفہرست صفحہ ۲۴۵ و ابن القفطی صفحہ ۲۶۵ و مسعودی و کتاب الہند بیرونی۔

[3] محمد بن ابراہیم بن حبیب الفزاری مترجم سند ہند، عہد عباسیہ کا مشہور فاضل علم ہیئت کا ہے۔ فزاری نے سدھانتا کا جو ترجمہ کیا ہے اسکو قانون الفزاری بھی کہتے ہیں۔ تعمیر بغداد کے انجنیروں میں یہ بھی شامل تھا۔ عمارت کی پیمائش کا کام اس کے سپرد تھا۔

[4] ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی بھی اس عہد کا مشہور عالم ہے۔ اس نے مشاہدات فلکی کے بعد زیج مرتب کی جو زیج خوارزمی مشہور ہے۔ اس کی کتاب جبر و مقابلہ کا بھی ۱۸۳۱ء میں انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ہے اور اس نے بھی اپنی زیج میں سندہند کے اصول قائم رکھے ہیں۔

ان علمار کے بعد[1] بنو موسیٰ نے بڑی محنت سے سند ہند کی صحت کر کے غلطیوں سے پاک کیا ہے۔ چنانچہ ترجمہ اور تصحیح کے بعد جس قدر زیچ مرتب ہوئیں وہ سند ہند کے مسلک پر تھیں۔ محمد فزاری کے علاوہ حسین بن محمد (المعروف با بن الآدمی) بھی سدہانتا کا مقلد تھا۔ علمائے اندلس (اسپین) بھی سند ہند کے پیرو تھے۔ اور یہ کتاب چوتھی صدی کے اندر اندلس میں داخل ہوئی ہے۔ پھر یہاں سے یورپ پہنچی، اور ہندوستانی ہیئت کا عروج مسلمانوں میں عرصہ تک رہا۔ لیکن مجسطی کے ترجمہ کے بعد کمی ہونا شروع ہو گئی۔

(اسی زمانہ میں یحییٰ برمکی نے ایک عالم کو ہندوستان روانہ کیا کہ اس ملک میں جس قدر دوائیں اور جڑیں بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو فراہم کر کے لائے اور نیز واپسی پر ایک مکمل رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ روئداد کی اصل مفقود ہے لیکن الفہرست میں بطور واقعہ چند سطریں درج ہیں۔)

علمائے اسلام میں کتاب سدہانتا پر سب سے زیادہ ابوریحان بیرونی[2] نے تنقید کی ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسیہ میں سدہانت کا جو ترجمہ ہوا وہ ناقص تھا لہذا بیرونی نے جو سنسکرت کا زبردست فاضل تھا۔ اس کتاب کا از سر نو ترجمہ کیا

---

[1] بنو موسیٰ سے محمد، احمد، اور حسن پسران موسیٰ بن شاکر مراد ہیں۔ یہ تینوں بھائی علوم حکمت میں ضرب المثل ہیں۔ انمیں محمد علوم عقلیہ میں، احمد، علم الحیل (آلات ومشین) میں فرد تھا۔ اور حسن علم ہندسہ میں یگانہ تھا۔ سب سے اول جس نے زاویہ کو تین مساوی حصوں پر تقسیم کیا وہ یہی حسن ہے۔ آلات جرثقیل وغیرہ پر عربی میں جو کتابیں ہیں وہ "حیل بنی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان بھائیوں کی اولاد بنو المنجم کہلاتی ہے۔ مامون الرشید کے حکم سے سنجار کی میدان میں محمد احمد اور حسن نے کرۂ زمین کی پیمائش کی تھی اور اسکا محیط ۲۴ ہزار میل قرار پایا تھا۔ موسیٰ، عہد مامون الرشید میں ایک مشہور ڈاکو تھا جو حدود خراسان میں ڈکیتی کیا کرتا تھا۔ عشاء کی نماز جماعت سے فارغ ہو کر بغداد سے نکل جاتا تھا اور صبح کی نماز پھر مسجد میں آکر پڑھتا تھا اس کا گھوڑا بہت تیز رفتار تھا۔ مدت کے بعد یہ راز فاش ہوا۔ بنو موسیٰ کی مامون الرشید نے سرپرستی کی۔ ابن القفطی صفحہ ۲۶۵

[2] "علامہ حکیم ابوریحان بیرونی منجم"۔ تاریخ میں ابوریحان کی شہرت چوتھی صدی ہجری سے ہے۔ لیکن ہندوستان میں علمائے یورپ کی قدردانی سے بیرونی کی عام شہرت ساٹھ سال کے اندر ہوئی ہے (بقیہ صفحہ ۲۴۳ پر)

اور اس میں حساب کے جس قدر طریقے تھے ان کو ایک رسالہ میں جداگانہ لکھا اور پوری کتاب پر ایک جامع ریویو کیا۔ جس کا نام "جوامع الموجود لخواطر الہنود" ہے اور یہ ریویو پانسو صفحات میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ بیرونی) اس عالم کی ولادت یوم پنجشنبہ وقت صبح ۲ ذی الحجہ ۳۶۲ھ (۴ ستمبر ۹۷۳ء) کو ہوئی اور محل ولادت کی نسبت سے بیرونی مشہور ہے۔ اور بیرون کو سندھ کا ایک شہر بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ سندھ کا مشہور شہر بیرون ہے۔ جو دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر مابین دیبل (ٹھٹھہ) و منصورہ واقع تھا۔ قدیم نقشوں میں بیرون کا نام بصراحت موجود ہے۔ شمس الدین محمد بن محمود شہرزوری نے سب سے پہلے ابوریحان کو بیرونی لکھا جس کی ابن ابی اصیبعہ اور ابو الفدا وغیرہ نے تقلید کی۔ لیکن علامہ سمعانی (مصنف کتاب الانساب ۵۶۲ھ) نے بصراحت لکھا ہے کہ ابوریحان بیرونی الخوارزمی تھا[1] اور ابوریحان کے تاریخی حالات بھی اسکے مؤید ہیں۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایشیا میں بکثرت ایسے شہر ہیں جو ایک یا دو فصیلوں کے اندر تھے اور جب شہر کی آبادی ترقی کر کے فصیل کے باہر ہوتی تھی تو اس حصہ کو بیرونی یا خارجی کہتے تھے اس کی مقابل اندرونی و داخلی کا لفظ تھا۔ جس کا صحیح ترجمہ اندرون بلدہ اور بیرون بلدہ ہے۔ سمعانی کی یہ الفاظ ہیں "البیرونی هذه النسبت الی خارج خوارزم فان بها من یکون من خارج البلد ولا یکون من نفسها یقال له فلان بیرونی و یقال فلان بیرونی است"۔ یعنی شہر خوارزم کے باہر کا باشندہ جس کے لئے خوارزم کی زبان میں انبیرزک کا لفظ تھا اور علامہ سمعانی نے اس کو بصراحت لکھا ہے۔ چنانچہ اسی نسبت سے ابوریحان بیرونی خوارزمی مشہور ہوا۔

تحصیل علوم کے ذوق میں بیرونی تمام عمر مجرد رہا اور نکاح نہیں کیا۔ لہذا کنیت (ابوریحان) معنوی معلوم ہوتی ہے۔ اس عہد کے علماء میں بیرونی کی تصنیفات کی فہرست نہایت طویل ہے۔ خود اسکی تحریر کے مطابق علم نجوم ہیئت، جغرافیہ، علم المناظر، حساب، طب، قصص و حکایات، عقائد، اور نوادرات وغیرہ پر چھوٹی بڑی ۱۱۴ کتابیں ہیں، جس میں رسائل بھی شامل ہیں۔ منجملہ ان کے ۶۶ کتابوں کے اوراق کی تعداد ۵۹۰۲ یا ۶۶۸۷ ہے۔ انکے علاوہ بسیط اور معرکۃ الآرا کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ[2] یہ کتاب ۳۹۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ جو امیر شمس المعالی قابوس

[1] کتاب الانساب قاضی ابوسعید عبدالکریم سمعانی مطبوعہ یورپ فوٹوگراف تصحیح کردہ پروفیسر مارگولیتھ صفحہ ۹۰ پروفیسر زاخو نے بھی یہ عبارت آثار الباقیہ میں نقل کی ہے۔ سمعانی کے اصل نسخہ میں بجائے انبیرزک کے ابیرزک ہے لیکن انبیرزک صحیح ہے۔

[2] دیباچہ کتاب آثار الباقیہ نوشتہ پروفیسر زاخو اصل متن عربی مطبوعہ لیپزگ جرمن ۱۸۷۸ء

ابوریحان نے ہندی علوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ سدہانتا کے ترجمہ کے علاوہ اس نے کرن کھنڈ (زتیچ الارکند) پاتی سا، سدہانت، براہمر کی کتاب لکھو جاتم اور موالید صغیر، کپل کی سانکھ اور پاتنجلی کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ ابوریحان کے علاوہ ابوالحسن اہوازی اور ابومعشر بھی[1] سدھانتا کے مقلد تھے۔

(بقیہ نوٹ بیرونی) بن وشمگیر والی جرجان وطبرستان کے نام معنون ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت بیرونی کی عمر ۲۷ سال تھی۔ برٹش میوزیم لندن اور کتب خانہ پیرس میں اس کی اصل موجود ہے۔ جرمنی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ انگریزی ترجمہ اور اصل کتاب مطبوعہ لیپزگ ۱۸۷۸ء (اڈیٹر پروفیسر زخاؤ) میرے سامنے ہے۔ اس کتاب کے ملاحظہ سے بیرونی کی وسعت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اقوام عالم کی سیکڑوں کتابیں پڑھنے کے بعد یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں اقوام کے تاریخ سنین شہور، رسوم وعوائد، قومی تہوار اور میلوں کی تفصیل ہے۔ ذوالقرنین اور سد سکندری پر بھی بحث کی ہے اور جو واقعہ لکھا ہے وہ فیصلہ کن ہے کسی مضمون میں شک وشبہہ کو دخل نہیں ہے۔ جا بجا نجوم کے بھی مسائل ہیں۔

۲۔ کتاب ابی ریحان محمد بن احمد البیرونی فی تحقیق ماللھند من مقولہ مقبولہ فی العقل او مرذولہ اس کا مختصر نام کتاب الہند ہے جو ۴۲۲ھ میں تصنیف ہوئی ہے ہندوستان میں ۱۵ سال قیام کرنے کے بعد یہ کتاب ہندوؤں کے رسوم وعقائد، مذہب، مادہ، تناسخ، تہذیب وتمدن، قانون وقواعد، علوم وفنون، مہابھارت، مقامات مقدسہ وغیرہ پر لکھی گئی ہے۔ یہ ایک نادر کتاب ہے۔ اور اس عہد کی بہترین یادگار ہے اور محض ہندوستان کے شوق میں بیرونی نے پیرانہ سالی میں سنسکرت ایسی مشکل زبان حاصل کی۔ اور ہند سے واپس آکر غزنین میں کتاب ختم کی۔ اس کتاب میں ۸۰ باب ہیں۔ اس کی اصل کتب خانہ پیرس میں موجود ہے۔ بیرونی قابل شکریہ ہے، جس نے ہند پر ایسی عدیم النظیر کتاب لکھی۔ کسی جگہ اور کسی مسئلہ میں تعصب کا اظہار نہیں کیا ہے۔ نہ کسی معاملہ میں جانب داری کی ہے۔ پرانوں اور بھگوت گیتا کے مضامین بھی جا بجا نقل کئے ہیں۔ اس کی اصل لٹن لائبریری علی گڈھ اور امپیریل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ یہ پچھلا نسخہ میری نظر سے گذرا ہے۔ تیسری کتاب زیچ المسعودی ہے جو قانون مسعودی کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ کتاب سلطان مسعود غزنوی کے نام سے لکھی ہے۔ یہ فرمانروا محمود سے زیادہ بیرونی کا قدر دان تھا۔ فارسی کتابوں میں کتاب التفہیم بھی ایک مستقل کتاب ہے۔ اسمیں بھی جا بجا ہندسی ہیئت اور نجوم کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب بھی لٹن لائبریری علی گڈھ میں موجود ہے اس کتاب میں ۱۱۰ قالے ہیں۔ ابوریحان نے ۱۱ستمبر ۱۰۴۸ء (۲ رجب شب جمعہ) میں بمقام غزنین انتقال کیا۔ انتخاب از تصانیف ابوریحان بیرونی۔

[1] ابومعشر بلخی منجم، جس کو علمائے یورپ البومیسر (Albumeser) کہتے ہیں۔ نجوم کا مشہور عالم ہے۔ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ ۲۷۲ھ ۸۸۵ء میں انتقال کیا۔ عہد وسطی میں یورپ ابومعشر کا مقلد تھا۔

۴۔ قصص و حکایات

عہد جاہلیت میں بھی عرب قصص و حکایات کے شائق تھے۔ چاندنی راتوں میں بیٹھ کر فسانے سُنا کرتے تھے یہ مجلسیں نہایت پُر لطف ہوتی تھیں۔ چنانچہ یہ ذوق عہد اسلام تک قائم رہا۔ ہارون الرشید کے دربار میں بھی ایام العرب اور تاریخ جاہلیت کے ماہر موجود تھے۔ اور علامہ عبداللہ اصمعی خاص طور سے رات کو فسانے سُنایا کرتے تھے (ضمیمہ میں چند فسانے نقل کئے گئے ہیں) برامکہ بھی کہانیوں کے شائق تھے اس لئے علمائے ہند نے یحییٰ کے سامنے ہندی فسانے پیش کئے۔

رزمیہ داستانوں کے بعد ہندی قصص میں حکایات "بید پا د پیل پا" نہایت مقبول ہیں یہ کہانیاں بہائم اور طیور (حیوانات و پرندے) کی زبانی بیان کی گئی ہیں جو سراپا حکمت ہیں اور یہ کتاب کلیلہ دمنہ کے نام سے مشہور ہے۔ سیاسیات تدبیر منزل، معاملات باہمی اور اخلاق و آداب میں ایک لاجواب کتاب ہے۔

اصل سنسکرت سے حکیم برزویہ نے نوشیرواں (۵۳۱ء لغایت ۵۷۹ء) کے لئے یہ کتاب پہلوی میں ترجمہ کی تھی اور حکیم مذکور اس کتاب کی نقل ہندوستان سے لے گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سنسکرت سے پہلوی زبان میں یہ کتاب ترجمہ ہوئی۔ پھر پہلوی سے عربی میں عبداللہ[1] بن المقفع نے ترجمہ کیا اور ایک بیش قیمت مقدمہ لکھا جو ادبیت کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے۔ یہ عربی ترجمہ سلوسٹر ڈی ساسی

---

[1] عبداللہ خلیفہ ابوجعفر منصور کا کاتب تھا۔ اس کا باپ دادویہ صوبہ فارس کا عامل تھا اور تغلب کے جرم میں اس کا ایک ہاتھ شکنجہ میں کسا گیا اور اس صدمہ سے خشک ہوگیا تھا۔ اس لئے دادویہ کا لقب المقفع قرار پایا۔ عبداللہ کی ولادت ۱۰۶ھ میں ہوئی اور آبائی مذہب کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی مادری زبان تھی اور عربیت کا یہ عالم تھا کہ اس کی کتاب یتیمہ کو ملحدوں نے قرآن کے جواب میں پیش کیا تھا جس کے بعض اعتراضات کا جواب علامہ باقلانی نے اعجاز القرآن میں دیا ہے۔ اصمعی کو عبداللہ کی عربیت تسلیم ہے۔ اور صاحب حماسہ نے اس کا کلام نقل کیا ہے۔ عبداللہ نے متعدد کتابیں فارسی سے عربی میں ترجمہ کی ہیں جن میں سے بعض مصر میں (باقی ۲۴۶)

نے کتب خانہ پیرس سے برآمد کر کے ۱۸۱۶ء میں شائع کیا ہے اور دوسرا ترجمہ پہلوی سے ۱۶۵ھ ۷۸۱ء میں یحییٰ برمکی کے حکم سے عبداللہ بن ہلال اہوازی نے کیا تھا، پھر اس ترجمہ کو سہل بن نوبخت نے یحییٰ کے لئے نظم کیا جس کا صلہ ایک ہزار دینار دیا گیا[۱] اسکے بعد ابان بن عبدالحمید کاتب اور علی بن داؤد نے بھی اس کتاب کو تین مہینے میں نظم کیا جس میں چودہ ہزار بیت تھے۔ یہ نہایت آسان نظم تھی جو برامکہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو حفظ کرائی جاتی تھی اس نظم کا نمونہ یہ ہے۔

ھذا کتاب ادب و محنہ	وھو الذی یدعی کلیلہ دمنہ
فیہ احتیالات و فیہ رشد	و ھو کتاب وضعتہ الھند

جعفر برمکی نے اس نظم کا صلہ ایک لاکھ، یحییٰ نے دس ہزار اور فضل نے پانچہزار درہم عطا کیا۔ یہ وہ علمی قدردانی تھی جس سے کلیلہ دمنہ کی عام شہرت اور عربوں میں قبولیت ہوئی[۲] افسوس ہے کہ اصل سنسکرت اور برزویہ کا پہلوی نسخہ مفقود ہے۔ صرف عبداللہ کا ترجمہ باقی ہے جو مصر و بیروت میں چھپ چکا ہے۔ اور دوسری زبانوں میں آج تک جس قدر ترجمے ہوئے ہیں اس کی اصل یہی نسخہ ہے۔ عربی کے علاوہ ۵۷۰ء میں ایک ترجمہ سریانی میں بھی ہوا تھا۔ شمس العلماء سیّد علی بلگرامی نے کلیلہ دمنہ کی تاریخ پر دسمبر ۱۸۹۱ء میں جو لکچر (ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ) دیا تھا آپ اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "سریانی اور ترجمہ عربی دونوں بھائی ہیں۔ یعنی دونوں کی ماں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۵) چھپ گئی ہیں۔ ایسا غوجی مصنفہ فرفوریس الصوری کا مترجم بھی یہی ہے۔ ادب عربی میں عبداللہ کے خطوط یادگار ہیں۔ مانی مذہب کا پیرو تھا۔ ابن القفطی صفحہ ۲۲۰ و الفہرست صفحہ ۱۱۸۔

[۱] آغانی صفحہ ۳، جلد ۲۰ مطبوعہ بولاق مصر و قصیدہ الحضرمی۔

[۲] ۱۸۷۱ء میں یہ نسخہ پروفیسر بن فائی نے ماردین کی خانقاہ سے حاصل کیا اور اس پر دو سو صفحات کا مقدمہ لکھکر مع متن کے شائع کیا ہے۔

[۳] لکچر بلگرامی مطبوعہ مفید عام آگرہ۔ اسٹریچی ہال میں یہ لکچر ہوا تھا میں نے بھی سنا ہے۔

شجرہ کتاب کلیلہ دمنہ مرتبہ پروفیسر مکس مُلر

سنسکرت

تبت کی زبان میں

پہلوی (مفقود)

عربی ترجمہ ابن المقفع

ترجمہ سریانی قدیم سنہ ۵۷۰ء

ترجمہ سریانی جدید
گیارھویں صدی عیسوی

یونانی ترجمہ
تخمیناً سنہ ۱۰۸۰ء

فارسی ابو المعالی نصر اللہ
تخمیناً سنہ ۱۱۲۰ھ

ترجمہ ثانی عبرانی
پندرہویں صدی عیسوی

ترجمہ لاطینی منظوم

ترجمہ ہسپانش قدیم

سلاوانگ

اٹالین سنہ ۱۵۸۳ء

انوار سہیلی ملا حسین واعظ
اواخر پندرھویں صدی عیسوی

ترجمہ لاطینی قدیم سنہ ۱۲۷۰ء

ترجمہ لاطینی جدید
سنہ ۱۳۱۳ء

بستان حکمت اُردو ترجمہ
(جدید)

عیار دانش
ابو الفضل
سنہ ۱۶۰۰

ہمایوں نامہ ترکی
دسویں صدی عیسوی
ترجمہ افرنج

ترجمہ انگریزی

ترجمہ اسپانش
جدید سنہ ۱۴۹۳
اڈیشن سنہ ۶۱۸ء

ترجمہ جرمنی تخمیناً سنہ ۱۴۸۰ء

ترجمہ ڈچ سنہ ۱۶۲۳ء

لالہ کیچر مطبع مفید عام آگرہ

پہلو ہی ہے۔ لیکن اس قدر فرق ہے کہ سریانی بھائی بالکل لاولد اور گمنام رہا، برخلاف اس کے عربی بھائی کی کثرت سے اولاد ہوئی اور اس کے بیٹے پوتے اور پڑپوتے اس وقت تک نام آور ہیں اور تمام یورپ اور بہت بڑے حصہ ایشیا، اور اُن کل اقطاع عالم پر جہاں ان ملکوں کی زبانیں گئیں قابض ہیں۔ جن کی تفصیل شجرۂ مندرجہ بالا سے معلوم ہوگی۔

کتاب کلیلہ دمنہ کا ماخذ اور اس کا مصنّف

یہ کتاب بیدپا پنڈت کی تصنیف ہے جو سنسکرت میں رائے (راجہ) داشلیم کے لئے لکھی گئی تھی۔ یہ گجرات کا چاوڑا خاندان سے قدیم راجہ تھا اور مورخین ہند کی تحقیقات کے مطابق یہ خاندان محمود غزنوی کے حملہ تک باقی تھا، یہ راجہ داشلیم کے خطاب سے ممتاز تھے۔ خواجہ نظام الملک طوسی نے بھی فتح سومنات کے حالات میں ایک داشلیم کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ ابوریحان بیرونی کے نزدیک اس کتاب کا ماخذ پنچ تنتر ہے۔ لیکن جدید تحقیقات[2] اس کی خلاف ہے۔ بلا شبہ ہندوستان کے مقبول شاہکاروں میں "پنچ تنتر کتھا، ہتو اپدیشس، اور سرت ساگر مشہور ہیں اور ان کتابوں میں دلچسپ قصے ہیں، لیکن کلیلہ دمنہ، ہر سہ کتابوں کا انتخابی مجموعہ ہے۔ اور پنچ تنتر کی اصلیت یہ ہے کہ یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل تھی، جسکے نام کا ترجمہ مراۃ الملوک تھا اور اس کتاب کی تصنیف کا مقصود یہ تھا کہ راجاؤں کو اصول حکومت کی تعلیم دیجائے۔ امتداد زمانہ سے اصل کتاب کے آٹھ باب تلف ہوگئے ہیں اور صرف پانچ باب باقی ہیں جس کا نام بعد میں پنچ تنتر (رشتہ پنجگانہ) رکھا گیا۔ یہ ابواب کب تلف

---

[1] سیاست نامہ نظام الملک مطبوعہ پیرس۔

[2] یہ پروفیسر بن فانی کی تحقیقات ہے۔ جس نے ۱۸۸۱ء میں انتقال کیا ہے۔ اور سید علی بلگرامی مرحوم نے اسکا خلاصہ اپنے لکچر میں دیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے دو جلدوں میں ان حکایات کا سنسکرت سے ترجمہ کیا اور ہر حکایت کا ماخذ بتایا ہے۔

ہوئے، ہنوز اس کی تحقیقات نہیں ہوئی ہے، لیکن حکیم برزویہ جو کتاب ہندوستان سے لے گیا تھا اور جس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا وہ مکمل تھی۔ کلیلہ دمنہ، پنچ تنتر کا ترجمہ ہے یہ شبہ اس بنیاد پر ہوا ہے کہ اس کتاب کے پانچ باب (۵، ۷، ۸، ۹، ۱۰) کلیلہ دمنہ کے ابواب مذکور سے کم و بیش مطابقت رکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ حکایتیں مراۃ الملوک سے انتخاب کی گئی ہوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر سہ کتب مذکور کتاب جاتک (حالات پیدائش) کے اجزا رہیں، جس کو مختلف مصنفین نے اپنے اپنے خیال اور مذاق کے مطابق ترتیب دیا ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بدھ مذہب کے اعتقادات میں سب سے بڑا اعتقاد یہ ہے کہ انسان اس عالم فانی میں ایک مرتبہ نہیں آتا ہے بلکہ اس دنیا کے اعمال کے مطابق وہ بار بار جنم لیتا ہے۔ اور یہ انقلاب انسان اور حیوان کی صورتوں میں ہوا کرتا ہے (یہی مسئلہ آواگون یا تناسخ ہے) اور چونکہ یہ غیر تناہی سلسلہ ہے لہذا ہر دیندار بدھسٹ کی یہی خواہش رہتی ہے کہ جس طرح ممکن ہو یہ سلسلہ ختم ہو جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان کی چند زندگیوں میں سے کسی میں ایسے نیک اعمال سرزد ہوں کہ وہ پھر دنیا میں نہ آئے اور اس کا چراغ زندگی ہمیشہ کے لئے گُل ہو جائے۔ بدھ مذہب کی اصطلاح میں اس اخیر زندگی کا نام نروان ہے لہذا نروان انسان کے لئے کوئی خاص قسم کی زندگی نہیں ہے بلکہ سلسلۂ حیات کے دوامی علیحدگی کا نام نروان ہے۔ اس اصول کے مطابق مہاتما گوتم بدھ نے بھی اپنے زندگی کے متعدد دورے ختم کیے تھے اور اُن کو روحانی طاقت سے اپنی پچھلی زندگیوں کے حالات یاد تھے جو وہ اپنے شاگردوں (مریدوں) سے بیان کیا کرتے تھے چنانچہ ان جمع شدہ (مدونہ) روایات کی تعداد پانسو پچاس ہے اور اس مجموعہ کا[۱] نام

[۱] لکچر سید علی بلگرامی کلیلہ دمنہ پر۔

جاتا ہے۔"

اس اصول کے مطابق مہاتما کے زندگی بھی دو حصوں پر تقسیم ہے جو زمانہ نروان کے قبل گزرا ہے۔ اس وقت تک وہ دیوتاؤں کی اعانت کے محتاج تھے اور نروان کے بعد وہ خود ایک وجود ربانی تسلیم کئے گئے۔ چنانچہ مہاتما کی سوانح عمری کے یہی ابواب مہتم بالشان ہیں۔ محققین یورپ کی یہ بھی رائے ہے کہ تمام دنیا میں فسانوں کی جسقدر مشہور کتابیں ہیں (باستثنائے روایات یونان) ان کا ماخذ مہاتما بدھ کی یہی کتاب پیدائش ہے۔ اور اسی چشمہ کے چند قطروں کا نام کتاب کلیلہ دمنہ ہے

اس عظیم الشان کتاب کے ترجمہ کے بعد اور بھی ہندی فسانے ترجمہ ہوئے ہیں منجملہ اُن کے مسعودی نے ایک کا نام "وزرہ وشماس" لکھا ہے۔ جس میں راجاؤں اور شاہزادیوں کے قصّے ہیں اور عہد مامون الرشید میں سہل بن ہرون نے اسکے جواب میں "ثعلبہ عفرہ" کا قصہ لکھا جو بہت مقبول ہوا اور اس کے مصنف کو بزرجمہر اسلام کا خطاب دیا گیا۔

۵۔ ایران کا تاریخی سرمایۂ عربی میں ہرون الرشید کے بیت الحکمۃ میں عجم کا تاریخی ذخیرہ یحیی برمکی کی توجہ سے ترجمہ ہوا اور مترجمین میں ابن المقفع نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔[1] جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ خدائی نامہ — یہ عجم کی تاریخ ہے جس میں آغاز سلطنت سے اخیر دور تک کے حالات ہیں۔

۲۔ آئین نامہ	یہ ملکی قوانین کا مجموعہ ہے جو کئی ہزار صفحہ میں تھا۔
۳۔ ادب الکبیر	یہ دونوں کتابیں آداب و اخلاق میں
۴۔ ادب الصغیر	لاجواب ہیں۔

[1] تاریخ سنی ملوک حمزہ اصفہانی و الفہرست و کتاب الاشراف مسعودی۔

۵۔ تاج | یہ نوشیرواں کی سیرۃ ہے۔ اس کتاب کے علاوہ سیر ملوک الفرس میں متعدد کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں۔

۶۔ مزدک نامہ | یہ وہی مزدک ہے جس نے قباد کی زمانہ میں زردشتی مذہب میں اصلاح کی اور مجتہد اعظم ہونے کا دعویٰ کیا اور جس کو نوشیرواں نے قتل کیا

۷۔ سیکسران | تفصیل تاریخوں میں درج نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں جبلہ بن سالم نے کتاب رستم و اسفندیار و بہرام نامہ کا ترجمہ کیا اور ایک مشہور تاریخ جس کا نام بکیکین تھا اس کا بھی ترجمہ ہوا۔ ایرانی اس کتاب کو ویسا ہی سمجھتے تھے جس طرح ہندوؤں میں مہابھارت کی عظمت ہے۔ اس کے علاوہ کتب ذیل بھی ترجمہ ہوئیں۔

۱۔ ہزار افسانہ | یہ وہی مشہور اور مقبول عام فسانہ ہے جس کو الف لیلہ کہتے ہیں۔ اس کا سبب تالیف یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنی بیگم کو (بداعمالی کی بنا پر) قتل کر کے یہ انتظام کیا تھا کہ روزانہ امرا اور وزراء کے خاندان سے ایک دوشیزہ کو انتخاب کر کے اپنے شبستان عیش میں بلاتا تھا اور صبح کو وہ قتل کر دی جاتی تھی، جب بکثرت قربانیاں ہو چکیں تو ایک وزیر زادی نے جس کا نام شہرزاد یا شیرزاد تھا، اس ظالم بادشاہ کو نکاح کا پیام دیا، یہ درخواست منظور ہوئی۔ وزیر زادی محل میں اپنے ہمراہ ایک چھوٹی بہن دنیازاد (دنیا زاد یا رسازاد) کو بھی لیگئی اور نصف شب کے بعد شہرزاد نے اپنی بہن کی فرمائش سے ایک دلچسپ کہانی شروع کی جو صبح تک ختم نہ ہو سکی۔ بادشاہ کو بھی یہ کہانی پسند آئی، لہذا شہرزاد قتل ہونے سے بچ گئی اور حکم ہوا کہ وہ آج شب میں اس داستان کو ختم کرے چنانچہ اسی[1] طریقہ سے شہرزاد نے تین سو کہانیاں سنائیں جو ایک ہزار ایک رات

[1] جہشیاری نے سب سے اول تین سو راتیں مرتب کیں۔

یں ختم ہوئیں۔ اس لیے عربوں نے اس کتاب کا نام "الف لیلۃ و لیلۃ" رکھا لیکن عربی الف لیلہ میں دو سو راتوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ اصل فارسی نسخہ مفقود ہے جس میں ایک ہزار قصے تھے اور خدا جانے یہ فسانے کتنی راتوں میں ختم ہوئے ہونگے۔ الف لیلہ مشرق کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔

الف لیلہ میں جسقدر کہانیاں ہیں ان کی نسبت مشہور ہے کہ یہ سب ایرانی ہیں، ایک عرب مورخ کا بھی یہی قول ہے کہ " هي من اظرف الحكايات التي وضعتها الفرس في غابر الدهر لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ پوری کتاب میں ایرانی قصے ہیں۔ صحیح نہیں ہے۔ محققانہ فیصلہ یہ ہے کہ الف لیلہ میں ایشیائی ممالک میں سے ایران، ہندوستان، اور چین وغیرہ کی بھی کہانیاں موجود ہیں جو ان اقوام کے حالات سے بھی مطابق ہیں۔ اور جسقدر عربی تمدن و معاشرت ہے۔ وہ عہد ہارون الرشید کی یادگار ہے اور یہ علامہ اصمعی کی مرصع کاری ہے۔ الف لیلہ میں چار قسم کی کہانیاں ہیں۔ جس میں سے ہر کہانی طلسم کا درجہ رکھتی ہے۔

اول۔ جنوں کے عجیب و غریب قصے، قعر سمندر میں انکے مکانات اور ان کی لڑکیوں کی شادی ملوک الانس سے ہونا، دیو و پری، بھوت اور شیاطین کے فسانے، ماہی گیر کے جال میں ایک لوٹے کا پھنسنا، مہر توڑنے پر دھوئیں کی صورت میں ایک جن کا نمودار ہونا وغیرہ وغیرہ۔

دوم۔ عجائبات و نیز نجات، طلسم و جادو، سیر و سیاحت

سوم۔ ایسی حکایتیں۔ جو در اصل تاریخ نہیں ہیں، لیکن تاریخ سے قریب تر ہیں مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کا بھیس بدل کر وزیر جعفر برمکی اور مسرور غلام کے ہمراہ راتوں کو بغداد کی گلیوں میں گشت کرنا اور نئی باتوں کا پتہ لگانا،

چہارم ادیبانہ، شاعرانہ، ظریفانہ قصے اور حسن و عشق کی چاشنی

قسم اول کی حکایات کا ایرانیوں سے تعلق نہیں ہے۔ یہ ہندوستان و عرب کی پیداوار ہے۔ قسم دوم میں ایران، چین، ہندوستان، بابل اور یونان مشترک ہے۔ قسم سوم و چہارم کی کہانیاں ایرانی اور عربی ہیں جو نہایت پُر لطف ہیں، پوری کتاب میں یہ التزام ہے کہ جملہ کہانیاں باہم مربوط ہیں، کوئی بے جوڑ نہیں، اور اس کتاب کی بڑی صفت یہی ہے اور اکثر ایرانی فسانوں کے ہیروز (افراد قصہ) کا نام بھی عربی ناموں سے تبدیل کر دیا ہے اور عربی تمدن جملہ ممالک پر غالب ہے۔ لیکن یہ لطف اور دلکشی صرف عربی الف لیلہ میں ہے تراجم میں یہ محاسن مفقود ہیں۔ اور یہ وہ ناول ہے جس کا عجم و عرب میں آج تک جواب نہ ہو سکا۔

الف لیلہ کی اشاعت اس کتاب کی اشاعت اٹھارھویں صدی کے آغاز میں ہوئی اور سب سے پہلے پروفیسر انتونی گالنڈ (Antoine-Galland) فرانسیسی نے چند قصے عرب اور مصری داستان گویوں کی زبانی سُن کر فرنچ میں شائع کئے تھے جسکی یورپ میں بڑی قدر ہوئی اور یہ انتخاب سنہ ۱۷۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد شاہی مطبع بولاق مصر نے سنہ ۱۸۳۰ء میں الف لیلہ کا اصل نسخہ طبع کیا۔ اور ایڈورڈ لین[1] انگلشی نے سنہ ۱۸۳۸-۴۰ء میں اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا جو ایک تہائی صدی تک یورپ میں مقبول رہا۔ اور یورپ کی فسانہ نگاری پر اسکا خاص اثر ہوا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اسٹین، لی، پول نے اس ترجمہ کو اپنے اڈیٹری سے باضافہ و ترمیم دوبارہ شائع کیا کیونکہ لین صاحب کے ترجمہ پر یہ اعتراض تھا کہ اس کی زبان قدیم ہے اور بہت سے قصے بھی ترجمہ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

[1] ایڈورڈ لین صاحب نے قبائل عرب میں پھر کر اور بدوی لباس پہنکر عربی حاصل کی تھی اسکے بعد مع اپنے کنبہ کے ۱۲ سال تک قاہرہ میں رہے اور عربی کی تکمیل کی، اس زمانہ میں بھی انکا لباس عربی رہا اور عربی ہی میں گفتگو کرتے تھے۔ فراغ تعلیم کے بعد الف لیلہ کا ترجمہ کیا۔ اسکے بعد مسلسل تیس برس کی محنت میں عربی کا ایک لغت مرتب کیا۔ اسمیں یہ خصوصیت ہو کہ پانسو سال کے اندر جو نئے الفاظ و محاورات زبان عرب میں پیدا ہوئے وہ اسمیں موجود ہیں۔ اور نیز تاج العروس کا بہترین خلاصہ بھی ہے۔ (باقی)

فرنچ اور انگریزی ترجمہ کے بعد وان ہیمر جرمنی نے پھر ایک ترجمہ چھاپا - اس کی اصل وہ نسخہ تھا جس کو شیخ عبد الرحمٰن شرقاوی نے صحیح کیا تھا - ۱۸۱۴ء-۱۸۱۸ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے بھی ایک عربی نسخہ چار۴ جلدوں میں شایع کیا - اس کی اصل ایک قلمی نسخہ تھا جس کو کپتان ٹرنر میکن صاحب مصر سے لائے تھے، اس نسخہ کی تصحیح میں شیخ احمد شروانی یمنی اور مولوی احمد کبیر بنگالی شریک تھے - یہ نسخہ بھی اب نایاب ہے اور نہایت صحیح ہے - سب سے اخیر میں اصل عربی سے لفظ بلفظ سر رچرڈ برٹن (Burton) نے ۱۸۸۵ء میں ترجمہ کیا اور ۱۸۹۷ء میں یہ ترجمہ لندن سے شایع ہوا، لیکن سب سے بہتر وہ نسخہ ہے جو بارہ۱۲ جلدوں میں مصور طبع ہوا ہے - اور انجیل مقدس کی طرح مقبول ہے -

فرنچ تراجم میں ڈاکٹر جے، جی، مارڈروس (Dr. J.G. Mardrus) کا ترجمہ عام پسند ہے جو سولہ۱۶ جلدوں میں ہے اور پیرس سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا ہے، یہ نسخہ حواشی سے خالی ہے - ان کے علاوہ اور نسخے بھی ہیں جن کا تذکرہ بیکار ہے - یورپ کی یہ علمی قدردانی قابل شکریہ ہے کہ انھوں نے اصل کتاب کے تحفظ اور ترجموں میں غیر معمولی محنت کی ہے - اور چار سو سال کے اندر اسمیں مطلق کمی بیشی نہیں ہوئی ہے -

اُردو میں منشی عبد الکریم (مصنف محاربہ کابل و قندھار) کا ترجمہ سب سے اچھا ہے - یہ ترجمہ ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ سے شایع ہوا ہے، لیکن یہ انگریزی الف لیلہ کا خلاصہ ہے - بحالت موجودہ اس کی ضرورت ہے کہ جملہ نسخے فراہم کئے جائیں اور اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا جائے اور محققانہ حاشیے لکھے جائیں اور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا جائے اور تصویریں بھی ہوں - تجارتی حیثیت سے بھی یہ ایک مفید خدمت ہے[۱] (ورنہ کام کسی رئیس کا ہے)

دوسرے فسانے | ہزار افسانے کے بعد ایرانی قصص وحکایات میں کتب ذیل

(بقیہ صفحہ ۲۵۳) نصف سے زیادہ حصہ چھپ چکا تھا کہ مطبع میں آگ لگی اور پورا مسودہ جل گیا اور پھر لین صاحب تکمیل نہ کر سکے - مطبوعہ حصہ (۸ جلدیں حرف ق تک) یورپ کے کتب فروشوں سے مل سکتا ہے -

[۱] رسائل اخوان الصفا وغیرہ کی ورق گردانی کی جائے تو اس فہرست میں اور اضافہ ہو سکتا ہے -

ترجمہ ہوئیں جن کے مترجمین کا نام معلوم نہیں ہے۔

۱۔ شہریزادیا پرویز۔ ۲۔ ہزار داستان (الف لیلہ کے علاوہ ہے۔)

۳۔ دُب و ثعلب (ریچھ اور لومڑی کی کہانی) ۴۔ بہرام و نرسی

اس کے بعد مسلمانوں نے بھی لاجواب فسانے لکھے جو تراجم سے زیادہ قیمتی تھے

۶۔ تراجم یونانی مجسطی کے سوا اور کوئی کتاب یحییٰ کے لئے ترجمہ نہیں ہوئی۔

۷۔ یحییٰ برمکی اور مجالس مناظرہ

مساجد میں وعظ و تذکیر کے جلسے تو صدر اسلام سے شروع ہو گئے تھے لیکن مذاکرۂ علمیہ کی بنیاد عہد عباسیہ میں پڑی؛ جس میں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت نے خاص طور پر حصہ لیا تھا۔ مذہبی مناظروں کا سبب یہ ہے کہ جب دنیا میں اسلام پھیلا تو دو قسم کی جماعتیں تھیں، ایک خالص اسلامی فرقے، دوسرے یہود، نصاریٰ اور مجوسی وغیرہ۔

جب تک اسلام جزیرۃ العرب میں محدود رہا، عقائد میں کسی قسم کی نزاع پیدا نہیں ہوئی کیونکہ اسلام ایک عملی مذہب تھا اور اس کی ارکان محدود تھے۔ علماء نے ایمان و توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل قرآن و حدیث سے اخذ کر کے ایک دستور العمل بنا دیا تھا، جس کا نام فقہ ہے عموماً مسلمان بغیر کسی شک و شبہہ کے ارکان خمسہ کے تابع تھے۔ جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہو گیا اور بنو اُمیہ حکمران ہوئے اور اسلامی حکومت میں پورا عجم، مصر، افریقہ، شام (یونانی رقبہ حکومت) اور بعض حصے ہندوستان کے داخل ہو گئے، اس وقت عقائد اور ایمان (خدا کی صفات، قضا و قدر، جزا و سزا وغیرہ) کے مسائل میں نکتہ چینی شروع ہوئی۔ اور ابتدا عجمیوں[۱] نے کی کیونکہ یہ قوم فطرتاً منطقی اور حجتی تھی، ان کے بعد یہودی اور عیسائی تھے اور ان مذاہب میں کئی کئی خدا تھے۔ چنانچہ ان نو مسلموں اور قدیم مسلمانوں کے

---

[۱] اس مضمون کا ماخذ، الفہرست، ملل و نحل شہرستانی، مروج الذہب اور المقریزی جلد دوم ہے۔

عقائد میں تصادم ہوگیا اور سب سے پہلے توحید باری، اور خدا کی شکل و صورت میں جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کا وہ مشہور مذہبی فرقہ جس کا نام اہل سنت و جماعت تھا دو فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔ جن کا نام اشعریہ اور معتزلہ تھا۔ ان دونوں کے مختلف فیہ مسائل کی فہرست طویل ہے، جن کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ اشعریہ ۱۔ خدا کی احکام مصلحت پر مبنی نہیں ہیں

۲۔ انسان کو اپنے افعال پر قدرت نہیں ہے۔

۲۔ معتزلہ یا قدریہ ۱۔ خدا کی تمام باتیں مصلحت پر مبنی ہیں۔ اور ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

۲۔ خدا نے انسان کو اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار بنایا ہے۔" یہ سامنے کی مثالیں ہیں جس سے فریقین کے وسعت خیال اور خدا کی عظمت و تقدس کا اعتراف ظاہر ہوتا ہے۔

ان فرقوں کے علم بردار امام ابوالحسن اشعری اور ابوالہذیل علاف اور ابراہیم بن سیار نظام ہیں۔ یہ علمائے متکلمین کے سردار ہیں۔ مذہب کی یہ جنگ شروع ہو چکی تھی کہ مسلمانوں میں دو نئے گروہ اور پیدا ہو گئے، ایک کا مقتضائے طبیعت یہ تھا کہ صحیح بات وہی ہے جسکو عقل تسلیم کرے۔ دوسرا اس کا قائل تھا کہ خدا، رسول اور معتقد علیہ (ائمہ و مجتہدین) کا ہر قول بلا عذر و حجت بغیر کسی دلیل و برہان کے قابل تسلیم ہے اس عقلی و نقلی نزاع کے بنا پر اسلامی عقائد میں عظیم الشان اختلاف رونما ہوگیا اور سب سے پہلے احادیث نبوی پر گفتگو شروع ہوئی مثلاً یہ حدیث کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہ السلام میں ایک مناظرہ ہوا، ارباب عقل نے کہا کہ یہ دونوں پیغمبر ایک وقت میں کیسے

---

[1] علی بن اسمٰعیل اشعری ۲۷۰ھ ۸۸۱ء میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ ۹۴۱ء میں بمقام بغداد انتقال ہوا معتزلہ کے رد میں کثرت کتابیں لکھیں جنمیں مقالات الاسلامیین بہت مشہور ہے۔ سیکڑوں علماء کے استاد ہیں۔ امام صاحب کے زمانہ تک علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ تھی اسلام میں جو مبتدعہ فرقے تھے صرف انکا رد لکھا جاتا تھا۔ عقائد کی تفصیل کیلئے احیاء العلوم امام غزالی ملاحظہ ہو۔

جمع ہو سکتے ہیں؟ جن کے درمیان سیکڑوں سال کا فرق ہے۔ اسی طرح یہ حدیث کہ ایک موقع پر آسمان فرشتوں کے بوجھ سے چرچرا اٹھا۔ معترض نے کہا سبحان اللہ! کیا آسمان بھی بانس کا ٹٹر تھا جو وزن سے لچک گیا۔ محدثین نے بقدر امکان ایسی احادیث کے جواب دیئے ہیں لیکن فریق ثانی نے تاویل کو مسترد کر دیا، یہ خاص سبب تھا کہ محدثین ارباب ظاہر کے خلاف ہو گئے اور ایکٹ اسلحہ کے تحت میں کفر کے فتوے تلوار بنکر چلنے لگے۔ واقعہ یہ ہے کہ ملک میں جو نئی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، سادہ مزاج علما ان کو کسی طرح نہیں سن سکتے تھے؟ کیونکہ ان کے کان ایسے الفاظ سے مانوس ہی نہ تھے لہٰذا یہ فتنہ ترقی کرتا رہا۔

ان اسباب کے علاوہ ملکی سیاسیات نے بھی عقائد میں مداخلت کی، خلفائے اُمیہ خود ظالم تھے اور والیان صوبہ وعمال اُن سے بھی دو چار قدم آگے تھے جس کی مثال میں یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف ثقفی کا نام کافی ہے۔ علما، وصلحا جب عمال سے مظالم کی شکایت کرتے تھے تو ارشاد ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے لہٰذا ہم سب کو خاموش رہنا چاہئے لیکن خاموشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے تالیف قلوب کے لئے معقول عذرات پر توجہ کی اور یہ حکم جاری کیا کہ اول توشک خانہ کی جانچ ہوکر فضول سامان نیلام کیا جائے اور غیلان دمشقی کو مہتمم نیلام مقرر کیا۔ غیلان نے بیکار سامان میں سے اول اونی جرابیں انتخاب کیں۔ یہ تعداد میں تیس ہزار تھیں اور نیلام کے وقت غیلان بآواز بلند کہتا تھا کہ یہ وہ سامان ہے جو ظلم وستم سے جمع کیا گیا ہے؛ ہم بھوک کے مر رہے ہیں اور توشک خانہ میں یہ اسباب جمع ہے۔"

اس عادل خلیفہ کے بعد جب ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوا تو ایسے فریادی یا مصلحان قوم باغی اور غدار قرار پائے اور ان کو سزائے موت دی گئی۔

یہ مقتول عوام نہ تھے بلکہ جلیل الشان علماء تھے۔

یہ احرار دربار خلافت سے صرف عدل اورامر بالمعروف کے طالب تھے لیکن جب حقوق پامال ہوئے اور دادرسی نہ ہوئی تو ولید ثانی کے زمانہ (۱۲۵ھ، ۷۴۲ء) تک معتزلہ[1] وغیرہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

بنوامیہ کے زمانہ تک عقائد میں جبر اور قدر کا زور رہا، لیکن عہد عباسیہ میں مسئلہ خلق قرآن، تنزیہہ و تشبیہہ اور صفات باری کے مباحث چھڑ گئے۔ اور اسقدر طول ہوا کہ ایک ایک مسئلہ مستقل مذہب بن گیا اور آزادی حد سے گزر گئی اور اس کا یہ سبب ہوا کہ مجوسی، یہودی اور عیسائی اسلامی کالجوں میں علوم عرب پڑھتے تھے اور اس ذریعہ سے ان کو مسلمانوں کے عقائد معلوم ہوتے تھے اور عام آزادی کی بناپر وہ مذہبی مناظرے کرتے تھے اور خود مسلمانوں میں فلسفۂ یونان کی اشاعت سے عقائد متزلزل ہو گئے تھے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلام میں پانچ فرقوں (سنی، شیعہ، معتزلہ، خارجی و مرجیہ) سے بہتّر فرقے بن گئے۔

احادیث نبوی کے بعد قرآن مجید کی وہ آیتیں معرض بحث میں آئیں جو ذات باری کے متعلق تھیں (مثلاً بحث جسمانیات میں خدا کا عرش پر متمکن ہونا اور صفات کا قدیم یا جدید ہونا) جب اس قسم کے اختلاف سیکڑوں تک پہونچ گئے تو علماء نے راسخ العقیدہ نے ان کے رد میں کتابیں لکھنا شروع کیں اور خلیفہ مہدی عباسی نے حکم دیا کہ "اسلام پر ملاحدہ نے جو اعتراض و شبہات وارد کئے ہیں ان کے جواب میں کتابیں تصنیف کی جائیں"۔ چنانچہ علم کلام کے وجود میں آنے کا یہی زمانہ ہے۔

[1] اعتزال کے معنی لغت میں علٰحدہ ہوجانے اور یکسو ہونے کے ہیں چونکہ یہ فرقہ اہل سنت و جماعت سے الگ ہو گیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے ان کا نام معتزلہ رکھا اور مشہور عقیدہ کے مطابق ان کا قدیم نام قدریہ ہے۔

مذہب پر جو اعتراض ہوتے تھے ان کے جواب ہمیشہ سے دیئے جاتے تھے لیکن اس فن کا کوئی خاص نام نہ تھا۔ لیکن جب معتزلہ نے فلسفیانہ اور منطقیانہ اُصول سے اس فن کی تدوین کی تو اس کا نام **علم کلام** قرار پایا۔ اور یہی وہ علم ہے جو فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا، لیکن محدثین اور دیگر ائمہ مثلاً امام شافعی، احمد بن حنبل، اور ثفیان ثوری وغیرہ نے علم کلام کو حرام اور متکلمین کو قابل تعزیر قرار دیا، اس کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ محدثین وغیرہ فلسفہ اور علوم عقلیہ سے ناآشنا تھے۔ لیکن ہارون الرشید نے بعض مجبوریوں سے اور یحییٰ برمکی نے قدیم مجوسیت کی بنیاد پر علم کلام کی پرزور حمایت کی اور وسیع پیمانہ پر ایک علمی مجلس قائم کی جس کا قیّم (سکریٹری) ہشام بن الحکم کوفی ایک مشہور فاضل تھا۔ اس مجلس میں ہر مذہب و ملت کے علماء جمع ہوتے تھے اور آزادی سے مذہبی مناظرے ہوا کرتے تھے اور اسلامی عقائد پر بڑے زور سے نکتہ چینی ہوتی تھی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں۔

وکان یحییٰ بن خالد ذا بحث و نظر و لہ مجلس یجتمع فیہ اھل الکلام من اھل الاسلام وغیرھم۔[۱]	یحییٰ بن خالد برمکی مناظر اور صاحب نظر تھا اُس کے دربار میں جلسہ ہوا کرتا تھا۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم متکلمین جمع ہوا کرتے تھے۔

یہ معمولی مجلس نہ تھی، اس میں ابو الہذیل علاف[۱] اور نظام[۲] جیسے علامہ جمع ہوتے تھے اور یحییٰ برمکی جلسہ کی صدارت کرتا تھا، جن مسائل پر گفتگو ہوتی تھی ان میں معرکۃ الآراء

---

[۱] ابو الہذیل محمد بن الہذیل بن عبداللہ بن مکحول العبدی المعروف بہ علاف بصری، معتزلیوں کا امام ہے ۱۳۵ھ / ۷۵۲ء میں ولادت ہوئی اور ۲۳۵ھ / ۸۴۹ء میں بمقام سامرا انتقال کیا۔ نہایت خوش تقریر اور قوی الحجۃ تھا، فلسفہ میں خاص کمال تھا۔ علم کلام پر ابو الہذیل نے چھوٹی بڑی ساٹھ کتابیں لکھی ہیں۔ اور بعض مذہبی مناظرے ابن خلکان اور شرح ملل و نحل وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اس کے دلائل ایسے قوی ہوتے تھے کہ مخالفین مذہب اپنے عقائد سے توبہ کر لیتے تھے۔ ابن خلکان جلد اول و مقریزی جلد دوم۔ [۲] ابراہیم بن سیار نظام، مامون الرشید کا اُستاد اور (باقی صفحہ ۲۶۰

مسائل حسب ذیل تھے۔

کون و ظہور، قدم و حدوث، اثبات و نفی، حرکت و سکون، وجود و عدم، اجسام و عرائض، تعدیل و تحریر، کم وکیف اور امامت (یہ عجمیوں کا خاص موضوع تھا) مورخین نے جا بجا اس علمی مجلس کا ذکر کیا ہے۔

ہارون الرشید کے بعد علم کلام کی غیر معمولی ترقی مامون الرشید کے زمانہ میں ہوئی جس کا تذکرہ موضوع کتاب سے خارج ہے۔ مذہبی مناظروں کے علاوہ یحیی کی مجلس میں یوں بھی علمی مناظرے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اخفش اوسط کی موجودگی میں ایک دن سیبویہ[۱] اور کسائی میں ادبی مناظرہ ہوا۔ اور جب مسئلہ متنازعہ حل نہ ہوا تو فیصلہ کے لئے ابو فقعس، ابو دثار، ابو الجراح اور ابو شروان کے روبرو پیش ہوا یہ اصحاب فصحائے عرب میں سے تھے، اُنہوں نے سیبویہ کے خلاف فیصلہ کیا اور کسائی بازی لے گیا تب یحییٰ نے کسائی کو دس ہزار درہم انعام دیئے۔

۸۔ دور تراجم غیر زبانوں سے جو کتابیں ترجمہ ہوئیں ان کا پہلا دور منصور عباسی کی موت پر ختم ہو گیا۔ اور دوسرا دور ہارون الرشید

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹) ندیم خاص تھا۔ علم کلام کو اس نے بڑی ترقی دی۔ کتب فلسفہ پر بہت عبور تھا، علم کلام میں متعدد نئے مسائل کا اضافہ کیا جس کی تفصیل شہرستانی میں موجود ہے۔ باوجود اس فضل وکمال کے علمائے عصر نے نظام کو درجہ اول کا کافر قرار دیا ہے جعفر برمکی، نظام کے فلسفہ دانی کا قائل نہ تھا لیکن جب اس نے ارسطو کی ایک کتاب کا رد لکھا اور اصل کتاب زبانی سنائی اور ساتھ ہی ساتھ مسائل ارسطو کا رد بھی کرتا گیا تب جعفر، نظام کے کمال کا معترف ہوا۔ نظام جیسے علماء صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جاحظ اسی نظام کا شاگرد تھا۔ انتخاب از ملل ونحل و کتاب الانساب سمعانی وغیرہ

[۱] ابو بشر عمرو بن عثمان ملقب بہ سیبویہ، علم نحو کا امام تھا۔ شہر بیضا، (فارس) کا باشندہ تھا نحو میں ایسی کتاب لکھی جس کی نظیر اسکے قبل یا بعد میں نہیں ملتی ہے۔ کسائی سے اسکے مباحثے ہوا کرتے تھے۔ سیبویہ، نحو میں خلیل بصری، یونس بن حبیب اور عیسٰی بن عمر کا شاگرد تھا۔ چالیس سال کی عمر میں بمقام شیراز ۱۸۰ھ میں فوت ہوا۔

کی خلافت سے شروع ہو کر مامون الرشید کی موت (۲۱۸ھ/۸۳۳ء) پر تمام ہوا۔ یہ عروج وارتقا کا زمانہ تھا۔

تیسرا دور ۳۰۰ھ سے وسط چوتھی ہجری تک رہا یہ انحطاط کا زمانہ تھا یحییٰ کے علاوہ فضل وجعفر برمکی وغیرہ نے بھی کتابوں کے ترجمے کرائے تھے۔ یحییٰ کے مترجم خاص منکہ، آبندھن، عبداللہ بن ہلال اور سلام الابرش تھے اور رئیس المترجمین عمر بن فرخان تھا۔ محمد بن خالد برمکی کے مترجم ایوب اور سمعان تھے۔

۹۔ فلسفہ کی اشاعت خلافت عباسیہ میں فلسفہ (حکمت وعلم الاشیاء) پر جس قدر توجہ ہوئی اسکی نظیر سے تاریخ اسلام خالی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں میں اکثر حکیم، فلسفی، ماہرین علوم ریاضی، حکمت، طب وغیرہ بکثرت موجود تھے اور اس عہد کی خاص تصانیف نے فلاطون اور ارسطو کے فلسفہ[۱] کو بھلا دیا تھا۔ خلافت ووزارت کے انتساب کو الگ کر دیا جائے تو فلسفیوں کی فہرست میں یحییٰ اور جعفر برمکی اور مامون الرشید کا نام جلی حروف میں نظر آتا ہے اور غالبًا اسی ذوق نے یحییٰ و وجعفر کو زندیق اور سگ ملحد کا خطاب قوم سے دلوایا تھا، چنانچہ اصمعی کا یہ[۲] قول ہے۔

اذا ذکر الشرک فی مجلس	جب کسی مجلس میں شرک کا ذکر ہوتا ہے تو برمکیوں
اضاءت وجوہ بنی برمک	کا چہرہ چمک اُٹھتا ہے لیکن اُن کے سامنے کوئی
وان تلیت عندھم آیۃ	آیت پڑھی جائے تو وہ مزدک کی حکایتیں
اتوا بالاحادیث عن مزدک	بیان کرنے لگتے ہیں۔

[۱] فلسفہ کی ابتدا یونان سے ہوئی ہے۔ ابتداءً فلسفے میں وجود اور وحدانیت ذات باری اور تکون عالم اور مبدأ اول کے مضامین تھے۔ اس دور اول میں سات فلاسفر مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ تالیس الملطی، انکساغورس، انکسیمانس، و انباذقلس، فیثاغورس، سقراط، افلاطون، دوسرے دور میں بقراط، دیمقراطیس۔ وغیرہ مشہور ہوئے لیکن انکے مسائل کا پتہ بمشکل لگتا ہے کیونکہ فلاسفر اسلام نے انکے حالات کم لکھے ہیں۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل سنہ عیسوی

۱۰۔ یحییٰ کا کتب خانہ یحییٰ برمکی نے سنسکرت، فارسی اور علوم یونانی کے تراجم سے عربی زبان کو مالا مال کر دیا تھا اور اپنے عہد وزارت میں کافی ذخیرہ قلمی کتابوں کا جمع کیا تھا۔ چنانچہ اسی سرمایہ سے کتب خانہ کی بنیاد پڑی۔

ابوعثمانؓ بن عمر الخطاط کا بیان ہے کہ جس قدر کتابیں یحییٰ کے کتب خانہ میں تھیں کسی بادشاہ کے یہاں بھی اسقدر کتابیں نہ ہونگی۔ ہر کتاب کے تین تین نسخے تھے۔ جو مشہور خطاطوں کے لکھے ہوئے تھے۔ اس عہد کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب کوئی کتاب فروخت ہوتی تو دلال اور کتب فروش سب سے پہلے یحییٰ برمکی کے پاس لاتے تھے کیونکہ بجائے ایک درہم کے یحییٰ ایک ہزار درہم قیمت ادا کرتا تھا۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے کتب خانہ میں جو نایاب ذخیرہ تھا وہ یحییٰ برمکی کے کتب خانہ کا تھا کیونکہ قتل جعفر کے بعد یہ کتب خانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۱) کے اہل یونان اس کے قائل تھے کہ تمام عالم آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے اور متغیر ہے اور اطالین عالم کو غیر متغیر اور قائم بالذات جانتے تھے۔ لیکن جب سقراط۔ فلاطون۔ ارسطو کا زمانہ شروع ہوا تو فلسفے کا رنگ بدل گیا کیونکہ سقراط نے الٰہیات اور طبیعات کے بجائے اخلاق کا درس دینا شروع کر دیا تھا اور حکیم افلاطون نے عقل اور نفس کلی کے مسئلے ایجاد کر دیے تھے۔ چنانچہ درسگاہوں میں یہ مضامین پڑھائے جاتے تھے لیکن ایک صدی کے بعد ارسطو نے منطق کو مدون کیا۔ اور طبیعیات کو دلائل سے ثابت کیا۔ اسی زمانے میں مشائین اور رواقین کی بنیاد پڑی۔ اب تک جسقدر علمی ترقی ہو چکی تھی۔ اُس پر تیسری صدی قبل عیسوی میں بہت کچھ اضافہ ہوا کیونکہ اسکندریہ سے سین پھیلنا شروع ہوا اور علم ریاضی اور حساب وہیئت وغیرہ میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ لیکن بطلیموس کے زمانے کے بعد (قبل دوسری صدی) فلسفہ کا رواج عیسائیت نے گھٹا دیا۔ اور پیشوایان مذہب کے حکم سے فلسفہ کی کتابیں صندوقوں میں بند کر کے عام نظروں سے چھپا دی گئیں۔ اور عام خیالات علوم اوائل کی طرف رجوع ہو گئے۔ اور فلسفہ میں کشف، کرامات و اشراق داخل ہو گیا اور کئی صدی تک یہی فلسفہ جاری رہا۔ اسکے بعد فلسفے میں جو ترقی ہوئی اور جسقدر انقلاب ہوئے اس کا آغاز عہد مامون الرشید سے ہوا جسکی تشریح کے واسطے ایک طولانی مضمون کی ضرورت ہے۔

سے معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ مصر (متعلق صفحہ ۲۶۱)

لہ تاریخ ضیاء برنی نسخہ قلمی۔

بھی ضبط ہو گیا تھا۔ اس کتب خانہ میں فارسی کتابیں سب سے زیادہ تھیں[۵]۔ اُمرائے دولت نے بھی برامکہ کی تقلید میں کتب خانے قائم کئے تھے۔

یہ تو یحییٰ کے کتب خانہ کی حالت تھی۔ اور ہرون الرشید کا کتب خانہ جو قصر الخلد اور دوسرے محلات میں تھا۔ اس میں بھی بہ تعداد کثیر کتابیں تھیں۔ اور اکثر سفر میں ان کتب خانوں سے انتخاب کر کے کتابیں ساتھ جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ[۱] رشید نے رقہ کا سفر کیا تو ۱۸ صندوق کتابوں کے ہمراہ تھے۔ اور یہ منتخب کتابیں تھیں۔ رشید نے تفریح کے لئے جو محل نہر قاطول پہ تعمیر کیا تھا اسمیں بھی ایک ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔

---

[۵] خلافت اُمیہ میں سب سے پہلے خالد بن یزید نے کتب خانے کی بنیاد ڈالی تھی۔ کیونکہ شروع اسلام میں تحریری سرمایہ صرف اسی قدر تھا کہ قرآن مجید کی متفرق سورتیں اور رسول اللہ صلعم کے نامہائے مبارک اور شعرا کے قصائد تھے۔ اسکے بعد امیر معاویہ کے عہد میں کچھ اور اضافہ ہوا اور خالد کے زمانے میں کتبخانے کی باضابطہ بنیاد قائم ہوئی۔ اور عہد ہارون و مامون میں یہ بنیادیں آسمان تک پہنچ گئیں اور پھر یہ شوق ملک میں عام ہو گیا اور امراء و علما کے مکانات کتبخانوں سے سج گئے۔ متوکل باللہ کے عہد میں فتح بن خاقان وزیر کا کتب خانہ بے نظیر خیال کیا جاتا تھا۔ جس کا مہتمم علی بن یحییٰ منجم تھا۔ اسپین کا کتب خانہ جسکو خلیفہ حکم (متوفی ۳۶۶ھ / ۹۷۶ء) نے قائم کیا تھا۔ اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں اور تمام ملک کا خراج کتابوں کی فراہمی میں یہ خلیفہ صرف کر ڈالتا تھا۔ اسلامی دنیا کا دوسرا حصہ جو خلافت عباسیہ کے ضعف کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے حصوں پر تقسیم ہو گیا تھا اور جن میں جدا جدا تاجدار حکمران تھے ان کے کتب خانے علیحدہ تھے۔ نوح بن منصور شاہ بخارا کا کتب خانہ بھی بے نظیر تھا۔ شیخ بو علی سینا نے بہت کچھ اس کتب خانے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ عضد الدولہ نے شیراز میں کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اور شروع اسلام سے اس وقت تک جو تصنیف ہو چکیں تھیں وہ اس میں مہیا تھیں۔ بلکہ اسی کا التزام تھا سیف الدولہ کے کتب خانہ میں فن ادب کا بے مثل ذخیرہ تھا لیکن ان سب کتب خانوں کا سرتاج فاطمیین مصر کا کتب خانہ تھا۔ یہ تو والیان ملک کے کتب خانوں کا حال تھا لیکن ابو نصر سہل بن مرزبان (امیر نیشاپور) وصاحب بن عباد ومحمد بن الحسین بغدادی کے کتب خانے بھی تاریخ میں ضرب المثل ہیں۔ ایرانیوں نے علمی کتابیں اصفہان کے اضلاع میں بمقام جہندز جمع کی تھیں قرطبہ میں ایک ایک جاہل کے گھر میں کتب خانہ تھا۔ لیکن اب تک کوئی عام کتب خانہ قائم نہیں ہوا تھا ۳۸۳ھ / ۹۹۲ء میں سابور بن اردشیر نے بغداد میں ایک دار العلوم بنایا اور اس میں کتابیں وقف کیں۔ پھر ۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء میں حاکم بامراللہ (خاندان فاطمیہ) نے ایک کتبخانہ تعمیر کیا۔ اور مدرسہ نظامیہ بغداد کے قائم ہونے کے بعد ہر مدرسہ و مسجد میں ایک ایک کتب خانہ تھا۔ جن کے نظائر مصر اور قسطنطنیہ میں اب تک موجود ہیں [۵] آغانی جلد ۹ [۱] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۶

ان روایات سے ظاہر ہے کہ علمائے عصر کی توجہ، مترجمین کی محنت اور رشید کے علمی ذوق سے ہزاروں کی تعداد میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں جمع ہو گئی تھیں، اور مترجمہ کتابوں میں یونانی ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔ جعفر برمکی نے اپنے عہد وزارت میں یونانی کتابوں کا خاصکر ترجمہ کرایا اور ہر مترجمہ کتاب طلائی سکہ میں وزن کی جاتی تھی یہ ترجمے گندہ کاغذ پر لکھے جاتے تھے تاکہ کتاب کا وزن بڑھ جائے اور بڑی رقم حاصل ہو۔ مترجمین کی یہ کارروائی اس حیثیت سے مفید ہوئی کہ صدیوں تک یہ قلمی کتابیں محفوظ رہیں اور ہنوز یورپ کے بعض کتب خانوں میں ان کتابوں کے اوراق باقی ہیں

۱۱۔ یحییٰ کے شاعری اور شعرائے دربار برامکہ

(شاعری جو علم ادب کا بڑا جوہر ہے) اس میں یحییٰ برمکی کو کمال تھا وہ قلم برداشتہ نظمیں لکھا کرتا تھا، جسکے نمونے اس کتاب میں موجود ہیں۔

علامہ ابن ندیم نے یحییٰ کو زمرۂ شعراء میں جداگانہ شمار کیا ہے (جاہلیت اور اسلام کے شعراء کا کلام اس کو حفظ تھا۔ یحییٰ، فضل اور جعفر کے دربار میں جو مشاہیر شعراء تھے اور جو ہر تقریب پر مدحیہ قصائد پڑھا کرتے تھے) ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ مروان بن ابی حفصہ متوفی ۱۸۲ھ

۲۔ ابو علی الحسن بن ہانی (ابو نواس متوفی ۱۹۸ھ)

۳۔ ابو دلامہ زند بن الجون صاحب نوادر متوفی ۱۶۱ھ

۴۔ مسلم بن الولید انصاری (صریع الغوانی)

۵۔ اشجع بن عمرو سلمی حجازی

۶۔ مسلم الخاسر

۷۔ ابان لاحقی۔

---

۵ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۶ مطبوعہ مصر ۱۲۷۵ھ

۸- ابو اسحاق اسماعیل بن القاسم غنزی (ابو العتاہیہ) متوفی ۲۲۱ھ / ۸۳۵ء

۹- احمد بن سیار جرجانی

۱۰- ابو علی حسین بن ضحاک بن یاسر (خلیع) متوفی ۲۵۰ھ

۱۱- ابو قابوس عمر بن سلیمان

۱۲- داؤد بن رزین الحیری

۱۳- بشار بن برد بصری ضریر

۱۴- ابو النضر بصری

۱۵- کلثوم بن عمر العتابی[۱]

دیوان الشعر — شاعری کے متعلق یہ ایک اہم واقعہ ہے کہ یحییٰ برمکی نے دیوان الشعر کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا تھا اور اس کا افسر دہ شاعر ہوتا تھا جو فن تنقید میں کامل ہوتا تھا، چنانچہ یحییٰ کے دیوان الشعر کا افسر ابان بن عبد الحمید بن لاحق

---

[۱] اس شاعر کا ایک لطیفہ مروج الذہب مسعودی میں مرقوم ہے۔ جس کو ہم بجنسہ تاریخ المامون سے نقل کرتے ہیں۔ "کلثوم عتابی" جس کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا اور بجا بھی تھا۔ مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سن کر بغداد پہنچا اور دربار میں حاضر ہوا مامون نے مزاج پرسی کی اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی کہ مامون بھی حیرت میں رہ گیا اور حکم دیا کہ ہزار دینار اس کے سامنے لاکر رکھدیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحاق موصلی کی طرف اشارہ کیا، کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائیے۔ اسحاق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی اور اعتراض کا تار، باندھ دیا۔ کلثوم بالکل حیرت زدہ ہوگیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہوسکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اس نے مامون سے اجازت طلب کی۔ پھر اسحاق کی طرف متوجہ ہوا۔

کلثوم۔ آپ کا نام ونسب کیا ہے؟

اسحاق۔ نسباً آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے

کلثوم۔ نسب تو خیر ظاہر ہے۔ مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے۔

اسحاق۔ کل بصل "کلثوم" سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی ہے

تھا جو علاوہ شاعری کے ایک عدیم النظیر ادیب بھی تھا۔ چنانچہ تقریبات پر جو قصائد شعراء کی طرف سے پیش ہوتے تھے اول اس کو ابان ملاحظہ کرتا تھا اور ادبی حیثیت سے جو قابل انعام ہوتے تھے وہ پیش کیے جاتے تھے باقی قصائد داخل دفتر کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ ابان نے ایک موقع پر ابونواس جیسے شاعر کا ایک قصیدہ نظری کر دیا تھا۔ جس کا فیصلہ جعفر برمکی نے کیا اور انعام دیکر ابونواس کو رضامند کیا۔ ممکن ہے کہ یہ سخت تنقید جوش رقابت میں کی گئی ہو۔

۱۲۔ یحییٰ کے کاتب (یحییٰ برمکی خود جس پایہ کا ادیب اور انشاپرداز تھا۔ اسی قابلیت کے دفتر انشا میں کاتب بھی تھے)۔ مختلف اوقات میں یحییٰ کے جو کاتب (میر منشی) رہے ہیں ان کی فہرست یہ[۱] ہے۔

۱۔ حمید بن مہران اصفہانی ۲۔ محمد بن لیث فقیہ

۳۔ یوسف بن سلیمان ۴۔ ابوصالح یحییٰ بن عبدالرحمٰن

۵۔ یحییٰ بن سلیمان ۶۔ محمد بن اعین۔

۷۔ عبداللہ بن عبدہ

۱۳۔ علم الخط کی ترقی اور اسکی مختصر تاریخ

اس مضمون میں خط سے مراد وہ خط ہے جو دولت عباسیہ میں جاری تھا اور یہ قدیم مصری اصلاح شدہ خط تھا۔ کتابت (علم الخط) کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ جب انسان حیوانیت کے درجہ سے ترقی کر کے انسانیت کے مرتبہ تک پہونچا تو اظہار خیالات کے لئے اس کو تحریر کا احساس ہوا۔ اور جب قومیں اپنے مرکز سے دور دراز ممالک میں منتقل ہوگئیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) اس لطیفے پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی کہ ہزار دینار جو مجکو انعام میں عطا ہوئے ہیں۔ ہی کو دلائے جائیں مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا اور حکم دیا کہ اسحاق کو بھی اسی قدر صلہ عطا کیا جائے (عربی میں لسن کو ثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں)

[۱] تاریخ الوزراء جہشیاری صفحہ ۲۵۹ [۲] جہشیاری صفحہ ۲۱۳

اور نئے نئے واقعات کا ظہور ہوا تو اُن کا محفوظ رکھنا بھی ضروری ٹھہرا، چنانچہ بڑے غور وفکر کے بعد نقاشی اور صورت گری سے کام لینا شروع کیا اور جذبات کے لحاظ سے تمثال کشی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔

مثلاً اظہار محبت کے لئے کبوتر کی تصویر بنائی (جو پرندوں میں سب سے زیادہ عشق باز ہے) اور اظہار دشمنی کے لئے افعی (ایک خاص قسم کا سانپ جو ہمیشہ کنڈل بناتا ہوا چلتا ہے) کا حلقہ بنایا اسی طرح نیلگوں آسمان کے لئے نصف قوس۔ بنائی وغیرہ وغیرہ۔

یہ کتابت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت (سنہ ۱۹۹۶ ق م) سے بیس[۲۰] یا پچیس[۲۵] صدی قبل کی ہے۔ لیکن یہ مصوری دنیا کے ہر واقعہ کے اظہار سے قاصر تھی لہٰذا حکمائے مصر نے ایک ابجد بنائی جس کا ہر حرف تقریباً پرندوں وغیرہ کی صورت میں تھا اور یہ کُل بائیس[۲۲] حروف تھے۔ عربوں نے ان حروف کو چھ کلمات پر تقسیم کیا ہے جس کا نام ابجد ہے۔ اور حروف کی ترتیب مصری ہے۔

ابجد (ا ب ج د) ہوز (ہ و ز) حطی (ح ط ی) کلمن (ک ل م ن) سعفص (س ع ف ص) قرشت (ق ر ش ت)

پھر صدیوں کے بعد عربوں نے مصری حروف تہجی پر چھ[۶] حروف اور بڑھائے یعنی ثخذ (ث خ ذ) اور ضظغ (ض ظ غ) اب حروف تہجی کا مجموعہ ۲۸ ہوگیا۔ اور یہ چھ حرف عربوں کے گلے سے مخصوص ہیں۔ اور وہی ان کو صحیح مخرج سے ادا کر سکتے ہیں۔

قدیم تمثالی مصری خط کا نام ہیروگلیفی تھا، جس کا ترجمہ "حروف مقدس" ہے اور یہ تقدس اس بنا پر ہے کہ اس خط کے کاتب صرف مندروں کے پجاری اور پیشوایان مذہب تھے۔ اس کے بعد تمدنی ضرورت سے ہیروگلیفی میں اصلاح ہوئی اور خواص وعوام کو کتابت کی اجازت مل گئی یہ واقعہ سنہ ۶ ق م کا ہے۔

پھر ہیرو گلیفی سے دو خط اور اخذ کئے گئے، چنانچہ ایک کا نام ہیراطیقی (خواص کے لئے) اور دوسرے کا نام دیموطیقی (عوام کے لئے) تھا۔ ماخذ کے مقابلہ میں ان دونوں کا رسم الخط آسان تھا کیونکہ ان میں کوئی حرف مصور نہ تھا۔

مصریوں سے جب اہل فنیشیا (صور وصیدا کے باشندے جو فنیقی کہلاتے ہیں) نے یہ خط سیکھا تو انھوں نے مصری شان خط کو تبدیل کردیا اور فنیقی خط دو شاخوں پر تقسیم ہوگیا، ان میں ایک آرامی اور دوسرا اسطرنجیلی (سُریانی) مشہور ہوا۔ اور سب سے اخیر دور میں یہ خط نبطیوں (قدیم عرب) نے سیکھا اور اہل حیرہ (کوفہ) نے نبطیوں کی شاگردی کی چنانچہ پانچ ہزار سال کے اندر اور مختلف تبدیلیوں کے بعد اس خط کے حروف سیدھے اور شاندار ہوئے جن کو اصطلاحاً نستعلیق کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً الف کی صورت ملاحظہ ہو۔ جو ہیرو گلیفی میں ایک خوبصورت چڑیا کی شکل میں تھا۔

مصری دیموطیقی	فنیقی	ارامی	سطرنجیلی	نبطی	حیری یا کوفی	نسخ عربی
؞	⺊	⩚	⅄	⅄	ما سا	(ا)

فنیقی خط[1] کی اصلاح میں قبیلہ حمیر (یمن کا مشہور قبیلہ) نے غیر معمولی محنت کی ہے یہ متمدن حکمران قبیلہ تھا، جس کی حکومت ۱۲۵ ق م سے ۵۲۵ء تک رہی۔ اور یہ وہ اصلاح شدہ خط تھا جو عہد رسالت سے دولت عباسیہ تک جاری رہا جو عام طور سے خط کوفی کہلاتا تھا۔ یحیٰی برمکی کے حکم سے اس خط میں احول محرر نے مزید ترمیم کی اور خوبصورت دوائر بنائے اور دوسروں کی ہدایت کے لئے قواعد مرتب کئے اور خط کوفی سے دو نئے قلم ایجاد کئے جو اقلام الثقال اور قلم الطومار کے نام سے مشہور ہیں۔ اس دور کے بعد مامون الرشید کے حکم سے خط کوفی میں اور اصلاح کی گئی اور اس زمانہ میں حسن وجمال اور نقش ونگار کے لحاظ سے ۱۲ قلم جاری تھے۔ جو ایک دوسرے سے مشابہ تھے۔ لہذا انکو سامنے رکھ کر

[1] فنیقی خط سے قبل یمن میں ایرانی پہلوی خط کا رواج تھا۔

ابو علی محمد ملقب بہ ابن مقلہ (وزیر خلیفہ القاہر باللہ عباسی) متوفی ۳۲۸ھ / ۹۴۰ء نے چھ نئے قلم اختراع کئے جو نسخ، محقق، ریحان، ثلث، توقیع اور رقاع کے نام سے مشہور ہیں زمانہ مابعد میں ان میں سے ہر ایک خط متعدد شاخوں میں تقسیم ہوگیا، جس کی تفصیل اس فن کی کتابوں میں ہے[۱]

عنوان[۲] اسلامی موسیقی کی ارتقائی تاریخ، عہد عباسیہ میں اسکا عروج، آلات طرب اور انکا طریقۂ استعمال، موسیقی کی یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں اور اس کا اثر اسلامی موسیقی پر۔ دربار برامکہ کے نامور مغنی، ابراہیم و اسحٰق موصلی وغیرہ یحییٰ برمکی کی فیاضیاں اور انکا اعزاز، خلفاء اور حرم سرا کی محفلیں، عہد ہارون الرشید میں موسیقی کے اسباب ترقی۔

۱۔ تمہید شاعری، مصوری اور موسیقی، یہ وہ فنون لطیفہ ہیں جن سے ہر وقت طبائع انسانی کے جذبات پر اثر ڈالا جاتا ہے، لیکن ان میں سب سے موثر اور دلگداز

---

[۱] علم الکتابت کی مفصل تاریخ میں نے جوبلی نمبر رسالہ زمانہ کانپور مطبوعہ فروری ۱۹۲۸ء میں لکھی ہے جس میں مصری خطوط کے نمونے ذریعہ فوٹو دکھائے گئے ہیں اور سال رواں میں میرے عزیز دوست حکیم محمود علی (خانصاحب) ماہر دوا شفاخانہ دہلی) نے علم الخط پر نہایت بیش قیمت کتاب لکھی ہے جس میں صدہا قسم کے فوٹو ہیں۔ شائقین خصوصاً خوشنویس یہ کتاب ملاحظہ کریں۔ اور عربوں کی مکمل تحقیقات دیکھنا ہو تو صبح الاعشیٰ قلقشندی کی دوسری تیسری جلد ملاحظہ ہو۔ یہ مکمل کتاب ۱۴ جلدوں میں ہے جو قاموس العلوم ہے۔

موسیقی ہے، کیونکہ جس موقع پر جذبات کے اظہار سے الفاظ (شاعری) اور تصویریں عاجز ہوتی ہیں اُسوقت موسیقی ہی ان کو اُبھارتی ہے۔ اور ایک باکمال مغنّی (گویّا) اپنے زیر و بم (پست و بلند سُر) اور دلکش ایقاع (لَے یا دُھن) سے اُسی خیال اور جذبہ کو اس خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے کہ روح پھڑک اُٹھتی ہے اور یہ وہ اثر ہے جس سے شیرخوار بچے، جوان اور بوڑھے مسرور اور اثر پذیر ہوتے ہیں لہذا جادو کا دوسرا نام موسیقی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بچے روتے ہیں تو کھلائیاں ان کو لوریاں سناتی ہیں اور وہ چُپ ہو جاتے ہیں اور پچھلی راتوں میں پسنہاری کی غیر معمولی چکی کی مشقت، سُریلی گیتوں کی بدولت خوشگوار بن جاتی ہے۔ اسی طرح جو نظمیں گا کر (نشید و انشاد) پڑھی جاتی ہیں مثلاً یادِ وطن، فراقِ محبوب، کسی دوست کا مرثیہ اور ذکر عیش وغیرہ یہ وہ نشتر ہیں جو دل و جگر کے پار ہو جاتے ہیں۔ الغرض انہیں معنوی اثرات کی بنا پر عربوں نے اپنی موسیقی کا نام غنا رکھا ہے۔ اور غنا کی یہ تعریف ہے "الغناء من الصوت ما طرّب به"[1] یعنی غنا صرف اس آواز کا نام جو طرب انگیز ہو۔

انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اس کے ذکر کو چھوڑیے کیونکہ متاثر ہونے کا مادہ فطرتاً اس میں موجود ہے، لیکن حشرات الارض (زمین کے کیڑے) میں ناگ کو دیکھیے کہ وہ سپیرے کی بین کو کس طرح مستانہ اداؤں سے بڑھ بڑھ کر چومتا ہے اور اسکے سامنے سرِ نیاز جھکاتا ہے[2]۔

---

[1] کتاب المخصّص ابن سیدہ باب الملاہی والغناء از صفحہ ۹ جلد ۱۳ مطبوعہ مصر۔ و سرح العیون ابن نباتہ باب صناعۃ الالحان صفحہ ۲۸ مطبوعہ مصر۔ [2] زمانۂ حال کی تحقیقات یہ ہے کہ دریائی جانوروں میں گھڑیال (تمساح) اور صحرائی حیوانات میں گوریلا اور چمپانزی (افریقہ کے انسان نما بڑے بندر) بھی موسیقی کا اثر قبول کرتے ہیں اور ہاتھی کی نسبت ابوالفضل نے لکھا ہے کہ وہ تال سُر سے گاتا ہے اور سمجھنے والے سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں تصاویر رسالہ عربی "کل شی والدنیا" نمبر ۵۰ جولائی ۱۹۳۵ء مطبوعہ مصر۔

سانپ کے بعد اونٹ پر نظر ڈالئے! کہ اس پر بدویوں کی حُدی خوانی (بانسری بجانا) کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اس وقت یہ دس من کے عوض بارہ من کا بوجھ اُٹھا کر مست خرامی کے ساتھ، بلبلاتا ہوا، دُم اُٹھا کر بھاگتا ہے، یہ موسیقی ہی کی کرامت ہے، لہذا جو فن انسان اور حیوان پر منٹوں میں برقی اثر ڈالتا ہو اس کی شرافت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

۲- موسیقی کا وطن موسیقی کی غرض و غایت کے بعد یہ سوال ہوتا ہے کہ اس لطیف فن کا موجد کون ہے اور اس کا وطن کہاں ہے؟ عقل یہ جواب دیتی ہے کہ موسیقی کو خود فطرت نے ایجاد کیا ہے اور وہی اس کی معلم اوّل ہے۔ جس کی تصدیق اس کہاوت سے ہوتی ہے کہ "گانا اور رونا سب کو آتا ہے"۔

ابتدا میں یہ فن خودرو ہوتا ہے، پھر تہذیب و تمدن کے آغوش میں پرورش پاتا ہے، باقی رہی یہ بحث کہ اقوام عالم میں کس قوم کی موسیقی کو فوق حاصل ہے تو بلحاظ قدامت و جامعیت و اثرات، ہندوستان کی موسیقی سب سے افضل ہے اور ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق اس کے موجد مہادیو جی ہیں، اور یہی سبب ہے کہ ہندوستان میں موسیقی جزو عبادت ہے اور یہی اس کی ترقی کا راز ہے۔ جس کی تصدیق رگ وید اور زمانہ مابعد کے بھجنوں سے ہوتی ہے۔ اور بڑے بڑے مندروں میں (سومنات وغیرہ) دیوتاؤں کے سامنے پری جمال لڑکیاں ناچتی گاتی تھیں اور جو گاتی تھیں اس کو بھاؤ بتا کر ادا کرتی تھیں (یہ ایک مستقل فن ہے جس کو نرت کہتے ہیں) اور ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہندو مذہب کے زیر سایہ شمالی ہند میں مقدس شہر متھرا، اجودھیا اور بنارس موسیقی کے مرکز تھے اور علمی قدردانی کے لحاظ سے دکن میں بیجانگر کے راجہ بھی موسیقی کے دلدادہ تھے اور اس شہر میں پیشہ در رام جنیاں (رقاصہ کسبیاں) اس کثرت سے تھیں کہ ان کے ٹیکس سے محکمہ پولیس کی تنخواہ ادا ہوتی تھی۔ ہندوستان میں قدیم زمانہ سے موسیقی کے دو مرکز رہے ہیں ایک شمالی ہند دوسرا جنوبی ہند اور فرمانروایان اَودھ کے زمانہ میں بھی موسیقی کی بڑی قدر تھی، اور ہنوز لکھنؤ میں قدیم موسیقی

اور[1] نرت کا فن باقی ہے۔

حکمائے ہند نے اجرام سماویہ سے مطابقت کر کے چوبیس[24] گھنٹوں پر راگنیوں کو تقسیم کیا ہے جس کی وجہ سے ہندی موسیقی، نفوس انسانی میں خاص طور پر مؤثر ہے۔ کسی صوفی کا قول ہے ؎

از چرخۂ پیرزن برآید آواز
در چرخۂ چرخ چوں نباشد نغمہ

۲۔ قدیم موسیقی کے مرکز

ہندوستان کے بعد مصر و بابل کی موسیقی ہے اور ان ممالک میں بھی لوازمہ عبادت تھی اور توراۃ مقدس سے بنی اسرائیل (قوم یہود) کی موسیقی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو چنگ پر گاتے تھے اور ان دلکش نغمات کا نام مزامیر تھا۔ اس کے علاوہ مذہبی رسوم ادا کرتے وقت بھی ارباب کمال کی چوکیاں نغمہ سرائی کرتی تھیں۔ لیکن بیت المقدس کی تباہی کے بعد یہ فن بنی اسرائیل سے جاتا رہا اور خود مقتدایان ملت نے موسیقی کو مذہباً ناجائز قرار دیا۔

مصریوں میں بھی یہ اعتقاد تھا کہ موسیقی کے موجد اور آلات طرب کے صناع اُسارس وغیرہ دیوتا ہیں اور اس فن کی تعلیم بچپن میں دی جاتی تھی۔

ان اقوام کے بعد یونانیوں نے موسیقی کو علمی حیثیت سے ترقی دی اور حکمائے یونان

---

[1] اخیر دور میں کالکا اور بندادین کتھک لکھنوی پر نرت کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ میں نے اپنے عہد جاہلیت میں کئی بار اس طائفہ کا ناچ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جنم اشٹمی کے موقع پر (کانپور میں) بندا نے گانا شروع کیا کہ "مورے ماتھے کی بندیا (ٹکلی) ہرا گئی میں تو جمنا ہلوردوں۔" مطلب یہ ہے کہ نہاتے وقت جمنا میں ایک دوشیزہ کی بندیا ماتھے سے پانی میں گر گئی، کیسے گری، کہاں گری، اور کس طرح اس کو تلاش کیا؟ اس واقعہ کو تقریباً سو مرتبہ بتایا اور ہر دفعہ نئے انداز سے، اور آواز میں حزن و ملال کا اثر جداگانہ تھا۔ شکسپیر وغیرہ کے ڈراموں میں بھی ایسے مشکل مقامات آتے ہیں مگر یورپ کی ناچنے والیاں صرف ایک مرتبہ ادا کرتی ہیں اور ان میں بھی وہ جو خاص طور پر مشاق ہوتی ہیں

نے اس فن پر مبسوط کتابیں لکھیں اور آلات بھی بنائے۔

دوسرا سبب ترقی کا یہ ہوا کہ یونانیوں نے رقص وسرود اور شاعری کو بھی مذہب کا جزو قرار دیا تھا۔ اور یونانی شعراء بھی (عربوں کی طرح) مشہور میلوں میں نظموں کو گاکر پڑھتے تھے۔ یونانی اس فن میں مصریوں کے اور رومی، یونانیوں کے شاگرد ہیں۔ اور مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں دونوں قوموں کی موسیقی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ موسیقی ایک علمی فن ہے اور اس کا تعلق ہر قوم کی زبان، لہجہ اور گلے کی آوازوں پر منحصر ہے۔ جب قومیں اپنے مرکز سے نکل کر دوسرے مقامات میں آباد ہوتی ہیں اس وقت زبان اور لہجہ میں فرق آجاتا ہے اور موسیقی میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب عرب، عجم و شام میں آباد ہوئے تو اُن کی قدیم موسیقی میں فرق آگیا۔ اور یہی حال ایرانی موسیقی کا ہندوستان میں ہوا۔ چنانچہ اس اختلاط کی وجہ سے قدیم عربی اور ایرانی موسیقی بھی زوال پذیر ہوئی اور جدید موسیقی کی بنیاد پڑی، چنانچہ ہندوستان میں یہ مخلوط موسیقی صدیوں سے جاری ہے۔ لیکن پارسیوں کی وجہ سے وہ بھی تباہ ہورہی ہے اور تباہی کا باعث عام تھیٹر اور انکی موسیقی ہے۔ اگر اب بھی انسداد نہ ہوا تو یہ شریف فن ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے مٹ جائیگا۔

۴۔ موسیقی کا مادّہ اشتقاق

ایرانیوں کی روایت ہے کہ لفظ موسیقی کا ماخذ ققنس یا موسیقار ہے[1] یہ ایک پرندہ تھا، جس کی چونچ میں سات بڑے سوراخ تھے اور ہر سوراخ سے نئے راگ نکلتے تھے لیکن علمی تحقیقات نے اس روایت کو غلط ثابت کیا ہے۔ دراصل[2] موسیقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۲) اور بلا شبہ یہ فن ہندوستان کا حصہ ہے۔ اور کتھک ناچ ہندوستان کا ایک قدیم ناچ ہے جس کے ماہر اب بہت کم ہیں اور یہ رقص بھی ہندوستان کے قدیم ناچ کا صرف ایک باب ہے۔ جس کی تفصیل ناٹیہ شاستر، اور ابھینے درپن سے معلوم ہوسکتی ہے۔

[1] لغات فارسی و ناموس اکبر قلمی ضیاء الدین نخشبی [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا لفظ میوزک صفحہ ۲ جلد ۱۹۔

کا ماخذ لفظ میوز ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ یونانی دیوتا زیوس کی نو بیٹیاں تھیں جو میوزس (Muses) کہلاتی تھیں اور یہ مختلف علوم و فنون کی موجد تھیں، جن میں ادب، شاعری اور نغمہ و سرود بھی داخل ہے۔ اس بنا پر موسیقی کی عام نسبت میوزس کی طرف ہوئی اور یہی لفظ مختصر ہو کر موس رہ گیا۔ اس پر یونانیوں نے حرف نسبت قاف کا اضافہ کر کے موسق یا موسیق (MusiKe) بنایا چنانچہ یہی لفظ برطانیہ میں میوزک (Music) فرانس میں میوسیق (Musique) اٹلی میں میوسیکا (Musica) جرمن میں میوزیکا (Muzica) ہے اور عربوں نے موسیق پر ایک یائے نسبت کا اخیر میں اور اضافہ کر کے موسیقی بنا لیا اور اسی مادہ سے لغات عرب[1] میں موسیٰ قور اور موسیقار مطرب اور مغنی کے معنی میں ہنوز مستعمل ہے اور اصطلاح میں موسیقی نام ہے راگوں کی ترتیب کا جن کو عجمی علم پردہ اور عرب تالیف الالحان بھی کہتے ہیں۔

۵۔ عرب موسیقی میں عجم کے شاگرد ہیں

عرب کے مورخ لکھتے ہیں کہ قوم عاد[2] (۲۵۰۰ ق م) کے زمانہ میں دو[2] نامی پیشہ ور مغنیہ شہر مکہ میں تھیں جو جرادتان کے لقب سے مشہور تھیں اور شرفائے مکہ کی محفلوں میں گاتی بجاتی تھیں اور اسلام سے کئی صدی قبل نغمہ و سرود کے ساتھ معمولی رقص کا بھی رواج تھا جس کی تصدیق شعرائے جاہلیت کے کلام سے ہوتی ہے لیکن صدر اسلام سے عہد ہارون الرشید تک عام محفلوں میں رقص کا وجود نہ تھا۔ عاد کے زمانہ میں کس قسم کی موسیقی تھی اور آلات طرب کیا تھے؟ تاریخ اس کے ذکر سے خاموش ہے، جس قدر سرمایہ ہے وہ عہد اسلام سے متعلق ہے، البتہ جاہلیت ثانیہ میں صرف دف (ڈفلی) کا رواج تھا، یہ وہ معمولی باجہ ہے جس کو اولاد آدم نے سب سے پہلے ایجاد کیا تھا پھر ڈفلی سے ایران

[1] مفاتیح العلوم ابو عبداللہ بن یوسف الکاتب سنہ ۳۶۶ھ مطبوعہ لیڈن باب موسیقی ص ۲۲ امم بائدہ (عرب کی فنا ہو جانے والی قومیں) میں عاد ایک حکمران اور زبردست قوم تھی جس کی قرآن خبر دیتا ہے "الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم" الخ

وہند میں ڈھل نقارہ دائرہ (ڈفلا) اور تاشہ وضع کیا گیا۔ یہ تو عرب کی حالت تھی لیکن ایران میں موسیقی کا وجود عہد جمشید پشدادی (آج سے پانچ ہزار سال قبل) سے پایا جاتا ہے۔ یہ فرمانروا تمدن و معاشرت کا بابا آدم تھا۔ فردوسی لکھتا ہے۔

بنوروز تو شاہ گیتی فروز	براں تخت بنشست فیروز روز
بزرگاں بشادی بیارا ستند،	مے و رود و رامشگراں خواستند

(مطرب)

رود سے وہ ساز مراد ہے، جس پر تار کے بجائے بکری کے بچہ کی آنت (بٹی ہوئی تانت) لگا کر بجاتے تھے۔ جس طرح آج بھی ہندو فقیر یکتارہ بجاتے ہیں۔ لیکن کیکاؤس کے جشن تاجپوشی (دور ثانی) میں بربط بجا اور مازندرانی سرود گایا گیا۔ مورخ عجم کا قول ہے۔

برفت از در پردہ سالار یار	بیامد خراماں بر شہر یار
بگفتش کہ رامشگرے بر دراست	آیا بربط مغز رامشگر است
ہمی راہ جوید بدیں پیشگاہ	چہ فرماں دہد نامور بادشاہ
بفرمود تا پیش او تاختند	ببر رود سازانش بنشاندند
ببربط چو بایست بر ساخت زود	برآورد مازندرانی سرود

(شاہنامہ)

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ کیکاؤس کے دربار میں متعدد مطرب موجود تھے، جس کے قریب سنئے۔ بربط نواز کو جگہ دی گئی اور موسیقی میں راگنیوں کے نام بھی رکھے جا چکے تھے اس مطرب نے مازندرانی سرود بربط پر گایا، اس کا یہ سبب تھا کہ کیکاؤس، مازندراں پر فوج کشی کرنے والا[1] تھا اور یہ وہ حسب حال ترانہ تھا جس نے شاہنشاہ کے جذبات کو اُبھار دیا۔ تاریخ میں ایسے جذبات کے متعدد واقعات ہیں۔

اس کے بعد تیسرے دور میں فردوسی، کیقباد اور رستم کے تذکرہ ملاقات میں لکھتا ہے

برآمد خروش از دلِ زیر و بم	فراواں بشد شادی اُندوہ کم

---

[1] شاہ نامہ میں واقعہ کی پوری تفصیل ہے۔

نشستند خوبان بربط نواز | یکے عود سوز و یکے عود ساز
سرائندۂ ایں غزل ساز کرد | دف و چنگ و نے را ہم آواز کرد
کہ امروز روزیست با فر و داد | کہ رستم نشستہ است با کیقباد

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ کی بزم میں عورتوں نے بربط (عود) بجایا۔ یہ پیشہ ور مغنیہ ہونگی۔ اور بربط کے ساتھ، دف، چنگ اور بانسری بھی بجتی رہی، گویا اس عہد میں یہ ایک پوری چوکی تھی اور موسیقی ترقی کر کے عورتوں تک پہنچ گئی تھی۔ خلاصہ تحقیقات یہ ہے کہ کیقباد (۳۹ ق م) کے زمانہ تک دف، چنگ، نے اور بربط کا ایران میں رواج ہوچکا تھا، لہذا عرب میں ایرانی نغمات کے ساتھ چنگ، نے اور بربط بھی داخل ہوگئے (تفصیل آگے آتی ہے) اخیر ساسانی دور (۲۲۶ء لغایت ۶۵۲ء) میں جب خسرو پرویز تخت نشین (۶۱۴ء لغایت ۶۲۸ء) ہوا ہے تو درباری مغنی باربد[1] اور نگیسا نے موسیقی کو کمال پر پہنچایا۔ یہ دونوں مطرب متعدد راگوں کے موجد ہیں اور انھیں پر قدیم ایرانی موسیقی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ "نوائے باربد" ایرانی ادب میں ضرب المثل ہے اور آغاز اسلام تک ایران کے جو مطرب تھے وہ باربد اسکول کے شاگرد تھے۔

۶۔ اصوات العجم یا ایرانی سرود

عرب موسیقی میں عجم کے شاگرد ہیں اور اُن کے پہلے معلم یہی ہیں لہذا اس مضمون میں اول ایرانی راگوں کا اجمالی بیان کیا جاتا ہے۔ جس کی طرف ایک عجمی شاعر اشارہ کرتا ہے۔

---

[1] باربد جہرمی (عربوں کا بہلبد) ایک سحر طراز مطرب تھا۔ یہ ساسانی دربار میں ۵۹۰ء سے ۶۲۷ء تک رہا، خونین عرب و عجم اسکے کمال فن کے معترف ہیں شاہنامہ اور تصانیف نظامی گنجوی میں اسکے متعدد قصے درج ہیں۔ رودکی نے خوب کہا ہے

ازاں چندیں نعیم جاودانی ✤ کہ ماند از آلِ ساسان و آلِ سامان ✤ ثنائے رودکی ماند است و مدحش ✤ نوائے باربد ماند است و دستان

رکب راگنوں میں داد آفرید، راہ خسروانی، پیگار گردش کا موجد باربد ہے۔ نگیسا اس کا معاصر تھا۔ نظامی کا قول ہے

نگیسا چنگ را کردہ خوش آواز ✤ فگندہ ارغنوں را پردہ ساز

شیریں و شکر دو مغنیہ بھی اسی زمانہ میں تھیں۔ از ادبیات ایران پروفیسر براؤن۔

عرب سوئے عجم در نغمہ خوانی | اکہ ھیتوا واسمعوا صوت الاغانی

ایران کی موسیقی بھی علمی حیثیت سے مکمل ہے اور اس کے جملہ راگ دوازدہ بروج پر تقسیم ہیں۔ جن کو اصطلاحاً "مقامات" کہتے ہیں، یہ سادے اور بسیط راگ تھے پھر آواز کی پستی اور بلندی کے اعتبار سے یہ بارہ مقامی دو دو حصّوں پر تقسیم کیے گئے۔ اس لحاظ سے دن رات کے چوبیس[۲۴] گھنٹوں کے مطابق چوبیس ہی راگ ہیں جو اُصول کہلاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے نقشہ ذیل ملاحظہ ہو۔

نمبر شمار	نام راگ	وقت	مرکب شعبے	ہر شعبہ کے راگ سے مرکب ہے
۱	رہاوی	پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک	۱- نوروز عرب	۶- راگ
			۲- نوروز عجم	۶- "
۲	حسینی	پہر دن چڑھے	۱- دوگاہ	۲- "
			۲- محیر	۸- "
۳	راست	ٹھیک دوپہر	۱- پنج گاہ	۵- "
			۲- سبرقہ	+
۴	حجاز	رات کا دوسرا پہر	۱- سہ گاہ	۳- "
			۲- حصار	۸- "
۵	بزرگ	رات کا تیسرا پہر	۱- ہمایوں	+ "
			۲- نہفت	+
۶	کوچک	پہر دن رہے تک	۱- رکب	۶- "
			۲- بیات	۵- "
۷	عراق	دوپہر تک	۱- مخالف	۵- "
			۲- مغلوب	۸- "
۸	صفاہان	دوپہر رات سے طلوع آفتاب تک	۱- تبریز	۵- "
			۲- نشاپور	۶- "
۹	نوا	آدھی رات	۱- نوروز خارا	۵ "
			۲- ماہور	۶ "
۱۰	عشاق	غروب آفتاب	۱- زابل	۳- "
			۲- اوج	۸- "
۱۱	زنگلہ	پہر رات گئے تک	۱- چہارگاہ	۴- "
			۲- غزال	۵- "
۱۲	بوسلیک	عصر کا وقت	۲- عشیران	۱۰- "
			۲- صبا	۵- "
۱۲			۲۴	۱۱۹

ایرانیوں نے عہد اسلام میں موسیقی کی تدوین کی ہے، لہذا فارسی ناموں کے ساتھ عربی الفاظ بھی مخلوط ہیں اور جو راگ شہروں سے منسوب ہیں مثلاً تبریز وغیرہ یہ وہ قدیم راگ ہیں جو ملکی باشندوں میں جاری تھے اور انہی شہروں کے نام سے موسوم رہے ادب فارسی میں مقامات کے حوالے بکثرت ہیں

مخالف با موافق گشتہ بہ دست | بزرگ و کوچک از جام طرب مست

اہل عجم نے بسیط کے علاوہ دو۔ دو راگوں کو ملا کر مرکب نغمات بھی بنائے ہیں لیکن ان میں سے صرف چھ۶ نام ملتے ہیں جن کا اصطلاحی نام آہنگ ہے، شاعر کہتا ہے۔

مغنی بکن تازہ آہنگ را | بره راستی قامتِ چنگ را

۱۔ سلمک	صفاہان اور زنگلہ سے مرکب ہے۔ ان مرکبات میں پہلا مقام پست (زیر) اور دوسرا بلند (بم) ہوتا ہے۔
۲۔ گردانیہ	عشاق و راست
۳۔ نوروز	حسینی و بوسلیک
۴۔ گوشت	حجاز و نوا
۵۔ مارہ	کوچک و عراق
۶۔ شہناز	بزرگ و رہاوی

پھر مفردات و مرکبات کے بعد جو راگنیاں عجم و عرب کی آمیزش سے پیدا ہوئی ہیں وہ نہایت دلکش اور نشاط انگیز ہیں جن کو گوشہ کہتے ہیں اور ان میں مشہور یہ ہیں۔

۱۔ بہار نشاط ۔ ۲۔ غریب ۔ ۳ سوار ۔ ۴۔ غم زدہ ۔ ۵ ۔ بیات ترک ۔ ۶۔ سرفراز ۷۔ لبستہ نگار ۔ ۸ ۔ بیات گردانیہ ۔ ۹۔ نہاوندک ۔ ۱۰۔ صفا ۔ ۱۱۔ دلبر ۔ ۱۲۔ اوج

(حاشیہ ۲۷۷) لہ کسی شاعر نے ان مقامات کو ایک رباعی میں جمع کر دیا ہے۔

زراست، عشاق، بوسلیک بساز ❖ با نوا، اصفہان، بزرگ نواز
کوچک استاد عراق و زنگولہ پس بحسینی، رہاوی (رہاوی) و حجاز

کمال - ۱۳- نگار - ۱۴- وصال - ۱۵- شہری - ۱۶- عشیران - ۱۷- عزال
۱۸- عشرت انگیز - ۱۹- بحر کمال - ۲۰- اصلی - ۲۱- اعتدال - ۲۲- گلستاں
۲۳- تبریز کبیر - ۲۴ حیرت - ۲۵- جمالی - ۲۶ - روح افزا - ۲۷ - معتدلہ -
۲۸- معنوی - ۲۹ - پہلوی -

اصول، فروع، مفردات، مرکبات اور گوشوں کے علاوہ بکثرت ایرانی راگ اور بھی ہیں، جن میں مشہور تر حسب ذیل ہیں -

۱- باغ سیاؤشاں	۲- باد نوروز	۳- بانگ عنقا	۴- بند شہریار
۵- بہار بشکنہ	۶- بہمن	۷- چغانہ	۸- ویرسال
۹- پردۂ زنبور	۱۰- پردۂ قمری	۱۱- پردۂ یاقوت	۱۲- پنجۂ کبک
۱۳- بوشنگاں	۱۴- تخت اردشیر	۱۵- باروزنہ	۱۶- تیزبی
۱۷- با خرز	۱۸- نوائے خارکش	۱۹- خانۂ عنقا	۲۰- خراسان
۲۱- خرنائے بزرگ	۲۲- خماخسرو	۲۳- داد آفرید	۲۴- دل انگیز
۲۵- رویف رخش	۲۶- راح	۲۷- رامشخوار	۲۸- راہ خسرانی
۲۹- راہ قلندر	۳۰- روشن چراغ	۳۱- زنگانہ	۳۲- زیر بزرگ
۳۳- زیر خورد	۳۴- سیر بہار	۳۵- سپہدان	۳۶- شادباد
۳۷- شباب	۳۸- فانوس	۳۹- قول	۴۰ کاسہ گرد
۴۱- گنج فریدوں	۴۲- انار شیریں	۴۳- نارلنوروز	۴۴- ناقوسی
۴۵- نخچیر گاؤ	۴۶- نغمہ عنقا	۴۷- نوائے چکاوک	۴۸- عجب رود
۴۹- پیگار گردش - ۵۰- داد آفرید -			

یہ وہ خوش آہنگ نغمات ہیں، جن کے ناموں سے شہد کی بوندیں ٹپک رہی ہیں اور ہر راگ سے ایران کی فضا، تمدن و تہذیب، اور ملکی تاریخ نمایاں ہے -

بر خلاف اس کے موسیقیِ عرب کی مصطلحات و اسماء کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی اور کیونکر ہوتی؟ جس ملک کی جغرافی حالت یہ ہو کہ دامن کوہسار میں بجائے لالہ زار اور گلاب کے تختوں کے کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں ہوں، نسیم و صبا کے عوض بادِ سموم کے جھگڑ ہوں اور ریگ کے طوفانوں سے قافلے زندہ در گور ہو جائیں گھن (لوہاروں کا ایک آلہ) کی مسلسل آواز سے علم عروض کی بحریں اور اونٹ کی مدہم چال (ریگستان میں تھپ تھپ) سے نغمات ایجاد ہوں وہاں الفاظ میں یہ رس اور رنگینی پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ بدوی کو تو صرف اپنی حدی[1] خوانی پسند ہے۔

عرب کے مغنیوں نے طالب علمانہ حیثیت سے فارس میں، اصوات العجم سے کافی نفع اُٹھایا ہے مگر اُنہوں نے کئی کئی نغموں کو ایک راگ میں ضم کر لیا ہے یہی سبب ہے کہ مخصوص اور مشہور تریں عربی اصوات کی تعداد (روز مرّہ کی راگنیاں) انیس سے زیادہ نہیں ہیں ورنہ یوں تو تیس ہزار سے زیادہ ہیں۔

تقسیم متذکرہ کے علاوہ عجمی موسیقی میں بھی علم عروض کی طرح سترہ[2] بحریں ہیں جن کو ہندی میں تال کہتے ہیں۔ یہی تال مغنی کو سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں، ایک ماہر فن اور عطائی کے گانے میں تال سے تمیز ہوتی ہے اور یہ حسب[3] ذیل ہیں

۱۔ مخمس	۲۔ ترک ضرب	۳۔ وویک	۴۔ دور
۵۔ ثقیل	۶۔ خفیف	۷۔ چہار ضرب	۸۔ دُر افشان
۹۔ ماتین	۱۰۔ ضرب	۱۱۔ فاختہ ضرب یا اُصول فاختہ	
۱۲۔ چنبر	۱۳۔ نیم	۱۴۔ اذفر	۱۵۔ ارصد
۱۶۔ رمل	۱۷۔ ہزج		

[1] عرب کی حُدی خوانی ہندوستان کے برہا سے بہت مشابہ ہے اور یہ وہ گیت ہیں جو برسات کے موسم میں اہیر (گوالے) کبھی کبھی جنگلوں میں گاتے ہیں اور جب مقابلہ ہوتا ہے اُسوقت یہ تانیں بہت ہی پُر لطف ہوتی ہیں اور عرب چرواہوں کی اس مخصوص راگنی کا نام شباع ہے [2] اُصول النغمات نسخہ قلمی سے جملہ راگ ماخوذ ہیں۔

عرب کے علاوہ ہندوستان میں بھی ایرانی موسیقی کو عروج ہوا جس کو مسلمان صوفی اپنے ہمراہ لائے تھے لیکن سلطان شمس الدین التمش کے عہد دولت (۶۰۷ھ / ۱۲۰۱ء) میں یہ ترمیم ہوئی کہ ایرانی راگوں میں ہندی راگ ملا دیئے گئے اور اب اس درجہ شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ اُن کو علیحدہ کرنا بھی دشوار ہے اور یہ مرکب نغمے عام پسند ہیں۔ اور دورِ حاضرہ کی موسیقی بھی وہی مخلوط موسیقی ہے جس کو ہندو اور مسلمان دونوں نے ترتیب دیا تھا اور اس کا ثبوت راگنیوں کے مسخ شدہ ناموں سے ملتا ہے مثلاً ہجیج، لوروجکا اور جنگلہ وغیرہ۔ جن کی اصل حجاز، نوروز اور زنگولہ ہے۔ اور اس جدید موسیقی کی اصلاح مزید حضرت امیر خسرو[1] کے عہد میں ہوئی جن کی ذات سے قول، قوال، قوالی اور ترانہ کا وجود ہوا ہے اور ستار (سہ تار) صوفیوں کی مجلس میں آیا (ستار کا ماخذ یمن ہے) اس کے بعد دوسرے اساتذہ[2] بھی اصلاح میں مصروف رہے۔

۷۔ آغاز اسلام اور موسیقی

یہ لکھا جا چکا ہے کہ عاد کے زمانہ میں دو مغنیہ موجود تھیں اور آغاز بعثت نبوی تک امیر حمزہ کی بزم میں گانا ہوا کرتا تھا اور نبی کریم کو بھی داخلہ مدینہ پر انصار کی لڑکیوں نے دف پر "طلع البدر علینا" کا مشہور ترانہ سنایا تھا۔ اور ایک سفر میں جبکہ رات ختم ہو رہی تھی حضور نے شتربانوں کا بھی راگ

---

[1] حضرت امیر خسرو دہلویؒ کا نام ابوالحسن بن سیف الدینؒ ہے۔ یہ مشہور صوفی (حضرت نظام الدینؒ کے مرید خاص) ادیب شاعر اور موسیقی کے نائک ہیں۔ ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳ء میں ولادت اور ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء میں وصال ہوا۔

[2] امیر خسروؒ کے بعد عہد شاہجہاں تک موسیقی میں جو نامور اُستاد گزرے ہیں۔ ان میں مشہور حسب ذیل ہیں:۔
گوپال نائک، بیجو، بھانو، پنڈوا۔ بخشو، سلطان حسین شاہ شرقی، راجہ مان گوالیاری (موجد دھرپد) جگت گرو تان سین خاں، (متوفی ۱۵۸۸ء) سُجان خاں، سُر گیان خاں، چاند خاں، سورج خاں تان ترنگ خاں (پسر تان سین) مدن رائے، رام داس، سورداس، باز بہادر فرمانروائے شادی آباد (مانڈو) اور اسکی محبوبہ روپ متی، ملا اسحاق، شیخ خضر، سورت سین، میرزا عاقل، میاں شوری، میاں لال خاں، نیلم پرکاش، نوبت یا نوبات خاں، منجھو قوال، جگناتھ، ستدر، خوش حال، اور نگ خاں، اور عہد اورنگزیب سے اکبر ثانی تک جو نامور گویے گزرے ہیں

سُنا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حبشیوں کا ناچ دیکھا اور رسول اللہؐ نے مخالفت نہیں فرمائی اور سعد بن وقاص کا غلام قند آپ کو گانا بھی سُنایا کرتا تھا۔ یہ واقعات کتب سیر میں درج ہیں، لیکن اس موسیقی کی حقیقت یہ ہے کہ بچیوں کا گانا کوئی تال سُر کا گانا نہ تھا جو شرعاً ممنوع ہے بلکہ وہ جوشِ عقیدت کے پھول تھے جو لڑکیوں نے لٹائے۔ اور یہی حال حبشیوں کے ناچ کا تھا جس میں اُچھل کود اور معمولی آلاپ کے سوا کچھ نہ تھا۔

اسلام نے موسیقی کے اس حصہ کو ممنوع قرار دیا ہے جو قدیم زمانہ میں بتوں کے سامنے بطور عبادت (باجوں کے ساتھ) گاتے تھے یا وہ راگ ہیں جن سے فسق و فجور (بدکاری) کے جذبات اُبھرتے ہیں لیکن اسلام حُسن صوت کا مخالف نہیں ہے وہ تو لغویات کی ممانعت کرتا ہے۔ بنی کریم کے موذن حضرت بلال حبشی نہایت خوش گلو تھے۔ جب نماز کا وقت قریب آتا تو رسول اللہؐ ارشاد فرماتے تھے کہ "ارحنا یا بلال" حقیقت میں یہ جائز موسیقی تھی۔

صوفیوں نے ابتدا میں معتدل طریقہ اختیار کیا تھا، لیکن جب وہ حد اعتدال سے گزر گئے تو علمائے شریعت نے حرمت کا فتویٰ جاری کیا۔ مگر پھر بھی مشائخ چشت نے ہندوستان میں موسیقی کو بہت فروغ دیا، ایک صوفی کا ارشاد ہے کہ "الغناء غذاء الارواح" دوسرے فرماتے ہیں کہ "روح مرغیست کہ غذائے او زمزمہ آواز است" بہر حال اس طبقہ میں ساز و نغمہ مفرح قلب و روح ہے۔ اکثر دولتمند اور زندہ دل صوفی آج بھی سفر و حضر میں قوالوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔ البتہ تجوید و قرأۃ (جسطرح مصری لہجہ میں قرآن پڑھا جاتا ہے) کی تعلیم جو موسیقی کی ایک شاخ ہے باعث اجر و ثواب ہے جسکی نسبت ابن سیدہؒ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱) ان کی فہرست جداگانہ ہے۔ تان سین، مکرند گوڑ برہمن کا بیٹا تھا۔ ۱۵۳۱ء میں بمقام گوالیار پیدا ہوا اور اسی جگہ دفن ہے۔ متھرا میں بابا ہری داس سے تعلیم پائی۔ دربار اکبری میں عروج ہوا۔

لہ حبشیوں کا ناچ افغانوں کے قومی ناچ سے مشابہ ہے۔

رسول کریمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "من لم یتغنّ بالقرآن فلیس منّی" یعنی جس نے قرآن کریم کو غناء (قرأۃ) کے ساتھ نہیں پڑھا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

یہ ایک تاریخی علمی مضمون ہے لہذا شریعت سے قطع نظر کر کے یہ اظہار مقصود ہے کہ آغاز اسلام تک مرد اور عورتیں صرف دف پر گاتی تھیں اور سار بان مزمار (بانسری) بجاتے تھے اور عرب شعراء ایک خاص لہجہ میں قصائد سناتے تھے، یہی اُن کی موسیقی تھی

۸۔ طُوَیس مغنی | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (۲۳ھ تا ۳۵ھ) میں پہلا مغنی طویس ہوا ہے، جس نے اصول موسیقی کے مطابق عربی راگ گائے۔ یہ[1] بنی مخزوم کا غلام تھا۔ اس کا نام عیسٰی بن عبداللہ تھا۔ اور کنیت ابو عبدالمنعم، لیکن جب یہ مخنث ہوگیا اور گانے بجانے لگا اس وقت سے طویس (چھوٹا مور) مشہور ہوا۔ یہ طویل القامۃ اور احول (بھنگا) یعنی انساب العرب کا بھی ماہر تھا، اور بہت ہی چٹکلے باز۔ طویس نحوست میں ضرب المثل تھا خود اس کا بیان ہے کہ تاریخ ولادت سے نکاح تک اس کی ہر تقریب میں ایک خلیفہ کی موت واقع ہوئی۔ طویس، رمل اور ہزج (یہ عروض کی بحریں نہیں ہیں) کی دھن میں گاتا تھا اور ان راگنیوں کا حجاز میں یہ پہلا مغنی ہے، چنانچہ اس کی نسبت عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ "اھزج من طویس" یعنی طویس سے بڑھ کر ہزج کا گانے والا۔ مصنف[2] آغانی نے یہ شعر نقل کیا ہے جو طویس نے ہزج میں گایا تھا۔

قد براني الشوق حتى ــــ كنت من وجدى اذوب

اس کے شاگردوں میں معبدؔ[3]، دُلالؔ اور نومۃ الضحٰی بہت مشہور ہیں، جن کی عہد

---

[1] آغانی صفحہ ۱۷۰ جلد ۲ وصفحہ ۳۵ جلد ۴ و ابن خلکان۔ [2] آغانی جلد ۵۔ [3] معبد بن وہب، غلام بنی مخزوم، سائب اور نشید کا شاگرد تھا۔ مدینہ کے مغنیوں میں معبد ماہر فن مانا گیا ہے اس نے ایرانی دھنوں میں عربی موسیقی کو ڈھالا اور خود متعدد راگ ایجاد کئے ورنہ معبد سے قبل بے اصول راگنیاں جاری تھیں۔ یہ ثقیل کا استاد تھا جیسا کہ مشہور ہے (باقی صفحہ ۲۸۴)

اُمیہ میں شہرت ہوئی۔ طُویس نے بیاسی سال کی عمر میں بمقام سویداء (مدینہ سے دو مرحلہ پر) ۹۲ھ ۷۱۱ء میں انتقال کیا۔ طویس سے قبل، موسیقی کا رواج عورتوں میں ہو چکا تھا اور اتفاق سے یہ بھی کنیزیں تھیں جس سے ظاہر ہے کہ شرفائے عرب کی خواتین موسیقی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس عہد کی مغنیہ کنیزوں میں رائقہ اور اسکی شاگرد عزۃ المیلاء عود نوازی میں کامل تھیں اور یہ دونوں اونچے سُروں میں خوب گاتی تھیں۔ عزہ نے پہلے مدینہ میں تعلیم پائی پھر حجاز میں سائب[1] اور نشیط[2] کی شاگرد ہوئی، یہ دونوں مغنی قدیم ایرانی راگ کے اُستاد تھے۔

عزہ کے بعد سیکڑوں کامیاب مغنیہ کنیزیں پیدا ہوئیں جن میں جمیلہ و نانیر (کنیز یحیی برمکی) فریدہ[3]، عریب[4] اور بذل بہت ممتاز ہیں اور آغانی کے مختلف جلدوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) اجاد طویس والسریجی بعدہ   وما قصبات السبق الا لمعبد۔
معبد کے شاگردوں میں اس کی کنیز حبیبتہ کا بڑا درجہ ہے۔ ابن سریج اور معبد ایک ہی آقا کے غلام تھے معبد نے بمقام دمشق ۱۲۶ھ ۷۴۳ء (عہد ولید بن یزید) میں انتقال کیا۔ آغانی صفحہ ۱۶۴ جلد ۲ و ۴، ۵

[1] ابو جعفر سائب خاثر، عبداللہ بن جعفر کا غلام تھا۔ یہ تجارت پیشہ تھا مدینہ میں عود پر گایا کرتا تھا۔ امیر معاویہ نے اس کا گانا سنا اور انعام دیا۔ آغانی صفحہ ۱۷۹ جلد ۷

[2] نشیط، یہ مطرب، ابن سریج اور سائب کا ہمعصر تھا۔ اور یہ بھی عبداللہ مذکور کا غلام تھا۔

[3] فریدہ حجازی تھی، آل ربیع کے خاندان میں موسیقی کی تعلیم پائی۔ جعفر برمکی کے محل میں رہا کرتی تھی قتل جعفر کے بعد فرار ہو گئی تھی، پھر امین الرشید کے یہاں چلی گئی۔ امین الرشید کے قتل پر ہیثم بن مسلم سے نکاح کر لیا خفیف رمل کی اُستاد تھی۔ آغانی صفحہ ۱۷۹ جلد ۳

[4] عباسی دور میں تعلیم یافتہ کنیزوں کی کثرت تھی۔ بردہ فروش کنیزوں کی تعلیم پر ہزارہا دینار صرف کر کے اُن کو خوشنویسی، شاعری، ادب، موسیقی، بذلہ سنجی، اور جملہ اُمور خانہ داری کی تعلیم دلاتے تھے اور ایسی کنیزیں بڑی قیمت پر فروخت ہوتی تھیں۔ چنانچہ مامون الرشید نے عریب کو ایک لاکھ درہم میں خرید کیا تھا۔ یہ مامون کی محبوبہ خاص تھی۔ عریب کے کمالات موسیقی پر خلیفہ المعتز باللہ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ یہ ایک ہزار راگوں کی موجد تھی۔ جن میں سے بعض کا تتبع ابراہیم موصلی بھی نہ کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ مامون سے خفا ہو گئی، قاضی احمد بن ابی داؤد مامون کے اشارہ سے اسکے محل میں گئے اور وعظ و پند کے بعد صلح کا پیام دیا۔ عریب نے پردہ کے اندر سے قاضی صاحب کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔ (باقی صفحہ ۲۸۵ پر ملاحظہ ہو)

ان کے حالات ہیں۔ خلافت عثمانیؓ کے بعد امیر معاویہ کے عہد میں کافی ترقی موسیقی کی ہوئی۔ اس کے بعد رنگین مزاج خلیفہ یزید وغیرہ نے اور چمکایا۔ طویس اور سعید بن مسجح (حالات آتے ہیں) کے بعد موسیقی کے چار ارکان قرار پائے ہیں بقول اسحٰقؒ موصلی وہ حسب ذیل ہیں

وکان اصله عندهم اربعة نفر ابن سریج وابن محرز وهما مکیان ومالك ومعبد وهما مدنیان۔ اذکان اهل الغناء ومعدنه فی امهات القری من بلاد العرب ظاهراً فاشیاً وهی المدینه والطائف وخیبر ووادی القری، ودومة الجندل والیمامه وهذه البلاد مجامع اسواق العرب[۱]

موسیقی کے چار ماہرین فن ہیں۔ ابن سریج[۲] اور ابن[۳] محرز مکی ہیں اور مالک[۴] و معبد مدنی۔ عرب میں موسیقی کا معدن، قدیم بستیاں تھیں اور جن شہروں میں گانے کا عام رواج تھا وہ مدینہ، طائف، خیبر، وادی القری، دومة الجندل اور یمامہ ہیں اور یہی وہ مشہور شہر و قصبات عرب ہیں۔ جہاں بازار بھرتے تھے۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴) تخلط الهجر بالوصال ولا یدخل فی الصلح بیننا احد ؎ ہم وصل کو تو ہجر میں ملا دیتے ہیں لیکن صلح کرانے میں کوئی غیر شخص ہمارے بیچ میں نہیں پڑ سکتا۔

جب قاضی صاحب ناکام واپس آئے تو ادا شناس عاشق نے خود ہی صلح کر لی۔ آغانی جلد ۳

ؔ بذل مدینہ کی ایک کنیز تھی۔ بصرہ میں تعلیم پائی، تیس ہزار راگنیوں پر حاوی تھی۔ موسیقی میں اسکی مایۂ ناز کتاب منسوب الاصوات مشہور ہے۔ جسمیں بارہ ہزار راگ ہیں۔ یہ گانے میں عریب سے بھی بڑھکر تھی اور بڑی شاعرہ تھی۔ یہ بھی مامون الرشید کی خاص کنیز تھی۔ اس کو پھولوں سے عشق تھا۔ ہر وقت اس کی آستین رنگین اور خوشبودار پھولوں سے بھری رہتی تھی (یہ عریب کا ذوق تھا) اسحٰق موصلی کی ہمعصر تھی۔ آغانی۔

[۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایک نامور مطرب تھا۔ جس کا ذکر مثنوی مولانا روم میں ہے۔

[۲] آغانی صفحہ ۹۵ جلد اول [۳] ابو یحییٰ عبداللہ بن سریج مکی، غلام بنی نوفل بن عبد مناف، یہ بھی ایک مخنث تھا جو چہرہ پر نقاب ڈال کر گاتا تھا اور احول بھی تھا۔ ایرانی طریقہ سے عود بجاتا تھا اور رمل میں یکتا تھا۔ رائقہ مشہور عود نواز مغنیہ اسکے ماں تھی۔ سعید بن مسجح کا شاگرد ہے۔ عارضہ جذام میں فوت ہوا۔ آغانی صفحہ ۹۴ جلد اول (باقی)

یہ بازار دراصل مشہور سالانہ میلے تھے جہاں شعرائے عرب اپنے قصائد گا کر سناتے تھے۔ اور تجارت بھی وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی۔

۹- ایرانی موسیقی کا عرب میں آغاز

یزید بن امیر معاویہ کی تخت نشینی (۶۰ھ/۶۸۰ء) پر امام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اس لئے مکہ معظمہ پر فوج کشی ہوئی اور آتش باری (ذریعہ منجنیق) سے خانہ کعبہ مسمار ہو گیا تھا' لہذا عبداللہ نے ۶۵ھ/۶۸۴ء میں بنائے ابراہیمی کے مطابق خانہ کعبہ کو از سر نو بنایا[1]- اس ضرورت سے جو کاریگر ممالک غیر سے آئے تھے اُن میں ایرانی معمار و مزدور بھی تھے' یہ کام کرتے وقت اپنے دیس کے راگ گایا کرتے تھے' جس کو سُن کر مکہ کے مغنی بھی شایق ہوئے- یہ فارسی الفاظ تو ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے اُن کی دُھنوں کو عربی سانچہ میں ڈھالا' جسکی ابتداء[2] سعید بن مسجح سے ہوئی- اس عہد میں عموماً تین قسم کے راگ جاری تھے-

(بقیہ نوٹ ص۲۸۵) ۴؎ ابوالخطاب مسلم بن محرز بنی مخزوم کا غلام تھا- کبھی مکہ میں اور اکثر مدینہ میں رہا کرتا تھا- عود نوازی میں عزۃ المیلاء کا شاگرد ہے- ابتداء میں ابن مسجح سے تعلیم پائی- پھر فارس اور شام میں جا کر تکمیل کی- ثقیل کا اُستاد تھا یہ بھی جذام میں فوت ہوا- آغانی صفحہ ۱۱ جلد اول- ۵؎ محمد بن ابی المسجح' ابوالولید کنیت' قبیلہ بنی نحل سے تھا' البتہ قد اور احول' معبد' عمر الوادی اور جمیلہ کا شاگرد تھا- جمیلہ بنی سلیم کی کنیز اور قدیم موسیقی میں یکتا تھی- اور مسجح و مضافات مدینہ میں رہتی تھی- معبد' محمد بن عائشہ' حبابہ' سلامہ اور عقیلہ بھی جمیلہ کی شاگرد تھیں- اور جمیلہ نے سائب کی دُھنیں سیکھی تھیں- ایک مرتبہ جمیلہ نے حج کیا تو اس کے ہمراہ حسب ذیل مغنی اور مغنیہ تھیں:

ہیت، طویس، دلال، ہبۃ اللہ، معبد، مالک، ابن عائشہ، نافع بن طنبورہ، قند، بدیح الملیح، نافع الخیر اور بردالفؤاد، نومۃ الضحیٰ، رحمہ، نزہت، عزہ، حبابہ، سلامہ، خلیدہ، عقیلہ، شمامسیہ، فرعہ، بلبلہ، سعیدہ، زرقاء اور قدرۃ العیش" آغانی صفحہ ۱۲۸ جلد ۷

۱؎ سرح العیون صفحہ ۱۰

۲؎ آغانی جلد ۵

۱۔ نصب۔ اس راگ کی تعریف یہ ہے کہ "نصب العرب غناء لھم یشبہ الحداء الا انہ ادق" یعنی نصب عربوں کا وہ سادہ راگ ہے جو حُدی خوانی سے مشابہ ہے لیکن اس سے زیادہ پیچیدہ ہے۔

اس[1] راگ کا اُستاد احمد مکی تھا، جو اسی مناسبت سے احمد النصیبی مشہور رہا۔ سب سے پہلے احمد نے اس کو طنبورہ پر گایا۔

نصب نوجوانوں اور دشت نورد قافلوں کا مقبول راگ تھا (نصب کی جمع انصاب آتی ہے)۔

۲۔ سِناد۔ نصب کے مقابلہ میں اس راگ کا ادا کرنا دشوار تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے گٹکری (گلے بازی) کی مشق کی جاتی تھی۔

۳۔ ہزج۔ "الھزج صوت الرعد وضرب من الاغانی فیہ ترنم" یعنی ہزج رعد کی آواز کو کہتے ہیں اور ایک دلکش راگ کا بھی نام ہے۔

یہ وہ راگنی تھی جس کے ذریعہ سے دلوں میں جوش و اثر پیدا کیا جاتا تھا اور عام پسند ہونے کے وجہ سے شعرائے عرب بھی مشہور میلوں میں اپنے قصائد اسی راگ میں گاتے تھے۔ آغانی کی اکیس جلدیں ان راگوں کی تفصیل سے مالامال ہیں۔

۱۰۔ عہد اسلام کا نامور مغنّی ابو عثمان سعید بن مُسجَح

ابو عثمان سعید[2] بن مسجح، بنی جُمح یا بنی نوفل کا ایک حبشی غلام تھا۔ جو مکہ میں پیدا ہوا اور مکہ ہی میں تربیت پائی، اس کو بچپن سے گانے کی دُھن تھی۔ چنانچہ تعمیر خانہ کعبہ کے زمانہ میں سعید، ایرانی مزدوروں کے راگ سُنا کرتا تھا۔ اور اپنی ذہانت سے

---

[1] احمد مغنی کی نسبت آغانی کے یہ الفاظ ہیں "احمد نصیبی صاحب الانصاب اول من غنی بھا وعنہ اخذ النصب فی الغناء صفحہ ۱۵۲ [2] آغانی صفحہ ۸۱ جلد ۳ و دیگر مجلد

اُن کو عربی راگوں میں منتقل کرتا تھا۔ ایک دن سعید ابن رقاع عاملی کے یہ اشعار ذوق شوق سے گا رہا تھا۔

الم علی طلل عفا متقادم	مکیک اور غیب النّاعم کے کھنڈرات پر
بین المکیک و بین غیب الناعم	میں آکر ٹھہر گیا ہوں۔
لولا الحیاءُ وان راسی قد عفا	اگر شرم و حیا اور سر کے سفید بال مانع
فیہ المشیبُ لزرتُ امّ القاسم	نہ ہوتے تو ام قاسم (کنیت محبوبہ) کو دیکھنے جاتا۔

آقا نے یہ راگ سن کر غلام کو بلایا اور دوبارہ فرمائش کی اور جب سن چکا تو جوش مسرت میں سعید کو غلامی سے آزاد کیا۔ آزادی کے بعد سعید، شام میں گیا اور رومی مغنیوں کا شاگرد ہوا۔ پھر شام سے عراق اور فارس میں آیا۔ ان ممالک میں بھی موسیقی کی عملی تعلیم حاصل کی اور عود بجانا سیکھا۔ تکمیل فن کے بعد مکہ میں واپس آیا اور روم و فارس کی موسیقی میں جو غلطیاں تھیں اس کی اصلاح کی اور غیر ممالک کے نغمات کو اپنے گلے میں اُتارا اور دن رات مشق کرتا رہا چنانچہ سعید کی یہ راگنیاں مقبول ہوئیں اب سعید کے مکان پر نوجوانوں کے جم گھٹ رہتے تھے، عامل مکہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ سعید جوانوں کے اخلاق بگاڑ رہا ہے اور موسیقی کی روز بروز ترقی ہے۔ خلیفہ عبدالملک نے خانہ کعبہ کا احترام کرتے ہوئے حکم دیا کہ سعید کی جائداد ضبط کیجائے اور وہ دربار خلافت میں حاضر ہو۔ عامل مکہ نے حکم کی تعمیل کی اور سعید بحالت تباہ دمشق پہنچ کر ایک قریشی سردار کا مہمان ہوا۔ اور اتفاق سے اسی دن قریشی کے ہمراہ ایک دعوت میں گیا جس کی میزبان پری جمال مغنیہ برق الافق تھی۔ یہ ایک گوشہ میں سب سے الگ جاکر بیٹھ گیا اور اسی جگہ کھانا کھایا۔ کچھ دیر کے بعد گانا شروع ہوا، پہلے برق کی دو کنیزوں نے اپنا کمال دکھایا۔ جب یہ گا چکیں تو برق الافق تخت پر آبیٹھی، اسکی خوش جمالی سے سعید کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور بلند

آواز سے برق کی مدح میں یہ برجستہ شعر پڑھا۔

فقلتُ أشمسٌ أم مصابیح بیعۃ بدت لک خلف السجف ام انت حالم	میں نے کہا یہ آفتاب ہے یا کلیسا کے چراغ ہیں جو پس پردہ نظر آ گئے ہیں یا تو خواب دیکھ رہا ہے۔

یہ شعر سنتے ہی، برق چمک کر بولی! صاحبو! میری حسن کی مداحی کے لئے کیا یہ سیہ فام حبشی ہی رہ گیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اب میرا گھر شریفوں کے لائق نہیں رہا' اور عود ٹپک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حاضرین محفل کو بھی سعید طفیلی کی یہ شوخی ناگوار ہوئی اور خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی۔ برق الافق نے بڑے ناز و نخروں کے بعد پھر گانا شروع کیا، دو چار شعر گائے تھے کہ حاضرین مجلس بیخود ہو گئے، سعید نے بھی تعریف کی کہ واہ! بی بی! کیا خوب گا رہی ہو! برق نے اس مرتبہ تحمل سے کام لیا۔ پھر ساز چھیڑا، چند منٹ تک جناب سعید چپ بیٹھے سنتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا اور غصہ سے لال ہو کر بولے! اری او حرام زادی! تو غلط گا رہی ہے، اس راگ کو اسطرح نہیں بلکہ یوں گاتے ہیں۔ سعید کے گانے پر محفل میں سناٹا چھا گیا، اور خود برق تڑپ کر بولی، خدا کی قسم! یہ استاد سعید بن مسجح ہیں؟

راز فاش ہونے پر یارانِ جلسہ نے سعید کو اپنے برابر بٹھایا اور معذرت کی۔ اب اُنہوں نے بھی اپنا حال سنایا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد قریشی سردار، سعید کو اپنے ہمراہ عبد الملک کے دربار میں لے گیا لیکن یہ مصلحتاً قصر شاہی کے باہر ایک کھڑکی کے نیچے بیٹھ گئے اور سردار سے کہا کہ میں اپنا تعارف امیر المومنین سے خود کرا لونگا۔ کچھ وقفہ کے بعد سعید نے حُدی خوانی شروع کی۔ خلیفہ اپنے دیس کا راگ سن کر چونک پڑا۔ اور پوچھا کون گا رہا ہے؟ تب قریشی نے سعید کا ذکر کیا۔ اب یہ دربار میں بلائے گئے اور امیر نے فرمایش کر کے دو تین راگ سُنے۔ جب گانا ہو چکا تو عبد الملک نے حال پوچھا، سعید نے اپنی داستان غم سنائی۔ خلیفہ نے جائداد کی واگزاری کا حکم دیا اور

صلہ وانعام دیکر رخصت کر دیا۔ سعید نے مکہ پہنچ کر پھر تعلیم جاری کی چنانچہ ابن سریج، غریض[1] اور معبد اسی زمانہ کے شاگرد ہیں۔

سعید اور اسکے شاگردوں نے اب عرب کی جدید موسیقی کو ایک مستقل فن بنا دیا تھا، اگرچہ عہد اُمیہ میں چند مغنی مشہور ہو چکے تھے لیکن عہد عباسیہ میں ابراہیم اور اسحاق وغیرہ نے من حیث الفن موسیقی کو درجہ تکمیل تک پہونچا یا اس فن کی ابتدا تو غلاموں اور کنیزوں سے ہوئی تھی لیکن بعد میں خلفاء ان کے بیٹے اور بیٹیاں بھی موسیقی کے جادو سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ مثلاً بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز[2] اور عباسیہ میں ابراہیم بن مہدی شاہزادی علیہ بنت المہدی، خلیفہ[3] واثق باللہ، المعتز[4] باللہ اور معتمد علی اللہ[5] ماہر فن کی حیثیت سے گاتے تھے۔ اور حضرت عمر جیسے زاہد خشک بھی سات سروں کے موجد ہیں۔ جس کی تفصیل آغانی[6] میں ہے۔

---

[1] ابو یزید عبدالملک ملقب بہ غریض مکی دف اور عود دونوں پر خوب گاتا تھا، رمل کا استاد تھا، آغانی صفحہ ۲۲ جلد ۲
[2] آغانی صفحہ ۱۴۴ جلد ۸
[3] خلیفہ واثق، معتصم باللہ کا بیٹا اور ہارون الرشید کا پوتا ہے ۲۲۷ھ ۸۴۲ء میں خلیفہ ہوا۔ ۲۳۲ھ ۸۴۷ء میں فوت ہوا۔
[4] معتز، متوکل علی اللہ کا بیٹا تھا۔ ۲۵۵ھ ۸۶۸ء میں فوت ہوا۔
[5] معتمد بھی متوکل کا بیٹا تھا۔ اس کی خلافت عیش پسندی اور ذوق موسیقی میں ختم ہوگئی۔ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں فوت ہوا۔
[6] علامہ ابوالفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) کی کتاب آغانی موسیقی میں ایک بحر مواج ہے جس میں عہد عباسیہ کے اُن سو راگنیوں کی تفصیل ہے جسکو ابراہیم موصلی، اسمٰعیل بن جامع اور فلیح نے ہزاروں راگوں سے انتخاب کیا تھا اور یہ مجموعہ "المائۃ الصوت المختارہ" (ایک سو منتخب راگوں کا مجموعہ) کہلاتا ہے۔ اول مصنف راگ کے موجد کا نام لکھتا ہے پھر یہ بتاتا ہے کہ وہ کس طرح گایا جاتا ہے۔ اسکے بعد اشعار بصراحت نام مصنف بیان کرتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج عملی طریقہ سے کوئی ان راگوں کو ادا نہیں کر سکتا ہے۔ محض اس مضمون کی تکمیل کے لئے اول سے اخیر تک آغانی کی ۲۱ جلدیں میں نے بھی پڑھی ہیں جسکے کئی ہزار صفحات ہیں۔ موسیقی کے علاوہ اس کتاب میں صدہا قومی فسانے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو علم ادب کے بڑے بڑے کتب خانوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ کتاب پچاس برس میں تالیف ہوئی ہے اور اس کا قلمی نسخہ ایک اونٹ پر بار کیا جاتا تھا۔ جو حال آغانی کا ہے وہی کیفیت سنگیت رتناکر کی ہے۔ سارنگ دیو پنڈت نے تیرھویں صدی میں ہندوستان کی موسیقی پر یہ کتاب لکھی تھی۔ لیکن اس کا بھی کوئی پروفیسر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک عملی کتاب ہے۔ اور اس میں تقریباً دو سو چونسٹھ (باقی صفحہ ۲۹۱)

۱۱- آلاتِ موسیقی

ایران میں جو آلاتِ موسیقی جاری تھے۔ اُن میں بربط (عود) دف، چنگ اور نے مشہور ہیں اور جنگی باجوں میں دہل (ڈھول) کوس (نقارہ یا ڈنکا) اور قرنا (خرنائے یا نائے بزرگ بڑی ترہی یا نرسنگھا) ہیں لیکن اس کی تفصیل خارج از بحث ہے۔

ہندوستان میں ڈھول کے ساتھ لے قائم رکھنے کے لئے بعد میں تاشہ کا اضافہ ہوا ہے۔ ڈھول کا بجانا بھی ہر شخص کا کام نہیں ہے، اس کو صرف استاد ہی بجا سکتے ہیں اور تاشہ نوازی لکھنؤ کے پیشہ ورُن[1] پر ختم ہے۔

اب اُن آلات کی تشریح کی جاتی ہے جس کو عرب معازف یا آلات الملاہی (سازِ طرب) کہتے ہیں۔ یہ ذوالاوتار تھے یعنی تاروں سے بجتے تھے اور تار سے جو آواز نکلتی ہے اس کا نام طنطنہ ہے، جس کا ہندی تلفظ تن تن یا ٹن ٹن ہے۔

بربط کی آوازوں کا نام نقرات ہے جن کو سرود کے چھوٹے چھوٹے فقرے کہنا چاہئے ہندی میں ان آوازوں کا نام تک یا کڑی ہے۔

(بقیہ ۲۹۰) راگنیوں کی تفصیل ہے۔ اُصولاً وقت کی مناسبت سے صرف چھ راگ تھے جو چار گھنٹے تک گائے جاتے تھے۔ بعد ازاں یہ چھ راگ چھتیس راگنیوں پر تقسیم کئے گئے اور پھر ترقی کرکے اس درجہ تک پہنچے۔ سارنگ دیو سے چھ صدی پہلے موسیقی کا استاد بھرت پنڈت گزرا ہے جس کی مشہور کتاب "بھرت ناٹیہ شاستر" ہے اور موسیقی کے عروج کے باعث صرف پنڈت ہیں کیونکہ مندروں میں دیوتاؤں کے سامنے گانے والے یہ برہمن ہیں۔ دیوداسیوں کے سپرد یہ خدمت زمانہ مابعد کی یادگار ہے۔ ہندی موسیقی میں ہر تال راگ کے تابع ہے۔ تال کی ابتدا تا دھن تا سے ہوتی ہے۔ اور پھر دوسرے مہمل الفاظ سے تال کی گت بتائی جاتی ہے۔

[1] لکھنؤ میں چہلم کے دن ایک تعزیہ بخشو کے نام سے اُٹھتا ہے اس میں ڈھول اور تاشہ بجانے والے اپنا اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ لکھنؤ کے احباب کے ہمراہ کئی مرتبہ میں نے یہ باجہ سُنا ہے۔

۱۔ دف

ایرانی دَف اور عرب دُف جس باجہ کو کہتے ہیں وہ ہندوستان کی ڈفلی یا کھنجری ہے۔ اس کی شکل ابتدا سے یہ ہے کہ ایک لکڑی کے حلقہ پر چمڑہ منڈھ لیا جاتا ہے۔ زمانہ مابعد میں یہ ترمیم ہوئی کہ جھنکار پیدا کرنے کے لئے دف کے اطراف میں گھونگھرو لگائے گئے اور حلقہ بھی بڑا ہوگیا۔ تب اس کا نام طارہ و عرکل (دائرہ) قرار پایا۔ جسکو ہندی میں ڈفلا کہتے ہیں۔ فردوسی نے بھی دف ہی لکھا ہے اور عرب میں یہ لفظ دخیل (جو دوسری زبان سے لیا جائے) ہے۔ صرف اِعراب کی تبدیلی ہوئی ہے[1]۔

ایک دائرہ کو عرب جلاجل[2] اور ایرانی جرس کو چک کہتے ہیں۔ لیکن ہندی میں یہ لیزم ہے جو بشکل کمان ہوتی ہے۔ فارسی ادب میں دف اور جلاجل کی تشبیہات موجود ہیں۔ ؎

چو با عارضت دف مقابل شود | دل ماہ داغ جلاجل شود

ڈفلی کے علاوہ ہندوستان کا قدیم باجہ ڈھولک، پکھاوج اور بین ہے۔ اس باجہ میں سات تار اور ۲۲ پردے تھے اور ہندی آلات طرب میں یہ یونانیوں کے ارگن کا جواب ہے۔ بین کو مضراب یا ناخن سے بجاتے تھے اور مضراب کو انگشت شہادت میں لگاتے تھے۔ لیکن عربوں کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ چنگ

چنگ[3] خالص فارسی لفظ ہے اور عربی چنگ میں تار تھے، جو ایک قسم کا ستار تھا اور

---

[1] دف کی جمع دفوف اور اسم فاعل دفّاف ہے۔
[2] بادل کی کڑک کو جلجلہ کہتے ہیں جس کی جمع جلاجل آتی ہے۔
[3] مفاتیح العلوم خوارزمی صفحہ ۲۳۰ و سوار السبیل مادہ صنج

مضراب سے بجتا تھا۔ لیکن ابن سکیت[1] کا قول ہے کہ چنگ کا معرّب صنج ہے اور اسکی شکل وہی تھی جس کو ہندی میں جھانجھ کہتے ہیں اور یہ پیتل کے دو حلقے ہوتے ہیں جو ملا کر بجاتے ہیں۔ جھانجھ ہمیشہ ڈھول کے ساتھ بجتی ہے لیکن یہ ہندوستان کا طریقہ ہے۔ عرب صرف صنج کو استعمال کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی چنگ کا رواج تھا۔

جھانجھ کا اکلوتا مجیرہ ہے جو طبلہ اور سارنگی کے ساتھ بجتا ہے اس کو بھی عرب سے تعلق نہیں ہے۔ عرب صنج کو پسند کرتے تھے چنانچہ مشہور شاعر اعشیٰ (قیس) کا خطاب، صناجۃ العرب تھا۔ ایران میں سنج خطائی کا رواج تھا۔ جس صنج میں تار ہوتے ہیں اس کو کرنیہ اور العرطبہ بھی کہتے ہیں۔ چنگ ایران میں، چین سے آیا تھا اور ممکن ہے کہ یہ نام بھی چینی ہو۔ در مجلس و ہر ساز مستی پست است ٭ نہ چنگ، نہ قانون، نہ دف بر دست است

۳۔ نے

نے فارسی لفظ ہے اور یہ وہ مشہور نشاط انگیز باجہ ہے جس کو ہندی میں بانسری، بانسلی اور پیپری کہتے ہیں۔ عارف[2] رومی مثنوی میں ارشاد فرماتے ہیں

بشنو از نے چوں حکایت میکند | وز جدائیہا شکایت میکند

ایرانیوں کی طرح ہندوستانی بھی بانسری کے شیدائی ہیں اور سری کرشن مہاراج کی پیغمبری کا معجزہ تو یہی بانسری ہے۔ ہند کے مقدس دیوتاؤں میں کرشن جی سب سے زیادہ زندہ دل، حسین اور محبوب ہیں اور صرف یہی ایک ہیں جن کی تصویر کو مصوروں نے سیکڑوں روپ میں دکھایا ہے اور وہ مرقع خاص کر نہایت دلکش ہوتا ہے جس میں

---

[1] ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق معروف بہ ابن سکیت، لغت و نحو کا امام ہے۔ اصمعی، ابو عبیدہ اور فراء سے روایت کرتا ہے۔ یہ خلیفہ متوکل کے بیٹوں حسن و حسین کا معلم تھا۔ ایک دن متوکل نے پوچھا کہ میرے بیٹے اچھے ہیں یا حضرت علی کے حسنین؟ ابن سکیت نے جواب دیا کہ حضرت علی کا غلام قنبر تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے بدرجہا افضل تھا۔ اس جواب پر تالو سے زبان کھینچ لی گئی اور اسی صدمہ سے ابن سکیت مرگیا، یہ واقعہ ۲۴۴ھ کا ہے۔

[2] عارف رومی صاحب مثنوی کی ولادت شہر بلخ (۶۰۴ھ) میں ہوئی اور تمام عمر قونیہ (ایشیائے کوچک) میں قیام رہا اور بعد رحلت اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے ادہ وفات نور اللہ مرقدہ (۶۷۲ھ) ہے مولانا کی مثنوی کا درجہ دیوان حافظ سے بہت بلند ہے (باقی

مُرلی بجاتے ہوئے گوپیوں کے غول میں نظر آتے ہیں۔ کسی نے بانسری کی تعریف میں خوب کہا ہے ؎

نغمہائے جاں فزا در پردۂ نے مدغم است ؛ یا دم روح القدس در آستین مریم است

نے کو ایرانی نیچہ، نیشہ، نیتہ اور مُشتہ بھی کہتے ہیں اور عربی نام مزمار ہے اور ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ عہد جمشید کی یادگار ہے۔ عہد قدیم میں نرکل اور بانس سے بنائی جاتی تھی۔ لیکن زمانہ مابعد میں لوہے، پیتل اور فولاد سے بھی تیار ہوئی اور پیمانہ بڑھا دیا گیا۔ ہندوستان اور عرب میں بانسری اوّل چرواہوں سے مخصوص تھی پھر ترقی کر کے شاہوں کی محفل تک پہنچ گئی۔

ایران میں شادی کے موقع پر جو باجے بجتے تھے اس میں نے بھی داخل تھی اس لئے اس کا مہذب نام سورنائی ہے کیونکہ پہلوی زبان میں سُور کا ترجمہ جشن شادی و عروسی ہے اور یہی لفظ بگڑ کر سُرنائی ہو گیا ہے اور عربی رسم الخط بھی صرنای ہے اور حکیم بوعلی سینا نے اس کا نام شہنای رکھا ہے، کیونکہ پنج نوبت[1] میں نے بھی داخل تھی۔ اس کے بعد جزیرۃ العرب سے نے اندلس میں پہونچی جس کو اندلسی غیطہ (Gaita) کہتے تھے اور چین میں اس کا نام سنتق ہے اور فارسی میں مستقر چنگ کی مضراب کو کہتے ہیں۔

ابن خورداد بہ کی صراحت کے مطابق ایرانیوں کی نے میں جو حصہ مونھ کے اندر رہتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۲) جسکی انتہائی تعریف یہ ہے کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی ؛ ہست قرآں در زبان پہلوی

[1] ایران میں سلاطین کے محل پر پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی جسکے اشارے ادب فارسی موجود ہیں ؎

تا چہ داری میکند بر قیصر قیصر عنکبوت ؛ چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

ان باجوں میں سب سے بہتر شہنائی تھی جس سے سچے سُر نکلتے تھے۔ اوقات مقررہ کے علاوہ عیدین اور فتح ممالک کے وقت، بھی نوبت بجتی تھی۔ سلاطین ہند نے بھی ایران کی تقلید میں نوبت خانے قائم کئے تھے۔ نوبت خانہ ہمیشہ محل کے قریب ہوتا تھا۔ ہندوستان میں زمانہ دراز تک وقت کا حساب نوبت خانہ سے متعلق تھا جسکو ایک پہر دو پہر اور سہ پہر وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے۔ عباسیوں کے وسطی دور میں ہر امیر کے ڈیوڑھی پر نوبت بجا کرتی تھی۔

اس کے نیچے بانس کی دو باریک پتیاں (قصبتہ = یہ شکل تھی) رکھی جاتی تھیں جسکو عجمی دو نائے[1] کہتے تھے اور عرب نے بھی اس کی تقلید کی تھی جس کا نام زمر المثنی ہے۔ اور ہندی باجوں میں نفیری کی بھی یہی شکل ہے جو قدیم نے کی یادگار ہے۔ دور حاضرہ میں عرب، چھوٹے بگل کو نفیر کہتے ہیں۔ نے کا عربی نام النای ہے (آلۃ من آلات الطرب ینفخ فیہا جمع نایات والکلمۃ من الدخیل)

نے نوازی میں اہل عراق نے خاص ترقی کی تھی اور یہی سبب ہے کہ تاریخ میں نائے عراقی مشہور ہے۔ اور ساخت کے لحاظ سے نے کا نام قصب (نلکی) بھی ہے اور بجانیوالا قصاب کہلاتا ہے۔

عہد عباسیہ میں یہ آلہ زمارہ، ومزمار کہلاتا تھا، کیونکہ زمر و تذمیر کا ترجمہ ہے (نے دمیدن، بانسری بجانا) اور پیشہ ور نے نواز کو بھی زمارہ کہتے ہیں۔ اور عہد جاہلیت میں عرب کی فاحشہ عورتوں کا بھی لقب[2] زامرہ و زمارہ تھا، کیونکہ وہ بھی بانسری بجاتی تھیں اور یہ ایک امتیازی علامت تھی۔

عرب میں مزمار کی مختلف صورتیں تھیں جو مزمار ساربانوں سے مخصوص تھیں وہ زمارۃ الراعی اور شبابہ کہلاتی تھیں اور یہ دُہری ہوتی تھی جس کو ہندوستان میں الغوزہ اور ایران میں توتک کہتے ہیں۔ کسی شاعر کا قول ہے ؎

بشوخی گر کند توتک نوازی | پری را دل برد از شیشہ بازی

عہد عباسیہ کی مزمار میں آٹھ سوراخ تھے اور زنام ایک مشہور صناع تھا جو مزمار بناتا تھا۔ ایک قسم کی مزمار یہ بھی کہ اس کا دہانہ ضرورت کے وقت گھٹایا اور بڑھایا جاسکتا تھا جس کا نام شعیرۃ المزمار ہے۔ اور جو مزمار بہت لانبی ہوتی ہے اسکو زمخر کہتے تھے (مصر میں اس کا رواج ہے) اور عربوں کے اصطلاح میں جو باجے منھ سے

---

[1] مغنی کجای نوائے بزن * بہ یکتای اودو نائے بزن + (حافظ)

[2] نے نواز کو زمر، زمار، زامر، اور صفارہ بھی کہتے ہیں اور مزمار کی جمع مزامیر و مزمور آئی ہے۔

بجائے جاتے تھے وہ سب داخل مزمار تھے۔

۴۔ بربط

فارسی رسم الخط بربت ہے جو بر اور بت سے مرکب ہے جس کا ترجمہ ہے صدر ابط یا سینۂ بط، اور چونکہ یہ باجہ بط (بطخ) کے اُبھرے ہوئے سینہ سے مشابہ تھا لہذا اس کا نام بربط ہوا۔ حیاۃ الحیوان دُمیری اور قاموس نے بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے۔ بربط عرب میں ایران سے پہونچا تھا۔

دوسری روایت یہ[۱] ہے کہ بربط کا موجد بطلیموس (۱۴۰ء) ہے اور بربط کا یونانی تلفظ بربتاں ہے (Barbiton) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بطلیموس کی ولادت سے صدیوں پہلے ایران میں بربط کا رواج تھا۔ جس کی سند لکھی جا چکی ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ بطلیموس نے بربط کی ساخت اور شکل وصورت میں کچھ ترمیم کی ہو۔ بربط میں چار تار ہوتے تھے۔ جسکے ترتیب[۲] وار یہ نام ہیں۔

۱۔ زیر۔ باریک تار (الزیر الدقیق من الأوتار) اور ہلکی آواز

۲۔ مثنیٰ۔ دوسرا تار (دوچند آواز)

۳۔ مثلث تیسرا تار (سہ چند آواز)

۴۔ بم۔ چوتھا تار (البم من العود (بربط) اغلظ اوتارہ و اغلظ اصواتہ) یعنی سب سے موٹا تار اور سب سے بھاری آواز۔ زیر کے بعد ہر تار کی ضخامت نسبتاً بڑھائی گئی ہے چنانچہ بم سب سے زیادہ وزنی اور موٹا تار تھا۔ اور اس کی آواز میں بڑی گونج تھی اور یہی سبب ہے کہ عربی فارسی میں پست وبلند آواز کا اصطلاحی نام زیر وبم ہوا۔ اور نقارہ کی آواز

---

۱ سوار السبیل مادہ بربط ۲ مروج الذہب مسعودی، المخصص، سرح العیون، نفح الطیب، مقریزی، مفاتیح العلوم خوارزمی۔

بھی بم کہلاتی ہے۔ یہ مصطلحات ایران سے ہے۔

عہد قدیم میں عرب بغیر ساز کے گلے بازیاں کرتے تھے، اس کے بعد دف کا آغاز ہوا لیکن جب نضر بن حارث بن کلدہ، ایک وفد کے ہمراہ حیرہ (متصل کوفہ) پہونچا اور اس نے نوشیرواں کی محفل میں بربط سُنا تو نضر نے بھی اس کا بجانا سیکھا اور مکہ میں آکر دوسروں کو سکھایا لہذا نضر، عرب میں پہلا بربط نواز تھا۔

بربط پر ایرانیوں کی جو تئے تھی عربوں نے اس پر بہت اضافہ کیا، جس کا موجد زُلزَل (مغنّی عہد ہارون الرشید) تھا۔ اس نے بربط کی ساخت میں بھی ترمیم کی اور زلزل کا عود شبوتی مچھلی کی شکل میں تھا (اس کا بالائی حصہ بہت چوڑا تھا)

حکمائے فارس نے بربط میں اخلاط اربع (صفرا، خون، بلغم، سودا) کے لحاظ سے چار تار لگائے تھے اور ہر تار ایک خلط سے مخصوص تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تاروں سے آواز نکلتی ہے نفس حالت طبعی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا تار خلط صفرا، کی مناسبت سے زرد، دوسرا خون کے لحاظ سے سرخ، تیسرا سفید اور چوتھا سیاہ (رعایت بلغم وسودا) تھا۔ اور ان چاروں خلطوں ہی کا نتیجہ ہے کہ طبائع انسانی کو اعتدال نصیب ہوا ہے۔ لیکن باوجود اس ترکیب کے ایک حد تک گرمی (حرارت) اور خشکی (یبوست) کی کمی تھی جس[1] کا زُرزیاب مغنی کو احساس ہوا

---

[1] ابوالحسن علی بن نافع ملقب بہ زریاب، خلیفہ مہدی عباسی کا پروردہ تھا، بچپن سے خوش آواز تھا اور سانولا رنگ اس لئے زریاب (ذیل کنٹھ) لقب ہوا، اسحٰق موصلی سے موسیقی کی تعلیم پائی، جب یہ ماہر فن ہوگیا تو خود اسحٰق نے ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا، زریاب نے خاص اپنے بربط پر چند چیزیں گائیں جس کو سُن کر رشید بہت خوش ہوا اور اسحٰق کو مخاطب کرکے کہا کہ زریاب تجھ سے بہتر ہے اور کیا سبب ہے کہ یہ ابتک ہمارے حضور میں پیش نہیں کیا گیا۔ رشید کے طرز کلام سے اسحٰق بدحواس ہوگیا اور زریاب کو سفر خرچ دیکر بغداد سے جلاوطن کیا۔ غریب زریاب قیروان ہوتا ہوا اندلس پہونچا اور خلیفہ عبدالرحمٰن نے دوسو دینار (دو ہزار روپیہ) مشاہرہ پر نوکر رکھ لیا اور ایوان شاہی کے قریب سکونت کے لئے مکان دیا گیا۔ زریاب، نجوم اور جغرافیہ طبعی کا بھی عالم تھا۔ اسنے اندلس کے تمدن پر جو حاشیے چڑھائے ہیں وہ ایک مستقل مضمون ہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوا گیارہ ہزار راگنیوں کا ماہر تھا۔ اسکو بھی یہ دعویٰ تھا کہ رات کو ایک جن آکر اسکو گانا سکھاتا ہے۔ دربار قرطبہ (کارڈووا) میں عباس بن نسائی، منصور یہودی، علّوں اور زرقون نامور مغنی بھی موجود تھے تفصیل کیلئے نفح الطیب دیکھئے

تب اُس نے بربط میں مثلث کے نیچے ایک تار اور بڑھایا اور اسکا نام اوسط دموی رکھا یہ تار بھی سُرخ رنگ کا تھا، دوسری جدّت یہ کی کہ عقاب کے ناخنوں سے بربط کا مضراب بنایا جس سے گونج میں بہت زیادہ ترقی ہو گئی۔ اور نصف صدی تک یہ بربط مقبول رہا۔ یہ ترمیم زریاب نے اندلس میں کی تھی ورنہ ہارون الرشید کے سامنے جو بربط استعمال کیا تھا اس میں ریشم کے تار تھے جو گرم پانی میں بھگو کر بٹے گئے تھے اور اس ترکیب سے خوب کھنچ گئے تھے بربط کا دوسرا نام مزہر اور عود[1] بھی ہے۔ مطلق شاخ بُریدہ کو عود کہتے ہیں یہ ایک خاص قسم کی سیاہ لکڑی ہے جو بخور کے کام آتی ہے۔ اور یہ لفظ بھی عجم سے عرب میں گیا ہے۔ جس کی تصدیق اسناد ذیل سے ہوتی ہے۔

۱۔ نشستند خوبان بربط نواز	یکے عود سوز و یکے عود ساز
۲۔ مغنی بیا زد و بر واز عود	کہ در مجمر دل جگر گشت دود
۳۔ وسید ایچناں نکہت از مشک و عود	کہ خوشبوئے شد نغمہ در چنگ و عود

(فردوسی)

اور بربط[2] عراق عرب میں عموماً عس (ایک درخت کا نام ہے) کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔

۵۔ طنبورہ

طنبورہ[3] یا طنبور فارس کا مخصوص باجہ تھا، جس کی گردن لانبی ہوتی تھی اور تاروں سے بجتا تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ایک بڑے پیمانہ کا ستار تھا۔ یہ باجہ بھی ایران سے عرب میں گیا تھا، لیکن درا صل طنبورہ ہندی باجہ ہے۔ قدیم ہندوستانی مطرب بڑے گول کدو کو اندر سے کھوکھلا کر کے خشک کرتے تھے پھر اس پر ایک خوشنما لانبی لکڑی لگا کر

---

[1] العود، الخشب الغصن بعد ان يقطع وضرب من الطيب يتجر به والة من المعازف يضرب بها ج عيدان اعواد واعود۔ [2] المخصص باب موسيقى

[3] الطنبور والطنبار الة طرب ذات عنق طويل لها اوتار من نحاس ج طنابير۔

تار باندھتے تھے (جس کا نمونہ یکتارہ ہنوز موجود ہے) اور اس کا نام تونبرہ تھا، چنانچہ یہی تونبرہ یا تونبا ایران میں بادنیٰ تغیر طنبورہ اور عرب میں طنبور ہو گیا، جس کو رباب بھی کہتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ رباب، طنبورہ سے چھوٹا تھا اور ہرن کی جھلی سے منڈھا جاتا تھا، جس کو سارنگی کہنا زیادہ موزوں ہے، ایرانیوں نے طنبورہ کو مختلف طرز سے بنایا، اور ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ خوبصورت کر دیا۔ میری نظر سے طلائی اور میناکار طنبورے گزرے ہیں جس سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ ساخت میں ترمیم ہوتی رہی ہے۔

طنبورہ[1] کو ویرج، وریج، ویج، الکول اور بزرق بھی کہتے ہیں اور معشوق بھی طنبورہ ہی کی ایک قسم ہے، ملک معظم کا دربار تاج پوشی جو لارڈ کرزن وائسرائے ہند کے اہتمام سے دہلی میں ہوا تھا اور نیز الہ آباد کی سرکاری نمائش میں یہ قدیم ساز موجود تھے جس کو میں نے تفصیل سے دیکھا ہے۔

بغداد میں طنبور المیزانی کا رواج تھا، جس کی گردن بہت لانبی تھی۔ یونانی میں طنبورہ کا نام کنارہ تھا۔ لیکن عربی اور یونانی طنبورہ کی ساخت میں بہت فرق تھا۔

فارسی ادبیات میں طنبورہ پر بکثرت اشعار ہیں اس وقت ایک شعر یاد آ گیا ہے وہ نذر ناظرین ہے۔ ؎

ز انگشتِ مغنی تار طنبور	انا الحق خیز شد چوں دار منصور

۶۔ کمنچہ

یہ[2] ایرانیوں کا مشہور ساز کمانچہ ہے، جو رباب سے مشابہ تھا اور تاروں سے بجتا تھا، کسی شاعر کا قول ہے۔ ؎

کمانچہ دامِ گیسو را کشادہ	بہر موسم چو سنبل تاب دادہ

[1] مفاتیح العلوم خوارزمی والمخصص باب موسیقی [2] آلۃ لھو ذات اوتار تشبہ الربابۃ الکلمۃ من الدخیل (فارسی)

قدیم[1] ایرانی باجوں میں عنقا، چغانہ اور سنیانہ بھی تھا جو اب مفقود ہیں، تاریخوں میں نام باقی ہیں۔

۷۔ قانون

اس مشہور باجہ کا موجد نامور حکیم معلم ثانی ابو نصر[2] فارابی ہے۔ قانون بھی تاروں سے بجتا تھا، اس کا یونانی تلفظ کانون (Kanon) ہے۔ عربی میں قانون کا ترجمہ رسوم و قواعد اور مسطر کیا ہے۔ جسطرح مسطر سے سطریں سیدھی رہتی ہیں، اسی طرح یہ باجہ اپنے تاروں کی ساخت سے مغنی کو بے سُرا نہیں ہونے دیتا تھا اور قانون حکیم[3] ابو علی سینا ...

---

[1] ناموس اکبر نخشبی قلمی [2] محمد بن طرخان بن ادز لغ ابو نصر فارابی، مسلمانوں میں حکمت و فلسفہ و منطق میں دوسرا ارسطو تھا۔ ان علوم کے علاوہ موسیقی میں یکتا اور کم و بیش ستر زبانوں کا عالم تھا اور ہمیشہ ترک سپاہیوں کے لباس میں رہتا تھا۔ طالب علمی کے بعد بغداد سے دمشق پہنچا۔ اس وقت سیف الدولہ بن حمدان دمشق کا فرماں روا تھا ایک دن ابو نصر دربار عام میں پہنچا، سیف الدولہ نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ دریافت کیا کہ کہاں بیٹھوں؟ ارشاد ہوا کہ اپنے رتبہ کے مطابق جگہ کا انتخاب کرو۔ یہ سنتے ہی سیف الدولہ کے برابر مسند پر جا بیٹھا اور اس طرح پھیل کر بیٹھا کہ سیف الدولہ پر جگہ تنگ ہوگئی۔ یہ گستاخی برہمی مزاج کا باعث ہوئی۔ شاہ نے ایک غلام کو خاص زبان میں ہدایت کی کہ میں اس شخص سے چند سوالات کرتا ہوں، اگر یہ جواب میں قاصر ہو تو فوراً قتل کر دینا۔ ابو نصر نے اسی زبان میں جواب دیا کہ حضور رائے قائم کرنے میں عجلت نہ فرمائیں۔ سیف الدولہ نے گھبرا کر پوچھا کیا تم یہ زبان جانتے ہو؟ عرض کیا کہ ہاں اور اس قسم کی ستر زبانیں جانتا ہوں۔ جب سیف الدولہ کو ابو نصر کے فضل و کمال کا احساس ہوا تو اسکے اشارہ سے علمائے دربار نے مباحثہ شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر علمی مباحثہ میں ابو نصر کامیاب ہوا۔ اس امتحان کے بعد سیف الدولہ نے پوچھا کہ گانا بھی جانتے ہو؟ عرض کیا جانتا ہوں اور جیب سے چند کھپاچیں (لکڑیاں) نکال کر انکو جوڑا پھر ان پر تار چڑھا کر ایک چھوٹا سا عود بنایا۔ اور تین راگ سنائے۔ اول یہ کمال دکھایا کہ حاضرین مجلس ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ دوسرے راگ میں سب کو رُلا دیا۔ اور تیسرا راگ ایسا گایا کہ حاضرین دربار بیہوش ہوگئے۔ دربان بھی غافل تھے۔ یہ اسی حال میں دربار سے چلا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سیف الدولہ نے ابو نصر کو اپنا ندیم بنا لیا۔ اور چار درہم (ایک روپیہ) یومیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ اسکی زندگی درویشانہ تھی۔ باغات و سبزہ زاروں میں پڑا پھرتا تھا۔ ۳۳۹ھ / ۹۴۹ع میں فوت ہوا۔ اور یونانی زبان اس نے یوحنا بن خیلان عیسائی سے پڑھی تھی، ابن خلکان جلد ۲۔ [3] شیخ الرئیس ابو علی سینا، ملقب بہ شرف الملک مشاہیر حکمائے اسلام سے ہے۔ حسین نام تھا۔ عبد اللہ کا بیٹا اور سینا کا پوتا تھا ۳۷۰ھ / ۹۸۰ع میں قریہ خرمیشین (بخارا) میں ولادت ہوئی اور بمقام ہمدان ۴۸۲ھ / ۱۰۹۱ع میں انتقال کیا۔ قانون، اشارات اور شفا کے

کے ایک طبی کتاب کا بھی نام ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

اشارات قانون شفائے دل است | نوائے دف و نے دوائے دل است

بو علی نے کتاب شفا میں موسیقی پر مفصل تبصرہ کیا ہے لیکن یہ حکیم مغنی نہ تھا اور سب سے زیادہ جامع تصنیف موسیقی پر اسحاق کندی[1] کی ہے۔

۸۔ ارگن

بغداد میں ارگن کا رواج ہو چلا تھا، مگر اس کی شکل وہ نہ تھی جو اسوقت ہے۔ اس عہد کا ارگن تین بڑی مشکوں سے بنایا جاتا تھا جو ایک دوسری سے متصل ہوتی تھیں۔ بڑی مشک سب سے اوپر ہوتی تھی اور اس میں متعدد نلکیاں لگائی جاتی تھیں جس کی مثال موجودہ زمانہ میں مشک کی بین ہے۔ یہ نلکیاں بانسری نما تھیں جن سے دلکش نغمے نکلتے تھے شارلیمین شاہ فرانس نے جو سفارت بغداد روانہ کی تھی اور جس کا سفیر اسحاق یہودی[1] تھا۔ جب فرانس واپس گیا تو اس کی معرفت ہارون الرشید نے بھی تحائف روانہ کیے۔ ان میں سب سے نادر ایک گھڑی (ساعۃ) تھی اور ایک ارگن باجہ۔ ارگن کا یونانی تلفظ ارگنان (organon) ہے اور عرب اسکو ارغنون اور ارغانون بھی کہتے ہیں[2]۔

علاوہ تقریباً سو رسالے مختلف علوم و فنون میں یادگار ہیں۔ بو علی کی عام شہرت طبی کتابوں سے ہوئی۔ ابوریحان بیرونی فضل و کمال میں شیخ سے بڑھکر تھا۔ یہ دونوں حکیم محمود غزنوی کے دربار میں تھے۔

[1] یعقوب بن اسحق کندی کو فلاسفر کا خطاب دیا گیا ہے۔ علمائے اسلام میں ارسطو کا ہم پلہ تھا۔ آغاز تیسری صدی ہجری میں بمقام کوفہ پیدا ہوا۔ بصرہ۔ بغداد میں تعلیم پائی۔ ریاضی، ہیئت، نجوم، منطق، طب، فلسفہ اور فن موسیقی میں) کامل تھا۔ یونانی اور سریانی کا بھی عالم تھا۔ فارابی سے قبل منطق میں کندی کی کتابیں داخل درس تھیں۔ بیت الحکمۃ میں مترجم تھا، ۲۸۲ کتابوں کا مصنف ہے جسکی تفصیل تذکرہ اطباء میں موجود ہے۔

[2] مفاتیح العلوم خوارزمی باب موسیقی والخضری حالات ہارون الرشید طبع جدید مصر

۹۔ المعزفہ

جو آلات طرب تاروں سے بجتے ہیں وہ معازف کہلاتے ہیں جس کا مفرد معزفہ ہے لیکن معزفہ بھی عراق کا ایک مخصوص باجہ تھا جو سارنگی یا سورنگی سے مشابہ تھا اور آجکل پیانو کا نام معزفہ ہے۔ ہندوستانی باجوں میں سارنگی بھی عجیب وغریب ہے۔ "تانت باجی راگ بوجھا" اسی کی صفت ہے۔ اگر سارنگی ایک مخصوص فرقہ سے منسوب ہو کر ذلیل و بدنام نہ ہوتی تو ستار کی طرح یہ بھی شریفوں کے گھر کی زینت ہوتی' اور سارنگی سے زیادہ نادر الوجود طبلہ ہے۔ یہی وہ باجہ ہے جس سے سات سُر نکلتے ہیں اور اس کا راز' اس چرمی حلقہ میں ہے جو طبلہ (تبلہ) پر منڈھا جاتا ہے اور جو تین حصّوں پر تقسیم ہوتا ہے' اس کے بعد وہ سولہ ڈوریاں ہیں جن سے طبلہ کی بندش ہوتی ہے بدھسٹ دور کی پانچویں صدی کی عمارت (آثار قدیمہ اجنٹا حیدر آباد دکن) میں جو شاہانہ محفل سجائی گئی ہے اس میں طبلہ بھی کھنک رہا ہے اور رقاصہ کے ساتھ دو عورتیں نے نوازی میں بھی مصروف ہیں۔ ہندی مطربوں نے تال قائم رکھنے کے لئے طبلہ ایجاد کیا تھا۔ سانچی (بھوپال) کے آثار قدیمہ میں بھی ہندی آلات طرب کی تصویریں ہیں اور بعض قدیم مندروں میں بھی۔ (سارنگی اور طبلہ کو عرب سے تعلق نہیں ہے)

۱۰۔ اشلباق

یہ یونانیوں کا ستار تھا جو عرب وروم میں جاری تھا۔

۱۱۔ شہرود

تار والے باجوں میں ایک شہرود بھی ہے جس کو خلیص بن احوص بغدادی نے ۳۰۰ھ میں ایجاد کیا تھا۔

۱۲- القیتارہ

یہ ساز شکل وصورت میں طنبورہ سے مشابہ تھا اور اسمیں چھ تار تھے۔ ممکن ہے کہ ہندی یکتارہ اور تونبرہ اس کا ماخذ ہو۔ علامہ جاحظ[1] نے بھی اپنے ایک رسالہ (فضائل ہندوستان) میں یکتارہ اور کنکلہ کا ذکر کیا ہے۔ جو کدو پر ایک تار لگاکر بجایا جاتا تھا۔ اور ہندی موسیقی کی تعریف کی ہے"۔ اور قیتارہ و یکتارہ[2] قریب المخرج بھی ہیں تن تینی اور گوپی چند یکتارہ سے ماخوذ ہیں۔

۱۲- آلاتِ طرب کا استعمال

آلات کا بیان ہو چکا اب یہ تشریح کی جاتی ہے کہ عرب مغنی کس طرح آلات کا استعمال کرتے تھے۔ صاحب آغانی ہر راگ کی تفصیل بتاتا ہے۔ مثلاً سعید بن مسجح کی نسبت لکھتا ہے

" الغناء لابن مسجح خفیف، ثقیل اول بالسبابہ فی مجریٰ البنصر" یعنی سعید خفیف اور ثقیل اول کی راگینوں کو خوب گاتا ہے اور جب تار پر انگلیوں کی ضرب لگاتا ہے تو ان دھنوں کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ پہلے سبابہ (انگوٹھے کی برابر والی انگلی) سے شروع کرتا ہے پھر بنصر (انگوٹھے سے تیسری انگلی) کی چال میں گاتا ہے۔ مثلاً بربط کو عرب مغنی چار انگلیوں سے بجاتے تھے اور ہر انگلی پر الگ الگ زور دیتے تھے اور آوازوں کا شمار انگلیوں سے تھا۔ اصطلاح[3] میں ان آوازوں کا نام دستان (جمع دساتین) ہے اور

---

[1] ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ، نظام معتزلی کا شاگرد ہے۔ ادبیات عرب کے جو چار امام ہیں (ابن قتیبہ، مبرد، ابو علی قالی) ان میں جاحظ سب سے مقدم ہے۔ اسکی کتاب البیان، کتاب الحیوان، کتاب التاج اور رسائل پیش نظر ہیں۔ جاحظ نہایت بدشکل تھا جسکو دیکھکر بچے ڈر جاتے تھے۔ اسکی زندگی کا یہ دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک عورت اسکو مصور کی دوکان پر لیگئی اور کہا کہ جس تصویر کی فرمائش تھی اسکی شبیہ اسکے مطابق ہے اب تم تصویر بنا دو۔ یہ کہکر عورت چلی گئی۔ جاحظ نے مصور سے پوچھا کہ یہ کیسی تصویر بنوانا چاہتی ہے اسنے کہا کہ مدت سے اسکی فرمائش ہے کہ مجھے شیطان کی تصویر کھینچ دو، میں نے کہا تھا کہ جب تک تو شیطان کو میرے پاس لیکر نہ آئے اسوقت تک تصویر نہیں بن سکتی ہے۔ جاحظ کا بیان ہے کہ جیسا اس عورت نے مجھ کو ذلیل کیا تمام عمر میں اسکی کوئی نظیر نہیں ہے ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء میں بمقام بصرہ عمر کی ۹۰ منزلیں طے کرکے فوت ہوا۔ ابن خلکان [2] یکتارہ اور دوتارہ کا وجود مین سے بھی (باقی)

ساز کے جن جگہوں پر انگلیاں رکھی جاتی تھیں ان کو رباطات کہتے ہیں۔ اور موسیقی کی اصطلاح میں ان آوازوں کا نام لحن ہے (لحن صوت ینتقل من نغمة الی نغمة اشد او احط) یعنی وہ مصنوعی آوازیں جس سے بلند اور پست نغمے پیدا ہوتے ہیں اور نغمہ وہ نرم اور ملائم آواز ہے، جس میں مطلق بھاری پن نہ ہو۔ اور جو بھی ہوئی طبیعت میں سوز وگداز پیدا کر دے۔"

لحن غنا سے مخصوص ہے۔ اور ہر ایقاع (دھن) کے لئے نغمہ کا وجود[1] لازم ہے جس طرح ترتیب کلام کے لئے حروف ہوتے ہیں، کیونکہ آواز کا چڑھاؤ اوتار نغمہ پر منحصر ہے، جس کو زیر و بم کہتے ہیں۔ جب تار پر ضرب پڑتی ہے تو اُن سے نغمات پیدا ہوتے ہیں اور اس طرز ادا کا موجد باربد مغنی ہے۔

لحن اور آواز کو ہندی میں سُر کہتے ہیں اور یہ سات سُر ہیں جن کا نام کھرج۔ رکھب۔ گندھار، مدھم، پنچم، دھیوت اور نکھاد ہے۔ چنانچہ سا، را، گا، ما، پا، دھا، نا سے انھیں سُروں کی طرف اشارہ ہے جن کو سرگم کہتے ہیں۔ پھر سرگم سے بائیس سُرتیاں وجود پذیر ہوئیں۔ اسی اصول پر عربی سُر ہیں۔

عربی موسیقی میں یہ پُر لطف بات ہے کہ اشعار کی طرح الحان (جمع لحن) کی بھی چوری ہوتی تھی۔ ایک مغنی دوسرے کے لحن کو چرا کر اپنے نام سے موسوم کرتا تھا (بجنسہ یا ترمیم کے ساتھ) لیکن ماہرین فن یہ چوریاں پکڑ لیتے تھے۔ آغانی میں جابجا اسکا تذکرہ ہے

عرب مغنیوں کی تقسیم کے مطابق مشہور راگ حسب[2] ذیل ایقاعات پر تقسیم ہیں:

(بقیہ حاشیہ ۳۰۲) پہلے تھا اور ممکن ہے کہ بین کا ماخذ یک تارہ ہو۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ بین کی ماں کنگڑی ہے میسور وغیرہ میں کنگڑی کا رواج ہے۔

[1] ایقاع حرکات متساویۃ الادوار لھا عودات متوالیہ" یعنی اتار چڑھاؤ کی مسلسل اور یکساں آواز کا نام ایقاع ہے۔ المخصص صفحہ ۱۰ جلد ۱۳۔ [2] مفاتیح العلوم، المخصص و سرح العیون۔

۱۔ ہزج	کلمات ذیل پر الگ الگ انگلیاں پڑیں۔ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ ۸ کلمات
۲۔ خفیف الرّمل	دو دو کلمات پر ایک ساتھ انگلیاں پڑیں۔ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ تَنْ ۸ کلمات
۳۔ ثقیل الرمل	تَنُ تَنَ (ثقیل وخفیف) تَنُ تَنَ (خفیف وثقیل) تَنُ تَنَ (ہردو خفیف) ۶ کلمات
۴۔ ثقیل الثانی	تَنَ تَنَ (ہردو ثقیل) تَنُ تَنَ (خفیف وثقیل) تَنَ تَنُ (ثقیل وخفیف) ۶ کلمات
۵۔ خفیف الثقیل الثانی	یہ لحن الماخوری ہے جس کا اُستاد صرف ابراہیم موصلی تھا۔ اس لحن کا موجد شیطان بیان کیا جاتا ہے۔ تَنُ تَنُ (خفیف) تَنَ تَنُ (ثقیل وخفیف) تَنُ تَنَ (خفیف وثقیل) ۶ کلمات
۶۔ ثقیل الاول	تینوں تال زور سے (متوالیہ ثقال) تَنَّ تَنَّ تَنَّ (۱) تَنَّ تَنَّ تَنَّ (۲) ۶ کلمات
۷۔ خفیف الثقیل اول	تینوں تال نرمی سے (متوالیہ خفیفہ) تَنُ تَنُ تَنُ تَنُ تَنُ تَنُ ۶ کلمات

ان تالوں میں یک ضربہ، دو ضربہ اور سہ ضربہ تالیں ہیں اور ہر تال کے متعلق آغانی میں ہزاروں اشعار ہیں جن کو مختلف مغنی ادا کرتے تھے لیکن انکا لکھنا اس لئے بیکار ہے کہ ان کو ساز پر گا کر کون بتائیگا؟ ہر مغنی کو ایک دھن میں کمال ہوتا تھا جس کی مشق وہ چوبیس گھنٹے جاری رکھتا تھا اور اس کی شہرت اسی میں ہوتی تھی لیکن بعض مطرب

مختلف دُھنوں پر قادر تھے اور منجملہ ان سات ایقاعات کے خفیف الرمل مشترک تھا۔ یہ مخصوص ایقاع ہیں جو عام پسند تھے ورنہ یوں تو خارج از شمار ہیں۔

ابو العباس سفاح کے زمانہ تک عموماً قدیم ایرانی راگ جاری تھے لیکن مہدیؐ عباسی کے عہد سے ابراہیم موصلی نے نئے نئے اضافے کئے کیونکہ بطلیموس کی کتاب موسیقی کا عربی میں ترجمہ ہو گیا تھا اور مغنیوں میں علمی مباحثے بھی شروع ہو گئے تھے۔ جن کو خلفاء اور برامکہ کی فیاضیوں نے خوب ترقی دی تھی۔ یونانی راگنیوں کا عرب مغنیوں نے پہلے ایرانی راگوں سے مقابلہ کیا۔ پھر دونوں کی آمیزش سے ایک نیا راگ وضع کیا۔ اس قسم کے جملہ راگ نہایت دلکش اور ولولہ انگیز تھے۔

۱۳۔ یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں

یونان سے بغداد میں علوم و فنون کا جو سیلاب آیا تھا اس میں کچھ لہریں موسیقی کی بھی تھیں۔ چنانچہ اس فن میں سب سے پہلے جو کتابؐ ترجمہ ہوئی وہ بطلیموس کی کتاب فی لحون الثمانیہ (آٹھ راگوں کے بیان میں) تھی جس کا ترجمہ ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ اسحاق موصلی نے اپنے صرف سے بھی ترجمے کرائے تھے اور موسیقی کی ترقی کا یہی سبب تھا۔

حکمائے یونان میں اول فیثاغورس اور اقلیدس نے بھی موسیقی پر کتابیں لکھی تھیں اور اصوات کو علم ہندسہ کے اصول پر تقسیم کیا تھا۔ یہ اصوات موسیقی کی اصلاح میں الحان کہلاتے ہیں۔

---

[1] مہدی عباسی کا مغنی اور ندیم یحییٰ بن مرزوق مکی تھا۔ یہ بنی اُمیہ کا غلام تھا اور اس کا بیٹا احمد بھی نامور مغنی تھا۔ ابراہیم موصلی بعض ایقاعات میں یحییٰ کا مقلد تھا۔ تیسرا مشہور مغنی معلی بن طریف کرنی تھا۔ یہ مہدی کا غلام تھا بغداد میں نہر معلی اسی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ ابراہیم اور ابن جامع کا شاگرد تھا۔ آغانی صفحہ ۱۵ و ۲۲ جلد ۶

[2] ابن خلکان و سرح العیون و آغانی۔

بطلیموس[1] کی کتاب کے علاوہ حکیم نیقوماخس (Nicomochus پدر ارسطو) نے موسیقی پر جو کتاب لکھی تھی وہ بھی مسلمانوں کو مل گئی تھی لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہوا تھا یا نہیں، اصلی کتاب بھی ۱۶۱۶ء میں بمقام لیڈن چھپ گئی ہے۔

نیقوماخس کے بعد ارسطو کے شاگرد رشید ارسطکاس (Aristoxenus) نے بھی موسیقی کو اصول ریاضی سے ثابت کیا تھا چنانچہ اس کتاب کا ترجمہ ہوا۔ اور اس کی اصل تین جلدوں میں ہنوز محفوظ ہے۔

فیثاغورس نے موسیقی کو ذوق سلیم پر محمول کیا تھا، لیکن ارسطکاس نے تمام ایقاعات کو ریاضی سے ثابت کیا اور یہ یونانیوں کی انتہائی فراست تھی۔

عہد عباسیہ میں ہندی کتابوں کے ذیل[2] میں موسیقی کی بھی ایک کتاب ترجمہ ہوئی جس کا نام نافر (نرِت دانش) بیان کیا جاتا ہے مگر یہ نام مسخ شدہ ہے۔ سنسکرت میں نافر کوئی لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ نرت دانش ہو۔ ان کے علاوہ موسیقی پر یونانیوں کی حسب ذیل کتابیں اور ہیں جن کا ترجمہ ہوا ہے۔

۱- فیثاغورس	مقالات فی الموسیقی	(۳) نیقوماخس	الموسیقی الکبیر
۲- اقلیدس	موسیقی المنسوب	(۴) ارسطکاس	کتاب الرئموس
۵- ارسطکاس	کتاب الایقاع المسماہ بالارغن البوقی وارغن الزمری۔		

(یہ کتاب صرف ارغن سے مخصوص ہے)

۱۴- دربار برامکہ کے نامور مغنی

ابراہیم و اسحٰق موصلی

امرائے حجاز کا عربی موسیقی پر احسان عظیم ہے، جن کی غلاموں اور کنیزوں نے اپنے

[1] وقد کان الغناء قبل نقلہ عن الفارسیۃ ماخوذا عندھم عن الاذان فلما نقلوہ عن قوسنا و ستعانوا بکتاب بطلیموس فی الحون الثمانیۃ عربوہ فی خلافۃ ابی جعفر۔ ابن خلکان و تاتالی ۔۔ طبقات الامم اندلسی

ذوق سلیم سے عرب میں ایرانی موسیقی کو رواج دیا۔ اگرچہ عہد اُمیہ میں بھی متعدد مغنی پیدا ہو چکے تھے، لیکن ابوجعفر منصور، مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کی قدردانی اور فیاضی سے موسیقی کو فروغ ہوا۔ اس کے بعد برامکہ کی غیر معمولی فیاضی سے یہ فن درجہ کمال تک پہونچا۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے۔

ثم ظهر عصر البرامكه وهم محبون للعلم ومقربون اليهم اهل الادب فكان ممن قربوه من المغنين ابراهيم الموصلی وابنه اسحق وهما بمكان جليل من الادب الا انه غلب عليهما الغناء بما وضعاه من الالحان فاشتهرا بالكناية به وقد وضع ابو اسحق اللحن الماخوری الذی لم يشرکه فيه احد من المغنين وكان يظن لصعوبة الماخذ فی ابتداعه ان ابليس هو الذی القاه عليه فی المنام حتی توهم ان الارواح هی التی كانت تظهر عليه وتعلمه الاصوات التی يعجز عنها من الانس،

حضارة الاسلام ۔ جمیل نخلہ مدور

خلفاء کے بعد برامکہ کا زمانہ آیا۔ یہ علم دوست تھے، انکے دربار میں اہل ادب جمع ہوئے چنانچہ درباری مغنیوں میں ابراہیم موصلی اور اسکا بیٹا اسحٰق بھی تھا یہ دونوں ادبیات میں جلیل الشان تھے لیکن تمام علوم میں ان پر موسیقی غالب تھی۔ اور اُنھوں نے متعدد راگنیاں ایجاد کیں اور اسی بنا پر "کنایۃً" وہ مغنی مشہور ہوئے۔ اسحٰق کا باپ لحن ماخوری کا موجد ہے۔ اس راگ میں کوئی دوسرا مغنی اسکا سہیم و شریک نہیں ہے۔ اس لحن کا ادا کرنا نہایت دشوار تھا۔ شاید اسی وجہ سے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ابواسحٰق (ابراہیم) کو خواب میں شیطان نے یہ راگ سکھایا ہے اور وہ بھی اسی وہم میں مبتلا ہو گیا کہ روحیں اسکو ایسی راگنی سکھاتی ہیں جسکے ادا کرنے سے انسان قاصر ہے۔"

بلاشبہ عہد رشیدی میں ابراہیم اور اسحٰق ایسے باکمال مطرب تھے جنکے سامنے سب کے

راگ مدغم پڑ گئے تھے۔ اور یہی موسیقی کے سب سے بڑے معلم (پروفیسر) تھے۔ اور بقیہ اصحاب کا درجہ ان کے بعد ہے۔

۱۔ ابو اسحٰق ابراہیم موصلی

ابو اسحٰق ابراہیم بن میموں یا ماہان ارجانی الاصل تھا۔ میموں عمال بنو اُمیّہ کے مظالم سے بھاگ کر کوفہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اور اسی جگہ ۱۲۵ھ/۷۴۲ء میں ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ ہنوز دو سالہ تھا کہ یتیم ہو گیا۔ ماں نے پرورش کی، عہد طفلی موصل میں گذرا اور اسی شہر میں تربیت ہوئی۔ ابراہیم بھی تعلیم یافتہ تھا۔ لیکن موسیقی سے عشق تھا۔ لہٰذا اسی فن میں کمال حاصل کیا۔ مورخ ابن خلکان کا قول ہے کہ "ولم یکن فی زمانہ مثلہ فی الغناء واختراع الالحان"۔ یعنی ابراہیم کے زمانہ میں کوئی شخص راگنیوں کے ایجاد اور گانے میں اُس کا مدمقابل نہ تھا۔ موصل اور رے کے علاوہ ابراہیم نے جوان ہو کے شہر اُبلّہ میں بھی تعلیم پائی تھی اور موسیقی میں قدیم اُستاد سیاط[۱] کا شاگرد تھا۔ اور سیاط کو یونس کاتب سے تلمذ تھا جو قدیم ایرانی موسیقی کا عالم تھا۔ تکمیل فن کے بعد پہلی مرتبہ ابراہیم خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں حاضر ہوا۔ منصور نے گانا سنا، سمور دراج کا خلعت اور سات ہزار درہم انعام دیئے۔ یہ پہلا عطیہ تھا جو عباسی دربار سے ابراہیم کو ملا اور ابراہیم نے یہ کل رقم اپنی تعلیم پر صرف کی، اس کے بعد ہارون الرشید وغیرہ سے لاکھوں دینار و درہم انعام پائے اور امیر کبیر ہو گیا۔

اس کا باورچی خانہ ہمیشہ گرم رہتا تھا جس میں ہر قسم کی لطیف غذائیں تیار ہوتی تھیں۔ ہارون الرشید کی سرکار میں دس ہزار درہم ماہوار کا ملازم تھا۔ یہ اسوقت خوب گاتا تھا جب

---

[۱] ابو وہب عبداللہ ملقب بہ سیاط مکی، قبیلہ خزاعہ میں کسی کا غلام تھا۔ قدیم ایرانی موسیقی کا اُستاد تھا۔ یہ ساز پر زور سے مضراب لگاتا تھا اسوجہ سے سیاط (کوڑے مارنے والا) مشہور ہوا۔ عُقاب اسکا ہمعصر تھا۔ ابن جامع بھی سیاط ہی کا شاگرد ہے۔ آغانی

منصور (زلزل) اس کے ساتھ عود بجاتا تھا۔ حاضرین محفل مست و بیخود ہو جاتے تھے

فلیح[1]، ابن محرز، ابن جامع[2]، علویہ[3]، عمر بن بانتہ، غزال، حکم الوادی ابوزکار[4] اور برصوما زام (لے نواز) ابراہیم کے ہم عصر اور درباری مغنی تھے۔ اور ان میں مقابلے ہوا کرتے تھے اور ایسے ہی موقعوں پر ان مغنیوں کو بڑے صلے ملا کرتے تھے۔ یہ شاذ و نادر کسی امیر کے یہاں گاتے تھے انکا تعلق صرف خلیفہ اور برامکہ سے تھا۔

مذکورۂ بالا مغنیوں میں ابراہیم کے بعد ابن جامع کا درجہ تھا۔ اسحٰق موصلی[5] راوی ہے کہ ہارون الرشید نے ایک دن برصوما سے پوچھا کہ ابن جامع کے حق میں کیا کہتے ہو؟ کہا کہ شہد کا کیا پوچھنا ہے؟ جب چکھئے منہ میٹھا ہو جائیگا وہ تو شہد کی ایک مشک ہے۔ پھر پوچھا ابراہیم موصلی کی نسبت کیا رائے ہے۔ جواب دیا امیر المومنین وہ ایک چمن ہے جس میں ہر رنگ کے پھول شگفتہ ہیں اور خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ اس کے بعد سوال کیا کہ ابن محرز کی نسبت کیا خیال ہے؟ عرض کیا اس کی یہ شان ہے کہ جو شخص جو مزا چاہتا ہو وہی اس سے لیلے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انسان کے دل میں سے ڈوب کر نکلا ہے اور دریافت کر آیا ہے کہ اسے کیا چیز پسند ہے۔"

ایک[6] مرتبہ کسی قصور میں ہارون الرشید نے ابراہیم کو قید کر دیا تھا اسی زمانہ میں ایکدن رشید نے عیسٰی بن جعفر سے پوچھا کہ میری محفل میں کس شئے کی کمی ہے؟ جواب دیا ابراہیم مغنی کی غیر حاضری؟ اسی وقت حکم دیا کہ ابراہیم حاضر کیا جائے، یہ اس شان سے آیا کہ گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں، فوراً بیڑیاں کاٹی گئیں اور حکم ہوا کہ

---

[1] فلیح بن ابی العوراء مکی دربار رشید کا نامی مغنی ہے یہ بھی بنی مخزوم کا غلام تھا۔ مدینہ میں شہرت پائی۔ لحن نواقیس کا اُستاد تھا۔ آغانی ۹۸ جلد ۴ [2] اسمٰعیل بن جامع قریشی دولتمند مغنی تھا۔ سیاط کا شاگرد ہے۔ ابراہیم بن المہدی سے اسکے نبی مقابلے ہوا کرتے تھے۔ آغانی ۶۵ جلد ۲ [3] علی بن عبداللہ ملقب بہ علویہ، کنیت ابوالحسن، شاگرد ابراہیم موصلی ہے۔ امین الرشید کا خاص مغنی تھا۔ لحن ثقیل کا استاد ہے۔ اسحٰق موصلی اسکے کمال کا مداح ہے۔ جب اسحٰق کسی موقع پر علویہ کی تعریف کرتا تھا تو وہ اُٹھکر اسحٰق کی پیشانی کا بوسہ لیتا تھا عہد متوکل تک زندہ رہا۔ صفحہ ۱۱۵ جلد ۱۰۔ آغانی [4] ابوزکار نابینا، جعفر برمکی کا ملازم تھا۔ اسکا شمار بھی قدما میں ہے [5] آغانی صفحہ ۱۱ جلد ۶ [6] آغانی صفحہ ، جلد ۵

کچھ سناؤ"۔ اس کے بعد گھر جانے کی اجازت دی گئی۔

ابراہیم کے شاگردوں[۱] میں سلیم بن سلام کوفی اور مخارق[۲] بڑے نامور تھے اور یہ بھی درباری مغنی تھے۔ ابراہیم نے بمقام بغداد ۱۸۸ھ/۸۰۴ء میں بعارضہ قولنج انتقال کیا۔

۲- ابراہیم موصلی اور لحن ماخوری

عہد جاہلیت میں بھی عرب، جن، شیاطین اور بھوت پریت کے قائل تھے اور اس زمانہ میں بھی یہ عام خیال تھا کہ جن بعض علوم میں انسانوں کی رہبری کرتے ہیں اور جب وہ کسی پر مہربان ہو جاتے ہیں تو ان کو نفع بھی پہونچاتے ہیں۔ اصمعی کا بیان ہے کہ صحرائے بغداد میں رات کے وقت مجھے ایک جن ملا اور اس نے شعرائے متقدمین میں سے ایک قصیدہ کی فرمائش کی چنانچہ میں نے وہ قصیدہ سنایا، جن نے خوش ہو کر مجھے ایک تھیلی درہموں کی انعام دی۔ اسی قسم کی یہ روایت ہے جس کو حماد اپنے باپ اسحٰق موصلی سے روایت کرتا ہے کہ میرے دادا ابراہیم کو ایک جن نے لحن ماخوری سکھایا، جس کو کوئی دوسرا مغنی ادا نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اس دلچسپ فسانے کو آغانی اور اعلام الناس سے مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے امیرالمومنین سے درخواست کی کہ مجھے جمعہ کی تعطیل مرحمت ہو کہ اہل و عیال اور کنیزوں کی صحبت سے دل بہلاؤں۔ چنانچہ شنبہ کی رخصت منظور ہوئی۔ میں نے گھر پہونچ کر بزم طرب سجائی اور دربانوں کو حکم دیا کہ خبردار کوئی غیر آنے نہ پائے۔ اس انتظام کے بعد میں اپنے کمرہ میں بیبیوں کے ساتھ آکر بیٹھ گیا، کنیزیں اہتمام میں مصروف تھیں۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ یکایک ایک بزرگ تشریف لائے، چہرہ پرجلال تھا، موزہ، قمیص اور عبا پہنے تھے، سر پر ٹوپی تھی اور چاندی کا عصا ہاتھ میں تھا۔ ان کے آتے ہی سارا گھر مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ حضرت کی

[۱] آغانی صفحہ ۱۱ جلد ۶۔ [۲] مخارق بن یحییٰ ایک قصاب کا لڑکا تھا۔ ابراہیم موصلی نے خرید کیا اور موسیقی کی تعلیم دی۔ اسکے بعد فضل برمکی کے نذر کر دیا۔ فضل سے ہارون الرشید نے لیا اور اسکو غلامی سے آزادی نصیب ہوئی۔ رشید کے درباری مغنیوں میں مخارق بھی داخل تھا۔

صورت دیکھتے ہی مجھے غصہ آگیا کہ یہ بلا اجازت کیوں آئے۔ لیکن جب شیخ نے مجھے ادب سے سلام کیا، تو میں نے بھی سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کی اجازت دی، شیخ نے لطف صحبت کے لئے عربوں اور اُن کی شاعری کا تذکرہ چھیڑا اور ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی کہ میرا غصہ دھیما ہوا۔ اب میں نے خیال کیا کہ یہ شخص بڑا ادیب اور ظریف ہے اور غالباً دربانوں نے محض اس خیال سے آنے کی اجازت دی کہ اسکی صحبت نشاط انگیز ہوگی جب طبیعت کو سکون ہوا تو کھانے کی دعوت دی گئی، شیخ نے کہا بھوک نہیں ہے، پھر میں نے کہا کہ ساغر کا دور چلے؟ جواب دیا کہ یہ تمہاری خوشی پر منحصر ہے۔ الغرض میں نے ایک بڑا پیالہ اُن کو دیا اور ایک خود پیا۔ سرور میں آکر بڈھا بولا کہ ابو اسحاق! اب مجھے تم وہ دلکش راگ سناؤ جس کی بدولت تم مقبول خاص و عام ہو، اس کے بعد میں بھی اپنا گانا سناؤنگا، اس فرمایش پر مجھے غصہ آگیا، کہ میں امیرالمومنین کا مغنی ہوں کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ مجھ پر حکومت کرے اور میرے سامنے موسیقی کا دعویٰ کرنا اس سے زیادہ اور کیا حماقت ہوسکتی ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے ضبط کیا اور عود اُٹھا کر بجانا شروع کیا۔ ایک راگ سنایا تھا کہ بوڑھے نے گردن ہلا کر کہا کہ واہ! میاں ابراہیم! کیا خوب گا رہے ہو؟ اس تعریف پر بھی مجھے غصہ آیا کیونکہ شیخ نے میرا نام ادب سے نہیں لیا تھا، لیکن طبیعت پر جبر کرکے میں گاتا رہا اور سوچ سمجھکر ہر راگ کو ادا کیا کیونکہ میرے بعد شیخ کا نمبر تھا۔ جب میں گاچکا تو بڑی تعریف کی اور کہا کہ اب اپنے خادم کو اجازت دیجئے کہ وہ بھی کچھ سنائے۔ میں نے اجازت دی، بوڑھے نے عود بجانا شروع کیا اور یہ اشعار گائے۔

ولی کبد مقروحۃ من یبیعنی	میرا جگر زخمی ہے! کوئی ایسا ہے جو اس
بھا کبدا لیست بذات قروح	مجروح کو اچھے جگر کے عوض خرید کرے!
اباھا علی الناس لا یشترونھا	لوگوں نے اسکی خریداری سے انکار کردیا اور

ومن یشتری ذا علۃ بصحیح | سچ تو ہے) تندرست کے بدلہ میں بیمار کا کون خریدار ہے۔؟

خدا گواہ ہے جسوقت شیخ گا رہا تھا مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا عود عربی بول رہا ہے اور میرے گھر کی دیواریں اس کے ساتھ ہم نوا ہیں۔ میں اس وقت آپے میں نہ تھا نہ کچھ بول سکتا تھا، نہ جواب دیسکتا تھا۔ اس کے بعد اور اشعار سُنائے جس سے میرے رہے سہے حواس جاتے رہے (بقیہ اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں) جب گانا ہو چکا تو شیخ نے کہا کہ ابراہیم اس راگ کا نام **ماخوری** ہے۔ تو اس کو خود بھی گایا کر اور اپنی کنیزوں کو بھی سکھا دے، میں نے چاہا کہ وہ دوبارہ اس راگ کو گائے لیکن اس نے انکار کیا اور یکایک نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں تلوار لیکر اُٹھا سب دروازے بند تھے، دربانوں سے پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ آج کوئی غیر گھر کے اندر داخل نہیں ہوا ہے۔ ابھی تردد میں تھا، کہ آواز آئی، ابواسحاق! تم خوف زدہ نہ ہو، آج تمہارا ندیم وجلیس ملعون ابلیس تھا۔ میں لاحول پڑھتا ہوا اپنی جگہ پر واپس آیا"۔ شعرائے وقت نے ابراہیم اور اس کے لحن ماخوری کی بڑی تعریف کی ہے۔ رشید بھی یہ راگ فرمایش کر کے سُنا کرتا تھا۔

۲۔ برامکہ اور ابراہیم موصلی | ہارون الرشید کے جس قدر مغنی تھے وہ سب یحییٰ برمکی کے محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن جن کو برامکہ کی ڈیوڑھی سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ ابراہیم اور اسحق موصلی اور ابو زکار تھے۔ باقی صلے و انعام پایا کرتے تھے۔ ابراہیم بڑا دولتمند تھا، لیکن مرتے دم تک وہ حریص رہا اور بڑی ترکیبوں سے اس نے خزانہ جمع کیا۔ جسکی تصدیق ذیل کی واقعات سے ہوگی۔

مخارق راوی ہے کہ ایک دن علی الصباح میں اپنے اُستاد ابراہیم کے مکان پر گیا۔ دربان سے پوچھا کہ اُستاد کس شغل میں ہیں؛ اس نے کہا اندر تشریف لیجائیے آپ کو خود ہی معلوم ہو جائیگا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا اُستاد

تنہا بیٹھے ہیں اور جام وصراحی سامنے ہے لیکن استغراق کا عالم ہے۔ میں نے سبب پوچھا تو ارشاد ہوا کہ آج صبح سے متفکر ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے مکان کے قریب ایک زمین فروخت ہونے والی ہے جس کی مجھے ایک عرصہ سے ضرورت ہے لیکن قیمت اُس کی ایک لاکھ درہم ہے۔" میں نے کہا ایک لاکھ قیمت ہونا تردد کا سبب نہیں ہوسکتا، کیونکہ خداوند کریم نے اپنی مہربانی سے زمین کی قیمت سے بہت زیادہ آپ کو دولت وثروت دے رکھی ہے۔" کہا ہاں "یہ تو سچ ہے لیکن میرا دل اس کو گوارا نہیں کرتا ہے کہ اتنی بڑی رقم خزانے سے نکالکر باہر ڈال دوں۔" میں نے کہا پھر کیا تدبیر آپ نے سوچی ہے؟ کیونکہ امیر المومنین سے بھی یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ اتنی بڑی رقم دیدیں۔ اوروں کا تو کیا ذکر ہے؟ ابراہیم نے کہا کہ "تم اس کی فکر نہ کرو میں نے ایک تدبیر کامیابی کی نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ "تم کو ایک راگنی سکھاتا ہوں۔ یہ چند شعر[1] یحییٰ برمکی کی مدح میں ہیں اس کو یاد کرلو اور میرے لہجے میں جاکر سناؤ۔" چنانچہ جب میں وہ اشعار یاد کرچکا تو کہا کہ "اسی وقت یحییٰ برمکی کے در دولت پر حاضر ہو۔ آنے والے برابر آرہے ہونگے۔ اور ہنوز دربار عام شروع نہ ہوا ہوگا لہٰذا سب سے پہلے پہونچکر اپنی اطلاع کرانا اور جب یحییٰ کا سامنا ہو اور آنے کا سبب پوچھے تو عرض کرنا کہ فقط سلام کی غرض سے حاضر ہوا ہوں پھر باتوں ہی باتوں میں میرا حال بیان کرجانا۔ اسکے بعد یہ کہنا کہ آج میرے اُستاد ابراہیم موصلی نے مجکو ایک نیا راگ سکھایا ہے اور وہ اس قابل ہے کہ حضور کی فلاں کنیز کو سکھایا جائے چونکہ یحییٰ نئی راگنیوں کا ازحد شائق ہے وہ فوراً کنیز کو بلائیگا اور تجھے حکم دیگا کہ اسی وقت یہ راگنی کنیز کو سکھادے۔" چنانچہ ہدایت کے مطابق میں یحییٰ کے در دولت پر حاضر ہوا اور وہ تمام واقعات پیش آئے جیساکہ ابراہیم نے کہا تھا۔ جب میں کنیز کو تعلیم دے چکا تو مجھ سے یحییٰ نے پوچھا کہ مخارق! تم آج گھر جانا

[1] اشعار ہر موقع کے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

چاہتے ہو یا میرے پاس رہنا پسند کرتے ہو؟ میں نے دعا دیکر عرض کیا کہ ضرورتاً جانا چاہتا ہوں۔ تب ایک غلام کو حکم دیا کہ دس ہزار درہم مخارق کو دیدو اور ایک لاکھ درہم ابراہیم کے مکان پر بھیج دو کہ وہ زمین خرید کر لے۔" میں تو انعام لے کر گھر چلا گیا اور اپنے دوستوں میں خوشیاں منانے لگا' اور دوسرے دن صبح کو ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا خیال تھا کہ وزیر کے انعام سے خوش وخرم ہوگا۔ لیکن دیکھا تو اگلی حالت پر پایا۔ میں نے بہت سی ترکیبیں کیں کہ ہنسے بولے مگر وہ خوش نہوا۔ پھر میں نے پوچھا کہ عطیہ وزیر تو پہنچ چکا ہوگا کہا "ہاں" لیکن میرا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوا ہے کیونکہ وہ روپیہ بھی داخل خزانہ ہوچکا ہے اور میں جیسا بخیل پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہوں۔" ابراہیم کی گفتگو سے مجھے بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اُستاد اب کیا ہوگا؟ تب مجھ سے کہا کہ آج تمہیں دوسری راگنی سکھاتا ہوں' یہ کل والی راگنی سے بڑھکر ہے۔ میں نے سُنا تو حقیقت میں وہ ایک نئی چیز تھی۔ جب میں یاد کر چکا تو کہا کہ آج فضل بن یحییٰ کے یہاں جاؤ بیٹے کی ولادت کی خوشی میں فضل ایک تقریب کرنے والا ہے لیکن یہ جلسہ خاص ہوگا جب فضل سے ملاقات ہو تو میرا قصہ اور یحییٰ برمکی کی فیاضی کا حال کہدینا۔ پھر اُس راگنی کا ذکر کرنا جو تم کو آج سکھائی ہے۔" چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فضل نے ابراہیم کا حال سُنا تو اُس کی کنجوسی پر لعنت ملامت کرتا رہا۔ لیکن ابراہیم کی جدید راگنیوں کا یہ بھی شیدا تھا۔ اپنی ایک کنیز کو بلاکر میرے سپرد کیا۔ میں نے تعلیم شروع کردی' ہنوز پورے طور پر کنیز کو سکھا نہیں چکا تھا کہ فضل جوش مسرت سے کہنے لگا کہ "خدا کی قسم تو اور تیرا اُستاد دونوں کامل ہیں۔" اور خوش ہوکر حکم دیا کہ بیس ہزار درہم مخارق کو اور دو لاکھ درہم ابراہیم کو دیئے جائیں۔" میں تو اپنے حصّے کا انعام لے کر چل دیا اور تمام دن عیش و طرب میں گزارا' اور صبح کو پھر اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن یہاں آج بھی وہی رنگ

لہ مخارق نے یہ نظم فضل کو سنائی تھی "وتفرح بالمولود من آل برمك" (یہ نظم کسی دوسری جگہ نقل کی گئی ہے)۔

تھا۔ میں سمجھ گیا کہ فضل کا عطیہ بھی "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق ہو چکا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس شخص کو ایسی دولت بے دریغ ملے اور پھر بھی وہ اپنے نفس پر جبر کرے اُس سے زیادہ بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد ابراہیم نے مجھے آج ایک اور راگنی سکھائی جو گزشتہ دونوں سے بھی زیادہ دلکش تھی اور حکم دیا کہ آج جعفر برمکی کے یہاں جاؤ اور پچھلے حالات بیان کرو۔" چنانچہ جعفر نے بھی اپنے بزرگوں کے تقلید میں کنیز کو وہ اشعار یاد کرائے اور ابراہیم کی لے میں سُنکر خوش ہوا اور رخصت کے وقت تیس ہزار درہم مجکو اور تین لاکھ درہم ابراہیم کو دیئے۔ میں شاداں و فرحاں اپنے گھر گیا۔ جب صبح کو میں ابراہیم سے ملا وہ نہایت خوش تھا میں نے حال پوچھا تو تکیئے کے نیچے سے ایک دستاویز نکال کر مجھے دی، بائع اس کا بغداد کا رہنے والا تھا اور مشتری یحییٰ برمکی تھا اور قبالہ کے ساتھ ایک رقعہ بھی تھا، جس کا یہ مضمون تھا کہ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر تمام دنیا کی دولت ابراہیم کو مل جائے تب بھی وہ زمین نہیں خرید کرے گا۔ اس لئے میں اپنے داموں سے خرید کر کے قبالہ بھیجتا ہوں۔" جب میں کاغذات پڑھ چکا تو ابراہیم نے کہا کہ "مخارق دنیا میں ایسے ہی لوگوں کے ساتھ معاشرت کرنا چاہئے کیونکہ ساٹھ ہزار درہم تجھے ملے اور چھ لاکھ نقد اور ایک لاکھ کی جائداد مجھے ملی، حالانکہ میں نے گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں نکالا۔ پھر ان کی فیاضیوں کا خیال کر کے رونے لگا کہ جب یہ نہ ہونگے تو ہماری ایسی قدر کون کریگا۔ اور کون ایسے بڑے صلے دیگا۔[1]

۴۔ یحییٰ کی فیاضی ابراہیم موصلی بیان کرتا ہے کہ میں ایک دن یحییٰ برمکی کے پاس گیا اور اپنی تکلیف کی شکایت کی سُنکر افسوس کیا اور کہا کہ اسوقت خزانہ میں کچھ موجود نہیں ہے، مگر ایک تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ والی مصر کا وکیل

[1] کتاب الوزراء جہشیاری صفحہ ۲۴۰ و ابن خلکان۔

ایک سال سے مقیم ہے اور وہ مجھ کو ایک قیمتی تحفہ دینا چاہتا ہے۔ میں نے ہر چند انکار کیا مگر وہ مصر ہے اور میں نے سُنا ہے کہ تمہاری ایک کنیز فروخت ہو رہی ہے جسکی قیمت تیس ہزار دینار ہے۔ لہذا تم اس وکیل کو اطلاع دو۔ جب یہ کنیز ہدیہ میں پیش ہو گی تو میں تمہارے یہاں واپس کر دونگا۔ لیکن خبردار! قیمت میں کمی نہ کرنا۔ چنانچہ اسکے بعد ہی وکیل کا ایک خادم آیا اور بیس ہزار میں کنیز کا سودا طے ہو گیا، رقم کثیر تھی مجھ سے صبر نہ ہو سکا، قیمت وصول کر لی۔ اسکے بعد میں یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا، جب یہ سُنا کہ کنیز بیس ہزار دینار میں فروخت کر دی تو کہا بڑے سستے داموں بیچ ڈالا اور کنیز میرے حوالہ کر دی۔ اسی طرح دوبارہ یہ کنیز وکیل فارس نے تیس ہزار پر خرید کر کے یحییٰ کی نذر کی، اور یحییٰ نے کنیز میرے یہاں بھیجدی، خلاصہ یہ ہے کہ وزیر السلطنۃ کے ایک اشارہ سے مجھے پچاس ہزار دینار وصول ہو گئے۔

۲۔ اسحٰق موصلی

ابو محمد اسحٰق بن ابراہیم موصلی، علم و فضل اور موسیقی میں اپنے باپ سے بھی بڑھکر تھا۔ نحو میں فراء[۱] اور کسائی[۲] کا لغت میں اصمعی اور ابو عبیدہ[۳] کا، حدیث میں سفیان[۴] بن عینیہ اور ابو معاویہ ضریر کا شاگرد تھا۔ موسیقی کی تعلیم سیاط اور ابراہیم سے پائی تھی۔ زلزل سے عود بجانا سیکھا تھا اور قدیم راگ شُہدہ مغنیہ سے حاصل کئے تھے۔ اور اپنے معلموں کو ہمیشہ نذرانے دیا کرتا تھا، چنانچہ دوران تعلیم

---

[۱] یحییٰ بن زیاد فراء نحوی کوفی، کسائی کا شاگرد تھا۔ ثعلب کا قول ہے کہ اگر فراء نہ ہوتا تو آج علم عربیت نہ ہوتا۔ اسکی تصنیف میں چھ ہزار صفحات ہیں۔ جس میں کتاب الحدود بہت مشہور ہے۔ نحو کے علاوہ لغت، فقہ، نجوم، طب، ایام العرب کا بھی ماہر تھا۔ مامون الرشید کے بیٹوں کا معلم تھا۔ ۲۰۷ھ/۸۲۲ء میں فوت ہوا۔ نزہت الالباء۔ [۲] ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی، نحو کے علاوہ قرأۃ و تجوید کے امام تھے حمزہ زیات اور خلیل بن احمد بصری سے نحو کی تکمیل کی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے احرام میں کمل باندھا تھا، اس لئے کسائی مشہور ہوگئے۔ ہارون الرشید اور امین الرشید کے استاد تھے ۱۸۹ھ/۸۰۴ء میں انتقال ہوا۔ [۳] ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی لغت اور اشعار عرب کا عالم تھا۔ ۱۱۰ھ/۷۲۹ء میں ولادت ہوئی۔ فضل بن ربیع وزیر مامون نے اسحٰق موصلی کے سفارش پر بصرہ سے بلایا تھا۔ مجاز القرآن اسکی مشہور کتاب ہے۔ اسمیں اُن آیات کی تفسیر ہے جسطرح یہ آیت ہے "طلعہا کانہ رؤس الشیاطین" ۲۰۰ سے زائد کتابیں اسکی مصنفہ ہیں ۲۰۹ھ/۸۲۴ء میں انتقال کیا۔ [۴] ابو محمد سفیان کوفی زاہد، مفسر و محدث ہیں۔ ولادت ۱۰۷ھ/۷۲۶ء وفات ۱۹۸ھ/۸۱۳ء

میں زلزل کو ایک لاکھ درہم نذر کئے

اسحٰق کے تبحر علمی کا ایک خاص واقعہ لکھا جاتا ہے۔ یہ ایک دن قاضی یحییٰ بن اکثم (عہد مامون الرشید) کی مجلس میں حاضر ہوا، یہاں ہر علم وفن کے باکمال جمع تھے۔ اسحٰق نے اوّل متکلمین سے مناظرہ کیا، پھر قضاۃ سے مخاطب ہوا۔ اخیر میں شعر و لغت میں گفتگو کی اور ان جملہ علوم میں کامیاب ہوا۔ اسکے بعد قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ حضور بنظر انصاف فرمائیں! کہ میں نے کسی مسئلہ میں غلطی تو نہیں کی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں تب اسحٰق نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ میں مغنی مشہور ہوں اور دوسرے علوم کی طرف نسبت نہیں ہے۔ اب قاضی صاحب عطوی جدلی کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا تم اسحٰق کے اعتراض کا جواب دو۔"

اُنہوں نے اسحٰق سے پوچھا کہ تم نحو میں فرار اور اخفش[1] اوسط ہو؟ کہا نہیں پھر دریافت کیا کہ لغت میں اصمعی اور ابو عبیدہ کا درجہ رکھتے ہو؟ کہا نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ؟ علم الانساب میں کلبی[2] اور علم کلام میں ابوالہذیل علاف اور نظام ہو؟ کہا نہیں، اخیر میں سوال کیا کہ موسیقی میں تمہارا کوئی سہیم و شریک ہے"، اسحٰق نے کہا کہ اس فن میں کوئی میرا مماثل نہیں ہے۔

یہ سُن کر عطوی نے کہا کہ جب تم کو خود اقبال ہے کہ موسیقی میں تم عدیم النظیر ہو اور دیگر علوم میں کسی مخصوص علم وفن سے منسوب نہیں ہو تو تمہارے لئے مغنی ہی کا لقب موزوں

---

[1] اخفش اکبر کا نام عبدالحمید بن عبدالمجید۔ اور اخفش صغر کا نام علی بن سلیمان تھا۔ طلبہ میں بز اخفش کا قصہ مشہور ہے اخفش اوسط ابو الحسن سعید بن مسعد نحو کا مشہور عالم ہے۔ سیبویہ کا شاگرد اور فرار کا ہم عصر ہے۔ عروض میں بحر محتبث اسکی ایجاد ہے۔ مشہور مصنف بھی ہے ۲۱۵ھ / ۸۲۱ء میں فوت ہوا۔ (نزہت)

[2] ابو المنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی کوفی، علم الانساب میں کوئی اُنکا مثل نہ تھا۔ قوت حافظ نہایت زبردست تھی قرآن کریم صرف تین یوم میں حفظ کر لیا۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کے لئے کتاب الملوک لکھی۔ انساب میں کتاب جمہرہ یادگار ہے۔ مامون الرشید کے عہد میں ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ / ۸۲۱ء میں انتقال کیا۔ ابن خلکان۔

ہے کیونکہ موسیقی کا جملہ علوم پر غلبہ ہے۔ اسحٰق اس کی تردید نہ کر سکا اور ہنستا ہوا مجلس سے اُٹھکر چلا گیا۔

قاضی صاحب نے فرمایا، عطوی! تمہارا استدلال اگرچہ صحیح تھا لیکن اسحٰق کے حق میں یہ صریح ظلم ہے کہ باوجود علامہ ہونے کے وہ صرف مغنی کے حقیر لقب سے یاد کیا جائے۔[1]

یہ وہ داغ ہے کہ حکومت بھی باوجود کوشش کے نہ مٹا سکی اور اسحٰق کی زندگی کا یہ واقعہ اہل علم کے لئے عبرت ہے۔

بہرحال علمی کمالات کی بنا پر خلفائے عباسیہ، اسحٰق کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسحٰق نے مامون الرشید سے درخواست کی کہ مجھے دربار میں علماء کا لباس پہن کر آنے کی اجازت ہو۔ مامون نے کہا اسحٰق! اگر تو مغنی کے ذلیل خطاب سے مشہور نہ ہوتا تو میں تجھ کو منصب قضا پر ممتاز کرتا۔ لیکن اس درخواست کے معاوضہ میں ایک لاکھ درہم انعام دیئے جاتے ہیں اور مزید عزت افزائی یہ کی کہ فقہاء کا لباس پہن کر دربار میں آنے کی اجازت دی اور حکم دیا کہ وہ ندیموں کے ہمراہ بیٹھا کرے۔[2]

اسحٰق کو تمام عمر اپنے کمال موسیقی پر رنج رہا اور محض غلبہ موسیقی کے سبب سے وہ طبقہ علماء میں داخل نہ ہو سکا۔

اسحٰق موصلی بھی لحن تخنیث کا موجد ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے۔ جب یہ گاتا تھا تو اہل محفل مدہوش ہو جاتے تھے۔ مورخین کا فیصلہ ہے کہ اصول موسیقی پر اسحٰق نے قلیل مدت میں جو اضافے کئے ہیں وہ یونانی صدیوں میں نہ کر سکے۔ چنانچہ اس فن پر اس کا رسالہ سب سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے۔ جس میں نغمات کی تقسیم اصول ریاضی کے مطابق کی گئی ہے۔[3]

---

[1] نزہت مطبوعہ مصر [2] آغانی صفحہ ۹۴ جلد ۵ [3] آغانی جلد ۵ د ۶

اسحٰق نے یحییٰ مکی اور یونس کاتب کی غلطیاں نکالی ہیں جو قدیم موسیقی کے استاد تھے۔
اسلامی موسیقی اور عود نوازی کا اسحٰق پر خاتمہ ہو گیا ہے اور کمال فن کے لحاظ سے اسحٰق عرب کا
تان سین[۵] خاں اور یونان کا آرفیوز (Orpheus) کہا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید کے بزم طرب میں دس کنیزیں عود پر گا رہی تھیں، لیکن
ایک تار غلط بج رہا تھا، اسحٰق نے چالیس[۱] تاروں کی جھنکار میں غلطی پکڑی اور جو کنیز غلط
بجا رہی تھی اسکو متنبہ کیا۔ یہ انتہائے کمال کی دلیل ہے۔ جس کی نظیر سے یونان کی تاریخ
بھی خالی ہے۔

اسحٰق کے کمال کی داد، صرف معتصم باللہ نے دی ہے اس کا قول ہے کہ جب اسحٰق
گاتا ہے تو عالم سرور میں یہ خیال آتا ہے کہ میری سلطنت میں کسی نئے ملک کا اضافہ
ہو گیا ہے۔

اسحٰق کا ذاتی کتب خانہ بھی لاجواب تھا۔ دیگر علوم کے علاوہ موسیقی پر جسقدر کتابیں
تصنیف و ترجمہ ہوئیں وہ سب موجود تھیں۔ خصوصاً کتب لغت اس کثرت سے تھیں کہ
ابن الاعرابی کے یہاں بھی نہ تھیں۔ شعراء اور علماء اپنے ہر تصنیف کا ایک نسخہ اسحٰق
کے پاس نذر بھیجتے تھے۔ اور یہ گراں بہا صلہ دیتا تھا۔

اسحٰق کی ۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی اور رمضان ۲۳۵ھ (۸۴۹ء) میں فوت ہوا۔ یہ متوکل
علی اللہ کا زمانہ تھا۔ اسحٰق کی ماں کا نام شاہک تھا جو ابراہیم کی دوسری بی بی تھی۔
برامکہ نے بھی اسحٰق کو لاکھوں دینار و درہم انعام دیئے تھے۔ مغنیوں میں یہ باپ
بیٹے شریف تھے ورنہ اکثر مغنی غلام اور ادنیٰ درجہ کے تھے۔ ہمعصروں میں اسحٰق
اپنے باپ ابراہیم، حکم[۲] الوادی فلیح اور سیاط کے کمال کا قائل تھا۔ اسحٰق نے موسیقی

---

[۱] انتخاب از اغانی جلد ۱-۲-۳-۵-۶ و ابن خلکان جلد اول والحصری جلد ۲ [۲] حکم بن میمون ملقب بہ حکم الوادی ایک حجام کا
بیٹا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے غلاموں میں پرورش پائی، ہزج کا استاد تھا۔ دف پر خوب گاتا تھا۔ رشید نے ایک دن حکم کو
تین لاکھ درہم انعام دیئے [۵] تان سین کی اولاد ہنوز الور میں موجود ہے۔

میں جو کمال حاصل کیا وہ دولت جمع کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ ایک علمی ذوق تھا جو تمام علوم پر غالب رہا۔

۳۔ اسحاق موصلی ہٰرون الرشید کی نظر میں

اسحٰق کی عظمت، ہارون الرشید کے دل میں ایک مغنی کی حیثیت سے نہ تھی بلکہ اسکا وہی مرتبہ تھا جو ایک عالم یا ندیم خاص کا ہو سکتا ہے۔

ایک دن[1] کا واقعہ ہے کہ رشید اپنے سیاہ خچر پر سوار ہو کر یکایک اسحاق کے مکان پر پہونچ گیا (یہ وہ خچر ہے جس پر سوار ہو کر رشید محل کے پائین باغ وغیرہ میں تفریح کیا کرتا تھا) پانسو غلام و پیادے اور چند ندیم ہمرکاب تھے۔ اسحٰق نے بڑھکر اپنے آقا کا استقبال کیا، رکاب کو بوسہ دیکر سواری سے اُتارا اور مسند پر لاکر بٹھایا۔ اور جملہ خدام کی حلوے سے تواضع کی گئی (باورچیخانہ کی وسعت ملاحظہ ہو) اور اسحاق نے کنیزوں کو حکم دیا اُنہوں نے گانا شروع کیا۔ پھر نبیذ کا دور شروع ہوا۔ جس میں رشید بھی شریک ہوا۔ اور اسحاق سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تیری عزت افزائی ہو۔ اور یہ بھی اندازہ ہو کہ تو مجھے کسقدر محبوب ہے۔"

اس کے بعد رشید جلوس کے ساتھ واپس گیا۔ اسحاق کا مکان باب الشماسیہ[2] میں قطربل کے مشرق جانب تھا۔

۴۔ موسیقی کی کمال قدردانی

یحییٰ برمکی نے اسحٰاق[3] موصلی کے ساتھ جو فیاضی کی ہے اُس کا حال بھی نہایت دلچسپ ہے۔ جس کو خود اسحاق نے اس طرح روایت کیا ہے کہ میرے پاس ایک نہایت خوبصورت مغنیہ کنیز تھی جسکے حسن و جمال پر میں فریفتہ تھا۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ عبداللہ بن مالک خزاعی کو جو دربار میں ایک مقتدر امیر تھا اس نے ایک رقعہ میری طلبی میں لکھا اور دس ہزار درہم

---

[1] اعلام الناس و آغانی جلد ۵ [2] معجم البلدان یاقوت [3] ضیاء برنی قلمی و حدیقۃ الاقالیم۔

تہنیت فرزند میں رقعہ کے ساتھ بھیجے۔ میں حسب الطلب چلا گیا۔ دیکھتا ہوں تو عبداللہ نشے میں جھوم رہا ہے۔ مجھے دیکھکر کہا کہ اسحاق! اسوقت ساز چھیڑو اور اس لَے سے کوئی چیز سُناؤ کہ روح میں تازگی پیدا ہو جائے۔"

ایسے خلاف تہذیب کلمات میں نے اب تک عبداللہ سے نہیں سُنے تھے۔ اس لئے میں نے خیال کیا کہ غالباً یہ اُسی دس ہزار درہم کا سبب ہے۔ ورنہ میں ندیم اور مغنی خلیفہ ہارون الرشید کا ہوں! اس بیباکی سے کوئی شخص مجھ سے فرمائش نہیں کر سکتا ہے۔ پھر بھی مصلحت وقت سمجھکر میں نے کچھ گانا شروع کیا، مگر بے دلی کے ساتھ بے وقت کی راگنی سے مجھے خود مسرّت نہ تھی اور دل اُچاٹ ہو رہا تھا۔ اس لئے عبداللہ کا بھی جی نہ لگا اور دو تین بار اپنے مصاحبوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ "اسحٰق تو برامکہ ہی کی محفل میں خوب گلے بازیاں کرتا ہے۔ ہمارے یہاں کیوں جی لگاکر گانے لگا؟ اور یہ برامکہ[1] حقیقت میں مجوسی ہیں اور معمولی آدمی۔ امیرالمومنین منصور نے خالد کو عروج پر پہنچا دیا تھا اور ہم عرب ہیں، اہل نسب ہم کو خوب جانتے ہیں۔ پھر برمکی ہم سے کیونکر افضل، اور فیاضی میں کیسے ہمارے برابر ہو سکتے ہیں"؟ عبداللہ کی یہ تقریر سُنکر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور نہایت ہی صدمہ ہوا، چونکہ میں پہلے سے بھرا بیٹھا تھا۔ اس لئے یہ متکبرانہ گفتگو اور بھی غضب ہو گئی اور میں بول اُٹھا کہ "جو فیاضیاں برامکہ نے کی ہیں وہ دوسرے سے ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ بھی انسان ہیں لیکن مروّت و سخاوت میں کوئی شخص عرب و عجم میں اُن کا مقابل نہیں ہے اگر ارشاد ہو تو صرف ایک اپنا واقعہ مثالاً عرض کروں" میرے یہ الفاظ عبداللہ کو بہت ہی تلخ معلوم ہوئے اور سب نشہ کافور ہو گیا۔ سنبھل بیٹھا اور کہا کہ "ہاں جو کہنا ہے کہو"۔ میں نے کہا کہ "ایک دن یحییٰ برمکی نے علی الصباح مجھکو بلایا۔ اُس زمانے میں میرا مکان معمولی حیثیت کا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑا دہلیز کے اندر باندھا جاتا تھا، دن رات ہی پریشانی

[1] اس عہد کے امراء بھی برامکہ کو مجوسی کہہ کر خطاب کرتے تھے اور عربوں میں مجوسیوں کی کچھ عزت نہ تھی۔

تھی اور میں چاہتا تھا کہ اگر کوئی ہمسایہ اپنا مکان فروخت کرے تو لے کر مکان کو وسیع
کروں۔ اتفاقاً اُسی وقت ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھے ایک ضرورت ہے اپنا مکان بیچتا
ہوں، اگر خریداری منظور ہے تو بسم اللہ! نقد دام دلوائیے اور دربار وزیر کا جانا آج ملتوی
کردیجیے۔ یحییٰ کے انعامات اور صلے کی طمع سے تو یہی جی چاہتا تھا کہ فوراً چلا جاؤں لیکن
مجبوری اور نئی عمارت کے شوق سے بھی اُس وقت نہ جاسکا۔ لین دین کے جھگڑوں
میں ایک پہر دن چڑھ گیا تھا۔ مگر میں اُسی وقت دربار میں پہنچا۔ یحییٰ نہایت بشاش اور
خوش وخرم بیٹھا ہوا تھا، مجھے دیکھکر ہنسا اور کہا کہ "واہ صاحب! جلسۂ صبوحی کی تو خوب
قدر کی" میں قدموں پر گر پڑا، اور معذرت کے ساتھ دیر تک وجہ توقف اور خریداری مکان
کا راگ گاتا رہا۔ میرا حال سُنکر یحییٰ کو پسینا آگیا اور کہا کہ "افسوس!! تمہارے حال سے
میں اِس قدر بے خبر ہوں، یہ سراسر میرا قصور ہے۔ میں نے پھر معذرت کی اور حسب حال گانا
شروع کیا۔ راگنی وقت کے مناسب تھی خوب ہی سماں بندھا اور یحییٰ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی
بعد فراغ جلسہ نہایت قیمتی خلعت، ایک راس اسپ مطوق اور ایک لاکھ درہم انعام
دیا، تھوڑی دیر بعد ایک وکیل کو بُلایا اور حکم دیا کہ اسحاق کے مکان میں جاکر بالاخانے سے
دیکھو جس قدر مکانات گرد و پیش میں نظر آئیں۔ دوچند سہ چند یا جس قیمت پر اُن کے مالک
راضی ہوں تمام مکانات خرید کر کے سلسلۂ تعمیر جاری کردو تاکہ شاہانہ طرز کی عمارت بہت
جلد بنکر تیار ہوجائے جدید مکان میں اسحاق ہماری دعوت کرے گا۔" وزیر السلطنت کا یہ
حکم سُن کر میں جامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے خواجہ حامد
وکیل میرے مکان پر پہنچ گیا۔ اور محل کی چھت پر بیٹھ کر حکم دیا کہ "روپئے کی تھیلیاں
میرے ساتھ ہیں اپنے پڑوسیوں کو بُلاؤ تاکہ منتخب شدہ مکانات کا معاوضہ دے دیا جائے"
میں نے تیرہ مکانات منتخب کیے۔ مالکان نے یحییٰ برمکی کی خریداری سمجھکر اصلی لاگت سے
سہ چند قیمت مانگنا شروع کی اور خاطر خواہ دام لیکر دعائیں دیتے ہوئے چل دیئے۔ اُسی روز

سے تعمیر شروع ہو گئی اور کاریگروں کو تاکید کی گئی کہ بہت جلد مکان تیار ہو جائے۔ تیسرے دن میں نے چاہا کہ اور مکانات خرید کروں تو معلوم کہ ابو نصر احمد اصفہانی اُن مکانات کو جو خواجہ حامد طے کر چکا تھا دو چند قیمت پر خرید کر رہا ہے اور جو صناع اب تک اس عمارت میں کام کرتے تھے اُن کو بھی زیادہ اُجرت دے کر ہم سے چھین لیا۔ اور اپنے مکانات کی تیاری شروع کر دی' یہ کرشمے میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا مگر چپ تھا۔ جب خواجہ حامد کی نگرانی میں میرا مکان تیار ہو گیا اور ابو نصر احمد کے مکانات بھی بن گئے تو حامد نے یحیٰی برمکی سے اطلاع کی حکم صادر ہوا کہ "شاہانہ طریقے سے مکانات آراستہ کئے جائیں۔ ہر قسم کے ظروف نقرئی۔ شیشہ آلات اور زربفت کے پردے اور جس قدر لونڈی غلام جو مہمانوں کی خدمت کے واسطے کافی ہوں بھیج دیئے جائیں' اور خوش جمال مغنیہ کنیزیں بھی بھیجی جائیں' غرضکہ ہر قسم کے ساز و سامان سے میرے مکانات نمونۂ فردوس بن گئے اور علاوہ آرائش کے ایک لاکھ درہم ضروری اخراجات دعوت کے واسطے بھیج دیئے۔ جب تمام سامان مرتب ہو گیا تب یحیٰی نے کہا کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ اسحاق ہماری دعوت کریگا۔" میں نے نہایت ادب سے سر جھکا کر عرض کیا کہ "بسم اللہ تشریف لے چلئے۔ جو کچھ ہے وہ بندگان عالی کا عطیہ ہے۔" چنانچہ وقتِ مقررہ پر بندہ نوازی سے یحیٰی، فضل و جعفر اور تمام ندیموں کے ہمراہ میرے مکان پر آگیا اور مجلس عیش و طرب کی گرم ہوئی۔ اُسوقت کی خوشی کوئی میرے دل سے پوچھے! بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ یحیٰی اور اس کے فرزندوں پر قربان ہو جاؤں' تھوڑی دیر تک یحیٰی نیچے کے درجے میں مشغول عیش و نشاط رہا۔ پھر بالاخانے کا قصد کیا۔ وہاں بھی عمدہ مجلس مرتب تھی۔ کچھ دیر تک وہاں بھی اسی قسم کی صحبت رہی۔ سامنے سے ابو نصر احمد کے عالیشان محل نظر آرہے تھے اُن کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ اسحاق! تمہارے پڑوس میں یہ خوشنما عمارت کس کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابو نصر احمد کی! اور ساتھ ہی وہ تمام زیادتیاں جو اب تک ہوئی تھیں کہہ گزرا' لیکن میری اُمید کے

خلاف یحییٰ نے ابونصر کو کچھ بھی نہ کہا' بلکہ میری باتوں پر خوب قہقہے لگائے تب تو مجھے بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں نے ناحق یہ تقریر کی۔ تھوڑی دیر بعد حکم دیا کہ ابونصر کے مکان کی ایک دیوار (جو میرے مکان سے متصل تھی) درمیان سے شق کر دیجائے۔ چنانچہ فوراً اسکی تعمیل ہو گئی' اور یحییٰ مع رفقا کے میرے مکان سے اٹھکر جدید دروازے سے وہاں چلا گیا میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ تو وزیر کا ظلم ہے کہ ابونصر کے مکان میں بلا حصول اجازت چلا گیا ہے اور تنہا بھی نہیں بلکہ مصاحبوں کے ساتھ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ساز و نغمہ بھی چھیڑ دیا ہے۔ ان خیالات کا سلسلہ میرے دل میں بڑھتا جاتا تھا' لیکن کسی سے اب تک میں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ سب کے ہمراہ میں بھی ابونصر کے مکان میں داخل ہوا۔ یحییٰ نے اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ اول وقت ہم تمہارے مہمان تھے۔ دوسرے وقت ایسے معزز شخص کے مہمان ہیں جس نے شاہانہ طرز پر دعوت کا سامان کیا ہے۔ دیکھو! یہ مکان کیسا آراستہ ہے۔ عطر کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ غلام' کنیز' طعام' شراب اور سب سامان ہمارے لائق مہیا ہے' پھر دستر خوان چنا گیا' چاندی سونے کے خوبصورت ظروف سے تمام محل جگمگا رہا تھا' پر تکلف زربفت کے دستر خوان سب کے سامنے بچھے ہوئے تھے۔ بعد از فراغ طعام۔ یحییٰ نے مجھے بلا کر کہا کہ "اسحاق! ابونصر کی شکایتیں اور سختیاں تمہاری زبانی سُنکر مجھے ہنسی آ گئی' اس پر تم کو تعجب ہوا ہو گا۔ پھر مکان کی دیوار توڑ کر اس مکان میں آنا اور بھی برہمی اور استعجاب کا باعث تھا۔" میں نے عرض کیا کہ "بیشک" یحییٰ نے جواب دیا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ابونصر بھی میرا ہی وکیل ہے یہ کل محل اور عمارات مع اسباب کے سب تمہارے واسطے ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اُسمیں یہ حکمت تھی کہ تم کو شادی مرگ نہ ہو جائے اور قصداً ابونصر کے ذریعے سے تکلیف دی گئی۔" میں نے وزیر کا شکریہ ادا کیا' پھر جعفر اور فضل سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اسحاق کے واسطے کیا ہدیہ لائے ہو۔؟ صاحبزادوں نے عرض کیا کہ "جو ارشاد عالی ہو۔ تعمیل کیجائے۔" یحییٰ نے

کہا کہ "اچھا تم دونوں بھائی بیس ہزار دینار دو کہ کچھ دنوں اسحاق امیرانہ زندگی بسر کرے اور کسی کا محتاج نہ ہو۔" اسحاق کہتا ہے کہ برامکہ کی یہ فیاضی میری انتہائی استعجاب کا باعث ہوئی کیونکہ یہ عدیم النظیر فیاضی تھی۔ اسکے بعد جلسہ ختم ہوگیا۔ اور یحییٰ نے جملہ مکانات اور کل سامان میرے سپرد کر دیا۔

اس واقعہ کے اظہار کے بعد میں نے عبداللہ سے کہا کہ اب آپ اس فیاضی کے مقابلہ میں کوئی واقعہ بیان کریں۔ اس کے جواب میں عبداللہ نے کہا کہ میں برمکیوں کا ذکر سننا نہیں چاہتا ہوں۔ اس کے بعد عبداللہ میری صورت سے ہمیشہ بیزار رہا۔

خلفائے عباسیہ کی بزم طرب

سفاح اور مہدی عباسی جب گانا سنتے تھے تو پردے لٹکا دیئے جاتے تھے۔ مغنی پردہ کی آڑ میں بیٹھا کرتے تھے اور خلیفہ جو راگ سننا چاہتا تھا وہ حاجب آکر مغنیوں سے کہتا تھا اور پردہ کے اندر سے خلیفہ کی مدحیہ الفاظ مغنیوں تک پہونچتے تھے۔ اور کبھی یہ بھی فرمایش ہوتی تھی کہ اس راگ کو دوبارہ سناؤ۔ ایسے موقع پر جوش مسرت سے یہ خوب گلے بازیاں کرتے تھے۔

خلیفہ ہادی اور رشید نے پردہ اٹھا دیا تھا۔ وہ علانیہ ندیموں کے ساتھ مطربوں اور مغنیہ کنیزوں کا گانا سنا کرتے تھے۔ ان خلفاء میں ہادی سب سے زیادہ انعام دیتا تھا۔ اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ اگر ہادی چند سال اور زندہ رہ جاتا تو میرے گھر کی دیواریں طلائی ہو جاتیں۔

رشید نے یہ جدت کی تھی کہ جب وہ باغ میں کنیزوں کا گانا سنتا تھا تو انکی صف بندی کیجاتی تھی۔ عود نواز کا پرا الگ ہوتا تھا۔ اور دف نواز اور بانسری بجانے والیاں جداگانہ کھڑی ہوتی تھیں، اور یہ ایک ساتھ ملکر گاتی تھیں۔ تھیٹروں میں جب پہلا پردہ اٹھتا ہے

سلہ آغانی جلد ۴ و کتاب التاج جاحظ +

اور ایک ساتھ رقاصائیں گاتی نظر آتی ہیں، یہ اسی عہد کی تقلید ہے۔

۶۔ حرم سرا کی محفلیں

عہد ہارون الرشید میں موسیقی کا مذاق عام ہو گیا تھا۔ مردوں کے علاوہ بیگمات کی مجالس میں بھی کنیزوں کا گانا ہوتا تھا۔ رشید کی محل سرا میں ماہر فن مغنیہ کنیزوں کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی اور چند ایسی تھیں جو اسحاق موصلی اور ابن جامع کے ہم پلہ تھیں اور ان میں متعدد کنیزیں تھیں جو ابراہیم و اسحاق کی شاگرد تھیں، اور اس جماعت میں تاریخی حیثیت سے فوز، فریدہ منت بہت ہی باکمال تھیں، صاحب آغانی کا ان کی نسبت یہ فیصلہ ہے "وھن اظرف القیان غناء واحسنھن ضرباً بالعود" یعنی بہترین غنا کے ساتھ عود بجانے میں بھی کامل تھیں۔[۱] خلیفہ سے زیادہ برامکہ کی محل سرا میں چہل پہل رہتی تھی۔ اور یحییٰ، فضل اور جعفر کے یہاں مغنیہ کنیزوں کی افراط تھی۔ ہر ایک ڈیوڑھی میں مشاہیر کنیزیں موجود تھیں انہیں دنانیر (کنیز یحییٰ برمکی) خاص طور سے مشہور ہے۔ رشید، دنانیر کا گانا سننے کے لئے یحییٰ کے محل میں جایا کرتا تھا۔ یحییٰ کی بیبیوں میں فاطمہ ام جعفر برمکی موسیقی کی بڑی شائق تھی اور اس کی محل میں مشہور کنیزیں تھیں جو روزانہ اس کو گانا سنایا کرتی تھیں اور برامکہ کی تقلید میں دیگر امرائے عرب اور عجم کے محلات میں بھی زنانہ مجلسیں ہوتی تھیں، جن میں کنیزیں اپنا کمال دکھاتی تھیں۔ اور جب یہ مذاق ترقی کر گیا تو خوبصورت کنیزوں کو خاصکر موسیقی کی تعلیم دلائی جاتی تھی کیونکہ حسن وجمال کی رعنائیاں موسیقی کو اور دلکش بنا دیتی ہیں۔

۷۔ عہد عباسیہ میں موسیقی کی ترقی کا راز

علوم کی ترقی واشاعت کا راز یہ ہے کہ گورنمنٹ اس علم وفن کی قدردان ہو، اور ملک کو اس کی عام ضرورت بھی ہو، چنانچہ فنون لطیفہ میں بلاشبہ موسیقی نے اسی قدردانی

---

[۱] آغانی جلد ۳ و ۴۔

سے فروغ پایا۔

خلفائے عباسیہ نے بعض مغنیوں کو ایک وقت میں تین تین لاکھ درہم انعام دیئے ہیں۔ اور برامکہ نے اس سے بھی زیادہ فیاضی کی ہے۔ یہ خاص سبب موسیقی کے ترقی کا تھا اور متعدد باکمال ایک وقت میں جمع ہو گئے تھے۔

ہارون الرشید نے فنی ترقی اور کمال کے اعتبار سے مغنیوں کو طبقات (درجہ اوّل، دوم سوم) میں تقسیم کر دیا تھا اور اسی اصول کے مطابق انعام تقسیم ہوا کرتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر ایک مغنی شبانہ روز کسب کمال میں مصروف رہتا تھا، اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ علاوہ بریں ہارون الرشید یہ بھی کرتا تھا کہ جب دربار میں یہ باکمال مغنی جمع ہوتے تھے تو وہ انمیں مناظرہ کراتا تھا[1]۔ اور یہ موسیقی کے مناظرے نہایت قیمتی ہوتے تھے

آغانی میں جابجا اس کا ذکر ہے۔ اور ان مناظروں کا یہ سبب ہے کہ اسکے علمی حیثیت سے مغنیوں کے دوگروہ تھے۔ ایک قدیم موسیقی کا مقلد تھا اور دوسرا جدید کا، چنانچہ ابراہیم موسیقی قدیم (ایرانی نغمات) کا اُستاد تھا، اس جماعت میں اسمٰعیل بن جامع، فلیح، یحییٰ مکی، عمرو بن ثابت، حسین بن محرز، بنو حمدون، شاریہ، زیق اور ہذلی وغیرہ ہیں۔

دوسری جماعت کا سردار اسحاق موصلی تھا۔ یہ اصلاح شدہ موسیقی کا موید تھا جو یونانیوں کی تصنیفات سے پیدا ہوئی تھی۔ اسحاق کے مویدین میں مخارق، علویہ، سلیم بن سلام محمد الرف، زبیر بن دحمان، احمد بن یحییٰ مکی، محمد بن حمزہ، ابن الوصیف اور کنیزوں میں غریب اور بذل ہیں۔ مناظرہ میں ابراہیم بن المہدی عباسی اور جعفر برمکی اسحاق کے جانب ہوتے تھے۔ اس لئے باپ کے مقابلہ میں ہمیشہ بیٹا کامیاب ہوتا تھا لیکن رشید ابراہیم کی حمایت کرتا تھا کہ اس کی دل شکنی نہ ہو جملہ آلات طرب ایوان خلافت کے ایک

---

[1] آغانی جلد ۵۔ مناظرہ (موصلی وابن جامع)

کمرہ میں محفوظ رہتے تھے جس باجہ کی ضرورت ہوتی تھی غلام اس کا خاص باجہ لاکر دیتا، لیکن عود کے تار خلیفہ کے سامنے نہیں ملائے جاتے تھے، کیونکہ اسکی جھنکار سخت ہوتی تھی اور راگ شروع کرنے سے پہلے، دوسرے کمرہ میں جاکر عود ملایا جاتا تھا۔

۸۔ **ایرانی تمدن کا اثر** ایرانی اُمراء اپنے ملکی تہذیب، تمدن کے شیفتہ تھے لہذا اُن کی صحبت میں خلفائے عباسیہ بھی عرب کی سادہ تمدن کو بھول گئے اور ان پر عجمیت غالب ہو گئی۔ جس کی ایک معمولی مثال ایرانی موسیقی کی ترقی ہے۔ یہی حال تمدن کے دیگر شعبوں کا ہے۔ اور یہی وہ عجمیت تھی جس نے ہارون الرشید کے زمانہ کو عہد زریں کا خطاب دلوایا ہے۔

یحییٰ کے عام اخلاق و عادات، شاہانہ فیاضیاں متفرق واقعات اور حکیمانہ اقوال

برامکہ میں جو اوصاف، سرمایۂ فخر اور باعث بقائے دوام ہیں وہ اُن کے ملکی انتظام، سیاسی خدمات اور علمی کارنامے ہیں جس کی تفصیل بقدر امکان لکھی جا چکی ہے۔ اب اس عنوان کے تحت میں وہ مستند واقعات جو مورخین نے لکھے ہیں نقل کئے جاتے ہیں۔

ابوالحسن مسعودی اور ابن خلکان کی صراحت کے مطابق خالد[1] کی اولاد میں یحییٰ برمکی بہت ممتاز ہے جس کی تعلیم و تربیت، دولت عباسیہ کے زیر سایہ ہوئی تھی اور یہی سبب ہے کہ یحییٰ، علم و ادب، فضل و کمال، سیاسیات، بلند حوصلگی اور عادات خصائل

[1] خالد کا دوسرا بیٹا محمد برمکی تھا جو عہد رشیدی میں ممتاز عہدوں پر سرفراز رہا۔ خلیفہ منصور کی رائے ہے کہ "ولد الاباء ابناء وولد خالد بن برمک اباء" یعنی سب باپ بیٹے ہی پیدا کرتے ہیں مگر خالد بن برمک نے بیٹوں کے بجائے باپ پیدا کئے۔ جہشیاری و کتاب الاذکیا ابن جوزی صفحہ ۴۷ مطبوعہ

میں دوسرا خالد برمکی تھا، جو سن رشد پر پہونچتے ہی حکومت کا قوت بازو بن گیا اور خلیفہ منصور و مہدی نے اپنے عہد میں یحییٰ کو صوبوں کی گورنری عطا کر کے حکمرانی سکھائی چنانچہ اسی زمانہ سے یحییٰ کی عقل و شعور اور اصابت رائے کے جوہر چمکنے لگے تھے اور انھیں اسباب کی بنا پر ہارون الرشید نے خلیفہ ہوتے ہی یحییٰ کو سند وزارت عطا فرمائی تھی۔ اور یہی وہ صفات ہیں جس کی بنا پر تذکرہ نگاروں نے یحییٰ کو وزراء کے طبقہ اعلیٰ میں انتخاب کیا ہے۔

۱۔ برامکہ اور فیاضی خاندان برامکہ میں جو صفت مشترک ہے وہ اُن کی عام فیاضی ہے اور یحییٰ کی سیرت میں بھی جود و کرم کے واقعات اِس کثرت سے ہیں کہ اگر پانچ فیصدی بھی انتخاب کئے جائیں تو البرامکہ کی وسعت اس کے لئے کافی نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ صرف کلام شعراء سے ایک جلد فیاضی کے حالات میں جداگانہ مرتب ہو سکتی ہے۔

ایک مورخ کے یہ الفاظ ہیں[۱]

قد رفعوا بیوتھم علیٰ قواعد الکرم والسماحة و اصبحت اعطیاتھم کاعظم ما یکون من اعطیات الملوک	ان برمکیوں کے قصر و ایوان کی تعمیر جود و کرم کے بنیادوں پر ہوئی ہے اور انکی فیاضیاں شاہوں کے عظیم الشان عطیات کے ہم پلہ ہیں

دور حاضرہ میں ایک کثیر جماعت برامکہ کی فیاضیوں کو محض فسانہ سمجھتی ہے لیکن ملکی محاصل کے جو نقشے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ یحییٰ، فضل اور جعفر برمکی اپنے عہد وزارت میں ملک محروسہ کی جملہ آمدنی پر قابض تھے اور وہی دیوان الخراج (ریونیو) اور بیت المال (خزانہ) کے بھی افسر تھے، لہٰذا کسی صرف کے لئے وہ ہارون الرشید کی منظوری کے محتاج نہ[۲] تھے۔ علاوہ بریں اپنی جاگیرات کی آمدنی سے بھی لاکھوں درہم

[۱] آغانی جلد ۵۔ [۲] اس عہد کا طرز عمل یہی تھا وزیر بااختیار ہوتا تھا۔

دینار خرچ کرتے تھے، لہٰذا برامکہ کی سخاوت کی تمام روایتیں تاریخی ہیں۔ یحییٰ کی ڈیوڑھی کے بجٹ (موازنہ) میں دو کرور درہم کی رقم عام عطیات کے لئے مخصوص تھی، لیکن سال تمام پر اس مد میں ایک درہم بھی باقی نہ رہتا تھا بلکہ جہابذ (ساہوکار) اور دوستوں سے قرض لیکر مساکین کی حاجت روائی کی جاتی تھی۔

۲۔ برامکہ اور شعرائے برامکہ نے اپنی فیاضی سے شاعروں کو امیر بنا دیا تھا جسکے صلہ میں وہ مدحیہ قصائد لکھتے تھے اور یہی وہ اشعار ہیں جن کی بدولت برامکہ آج تک زندہ ہیں اور اسی فیاضی نے تمام رعایا کو غلام بنا رکھا تھا اور یہی اُن کے اقتدار اور قوت کا راز تھا،

۱۔ ابونواس کہتا ہے[۲]

(ان البرامکۃ الذین تعلموا فعل الملوک وعلّموہ الناسا	برامکہ وہ ہیں جنہوں نے شاہانہ کام خود سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔)
کانوا اذا غرسوا، سقوا، واذا بنوا لم یھدموا لبنائھم ماساسا	جب وہ کوئی پودا لگاتے تھے تو تر و تازہ رکھنے کیلئے اسمیں پانی دیتے تھے اور جب کوئی عمارت بناتے تو اسکو ڈھاتے نہ تھے۔
واذا ھموصنعوا الصنائع فی الوری جعلوا لھا طول البقاع لباسا	اور جب لوگوں کے لئے وہ کچھ کام کرتے تھے تو اس کو بقائے دوام کا لباس پہناتے تھے۔

۲۔ مروان بن ابی حفصہ[۳] (یحییٰ کا خاص درباری شاعر) کا قول ہے۔

عند الملوک مضرۃ ومنافع وارى البرامك لا تضر وتنفع	بادشاہوں سے تو نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی، لیکن برمکیوں سے صرف نفع پہونچتا ہے۔

---

[۱] عقد الفرید جلد ۳ حالات یحییٰ برمکی۔ [۲] آغانی جلد ۵ صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ میری و دیوان ابونواس و ابن خلکان حالات یحییٰ برمکی۔ [۳] اسحاق موصلی راوی ہے کہ میں نے ایکدن یہ اشعار فضل برمکی کو سنائے تو اس نے کہا کہ مروان نے میری مدح میں یہ شعر کہے تھے مگر افسوس ہے کہ میں نے اسکا صلہ بیس ہزار درہم دیا، حالانکہ مجھے بیس ہزار دینار دینا چاہئے تھا، آغانی (جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰) میں یہ اشعار نصیب شاعر سے منسوب ہیں۔ المحاسن والمساوی بیہقی صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ مصر

إن كان شرٌ كان غيرُ لهم	اگر کوئی برائی ہو تو وہ اوروں کا کام ہے
والخيرِ منسوبٌ إليهمُ اجمع	ورنہ بھلائیاں تو سب برامکہ ہی سے منسوب ہیں

۳۔ یحییٰ برمکی کا مقولہ ہے۔[1]

اذا اقبلت الدنيا فانفق، فانّها لا تفنى واذا ادبرت فانفق لانّها لا تبقى۔	جب زمانہ موافق ہو اس وقت دل کھول کے فیاضی کر، کیونکہ سخاوت سے خزانہ میں کمی نہیں ہوتی ہے اور جب ادبار ہو اس وقت بھی خرچ کر، کیونکہ دولت رہنے والی چیز نہیں ہے۔

چنانچہ اس مضمون کو کسی شاعر نے نظم بھی کیا ہے

لا تبخلنّ بدنيا وهي مقبلة فليس ينقصها التبذير والسّرف	جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تو کنجوسی نہ کر، کیونکہ خراچی دولت کو گھٹا نہیں سکتی ہے
فان تولت فاحرى ان تجود بها فليس تبقى ولكن شكرها خلف	اور جب دنیا منہ موڑ لے تو سخاوت کرنا اور بھی مناسب ہے، کیونکہ دنیا اگر نہیں ہی تو اس کا شکر تو رہ جائیگا۔

اور یہی نصیحت یحییٰ برمکی اپنی اولاد کو کیا کرتا تھا۔ ایک دن جعفر کو مخاطب کر کے کہا۔

يا بنيّ ما دام قلمك يرعد فامطر معروفا۔	اے میرے بیٹے! جبتک تیرا قلم چلتا رہے اس سے بھلائی اور احسان کی بارش کرتا رہ۔

(۴ یحییٰ کے محل پر روزانہ عام حاجتمندوں کے علاوہ، شاعروں کی بھی ایک جماعت حاضر رہتی تھی، جن کو بات بات پر خلعت اور انعام ملا کرتے تھے اور یہ شعراء برجستہ اشعار میں مداحی کرتے تھے) دیکھئے ابو نواس کس لطیف پیرایہ میں یحییٰ کی مدح کرتا ہے۔

---

[1] اعلام الناس وعقد الفرید جلد اول حالات یحییٰ برمکی۔ و دیوان ابو نواس

سالتُ الندیٰ ھل انت حرٌّ فقال لا	میں نے کرم (سخاوت) سے پوچھا کہ کیا تو
ولکنّنی عبدٌ لیحییٰ ابن خالد	آزاد ہے؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ میں تو یحییٰ
فقلتُ شراءً قال لا بل وراثۃ	بن خالد کا غلام ہوں۔ پھر میں نے کہا کیا اس نے
توارثنی من والد بعد والد	تجھ کو خرید کیا تھا؟ کہا نہیں، بلکہ باپ دادا
	سے مجھ کو ورثہ میں پایا ہے۔

یحییٰ نے اس کا صلہ دس ہزار دینار دیا تھا۔

۵۔ ابو النضیر بصری، اپنے جوشِ عقیدت کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

اذا کنتُ من بغداد فی الف فرسخٍ	اگر میں بغداد سے تین ہزار میل کے
شممتُ نسیم الجود من آلِ برمکٍ	فاصلہ پر ہوں، تب بھی برمکیوں کے
	سخاوت کی خوشبو میرے دماغ میں آئیگی

۶۔ لطیفہ۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ یحییٰ نے معاذ بن مسلم (بغداد کا ایک امیر) سے مصافحہ کرنا چاہا، انھوں نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ یحییٰ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ نے مصافحہ کیوں نہیں کیا؟ معاذ نے ہنس کر جواب دیا، معاف فرمائیے گا، میں ڈرتا ہوں کہ ہاتھ ملانے سے کہیں میرا ہاتھ بھی آپ کی فیاضی نہ سیکھ جائے اور جو قلیل سرمایہ میرے پاس ہے وہ بھی تلف ہو جائے۔ یہ واقعہ ایک دلچسپ مذاق ہے، لیکن نظر غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فیاضی میں یحییٰ کی کیا شان تھی۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے[1]۔

لا ترانی مصافحاً کفّ یحییٰ	محض اس ڈر سے میں یحییٰ سے مصافحہ نہیں
انی ان فعلت ضیّعت مالی	کرتا ہوں کہ ہاتھ ملانے سے میری دولت ضایع ہو جائیگی
لو یمسّ البخیل راحۃ یحییٰ	اگر کسی بخیل کا ہاتھ یحییٰ کی ہتھیلی سے چھو جائے
لسخت نفسہ ببذل النوال	تو وہ بھی سخی بن جائے۔

[1] الفخری صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ مصر۔

۷- **ابونصر** اس شاعر نے یحییٰ کو جود و کرم کا حلیف[1] قرار دیا ہے۔ جس سے یہ غرض ہے کہ فیاضی یحییٰ کی فطرت میں داخل ہے۔"

نام الخلیون من وهم و من سقم
وبتُّ من کثرة الاحزان لم أنم
یا طالب الجود و المعروف مجتهداً
اعمد لیحیی حلیف الجود والکرم

بیماری اور پریشان خیالی سے احباب تو سو گئے اور ہجوم رنج و غم سے میں تمام رات جاگتا رہا۔
یحییٰ برمکی جود و کرم کا حلیف ہے لہذا خواستگار کو کوشش کرکے اس کے پاس پہونچنا چاہیے۔

۸- اسحاق موصلی[2] کی روایت ہے یحییٰ کا دستور تھا کہ جب اس کی سواری نکلتی تھی تو اس شخص کو جو سب سے پہلے آکر سلام کرتا دو سو درہم انعام دیتا تھا۔ ایک دن کسی شاعر نے سامنے پہونچ کر سلام کیا۔ اور مدح میں یہ اشعار پڑھے۔

یا سمی الحضور یحییٰ اتیحت
لک من فضل ربنا جنتان
کل من مر فی الطریق علیکم
فله من نوالکم مائتان
مائتا درهم لمثلی قلیل[3]
هی منکم للقابس العجلان

اے حضرت یحییٰ (پیغمبر) کے ہم نام تیرے لئے خدا کی مہربانی سے دو بہشتیں مقرر ہو چکی ہیں۔
جو شخص راہ میں تمہارے سامنے آجاتا ہے اسکو تمہاری فیاضی سے دو سو درہم ملتے ہیں۔
لیکن دو سو درہم مجھ ایسے شخص کے لئے کم ہیں یہ رقم تو اسکے لئے ہے جسکو اتنی جلدی ہو کہ گویا آگ لینے آیا تھا۔

یہ اشعار سنکر یحییٰ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس شاعر کو محل پر لیجاؤ جب میں دربار سے واپس آؤں تو پیش کرو۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یحییٰ نے دریافت کیا کہ تم کو روپیہ کی ضرورت کس لئے ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھ فقیر نے نکاح کیا ہے، جسکی تین شرطیں

---

[1] حلیف اس جماعت یا ان دو شخصوں کو کہتے ہیں جنہوں نے باہم اتحاد کا حلف اٹھایا ہو، اور یہ حلف یا معاہدہ کسی حال میں شکست نہیں ہوتا ہے [2] آغانی جلد ۵ صفحہ ۱۳ مطبوعہ مصری [3] ابن خلکان جلد ۲ حالات یحییٰ۔

ہیں۔ ایک[1] یہ کہ چار ہزار درہم مہر فوراً ادا کروں اور دوسرے[2] درصورت عدم ادائی بی بی کو طلاق ہے تیسری بات یہ ہے کہ سامان خانہ داری مہیا کروں۔

یحییٰ نے خزانچی کو حکم دیا کہ چار ہزار درہم دین مہر، چار ہزار خرید مکان، اور آٹھ ہزار معمولی مصارف کے لئے دیئے جائیں کہ یہ غریب کچھ مدت تک عیش سے زندگی بسر کرے۔

۹۔ اس قسم کے متفرق اشعار کی تعداد بقول مورخین دس ہزار سے زیادہ ہے۔ صرف رقاشی (برامکہ کا درباری شاعر) کے دیوان میں مدح برامکہ کے ایک ہزار شعر موجود ہیں عرب کے علاوہ شعرائے عجم نے بھی برامکہ کی مداحی کی ہے لیکن ان کا کلام مفقود ہے۔ اشجع بن عمر دیلمی کہتا ہے۔

اے آنکہ بامداد نخواہی نوشت راہ	برخیز و رو بدرگہ احرار روزگار
گر قصد جود داری وخواہی ہزار لطف	بخرام سوئے یحییٰ برمک امیدوار
یحییٰ است آنکہ جاے بدی نیکوئی کند	یحییٰ است آنکہ درگزرد از گناہگار

یحییٰ نے قصر[5] الطین کے سامنے ایک بڑا چبوترہ تعمیر کرایا تھا جس پر روزانہ حاجتمند آکر بیٹھتے تھے اور حاجب انکو نمبروار پیش کرتا تھا۔ یحییٰ ہر ایک سے اُن کا حال پوچھتا اور صلہ دیکر رخصت کر دیتا تھا۔

---

[5] خالد اور یحییٰ کے اس محل کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس محل کے حدود یہ تھے۔
جنوب میں شہر کی بڑی سڑک، مشرق میں درب دینار وقطر بل، اور شمال میں باب الشماسیہ۔
قصر الطین کی اندرونی دیواروں پر طلائی کام تھا اور نامی مصوروں نے اس پر نقش ونگار بنائے تھے۔ یہ ایوان اسقدر وسیع تھا کہ محاصرہ بغداد کے زمانہ میں مامون الرشید کی فوج کا ایک حصہ اسی میں مقیم تھا۔
انتخاب از آغانی جلد ۵، ۷ و ابن اثیر جلد ۶ وجہشیاری صفحہ ۲۲۹۔

علماء کی خدمت

خطیب[1] بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی[2] کے حالات میں لکھا ہے کہ علامہ مذکور مدینے میں گندم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن کاروبار میں جو روپیہ لگا ہوا تھا وہ ذاتی نہ تھا۔ اتفاق سے راس المال کے ایک لاکھ درہم تلف ہو گئے۔ تب یحییٰ برمکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجب نے جس وقت دستر خوان بچھایا گیا لے جاکر پیش کیا کیونکہ یہ صلائے عام کا وقت تھا۔ ابو عبداللہ کا بیان ہے کہ کھانے کے بعد یحییٰ نے میرا حال پوچھا۔ میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ اور رخصت ہو کر قیام گاہ پر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے مکان پر ایک خادم پہونچا اور ایک تھیلی ہزار دینار کی پیش کی اور پیام دیا کہ یحییٰ نے بعد سلام عرض کیا ہے کہ اس رقم کو قبول فرمائیے۔ اور کل تشریف لائیے گا۔ چنانچہ میں نے وہ عطیہ قبول کیا اور چار روز تک یہی ہوتا رہا۔ تب میں نے جانا بند کر دیا۔ رخصت کے دن دو لاکھ درہم اور ایک مکان مع تمام سامان کے مرحمت فرمایا۔ اور درخواست کی کہ میرے پاس سکونت اختیار کیجئے۔ میں نے دعا دی اور وعدہ کیا کہ واپسی مدینہ منورہ کے بعد حاضر ہونگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور تمام عمر بغداد میں بسر کر دی۔

طبیب فارس کی قدر دانی

ابو القاسم محمد طائفی بروایت فرج غلام جعفر برمکی روایت کرتا ہے کہ یحییٰ کو درد شکم کا عارضہ تھا۔ اکثر طبیبوں نے علاج کیا مگر کسی کے علاج سے شفا نہ ہوئی۔ فضل و جعفر ہر وقت علاج کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن بسبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ فارس میں ایک عیسائی طبیب اپنے فن میں کامل دستگاہ رکھتا ہے۔

---

[1] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ مصر

[2] امام واقدی مدنی سیر و مغازی کے مشہور مصنف ہیں۔ مغربی بغداد کے قاضی تھے۔ ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۰۷ھ میں انتقال کیا ابن خلکان جلد ۲۔

چنانچہ اُسی وقت عامل فارس کو پروانہ لکھا گیا کہ "طبیب کو بلا توقف بغداد روانہ کرو"۔ حاکم فارس نے ایک ہزار دینار سفر خرچ دے کر طبیب کو روانہ کیا۔ یحییٰ نے طبیب کی بڑی خاطر کی اور عزت و تعظیم کے ساتھ اُس کو اپنا مہمان کیا اور جلسہ خاص میں پیشی کے واسطے ایک تاریخ مقرر کر کے اپنے خاص ندیموں کو حکم دیا کہ ہر ایک اپنا اپنا قارورہ ملاحظہ کے لئے پیش کریں، دربار کا ایک ظریف جو ہمیشہ یحییٰ کے سامنے اپنے عیش و طرب کے جلسوں کا ذکر کیا کرتا تھا اُسکو بھی حکم دیا۔ جب سب درباری جمع ہو گئے اسوقت طبیب فارس کو طلب کیا گیا لیکن طبیب کے آنے سے قبل امتحان کی غرض سے یہ کارروائی کی گئی کہ قارورے کی شیشیاں تبدیل کر دی گئیں۔ اوّل یحییٰ نے قارورہ دکھایا۔ طبیب نے مزاج کے موافق نسخہ لکھا پھر ندیموں کی نبضیں دیکھکر یحییٰ سے عرض کیا کہ "آپ مصاحبوں کو حکم دیجئے کہ اپنا اپنا قارورہ ملاحظہ کرائیں، شیشیاں تبدیل ہو گئی ہیں، اس صورت میں علاج ممکن نہیں ہے"۔ حاضرین مجلس کو طبیب کی حذاقت و مہارت پر تعجب ہوا، سب سے اخیر میں ظریف کی باری آئی۔ طبیب نے کہا کہ "یہ شخص رجولیت سے محروم ہے"۔ اس پر یحییٰ کو بہت تعجب ہوا اور مجمع عام میں پردہ فاش ہونے پر ظریف بہت ہی نادم ہوا۔ اور دو ہفتے کے علاج میں یحییٰ کو کامل صحت ہو گئی۔ غسل صحت کے دن ظروف نقرہ، جامہائے قیمتی، اسپان مطوّق، زر و جواہر و نقدی ملا کر تیس ہزار دینار صلے میں یحییٰ نے طبیب[1] کو مرحمت کئے علاوہ اسکے دو ہزار درہم اور خلعت فضل نے اور ایک لاکھ درہم مع تحائف جعفر نے طبیب کو انعام دیئے اور برامکہ کی ایک فیاضی سے تمام عمر کے واسطے طبیب فارس دولتمند ہو گیا۔

۱۲۔ حسن مکافات[2] علی بن حسین بن داؤد نے یحییٰ بن خاقان بن حسن بن سہل وزیر مامون الرشید سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ کو ایک ضروری کام کے واسطے بلا بھیجا۔ دروازے پر حاجتمندوں کا ایک گروہ موجود

---

[1] اس طبیب کا نام منویل تھا، جعفر برمکی عارضہ برص میں مبتلا ہو گیا تھا جو اسی طبیب کے علاج سے اچھا ہوا۔ ضیاء برنی صفحہ ۴۰
[2] کتاب المستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ مصر و ضیاء برنی۔

تھا حاجب نے اطلاع کی کہ زوار حاضر ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ "مجھے آج فرصت نہیں ہے سب سے میرا سلام کہو کل صبح تشریف لائیں"۔ چنانچہ سب چلے گئے۔ اخیر میں ایک گروہ اور آیا انہیں احمد بن یزید المعروف بہ ابن ابی خالد احول بھی تھا۔ یحییٰ نے احمد کو دیکھا تو فضل کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "جان پدر! میرے ساتھ اس جوان کے باپ کا ایک خاص واقعہ ہے جب میں دربار سے واپس آؤں تو یاد دلانا"۔ یحییٰ واپس آیا تو فضل نے کہا کہ اب خالد احول کا قصہ بیان فرمایئے"۔ یحییٰ نے کہا کہ "مہدی عباسی کے زمانے میں جب میں عراق سے آیا تو میری حالت نہایت[1] ابتر تھی۔ یہاں تک کہ تین دن کا فاقہ تھا۔ میں اس سوچ اور فکر میں بہت رویا اور حیران تھا کہ کیا کروں، یکایک یاد آگیا کہ گھر میں ایک مندیل طبری موجود ہے۔ بی بی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اب تک باقی ہے۔ چنانچہ اس کو ایک شخص کے ذریعے سے سوق (بازار) قنطرۃ البردان میں فروخت کیا۔ بارہ[۱۲] درہم اس کی قیمت آئی۔ میں نے یہ درہم بی بی کو لاکر دے دیئے اور کہا کہ "جب تک خدا کسی اور جگہ سے ہمارا رزق بھیجے اس وقت تک اسکو صرف کرو"۔ چوتھے روز میں خالد احول کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا، اس وقت یہ مہدی عباسی کا وزیر تھا، دروازے پر لوگوں کا ہجوم تھا، اور وزیر کے برآمد ہونے کا سب کو انتظار تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں آمد آمد شروع ہوئی، خالد نے سلام کیا اور مزاج پوچھا۔ میں نے کہا "خالد! اس کا حال کیا پوچھتے ہو؟ جس نے اپنے گھر سے بارہ درہم کو مندیل فروخت کی ہو"۔ یہ کلمۂ تاسف سن کر مجھے بغور دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ میں گھر کو لوٹ آیا اور جو واقعہ گزرا تھا وہ کہہ سنایا۔ سب نے کہا کہ "برا کیا خدا کی قسم خالد کوئی بڑی خدمت سپرد کرتا۔ لیکن اپنے حال سے تم نے مطلع کر دیا، خالد اب ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھے گا"۔ گھر والوں کی باتیں سن کر میں نے کہا خیر جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اس کے بعد پھر صبح کو میں قصر خلافت

---

[1] گورنری عراق میں یحییٰ پر سرکاری مال گزاری کے خیانت کا الزام تھا اور لاکھوں دینار کا مطالبہ تھا، کل جائداد ضبط ہو چکی تھی اور یحییٰ نان شبینہ کو محتاج تھا۔ یہ واقعہ اکثر تاریخوں میں ہے۔

پر حاضر ہوا۔ پہنچتے ہی ایک شخص نے بڑھکر مجھ سے کہا کہ "ابھی تمہارا ذکر ہو رہا تھا۔ میں نے اُس کی بات پر کچھ التفات نہیں کیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص ملا اُس نے بھی یہی کہا۔ پھر حاجب (خالد) سے ملاقات ہوئی اُس نے پوچھا آپ کہاں تھے وزیر نے حکم دیا ہے کہ "دربار سے واپسی تک میرا انتظار کرو"۔ چنانچہ خالد کے آنے تک میں بیٹھا رہا۔ مجھے دیکھکر بلایا اور سواری کا حکم دیا۔ میں بھی سوار ہو کر خالد کے مکان تک ساتھ گیا جب مکان پر پہنچا تو حکم دیا کہ "حمید اور زاہر کو جو گندم کی تجارت کرتے ہیں حاضر کرو" جب وہ آئے تو ان سے پوچھا کہ میں نے تمہارے ہاتھ تینتیس ہزار کُر[1] دیہات کا غلہ ایک لاکھ اسی ہزار دینار کو فروخت کیا ہے؟ اُنھوں نے اقرار کیا تو پھر سوال کیا کہ میں نے یہ شرط بھی کی تھی، کہ اُس میں ایک اور شخص بھی شریک ہے، اور جسکے واسطے کہا تھا وہ یہی ہے۔ اور مجھ سے کہا کہ ان کے ہمراہ جاؤ۔ چنانچہ میں اُن سوداگروں کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں سے چلا تو اُنھوں نے کہا کہ "تھوڑی دیر کے واسطے اس مسجد میں تشریف لے چلئے کچھ گفتگو کرنا ہے جو آپ کے حق میں مفید ہے"۔ میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ تب اُنھوں نے کہا کہ "اس تجارت میں دلال، اور ڈنڈی وار وغیرہ کی آپ کو ضرورت ہوگی اور ناپنے تولنے کے بھی جھگڑے ہیں، تب کہیں منافع ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنا حصہ ہمارے ہاتھ نقد داموں پر بیچ ڈالیں اس صورت میں بہت سی تکلیف اور جھگڑوں سے آپ کو نجات مل جائے گی"۔ میں نے پوچھا کہ اچھا کتنے پر سودا کرتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ایک لاکھ درہم۔ میں نے یہ نامنظور کیا لیکن اخیر میں تین لاکھ درہم پر توڑ ہو گیا۔ تب میں نے خالد سے مشورہ کر کے اپنا حصہ بیچ ڈالا۔ اس کے بعد میرے سب کام درست ہو گئے۔ اس بیان کے بعد فضل سے مخاطب ہو کر کہا بتاؤ! تم اُس شخص کے بیٹے سے جس نے تمہارے باپ کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا کیا احسان کر سکتے ہو؟ فضل نے کہا کہ "خدا کی قسم کوئی بدلہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے

---

[1] کُر یہ ایک پیمانہ کا نام ہے جو غلہ کے لین دین میں جاری تھا۔ بغداد میں جو کُر جاری تھا اسکی تفصیل یہ ہے۔ ایک کُر = ٦٠ قفیز اور ایک قفیز = ٨ مکاکیک اور ایک مکاکیک = ٣ کیالج اور ایک کیلجہ = ٦٠٠ درہم مفاتیح العلوم صفحہ ١٥

کہ میں اپنی جگہ پر احمد بن خالد کو درجہ وزارت پر مقرر کراؤں۔ چنانچہ فضل نے احمد کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "بھائی وزارت کی تنخواہ اور جاگیرات کے آج سے تم مالک ہو جو وزارت کی خدمتیں دربار میں میرے متعلق ہیں میں اُن کو انجام دیا کرونگا۔ اور پھر بھی اُس حق سے جو میرے والد بزرگوار پر ہیں سبکدوش نہیں ہوسکتا ہوں"۔ فضل کی تقریر سُنکر احمد سے سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوسکا کہ یحییٰ کے پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ "حقیقت یہ ہے کہ جو حق میرے باپ کا آپ نے ادا کیا ہے ویسا نہ کسی نے کیا ہے نہ ہوسکتا ہے"۔ اور محمد بن عبدوس جہشیاری نے کتاب الوزراء[1] میں بروایت یحییٰ بن خاقان یوں لکھا ہے کہ "جب یہ واقعہ میں سُن چکا تو میں نے یحییٰ بن خاقان سے پوچھا کہ یحییٰ برمکی نے احمد سے کیا سلوک کیا تو یحییٰ نے کہا کہ احمد برامکہ کے عہد دولت میں بڑے ممتاز درجے پر تھا۔ بلکہ دولت و عزت میں برامکہ کے برابر تھا چنانچہ احمد کی روایت ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید برامکہ سے ناراض ہوا ہے اُس وقت میں اردن (ملک شام) میں تھا کیونکہ یحییٰ نے مجھکو ایک عہدے پر مقرر کرکے بھیجا تھا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا ہوں اُس وقت یحییٰ برمکی جیل کی مصیبتیں جھیل رہا تھا۔ چنانچہ میں یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چھ ہزار دینار نذر کئے۔ لیکن بڑے اصرار سے صرف تین ہزار قبول کئے

امینؔ مامون کی مخالفت پر یحییٰ کی پیشین گوئی

اور مجھ سے کہا کہ "اے فرزند! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید عنقریب اس دنیا سے کوچ کرنے والا ہے اور خاندانِ خلافت میں سخت نزاع ہوکر مامون الرشید تخت نشین ہوگا۔ میں ایک رقعہ تم کو دیتا ہوں اس کو اپنے پاس رکھو۔ جب انقلاب حکومت ہو اُس وقت تم اس رقعے کو فضل بن سہل کے پاس لے جانا کیا عجب ہے کہ تمہارے حق میں مفید نتیجہ پیدا ہو"۔ چنانچہ رقعے کے دو ٹکڑے کرکے ایک مجھے دے دیا اور دوسرا مصلے کے نیچے رکھ لیا۔ چنانچہ میں وہ رقعہ لے کر رخصت ہوا۔ تھوڑے زمانے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے انتقال کیا اور امین الرشید ولیعہد سلطنت، اور

[1] جہشیاری صفحہ ۲۲۰ و ضیاء برنی۔

مامون الرشید میں لڑائی شروع ہوگئی، آخر کار امین قتل ہوا اور سپہ سالار طاہر نے بغداد فتح کر لیا اور مامون الرشید مستقل خلیفہ قرار پایا۔ اُس وقت میں بیکار، خانہ نشین، اور مفلس تھا۔ ایک دن رات کے وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ افلاس نے لونڈی غلاموں کو اوّل ہی آزاد کر دیا تھا کوئی جواب دینے والا نہ تھا۔ میں نے بی بی سے کہا دیکھو کون آیا ہے؟ لیکن بغیر میری اطلاع کے دروازہ نہ کھولنا۔ بی بی نے واپس آکر کہا کہ چند سپاہی نظر آتے ہیں۔ مجھے بہت سے شبہے ہوئے لیکن گھر سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ سپہ سالار طاہر نے بلایا ہے۔ سواری دروازے پر موجود تھی۔ سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ طاہر نے میری بڑی خاطر کی اور عزت سے بٹھایا اور فضل بن سہل کا قلمی خط دکھایا جس کا یہ مضمون تھا کہ "امیر المومنین مامون کا حکم ہے کہ احمد بن خالد کو جہاں کہیں وہ ملے اوّل اپنے پاس بلاؤ اور پچاس ہزار درہم اور بیس گھوڑے اُس کو دے کر نہایت اعزاز سے ہمارے پاس خراسان بھیجدو۔" خط کا مضمون پڑھتے ہی مجھ میں جان آگئی اور سامان سفر کے واسطے دو روز کی مہلت طلب کی۔ چنانچہ طاہر نے منظور کیا پھر صلہ دے کر رخصت کیا اور حکم دیا کہ فوراً خراسان (مرو رود) روانہ ہو۔ میں نے وہ نصف رقعہ جو یحییٰ نے دیا تھا اور اب تک مثل تعویذ کے میرے پاس تھا لے کر بغداد سے کوچ کر دیا۔ ہر ہر منزل پر میرا خیر مقدم ہوتا تھا چنانچہ میں نے مرو پہونچکر فضل بن سہل کو اپنی حاضری کی اطلاع دی۔ وزیر نے فوراً مجکو بلایا اور پوچھا کہ "احمد بن خالد آپ ہی ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں یہی خادم ہے۔ اس سے زیادہ مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور کہا کہ "تکان سفر نے خستہ کر دیا ہوگا۔ اب آرام کرو۔" چنانچہ تین دن تک میں نے آرام کیا۔ چوتھے دن صبح کو سیاہ درباری لباس پہنکر ذوالریاستین (فضل) کے دربار میں حاضر ہوا۔ فضل امیر المومنین کے حضور جا رہا تھا میں نے سلام کیا اور پیادہ پا ہمرکاب ہو لیا۔ دربار میں پہنچ کر فضل اور مامون الرشید دونوں ایک تخت پر بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں میری طلبی ہوئی۔ سامنے پہنچکر میں نے سلام کیا اور فضل نے

مامون الرشید سے مخاطب ہو کر کہا کہ "امیر المومنین! یہی احمد بن خالد ہے۔ محمد امین الرشید مخلوع (معزول شدہ) کے زمانے میں اسی کی تحریر مدینۃ السلام (بغداد) سے میرے پاس آیا کرتی تھی اور جو نئے واقعات ہوتے تھے اُس کی اطلاع کیا کرتا تھا۔ یہ شخص خدام والا کے خاص ہوا خواہوں میں ہے۔ اپنا مال و عزت دونوں حضور والا پر نثار کرنا چاہتا ہے۔" مامون الرشید نے کہا کہ "خدا اُس کے مال میں برکت دے۔ اور اُس کے خزانے کو دو چند کرے۔" جب وزیر نے خلیفہ کو خوش پایا تو عرض کیا کہ "اگر حکم ہو تو کوئی عمدہ خدمت احمد کے سپرد کی جائے تاکہ لوگوں کو امیر المومنین کے خیر خواہی اور قرب و اختصاص کا اندازہ معلوم ہو۔" چنانچہ مامون الرشید نے منظور کر لیا اور خدمت کتابت[1] سپرد ہو گئی۔ چند روز بعد شب کی مجلس میں فضل نے مجھکو بلایا۔ میں وہ نصف رقعہ یحییٰ برمکی کا اپنے ساتھ لیتا گیا تھا۔ مجلس میں وزیر کا بھائی حسن بن سہل بھی موجود تھا۔ چنانچہ اثنائے گفتگو میں حسن نے مجھ سے پوچھا کہ "ابو العباس! میرے اُستاذ اور مخدوم ابو علی یحییٰ بن خالد برمکی سے بھی تمہاری کچھ جان پہچان ہے۔" میں نے عرض کیا کہ "ہاں! اور جو سلوک میرے باپ نے یحییٰ برمکی سے کئے تھے اور جو خدمت میں نے جیل میں کی تھی مع واقعہ تحریر رقعہ کے بیان کیا۔" حسن نے پوچھا وہ رقعہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس موجود ہے۔" بلکہ جیب سے نکال کر سامنے رکھ دیا چنانچہ حسن نے بھی دوسرا ٹکڑا نکالا' اور دونوں کو جوڑ کر پڑھا اور رونے لگا' پھر اپنے بھائی فضل کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیشک یہ تحریر خاص یحییٰ کے قلم کی ہے اور مجھ سے کہا جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ چنانچہ وہ رقعہ مجھے دیدیا۔ میں نے

---

[1] احمد بن ابی خالد احول حسن بن سہل وزیر کی درخواست پر اُسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا۔ مامون نے جب اسکو مستقل کرنا چاہا تو اُس نے انکار کیا اور کہا جو خدمت مجھ سے لیجائے میں حاضر ہوں لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جائے۔ مامون نے چونکہ اسکی لیاقت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا یہ درخواست قبول نہ کی اور خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد نے نہایت لیاقت اور عظمت و شان کے ساتھ وزارت کی۔ مامون بھی اسکی نہایت عزت کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے عرضی دی کہ وزیر اعظم احمد کھانے کا بہت شائق ہے۔ اور جسکی دعوت کھا لیتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف اسکی طرفداری کرتا ہے" مامون نے اس شکایت پر اگر کچھ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ ہزار درہم روزانہ احمد کے دستر خوان کے لئے مقرر کر دیے۔ احمد نے ۲۱۰ھ میں انتقال کیا

پڑھا تو یہ مضمون تھا "میرے بیٹے! تم کو معلوم ہے کہ احمد بن خالد کے کس قدر مجھ پر حقوق ہیں لیکن اب مجھے اس قدر توفیق نہیں ہے کہ اُس کا کوئی حق ادا کر دوں۔ کیونکہ میرا اقبال پہاڑ کی چوٹی کا ڈھلتا سورج ہے اور تمہاری بلند اقبالی کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اُس حق کو جو مجھ پر ہے ادا کرو گے۔ اور احمد کا خیال رکھو گے"۔ چنانچہ یحییٰ کی تحریر کا یہ اثر تھا کہ میں درجۂ کتابت[1] سے مامون الرشید کی وزارت[2] تک پہنچ گیا۔

۳۱۔ مثال ایثار

یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن صالح بن منصور جو مقربین دربار ہارون الرشید میں سے تھا روایت کرتا ہے کہ زوال برامکہ کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کی ابتر حالت تھی۔ ملک میں ہر طرف جھگڑے فساد کھڑے ہو گئے تھے۔ کوئی معاملہ خوش اسلوبی سے طے نہ ہوتا تھا۔ اُسی زمانے میں ایک دن مجھ کو بلایا حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہاروں نہایت غضب ناک ہو رہا ہے، مجھے دیکھ کر حکم دیا کہ "اسی وقت رخصت ہو اور منصور[3] بن زیاد سے دس لاکھ درہم جو اُس کے ذمے واجب الادا ہیں وصول کر کے مغرب تک داخل کرا اور اگر حصول رقم میں تامل ہو تو سر پیش کیا جائے۔ اگر حکم کے خلاف کیا تو روح مہدی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرا سر نہ ہو گا"۔ میں سمجھ گیا کہ منصور کے خون کا پیاسا ہے۔ مجھے تشویش تھی کہ حکم کی تعمیل کیونکر ہو گی، کیونکہ منصور مشاہیر بغداد سے ہے اور خاندان

---

[1] جامع الحکایات صفحہ ۲۹۹ و تاریخ نگارستان

[2] سہل بن زاد الفروخ مجوسی کا خاندان بھی بغداد میں مثل برامکہ کے مشہور تھا۔ سہل قریہ سیب الاعلیٰ کا باشندہ تھا، اس کو یحییٰ برمکی کے غلام سلام بن الفرج نے مسلمان کیا تھا۔ اس کے دو بیٹے فضل اور حسن عہد مامون الرشید میں درجہ وزارت پر پہونچے۔ جعفر برمکی کی سفارش سے یہ پہلے ماموں کا مصاحب ہوا۔ پھر درجہ وزارت تک پہونچا اور ماموں کے حکم سے قتل کیا گیا۔ کیونکہ خودسر ہو گیا تھا۔ فضل برمکی کا تربیت کردہ تھا۔ اس نے یحییٰ برمکی کے لئے فارسی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔

حسن بن سہل ابتدا میں عباس بن فضل برمکی کی خدمت میں رہتا تھا۔ مامون الرشید نے اسکو اہواز کا گورنر مقرر کیا۔ اور بھائی کے قتل پر ماموں کا وزیر ہوا۔ بوران اس کی بیٹی تھی جس کی شادی مامون الرشید سے ہوئی۔ بورانی اسکی یادگار ہے جسکے بغیر پلاؤ اور بریانی کا مزہ نہیں ملتا۔ دونوں بھائی ماہر علم و فن اور فیاض تھے۔ انتخاب از جہشیاری صفحہ ۲۸ وغیرہ

[3] یحییٰ کی جعفر بن محمد، علی بن عیسیٰ اور منصور بن زیاد سے بڑی دوستی تھی اور اخیر زمانہ میں یہی یحییٰ کے سب سے بڑے دشمن

بھی بڑا ارکھا ہے۔ مگر میں نے مجبوراً منصور کا ہاتھ پکڑا اور حکم سُنا دیا۔ منصور حکم شاہی سُنکر رونے لگا اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ میرے قتل کی فکر میں ہے ورنہ میرے پاس اس قدر رقم کہاں۔ خدا کی قسم میری جائداد کی قیمت تین لاکھ درہم سے زیادہ نہ ہوگی اور کُل تعداد کا پورا ہونا تو محال ہے۔ معلوم ہوا کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب صرف ایک آرزو باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آخر وقت میں اہل وعیال سے رخصت ہو لوں اور چند وصیتیں کرتا چلوں۔" میں نے یہ درخواست منظور کی اور منصور کو اُس کے گھر لے گیا۔ خلیفہ کا حکم سُن کر تمام مکان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ عزیزوں کے نالہ و فریاد سے قیامت برپا ہو گئی میں بھی کانپ اُٹھا اور منصور کو میں نے یہ مشورہ دیا کہ بجز برامکہ کے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو اس مصیبت سے نجات دلا سکے۔ یحییٰ برمکی کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔ میں منصور کے ہمراہ یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ منصور نے اپنا غمناک افسانہ سنایا۔ سُنکر تھوڑی دیر تک سرنگوں رہا۔ پھر خزانچی کو بُلایا، اور پوچھا کہ اس وقت خزانے میں کس قدر درہم موجود ہیں؟ خزانچی نے کہا پانچ لاکھ۔ چونکہ مطالبہ میں ہنوز نصف کی کمی تھی اس لئے فضل کو رقعہ لکھا کہ اس وقت مجھے ایک اراضی کی خریداری کی ضرورت ہے اُس میں روپے کی کمی ہے جس قدر ہو سکے بھیجدو۔ چنانچہ فضل نے ایک لاکھ درہم بھیج دیئے اور ایک دوسرا آدمی جعفر کے پاس بھیجا وہاں سے بھی دو لاکھ درہم آگئے۔ چنانچہ اس طرح آٹھ لاکھ درہم جمع ہو گئے اور منصور کے حوالہ کر دیئے۔ منصور نے کہا کہ آپ کی فیاضی سے اس قدر تو ہو گیا ہے لیکن بقیہ رقم کی بھی فکر کر دیجئے تب تو یحییٰ اشکبار ہوا، اور ایک غلام کو بُلایا کہ اس وقت دنانیر[1] کے

---

[1] دنانیر: خالد برمکی کی کنیز ہے۔ عود نوازی میں اس کا جواب نہ تھا اور شاعرہ بھی تھی۔ ایک دن یحییٰ دنانیر کے ہمراہ باغ میں گشت کر رہا تھا کہ یحییٰ نے برجستہ شعر پڑھا "الورد احسن منظر ❊ فتمتعوا لحظ منہ" دنانیر نے جواب میں برجستہ یہ شعر پڑھا۔ "فاذا انقضت ایامہ ❊ وردوا الخلاد بنوب عنہ"

(بقیہ صفحہ ۳۴۳) تھے۔ جہشیاری صفحہ ۲۳۴۔

[2] - جہشیاری صفحہ ۲۰۴

پاس جا، اور وہ قیمتی مرصع ہار جو امیر المومنین نے اُس کو انعام دیا ہے لے آ کیونکہ میں نے اُس کو امیر المومنین کے واسطے ایک لاکھ بیس ہزار دینار میں خرید کیا تھا وہ ملا کر کل تعداد تاوان کی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ یعقوب مع مطالبہ کے منصور کو ساتھ لے کر ہارون کے پاس روانہ ہو گیا۔ راستے میں منصور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

وما تبعتنی طوعا ولکن	تو نے خوشی سے میری اطاعت نہیں کی،
رایتك خفت من ضرب النبال	بلکہ میرا خیال ہے کہ تو تیروں کی زد سے ڈر گیا

یہ سُن کر مجھے بہت ہی تعجب ہوا اور منصور کی دنائت اور خباثت کا یقین ہو گیا جس وقت دربار میں پیشی ہوئی خلیفہ نے مجھ سے سارا قصہ سُنا اور ہار واپس کر دیا، اور باقی روپیہ خزانے میں بھیج دیا، اور منصور کو چھوڑ دیا۔ لیکن یحییٰ پر غصہ ہو کر حاضری کا حکم دیا۔ جس وقت یحییٰ آیا ہاروں غضبناک ہو رہا تھا، لیکن یحییٰ نے اپنی خوش بیانی سے تھوڑی دیر میں رشید کو رضامند کر لیا اور عرض کیا کہ "جو خطا منصور کی ہے اُس سے اطلاع بخشی جائے"۔ خلیفہ نے کہا ہمارے خاندان سے اُس کو عداوت ہے، یہی باعث گرفتاری تھا۔ لیکن آپ کی فیاضی نے آج منصور کو ہلاکت سے بچا لیا، یحییٰ نے کہا کہ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے اصلی فیاضی تو امیر المومنین کی ہے کیونکہ اگر حکم ہوتا کہ یحییٰ کا مال عطیۂ مایہ دولت ہے تو میں کیا کر سکتا تھا یہ سُنکر ہارون نے کہا کہ ہار کا لینا مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ تو میرا ہی عطیہ تھا۔ یحییٰ نے کہا، کہ "جب حاجت حد سے بڑھ جاتی ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔" صالح کہتا ہے کہ جب تمام معاملات طے ہو گئے تو میں نے منصور کا مذکورۂ بالا شعر یحییٰ کو سنایا۔ سُن کر بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ "جب انسان رنج و غم میں مبتلا ہوتا ہے تو مجبور ہوتا ہے جو جی میں آتا ہے کہہ گزرتا ہے۔"

یحییٰ کی عالی ہمتی و مروّت کا ایک عظیم الشان واقعہ

ابو علی قاسم بن محمد روایت کرتا ہے کہ ابو العباس عبداللہ بن مالک الخزاعی دربار ہارون الرشید میں نہایت معزز امرا میں

شمار کیا جاتا تھا اور خلیفہ کو اُس پر بہت اعتبار تھا۔ تقرب شاہی اور دنیاوی جاہ وحشم میں عبداللہ یحییٰ برمکی کا رقیب تھا اور دربار سے عبداللہ کو بڑے بڑے کام سپرد ہوتے تھے۔ یہانتک کہ یحییٰ اور جعفر کہا کرتے تھے کہ "عبداللہ نے ہارون پر جادو کر دیا ہے۔" اس عداوت کا ہارون کو بھی علم تھا یہ رنجش آخر کو اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اگر ایک جلسے میں دونوں جمع ہوتے تو ضرور سخت کلامی یا مباحثہ ہو جاتا تھا، لیکن اپنی اپنی چالوں سے کوئی چوکتا نہ تھا اتفاق سے آرمینہ اور آذربائیجان میں بغاوت ہو گئی تو ہارون نے رفع فساد کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ عبداللہ کو روانہ کرے۔ چنانچہ خلعت فاخرہ دے کر رخصت کیا۔ وقت کم اور کام ضروری تھا اس لئے عبداللہ کو بھی کوئی موقع عذر وحجت کا نہیں ملا مجبوراً روانہ ہوا۔ اور جس مہم پر روانہ ہوا تھا اُس کو عمدہ طور سے انجام دیا۔ لیکن مصلحت ملکی سے ہارون نے حکومت آرمینہ کی عبداللہ کو سپرد کردی اور بدستور وہاں قیام کا حکم دیدیا۔ معاذ بن یحییٰ شاعر کو عبداللہ اور یحییٰ کی مخالفت کا کچھ علم نہ تھا، یحییٰ کی طرف سے جعلی خط سفارش کا بنا کر آرمینہ پہنچا[1] مضمون پڑھکر عبداللہ کو نہایت تعجب ہوا کہ یحییٰ نے مجھ کو خط کیوں لکھا ہے ظاہرا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے، ضرور یہ خط جعلی ہے ؟ اور تحقیقات کی غرض سے معاذ کو مہمان رکھا، لیکن معاذ سے یہ کہدیا کہ "آپ نے اس قدر دور و دراز سفر کی زحمت ناحق اُٹھائی کیونکہ یہ خط جعلی ہے تاہم آپ اطمینان رکھیں میرے یہاں سے نامراد نہ جائیں گے"۔ معاذ نے کہا کہ خدا امیر کی عمر دراز کرے! اگر میرا آنا ناگوار ہے تو کسی عذر وحجت کی ضرورت نہیں ہے، میں رخصت ہوتا ہوں کیونکہ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ وَالرَّزَّاقُ حَیٌّ مُّبِیْنٌ۔ جو خط میں نے پیش کیا ہے وہ تو خاص یحییٰ کا دستخطی ہے جعلی کیونکر ہو سکتا ہے ؟ عبداللہ نے سنا تو کہا کہ "اچھا میں آپ کے قول پر اعتماد رکھتا ہوں۔ اب دو باتوں میں سے کسی ایک کو قبول کیجئے

---

[1] التبر المسبوک فی نصائح الملوک امام غزالی صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ خیریہ پریس مصر (ضیاء برنی)۔

اور وہ یہ ہیں کہ میں اس خط کو اپنے وکیل کے پاس جو بغداد میں مقیم ہے بھیجتا ہوں وہ یحییٰ سے دریافت کرے گا اگر معاملہ سچا ہوا تو کسی شہر کی حکومت عطا کرونگا اور اگر صرف انعام لینا منظور ہو تو ایک لاکھ درہم مع گھوڑے اور خلعت کے دونگا اور اگر جھوٹ ہوا تو قتل کردونگا، تاکہ جعلسازوں کو عبرت ہو" معاذ نے دونوں شرطیں قبول کرلیں اور کہا کہ "اگر امیر کو خط کی صحت میں شک ہے تو آپ تصدیق فرمالیں۔ اگر یحییٰ قبول نہ کرے تو اس سزا کا مستحق ہوں جو میرے لئے تجویز کی گئی ہے۔ لیکن بزرگوں اور ارباب سخا کا یہ طریقہ ہے کہ تحقیقات سے قبل سزا کا حکم نہیں سناتے ہیں۔" عبداللہ نے یہ عاقلانہ طنز آمیز جواب سنا تو شرمندہ ہوا اور اپنا قاصد ایک خط کے ذریعہ سے وکیل کے پاس روانہ کیا عبداللہ کے وکیل نے یحییٰ سے واقعہ بیان کیا اور وہ خط جو آیا تھا پیش کردیا۔ یحییٰ ندیموں کے ہمراہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا خط کا مضمون پڑھکر وکیل کو تو رخصت کردیا اور کہا کہ کل جواب ملیگا اور حاضرین سے پوچھا کہ اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے جعلی خط بناکر میرے دشمن کے سامنے پیش کیا ہے؟ سب نے مختلف جواب دیئے کسی نے قتل، کسی نے قطع ید (ہاتھ کاٹنا) اور کسی نے سزائے تازیانہ تجویز کی۔ یحییٰ نے اپنے مشیروں کی تجویز سن کر افسوس کیا اور کہا کہ حیف ہے تم میں سے ایک بھی صاحب مروّت نہیں۔ معاذ نے جو کچھ کیا ہے میرے عفو و کرم کے بھروسے پر کیا ہے۔ مجھے یہ ہرگز منظور نہیں ہے کہ معاذ شاعر عبداللہ کے روبرو شرمندہ ہو، کیونکہ عبداللہ کا قرب اور اعزاز جو امیرالمومنین کے نزدیک ہے اور میری عداوت کا حال تم لوگوں کو جو عرصہ بیس سال سے ہے، خوب معلوم ہے۔ اس شخص کے ذریعے سے صفائی ہوجائے گی اور گویا منجانب اللہ یہ سامان ہوگیا ہے" اور اپنے قلم سے اس مضمون کا خط عبداللہ کو لکھا کہ "آپ کا خط میرے پاس پہنچا، صحت و عافیت کا مژدہ سن کر کمال مسرت ہوئی۔ معاذ نے جو خط پیش کیا ہے وہ تو خاص میرا قلمی ہے۔ آپ کو اس میں شک کیونکر ہوا۔ معاذ میرا دوست ہے اور قابل عزت ہے جو کچھ آپ اس کے

احسان کرینگے وہ مجھ پر ہوگا۔" اور خط کو بند کر کے وکیل کے سپرد کیا کہ روانہ کرو۔ عبداللہ نے جواب پڑھا تو بہت خوش ہوا۔ اور معاذ سے کہا۔ کہ مدت سے ہم دونوں میں رنج تھا آپ کے ذریعے سے صلح ہوگئی۔ اب دونوں شرطوں میں سے جو منظور ہو ارشاد فرمائیے۔ معاذ نے انعام قبول کیا عبداللہ نے دو لاکھ درہم۔ دس عربی گھوڑے مع زین مرصع، اور بیس تھان قیمتی کپڑوں کے دس غلام مع ساز وسامان وظروف طلا و نقرہ مرحمت فرمایا اور نہایت اعزاز سے بغداد کو روانہ کر دیا۔ جب معاذ بغداد آیا تو سیدھا یحیٰی کے گھر پہنچا۔ اطلاع ہونے پر اندر بلایا گیا۔ یحیٰی نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ معاذ خوف کے مارے یحیٰی کے پاؤں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ "میں وہ ہوں جس کو زمانے کے جور وستم نے مردہ کر دیا تھا لیکن آپ کے رحم وکرم سے دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ آپ کی طرف سے جس نے جعلی خط بنا کر عبداللہ بن مالک کے سامنے پیش کیا تھا وہ ملزم میں ہی ہوں" یہ سن کر یحیٰی نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ فرمائیے عبداللہ نے کیا سلوک کیا معاذ نے تفصیل سنائی اور کہا تمام مال واسباب درِ دولت پر حاضر ہے۔ اب حکم آپ کے ہاتھ ہے۔ یحیٰی نے سنا تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میرے اور عبداللہ کے درمیان جو عداوت تھی وہ دور ہوگئی اور خوش ہو کر حکم دیا کہ جس قدر عبداللہ نے دیا ہے اُتنا ہی ہماری طرف سے معاذ کو دیا جائے، چنانچہ اُسی قدر دے دیا گیا[1] اور مصاحبوں میں معاذ کو داخل کر لیا۔ بقیہ عمر معاذ نے یحیٰی کی مدح سرائی میں گزار دی[2]۔ اور یہ عبداللہ اول صاحب الشرطہ کی خدمت پر ممتاز تھا۔

۱۵۔ رقت طبع ایک دن یحیٰی دربار خلافت سے واپس آ رہا تھا۔ دروازے[3] پر ایک شخص کو دیکھا۔ جب قریب آیا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کر کے یہ شعر پڑھا

---

[1] اس واقعہ کے متعلق یہ اشعار مشہور ہیں۔

ظللت علی الارض مظلمۃ ؕ اذ قیل "عبداللہ فذ دعکا ؕ یالیت مابک بی وان تلفت ؕ نفسی لذاک ! و قلّ ذاک لکا ! از حاشیہ کتاب التاج جاحظ صفحہ ۱۸

[2] ابن خلکان صفحہ ۳۲۵۔ جلد ۲۔ مطبوعہ مصر و التبر المسلوک صفحہ ۱۱۰۔

شفیعی الیک اللّٰہ لا شئی غیرہ	میرا سفارشی تیری خدمت میں صرف خدا ہے اور کوئی
ولیس الیٰ ردا لشفیع سبیل	نہیں اور یہ سفارشی ہٹایا نہیں جاسکتا۔

یحییٰ نے سُنا تو بہت متاثر ہوا اور اُس کی بڑی خاطر کی اور ایک علیحدہ مکان رہنے کو دیا اور ہر روز ایک ہزار درہم اُس شخص کو دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا' اور جو کھانا یحییٰ خود کھاتا تھا اُس میں سے مہمان کے پاس بھیجتا تھا۔ جب ایک مہینے میں تیس ہزار درہم ہو گئے تو وہ شخص بغیر اجازت چل دیا۔ یحییٰ کو اطلاع ہوئی تو بہت افسوس کیا اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ شخص رہتا تو میری زندگی تک اُس کا روزانہ وظیفہ بند نہ ہوتا۔"[1]

۱۶۔ ہارون الرشید کو ایک نصیحت

یحییٰ میں فیاضی کا قدرتی مادہ تھا کیونکہ کسی موقع پر اُس کا ہاتھ فیاضی سے نہ رُکتا تھا۔ جس طرح سے فضل وجعفر کو ہمیشہ فیاضی کی نصیحت کیا کرتا تھا۔ اُس طرح ھرون کو بھی ہر موقع پر ٹوک دیتا تھا

ایک دن کا ذکر ہے کہ ہارون الرشید گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ یحییٰ بھی ہمراہ تھا۔ فوج کے ایک سپاہی نے بڑھ کر عرض کیا میرا گھوڑا مر گیا ہے۔ حکم دیا کہ پانسو درہم دیدیے جائیں یہ حکم سُنکر یحییٰ نے ہارون الرشید کو آنکھ سے اشارہ کیا، لیکن اُس کی سمجھ میں نہ آیا۔ جب محل پر آیا تو یحییٰ سے پوچھا کہ پدر بزرگوار! اُس وقت آپ نے کیا اشارہ فرمایا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا' کیا مجھ سے کچھ غلطی ہو گئی تھی؟ یحییٰ نے کہا کہ ہاں ایسی قلیل رقم بادشاہوں کی زبان پر نہ آنا چاہیئے۔ پندرہ ہزار یا دس ہزار تو ہوں اور ہزار سے کم تو کسی حال میں نہ ہونا چاہیئے"۔

ہارون الرشید نے پوچھا کہ جب اس قسم کا سوال ہو تو کیا جواب دوں' یحییٰ نے کہا کہ ایسے موقع پر اصطبل سے ایک گھوڑا دینا چاہیئے تھا'

جہشیاری[2] نے لکھا ہے کہ رشید جب کسی معاملہ میں غلطی کرتا تو یحییٰ برمکی ایسے موقع پر اسکو امثال وحکایات سے متنبہ کیا کرتا تھا۔

---

[1] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۴۳ و التبر المسبوک صفحہ ۱۱۳ [2] جہشیاری صفحہ ۲۲۰

۱۷- خیرات کا نتیجہ مورخین نے جس قدر حالات یحییٰ کی فیاضی کے لکھے ہیں اُن میں سے بعض ہم نقل کر چکے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فی نفسہ یحییٰ میں کس درجہ فیاضی کا مادہ تھا اور جو خیرات عام طور سے کی گئی ہے اُس کی رقومات کی تعداد تو کروروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن علاوہ اِس ظاہری عطیات کے خفیہ طور پر بھی علما اور صلحا کی خدمت کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن خلکان[۱] نے لکھا ہے کہ کسی نے یحییٰ کو اُس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ تو کہا خدا نے مجھے سفیانؒ[۲] ثوری کی دعا کی بدولت بخش دیا کیونکہ میں ایک ہزار درہم ماہوار سفیان کو دیا کرتا تھا اور وہ میرے حق میں دعا فرماتے تھے "اللھم ان یحییٰ کفانی امر دنیائی فاکفہ امر اخرتہ"

۱۸- حسن اخلاق باوجود شاہانہ شان و شوکت اور منصب وزارت کے یحییٰ کے مزاج میں انتہا درجے کا عجز و انکسار تھا۔ اس کا عام طرز معاشرت تکلف اور بناوٹ سے بری تھا اُمرا کی دعوتوں میں شریک ہوتا، درویشوں اور عالموں سے اُن کے خانقاہوں اور مکان پر جاکر ملاقات کرتا۔ کسی دوست کی بیماری کا حال سُنتا تو جاکر عیادت کرتا۔ بڑی خوبی یہ تھی کہ اگر کسی معاملے میں غلطی ہو جاتی اور کوئی متنبہ کرتا تو اُس کو قبول کر لیتا تھا۔

ایک[۳] درباری شاعر بیمار ہو گیا اور مدت تک غیر حاضر رہا۔ اس عرصہ میں یحییٰ کو بھی کچھ خیال نہ آیا۔ صحت کے بعد اس نے شکایت آمیز خط لکھا، یحییٰ نے اُس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے پڑھنے سے یحییٰ کی اعلیٰ درجے کی نیکی اور انصاف پسندی

---

[۱] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۲۵۔ [۲] ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب رافع الثوری الکوفی ۹۹ھ میں سلیمان بن عبد الملک اموی کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار اقطاب اسلام اور ارکان دین میں ہے اور علم حدیث کے امام ہیں معمر، اوزاعی، ابن جریج، مالک، شعبہ، ابن عیینہ، فضیل بن عیاض نے آپ سے روایت کی ہے خلیفہ مہدی عباسی آپ کی نہایت عزت کرتا تھا۔ ۱۶۱ھ میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا (ثوری طرف ثور بن عبد مناۃ کے منسوب ہے) منتخب از روض المطور فی تراجم علمائے شرح الصدور صفحہ ۱۱۲۔ مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

[۳] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۲۱۴

ظاہر ہوتی ہے۔

اشعار شکایت آمیز

ایُّھا ذا الامیر اکرمک اللّٰہ	اے سردار! خدا تجکو معزز رکھے!
وابقاک لی بقاء طویلا	اور میرے فائدے کے لئے بڑی عمر دے۔
اجمیلا تراہ اصلحک اللّٰہ	کیا اِس کو آپ نے پسندیدہ خیال کیا
لکیما اراہ ایضاً جمیلا	تو میں بھی اس کو پسندیدہ سمجھوں؟
اننی قد اقمت عنک قلیلا	میں چندروز آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکا
لا تری منفذا الیک رسولا	اور کوئی قاصد بھی نہ بھیج سکا۔
الذنب فما علمت سوی لشکر	مجھ سے اور تو کوئی گناہ نہیں ہوا۔
لما قد اولیتنیہ جزیلا	بجز اسکے کہ آپنے جو انعامات مجھپر کئے ہیں اُسکا شکر گذار رہا ہوں
قد اتی اللّٰہ بالصّلاح فیما	خدانے بارے اچھا کیا۔
انکرت مما عھدت الا القلیلا	آپکو میرے ساتھ جو تعلقات تھے اُسکی نسبت مجھے شکایت ہے، مگر بہت نہیں

یحییٰ کا جواب

دفع اللّٰہ عنک نائبۃ الدھر	خدا تم سے زمانے کے مصائب دفع کرے۔
وحاشاک ان تکون علیلا	اور خدا نہ کرے کہ تم بیمار ہو۔
اشھد اللّٰہ ما علمت وما ذا	خدا گواہ ہے مجکو خبر نہ تھی
ک من العذر جائزا مقبولا	اور یہ عذر قابل قبول بھی نہیں
ولعلی لو قد علمت لعاود	مجھکو اگر (تمہاری بیماری کا حال) معلوم ہوتا تو مہینوں
تک شھراً وکان ذاک قلیلا	میں تمہاری عیادت کرتا۔ اور یہ بھی کافی نہ ہوتا۔
فاجعلن لی الی التعلق بالعذ	تم میرے لئے معذرت کا رستہ نکالو۔
ر سبیلا ان لم اجد لی سبیلا	مجکو تو معذرت کی راہ نہیں ملتی۔

فقد یجاء ذو الفضل بالفضـ	ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ بڑے لوگ مہربانی سے پیش آتے ہیں
ل- وما سامح الخلیل خلیلا	اور دوست دوست سے درگزر کرتا ہے۔

ادبی حیثیت سے یہ خط بتا رہا ہے کہ شاعری میں یحییٰ برمکی کا کیا درجہ ہے اور اخلاقی نظر سے دیکھو تو کس قدر نکتے حل ہوتے ہیں۔

۱۹- مصطلح علم نجوم اور اسکا اثر

یحییٰ برمکی ایک نامور منجم تھا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن ہندوستان کے جوتشیوں کے صحبت میں اسپر مصطلح نجوم کا اسقدر غلبہ تھا کہ وہ اپنے ہر معاملہ میں زائچہ کشی کیا کرتا تھا۔ منجموں کو اکثر اپنی تقویم (جنم پتر) دکھلایا کرتا تھا اور بعض اوقات شگون لیتا تھا۔ قیمتی اسباب کی چوری پر نجومی زائچہ طیار کرتے اور فال کھولی جاتی تھی۔ حربن وہب، ابو شمامہ شاعر سے روایت کرتا ہے کہ ایک دن یحییٰ نے علی الصباح بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو مجکو اپنے ہمراہ لے کر ایک "تنگ راستے کی طرف چلا اور چند قدم چل کر ٹھہر گیا وہاں ایک مشہور فاحشہ عورت کا مکان تھا اُس نے گھر سے نکل کر ازراہ تمسخر یحییٰ کے گھوڑے کو دو تین کوڑے لگائے اور چلی گئی۔ مجھے نہایت تعجب ہوا کہ باوجود پارسائی کے یہ کیا لغو حرکت ہے اور پھر یحییٰ کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوا۔ راستے میں یحییٰ نے کہا "ابو شمامہ تم خیال کرتے ہوگے کہ میں آج دیوانہ ہو گیا ہوں۔ کیونکہ یہ کام تو میں نے دیوانوں ہی کا سا کیا ہے؟" میں نے عرض کیا ہاں! میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔" آنچہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بہ خواب"

ہندوؤں کے شگون

میری یہ بات سُن کر یحییٰ ہنسا اور کہا کہ " میں نے ہند کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی مہم درپیش ہو اور اُس کے انصرام کی نیت سے گھر سے نکلے۔ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس سے طبیعت کو مسرت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ مراد بر آئے گی

لہ ضیاء برنی۔

اگر برعکس ہو تو صبر کرنا چاہیئے۔ میں نے یہ شگون آج امتحاناً کیا ہے دیکھیئے کیا نتیجہ ہو؟ مگر اس معاملہ کو کسی سے نہ کہنا کیونکہ یہ بظاہر رسوائی کی بات ہے" میں خاموش ہو رہا۔ ایک ہفتہ بعد میں نے دریافت کیا تو وزیر نے کہا ہاں وہ کام تو ہو گیا مگر مجھے اب تک ندامت ہے۔

ابو یعقوب[۲۰] نابینا سے یحییٰ کا فال دکھلانا

یعقوب بن اسحاق، عیسٰے بن موسیٰ بن یحییٰ سے روایت کرتا ہے کہ ایک دن یحییٰ نہایت غصے میں محل سے باہر نکلا اور ایک غلام کو حکم دیا کہ "ابو یعقوب کو حاضر کرو" (یہ ایک عجیب وغریب شخص تھا۔ تمام بغداد میں اس کی ذہانت مشہور تھی۔ بصارت سے محروم تھا) تھوڑی دیر میں ابو یعقوب حاضر ہوا۔ یحییٰ نے حکم دیا کہ کوئی بات چیت نہ کرے، سب خاموش رہیں" اور یعقوب کو اپنے پاس بٹھایا اور اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

یحییٰ۔ کیوں یعقوب تم بتا سکتے ہو کہ میں نے تم کو کیوں بلایا ہے؟

یعقوب۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ ادھر اُدھر کان لگائے کہ کوئی بات کرے تو اُس سے نتیجہ نکالے جب کچھ نہ سُنا تو دونوں ہاتھوں سے فرش کو ٹٹولنا شروع کیا، کچھ وقفہ کے بعد عرض کیا کہ وہ ایک قیمتی جواہر ہے جو ایک تھیلی میں رکھا ہوا تھا اور چوری ہو گیا ہے"

یحییٰ۔ سچ ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس وقت وہ کہاں ہے اور چور کا نام کیا ہے؟

یحییٰ کے اس سوال پر تھوڑی دیر سکوت کر کے عرض کیا کہ "وہ جواہر ایک توبرے کے اندر رکھ کر آبدار خانہ کے قریب دفن کر دیا گیا ہے۔ البتہ چور کا نام نہیں عرض کر سکتا ہوں"

یحییٰ۔ بہت خوب ابھی دیکھتا ہوں۔ تحقیقات سے تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ملی اور کھودنے پر مال مسروقہ مل گیا۔ یحییٰ کو ابو یعقوب کی فراست پر کمال حیرت ہوئی اور حکم دیا کہ دس ہزار درہم یعقوب کو انعام دیئے جائیں پھر پوچھا کہ تمہارا مکان کہاں ہے؟ یعقوب نے کہا کہ میرے پاس کوئی مکان نہیں ہے۔ یہ سُن کر یحییٰ نے حکم دیا کہ ہمارے قریب سوق البردان میں ایک مکان خرید کر دیا جائے اور جب مکان خرید ہو جائے تو ضروری سامان کی واسطے

پانچ ہزار درہم اور دیئے جائیں۔

یعقوب۔ وزیر کی فیاضی کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میری قسمت میں نہ مکان ہے نہ پانچہزار درہم البتہ دس ہزار د۔ ہم ضرور ملیں گے۔

یحییٰ۔ یعقوب تمہاری باتیں سُن کر مجھے بہت تعجب ہوا اب سچ بتاؤ جو تم نے کہا ہے۔ یہ باتیں تم کو کیسے معلوم ہوئیں اور وہاں تک تمہارا قیاس کیسے پہنچ گیا؟

یعقوب۔ آج جس وقت در دولت پر حاضر ہوا ہوں تو معمولاً جو شور و غل سُنا کرتا تھا وہ بالکل نہ تھا۔ کوشش کی کہ کوئی بات سُنائی دے لیکن کچھ بھی نہ سُنا۔ تب میں نے قیاس کیا کہ گھر والے سب کے سب خوف زدہ ہو رہے ہیں اور سب کو ڈر نہیں ہوتا ہے جب تک کوئی قیمتی اور نفیس شے جو محفوظ ہو گم نہ ہو جائے۔ اس لئے میں نے خیال کیا کہ کوئی جواہر گم ہو گیا ہے۔

یحییٰ۔ اچھا میں تسلیم کرتا ہوں اور کہو۔

یعقوب۔ جب میں نے کوئی بات نہ سُنی کہ جس سے قیاس کرتا تب میں نے فرش کو ٹٹولنا شروع کیا کہ دیکھوں کیا ملتا ہے۔ اتفاق سے ایک ٹکڑا چھوارے (خرما) کا مل گیا اور چھوارا عزیز اور نفیس میوہ ہے اُس پر میں نے تفاولاً قیاس کر لیا کہ ضرور کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہے اور چھوارے کی قدرتی ساخت پر میں نے خیال کیا کہ وہ ایک تھیلی میں تھا۔

یحییٰ۔ تمہارا یہ قیاس صحیح ہے مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آبدار خانہ کے قریب دفن ہے۔

یعقوب۔ جب حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ جواہر کہاں ہے اُس وقت میں نے سُنا کہ سقّہ غلام سے پوچھ رہا ہے کہ یہ پانی کی مشک کہاں ڈالی جائے۔ غلام نے کہا کہ اُس آبادی میں جہاں پانی رکھا جاتا ہے۔

یحییٰ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو مکان اور پانچہزار درہم کیوں نہ ملیں گے صرف دس ہزار ملنے کا کیا سبب ہے۔؟

یعقوب۔ جب اوّل انعام کا حکم صادر ہوا ہے تو ایک غلام نے دوسرے سے کچھ مانگا تھا۔ اس نے کہا لیلو۔ میں نے سمجھا وہ مِل جائیگا۔ جب دوسرا حکم ہوا تو آواز آئی وہ یہاں نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور کے قریب جس قدر مکانات ہیں وہ رئیسوں اور امیروں کے ہیں۔ کوئی قیمتاً نہیں مل سکتا ہے۔" یہ اندھا زوال برامکہ تک زندہ رہا۔ مگر برامکہ کی فیاضیوں سے محروم رہا اور جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی پیش آیا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہارون الرشید اور یحییٰ میں رنجش شروع ہو گئی تھی اور زوال کا زمانہ قریب آگیا تھا۔ یہ واقعہ بظاہر عجیب و غریب ہے لیکن تفاؤل کا یہ بھی ایک اُصول تھا کہ خارجی اسباب سے مغیّبات کا حال بتاتے تھے۔ یہ ایک مستقل فن تھا جو اب فنا ہو گیا ہے۔ اس قسم کے واقعات قدیم تاریخوں میں موجود ہیں۔

۱۲۔ عقائد نجوم سے توبہ فیض[1] بن صالح اور یعقوب بن اسحاق کا قول ہے کہ یحییٰ برمکی[2] نجوم میں اپنے زمانے کے منجموں پر فوق رکھتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ تمام منجم یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عملی کارروائیاں کرتے تھے اور اکثر اہم مسائل نجوم کے حل کئے جاتے تھے۔ ایک دن منجمین کا مجمع تھا۔ کسی مسئلے پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ اتفاقیہ ایک درویش آ نکلا۔ یحییٰ مسند سے اُٹھا اور جس طرح وہ فقراء سے ملا کرتا تھا اُسی طرح ملا اور مسند پر بٹھا کر عادت کے موافق اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اُس درویش کے ہمراہ ایک خادمہ (جس کا نام سفسان تھا) رہا کرتی تھی۔ گلاس اور پانی کی چھاگل اس کے پاس رہتی تھی۔ یحییٰ نے اُس کنیز کا حال پوچھا تو درویش نے کہا کہ "یہ ایک عجیب و غریب کنیز ہے جو ہمیشہ میرے قول کی تکذیب کرتی ہے اگر میں کہتا ہوں کہ کل یہ ہوگا تو یہ کہتی ہے کہ ہرگز نہ ہوگا۔ بہر حال یا تو اسی کا کہنا صحیح ہوتا ہے یا میری بات بالا رہتی ہے۔" یحییٰ نے درویش کا عاقلانہ کلام سُنا تو عبرت پذیر ہوا اور مصطلح نجوم کے عقائد سے توبہ کر لی۔"

---

[1] فیض بن صالح عباسی مشاہیر بغداد سے تھا۔ جعفر اور یحییٰ اس کی مروت و اخلاق کا اکثر بیان کیا کرتے تھے۔

[2] ضیا برنی۔

۲۲۔ کاتب پر عتاب اور نصیحت کے بعد فیاضی

یحییٰ کا ایک کاتب عبداللہ بن سوار بن میمون تھا ایک دن وہ پیشی میں طلب ہوا، بیٹھنے کی اجازت دی اور ایک مُراسلہ لکھنے کا حکم دیا گیا۔ کاتب نے عرض کیا کہ قلمدان موجود نہیں ہے، یہ سنتے ہی یحییٰ برہم ہوا اور کہا تم کیسے کاتب ہو؟ کہ قلمدان لیکر نہیں آئے ہر صاحب صناعۃ کو مع لوازمہ آنا چاہئے۔ اس کے بعد عبداللہ کا بیان ہے کہ میں لکھنے بیٹھا، لیکن کچھ ایسی بدحواسی چھائی کہ کچھ نہ لکھ سکا۔ یحییٰ نے میری حالت کا احساس کر کے فرمایا کہ تم مقروض معلوم ہوتے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! تین لاکھ درہم دینا ہیں۔ یہ سنتے ہی کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس پر ایک شعر لکھا، چنانچہ یہ رقم اسی وقت مجھ کو مل گئی اور میں رخصت ہوا۔[1]

دور حاضرہ کے اہل قلم کے لئے یہ ایک نصیحت ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ فونٹین پن (قلم جس میں روشنائی بھری ہوتی ہے) کی ایجاد نے قلمدان کے بار سے کاتبوں کو سبکدوش کر دیا ہے۔

۲۳۔ قصر و ایوان کی تعمیر

اصفہان سے دربار وزارت میں ایک فریادی آیا،[2] اور اس نے عامل کی شکایت میں ایک طویل تقریر کی جب تقریر ختم ہوئی تو یحییٰ نے کہا کہ عامل کے مظالم اور زیادہ ستانے کے واقعات، میں نے سُن لئے لیکن تم نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا ہے کہ "ھَدَمَ شَرَفِی" (میری عزت کو ڈھا دیا) اس جملہ سے تمہاری کیا غرض ہے، ذرا تفصیل سے بیان کرو۔"

اصفہانی نے عرض کیا کہ میرے باپ کا بنایا ہوا ایک شاندار محل تھا، اس کو بھی عامل نے گروا دیا ہے۔ اس سے میری شہرت اور عزت کا خاتمہ ہو گیا ہے، جب تک محل موجود تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ اس باپ کا بیٹا ہے جس نے یہ محل بنایا تھا، اب کوئی میرا

[1] جہشیاری صفحہ ۲۱۴
[2] جہشیاری صفحہ ۲۶۶

نام بھی نہیں لیتا" یحییٰ نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ اسکے بعد فضل و جعفر کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں بھائی اپنے صرف سے اس غریب کا مکان بنوا دو۔ اور یحییٰ نے مقدمہ کا بھی اصفہانی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ یحییٰ برمکی بھی عمارات کو بقائے نام کا ذریعہ سمجھتا تھا۔

۲۴۔ یحییٰ کے حکیمانہ اقوال

یحییٰ کے علمی حالات لکھے جا چکے ہیں، اب اس کے بعض اقوال لکھے جاتے ہیں جو سراپا حکمت و موعظت ہیں۔

۱۔ یحییٰ اپنے بیٹوں سے کہا کرتا تھا کہ "متقدمین جو اچھی باتیں سُنا کرتے تھے وہ لکھ لیا کرتے تھے اور بہترین اقوال حفظ کر لیتے تھے اور جو حفظ کرتے تھے وہ دوسروں کو سُنایا کرتے تھے۔ (ہر شخص کے پاس ایک بیاض رہتی تھی جس میں بہترین اقوال لکھ لیتے تھے)

۲۔ عقلاء کی شناخت کتاب (مکتوب) ہدیہ اور رسول سے ہوتی ہے۔ (رسول سے سفیر مراد ہے۔ اس خدمت کے لئے سلاطین، حکماء و علماء کو انتخاب کیا کرتے تھے اور یہ ایک بڑا وصف تھا)

۳۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ تم کتّاب (دفتر انشا کے محرر) اور عمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ہو، لہٰذا اس خدمت کے لئے شریفوں کو انتخاب کرو، اور یہی شرط احباب اور ندیموں کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ باقی رہتا ہے اور یہ مشکور ہوتے ہیں اور رذیل اس کے برعکس ہیں۔

۴۔ تین دن کے بعد تعزیت کرنا، مصیبت کا اعادہ کرنا ہے۔ اور تین یوم کے بعد تہنیت کرنا دلیل محبت ہے (ادائے تعزیت میں عجلت کرنا چاہئے اور تہنیت کا جب موقع ملے)

۵۔ کاتبوں کو ہدایت کی کہ جو کچھ لکھو وہ مثل توقیعات کے (جامع اور مختصر) ہو۔

۶۔ بادشاہوں میں صلہ رحمی نہیں ہے۔

۷۔ یحییٰ نے اپنے بھائی محمد بن خالد کو لکھا کہ جیل میں رہ کر میں نے اپنے دوستوں اور

دشمنوں کو پہچان لیا ہے۔

۸۔ ایک دوست کے استفسار پر لکھا "بہترین انسان وہ ہے جو اقبال کے زمانہ میں خدا کا شکر گزار ہو۔ اور ادبار کے وقت صبر اختیار کرے۔

۹۔ امام واقدی راوی ہیں کہ ایک دن میرے سامنے، فضل برمکی یحییٰ کے پاس آیا۔ اسکی چال متکبرانہ تھی یہ ادا یحییٰ کو ناگوار معلوم ہوئی، فضل کو مخاطب کر کے کہا "حکماء کا قول ہے کہ بخل (کنجوسی) تواضع کے ساتھ غرور اور فیاضی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔" اس نصیحت کے بعد فضل کو بیٹھنے کی اجازت دی۔

۱۰۔ جس[۳] راگ سے طبیعت میں سرور یا رقت پیدا ہو وہ موسیقی ہے باقی مصیبت اور دردسر۔

۱۱۔ جو[۴] اصحاب ہم سے قبل تھے وہ ہمارے لئے قابل اقتدا ہیں اور جو ہمارے بعد آئیں گے ہم اُن کے لئے عبرت ہیں۔

۱۲۔ جب[۵] بادشاہ کی صحبت میسر ہو تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جس طرح ایک عاقل عورت اپنے بے وقوف شوہر کو رضامند رکھتی ہے۔

۱۳۔ گفتگو[۶] سے قبل میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتا ہوں، البتہ اگر وہ شخص فصیح و بلیغ ہو تو میرے دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے۔

۱۴۔ اسحٰق[۷] بن ابراہیم موصلی نے کسی غلام کو پکارا، اس نے آواز سُنی مگر جواب نہ دیا۔ جب یہ واقعہ یحییٰ سے بیان کیا گیا تو اس نے کہا کہ "غلاموں کی بے ادبی آقا کے حلم کی دلیل ہے۔"

۱۵۔ جو لوگ[۸] دولت دنیا کے طالب ہیں اگر وہ زمانہ کی سختیاں نہ جھیل سکیں تو پھر اپنے

---

[۱] از نمبر ایک تا نمبر ۷ کتاب الوزراء جہشیاری صفحات ۲۱۴، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴ و ۳۱۳ [۲] مروج الذہب مسعودی [۳] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ [۴] مستطرف جلد اول [۵] کشکول بہاء الدین [۶] زہر الآداب حصری [۷] ضیاء برنی

مقصد میں ناکامی کی شکایت نہ کریں۔

۱۶۔ جس[1] شے کا کسی کو دینا تجویز کر لیا گیا ہو، پھر اس کے دینے میں رکاوٹ کرنا بھی انتہائی کنجوسی ہے۔

۱۷۔ رونے[2] والوں میں قلم سے اچھا، متبسم (مسکرانے والا) میں نے نہیں دیکھا ہے (یہ تشبیہ قلم کی روانی اور شگفتگی مضامین کے اعتبار سے ہے)

۱۸۔ سچا دوست وہ ہے جو براہ راست یا کسی کی سفارش پر نفع پہونچائے۔

۱۹۔ "المواعید شباك الكرام یصطادون بها محامد الاحرار" یعنی فیاض لوگوں کے جال، اُن کے وعدے ہیں، جس کے ذریعہ سے محامد احرار شکار کئے جاتے ہیں (مقصد یہ ہے کہ آزاد اصحاب جو امراء کی مدح پر مجبور ہوتے ہیں وہ اُن کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔ اور کسی امیر کا وعدہ کر لینا ہے ایک ایسا جال ہے جس میں احرار پھنس جاتے ہیں۔

۲۰۔ ہر شخص اپنی اولاد میں وہ عیب نہیں دیکھنا چاہتا ہے جس کو وہ بذات خود بُرا سمجھتا ہے

۲۱۔ کیمیا، عنقا اور سخا (فیاضی) کا نام میں نے سُنا ہے مگر آنکھ سے نہیں دیکھا۔

۲۲۔ تین قسم کے داغ دھبّے عیب میں داخل نہیں ہیں

۱۔ محرروں کے دامن پر روشنائی کا دھبّہ

۲۔ سواروں کے لباس پر اسلحہ کا اثر

۳۔ گانوں والوں کے کپڑوں پر گوبر وغیرہ کا نشان

---

[1] وعدہ اور انجاز (ایفائے وعدہ) جداگانہ امور ہیں۔ یحییٰ برمکی جو وعدہ کرتا تھا اس کا ایفا فوراً کرتا تھا۔ شعراء نے اس صفت کی مداحی کی ہے۔ ابن قابوس عمر بن سلیمان الحیری نصرانی کا قول ہے۔ "رأیت یحیی اتم الله نعمة علیه یاتی الذی لم یاته احد' ینسی الذی کان من معروف ابدا الی الرجال ولا ینسی الذی یعد" "یحییٰ برمکی لوگوں سے جو فیاضی کرتا ہے اسے تو ہمیشہ بھول جاتا ہے۔ لیکن جو وعدہ کرتا ہے اُسے نہیں بھولتا۔"

کسی عجمی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے

وفانمائے بوعدہ کہ وعدہ چوں دَین است | وفا یہ وعدہ کرم باشد و خلافش لوم

(باقی صفحہ ۳۷۰ پر ملاحظہ ہو)

۲۳۔ چار چیزیں انسان میں سعادت کی دلیل ہیں۔

۱۔ اعضاء کا سڈول ہونا

۲۔ عقلی ذہانت

۳۔ قوت حافظہ

۴۔ آہستہ آہستہ خواہشات کی تکمیل

۲۴۔ چار چیزیں خوش نصیبی میں داخل ہیں۔

۱۔ اپنے لگائے ہوئے درخت کا پھل کھانا،

۲۔ گھر کے بچھیروں پر سواری کرنا۔

۳۔ خاندانی وضع ولباس کا قائم رکھنا

۴۔ شاعر کی غزلوں کا اس کی زندگی میں مقبول ہو کر گایا جانا۔

۲۵۔ دنیا[۱] کی راحت آٹھ چیزوں میں ہے۔

۱۔ اچھا کھانا، ۲۔ عطریات، ۳۔ ٹھنڈا پانی، ۴۔ نرم لباس۔ ۵۔ بی بی کے ساتھ خوش فعلیاں۔ ۶۔ وسیع ہوادار مکان۔ ۷۔ ہمخیال بی بی ۸۔ عزیزوں سے فیاضی،

۲۶۔ اولیات | ۱۔ یحییٰ[۲] برمکی نے ملک محروسہ میں یتامی کے لئے مکتب جاری کئے۔

۲۔ دفتر انشا سے جو احکام جاری ہوتے تھے اس پر یہ طغرا لکھا گیا "یصلی علی محمد عبدہٗ ورسولہ"

۲۷۔ تصنیفات | یحییٰ کے بعض خطبات اور خطوط کتابوں میں موجود ہیں اور تصنیفات[۳] میں صرف ایک رسالہ ہے۔ جو انبار (عجمی شاہزادے) کی مدح میں لکھا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳۵۹) وفا بہ وعدہ کرم باشد وخلافش لوم | زلوم تا بہ کرم درنگر چہ مابین است
چو وعدہ داری از آں برمگرد وزین وفا | براسپ وعدۂ خود نہ کہ این بہ از زین است

جہشیاری صفحہ ۲۱۴ وجامع الحکایات مطبوعہ بمبئی ۔ [۵] از نمبر ۱۷ لغایتہ ۲۴۔ رسالہ الایجاز والاعجاز و برد الاکباد فی الاعداد امام ثعلبی مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ ۱۳۰۱ھ ۔ [۱] برد الاکباد صفحہ ۴۰ ۔ [۲] جہشیاری صفحہ ۲۱۱ و ۲۱۲۔ یحییٰ کے اخیر زندگی کے حالات زوال خاندان کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے ۔ [۳] جہشیاری صفحہ ۲۱۲۔

دوسرا حصہ

فضل برمکی

یحییٰ کی اولاد مورخین کی تحقیقات کے مطابق بیٹیوں کے علاوہ یحییٰ کے حسب ذیل نو بیٹے تھے۔

۱۔ فضل ۲۔ محمد ۳۔ جعفر ۴۔ موسیٰ ۵۔ عباس ۶۔ احمد ۷۔ خالد۔ ۸۔ عبداللہ ۹۔ ابراہیم

لیکن ان میں صرف فضل، جعفر، محمد اور موسیٰ کو تاریخی شہرت حاصل ہے، جنکی نسبت کسی شاعر[1] کا یہ قول ہے۔

اولاد یحییٰ اربع کاربع الطبائع فھم اذا اختبرتھم طبائع الصنائع	یحییٰ کے چار بیٹے ہیں جیسے چار عنصر، ان کو جانچ کر دیکھو تو درحقیقت موجودات کے عنصر ہیں۔

ان اربعۂ عناصر کے تفصیلی حالات تو جداگانہ ہیں، لیکن جن خاص صفات سے یہ مشہور و معروف تھے اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ **فضل برمکی** یہ[2] بڑا ہی مغرور و متکبر تھا لیکن فیاضی میں جعفر بھی اسکی برابری نہ کرسکا۔ مورخ ابن خلکان برمکی کا قول ہے "کان من اکثرھم کرماً مع کرم البرامکہ

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۳۲۲ وجہشیاری صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۳

[2] جہشیاری صفحہ ۲۲۹، ۳۰۔ وابن خلکان، فیاضی کی نسبت فضل کا یہ مقولہ ہے " وما قدر الدنیا حتی یملح من یجود بکلتھا فضلا عن بعضھا" رسالہ الایجاز والاعجاز ثعالبی صفحہ ۲۴

وسعة جودھم وکان اکرم من اخیہ جعفر"۔ ادب اور فن شعر میں بھی کامل تھا، لیکن شاعری کو کبھی ذریعہ فخر نہیں سمجھا اور روایت شعر میں بھی ممتاز تھا۔

۲۔ جعفر برمکی۔ عدیم النظیر ادیب اور خطیب تھا۔ اس کے بعض توقیعات (مختصر احکام) اور خطبات (لکچر) کے اعلیٰ نمونے کتب ادب اور تاریخ میں درج ہیں۔

خطیب ہونا خصوصیات عرب سے ہے اور جس قبیلہ میں کوئی شاعر یا خطیب پیدا ہوتا تھا وہ اسکے لئے باعث فخر تھا لیکن عجم بھی عربوں سے پیچھے نہیں رہے اور خاندان برامکہ میں تو عورتیں بھی بڑی گویا اور فصیح البیان تھیں۔

۳۔ موسیٰ برمکی۔ یہ سب بھائیوں میں بہادر و شجاع تھا، فتوحات سندھ میں اس کے کارنامے مشہور ہیں۔

۴۔ محمد برمکی۔ بخل و کنجوسی میں یگانہ روزگار تھا، جس کا تمام عمر یحییٰ کو صدمہ رہا۔ یہ سب سے الگ رہتا تھا، کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔

خلیفہ مامون الرشید نے مختلف جلسوں میں فضل، جعفر اور موسیٰ کے اوصاف کا اعتراف کیا ہے۔

فضل سب بھائیوں میں بڑا تھا اور ابراہیم سب سے چھوٹا، یہ حسن یوسفی رکھتا تھا جس کا لقب "دینار آل برمک" تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں فوت ہوا، شعراء نے مرثیے لکھے جہشیاری نے دو شعر ابو المنذر عروضی کے نقل کئے ہیں۔ یحییٰ کو فضل بہت عزیز تھا اور اس نے سب سے زیادہ یحییٰ کی خدمت بھی کی ہے۔

اس تعارف کے بعد اب فضل کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

۲۔ **فضل کی ولادت** صحیح روایات کے مطابق فضل کی ولادت ساتویں رجب ۱۴۸ھ (۲۹ راگست ۷۶۵ء) میں ہوئی اور چھ مہینے بعد ہرون الرشید یکم محرم ۱۴۹ھ کو عالم وجود

---

[۱] ابن خلکان حالات جعفر برمکی [۲] جہشیاری صفحہ ۲۰۲ [۳] جہشیاری صفحہ ۲۱۵ [۴] جہشیاری صفحہ ۲۲۹

میں آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خالد موصل کا اور یحییٰ بائجان کا گورنر تھا اس لئے فضل کی پرورش شاہانہ طریقہ سے ہوئی۔

۳۔ رضاعت اقبال کی یاوری سے وہ سامان پیدا ہو گئے جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا، کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ فضل، ہرون الرشید کا رضیع (دودھ شریک بھائی) ہوگا؟ اور خیزران[1] جیسی معزز خاتون فضل کی دایہ بنے گی ع این سعادت بزور بازو نیست، اسی طرح رشید نے ام الفضل زبیدہ (والدہ فضل) کا دودھ پیا تھا۔ خیزران[1] کی گود میں ایک طرف رشید ہوتا تھا اور دوسری جانب فضل، دونوں ایک ساتھ دودھ پیتے اور ایک پالنے میں جھولتے تھے اور اسی[2] رشتہ سے رشید، فضل کو بھائی کہکر خطاب کرتا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی، جس کو شعراء نے مفاخر برامکہ میں شمار کیا ہے۔

سلم الخاسر کہتا ہے۔

اصبح الفضل و الخلیفۃ ہرون رضیعی لبان خیر النساء	فضل اور خلیفہ ہرون الرشید دونوں نے اس عورت کا دودھ پیا ہے جو اشرف النساء ہے

مروان بن ابی حفصہ نے اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

۱۔ کفی لک فضلاً ان افضل حرۃ غذتک بثدی والخلیفۃ واحدا	تیری فضیلت کیلئے یہی بس ہے کہ سب سے شریف خاتون نے تجھ کو اور خلیفہ کو ایک ہی چھاتی سے دودھ پلایا ہے
۲۔ لقد زنت یحییٰ فی لمشاھد کلھا کما زان یحییٰ خالدا فی لمشاھد	تو نے ہر موقع پر یحییٰ کا نام روشن کیا جس طرح یحییٰ نے خالد کا نام روشن کیا تھا،

الغرض زمانہ ولادت سے پندرہ سال تک فضل کی پرورش قصر خلافت میں ہوئی۔

---

[1] خیزران حسن کی دیوی تھی۔ خلیفہ مہدی عباسی نے اس کو ایک لاکھ درہم میں خرید کیا تھا۔ امام اوزاعی نے مذہبی تعلیم دی۔ خلیفہ ہادی اور ہرون کی ماں تھی۔ یہ بڑی فیاض تھی، ۲۱ جمادی الثانی ۱۷۵ھ (اکتوبر ۷۸۹ء) میں انتقال کیا در المنثور صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ مصر مصنفہ سیدہ زینب۔ [2] ابن خلکان صفحہ ۴۰۸ جلد اول مطبوعہ مصر۔

۴۔ فضل کی تعلیم و تربیت

فضل نے ہرون الرشید کے ساتھ انہیں معلموں سے تعلیم پائی، جو رشید کے اُستاد تھے اور اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ فضل بھی علمی کمالات میں عباسی شہزادوں کے ہم پلّہ تھا۔

۵۔ فضل کا سن رُشد اور مُلکی خدمات

جب فضل عمر کی بائیس ۲۲ منزلیں طے کر کے سن شعور کو پہنچا، اس وقت ہرون الرشید حکمراں تھا اور جو برادرانہ تعلقات دونوں میں بچپن سے تھے اس کا یہ اقتضاء تھا کہ فضل سلطنت کے کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو۔ لیکن یحییٰ برمکی نے اب تک فضل کو حکومت کے نازک فرائض سے الگ رکھا تھا لیکن اس کے بعد جو خدمات فضل کے سپرد ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شاہزادہ محمّد کی اتالیقی

ہرون الرشید کے ایما سے یحییٰ نے فضل کو شاہزادہ محمد کا اتالیق مقرر کیا، کیونکہ اس خدمت میں آیندہ بکثرت فوائد تھے۔ اس[1] بنا پر جعفر بن محمد بن الاشعث سابق اتالیق کو یحییٰ نے معزول کر کے فضل کو مقرر کیا[2]۔ اور رشید نے یہ بھی حکم دیا کہ محمد کی جاگیر کے متعلق جسقدر عمال اور دفاتر ہیں ان کی بھی نگرانی رکھے اور قصر الخلد میں شاہزادہ کے ساتھ رہا کرے۔

۲۔ فضل کی ایک سیاسی مہم

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ خلافت عباسیہ کی تاسیس (بنیاد قائم کرنا) میں علویوں (آلِ ابوطالب) نے بھی جانفشانی کی تھی اور اہم خدمت یہ تھی کہ "اگر ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ اپنے دعاۃ کو محمد بن علی عباسی کے ہاتھ پر بیعت اور دعوت کی اجازت نہ دیتے تو عباسیوں کو زمانہ دراز تک خلافت نصیب نہ ہوتی"۔ لیکن علویوں کے خلاف، جب عباسی اپنی چالاکیوں سے خلافت کے مالک ہو گئے تو علویوں نے بھی علانیہ مخالفت شروع کی کیونکہ وہ خلافت اسلامیہ کو اپنا موروثی ترکہ سمجھتے تھے اس لئے بار بار مدعی

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۴۴ [2] زوال برامکہ میں فضل بن ربیع کے بعد جعفر بن محمد کی عداوت بھی ایک قوی سبب ہے (جہشیاری)

ہو کر خروج کرتے تھے، لیکن بدنصیبی سے فوج و علم کے مالک نہ تھے اس لئے شکست اُٹھا کر قید ہوتے یا قتل کر دیئے جاتے تھے، اگرچہ یہ بغاوتیں (باصطلاح تاریخ) عہد مہدی عباسی میں ختم ہو چکی تھیں اور ہرون الرشید اپنے اسلاف کے مقابلہ میں زیادہ مطمئن تھا مگر پھر بھی ۱۷۲ھ/۷۸۸ء میں امام یحییٰ (برادر نفس زکیہ) بن عبداللہ محض بن حسن مجتبیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب، نے خروج کیا (معرکہ فخ میں یحییٰ اور ان کے بھائی ادریس قتل ہونے سے محفوظ رہ گئے تھے) اور آہستہ آہستہ اپنی قوت بڑھاتے رہے۔ جب کافی جمعیت ہو گئی تو ۲۲ ربیع الثانی ۱۷۵ھ (۲۰ اگست ۷۹۱ء) کو دیلم (کوہستانی سلسلہ) میں ظہور کیا۔ اور بڑے شان و شکوہ سے مقابلہ کو اُٹھے۔ اُن کے علم کے زیر سایہ شرفائے سادات اور عرب کے علاوہ ایرانی رضاکار ہزاروں کی تعداد میں تھے کیونکہ اُمور مذہبی میں مسئلہ خلافت سے ایرانیوں کو آغاز اسلام سے خاص شیفتگی ہے۔[1]

جب محکمہ برید نے اس واقعہ کی اطلاع کی تو ہارون الرشید بدحواس ہو گیا اور مدافعت کے لئے فضل برمکی کو انتخاب کیا اور چھاؤنی بغداد سے ستر ہزار انتخابی سوار اور تجربہ کار عرب افسروں کی معیت میں خراسان روانہ کیا۔ جب لشکر روانہ ہو گیا تو فضل، زبیدہ خاتون کے سلام کے لئے قصر الخلد میں حاضر ہوا۔ زبیدہ اور اس کے بھائی عیسیٰ بن جعفر نے جو دربار میں بڑا صاحب اثر تھا، فضل سے اپنے بھانجہ یعنی شاہزادہ محمد کی ولیعہدی کی سفارش کی اور کہا کہ "یہ بہترین موقع ہے اگر خراسانیوں نے اِس وقت شاہزادہ محمد کی بیعت کرلی تو پھر امیر المومنین کو بھی یہ ولیعہدی تسلیم کرنی پڑے گی۔" یہ وہ زبردست سفارشیں تھیں جو کسی طرح مسترد نہیں ہو سکتی تھیں۔ علاوہ بریں فضل کا بھی یہ خیال تھا کہ جب شاہزادہ محمد خلیفہ ہوگا تو برمکیوں کے عروج میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ اور زبیدہ تمام عمر کے لئے مرہون منت رہیگی۔ لہذا فضل نے اقرار کیا اور اپنی مہم پر روانہ

[1] جہشیاری صفحہ ۲۳۰۔ ابن خلدون و کامل و الفخری۔

ہو گیا۔ ہٰرون الرشید نے بیرونی فصیل تک مشایعت کی۔

امام یحییٰ کی خروج کا واقعہ تقریباً ہر تاریخ میں ہے لیکن نامۂ دانشوران ناصری میں زیادہ تفصیل ہے۔ لہذا بقیہ حالات اس کتاب سے لکھے جاتے ہیں۔

مرزبان ویلم، (سرحدی علاقہ) دولت عباسیہ کی حکومت سے آزاد تھا۔ چنانچہ اسی مصلحت سے امام یحییٰ امیر ویالمہ کی پناہ میں آ گئے تھے اور امیر نے اُن کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا لہذا ہٰرون الرشید نے امیر کے نام ایک دوستانہ خط لکھ کر فضل کو دیدیا تھا۔ جب یہ خط امیر نے پڑھا تو وہ برہم ہوا اور کہا کہ "اگر ہٰرون الرشید اپنا کل ملک بھی مجھکو دیدے تو میں امام صاحب کو نہ فضل کے سپرد کرونگا اور نہ اُن کی حمایت سے دست بردار ہونگا" چونکہ امام صاحب کا امیر ویلم مددگار تھا لہذا اُنھوں نے ایک تہدید آمیز خط رشید کو لکھا۔ رشید خط پڑھتے ہی خوف زدہ ہو گیا اور اسی وقت مجلس مشورہ منعقد ہوئی۔ طبقہ علماء میں سے قاضی ابو البختری[۲] نے عرض کیا کہ "اگر یہ خدمت میرے سپرد ہو تو میں امیر ویلم کو ایک تدبیر سے رضامند کر لونگا اور وہ بغیر جنگ وجدال کے امام یحییٰ کو سپرد کر دیگا" رشید نے قاضی سے کہا تمھاری درخواست اس وقت منظور ہوگی جب تم تفصیل سے اپنے عملی کارروائی بیان کروگے۔ تب قاضی صاحب نے عرض کیا کہ میں شرفائے قزوین، ابہر، ہمدان، رے اور زنجان کو اپنے ہمراہ امیر کے سامنے پیش کروں گا اور یہ سردار گواہی دینگے کہ یحییٰ علوی، امیر المومنین سے باغی ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس مستند شہادت کے بعد امیر فوراً یحییٰ کو ہمارے سپرد کر دیگا۔ یہ تجویز سُن کر رشید نے تین لاکھ درہم مصارف سفر کے لئے قاضی کو دیئے اور فضل کے نام خط لکھا کہ ابو البختری کے مشورہ سے کل کام کرنا، قاضی صاحب نے بلاد جبل میں قیام کر کے عملی کارروائی شروع کی اور ۹۰۰ قزوینی

---

[۱] نامۂ دانشوران ناصری جلد اول مطبوعہ ایران صفحہ ۴۵۹ [۲] وہب بن وہب بن کثیر ابو البختری قریشی اول مدینہ میں قاضی تھے۔ معزولی کے بعد بغداد میں مقیم ہوئے۔ فتوے کے مجاز تھے۔ قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے ہم عصر تھے۔ روایت میں غیر ثقہ اور کاذب ہیں سنہ ۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔

اور ... ۲ طبرستانیوں کو ہمراہ لیکر امیر کے پاس پہونچ گئے۔ چنانچہ ان سرداروں نے صلہ انعام کی لالچ سے امیر کے سامنے شہادت دی کہ یحییٰ علوی، امیرالمومنین سے باغی ہوکر حضور کی پناہ میں آگیا ہے، لہذا یحییٰ کو فضل کے سپرد کردیا جائے کیونکہ دربار خلافت سے مخالفت مناسب نہیں ہے۔

قاضی کی تقریر کے بعد امام یحییٰ نے (جو دربار میں ایک تخت پر متمکن تھے) امیر دیلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں، ان کو ابوالبختری نے فریب دیا ہے۔ اب مجھے اسقدر مہلت دیجائے کہ میں خود ان سرداروں سے گفتگو کروں، یہ درخواست منظور ہوئی۔

دربار سے نکل کر امام یحییٰ نے اس مجمع کے سامنے وعظ کہا، یہ وعظ اس قدر پُراثر تھا کہ جملہ حاضرین اشکبار ہوگئے اور امام صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے امیر سے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔ یہ سُنتے ہی ابوالبختری نے مجمع کو مخاطب کرکے کہا کہ "میں قاضی ہوں اگر تم نے میرے خلاف گواہی دی تو اسی وقت سب کو قتل کرادونگا اور تمہارا مال اور اسباب لوٹ لیا جائیگا۔" مجبوراً سب نے قاضی کی موافقت میں دوبارہ گواہی دی امام صاحب نے پھر عذر کیا کہ یہ جبری شہادت ہے، امیر نے کہا کہ اسقدر کثیر جماعت جھوٹ نہیں بول سکتی ہے، اور مقدمہ فیصل ہوگیا۔

اس کارروائی کے بعد فضل نے طالقان[1] سے یحییٰ کے نام ایک خط لکھا جس میں زورِ تحریر سے مختلف اثر پیدا کیئے۔ یعنی حکومت کے جاہ و جلال اور ہرون الرشید کی قوت واقتدار کو اس خوبی سے ظاہر کیا کہ امام صاحب خوف زدہ ہوکر صلح پر آمادہ ہوگئے اور شرط کی کہ رشید اپنے قلم سے صلحنامہ لکھے اور اس پر عمائد ہاشمی، مشائخ قضاۃ علماء اور ارکان دولت کے دستخط (بطور شاہد) ثبت ہوں۔ چنانچہ فضل نے ان واقعات

---

[1] طالقان صوبہ خراسان میں ایک چھوٹا سا شہر مرورود اور بلخ کے درمیان واقع ہے۔ غلہ اور میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ عباسیوں نے یہاں ایک قلعہ بھی بنوایا تھا۔ معجم البلدان یاقوت۔

کی رشید کو اطلاع دی، اس نے مکمل صلحنامہ اپنے قلم سے لکھ کر فضل کے پاس روانہ کیا اور یحییٰ کے لئے قیمتی تحائف بھیجے۔

اب فضل برمکی امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صلحنامہ اور ہدایات پیش کئے اور ایسی پُر زور تقریر کی کہ امام صاحب فضل کے لشکر میں چلے آئے اور اپنی فوج کو رخصت کر دیا۔"

یحییٰ علوی اور فضل برمکی اپنی اپنی کارروائیوں سے نہایت مسرور تھے۔ چنانچہ فضل فوج وعلم کے ساتھ داخل بغداد ہوا۔ ہٰرون الرشید نے یحییٰ اور فضل کا شاندار استقبال کیا، اور معزز مہمان کو قصر الطین میں ٹھہرایا۔ مروان اور ابو شامہ خطیب نے قصائد تہنیت پڑھے۔ یحییٰ کو کثیر نقدی کے علاوہ ایک جاگیر بھی عطا ہوئی، اور مدینہ جانے کی اجازت دیدی گئی۔ کچھ مدت کی بعد محکمہ برید نے رپورٹ کی کہ امام صاحب پھر آمادہ بغاوت ہیں، چنانچہ رشید نے امام صاحب کو مدینہ سے بلا کر قید کر دیا۔ تاہم یہ اجازت تھی کہ یحییٰ جس سے چاہیں ملاقات کر سکتے ہیں، اور جعفر برمکی کو حفاظت ونگرانی سپرد ہوئی کچھ دنوں کے بعد رشید نے ایک عظیم الشان دربار کیا، جس میں عباسیوں کے علاوہ علماء قضاۃ ارکان دولت اور خود جناب یحییٰ شریک تھے۔ رشید نے ایک طویل تقریر کی اور یحییٰ کو خلافت کا باغی قرار دیا، اور صلحنامہ کو ناجائز، لیکن امام صاحب نے رشید کی تردید کی اور فریقین میں سخت کلامی ہو گئی، اور جناب یحییٰ نے اپنی صفائی میں اصل صلحنامہ پیش کیا۔ رشید نے صلحنامہ پڑھکر سُنایا اور علمائے دربار سے فتویٰ چاہا۔ چنانچہ امام محمد[۱] نے صلحنامہ کو جائز قرار دیا لیکن قاضی ابو البختری اور ان کی جماعت نے صلحنامہ

---

[۱] امام محمد بن الفرقد ابو عبد اللہ حسن شیبانی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ ۱۳۲ھ میں بمقام حرستا (نواح دمشق) پیدا ہوئے۔ تحصیل حدیث کے لئے تین سال تک امام مالک کی خدمت میں رہے، انکے علاوہ مسعر بن کدام سفیان ثوری، اوزاعی سے حدیثیں سُنیں، قاضی ابو یوسف سے فقہ میں استفادہ کیا۔ ہٰرون الرشید سفر وحضر میں ساتھ رکھتا تھا۔ باوجود درباری تعلقات کے ہمیشہ آزادانہ فتوے دیئے۔ کبھی حق گوئی کو نہیں چھوڑا، امام شافعی کا

کو ناجائز اور امام یحییٰ کو باغی قرار دیا۔ رشید نے کثرت رائے کے فیصلہ پر عمل کیا۔ اور ابوالبختری نے رشید سے صلحنامہ لیکر مرتعش ہاتھوں سے چاک کر دیا۔ امام صاحب نے سر دربار ابوالبختری کو فحش گالیاں دیں اور جیل کو رخصت ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک قید رہے۔ تنسیخ صلحنامہ کی کارروائی فضل بن ربیع حاجب کے مشورہ سے ہوئی تھی۔ اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں اس روایت کو دوسرے طریقہ سے لکھا ہے لیکن نتیجہ ایک ہی ہے۔

۳۔ شاہزادہ محمد کی ولیعہدی

یہ شاہزادہ، فضل برمکی سے بہت مانوس تھا۔ اور اتالیقی کے بعد فضل دن رات شاہزادہ کے ہمراہ قصر الخلد میں رہا کرتا تھا چنانچہ امام یحییٰ کے مہم سے فراغ کے بعد فضل نے مسئلہ ولیعہدی پر توجہ کی، سب سے پہلے سپہ سالاران فوج سے مشورہ کیا اور جو ہاشمی لشکر کے ہمراہ تھے اُن سے بھی رائے لی۔ شاہزادہ اسوقت پنج سالہ تھا، صرف اس بناء پر بعض اصحاب نے اختلاف کیا لیکن یہ عذر قوی نہ تھا اور فضل کے اثر و ترغیب سے اُمرائے خراسان اور مقتدر عباسی، محمد کی ولیعہدی سے رضامند ہوچکے تھے لہذا فضل نے شاہزادہ محمد کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا اور ملک محروسہ میں قاصدوں اور برید کے ذریعہ سے مشتہری کی گئی۔ جس قدر فوج فضل کے ہمراہ تھی اُس نے بھی بیعت کی اور فضل نے شاہزادہ محمد کو امین الرشید کا خطاب دیا۔

جب یہ خبر بغداد پہونچی تو ہرون الرشید حیرت زدہ رہ گیا لیکن زبیدہ اور ہاشمیوں کے دباؤ سے امین الرشید کی قبل از وقت ولیعہدی کو بلا عذر و حجت تسلیم کر لیا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۸) قول ہے کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ امام صاحب کے شاگردوں میں امام شافعی کا درجہ بہت بلند ہے اور وہ خود امام ہوئے۔ امام محمد فقہ، تفسیر اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے تصنیفات میں جامع صغیر و کبیر، زیادات، کتاب الحج مشہور ہیں۔ رشید کے ہمراہ سفر میں تھے کہ ۱۸۹ھ میں بمقام رنبویہ (مضافات رے) انتقال کیا۔ علامہ یزیدی نے دلگداز مرثیہ لکھا، اسی دن کسائی نحوی بھی فوت ہوا، رشید نے کہا کہ آج ہم نے فقہ اور نحو دونوں کو دفن کر دیا۔ اہل الرائے کے خطاب سے مشہور تھے ترکہ پدری میں ۳۲ ہزار دینار پائے تھے۔ یہ کل رقم طلب علم میں صرف کر دی۔

لہ جہشیاری صفحہ ۲۳۲، تاریخ کامل الیعقوبی، ابن خلکان۔

زبیدہ کی خاطر سے بغداد میں بھی جشن منایا گیا۔ ارکان فوج، وزراء، اور ہاشمیوں نے بیعت کی اور زبیدہ نے زنانہ جلسے کئے شاہزادہ پر دینار اور موتیوں کی نچھاور کی گئی۔ جس وقت سلم الخاسر[1] درباری شاعر نے قصیدہ تہنیت سنایا اور زبیدہ خاتون کو مبارک دی تو شاعر کا مونھ موتیوں سے بھر دیا گیا۔ جس کی قیمت بیس ہزار دینار (ایک لاکھ روپیہ) وصول ہوئی۔

امین الرشید کی ولیعہدی عموماً تسلیم کی گئی، صرف کم سنی کا اعتراض تھا، جس[2] کا عبدالصمد بن علی عباسی نے ایک جلسہ عام میں لوگوں کو مخاطب کرکے یہ جواب دیا کہ امین الرشید اگرچہ پنج سالہ ہے لیکن یاد رکھو!

فانّها الشجرة المباركة اصلها ثابتة و فرعها فى السماء	یہ ایک مبارک درخت ہے، جسکی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔

امین الرشید کی ولیعہدی سے زبیدہ کی نظر میں فضل کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اور اس کارگزاری کا جو صلہ فضل کو زبیدہ نے دیا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

۴۔ صوبہ خراسان کی ولایت امام یحییٰ کے معرکہ میں فضل نے جو خدمت انجام دی تھی اسکے صلہ میں ہرون الرشید نے ۱۷۶ھ میں فضل کو صوبہ خراسان[3] (اجبل کی ولایت (گورنری) مرحمت فرمائی۔ اس[4] کے علاوہ طبرستان، رے، نہاوند، ہمدان، جرجان، قومس، دنباوند، آذربائجان اور آمینیہ کے زرخیز علاقے بھی عطا کئے۔

---

[1] سالم (سلم بن عمر) مہدی عباسی کا شاعر تھا، عہد رشیدی میں فضل برمکی نے سرپرستی کی، عالم شباب میں افلاس سے مجبور ہوکر قرآن فروخت کرکے طنبورہ خرید کیا اور اسی دن سے خاسر (نقصان اٹھانیوالا) لقب ہوا۔ اسکا یہ مقولہ مشہور تھا کہ "اخذوا منا مصحفاً واعطو ما طنبورا" مجھ سے قرآن لے لو اور اس کے عوض طنبورہ دیدو۔ شاعری میں مروان اس کا رقیب تھا رشید اور فضل ہر موقع پر دونوں کو برابر کا انعام دیا کرتے تھے۔ ۱۸۶ھ/۸۰۲ء میں فوت ہوا۔ مال متروکہ میں ۳۶ ہزار دینار چھوڑے کوئی وارث نہ تھا لہذا ابراہیم موصلی کی درخواست پر کل اثاثہ رشید نے ابراہیم کو عطا کر دیا۔ جب یہ دولتمند ہوگیا تو فضل نے اسکو سلم الرابح (فائدہ اٹھانیوالا) کا خطاب دیا۔ فضل کی مدح میں سب سے زیادہ سلم کے قصائد ہیں۔ از جہشیاری و روضة الادب و تحفة الامراء فی تاریخ الوزراء ہلال صابی مطبوعہ بیروت ۱۹۰۴ء [2] جہشیاری صفحہ ۲۳۰ و ۲۳۱ [3] مسٹر ریول اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں کہ فضل برمکی کرمان سے حد ترکستان تک جسقدر ممالک ہیں سب کا گورنر تھا اور ختلان میں ایک قلعہ بنوایا، جسکا نام الباب تھا۔ جواب دروازے کے (باقی)

ابو قابوس الحیری نے تہنیت میں قصیدہ سنایا۔ فضل کے رقبۂ حکومت کا اندازہ اگر آج کل کے ملکی محاصل سے کیا جائے تو اس کا مقابلہ دنیا کی کسی بڑی حکومت سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ہلکے ٹیکس اور شرعی خراج کی حیثیت سے بھی فضل کی حکومت ایک مستقل سلطنت کے برابر تھی چنانچہ فضل عموماً سلطان یا وزیر الصغیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ذیل[1] کے نقشہ سے ممالک مقبوضہ فضل کے سالانہ خراج کا اندازہ ہوگا۔

اضلاع	محاصل
۱۔ خراسان	دو کرور اسّی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام۔ ستائیس ہزار تھان پارچہ
۲۔ ۱۔ طبرستان ۲۔ رویان ۳۔ دنباوند	تریسٹھ لاکھ درہم۔ طبرستانی فرش چھ سَو۔
۳۔ رے	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ شہد خالص، بیس ہزار رطل۔ انار شیریں
۴۔ نہاوند	ایک لاکھ شفتالو بیس ہزار رطل پانسو تھان پارچہ۔ مندیل تین سو۔ جامات تین سو (نقدی معاف تھی۔)
۵۔ ہمدان	ایک کرور اٹھارہ لاکھ درہم۔ رُب الرمانین (انار شیریں و ترش کا عرق) ایک ہزار من[2]۔ شہد سفید، کوہ الوند بیس ہزار رطل۔

(بقیہ حاشیہ ۲۷۰) نام سے مشہور ہے۔ اخبار زمانہ کانپور نمبر ۲ مطبوعہ ۲ر جون ۱۹۰۵ء حالات دشت پامیر۔ جہشیاری میں ہے کہ فضل کی حکومت نہروان سے اقصیٰ بلاد ترک تک تھی۔

[1] منقول از قائمہ (نقشہ خراج) عہد ہرون الرشید (کتاب الوزراء جہشیاری)۔ [2] اس عہد میں من کی مقدار تقریباً دو پونڈ تھی۔

محاصل	اضلاع
ایک کرور بیس لاکھ درہم - ریشم ہزار من (یہ صحرائی علاقہ ہے)	۶- جُرجان
دس لاکھ درہم - فرش طبری چھ سو، چادریں ڈھائی سو - مندیل تین سو - دوسرے قسم کے کپڑے آٹھ سو	۷- قومس
چالیس لاکھ درہم	۸- آذربائیجان
ایک کرور بیس لاکھ درہم - فرش بٹیہ دار بیس[۲] - زقم (ایک پھل) سورماہی دس ہزار رطل - خچر دو سو - بچھیرے تیس[۲] - باز[۱] شکاری تیس[۲] -	۹- آرمینیہ

نقدی کی میزان آٹھ کرور اکیاسی لاکھ درہم ہے - جس کے سکہ انگریزی میں دو کرور ستر لاکھ پچھتر ہزار روپے ہوتے ہیں - اور یہ کل رقم گویا فضل کی جاگیر کی آمدنی تھی - مصارف فوج وغیرہ کے بعد جسقدر رقم زیر توفیر رہتی تھی وہ بیت المال بغداد میں بھیج دی جاتی تھی - اور اسی آمدنی سے فیاضیاں بھی ہوتی تھیں - فضل خراسان (دار السلطنت مرو الرود) میں ایک سال رہا - اسکے بعد ہرون الرشید نے جعفر برمکی کو گورنری مصر سے بغداد میں بُلا لیا اور فضل کو گورنری مصر پر تعینات کیا - اور تقریبًا ایک سال کے قیام کے بعد فضل کو واپسی بغداد کا حکم ہوا -

فضل کی روانگی خراسان

۱۷۹ھ میں دوبارہ فضل خراسان روانہ ہوا - یہ روانگی بھی شاندار تھی ہارون الرشید نے مشایعت کی اور مروان بن ابی حفصہ نے قصیدہ پڑھا، صلہ میں ایک لاکھ درہم اور ایک کنیز عطا ہوئی -

---

لہ گھوڑوں پر خلفائے عباسیہ سوار ہو کر باز کے ذریعہ شکار کھیلتے تھے اور یہ ایرانیوں اور ترکمانوں کی تقلید تھی -

لہ جہشیاری صفحہ ۲۳۱

جس کا نام طیفور تھا۔ اور ایک دوسری نظم پر چھ لاکھ کا انعام ملا۔ اس مرتبہ فضل نے تمام صوبوں کا دورہ کیا اور جب بلخ پہونچا تو قدیم آتش کدہ نوبہار کی عمارت کے انہدام کا حکم دیا۔ مؤرخین نے اس واقعہ کو بنظر تعجب دیکھا ہے کہ فضل نے اپنے بزرگوں کی یادگار کو مٹا دیا۔ لیکن یہ اسلام کا کرشمہ تھا اور محض اسی بناء پر شعراء نے بربادی نوبہار پر فضل کے مدح میں قصائد لکھے ہیں۔

ملکی انتظام

خراسان میں فوج کی تعداد کم تھی لہذا پانچ لاکھ نئی فوج بھرتی کی۔ اس میں کُل ایرانی تھے اور اس فوج کا نام عباسیہ رکھا۔ منجملہ ان کے بیس ہزار سپاہی بغداد آئے باقی فوج چھاؤنیوں میں تقسیم کردی۔ اور یہی وہ فوج تھی جو مامون الرشید کی طرف سے امین الرشید سے معرکہ آرا ہوئی تھی۔

سنین ماضیہ کا خراج جو لاکھوں کی تعداد میں باقی تھا وہ بھی معاف کر دیا اور کاغذات بھی جلا دیئے۔ اور فضل نے جو کچھ کیا باختیار خود کیا' دربار سے منظوری حاصل نہیں کی۔

نظارت نافعہ (پبلک ورکس) میں غیر معمولی ترقیاں کیں' آبادی اور صحراء میں سیکڑوں حوض (مصانع) آب باراں کے لئے تعمیر کئے، جس سے قافلے سیراب ہوئے۔ مسافر خانے سرائیں (رباط) سڑکیں' پل اور مسجدیں تعمیر کرائیں' تجارت کو فروغ دیا۔ عدل و انصاف اور شاہانہ فیاضیوں سے رعایا کو مالا مال کر دیا۔ جس کے اشارے کلام شعراء میں موجود ہیں اس مرتبہ بھی رشید نے فضل کو زیادہ مدت تک مرو میں قیام کی اجازت نہیں دی۔ اور آغاز ۱۸۱ھ میں واپسی کا حکم جاری کیا۔ فضل نے خدمات کا جائزہ عمر بن جمیل کو دیا۔ اور بغداد واپس آیا۔

---

[1] جشیاری صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲، کتاب المحاسن بیہقی، الفخری و ابن خلکان نوبہار کی یہ اخیر بربادی تھی۔ اس کی قبل چینیوں نے عہد زردشت میں تباہ کیا اور ایرانیوں نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اخیر دور میں جب مغلوں نے بلخ کو ویران کیا اس سلسلہ میں نوبہار بھی برباد ہوا۔ اور برامکہ کی تذلیل کی گئی اور جملہ آتش کدے سرد ہو گئے۔ مرأۃ البلدان ناصری حالات بلخ۔۔

ہرونؔ[1] الرشید نے بستان ابوجعفر تک استقبال کیا، اور شعرا کو حکم دیا کہ وہ فضل کے محامد میں قصائد پڑھیں۔ اس واپسی کے بعد پھر فضل بغداد سے باہر نہیں گیا۔

۵ ڈیوان الشعر میں قصائد کی تنقید

شعراء نے جو قصائد پیش کئے وہ بہ تعداد کثیر تھے اس لئے فضل نے احمد بن سیار جرجانی افسر دیوان الشعر کو حکم دیا کہ جملہ قصائد کی تنقید کرکے اسی معیار سے انعام تقسیم کردے۔

جرجانی نے داؤد بن رزین، مسلم بن الولید، ابان لاحقی، اشجع سلمی وغیرہ کو انعامات دیئے، لیکن ابونواس کو انعام سے محروم کردیا اور اس کے قصیدہ[2] پر لکھا کہ یہ ایک درہم کا بھی مستحق نہیں ہے۔ ابونواس کا ادب، لغت اور شاعری میں جو درجہ ہے وہ ظاہر ہے۔ خصوصاً خمریات (مضامین شراب) میں وہ یزید ثانی ہے۔ اس توہین سے جھلّا کر ابونواس نے شاعرانہ حربہ سے کام لیا۔ یعنی جرجانی کی ہجو لکھ ڈالی اور فضل سے بھی شکایت کی؛ فضل نے ابونواس کو انعام دیکر رضامند کیا اور جرجانی کو اس خدمت سے معزول کردیا۔

۶ فضل کا اقتدار

اُمرائے دولت[3]، اور شعرا فضل کو سلطان اور ملک کے خطاب سے یاد کرتے تھے اور زمانہ مابعد میں یہ مشاہیر عالم میں شمار کیا گیا ہے۔ ہشیم بن فراش[4] شاعر اپنے ممدوح فضل بن مروان (دبنی سامہ) کو جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو اس طرح پر نصیحت کرتا ہے۔

تجبرت یا فضل بن مروان فاعتبر	اے فضل بن مروان تو جابر نکلا عبرت پکڑ
فقبلك[5] كان الفضل والفضل والفضل	کیونکہ تجھ سے پہلے تین فضل گذرے ہیں۔

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۲۳ [2] یہ دوسرا موقع تھا کہ ابونواس کو انعام سے محروم کیا گیا۔ حالات یحییٰ میں اس کا ذکر ہوچکا ہے [3] مستطرف جلد اوّل صفحہ ۹۶ وحیاۃ الحیوان دمیری صفحہ ۵۰ جلد ۲ [4] دوسرے مصرعہ میں جو تین فضل ہیں ان کی یہ تفصیل ہے۔ ایک فضل بن ربیع حاجب مہدی ووزیر ہرون الرشید، دوسرا فضل بن یحییٰ برمکی۔ تیسرا فضل بن سہل وزیر مامون الرشید۔

ثلاثۃ املاک مضوا بسبیلھم	تینوں بادشاہ تھے جو قید ہو کر، محبوس ہو کر،
اباد ھم الاقیاد والحبس والقتل	اور قتل ہو کر مرے۔
وانک قد اصبحت فی الناس ظالماً	تو لوگوں پر ظلم کر رہا ہے تو یاد رکھ کہ تو بھی
ستوذی کما اوذی الثلاثۃ من قبل	اسی طرح تباہ ہو گا جس طرح تجھ سے پہلے
	وہ تینوں فضل۔

فضل کی شکایت

زمانہ گورنری خراسان میں کسی نے ہٰرون الرشید کے پاس ایک شکایت آمیز عرضی بھیجی، جس میں لکھا تھا کہ فضل ہمیشہ سیر و شکار اور لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے اور فضل مقدمات میں توجہ نہیں کرتا ہے ڈاک کے لفافے کھل رہے تھے کہ یحییٰ برمکی بھی پہونچ گیا۔ ہٰرون نے وہ عرضی، یحییٰ کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ پیارے باپ! یہ درخواست ملاحظہ کیجئے اور چند سطریں بھائی صاحب کو اپنے قلم سے لکھ دیجئے۔ چنانچہ یحییٰ نے قلم برداشتہ فضل کو اشعار ذیل لکھے۔ اور موصولہ عرضی بھی فضل کے پاس روانہ کر دی۔

۱۔ انصب نھاراً فی طلاب العلا	بزرگی کی تلاش میں محنت اٹھا اور دوست
واصبر علی فقد لقاء الحبیب	کے نہ ملنے پر صبر کر۔
۲۔ حتی اذا اللیل اتی مقبلاً	جب رات آئے، اور رقیبوں کی آنکھیں
واستترت فیہ عیون الرقیب	بند ہو جائیں۔
۳۔ فباشر اللیل نہاراً بما تشتھی	تو رات کو جو جی چاہے کر، کیونکہ رات ہوشیار
فانما اللیل نھار الاریب	آدمی کے لئے دن ہے
۴۔ کم من فتی تحسبہ ناسکا	بہت سے لوگ جن کو تو نے پرہیزگار سمجھا ہے
لیستقبل اللیل بامر عجیب	رات کو وہ عجیب کام کرتے ہیں۔

لہ ابن خلکان صفحہ ۱۰۶ شریشی شرح مقامات حریری جلد ۲ صفحہ ۶۳

۵- القی علیہ اللیل اثوابہ	جب رات اُن پر اپنا پردہ ڈال دیتی ہے
فبات فی لھو و عیش خصیب	تو عیشِ و عشرت میں بسر کرتے ہیں۔
۶- و لذت الاحمق مشھورۃ	اور احمق کا لطف اُٹھانا مشہور ہے۔ کہ
یرصدھا کل حسود رقیب	ہر حاسد رقیب اس کی تاک میں رہتا ہے۔

ایک ایرانی مورخ لکھتا ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی نے ذیل کی اشعار میں یحیٰی کے اشعار کا تتبع کیا ہے۔

روز در کسب ہنر کوش کہ می خوردن روز
دل چو آئینہ در زنگ ظلام اندازد

آں زماں وقت می صبح فروغ است کہ شب
گرد خرگاہ اُفق پردۂ شام اندازد

اور یہ مصرع تو یحیٰی کے قول کا لفظی ترجمہ ہے ع چوں بخلوت میروند آن کار دیگر می کنند

اس تحریر کا فضل پر یہ اثر ہوا کہ جب تک خراسان میں رہا، جمعہ کی نماز جماعت، اور فضل مقدمات میں فرق نہیں آیا۔

۸ - وزارت فضل برمکی

ولایت خراسان کے بعد ۱۸۰ھ میں ہرون الرشید نے فضل کو منصب وزارت تفویض کیا اور یحیٰی برمکی کو حکم دیا کہ وہ فضل کو سیاسی اُمور میں مشورہ دیتا ہے۔ لہٰذا فضل کی وزارت اعزازی تھی اور اہم معاملات یحیٰی برمکی طے کرتا تھا۔ اور فضل شبانہ روز رشید کے پاس حاضر رہتا تھا۔

لہ سعدی اور حافظ وغیرہ نے جاہلیت اور اسلام کے شعرائے عرب کے اشعار کا اکثر ترجمہ کیا ہے۔ اگر تخریج کی جائے تو ایک مختصر کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ۲ہ کامل اثیر کی روایت ہے کہ ۱۸۰ھ سے یحیٰی کو جملہ امور سلطنت کی نگرانی سپرد ہو گئی تھی، صفحہ ۶۸ جلد ۶

عام حالات فضل نے عہد وزارت میں کیا خدمات انجام دیں تاریخوں میں اس کی تفصیل نہیں ہے لہذا اب فضل کے عام حالات لکھے جاتے ہیں کیونکہ حیات انسانی میں یہی مرقع قابل دید ہوتا ہے۔ فضل آپ کو مختلف روپ میں نظر آئیگا' لیکن کسی حال میں دھوکا نہ کھانا چاہئے یہ وہی فضل ہے جس کا تعارف آپ سے ہوچکا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　من انداز قدت را می شناسم

۱۔ مذہبیت قبول اسلام کے بعد برمکی خاندان، حقیقی معنی میں مسلمان تھا۔ یحیی نے اپنے بیٹوں کو مذہب کی اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ اگر کسی عقیدہ میں لغزش تھی تو وہ ذوق فلسفہ کا اثر تھا۔ چنانچہ فضل بھی ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا نماز جمعہ ہمیشہ جامع مسجد میں ادا کرتا تھا۔ ماہ صیام کے روزے کبھی قضا نہیں ہوئے۔ اس عہد میں نبیذ کا[1] عام استعمال تھا' جسکے جواز کا علمائے عراق نے فتویٰ[2] دیدیا تھا۔ لیکن فضل نے کبھی ایک جام نبیذ کا نہیں پیا۔ اور نہ اسکے بزم طرب میں نبیذ کا دور تھا ایک[3] دن سرکاری کاموں سے نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ جب فرصت ہوئی تو نماز قضا پڑھی اور خزانچی کو حکم دیا کہ دو لاکھ درہم مساکین کو تقسیم کئے جائیں۔ شاید خدا اس کفارہ کو قبول کرکے میرے گناہ کو معاف کرے۔

۲۔ نخوت پسندی فضل برمکی نہایت مغرور و نخوت پسند تھا۔ ایک ندیم نے جرأت کرکے پوچھا کہ آپ میں باوجود مروّت و سخاوت' نخوت پسندی کیوں ہے؟ فضل نے جواب دیا کہ یہ وزیرالسلطنت عمارہ بن حمزہ کی تقلید ہے اور اب مجبور ہوں طبیعت

---

[1] نبیذ: فقاع یعنی شراب خرما و جو و آبے کہ از حبوب و غیرآں گیرند
[2] جشیاری صفحہ ۲۰۸ و ۲۲۶
[3] ضیاء برنی نسخہ قلمی۔

راسخ ہو چکی ہے۔ اس کے بعد مصاحب مذکور نے سوال کیا کہ عمارہ کا کیا واقعہ ہے؟

تب فضل نے اس طرح پر بیان کیا کہ "مہدی عباسی کے عہد میں پدر بزرگوار صوبہ فارس کے والی تھے۔ اور وزیر السلطنت عمارہ سے مخالفت تھی۔ اس لئے دفتر وزارت سے حکم جاری ہوا کہ خراج وصول شدہ داخل بیت المال کیا جائے اور چونکہ اس خراج کا بڑا حصہ صرف ہو چکا تھا اس لئے انتہائی پریشانی ہوئی اور بقدر امکان روپیہ جمع کیا گیا پھر بھی تین لاکھ کی رقم باقی تھی، اس لئے والد نے مجھے حکم دیا کہ بغداد جا کر عمارہ[1] سے میرا سلام کہو اور بقدر ضرورت قرض لے آؤ"۔

میں نے عرض کیا کہ عمارہ سے درخواست کرنا فضول ہے وہ تو آپ کا دشمن ہے لیکن میں مجبور کیا گیا۔ اور داخل بغداد ہو کر عمارہ کے دربار میں پہنچا، صدر ایوان میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا، میں نے سلام کیا، جواب کا تو کیا ذکر ہے میری طرف نظر اُٹھا کے بھی نہ دیکھا کہ کون ہے؟ اس کج ادائی سے مجھے یقین ہوا کہ مقصد برآری نہ ہوگی۔ کیونکہ جس کی ملاقات کا یہ عنوان ہو وہ لاکھوں روپیہ نہیں دیسکتا۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ عمارہ یکایک میری طرف متوجہ ہوا اور بولا کچھ کہنا ہے تو کہو۔ میں نے واقعہ بیان کیا جواب میں اسقدر کہا کہ خدا کارساز ہے۔ میں مایوس ہو کر گھر چلا آیا، تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ پر اونٹوں کی ایک قطار موجود ہے جن پر تھیلیاں لدی ہوئی ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عمارہ نے یحییٰ برمکی کو یہ روپیہ بھیجا ہے۔

میں یہ رقم لیکر فارس روانہ ہوا، اور کمی پوری کر کے خراج روانہ کر دیا۔ اسکے بعد جب میں زر قرضہ لیکر عمارہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ناراض ہو کر کہا "ویحک افسطاراً کنت لابیک" (جھڑک کر کہا کہ کیا میں تیرے باپ کا مہاجن ہوں) کہ

---

[1] عکرمہ ابن عباس کا غلام تھا یہ عمارہ اسی عکرمہ کی اولاد میں تھا۔ ابو جعفر منصور کا کاتب تھا مہدی نے وزارت پر مامور کیا۔ بہت متکبر تھا۔ مختلف صوبوں پر عامل رہا۔ ابن خلکان۔

ضرورت کے وقت طلب کیا اور اب ادائی کی جاتی ہے۔" یہ کہکر کل رقم واپس کردی چنانچہ عمارہ کا یہ انداز مجھکو پسند آیا اور میں نے بھی یہی طرز اختیار کیا۔[۱]

۳۔ عفو و ترحم | ابوالھول حمیری نے ایک مرتبہ فضل بن ربیع کی مدح میں یہ اشعار لکھے جس میں ضمناً فضل کی بھی ہجو تھی۔[۲]

فضلان ضمہا اسم وشتت الاخبار	دو فضل ہیں، جن کے حالات مشہور ہیں۔
اثار فضل الربیع مساجد و منار	ان میں سے فضل بن ربیع کے آثار مساجد و میناروں سے ظاہر ہیں۔
وفضل یحیی ببلخ اثارہ النوبہار	دوسرا فضل بن یحییٰ برمکی ہے۔ جسکے آثار میں آتشکدہ نوبہار بلخ ہے۔
وماسوا اذا ما اثیرت الاشار	اسکے علاوہ تحقیقات سے اسی قسم کے بقیہ حالات بھی ملسکتے ہیں۔
بیت یوجد فیہ ویعبد الجبار	ایک تو وہ گھر ہے جس میں مغرور و متکبر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔
وبیت شرک وکفر بہ تعظم نار	اور دوسرا شرک و کفر کا مکان ہے جس میں آگ کی پوجا ہوتی ہے۔

فضل برمکی یہ اشعار سن چکا تھا، جب ابوالھول ایک تقریب میں حاضر ہوا تو فضل نے اس سے پوچھا کہ تم تو میری ہجو لکھ چکے ہو۔ اب کس منھ سے میرے سامنے آئے ہو؟ عرض کیا اسی منھ سے (جس سے) خدا کے سامنے جاتا ہوں، حالانکہ جسقدر خدا کا گناہگار ہوں اتنا آپ کا نہیں؛ یہ جواب سن کر فضل شرما گیا اور انعام

(۱) یہ واقعہ ابن خلکان، تاریخ نگارستان اور جامع الحکایات میں بادنیٰ تغیر موجود ہے۔ جہشیاری (صفحہ ۲۳۹) نے بھی مختصراً لکھا ہے
(۲) کتاب البلدان ہمدانی، حالات نوبہار و جہشیاری صفحہ ۲۴۴

دیکر رخصت کر دیا۔ اس واقعہ سے عفو و ترحم کے علاوہ یہ بھی ثابت ہے کہ علمی ذوق میں فضل کو اپنی شانِ امارت کا بھی خیال نہ رہتا تھا اور وہ شاعروں کی بدزبانی اور گستاخیوں کو معاف کر دیتا تھا[۱]۔

۴۔ ایک ادبی نکتہ خلیفہ مہدی عباسی[۲] نے قصر الخلد میں دیکھا کہ ایک گوشہ میں چوب بید (بیت) کا گٹھا رکھا ہوا ہے۔ مہدی نے فضل سے پوچھا کہ صاحبزادے یہ لکڑیاں کیسی جمع ہیں؟ فضل نے عرض کیا کہ امیر المومنین یہ عروق الرماح (نیزوں کی چھڑیں) ہیں۔ مہدی، فضل کی ذہانت اور حاضر جوابی سے بہت ہی خوش ہوا۔

اس سوال و جواب کی تفصیل یہ ہے کہ مہدی کی محبوبہ کا نام خیزران تھا اور عربی میں چوب بید کو خیزران کہتے ہیں، فضل خلیفہ کے جواب میں خیزران کہہ سکتا تھا،

---

[۱] اسی قسم کا ایک واقعہ مامون الرشید کا ہے کہ جب دعبل شاعر (ہجوگوئی میں مشہور تھا) نے مامون کی ہجو لکھی تو لوگوں نے اطلاع کی۔ مامون نے حکم دیا کہ وہ ہجو سنائی جائے۔ جب یہ شعر پڑھا گیا ؎

شادوا بذکرک بعد طول خمولہ	واستنقذوک من الحضیض الاوھد
میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل چھپا ہوا تھا شہرت دیدی اور	تجھ کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہونچا دیا۔

تو مامون نے کہا کہ دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ہوئے ذرا شرم نہ آئی، میں گمنام کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کے آغوش میں اور دودھ پیا تو ہی کی چھاتیوں کا۔" پھر دعبل کو اپنے سامنے بلایا اور مذکورہ بالا شعر پڑھا اور حکم دیا کہ وہ قصیدہ سناؤ جس میں اہل بیت کا مرثیہ اور آنکے مناقب ہیں۔ چنانچہ دعبل نے قصیدہ سنانا شروع کیا۔ جب ان اشعار پر پہنچا تو مامون کو رقت ہوئی اور اہل بیت کے طفیل میں آنکی ہجو سے بھی درگذر گیا اور صلہ دیکر رخصت کر دیا۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

بنات زیاد فی القصور مصونۃ	بپردہا ہمہ پوشیدہ دختران زیاد
و بنات رسول اللہ فی الفلوات	نبیرگان نبی سر برہنہ در صحرا
وال رسول اللہ ھلب رقابھم	نحیف و لاغر و آل نبی غریب و اسیر
وال زیاد عظیم الرقبات	سطبر گردن آلِ زیاد و کام روا

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی و جامع الحکایات مطبوعہ بمبئی

[۲] محامد حیدریہ مصنفہ قاضی محمد صادق اختر صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ قدیم لکھنؤ

لیکن یہ جواب ادب وتہذیب کے خلاف تھا کہ ایک ملکہ کا نام اس طریقہ سے زبان پر آئے۔ لہذا فضل نے کنایۃً عروق الرماح کہا[1] یہ حاضر جوابی کسائی کی تعلیم کا نتیجہ تھا

۵۔ خشیتِ الٰہی علی بن حسین (بغداد کا ایک عالم) راوی[2] ہے کہ ایک دن حمام میں فضل برمکی کے ساتھ میں بھی تھا۔ حمام اس درجہ آراستہ تھا کہ اندر سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا، بخور کی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ جب پہلے کمرہ سے نکل کر ہم دوسرے درجہ میں داخل ہوئے تو فضل کا چہرہ حمام کی حرارت سے سُرخ ہو رہا تھا، فضل کی زبان پر مناجات جاری تھی اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور بار بار کہتا تھا "اللّٰھمّ انّی اعوذ بک من حرّ النیران"۔ میں نے عرض کیا کہ صحیح احادیث کے مطابق (السخی لایدخل النار ولوکان فاسقاً) سخی پر آتش جہنم حرام ہے۔ اور کسی شاعر نے اس حدیث کو اس طرح پر نظم کیا ہے۔

مکافات السماحۃ دار خلد	مکافات جواں مردی بہشت است
وامن من مخافۃ یوم بوسی	بروز خوف امن از ہیبتِ قبر
وما نار محرّقۃ جواداً	نسوزد آتش دوزخ سخی را
ولوکان الجواد من المجوسی	اگرچہ آں نکوسیرت بود گبر

میرے دل سوزی کے کلمات سے خوش ہوا ایک لاکھ درہم مجھے مرحمت کیئے اور تین لاکھ درہم خیرات کیئے، پھر مجھ سے کہا کہ حمام کی گرمی سے آتش جہنم کا خیال آگیا تھا۔ کاش! ہرون الرشید مجھے خدمت وزارت سے معاف کرتا اور میں ترک دنیا کرکے یاد الٰہی میں بسر کرتا۔

---

[1] ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی، نحو، لغت، ادب کے علاوہ قرأۃ میں بھی امام تھا۔ نحو میں خلیل (ر،) کا شاگرد تھا نبیذ کا عادی تھا ۱۹۲ھ میں فوت ہوا۔

[2] کتاب المحاسن بیہقی صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مصر و جامع الحکایات۔

۶۔ صناعۃ الوراقہ جب دنیا میں معلومات عامہ اور علوم و فنون کے دفتر حد سے بڑھ گئے تو اس کے تحفظ کی فکر کی گئی۔

ہزاروں سال پہلے جب کاغذ عالم وجود میں نہ آیا تھا، مکانوں کی دیواروں اور پتھر کی سلوں پر کتابت ہوتی تھی، جب زبردست قوموں نے کمزوروں کے ملک فتح کر لئے تو یہ حسرت سے در و دیوار کو دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے اور کوئی نوشتہ اپنے ساتھ نہ لیجا سکے چنانچہ انھیں مجبوریوں سے بابل والوں نے کچی اینٹوں پر کتابیں لکھیں۔ اور انکو آگ میں پختہ کر لیا۔ یہ گلی کتب خانے زمین سے برآمد ہو کر عجائب خانوں میں محفوظ ہیں، لیکن اینٹوں کا وزن بھی کچھ کم نہ تھا، لہذا یہ طریقہ کتابت بند ہوا۔ اور جب زمین سے معدنیات کا خزانہ (لوہا، تانبا وغیرہ) نکل آیا تو معدنی پتروں پر کتابت شروع ہوئی اور صدیوں تک یہ کتابت جاری رہی (یہ نمونے بھی موجود ہیں) لیکن یہ فلزاتی کتابت بھی ناقص ثابت ہوئی تو حکمائے مصر نے تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح نباتی کاغذ ایجاد کیا۔

مصر میں ایک[1] درخت ہوتا تھا جس کو بُی پاری (یونانیوں کا پاپا رس) کہتے تھے یہ درخت سطح زمین سے دس ہاتھ اونچا ہوتا تھا، تنہ کی جسامت کلائی کے برابر تھی اور اس میں متعدد شاخیں تھیں، جن کی پتیاں نازک تھیں اور چوٹی پر بھی نازک پتے مورچھل کی طرح لٹکتے تھے۔ اور اس درخت کے ریشے نہایت نرم تھے چنانچہ ان ریشوں سے مصر میں کاغذ بنایا گیا۔

کاغذ بنانے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک موٹی شاخ تراشتے تھے پھر تیز چاقو سے باریک ورق (پرت) اُتارتے تھے، اور پرتیں ایک تختہ پر جماتے تھے، جب رطوبت خشک ہو جاتی تھی تو اِن پرتوں کا ایک بنڈل بناتے تھے، جس کو دریائے نیل

[1] تاریخ مصر الحدیث مصنفہ جرجی زیدان میں اس درخت کی تصویر موجود ہے ۱۲ مقدمہ ابن خلدون

میں بکثرت غوطے دیئے جاتے تھے، جب یہ ریشے نرم ہو جاتے تھے تو کتاب کی طرح شکنجہ میں کستے تھے، پھر شکنجہ سے نکال کر ایک ایک ورق دھوپ میں خشک کرتے تھے اس کے بعد موگریوں سے کوٹتے تھے، پھر سمندر کی بڑی کوڑیوں سے مُہرہ کرتے تھے اُسوقت یہ کاغذ نہایت نفیس اور چکنا ہو جاتا تھا اور اسی پر کتابت ہوتی تھی۔ خلافت فاروقی میں یہ کاغذ مصر سے عرب میں آیا اور تمام دفاتر اور ممالک عرب میں جاری ہوا، اس کو عرب بَرْدی کہتے تھے۔ غالباً یہ پی پاری کا بگڑا ہوا تلفظ ہے جس طرح پپائرس سے انگریزی میں پیپر (Paper) بنا ہے۔

عہد جاہلیت میں عرب خصوصاً قبائل یمن دباغت شدہ چمڑے پر کتابیں، خطوط اور دستاویزات لکھتے تھے۔ یہ چرمی نوشتے اگرچہ کاغذ کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہوتے تھے لیکن پانی میں بھیگ جانے سے متعفن ہو جاتے تھے اور رکیرٹا لگ جاتا تھا لہذا نفاست پسند اصحاب نے اس کتابت کو بند کیا اور مصری کاغذ میں ترمیم کر کے ایک خاص کاغذ ایجاد کیا۔ لیکن وسیع پیمانہ پر مصریوں کے بعد چینیوں نے کاغذ سازی میں ترقی کی اور حضرت مسیح سے دو صدی قبل خان بالیغ (کنٹن) میں روئی سے کاغذ بنایا جاتا تھا چنانچہ اس کاغذ کو زیادہ فروغ ہوا۔ اور اہل سمرقند نے چینیوں سے یہ فن سیکھا۔ اور روئی میں دوسرے اجزا بھی ملائے گئے۔ اس لیئے سمرقندی کاغذ سب پر فوق لیگیا، جس کے نمونے ہنوز موجود ہیں۔ اور عرب اس فن میں اہل سمرقند کے شاگرد ہیں۔

آغاز دولت عباسیہ میں مصری اور چینی کاغذ دفاتر میں مستعمل تھا۔ اور یہ لانبے تختے ہوتے تھے جس کو عرب قرطاس (جمع قراطیس) کہتے تھے (زمانہ مابعد میں لفظ قرطاس مطلق کاغذ کے معنی میں مستعمل ہوا) یہ تختے گراں قیمت پر فروخت ہوتے تھے، لہذا عہد رشیدی میں فضل برمکی نے کاغذ سازی کا کارخانہ

جاری کیا، جس کو صناعۃ الوراقہ کہتے تھے۔ اس کارخانہ کے [illegible] سے علوم و فنون [illegible] گھر گھر پھیل گئے اور مذہبی تصنیفات اس کثرت سے ہوئیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا ہے کاغذ کی افراط سے ہزاروں علماء کے لئے کتابت، ایک خاص پیشہ بن گیا۔ فضل برمکی کے عہد وزارت کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے اور یہ وہ احسان ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ہے۔

فضل کی سیرۃ کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے۔ ابونواس[1] نے ہرون الرشید کو مخاطب کرکے فضل کی مدح میں یہ شعر پڑھا تھا۔

لیس من اللہ بمستنکر	خدا کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ
ان یجمع العالم فی واحد	تمام عالم ایک فرد میں سما جائے۔

---

[1] ابو علی حسن بن ہانی ملقب بہ ابونواس، ایک جلیل القدر عالم اور نامور شاعر ہے۔ جاحظ کا قول ہے کہ میں نے ابونواس سے زیادہ علم لغت میں کسی کو ماہر نہیں پایا۔ شعرائے محدثین میں وہ امرؤ القیس کا درجہ رکھتا تھا۔ نشہ کے عالم میں شعر کہتا تھا اس لئے ہر قسم کے مضامین ہوتے تھے، شراب اور اسکی مدح میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سے الگ ہے زندہ دلی اور ظرافت میں فرد تھا۔ برامکہ خصوصاً فضل کی مدح میں پر زور قصائد لکھے ہیں۔

ایک دن رشید ابونواس پر اس قدر غضبناک ہوا کہ قتل کا حکم دیدیا۔ جب گرفتار ہو کر سامنے آیا تو عرض کیا کہ مجھے فرد جرم سنائی جائے، رشید نے ابونواس کا یہ شعر پڑھا اور کہا کہ تو نے شراب نوشی کا علانیہ اقرار کیا ہے اور تیرے قتل کے لئے یہی کافی ہے۔

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی خمراً	اے ساقی مجھے شراب پلا اور یہ بھی کہہ کہ یہ شراب ہے
ولا تسقنی سراً اذا امکن الجھرا	اور چوری چھپے سے نہ پلا، بلکہ جبتک علانیہ پلانا ممکن ہے پلائے جا!

ابونواس نے کہا کہ امیر المومنین آپ نے مجھے کبھی شراب پلائی ہے یا پیتے ہوئے دیکھا ہے (اور جب ایسا نہیں ہے) تو "بعض الظن اثم" (بعض بدگمانیاں گناہ کے درجہ تک پہونچ جاتی ہیں) کے مطابق قابل معافی ہوں۔ اسکے علاوہ کیا امیر المومنین نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے؟

والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم ترانھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون۔ سورۂ شعراء	شاعر گمراہ ہوتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی۔ کہ یہ شاعر خیالی باتوں کے ہر ایک میدان میں سرگرداں پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کیا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے

یہ وہ شعر ہے[1] جس پر سیکڑوں قصائد قربان ہیں۔

فضل برمکی ادب اور موسیقی کا بڑا قدردان تھا، اسحق موصلی نے سب سے زیادہ انعام فضل سے پائے ہیں۔

۷۔ فضل کے جود و کرم کے سچّے افسانے

یہ لکھا جا چکا ہے کہ برامکہ میں فضل سب سے زیادہ فیاض تھا۔ اور اس خاص صفت میں کوئی برمکی اسکی برابری کا دعویٰ نہ کرسکا۔

صبح، شام فضل کے محل پر (بمقام شماسیہ) علماء، حکماء، مشائخ شعراء اور مساکین کا عام مجمع رہتا تھا۔ جب دسترخوان بچھایا جاتا تھا، حاجب اس وقت ان اصحاب کو پیش کرتا تھا اور سب کی حاجت روائی ہوتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۴) یہ آیت سنتے ہی رشید کو ہنسی آگئی اور حکم دیا کہ اس کم بخت کو چھوڑ دو کہ میرے سامنے سے چلا جائے"۔ اس سے زیادہ پرلطف یہ واقعہ ہے کہ ایک دن ہرون الرشید نے دربار میں کہا کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا جو مشہور مقولہ ہے وہ غلط ہے، ابونواس نے عرض کیا کہ صحیح ہے اور کسی موقع پر میں اسکو ثابت کردونگا۔ چند روز کے بعد ابونواس قصر الخلد کے ایک گوشہ میں جاکر چھپ رہا جیسے ہی رشید قریب آیا دوڑ کر لپٹ گیا، رشید چونک پڑا۔ دیکھا تو ابونواس ہے۔ برہم ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ عرض کیا "امیرالمومنین معاف فرمائیں، میں تو زبیدہ خاتون سمجھکر آپ سے ہم آغوش ہوگیا تھا۔ یہ سنتے ہی رشید غضبناک ہوگیا۔ ابونواس نے فوراً عرض کیا کہ امیرالمومنین "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے یہی معنی ہیں، قصور معاف ہوگیا۔ رشید ہنستا ہوا محل کے اندر چلا گیا۔

ابونواس کے کتب ادب میں متعدد دلچسپ لطائف ہیں۔ ۱۳۹ھ میں بمقام اہواز پیدا ہوا اور ۱۹۵ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ جہشیاری۔ ابن خلکان، کتاب الشعر و الشعراء ابن قتیبہ

---

[1] سرح العیون صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ مصر

برامکہ کی فیاضیاں، اسراف کی حد میں شمار کی جاتی ہیں لیکن اِس خاندان کے جود و کرم کے جسقدر واقعات ہیں وہ سب تاریخی ہیں۔ جس کی صراحت اسکے قبل ہو چکی ہے۔

ضیاء برنی تاریخ برامکہ میں لکھتا ہے کہ "جب فضل خراسان سے واپس آیا تو جسقدر روپیہ بیت المال میں داخل کرنے کو لایا تھا، اس کے تین حصے کئے۔ ایک عزیزوں کو دوسرا قدیم متوسلین کو اور تیسرا حصہ مساکین کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ بیس[1] روز تک تقسیم جاری رہی۔ جب ہٰرون الرشید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو یحییٰ بھی پریشان ہوا اور فضل کے مکان پر گیا دیکھا تو بیٹے کا سر مصلے پر ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، یحییٰ نے پوچھا تو عرض کیا کہ بغداد میں بکثرت ایسے اصحاب ہیں جو امداد کے مستحق ہیں مگر میرے پاس اب کچھ نہیں ہے۔"

بیٹے کی یہ حالت دیکھکر یحییٰ نے کہا کہ "کچھ فکر نہ کرو، جسقدر میرے پاس ہے پہلے اس کو صرف کر دو اور جب یہ رقم ختم ہو جائے تو قرض لینا میں ادا کر دونگا۔"

یہ واقعہ ہے کہ برامکہ جیسے فیاض اور کریم النفس پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ شعراء نے انکی جسقدر مدح کی ہے وہ حق بجانب ہے۔ عربی علم ادب کا بہت بڑا سرمایہ برامکہ کی فیاضی سے مرتب ہوا ہے۔ مروان[2] بن ابی حفصہ شاعر کو فضل نے ایک شعر کا صلہ سات لاکھ درہم دیا، کیا اس ادبی قدردانی کی کوئی نظیر مل سکتی ہے۔

برامکہ جب[3] رات کو نکلتے تھے تو روپیوں کی تھیلیاں غلاموں کے ساتھ رہتی تھیں اور غریبوں کے دروازے کھلوا کر رقم تقسیم ہوتی تھی۔ ہر ایک تھیلی میں تین ہزار سے پانچ ہزار تک رقم ہوا کرتی تھی۔

کسی[4] نے ایک دفعہ اسحٰق موصلی سے پوچھا کہ "فضل کی سخاوت کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے" تو اسحٰق نے جواباً کہا۔

[1] جہشیاری [2] کتاب المحاسن بیہقی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ مصر [3] اعلام الناس صفحہ ۱۲۶

اذا نزل الفضل بن يحيى ببلدة	فضل بن یحیٰ جب کسی شہر میں اُترتا ہے
رأيت بها غيث السماحة ينبت	تو تم دیکھو گے کہ وہاں سخاوت کی کھیتی
فليس بسعال اذا سيل حاجة	اُگتی ہے۔
ولا بمكب في ثرى الارض ينكت	جب اُس سے کوئی کچھ مانگتا ہے تو وہ ٹالنے

کیلئے نہ کھانستا ہے اور نہ زمین کی طرف کُریدتا ہے[الف]

دربار میں جب ہرون الرشید کا شاعروں پر عتاب ہوتا تھا تو فضل ہی کی سفارش پر قصور معاف ہوتا تھا۔ جس کی تفصیل ابونواس وکلثوم عتابی وغیرہ کے حالات میں ہے۔

اس تمہید کے بعد اب فضل کے جود وکرم کے واقعات لکھے جاتے ہیں جس سے مزید اخلاقی حالات بھی معلوم ہونگے۔

نمبر ۱۔ امام واقدی سے فیاضی

امام محمدؒ بن ابراہیم واقدی غلہ کی تجارت کرتے تھے ایکسال نقصان ہوگیا۔ تو فضل کے خدمت میں تشریف لائے اور ایک بیش قیمت مرصع انگوٹھی بطور کفالت پیش کر کے دس لاکھ درہم طلب کیے۔ فضل نے یہ کل رقم ادا کردی اور انگوٹھی بھی واپس کردی اور ہرون الرشید سے بھی ایک رقم دلادی اور خادم سے کہلا بھیجا کہ "جب آپ کو ضرورت ہو تو میرے سوا کسی اور سے خواہش نہ کیجیے، ہمیشہ ارشاد کی تعمیل ہوگی"۔ امام صاحب ادائے شکریہ کے لئے کئی مرتبہ فضل کے مکان پر گئے مگر کبھی ملاقات نہیں ہوئی[ب]۔

[الف] جہشیاری صفحہ ۲۳۷۔

[ب] امام محمد بن ابراہیم واقدی کی شہرت کتاب المغازی سے ہوئی ہے۔ یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے جس میں مصر و شام کی فتوحات کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن واقعات مبالغہ آمیز ہیں۔ محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔

۳۔ حقوق ہمسائگی | عبداللہ بن منصور راوی ہیں کہ میں ایک دن فضل کی مجلس میں موجود تھا کہ حاجب نے اطلاع دی کہ ایک مسافر حاضری کی اجازت چاہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ "مدت تک میں وزیر کے ساتھ رہا ہوں"۔ فضل نے کہا "اچھا آنے دو"۔ حاجب نے پیش کیا۔ یہ شخص ایک خوب صورت نوجوان تھا۔ مگر پریشان حال اور مصیبت زدہ۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تب فضل نے اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

فضل۔ بھائی صاحب! میرے پاس آپ کیوں تشریف لائے ہیں۔ کیا کوئی حاجت ہے؟

مسافر۔ بیشک میں ایک غریب سائل ہوں، اور میری شکستہ حالی بتا رہی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں!

فضل۔ ہاں یہ میں جانتا ہوں، لیکن یہ سننا چاہتا ہوں کہ آپ کے میرے ساتھ پچھلے تعلقات کیا ہیں؟

مسافر۔ آپ کے اور میرے ایام ولادت بہت قریب ہیں اور میں آپ کا ہمسایہ بھی ہوں بلکہ میرا بھی نام فضل ہے۔

فضل۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میرے پڑوسی بھی ہوں اور ہمنام (سمّی) بھی، لیکن زمانۂ ولادت کی تصدیق کیونکر ہو سکتی ہے۔

مسافر۔ میں نے اپنی والدہ سے سنا ہے کہ جس رات کو میں پیدا ہوا ہوں اُسی شب کو وزیر السلطنت یحییٰ کے یہاں بھی بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام فضل رکھا گیا تھا اور میری ماں نے بھی یہی نام مبارک سمجھا تھا۔ [1]

فی الجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

---

[1] ابن خلکان ۱۲

فضل۔ آپ کی والدہ کہاں ہیں اور اب آپ کی عمر کس قدر ہوگی؟

مسافر۔ میں پینتیس ۳۵ برس کا ہوں اور میری ماں دنیا سے کوچ کر گئی ہے۔

فضل۔ نہایت تعجب ہے کہ اس وقت تک آپ گمنامی کی حالت میں رہے اور مجھ سے کبھی ملاقات بھی نہیں کی آخر اس کا سبب کیا ہے؟

مسافر۔ سوائے اس کے اور کوئی سبب نہیں کہا جا سکتا کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے

مورخ لکھتا ہے کہ جب گفتگو ختم ہو گئی تو فضل نے اُسکی عمر کے مطابق پینتیس ہزار درہم خلعت اور سواری دیکر رخصت کر دیا[1]۔

۴۔ انسانی ہمدردی عبد اللہ طائی (بغداد کا ایک رئیس اعظم تھا) اپنا ایک واقعہ اسطرح بیان کرتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں میرا تعلق عدالت کے محرروں میں تھا۔ ایک دن خلیفہ نے خوش ہوکر احمد بن خالد کے ہمراہ دار السلطنت سے اضلاع میں تبدیل کر دیا اور ایک بڑی جاگیر کے انتظامات میرے سپرد ہوئے اس خدمت کے قبل بھی میں جرمانہ وغیرہ کے مصائب اُٹھا کر مفلس ہوگیا تھا اس لئے جاگیر پر پہنچکر اول تو اپنا سامان درست کیا اور جس قدر ہو سکا فراہمی نقد و جنس میں مشغول رہا۔ جب میری دست درازی سے رعایا چیخ اُٹھی تو دربار میں نالش دائر کر دی۔ اور زبانی تمام حالات ہارون الرشید سے کہہ دیئے۔ استغاثہ دائر ہوتے ہی میں معطل کیا گیا۔ اور صاحب الشرطہ (افسر پولیس) کی حراست میں پابہ زنجیر دربار میں لاکر پیش کیا گیا اور کل اثاث البیت ضبط ہو گیا۔ مالی نقصان کے علاوہ روزمرہ کی سزا سے بھی میں تنگ آ گیا تھا۔ نقدی میں صرف چار ہزار درہم باقی رہ گئے تھے جب میں نے رشید سے واقعات کا اظہار کیا تو حکم دیا گیا کہ ایک دن میں جرمانہ داخل کرو ورنہ حکم سزائے موت صادر ہوگا (اصل یہ ہے کہ خلفائے عباسیہ میں ہارون سیاست

[1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۷۷ و ابن خلکان صفحہ ۵۱۰۔ مطبوعہ مصر

ملکی میں بہت سخت تھا۔خصوصاً وصول مالگذاری میں) جو افسر میرا نگراں تھا جب اُس کو یہ خبر ہوئی تب تو وہ میری جان کا دشمن ہو گیا اور سخت تشدد کرنے لگا۔ جب ادائے تاوان کی کوئی صورت نہ ہوئی اور میرے قتل میں صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ تب میں نے اپنے پہرے کے سپاہیوں کی خوشامد کی اور اُن سے کہا کہ کسی طرح مجھکو وزیر السلطنۃ جعفر برمکی کے دولت خانہ تک پہنچادو۔ شاید کچھ کام نکل جائے۔ میری درخواست کو اُن لوگوں نے منظور کر لیا۔ جس وقت میں جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اُسوقت وہ دربار کو جارہا تھا۔ میں نے اپنا قصّہ سنایا وعدہ کیا بشرط موقع تمہاری سفارش کرونگا۔ میں نے دعا دی اور وہاں سے فضل کے مکان پر حاضر ہوا۔ جس وقت میں پہنچا ہوں حاجب تمام حاجت مندوں کو پیش کر رہا تھا۔ میں بھی اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ جب پیشی کی نوبت آئی تو فضل نے پوچھا کہ رقم کی تعداد کس قدر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چار لاکھ درہم' اور صرف آج کی میعاد باقی ہے۔ میرے سوال کا فضل نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا۔ زیادہ قیام کی مہلت نہ تھی لہذا اُسی حالت بھوک پیاس میں جان سے سیر ہو کر روانہ ہوا۔ جو احباب راستے میں ملتے تھے اُن سے رخصت ہوتا جاتا تھا۔ میری موت میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اس لئے اہل وعیال سے آخری ملاقات کے واسطے گھر گیا دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ فضل کے دو غلام میرے منتظر ہیں اور پانچ لاکھ درہم اونٹوں پر لدے ہوئے اُن کے ساتھ ہیں۔ علاوہ نقدی کے نہایت قیمتی تھان کپڑوں کے بھی بھیجے ہیں۔ مجھے دیکھ کر غلاموں نے کہا کہ عبداللہ ہم دوپہر سے تمہارے انتظار میں تھے۔ فضل نے تمہاری درخواست منظور کی ہے اور حکم دیا ہے کہ "ادائے تاوان کے بعد جو باقی رہے اُسے تم اپنے مصارف کے واسطے رکھنا اور آئندہ کے واسطے عہد کرو کہ جب تک ہارون الرشید کی خلافت ہے کبھی دست درازی نہ کرونگا اور بشرط ضرورت اپنی جاگیرات سے میں تجکو کچھ حصّہ دونگا"۔ اِس فیاضی کو دیکھ کر میں نہال ہو گیا۔ اور فضل کے صدقے میں ہارون کے ہاتھ سے نجات

پائی اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام عراق عرب میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں کوئی بھی برامکہ کے مثل فیاضی نہیں کرسکتا ہے۔ ابتدائے آبادی بغداد سے زوال خاندان تک بغداد میں کون ایسا شخص تھا کہ جو برامکہ کی فیاضی اور احسانات سے گرانبار نہو۔[1]

نمبر ۵ :- ایک ہاشمی خلف مصری سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن یحییٰ بن معاذ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا تو خلاف معمول دروازہ بند پایا۔ دروازہ کھلوا کر میں اندر گیا۔ اور یحییٰ سے حال پوچھا تو فرمایا کہ "قرض خواہوں کے خوف سے خانہ نشین ہوگیا ہوں" میں نے دریافت کیا کہ قرضہ کس قدر ہے کہا تین لاکھ درہم اس کے بعد میں چلا آیا اور فضل برمکی سے یحییٰ بن معاذ کی حالت بیان کی۔ یحییٰ کا حال سنکر فضل چپ ہورہا۔ لیکن جب میں مکان پر پہنچ گیا تو فضل کا خط ملا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ آپ نے مجھے یحییٰ بن معاذ کے حالات سے اطلاع دی۔ اس کے صلے میں ایک لاکھ درہم آپ کو اور تین لاکھ درہم یحییٰ کو بھیجتا ہوں کہ وہ اپنا قرضہ ادا کردیں۔[2]

ایضاً نمبر ۶ اسحاق موصلی روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن فضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزم طرب میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اعزاز کے ساتھ اپنے پاس بٹھالیا۔ وقت کے مناسب چند حکایات ظرافت آمیز میں نے بھی بیان کیں میری باتیں سنکر بہت ہنسا۔ پھر میں نے چند راگنیاں جو جدید تصنیف کی تھیں اُن میں سے دو ایک سنائیں۔ مجلس کے خاتمے پر ایک لاکھ درہم اور خلعت گرانبہا انعام ملا اور صبوحی[3] کے واسطے تاکید کے ساتھ حاضری کا حکم ہوا۔ میں اقرار کرکے رخصت ہوا۔ پھر شب ماہ کا خیال کرکے باغ میں چلا گیا۔ معتدل ہوا کے جھونکے کے ساتھ گل دریحاں کی خوشبو سے دماغ معطر ہورہا تھا، بہار کا موسم تھا اور چودھویں تاریخ، چاند کی روشنی پورے اوج پر تھی

---

[1] ضیاء برنی [2] کتاب المحاسن صفحہ ۱۵۵ [3] جہشیاری کی روایت ہے فضل نہایت پارسا اور مذہبی شخص تھا وہ نبیذ کا بھی استعمال نہیں کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ابتدائی زمانہ کا ہو۔

تمام باغ مہتاب کی روشنی سے جگمگا رہا تھا' ان تمام چیزوں نے مجھے بیخود کر دیا - اور طیور کی نغمہ سنجیوں نے ایک عجیب مسرت اور تازگی مجھ میں پیدا ہو گئی - اس لئے پچھلی رات تک میں باغ میں ٹھہرا رہا - لیکن فضل کا وعدہ یاد آتے ہی طمع مجھ پر غالب ہو گئی اور اُس عیش کو چھوڑ کر فضل کے مکان کا قصد کیا - اثنائے راہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ خلیل بن ربیع کندی (بغداد کا مشہور امیر ہے) پیادہ پا ' گریبان چاک ' روتا ' چیختا چلا آتا ہے اور غالباً تنگدستی سے اُس کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ پریشان خاطر ہو کر گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے - چونکہ خلیل سے اکثر اوقات صلے اور انعام حاصل ہوئے تھے اس لئے خلیل کی حالت زار پر مجھے بہت افسوس ہوا ' اور دل بھر آیا - میں نے حال پوچھا رو کر کہنے لگا کہ " کیا پوچھتے ہو ؟ اہل و عیال مبتلائے فاقہ ہیں ' قرض کے بار سے جھکا جاتا ہوں ' میرے اختیار کی اب کوئی بات نہیں ہے - پیادہ پا چلنے کی نئی مصیبت سر پر پڑی ہے - اب آگے قدم نہیں اُٹھتا ہے - غالباً اسی مصیبت میں میری جان جائیگی - یہ سب موت کے سامان ہیں اور سچ یہ ہے کہ میری موت کو موجودہ حیات پر شرف ہے - " خلیل پر مجھ کو افسوس ہوا اور اپنے ساتھ مکان پر لے گیا - اور پانچہزار دینار بطور قرض پیش کئے کیونکہ میری حیثیت کے شایاں نہ تھا ' کہ میں یہ کہتا کہ آپ اس نذر کو قبول کریں - رقم پیش کر کے میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ آج غریب خانے پر قیام فرمائیں - دیکھئے تو سہی کل کیا ظاہر ہوتا ہے - لیکن خلیل اپنے گھر چلا گیا اور میں وہاں سے فضل کی خدمت میں حاضر ہوا - وقفہ غیر معمولی ہو گیا تھا - اس وجہ سے فضل بہت خفا ہوا لیکن میں نے فضل کے خوش کرنے کے واسطے ساز چھیڑا اگرچہ میں اپنے کام میں مشغول تھا - لیکن خلیل کی پریشانی سے متاثر تھا اور عرض حال کا موقع نہ تھا - جب فضل نے میری بدحواسی محسوس کی تو پوچھا کہ اسحاق کیا حال ہے ؟ فضل کا اسقدر اشارہ پاکر میں خلیل کا راگ گانے لگا - سن کر بہت متاسف ہوا اور کہا کہ " نہایت تعجب ہے کہ میں بغداد میں موجود ہوں اور بزرگان بغداد کی تباہی کی کوئی

خبر نہیں دیتا ہے کہ اُن کی کیا حالت ہو گئی ہے۔" حاضرین مجلس نے یہ واقعہ سُن کر مجھ پر غصّہ شروع کیا اور کہا کہ "بھلا یہ کون موقع عرض حال کا تھا۔ وزیر کی بزم عیش کو تم نے تلخ کر دیا۔" میں نے جواب دیا کہ "آپ لوگوں کا عتاب فضول ہے۔ میری طرف سے تو ذکر کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ وزیر نے میری پریشانی دیکھ کر خود بخود دریافت کیا ایسی صورت میں فرمایئے کہ میں کیونکر چپ رہ سکتا تھا۔" جب مجلس برخاست ہوئی اور میں نے رخصت ہونا چاہا تو مجھے ایک رقعہ اپنے قلم سے لکھ کر دیدیا جس کا یہ مضمون تھا کہ "خدا کی تجھ پر رحمت ہو کہ ایک امیر کے حال سے مجھے مطلع کیا۔ اس کے شکریے میں پچاس ہزار درہم قبول کر اور میری جانب سے خلیل سے کہدے کہ اتنی بدرہ نقرہ بھیجتا ہوں اس کو صرف کرو۔" فضل کا پیام سُن کر خلیل نہایت خوش ہوا اور وہ عطیہ لے لیا دوسرے دن دربار خلافت سے ایک معزز عہدہ پر مقرر کرا دیا۔ ایک سال نہ گزرا تھا کہ میں نے خلیل کو دیکھا کہ امیرانہ شان سے اس کی سواری جا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور فضل برمکی کی فیاضی یاد آگئی کہ جو کچھ ہے اُس کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

۷۔ ندیموں کی رعایت فضل برمکی کا غلام فرج کہتا ہے کہ فضل کے گلے میں ایک پھوڑا تھا۔ جس سے سخت تکلیف تھی، اور غذا چھوٹ گئی تھی۔ ہارون الرشید بھی نہایت پریشان تھا۔ چنانچہ دن رات میں پچاس مرتبہ خدّام مزاج پُرسی کے واسطے حاضر ہوتے تھے اور ایک مرتبہ خود آکر دیکھ جاتا تھا اور یحییٰ، جعفر، محمد، موسیٰ کو تاکید تھی کہ کسی وقت سرہانے سے نہ ہٹیں۔ اور شاہی طبیب لحظہ بہ لحظہ دیکھتے رہتے تھے۔ اور بجز خاص مصاحبوں کے کسی اور کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اسمٰعیل بن بکر بھی ایک ظریف اور شیریں سخن مصاحب تھا، مگر بخیل اور لالچی تھا۔ اس وجہ سے فضل کے انعامات سے محروم رہتا تھا جب فضل کی بیماری کی خبر سُنی تو عیادت کو کئی مرتبہ حاضر ہوا۔ مگر سلام کی نوبت نہ پہنچی لیکن ایک دن حاجب کی مہربانی سے اجازت مل گئی، چونکہ اُس وقت فضل کی طبیعت

سنبھلی ہوئی تھی، حکم دیا کہ دلچسپ اشعار سناؤ۔ اسمٰعیل ذوق شوق میں بیٹھا ہوا فضل کو اشعار سنا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک کتا عجیب الخلقۃ، کریہ المنظر، چہار چشم اسمٰعیل کے قریب باندھ دیا گیا اسمٰعیل اس کتے سے بہت ڈرتا تھا اس لئے شعروں کا پڑھنا بھول گیا اور کانپنے لگا۔ فضل کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں درد کی شدت سے آنکھ کھل گئی تو پھر اسمٰعیل کو حکم دیا کہ ہاں کچھ اور لطیف اشعار سناؤ۔ لیکن اسمٰعیل کی تو روح قبض ہو رہی تھی خوف سے چہرہ زرد تھا فضل کو کچھ جواب نہ دے سکا۔ جب فضل نے دیکھا کہ سگِ چہار چشم کی وجہ سے اسمٰعیل کی حالت متغیر ہو رہی ہے تو چھیڑنے کی غرض سے ایک خادم کو حکم دیا کہ اس رفیق کو میرے قریب لاؤ۔ قریب آنا تھا کہ اسمٰعیل چیخ کر بھاگ نکلا۔ فضل کو اسمٰعیل کی بدحواسی دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور جب ہنسی قہقہے کے درجے پر پہنچی اس وقت وہ پھوڑا جو گلے میں تھا خود بخود پھوٹ گیا۔ اور جس قدر مواد جمع تھا وہ خارج ہو گیا اور غیب سے علاج ہو گیا جب فضل کے عزیزوں اور ہارون الرشید نے اس قصے کو سنا تو وہ بہت خوش ہوئے اور غسل صحت کے دن اسمٰعیل کو فضل نے ایک عین حیاتی جاگیر بخشی اور دیگر اعزہ نے ایک ایک ہزار درہم اسمٰعیل کو دیئے چنانچہ فضل کی ایک دن کی فیاضی سے اسمٰعیل تمام عمر کسی کا محتاج نہ ہوا۔

مورخین کا قول ہے کہ زوال خاندان کے وقت ایسے لوگوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو برامکہ کے طفیل دولتمند بن گئے تھے۔

مسافر نوازی[۵] فضل بن سہل (وزیر مامون الرشید) کا ایک معتمد ملازم جس کا نام سفیان بن احمد ہے۔ راوی ہے کہ ایک غریب سندھی آوارہ وطن پریشان حال بغداد پہنچا، چونکہ حاجت مند تھا۔ ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ کوئی ایسا فیاض ہے جو میری اعانت کر سکتا ہو، بزرگان بغداد سے مجھے کوئی نسبت نہیں ہے بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ مجھے عرب و عجم سے بھی تعلق نہیں ہے۔ پھر کون میری امداد کر سکتا ہے؟ لوگوں نے ان کو صلاح دی

سلہ ضیا برنی۔

کہ بجز فضل برمکی کے اور کوئی حاجت روائی نہیں کر سکتا ہے۔ غرضکہ وہ سندھی فضل کے ڈیوڑھی پر حاضر ہوا۔ جب حاجب نے لیجا کر پیش کیا تو اس نے اپنی زبان میں ہزاروں دعائیں دے کر عرض کیا کہ "صرف آپ کی فیاضی کو وسیلہ قرار دے کر آپ کے غلاموں کا غلام اس دربار میں (جس کا مثل آج تمام دنیا میں نہیں ہے) حاضر ہوا ہے اور حاجت روائی کا امیدوار ہے۔" فضل نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ حاجب نے کہا کہ یہ مسافر امیر کی مہربانی اور فیاضیوں کی تعریف اور اپنی حاجت ظاہر کرتا ہے۔" اور کہتا ہے ؎

ہر کجا کہ بزرگی وجود یاد کنند | برند نام تو از پیش وپس زنند مثل

فضل نے اس کی پریشانی پر نظر کر کے حکم دیا کہ دو ہزار دینار سرخ مغربی اور ایک سرخ بالوں کا اونٹ جس کے دو کوہان ہوں دیا جائے اور ایک ہزار دینار سرخ اور ایک گھوڑا مترجم کو مرحمت کیا اور پھر بھی اس سندھی سے معذرت کی کہ مسافت اور صعوبت سفر کے لحاظ سے یہ قلیل رقم ہے لیکن سندھی اس عطیہ کو دیکھ کر متحیر رہ گیا اور عرض کیا کہ "حضور والا کا یہ عطیہ نہ صرف میرے واسطے بلکہ میرے عیال واطفال کے واسطے تمام عمر کو کافی ہے۔" اور دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔

ایک سلام کا معاوضہ[9]

خلیفہ ہارون الرشید کا ایک ندیم بشیر روایت کرتا ہے کہ ایکدن فضل برمکی شاہانہ رعب داب کے ساتھ دربار سے واپس جا رہا تھا۔ سواران خاصہ جلو میں تھے۔ اتفاق سے اس دن سواری عمرو تمیمی کے مکان کی طرف ہو کر نکلی۔ امرائے بغداد میں عمرو نہایت مقتدر اور فیاض مشہور تھا۔ راستے میں دونوں کا مقابلہ ہوگیا۔ عمرو تمیمی نے فضل کو سلام کیا لیکن فضل نے اس قدر آہستہ جواب دیا کہ نہ تو عمرو نے سُنا نہ اُن لوگوں نے جو عمرو کے ہمراہ تھے۔ اپنے اعزاز کے لحاظ سے عمرو کو نہایت ندامت ہوئی کہ میں نے ناحق ایسے متکبر کو سلام کیا جس نے جواب تک نہ دیا۔ جو لوگ عمرو کے ہمراہ تھے اُنہوں نے بھی اس قول کی تائید کی تب تو عمرو کو اور زیادہ افسوس ہوا اور یہ خیال

کر کے کہ فضل وزیر اعظم ہے صبر کر کے خاموش ہو رہا۔ جب فضل مکان پر پہنچا تو پرچہ نگار نے عمرو کے الفاظ فضل تک پہنچا دیئے بلکہ صاف لکھ دیا کہ سلام کا جواب نہ ملنے سے عمرو تیمی کو رؤسائے خراسان کے مقابلے میں (جو اُس وقت ہمراہ تھے) نہایت شرمندگی ہوئی ہے فضل نے کہا کہ میں نے جواب ضرور دیا تھا لیکن اُس وقت میرا خیال دوسری طرف تھا۔ اس وجہ سے میں نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔ میں عمرو سے ناراض نہیں ہوں۔ وہ نہایت فیاض ہے اور ان دنوں تنگدست ہو گیا ہے۔ پھر حاجب کو حکم دیا کہ "دس لاکھ درہم خزانے سے برآمد کر کے عمرو کی خدمت میں پیش کر اور میری طرف سے بہایت معذرت کرنا اور کہنا کہ فضل معافی کا خواستگار ہے اُس وقت ایک اہم خیال میں ڈوبا ہوا تھا اس وجہ سلام کا جواب آہستہ سے دیا گیا اور اس قصور کے معاوضے میں کوشش کرونگا کہ دوبارہ خراسان کی حکومت تم کو مل جائے۔" جب حاجب فضل کا عطیہ لے کر عمرو کی خدمت میں حاضر ہوا تو عمرو نے اُن تمام رؤسائے خراسان کو جو اُس روز ساتھ تھے طلب کر کے سب کے سامنے فضل کی معذرت سُنی اور حاجب کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ جب حاجب نے فضل کے سامنے عمرو کی شکر گزاری بیان کی تو بہت شرمندہ ہوا۔ اور ہارون الرشید سے سفارش کر کے خراسان کی حکومت عمرو کے نام بحال کرا دی[1] اور سند کے ہمراہ مبارکباد میں پانسو دینار اپنی طرف سے روانہ کیئے۔ اس واقعہ سے فضل کی اعلیٰ درجے کی نیکی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک ادنیٰ ندامت کے معاوضے میں عمرو سے کتنا بڑا سلوک کیا۔

جواب عطسہ[2]

ایک[3] دن موسم گرما میں فضل برمکی سیر و تفریح کر کے شہر سے مکان واپس جا رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے فضل سے کہا کہ روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں۔ ہنوز اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ فضل کو چھینک آئی۔ سائل نے فوراً کہا یرحمکم اللہ فضل نے یہ سُن کر ایک غلام کو حکم دیا کہ اس شخص کو ہمراہ لاؤ۔ اور

سلہ غالباً یہ عمرو بن جمیل ہے جسکو جائزہ دیکر فضل خراسان سے واپس آیا تھا۔ سلہ المحاسن صفحہ ۱۵۷)

مکان پر پہنچ کر پانچ ہزار درہم اور دس جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے۔ جب یہ شخص گھر آیا تو اس کی بی بی نے کہا کہ آج صبح کو تو آپ مفلس محض تھے۔ یہ رقم کہاں سے چرا لائے اس نے سارا حال بیان کیا مگر اس بدذات عورت کو یقین نہ آیا اور پولیس نے محلے والوں کی مخبری پر گرفتار کر لیا۔ جب فضل کو اطلاع ہوئی تو حوالات سے اس کو بلا یا اور شناخت کر کے رہائی کا حکم دیا۔ اور رخصت کے وقت پھر پانچ ہزار درہم اور دس جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے اور کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری سرکار سے تم کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہیگا

ایک دعوت کا معاوضہ

علی بن حسین بن جعفر راوی ہے کہ میں ایک دن باغ میں فضل برمکی کا مہمان تھا۔ شام کے وقت واپسی ہوئی تو راستہ میں ایک برات ملی، دولھا بھی نہایت حسین اور خوبصورت تھا اور براتیوں میں دولھا کے احباب اور مغنی و مطرب بھی تھے۔ جب یہ جلوس فضل کی سواری کے قریب پہنچا تو دولھا نے گھوڑے سے اُتر کر فضل کی رکاب کو بوسہ دیا اور جوش مسرت سے عرض کیا کہ یہ وہ رکاب ہے جس پر شاہوں کے چتر تصدق ہیں اور چند مدحیہ اشعار پڑھے۔

فضل اسکے ادب اور مداحی سے بہت مسرور ہوا۔ اور پوچھا کہ نوشہ میاں! تمہاری اس شادی میں کیا رقم صرف ہوئی ہے۔ نوجوان نے عرض کیا کہ دس ہزار درہم "۔

فضل نے حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم دیئے جائیں، اور اس نوجوان سے فرمایا کہ شادی میں جو رقم صرف ہوئی ہے اس کو مہنا کر کے باقی رقم کی ایک جائداد خرید کر لو کہ تمام عمر نفقہ میں کسی کے محتاج نہ رہو۔ نوجوان نے اس فیاضی کا شکریہ ادا کر کے عرض کیا کہ میری ایک آرزو ہے وہ بھی پوری کی جائے۔ فضل نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ مخدوم زادہ مع ہمراہیوں کے دعوت ولیمہ میں شریک ہو، اور جو انعام عطا ہوا ہے وہ اس دعوت میں صرف کیا جائے۔ فضل، نوجوان کی اس بلند ہمتی سے خوش ہوا اور اسکی دعوت منظور کر لی اور خزانچی کو حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم اس کو اور دیدو کہ یہ اچھی طرح سے

ہماری دعوت کرے۔ چنانچہ فضل مع اپنے دوستوں کے تین دن تک شریک دعوت رہا اور اپنے کریمانہ اخلاق سے ایک غریب کی عزت افزائی کی اور راستہ چلتے ایک معمولی آدمی کو دولتمند[1] بنادیا۔

ارکان عباسیہ سے سلوک

اسحاق بن سلیمان نے یعقوب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن ابراہیم عباسی اپنے مصارف کی وجہ سے تنگدست رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس قدر مقروض ہوگیا کہ پریشان ہوکر نہایت قیمتی جواہرات فروخت کرنا چاہے لیکن بغداد کے جوہریوں نے دس لاکھ دینار منظور نہیں کئے تب تو نہایت ہی تنگ دل ہوا۔ اور یہ خیال کیا کہ برامکہ کے مکان پر جانے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ لیکن ایسی مصیبت میں برامکہ کے سوائے اور کون ہے جس سے حاجت روائی کی اُمید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مجبوراً دوسرے دن فضل کے مکان پر گیا۔ محمد عباسی کا فضل کے مکان پر جانا فضل کی عزت افزائی کا باعث تھا فضل بہت خوش ہوا۔ اور تعظیم سے پیش آیا۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد محمد عباسی نے وہ قیمتی جوہر فضل کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ دس لاکھ دینار کی ضرورت ہے۔ فضل اُس وقت خاموش رہا کیونکہ محمد سے زیادہ گفتگو کرنا بھی بے ادبی تھی۔ فضل نے جواہرات اپنے پاس رکھ لئے اور دوسرے دن صبح کو دس لاکھ دینار بھیجدیئے اور ایک عرضداشت اس مضمون کی لکھی کہ "آپ کی بات کا رد کرنا کمال بے ادبی تھی۔ اس لئے کل یہ جواہرات رکھ لئے تھے لیکن اب میں واپس کرتا ہوں اگر آپ اس نذر کو قبول فرمائیں تو باعثِ افتخار ہوگا اور تمام عمر ممنون رہونگا۔ ہاں اگر رائے عالی کے نزدیک مصلحت ہو اور کمترین کی درخواست قبول نہ کی جائے تو نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جب آپ کے مصارف سے خزانہ میں توفیر ہو اُسوقت یہ رقم واپس مرحمت فرمائیں" محمد نے جب نقدی کا یہ انبار دیکھا اور ساتھ ہی اُس کے فضل کی عرضی پڑھی تو اپنی حاجت اور فضل کی فیاضی پر خیال کرکے جواہرات بھی رکھ لئے اور نقدی کو ہدیے میں قبول کیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ کل صبح فضل کو سلام کروں لیکن فضل بھی

[1] برنی

اسی خیال سے کہ شاید محمد عباسی ادائے شکریہ کے لئے تشریف لائیں۔ علی الصباح دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور ہارون الرشید سے محمد بن ابراہیم کے واسطے بہت دیر تک عرض کرتا رہا۔ چونکہ فضل بہت کم سخن اور متین تھا۔ بلاضرورت زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا اس وجہ سے ہارون کو نہایت تعجب ہوا کہ خلاف معمول یہ سفارش کیسی ہے اور فضل سے کہا کہ "محمد بن ابراہیم کو پچاس ہزار درہم صرف خاص سے ملتے ہیں۔ اُن کے اعزاز و مراتب کے لحاظ سے اگرچہ یہ وظیفہ کم ہے۔ اور میں اس رقم پر اضافہ کر سکتا ہوں لیکن خاندان میں آخر اور لوگ بھی ہیں۔ اُن کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ اضافہ کی درخواست کریں۔ اس وجہ سے اضافہ منظور نہیں ہوسکتا ہے۔" فضل نے کہا کہ خلیفہ کی فیاضی کی اُمید پر میں اس رقم کو دوچند کرتا ہوں۔ کیونکہ محمد اب زیادہ مقروض ہوگیا ہے۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ جو قیمتی جواہر امیر المومنین کے عطیہ ہیں وہ رہن رکھے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک جاگیر بھی مرحمت ہونا چاہئے۔ کہ نوبت قرض کی نہ پہنچے اور موجودہ قرض بیت المال سے ادا کیا جائے۔ بالآخر فضل کی تجویز کو ہاروں نے منظور کرلیا۔ اور احکام جاری کردیئے گئے۔ جب محمد کو دربار کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو نہایت خوش ہوا۔ اور فضل کے ادائے شکریہ کا خیال اور بھی مستحکم ہوگیا۔ لیکن فضل کی یہ حالت تھی کہ جب محمد کی آمد کی خبر سُنتا۔ تو یحیٰی یا جعفر کے مکان پر چلا جاتا۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر کسی نے محمد سے کہا کہ "فضل کا مقولہ ہے کہ مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ آپ جیسا معزز ہاشمی شرمندۂ احسان ہو۔" یہ سُنکر محمد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا کہ فضل سے کہدو کہ سخاوت کا تم پر خاتمہ ہے۔ اب آئندہ زمانے میں جو فیاض ہونگے وہ تمہاری اقتدا کریں گے۔" اور اخیر عمر تک محمد کا یہ حال رہا کہ صبح کو روزانہ فضل کے مکان پر جایا کرتا تھا۔

یہاں تک کہ جب یہ فیاض خاندان تباہ ہوگیا اور سوائے کھنڈرات کے اور کوئی بھی اُن کے حال پر رونے والا نہ رہا۔ اور اُس وقت بھی

محمد کا یہ دستور تھا کہ فضل کے مسمار شدہ مکانات پر جا کر روتا اور فضل کے حق میں دعائے مغفرت کیا کرتا تھا اور چونکہ مجمع عام میں برامکہ کا ذکر کرنا جرم تھا۔ اس لئے خفیہ طور پر برامکہ کی فیاضیاں بیان کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ فضل کی بدولت ہے۔ بعد زوال برامکہ ہارون نے فضل بن ربیع کو وزیر مقرر کیا ایک[1] روز اس نے جلسہ عام میں یہ تذکرہ کیا کہ محمد بن ابراہیم عباسی ہمیشہ فضل برمکی کے سلام کو جایا کرتے تھے۔ آخر میں بھی تو وزیر ہوں کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ محمد عباسی اس عزت سے مجکو بھی سرفراز فرمائیں"۔ لوگوں نے محمد سے اس قول کو نقل کیا۔ تو بہت رویا اور کہا کہ" افسوس فضل ربیع، فضل برمکی کی برابری کیونکر کر سکتا ہے؟ نہ اس میں فیاضی ہے نہ مروت ہے، نہ اخلاق ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں میں مساوات قائم کرے تو وہ قتل کے لائق ہے"۔ فضل ربیع نے سنا تو کہا کہ" ہاں! محمد کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن جب امیر المومنین برامکہ کے ذکر سے ناخوش ہوتے ہیں تب تو ایسے تذکرے محمد کو زیبا نہیں"۔ محمد نے یہ سن کر کہا کہ" اسی دعوے پر فضل، برامکہ کی برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ میں خاموش[؟] رہوں"۔

ایک قسم کا[2] کفارہ

نعمان بن عتبہ، فضل کے ندیموں میں ایک فاضل ادیب تھا وہ راوی ہے کہ ایک مجلس میں برامکہ کی فیاضی کا ذکر شروع ہوا۔ ہر ایک نے ان انعامات کا تذکرہ کیا جو ان کو برامکہ سے ملے تھے۔ جب میں یہ حالات سن چکا، تو میری زبان سے نکلا کہ ساری دنیا میں فیاضی میں برامکہ سے بڑھکر کوئی نہیں ہے یوں تو تمام برمکی ایک سے ایک فیاض ہیں۔ لیکن فضل بن یحیی کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ فضل نے درہم و دینار کے انبار ایسے لوگوں کو دے دیئے ہیں جو اس کی مجلس میں پہلی مرتبہ آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی صلح کریم انصاری نے کہا کہ

---

[1] تاریخ مینا برنی برامکہ کے حالات میں۔ ایک مستند تاریخ ہے اور اسکے ماخذ صحیح و معتبر ہیں۔

[2] از تاریخ برنی۔

خدا کی قسم تم غلط کہتے ہو وہ تو ہزار درہم کو بھی بڑی رقم سمجھتا ہے۔ یہ سُن کر میں چپ ہو رہا اور انتہائی صدمہ ہوا کہ صالح نے مجھے جھوٹا قرار دیا۔

اتفاق سے میں ایک دن فضل کی خدمت میں تھا کہ عبداللہ بن بشیر عامل صوبہ الجبال حاضر ہوا۔ اس پر خلیفہ ہارون الرشید نے لاکھوں روپیہ کا تاوان عائد کر کے معزول کر دیا تھا جس کی ادائی سے عبداللہ مجبور تھا۔ اسوقت فضل کے سامنے تین لاکھ درہم کا ایک انبار تھا۔ عبداللہ اس تودہ زر کو للچائی ہوئی نظروں سے تاک رہا تھا۔ فضل نے یہ دیکھ کر عبداللہ سے کہا کہ غالباً تم محتاج ہو گئے ہو، اور افلاس کے باعث طبیعت میں حرص پیدا ہو گئی ہے۔ یہ سب رقم تمہاری ہے، اُٹھا لے جاؤ' اور میں خلیفہ سے سفارش کر کے تم کو کسی زرخیز صوبہ پر دوبارہ عامل مقرر کرا دونگا۔ یہ سُنتے ہی عبداللہ نے اپنے غلاموں کو بُلایا اور کل رقم لے گیا۔

اس وقت مجھے صالح یاد آیا۔ اور میری زبان سے بیساختہ نکلا کہ اگر وہ اس مجلس میں موجود ہوتا تو اس کی جھوٹی قسم کا کفارہ ہو جاتا۔ فضل نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے تب میں نے صالح کا واقعہ بیان کیا۔

فضل' صالح سے واقف تھا۔ اس نے ایک کاتب کو حکم دیا کہ عامل جزیرہ کو لکھو کہ وہ صالح کو ہماری دربار میں نہایت اعزاز سے روانہ کرے اور صالح کو یہ خوشخبری بھی سُنا دے کہ میں نے اسکے حق میں ایک بڑا انعام تجویز کیا ہے۔

جب صالح حاضر ہوا تو وہ اوّل مجھ سے ملا۔ اور کہا کہ تم نے فضل سے میری شکایت کی ہے' میں نہایت خوف زدہ ہو رہا ہوں دیکھئے کیا انجام ہو۔ جب میں نے اطمینان دلایا تو وہ فضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فضل نے نہایت احترام سے اس کو مصاحبوں کے ساتھ بٹھایا۔

ملاقات کے کمرہ کے برابر دوسرے دالان میں دس لاکھ درہم کے چبوترے بنے

ہوئے تھے۔ فضل اپنی جگہ سے اُٹھا اور سب مصاحبوں کو حکم دیا کہ جسقدر لے جاسکتے ہو لیجاؤ۔ صالح خاموش کھڑا تھا۔ فضل نے حکم دیا کہ صالح تم بھی اپنے غلاموں کو بلاؤ۔ اور لوٹ میں شریک ہو۔ چنانچہ صالح نے تقریباً چالیس ہزار درہم اٹھائے یہ دیکھ کر فضل نے کہا کہ صالح تم خسارہ میں ہو۔ ابھی تو مال بہت باقی ہے۔ جلدی کرو اور جسقدر ممکن ہو لیجاؤ۔

صالح نے عرض کیا کہ خدا وزیر کی عمر میں برکت دے۔ میں اس رقم سے ایک جائداد خرید کرلونگا۔ جو میرے اہل وعیال کے کام آئے گی اور میں تمام عمر کے لئے کسی کا دستِ نگر نہ ہونگا۔ لیکن فضل نے اپنی طرف سے تین لاکھ درہم چند گھوڑے، اور قیمتی خلعت دیئے اور صالح سے کہا کہ تم نے جھوٹی قسم کھائی تھی اس کا کفّارہ دینا چاہئے۔ صالح نے عرض کیا کہ میں ضرور کفارہ دونگا۔ اسکے بعد فضل نے حکم دیا کہ صالح کو دو لاکھ درہم اور دیدو کہ یہ غریب کفارہ ادا کرے۔ صالح نے عرض کیا کہ خداوند نعمت! شریعت نے جو طریقہ ادائے کفارہ کا مقرر کیا ہے۔ اس حساب سے میں کفارہ ادا کرونگا۔ اب مزید نوازش کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس صلہ و انعام سے ، اس قدر مدہوش ہوگیا کہ اچھی طرح سے شکریہ بھی ادا نہ کرسکا۔ اور بار بار یہی کہتا تھا کہ بیشک فیاضی کا برامکہ پر خاتمہ ہے۔"

کلثوم عتابی کی روایت[۱] ہے کہ میں ایک دن فضل برمکی کی مجلس میں حاضر تھا۔ اور ایک کثیر تعداد شعراء کی دربار میں موجود تھی اور ان میں ایک نوجوان سب سے زیادہ حسین فصیح البیان اور ظریف وادیب تھا۔ شاعری کے ساتھ شہسوار اور شجاع بھی تھا۔ اور اسکا

ایک عظیم الشان[۱۴۱] فیاضی

نام عبداللہ بن عتبہ تھا۔ یہ بدنصیب شاعر فضل کے دربار میں ایک مدت سے آتا تھا، لیکن آج تک کسی نے اس کی معرفی فضل سے نہیں کرائی تھی، چنانچہ اس نوجوان شاعر نے ایک پرچہ لکھا کہ میرا

---

[۱] ضیاء برنی نسخہ قلمی۔

مثل آج روئے زمین پر نہیں ہے۔ باوجود اسکے درِ دولت پر گدایانہ زندگی بسر کر رہا ہوں اور اس فکر میں تھا کہ کوئی ندیم یہ پرچہ فضل تک پہنچا دے، چنانچہ محمد بن منصور کوفی نے پرچہ لیکر مناسب موقع سے فضل کو دیدیا۔ فضل نے پڑھکر محمد سے پوچھا کہ تم نے یہ رقعہ بھی پڑھا ہے۔ منصور نے عرض کیا کہ "جو درخواست بندگانِ عالی کے نام ہو۔ اس کے پڑھنے کی میں کیونکر جرأت کر سکتا ہوں" فضل نے کہا کہ "اس رقعہ کے کاتب نے بڑی خودستائی سے کام لیا ہے" اور فضل سے رقعہ لیکر پڑھا اور عرض کیا کہ کاتب نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے چہرہ سے فضل وکمال کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ سنتے ہی فضل نے حاجب کو حکم دیا کہ اس نوجوان شاعر کو پیش کرو۔ حاجب نے مجمع شعرا میں یہ کہکر پکارا کہ وہ کون صاحب ہیں جنہوں نے اپنی تعریف آپ کی ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ حاضر ہوں۔ حاجب نے ہاتھ پکڑا، اور فضل کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔ عبداللہ نے سلام کے بعد ایک فصیح تقریر میں فضل کے محامد بیان کئے جس سے فضل بہت خوش ہوا۔ اور فرمایا کہ یہ نوجوان اپنے دعوے میں سچا معلوم ہوتا ہے اور محمد بن منصور کو حکم دیا کہ اس کو ایک بدرہ دیا جائے۔ جب تھیلی سامنے آئی تو عبداللہ نے عرض کیا کہ ان درہموں کو قید سے آزاد کیا جائے[1]۔ فضل اس جملہ سے خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ ایک بدرہ اور دیا جائے۔ جب درہموں کا انبار ہو گیا تو فضل نے عبداللہ کو حکم دیا کہ اب تم یہ رقم لیجاؤ۔ عبداللہ نے عرض کیا کہ پروردگار عالم وزیر کی عمر و دولت میں اضافہ کرے۔ میرے لئے سوال کی ذلت ہی کیا کم تھی، اب اس پر حمالی کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ فضل نے اس جواب کو عبداللہ کی بلند ہمتی پر محمول کیا اور فرمایا کہ تمہارا جو مقصد ہے صاف صاف عرض کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ حضور کے روبرو جو غلام دست بستہ کھڑے ہیں ان میں سے ایک کو حکم ہو کہ وہ رقم میرے گھر تک پہنچا دے۔ فضل نے کہا

[1] اس سے یہ غرض تھی کہ درہموں کا اندازہ ہو جائے کہ وہ تعداد میں کسقدر ہیں تھیلی کے اندر صحیح تعداد نہیں معلوم ہو سکتی تھی) اور ایک بدرہ میں سات ہزار سے دس ہزار تک کی رقم ہوتی تھی)

کہ اچھا غلاموں میں سے تم خود ہی ایک کو انتخاب کرلو۔ عبداللہ نے کہا بہتر ہے مگر شرط یہ ہے
کہ وہ غلام بھی میرا ہی ہوگا۔ فضل نے منظور کیا۔ تب عبداللہ نے ایک غلام جو سب سے
زیادہ خوبصورت تھا پسند کیا۔ فضل نے غلام کو حکم دیا کہ تم اس شاعر کے مملوک ہو۔
اس کے گھر جاؤ۔ یہ حکم سن کر شاعر نے عرض کیا کہ بندگان عالی کی فیاضی کا مشکور ہوں۔
لیکن اس غلام کے لئے آج کا دن نحس اکبر ہے کیونکہ حضور کی ڈیوڑھی سے مجھ فقیر کے
گھر جاتا ہے اور ایک بڑی سعادت سے محروم ہو رہا ہے۔ فضل یہ سن کر خوش ہوا اور حکم
دیا کہ تم دو غلام اور انتخاب کرلو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی اسکے بعد عرض کیا کہ خداوندا
یہ غلام حسن و جمال کے ساتھ بڑے نازک اندام ہیں۔ یہ درہموں کا وزن کیسے اُٹھائینگے؟
یہ سنتے ہی فضل نے حکم دیا کہ تین عربی گھوڑے مع ساز و براق غلاموں کی سواری کے لئے
اصطبل سے دیے جائیں۔ اب نوجوان شاعر کو چلا جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ خاموش بیٹھا
رہا۔ تب فضل نے پوچھا کہ اب کیا فکر ہے؟ شاعر نے عرض کیا کہ یہ غلام نوجوان ہیں اگر
اُنہوں نے مجھ سے کچھ اور فرمائش کی تب میں کیا کرونگا۔ فضل شاعر کا مطلب سمجھ گیا۔ اور
ہنس کر حکم دیا کہ تین صاحب جمال مطربہ کنیزیں، مع سامان و زیورات کے حرم سرا سے
انتخاب کر کے غلاموں کے ساتھ کر دی جائیں۔ اب شاعر شاداں و فرحاں رخصت[۱] ہوا۔
لیکن چند قدم چل کر پھر واپس آیا۔ اور بے اختیار رونا شروع کیا، فضل نے اس کی آواز
سن کر اپنے قریب بُلایا۔ اور رونے کا سبب پوچھا۔ نوجوان نے عرض کیا کہ جب آپ
جیسے فیاض دنیا سے اُٹھ جائیں گے تو ہم ایسے فقیروں کے ساتھ فیاضی کون کریگا؟

---

[۱] ایسا ہی ایک دلچسپ واقعہ ہارون الرشید کا بھی ہے کہ ایک بدوی نے خلیفہ سے شکاری کتا طلب کیا۔ جب دیدیا گیا تو عرض کیا کہ میں اس کے ساتھ کیونکر دوڑ سکتا ہوں؟ حکم ہوا کہ ایک عربی گھوڑا بھی دیا جائے۔ چند قدم چل کر بدوی واپس آیا اور بولا کہ جب میں شکار لیکر آؤنگا تو کھانا کون تیار کریگا؟ رشید ہنسا اور حکم دیا کہ ایک کنیز بھی دی جائے۔ جب کنیز مل گئی تو عرض کیا کہ میری خباء (بالوں کا خیمہ) میں اسقدر گنجائش نہیں ہے کہ گھوڑا باندھا جائے اور لونڈی غلام بھی رہ سکیں۔ عذر معقول تھا رشید نے ایک مکان بھی عطا کیا۔ اور اخیر میں مجبور ہو کر جملہ مصارف کے لئے ایک جاگیر بھی دینا پڑی

یہ سن کر فضل بھی اشکبار ہوا۔ اور ساری مجلس متاثر ہو گئی۔ بعد ازاں فضل نے حکم دیا کہ جس قدر اس نوجوان کو انعام دیا گیا ہے اُسی ترتیب سے دوبارہ دیا جائے۔ چنانچہ ایک وقت کے انعام سے نوجوان شاعر تمام عمر کے لئے افلاس سے نجات پا گیا"

۱۵۱ ایک کاتب سے معافی قصور

احمد بن حسن بن سہل (وزیر زادہ مامون الرشید) راوی ہے کہ ایکدن فضل نے کسی کاتب کو بلایا اور کوئی مضمون لکھانا شروع کیا۔ اتفاق سے ایک جملہ ایسی پست آواز میں کہا کہ کاتب کو مکرر پوچھنا پڑا اس پر فضل کو غصہ آ گیا۔ اور کاتب سے کہا کہ او نبطی! مجھے کب تک ستائیگا اور کتنے بار پوچھیگا؟ نبطی کا لفظ سُن کر کاتب بھی جھلاّ اُٹھا اور فضل سے کہا کہ آپ مجھے جنگلی اور دہقانی کہتے ہیں، یہ سارا قصور امارت کا ہے، خدا کی قسم آج سے میں آپ کی ملازمت نہ کرونگا حاضرین جلسہ نے خیال کیا کہ فضل کاتب کو اس گستاخی کی ضرور سزا دیگا، جب اس کا غصہ دھیما ہوا تو فضل نے کہا کہ منشی صاحب! یاد رکھئے! میں ہمیشہ آپ ہی سے کام لونگا اور آپ تو میرے میر دبیر ہیں۔ ادھر یہ مقدمہ پیش تھا کہ کسی غلام نے دوڑکر یحییٰ برمکی سے اطلاع کی، یحییٰ اسی وقت فضل کے مکان پر گیا۔ فضل نے بڑھکر باپ کا استقبال کیا، رکاب چومی اور یحییٰ مسند پر آکر بیٹھ گیا۔ فضل باپ کے سامنے غلاموں کے ساتھ کھڑا ہوا خوف سے کانپ رہا تھا۔ یحییٰ نے کہا کہ تم نے کاتب سے جو الفاظ کہے ہیں وہ میں بھی سننا چاہتا ہوں۔ فضل نے عرض کیا کہ میں اس کو حکم دیتا ہوں کہ لکھ، وہ خفا ہو کر کہتا ہے کہ اب ملازمت نہ کرونگا، اس کے بعد یحییٰ نے کاتب سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حضور! آج مجھے مخدوم زادہ نے نبطی کہا ہے، اس لئے میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ آیندہ ملازمت نہ کرونگا۔ یحییٰ نے کہا کہ میرا فیصلہ تمہارے حق میں ہے، اور فضل سے کہا کہ مجھ کو تمہاری ذات سے یہ اُمید نہ تھی کہ ایسی بد زبانی کروگے بہتر ہے کہ تم کاتب سے معافی چاہو اور آیندہ ایسی گفتگو نہ کرنا، فضل نے یحییٰ کے سامنے

کاتب سے معذرت کی اور غیرت سے گویا زمین میں گڑ گیا۔ اس کے بعد یحیٰ اُٹھا اور کاتب کو اپنے ہمراہ لے گیا، ایک لاکھ درہم انعام دیئے اور دوسری خدمت پر مقرر کر دیا۔[1]

تیسرا حصّہ

جعفر برمکی

۱۔ تمہید کتاب کا پہلا اور دوسرا حصّہ ختم ہو چکا، اب تیسرے کا آغاز ہے۔ اس حصّہ میں عالی قدر، نافذ الامر، بلند اقبال، وزیر السلطنۃ، ابو الفضل جعفر بن یحیٰ برمکی کے حالات ہیں۔ مشاہیر عالم میں یہ وہ عظیم الشان ہستی ہے جس کی فرزندی کے انتساب سے نہ صرف یحیٰ بلکہ برمک اعظم دنیا میں روشناس ہے۔ مورخین عجم و عرب کے نزدیک اسلامی ہیروز میں بلا شبہ جعفر برمکی، غیر فانی شہرت رکھتا ہے۔

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں منجملہ دیگر تاریخی غلطیوں کے جعفر و عبّاسہ (ہرون الرشید کی بہن) کا نکاح بھی ایک غلط واقعہ ہے (تفصیل آتی ہے) اور ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ محض بعض مورخین کی عظمت کے خیال سے آنکھ بند کر کے اس کی تائید کیجائے اور اُن واقعات سے چشم پوشی، جو اُصول روایت و درایت کے خلاف ہیں۔

چنانچہ البرامکہ کی تالیف کی غرض و غایت یہی ہے کہ اُصول تاریخ کی روشنی میں صحیح واقعات کا انکشاف ہو۔

---

[1] ابن خلکان جلد اول وجہشیاری صفحہ ۲۸۵

دولت عباسیہ کی تاریخ کا ایک ایک حرف برامکہ کے احسانات سے گرانبار رہے ہے لہذا سیرۃ نگار کا فرض ہے کہ جعفر برمکی پر بھی جو عباسہ کے اختلاط و محبت کا الزام ہے وہ دور کیا جائے اور نیز قتل جعفر کا ہرون الرشید پر جو سنگین جرم عائد کیا گیا ہے اسکی بھی حقیقت واضح ہو جائے کہ آیا قتل جعفر اور برامکہ کے زوال کا سبب، عباسہ کا فرضی نکاح ہے، جس کو متاخرین نے ایک ڈرامہ کی صورت میں پیش کیا ہے یا سیاسی اسباب ہیں؟

دور حاضرہ میں قتل جعفر کو بہت اہمیت دی گئی ہے چنانچہ شمس العلماء شبلی نعمانی مرحوم بھی دیباچہ المامون میں لکھتے ہیں "حق یہ ہے کہ اگر ہرون الرشید کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اُس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے[1]"

ان اسباب کی بناء پر جعفر کے اسباب قتل پر مورخانہ بحث کی گئی ہے اور تکمیل کی غرض سے ہرون الرشید کے حالات بھی ضمیمہ میں بڑھا دیئے گئے ہیں، اس اعتبار سے اُردو میں البرامکہ پہلی کتاب ہے، جس میں خلیفہ اور وزیر ایک ہی مسند پر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

۲۔ جعفر کی ولادت

کسی تاریخ میں جعفر کے سال ولادت کی صراحت نہیں ہے البتہ قرائن سے جعفر کی ولادت ۱۵۱ھ قرار پاتی ہے جو تقریباً صحیح ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ بغداد میں ابو جعفر عبداللہ منصور عباسی حکمراں تھا۔ اور جعفر کا دادا خالد برمکی اس سے قبل، اُمرائے دولت عباسیہ[2] میں داخل

---

[1] مجھے اپنے مرحوم دوست کی اس غلط تاویل پر نہایت افسوس ہے۔ خاندان برامکہ میں صرف جعفر قتل ہوا تھا اور یحییٰ و فضل وغیرہ قید کر دیئے گئے تھے قتل عام نہیں ہوا تھا۔ اور تعجب انگیز یہ واقعہ ہے کہ مامون الرشید نے اپنے محسن وزیر فضل بن سہل ذوالریاستین کو قتل کرایا اور قاتلوں نے تحقیقات کے وقت صاف کہہ دیا کہ ہم نے امیر المومنین کے حکم سے قتل کیا ہے اور امین الرشید کا قتل تو فضل سے بھی زیادہ اہم تھا باوجود ان جرائم کے مولانا نے مامون الرشید کو کیوں انتخاب کیا؟

[2] الفخری عہد سفاح عباسی۔

ہو چکا تھا اور برامکہ کے علاوہ دیگر عجمی خاندان بھی ملکی خدمات پر فائز تھے جن کی ذات سے فارس کی شان وشکوہ عربی حکومت میں نظر آتی تھی۔

منصور بھی درباری آداب اور عجمی تمدن میں قباد و نوشیرواں کا مقلد تھا کیونکہ عجمیوں کی تالیف قلوب کے لیئے اس کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ۱۵۲ھ میں منصور نے حکم دیا کہ "امرائے دربار ایرانی ٹوپیاں[1] پہنا کریں"۔ اس ارشاد پر ابو دلامہ ایک ظریف شاعر نے یہ اشعار لکھے۔

وکنا نرجی من امام زیادۃ
فزاد الامام المصطفی فی القلانس
تراھا علی ھام الرجال کانھا
دنان یھود جللت بالبرانس

ہم کو امام سے ترقی کی اُمید تھی؟ سو اس نے ترقی بھی کی تو ٹوپیوں میں۔ وہ لوگوں کے سروں پر ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے یہودیوں کے مٹکے جن پر کپڑا منڈھ دیا گیا ہو۔

۳۔ تعلیم وتربیت

جعفر کی تعلیم وتربیت کب شروع ہوئی اور اساتذۂ فن کون تھے؟ اس کی تفصیل بھی تاریخوں میں نہیں ہے، صرف علم الفقہ کے متعلق ابن خلکاں نے لکھا ہے کہ یحییٰ برمکی نے فقہ کی تعلیم قاضی ابو یوسفؒ[2] سے دلائی تھی۔

---

[1] سیوطی صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ مصر۔ یہ اونچی دیوار کی ٹوپیاں تھیں جو نرکل کی کھپاچوں اور سیاہ حریر سے بنائی جاتی تھیں۔ [2] یعقوب بن ابراہیم انصاری (ابو یوسف) امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ہیں۔ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ تکمیل علوم کے بعد ۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے قاضی مقرر کیا۔ اور عہد رشید میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے۔ قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے لیکن تفسیر، مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ میں خاص درجہ تھا۔ امام صاحب کے علاوہ، ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحاق شیبانی، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ محمد بن اسحاق سے مغازی وسیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ ۱۷ سال تک امام ابو حنیفہ سے تعلیم پائی۔ اور زمانہ تعلیم میں امام صاحب نے کفالت کی ۱۸۲ھ میں انتقال کیا۔ ہرون الرشید نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ قریش میں دفن ہوئے۔ قاضی صاحب بڑے دولتمند تھے۔ لاکھوں دینار مساکین کو تقسیم کیئے۔ علماء کے لئے ایک خاص لباس مقرر کیا۔ (عمامہ، طیلسان ذچادر خاص طرز کی) تصنیفات میں کتاب الخراج بہت مشہور ہے اور طبع ہو گئی ہے۔ انتخاب از ابن خلکان وتاریخ خطیب بغدادی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر علوم بھی قاضی صاحب سے پڑھے ہوں اور یہ تو مسلّم ہے کہ یزیدی[1] کسائی اور اصمعی جیسے مشاہیر علماء سے ہر وقت صحبت رہتی تھی اور یہ وہ اصحاب ہیں جن کی ذات پر ایک مستقل درسگاہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن جعفر کی فضل و کمال کا باعث وہ[2] خاندانی نصاب ہے جو برمکیوں کو پڑھایا جاتا تھا۔ اس نصاب میں طب، حساب، نجوم، اور ادب کا عنصر غالب تھا۔

تعلیم کا دوسرا جزو جو تربیت ہے وہ خالد اور یحییٰ کی نگرانی میں ہوئی اور یہ وہ اتالیق[3] تھے، جنھوں نے خلیفہ مہدی اور ہارون کی تربیت کی تھی۔

۴۔ جعفر کا سن رُشد اور مُلکی خدمات

یہ مضمون تفصیل چاہتا تھا، لیکن مورخین سلف کی کوتاہ قلمی سے ناتمام ہے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فراغ تعلیم کے بعد جب جعفر عالم شباب میں پہونچا ہے، اسوقت یحییٰ اور رشید نے تعلیم حکومت کی غرض سے جعفر کو، ملکی خدمت سپرد کی۔ جس کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

---

[1] ابو محمد بن یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ مشہور بہ یزیدی، مامون الرشید کا معلم تھا۔ نحو، لغت، شعر، ایام العرب میں کامل تھا۔ خلیل بن احمد بصری اور ابو عمرو بن العلاء وغیرہ کا شاگرد تھا۔ اسحاق موصلی مغنی، اور ابو عبید القاسم بن سلام بھی یزیدی کے شاگرد تھے۔ اس نے علم ادب پر جو لکچر دیئے ہیں وہ دس ہزار ورق پر ہیں۔ اصمعی کے طرز میں کتاب النوادر لغت میں لکھی ہے۔ اسکے علاوہ کتاب المقصور والممدود، کتاب النقط والشکل وغیرہ تصنیف کیں۔ ۲۰۲ھ میں بمقام خراسان فوت ہوا۔ از نزہت صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ مصر۔

[2] سیاست نامہ نظام الملک طوسی

[3] جسوقت جعفر بچہ تھا اس کی مدح میں مروان بن ابی حفصہ نے یہ شعر لکھے تھے:-

بنی لک خالد وابوک یحییٰ	بناء فی المکارم لن ینالا
کان البرمکی لکل مال	تجود بہ یداہ یفاد مالا

فضل برمکی کی پرورش[1] قصر الخلد میں ہوئی تھی، اس تقریب سے جعفر بھی اکثر قصر میں رہا کرتا تھا، اور رشید کے ساتھ اختلاط[2] رہتا تھا، چنانچہ عہد طفلی سے شباب تک یہ تعلقات قائم رہے۔ اس لئے سنہ ۱۷۰ھ/۷۸۶ء میں جب ہرون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے جعفر کو بغداد سے باہر جانے کی اجازت نہ دی، لیکن پھر بھی ملکی ضرورت سے جعفر کو عارضی طور پر صوبوں کی ولایت پر جانا پڑا۔

۱۔ ولایت مصر جعفر کو سب سے پہلے مصر کی گورنری سپرد ہوئی اور اس کا یہ سبب ہوا کہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی والی مصر کے خیالات باغیانہ ہو چلے تھے اور وہ خلع بیعت پر آمادہ تھا، لہذا سنہ ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں رشید نے انتظاماً جعفر کو مصر روانہ کیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد ہی واپسی ہوئی اور مصر میں اسحٰق بن سلیمان تعینات کیا گیا۔

روانگی مصر سے قبل جعفر کے ذمہ ایوان خلافت کی نگرانی بھی سپرد تھی۔ اس خدمت کے فرائض بجنسہ وہی تھے جو فی زمانہ ریاستوں میں کا مدار ڈیوڑھی خاص کے ہوتے ہیں۔ اور محل کے جملہ خدام و عہدے دار بلا استثناء ماتحت ہوتے تھے۔

۲۔ ولایت افریقہ آغاز سنہ ۱۷۶ھ میں رشید نے جعفر کو صوبہ[3] مغرب کی حکومت عنایت فرمائی، جسکی سرحد انبار سے شروع ہوتی تھی۔ لیکن یہ خدمت بھی اعزازی تھی کیونکہ جعفر کی جانب سے اُسکا قائم مقام حکومت کرتا رہا اور وہ خود بغداد سے نہیں گیا۔ اس زمانہ میں محکمہ برید (ڈاک) اور دار الضرب (ٹکسال) کی نگرانی بھی جعفر کے سپرد تھی۔ اس عہد میں جعفر نے وزنی اشرفیاں بنوائیں اور اس پر اپنا نام مسکوک کرایا۔

۳۔ انسداد بغاوت شام سنہ ۱۸۰ھ میں دمشق و شام میں بغاوت[4] ہوگئی۔ رشید نے جعفر کے قیادت میں فوج روانہ کی اور عبد الملک بن صالح عباسی کو بطور مشیر

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۲۹ [2] یحییٰ برمکی اس اختلاط و محبت کا مخالف تھا اور جعفر کو زیادہ میل جول سے منع کیا کرتا تھا لیکن رشید کے حکم سے مجبور تھا۔ جہشیاری صفحہ ۲۷۰ [3] جہشیاری صفحہ ۲۳۱ و ۲۴۹ [4] جہشیاری صفحہ ۵۴

ساتھ کر دیا۔ جعفر کامیاب واپس آیا۔ صریح الغوانی نے تہنیت میں ایک طولانی قصیدہ پڑھا اور جعفر نے بھی ایک تقریر کی جو ادبی حیثیت سے یادگار ہے۔

۴۔ ولایت خراسان شام سے واپسی کے بعد جعفر کو خراسان و سجستان کی حکومت عطا ہوئی۔ یہ خدمت بھی عارضی تھی۔ اس کے بعد جعفر کو خدمت حرس (باڈی گارڈ کی افسری) سپرد ہوئی۔

۵۔ اتالیقی شاہزادہ عبد اللہ عبد اللہ کا اتالیق محمد بن خالد برمکی (یحییٰ کا بھائی) تھا۔ لیکن جب شاہزادہ محمد کی اتالیقی فضل برمکی کے سپرد ہوئی تو رشید نے عبد اللہ کو جعفر کے سپرد کر دیا۔ تعلیم کے لئے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہد فن، پانچ سال کی عمر سے مقرر تھے، لیکن عام تعلیمی نگرانی اور تربیت جعفر کے سپرد ہوئی اور یہ بھی حکم ہوا کہ جعفر ہر وقت عبد اللہ کے ساتھ رہا کرے اور اس کو شاہانہ آداب سکھائے اس تقریب سے اب جعفر کو بھی شبانہ روز قصر الخلد میں رہنے کا موقع ملا اور جعفر کی اتالیقی میں عبد اللہ نے فارسی بھی حاصل کی۔ جسکی مرو کے قیام میں تکمیل ہوئی۔

۶۔ عبد اللہ کی ولیعہدی خلفائے عباسیہ بھی مسئلہ ولیعہدی میں خلفائے امیہ کے مقلد تھے۔ اور یزید بن معاویہ کی ولیعہدی کے بعد، ہر ایک خلیفہ اپنے حیات میں ولیعہد کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ جس میں سیاسی مشکلات کا بھی سامنا ہوتا تھا اور بعض منتخب ولی عہدوں کو زہر کے پیالے بھی پینا پڑتے تھے۔ چنانچہ جب فضل برمکی نے شاہزادہ محمد (امین الرشید) کو ولیعہد کر دیا تو ۱۸۲ھ میں جعفر نے بھی ہارون الرشید سے تحریک کی کہ محمد امین کی حیات میں عبد اللہ کی بھی ولیعہدی کا اعلان کر دیا جائے کہ دونوں بھائی مطمئن ہو کر اپنے اپنے صوبوں میں حکومت کرتے رہیں، اس تجویز سے رشید نے اتفاق کیا۔ جعفر نے اشارہ ہوتے ہی بمقام رقہ، عبد اللہ کی ولیعہدی کا اعلان کر کے اس کو

لہ کامل ابن اثیر فہرست عمال صوبہ خراسان ۱۲   ۲ہ جہشیاری صفحہ ۲۵۰۔

مامون الرشید کا خطاب دیا، ممالک محروسہ میں فرمان جاری کئے گئے کہ امین الرشید کے بعد مامون الرشید خلیفہ ہوگا۔ جعفر کی اس عملی کارروائی سے رشید بہت خوش ہوا، کیونکہ وہ اپنے بارہ[2] بیٹوں میں عبداللہ کو سب سے فائق سمجھتا تھا اور فخر یہ کہتا تھا کہ عبداللہ[1] میں منصور کی سیاست، مہدی کی متانت اور ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں اور اگر اپنی ذات سے بھی تشبیہہ دوں تو دے سکتا ہوں[3]"

چنانچہ رسم ولیعہدی کے بعد، رشید نے مامون کو جعفر کی تجویز سے صوبہ خراسان کا حکمران بنایا۔ اور امین کو عراق، مصر و شام کی حکومت سپرد کی۔ اور خود رقہ میں مقیم رہا۔ امین و مامون کے حصے میں جو امصار و دیار آئے ان کی یہ تفصیل ہے۔

۱۔ امین الرشید | بغداد (دارالخلافہ) واسط، بصرہ، کوفہ، شام، سواد، عراق، حجاز، یمن، موصل، جزیرہ مصر (مغرب)

۲۔ مامون الرشید | کرمان شاہ، نہاوند، قم، کاشان، اصفہان، فارس، کرمان، رے، قومس، طبرستان، خراسان (مرو دو دارالخلافہ) زابل، کابل، اقطاع ہند، ماوراء النہر ترکستان (ہمدان سے اخیر مشرق تک) رقبہ کے لحاظ سے مامون کا ملک زیادہ وسیع تھا، لیکن خراج (مالیہ) میں زیادہ فرق نہ تھا، کیونکہ مصر و شام کے صوبے بہت زرخیز تھے اور ان ممالک کا خراج طلائی سکوں میں وصول ہوتا تھا (رومیوں کے زمانہ سے یہ قاعدہ جاری تھا) اور اس ملکی تقسیم میں یحییٰ اور جعفر کی یہ مصلحت تھی کہ امین الرشید کو جو ملک دیا گیا وہ عربوں کا مرکز تھا اور امین میں بھی خالص عربی خون تھا۔ اور مامون الرشید جو ماں (مراجل) کی طرف سے عجمی تھا اس کو خراسان و فارس وغیرہ کا علاقہ دیا گیا، جو ایرانیوں کا گہوارہ تھا۔ اور اسی ملکی اور مادری رشتہ سے خراسانی، مامون الرشید کو

---

[1] سیوطی صفحہ ۱۲۱ [2] بلاشبہ مامون، امین سے زیادہ قابل تھا، لیکن امین کے فخر کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ زبیدہ کا چشم و چراغ اور خالص ہاشمی تھا۔ [3] روضۃ الصفا جلد سوم تذکرہ ہرون الرشید۔

اپنا بھانجہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہ وہ پولیٹکل تقسیم تھی جس سے عرب و عجم میں اخیر وقت تک رقابت قائم رہی اور مامون نے امین پر جو فتح پائی اس کی کامیابی کا یہی راز تھا۔

یہ وہ واقعات ہیں جن سے ہرون الرشید بے خبر نہ تھا لیکن پھر بھی تقسیم ملکی کے بعد امین و مامون کے دور حکومت کو اس نے پانچ سال تک نظر غور سے دیکھا، اور تجربہ سے معلوم کیا کہ فی الحقیقت خلافت کا استحقاق مامون ہی کو ہے اور امین ایک عیش پسند شاہزادہ ہے۔

رشید نے جو ملکی تقسیم کی تھی اس سے فتنہ کا انسداد مقصود تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ دونوں بھائی شیر و شکر ہو کر رہیں لیکن حالات کچھ ایسے تھے کہ رشید مطمئن نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ میرے بعد جب امین خلیفہ ہوگا تو سلطنت کی تمام قوتیں اور قبائل عرب اسکے ساتھ ہونگے جو مامون کی بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ خدشہ بھی تھا کہ مامون جو سراپا عقل و حکمت ہے اور عجم کی پوری طاقت کا مالک ہے وہ بھی تخت و تاج کے لئے میان سے تلوار نکالے گا' لہذا ان خطرات کے سد باب کے لئے اس نے ایک نئی ترکیب نکالی اور صفر ۱۸۶ھ میں مکہ معظمہ کا سفر کیا۔[1]

اس سفر میں اہل حرم اور قبائل عرب سے غیر معمولی فیاضیاں کی گئیں، چنانچہ دوران قیام مکہ میں ایک دن رشید حرم محترم میں داخل ہوا اور تخلیہ میں پہلے امین الرشید کو بلایا اور اس سے مسئلہ ولیعہدی پر گفتگو کی، پھر مامون الرشید کو طلب کیا اور دیر تک باتیں کیں، اس کے بعد دونوں بھائیوں سے الگ الگ معاہدے لکھائے، جس میں ہر ایک نے ان حقوق اور ملکی تقسیم کو تسلیم کیا جو اسکے قبل ہو چکے تھے یہ دستاویزیں مسلسل عبارت میں ہیں تاہم اس کا لفظی ترجمہ دفعہ وار پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ عربوں میں دوسری صدی میں تحریر دستاویزات کا کیا اسلوب تھا

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۰۷، و تاریخ کامل و ابن خلدون۔

امین الرشید کی نوشتہ دستاویز نقل کی جاتی ہے۔ اور مامون الرشید کی دستاویز بجنسہٖ (بہ تغیر الفاظ) اس کی نقل ہے۔ ان دستاویزات پر فریقین نے دستخط کیے، اور بطور شاہد، ۳۷ قضاۃ، علماء، وزراء اور ہاشمیوں نے دستخط کیے اور بعد تکمیل یہ معاہدے ایک طلائی ناوے میں رکھ کر خانہ کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کر دیئے گئے اور دربانوں سے حفاظت کا حلف لیا گیا۔ دستاویز حسب ذیل ہے۔

دستاویز جو محمدؐ[1] (امین الرشید) نے لکھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ بحالت ثبات عقل وصحت جسم و درستی ہوش وحواس اور بلا جبر واکراہ یہ تحریر محمد بن امیر المومنین ہرون نے بحق امیر المومنین ہرون لکھی ہے۔

۲۔ امیر المومنین نے مجھ کو ولیعہد سلطنت کیا ہے اور تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی ہے، اور میرے بعد میرا بھائی عبداللہ (مامون الرشید) ولیعہد ہوگا۔

۳۔ امیر المومنین نے میری رضامندی سے عبداللہ کو اپنی حیات میں اور اپنے بعد صوبہ خراسان، فوج، خراج، محکمہ بریڈ پرچہ نویسی، بیت المال، بیت الصدقہ اور عشر عشیر کی ولایت تفویض کی ہے۔

۴۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیر المومنین ہرون نے بیعت، خلافت و ولیعہدی اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے میں ان جملہ اُمور کو تسلیم کروں گا۔

۵۔ اور حکومت خراسان کے علاوہ جو جاگیریں اور اراضیات زمین خاصہ سے یا جبقدر

---

[1] ملاحظہ ہو اصل دستاویز طبری صفحہ ۶۶۰۔ مطبوعہ یورپ ویعقوبی جلد ۲ از صفحہ ۵۰۰ لغایت ۵۰۹ مطبوعہ یورپ۔ تاریخ مکہ ازرقی اور تاریخ ابن واضح کاتب عباسی میں بھی یہ دستاویزات بادنیٰ تغیر موجود ہیں۔

جواہرات اور اسباب وکپڑے اور غلام ومواشی عنایت کئے ہیں وہ سب عبداللہ کی ملکیت ہیں مجھ کو کچھ عذر نہیں ہے۔

۶۔ جملہ عطیات کی فہرست مرتب ہوگئی ہے اور میں نے سب کو سمجھ لیا ہے، اگر کسی چیز کی نسبت ہم دونوں میں اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔

۷۔ میں عبداللہ کو خراسان یا کسی اور صوبہ سے جس کی حکومت امیرالمومنین نے ان کو دی ہے نہ معزول کرونگا نہ خلع بیعت کرونگا۔ نہ کسی اور کو انکا قائم مقام کرونگا۔ نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں عبداللہ پر مقدم کرونگا اور ان کی جان یا خون بلکہ ایک بال کو بھی ضرر نہ پہنچاؤنگا۔ نہ کسی صوبہ کا حساب سمجھونگا۔ نہ کسی ملکی انتظام میں دست اندازی کرونگا۔ نہ اس علاقہ میں اپنے لئے کوئی جاگیر طلب کرونگا۔ نہ عبداللہ کے خلاف کوئی بات سنونگا۔

۸۔ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں عبداللہ کی جان ومال کی حفاظت کرونگا۔

۹۔ امیرالمومنین کے بعد (وفات) اگر عبداللہ صوبہ خراسان سے باہر ہوگا تو میرا فرض ہوگا کہ میں عبداللہ کو خراسان روانہ کروں۔ اور وہاں کی حکومت سپرد کردوں۔ اور عبداللہ کے ہمراہ وہ عمال وندیم ہونگے جن کو امیرالمومنین نے پہلے سے نامزد کردیا ہے اور میری جانب سے عبداللہ پر کوئی پرچہ نویس مقرر نہ ہوگا۔

۱۰۔ جو شرائط اس دستاویز میں درج ہیں اس کا ایفا شرعاً مجھ پر فرض ہے درصورت خلاف ورزی اسکا شرعی کفارہ مجھ پر لازم ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر ایک عورت جو اس وقت میرے نکاح میں ہے یا آیندہ تیس۳۰ سال میں ہو ان سب پر طلاق ہوگی تین طلاق سے اور میں خانہ کعبہ کے حج کے لئے ننگے پاؤں جاؤنگا۔ اور جس قدر غلام آج میرے مملوک ہیں یا آیندہ تیس سال میں ہوں وہ سب آزاد ہونگے۔

۱۱۔ اگر میں اس معاہدہ کی خلاف کروں تو تمام افسران فوج اور سپاہی اور عام مسلمان

میرے عہد بیعت و خلافت سے بری ہوگئے اور میرے خلع بیعت سے ان پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہونگا، اور مجھ کو ان لوگوں پر کچھ حق نہ ہوگا نہ ولایت نہ اطاعت نہ بیعت اور ان لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور معاہدات کو توڑنا جائز ہوگا جو اُنہوں نے میرے حق میں کئے ہیں"۔

ہٰرون الرشید اس کارروائی سے مطمئن ہوگیا تھا۔ لیکن قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ۱۳ رجمادی الثانی ۱۹۳ھ کو رشید کا انتقال ہوگیا۔ باپ کے مرتے ہی امین کیجانب سے معاہدہ شکنی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے خانہ کعبہ سے دستاویزیں منگا کر چاک کردیں، یہ خبر سنتے ہی مامون بھی مخالفت پر آمادہ ہوگیا اور نامہ و پیام کی ناکامی کے بعد دونوں میں عظیم الشان جنگ ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ امین قتل ہوا[۱] اور ۲۶ رمحرم ۱۹۸ھ کو بغداد میں مامون کے لئے بیعت ہوئی۔

۵ جعفر کی مستقل وزارت

ہٰرون الرشید کی آغاز خلافت سے یہ آرزو تھی کہ یحییٰ کے بعد جعفر کو قلمدان وزارت سپرد کیا جائے۔ لیکن فضل کی موجودگی میں، جو جعفر سے بڑا تھا، رشید اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا اور یحییٰ برمکی نے بھی تائید نہ کی، لیکن ۱۸۰ھ میں جب فضل خراسان سے واپس آیا تو رشید نے بجائے فضل کے جعفر کو وزیر کرنا چاہا اور یحییٰ بن سلیمان کاتب دفتر انشا کو حکم دیا کہ میں جعفر کو وزارت تفویض کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میری طرف سے یحییٰ برمکی کو ایک شقہ لکھو کہ وہ فضل سے وزارت کا جائزہ، جعفر کو دلادے لیکن تحریر میں ایسے الفاظ نہ آئیں جن سے یحییٰ اور فضل کو صدمہ پہونچے۔ کاتب نے اشارہ ہوتے ہی رشید

---

[۱] اس مضمون کو نہایت تفصیل سے میں نے اپنی جدید تصنیف "مامون الرشید" میں لکھا ہے جو ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد کی فرمائش پر لکھی گئی ہے [۲] جہشیاری صفحہ ۲۵۲

کی طرف سے یحیٰی کو لکھا

"ان امیر المومنین یا مرک ان ینتقل خاتم الخلافۃ من یمینک الی شمالک" | امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ خاتم (انگوٹھی) خلافت دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں تبدیل کی جائے۔"

یحیٰی نے تحریر پڑھتے ہی فضل کو لکھا کہ "امیر المومنین کا ایما ہے کہ تم قلمدان وزارت اپنے چھوٹے بھائی جعفر کے سپرد کر دو" چنانچہ فضل نے بہ طیب خاطر اس تجویز کو منظور کیا[1]

جب جعفر کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے یحیٰی کو لکھا کہ "بھائی فضل مجھ سے بڑے ہیں اور عقل و تجربہ بھی زیادہ رکھتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ خاتم خلافت انکے ہاتھ میں رہے۔" لیکن یحیٰی نے کوئی عذر نہ سنا اور جعفر کو مجبوراً وزارت قبول کرنا پڑی اور جس زور کی وزارت کی اس کی تصدیق ان اوراق سے ہوگی۔ فضل کو انتقال خدمت سے کوئی رنج نہیں ہوا اور اس نے کہا کہ "وزارت کے جانے سے میری نعمتوں میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ اور مجھے مسرت ہے کہ وزارت سے میرے بھائی کا درجہ بڑھ گیا ہے[2]"

وزیر ہونے کے بعد سفاح وغیرہ کی تقلید میں جعفر بھی پردہ میں رہتا تھا اور کوئی اُس کی صورت نہ دیکھ سکتا تھا اور دربار داری بند کر دی تھی لیکن اسحٰق موصلی نے جب یحیٰی برمکی سے شکایت کی اور یحیٰی نے فہمائش کی تو جعفر نے پردہ ترک کر دیا[3]۔

---

[1] زہر الآداب میں ہے کہ ہارون الرشید نے یحیٰی سے کہا تھا "یا ابت انی اردت اجعل الخاتم الذی فی ید الفضل الی جعفر" اس کے بعد یحیٰی نے فضل کو لکھا "امر امیر المومنین اعلی اللہ امرہ ان یحول الخاتم من یمینک الی شمالک" بلائے حاشیہ عقد الفرید جلد اول مطبوعہ مصر۔

[2] رسالہ الایجاز ثعالبی صفحہ ۲۴ مطبوعہ الجوائب۔

[3] جہشیاری صفحہ ۲۵۹

ہرون الرشید اور جعفر کا اتحاد

منصب وزارت پر فائز ہونے کی بعد وزیر اور خلیفہ میں دن بدن اتحاد بڑھتا گیا' کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا اور سونا ایک ساتھ تھا۔ اور دونوں ایک ہی قسم کا لباس پہنتے تھے۔
زیفان اور دراعے (ایک قسم کے اونی چوغے) اس[1] قسم کے بنوائے تھے جسکو دونوں ایک ساتھ استعمال کرتے تھے۔
میدان[2] رقہ میں جب گھوڑ دوڑ ہوتی تھی تو رشید اور مامون کے گھوڑوں کے ساتھ جعفر کے بھی گھوڑے دوڑتے تھے اور بازی لگائی جاتی تھی۔
عزیزوں[3] اور دوستوں کی دعوت میں بھی دونوں ساتھ جاتے تھے ورنہ انکار کر دیا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مخدوم اور خادم کا امتیاز اٹھ گیا تھا۔ رشید ہمیشہ جعفر[4] کو بھائی کہکر خطاب کرتا تھا اور محل میں کسی خاتون سے پردہ نہ تھا۔ رشید کو جعفر کی قابلیت پر بھی ناز تھا اور کہا کرتا تھا کہ "مجھے خدا نے جو نعمتیں عنایت کی ہیں انمیں سب سے قابل قدر جعفر کی ذات ہے"۔

۲۔ بغداد کی گلیوں کا گشت اور دجلہ کی سیر

خلفائے عباسیہ کے ابتدائی دور میں رعایا کے حالات سے ہرون الرشید سب سے زیادہ باخبر تھا، بکثرت مرد اور بوڑھی عورتیں جاسوسی پر مقرر تھیں اور امراء کے مکانات میں غلامان خاصہ معین تھے جو دن رات کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ باوجود اس اہتمام کے وہ خود بھی اندھیری اور چاندنی راتوں میں بھیس بدل کر محل سے نکل جاتا تھا اور مخفی حالات کی تفتیش کرتا تھا۔ اس وقت اسکے ہمراہ جعفر برمکی اور خواجہ سراؤں کا سردار ابو ہاشم مسرور الکبیر ہوتا تھا۔

---

[1] ابن خلکان وجہشیاری صفحہ ۲۲۹ [2] جہشیاری صفحہ ۲۵۳ [3] ضیاء برنی وابن خلکان
[4]۔ جہشیاری صفحہ ۲۲۹ وضیاء برنی۔

الف لیلہ میں اس قسم کے متعدد دلچسپ واقعات موجود ہیں لیکن اس موقع پر ناظرین البرامکہ کی تفریح کے لئے اعلام الناس سے صرف ایک دلچسپ فسانہ درج کیا جاتا ہے جس سے خلیفہ اور وزیر کا اتحاد اور اُمرائے بغداد کی معاشرت اور دولتمندی کا بھی اندازہ ہوگا۔

مصنوعی خلیفہ رات کا وقت ہے، دجلہ اپنی معمولی رفتار سے بہ رہا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے صاف طور پر نہ گھاٹ نظر آتا ہے نہ کشتیاں، لیکن دجلہ کے کنارے کنارے جو قصر و ایوان ہیں اور اُن میں جو لالٹینیں جل رہی تھیں اُنکی روشنی میں دور سے ایک زورق (ڈونگی، چھوٹی کشتی) نظر آئی۔ جس پر ایک بوڑھا ملاح سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا اور تین شخص سوداگروں کے لباس میں دجلہ کے کنارہ کھڑے ہیں۔ بظاہر اس میں ایک مالک دوسرا مصاحب اور تیسرا غلام معلوم ہوتا ہے چنانچہ مصاحب نے آگے بڑھکر بوڑھے ملاح سے اس طرح پر گفتگو کی۔

مصاحب! او بوڑھے ملاح! مہربانی کر کے ہم کو اس وقت دجلہ کی سیر کرا۔ اور یہ دو دینار تیری معاوضہ خدمت کے موجود ہیں ان کو قبول کر۔

ملاح حضرت! میری مجال نہیں ہے جو آپ کی فرمائش بجا لاسکوں۔ کیونکہ خلیفہ ہارون الرشید کا معمول ہے کہ وہ شب میں بجرے پر سوار ہوکر نکلتا ہے۔ جس کے ساتھ ایک منادی پکارتا جاتا ہے کہ "خبردار جو کوئی شخص اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، جوان ہو یا لڑکا، آزاد ہو یا غلام، رات کے وقت دجلہ کی سیر کرے گا اُس کا سر قلم کردیا جائیگا"

یہ گفتگو ہنوز ختم نہیں ہوئی تھی کہ دور سے ایک بڑی کشتی آتی ہوئی نظر آئی جسمیں جگہ جگہ شمعوں اور مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ جب وہ کشتی حد سے آگے چلی گئی تو پھر اُس مصاحب نے بوڑھے ملاح سے اصرار کیا۔ اور ایک معقول انعام کے وعدے پر رضامند کرلیا

سلہ اعلام الناس صفحہ ۷۰ مطبوعہ بمبئی با دنیٰ ترمیم۔

یہاں تک کہ یہ زورق بھی اگلے بجرے کے پیچھے پیچھے چلی، جب یہ بجرے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ اُس پر مشعلچی سُرخ اطلس کا لباس پہنے ہوئے اور ایک طلائی اور مینا کار دستے کا مشعل ہاتھ میں لئے کھڑا ہے جس میں عود قاقلی جل رہا تھا۔ بجرے کا درمیانی حصہ شمعوں سے روشن تھا جس کے وسط میں ایک زرنگار کرسی بچھی ہوئی تھی اور اُس پر ایک نوجوان سیاہ پوش بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں تخمیناً سو غلام ایستادہ تھے۔ اور انکے بیچ میں بیس مصاحب تھے

مالک۔ کیوں صاحب آپ نے یہ تماشا دیکھا؟ عجیب طرز اختیار کیا ہے!!

مصاحب۔ یہ تو حقیقت میں خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک۔ ہنسکر! یہ امین الرشید یا مامون الرشید کی شرارت ہے۔

مصاحب۔ حضور سچ فرماتے ہیں۔ واللہ خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک۔ دوبارہ غور سے دیکھ کر۔ بیشک تمام سامان خلافت مہیا ہیں۔ وہ شخص جو سامنے کھڑے ہیں ان میں ایک تو بالکل جعفر وزیر السلطنۃ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا مسرور (حبشی غلام)

مصاحب۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ میری تو عقل گم ہے۔

سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کشتی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ تب مصاحب نے ملاح سے پوچھا کہ کیا خلیفہ اسی طرح ہر شب دجلہ کی سیر کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ "ہاں" چنانچہ ملاح سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے یہ واپس گئے۔ دوسرے روز بڈھا انعام کے لالچ سے اُسی جگہ ڈونگی لگائے بیٹھا تھا کہ یہ لوگ آموجود ہوئے۔ اور جس وقت شاہی بجرہ سامنے سے گزرا یہ بھی اُس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ دیکھا تو بجرے پر آج دوسرے ٹھاٹھ تھے۔ اور تقریباً دو سو غلام مؤدب کھڑے تھے۔ ملاح نے آج دس دینار کے لالچ سے ڈونگی کو تیز چلایا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک باغ کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں دو غلام مع سواری کے موجود تھے۔ خلیفہ کشتی سے اُترا اور خچر پر سوار ہو کے باغ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تماشائی بھی دل کڑا کر کے خلیفہ کے پیچھے ہو لیے۔ مگر آگے چل کر مشعلچیوں نے دیکھ لیا اور اجنبی سمجھ کر غل

مچایا تب غلاموں نے اُن کو گرفتار کر کے خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔
خلیفہ۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کیونکر آئے ہو۔
مصاحب۔ حضور! ہماری حماقت نے ہم سے سازش کر کے سیر دجلہ پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے خدام نے گرفتار کر لیا۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ امیر المومنین کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوئے۔ اب آگے جو قسمت دکھائے۔
خلیفہ۔ اگر آپ مسافر نہ ہوتے اور کوئی بغدادی ہوتا تو ضرور ضابطہ کے موافق قتل کیا جاتا لیکن اب آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اطمینان سے استراحت فرمایئے اور (وزیر کی طرف مخاطب ہو کر) یہ آج ہمارے مہمان ہیں ان کو بھی اپنی بے تکلفی کی صحبت میں شریک کرو۔
وزیر۔ بہت خوب!
تھوڑی دور چل کر ایک عظیم الشان محل نظر آیا۔ جو شاہانہ طرز پر آراستہ تھا۔ وہاں پہنچکر سب لوگ اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ گئے۔ دستر خوان چنا گیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو دور شروع ہوا جب ان سوداگروں کی طرف دور آیا تو پہلے مالک نے انکار کیا۔ خلیفہ نے اُس مصاحب سے سبب انکار دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ "حضور ہمارے آقا نے مدت سے شراب چھوڑ دی ہے؟ لیکن خلیفہ نے مع یاران مجلس خوب ہی پی۔ اور مست ہو کر نشے میں جھومنے لگے۔ جب ان لوگوں کو کسی قدر تخلیہ حاصل ہوا تو آپس میں اُس مکان کی آراستگی اور دیگر سامان و ظروف وغیرہ کی تعریف کرنے لگے مالک نے اپنے مصاحب سے کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر یہاں کے حالات کی مجھے زیادہ وضاحت ہوتی!
خلیفہ نے ان باتوں پر کان لگائے اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کن خیالات میں ہیں؟
ادھر سے مصاحب نے جواب دیا کہ ہمارا مالک اسوقت حضور کی خوش انتظامی اور سامانِ آرائش دیکھ دیکھ کر محو ہو رہا ہے اور مجھ سے اِس کی تعریف کر رہا ہے۔
خلیفہ۔ آپ کے نزدیک یہاں کسی چیز کی کمی ہے؟

مصاحب۔ ہماری کیا مجال ہے کہ کسی کمی کا ذکر کریں۔ تمام سامان عیش مہیا ہیں۔
خلیفہ۔ نہیں نہیں، بلا تصنع جس چیز میں آپ کمی دیکھیں اُس سے اطلاع دیں۔
مصاحب۔ حضور۔ ہمارے مالک کا خیال ہے کہ "شراب بلا سماع" محض تضیع اوقات ہے"۔
خلیفہ یہ سُنکر مسکرایا اور فوراً دستک دی۔ جس کے ساتھ ہی ایک دروازہ کھلا اور اُس سے ایک خادم نکلا پھر اُس نے ایک ہاتھی دانت کی مرصع کرسی لاکر بچھائی اس کے بعد ایک نہایت خوبصورت کنیز آئی اور کرسی پر بیٹھ کر عود بجانا شروع کیا۔ چنانچہ اُس نے چوبیس گتیں بجائیں جس کی ہر ہر تال پر عقل حیران ہوتی تھی اور خوبصورتی کے ساتھ اس کے خوش آوازی اور بھی غضب تھی، چنانچہ اس نے یہ اشعار گانا شروع کئے۔

لسان الھوی من مقلتی لك ناطق
عشق کی زبان میری آنکھوں میں بول رہی ہے۔

یخبر عنی اننی لك عاشق
اور یہ کہتی ہے کہ میں تیرا عاشق ہوں۔

ولی شاھد من طرف قلب معذب
میرا ستمزدہ دل میرا گواہ ہے۔

وقلبی جریح من فراقك خافق
اور میرا دل تیرے فراق سے زخمی ہے اور کانپتا ہے

وکم اکتم الحب الذی قد اذابنی
جس محبت نے مجکو پگھلا دیا میں اسکو کہانتک چھپاؤں

وقلبی قریح والدموع موابق
دل زخمی ہے اور آنسو ہلاک کرنیوالے ہیں۔

وما کنت ادری قبل حبك ما الھوی
تیرے عشق سے پہلے مجکو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ عشق کیا چیز ہے

ولکن قضا الرحمن فی الخلق سابق
لیکن خدا کا حکم مخلوقات میں پہلے نافذ ہو چکا ہے۔

یہ اشعار کچھ ایسے دردانگیز لہجے میں گائے کہ خلیفہ پر کیفیت طاری ہوئی اور یکایک چیخ اُٹھا اور بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دوسری پوشاک زیب تن کی اور ذرا دیر سکوت کرنے کے بعد اس نے پھر دستک دی۔ قاعدہ اول کے مطابق دوسری لونڈی حاضر ہوئی۔ اس نے بھی عود بجانا شروع کیا۔ ان مہمانوں نے جب دیکھا کہ خلیفہ محو سماع ہے تو آپس میں آہستہ آہستہ اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

مالک (اپنے مصاحب سے مخاطب ہو کے) یہاں تو خلافت کے سامان پورے طور پر مہیا ہیں۔
مصاحب۔ بیشک حضور سچ فرماتے ہیں۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے کچھ حضور نے بھی خیال فرمایا۔
مالک۔ کیا تم نے خلیفہ کے چہرے پر کوئی نشان بھی دیکھا ہے۔
مصاحب۔ جی ہاں۔ میں عرصے سے اس پر غور کر رہا ہوں۔

اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خلیفہ متوجہ ہو گیا اور پوچھا کہ یہ کیا سرگوشیاں ہیں؟ مصاحب نے جواب دیا کہ ہمارا مالک اس وقت کی فیاضیوں کا بار بار ذکر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ہر کنیز کے ردوبدل میں حضور نے چار جوڑے قیمتی جن میں سے ہر ایک پانچسو دینار سے کم نہ ہوگا۔ خادموں کو چاک کر کے دیدیئے۔ اس کے بعد مصاحب نے خلیفہ کا خیال تبدیل کرنے کی غرض سے یہ برجستہ اشعار پڑھے۔

بنت المکارم وسط کفک منزلا
فجمیع مالک للانام مباح
واذ المکارم اغلقت ابوابھا
یوما فانت لقفلھا مفتاح

سخاوت نے تیری ہتھیلی کے بیچوں بیچ گھر بنایا ہے
اس لیے تیرا مال تمام لوگوں کے لئے مباح ہے۔
سخاوت کسی دن اگر اپنے دروازے بند کرے۔
تو تو اس کے قفل کی کنجی ہے۔

خلیفہ ان اشعار کو سن کر بہت محظوظ ہوا۔ اور فوراً حکم دیا کہ ایک ہزار دینار مع خلعت کے انعام دیا جائے اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ اور جب عالم کیف طاری ہوا تو پھر ان مہمانوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں۔
مالک۔ مجکو خلیفہ کی پیشانی پر ایک نشان نظر آتا ہے (مصاحب سے) میری نظر تو غلطی نہیں کرتی۔
مصاحب۔ حضور سچ ہے۔ مجکو بھی صاف نظر آرہا ہے۔
مالک۔ تو کیا اس کی نسبت دریافت کریں؟
مصاحب۔ حضور موقع نہیں ہے ذرا صبر کیجئے۔
مالک (غصے سے) مجھے قسم ہے تربت عباس کی کہ جب تک اس حال کو معلوم نہ کرلونگا

اس وقت تک تسکین نہ ہوگی۔

تربت عباس کا لفظ اس زور سے نکلا کہ خلیفہ چونک پڑا اور اُس نے مصاحب کی طرف دیکھ کر کسی قدر خوف زدہ آواز سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ معمولی باتیں ہیں مگر میرے مالک کا ایک سوال ہے۔ آپ کو خدا کی قسم اس کا جواب صحیح دیجئے گا اور وہ یہ ہے کہ "آپ کی پیشانی پر جو نشان نظر آتا ہے وہ کیسا اور کس وجہ سے ہے۔" خلیفہ یہ سُن کر ساکت ہو گیا اور دیر تک مالک اور اُس کے مصاحب کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا بالآخر خوف زدہ ہو کر رونے لگا اور اپنا تمام واقعہ ایک فی البدیہہ نظم میں بیان کیا اور اسی سلسلے میں ڈرتے ڈرتے یہ بھی کہا۔

قد حس قلبی ان فیکم اماما	میرا دل کہتا ہے کہ اس مجمع میں ہمارا سردار ہے
خلیفة هذا الوقت ابن الاطائب	جو اس زمانے کا خلیفہ اور پاک نسل سے ہے
وثانیکمو یدعی الوزیر بجعفر	دوسرا شخص جعفر وزیر ہے۔
حقیقة یدعی صاحبا وابن صاحب	جو وزیر ابن الوزیر کہا جاتا ہے۔
وثالثکم مسرور سیاف نقمة	اور تیسرا مسرور ہے جو انتقام کے لئے جلاد ہے
فان کان هذا القول حقا اصائب	سو اگر یہ بات ٹھیک نکلی۔
فقد نلت ما ارجو علی کل حالة	تو ہر حال جو میں چاہتا تھا وہ مل گیا۔
وجاء سرور القلب من کل جانب	اور دل کی خوشی ہر طرف سے آپہونچی۔

اگرچہ مصنوعی خلیفہ نے اپنے اشعار میں ظاہر کر دیا تھا کہ میں نے اپنے تینوں مہمانوں کو پہچان لیا ہے تاہم مصاحب نے اس خیال کی تردید کی اور چاہا کہ سلسلۂ تقریر کو بھی ٹالدے مگر اُس نے صاف کہدیا کہ یہ حضرت جو آپ کے مالک ہیں میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔ واللہ یہ ہمارے امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید ہیں اور آپ ان کے وزیر جعفر ہیں اور تیسرا مسرور ہے۔ لہٰذا میں پہلے اپنی جان بخشی چاہتا ہوں کہ حضور کے طفیل میں سرور پا کرتا ہوں

اور اس کے بعد اپنا حال عرض کرتا ہوں۔" امیر المومنین میرا نام علی ہے محمد جوہری کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ مشہور سوداگر تھا۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو دولت کثیر میرے ہاتھ آئی امیرانہ طور پر زندگی بسر کرتا تھا ایک دن دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت خچر پر سوار میری دوکان پر آئی۔ تین خوبصورت کنیزیں اُس کے ہمراہ تھیں مجھ سے پوچھا کہ علی بن محمد جوہری آپ ہی ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ کا غلام حاضر ہے۔ پھر پوچھا کہ میرے لائق اعلیٰ درجے کی موتیوں کی لڑیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ ہیں پیش کرتا ہوں اگر اُنمیں سے کوئی پسند آئے تو میری سعادت ہے۔ چنانچہ سو لڑیاں میں نے پیش کیں، لیکن کوئی بھی پسند نہ آئی اور سب سے عمدہ موتی پیش کرنے کے لئے حکم دیا۔ تب میں نے ایک چھوٹی لڑی جو میرے والد نے ایک لاکھ کو خرید کی تھی پیش کی اور عرض کیا کہ یہ وہ قیمتی سلک ہے جس کی نظیر بمشکل بادشاہوں کے یہاں ہوگی۔ چنانچہ یہ لڑی دیکھ کر پھڑک اُٹھی اور کہا کہ " مجھے مدت سے ایسے ہی موتیوں کی تلاش تھی " پسند آنے پر نرخ پوچھا۔ میں نے خرید کے دام عرض کر دیئے۔ قیمت سُن کر جواب دیا کہ لاگت پر پانچ ہزار دینار نفع کے دیئے جائینگے اور ایک خوبصورت کنیز بھی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ لڑی اور اُس کا مالک دونوں حضور میں موجود ہیں، موتی بھی آپ کے ہیں اور یہ خادم بھی آپ کا غلام ہے۔" میری بات سُن کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہا تمہیں نفع تو تم کو ضرور ملنا چاہیئے۔ پھر چلتے وقت خدا کی قسم دے کر کہا کہ قیمت لینے مکان پر ضرور آنا۔ چنانچہ میں اسی وقت دوکان میں قفل لگا کر ساتھ ہولیا۔ تھوڑی دور چل کر ایک عالیشان عمارت کے دروازے پر پہنچا۔ سُبحان اللہ! کیا کہنا ہے۔ نہایت رفیع الشان عمارت تھی، صدر دروازے[1] پر یہ طغرا لکھا تھا۔

الا یا دار لا یدخلک حزن	اے گھر تیرے اندر غم نہ آئے
ولا یغدر بصاحبک الزمان	اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے۔
فنعم الدار انت لکل ضیف	تو مہمانوں کے لئے نہایت اچھا گھر ہے۔

[1] اس عہد میں ہر امیر کے مکان پر اسی قسم کے کتبے ہوتے تھے۔

اذا ما ضاق بالضيف المكان | جب کہ مہمان کو کہیں گھر نہ ملتا ہو۔

دروازے پر چند لمحہ ٹھہرنا پڑا۔ پھر ایک کنیز محل کے اندر لے گئی کہ چلیے قیمت لے لیجیے چنانچہ ایوان کے ایک جانب میرے واسطے کرسی بچھادی گئی۔ اسی کے قریب ایک طرف حریر سرخ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور چاندی کی کرسی پر وہ بی بی بیٹھی ہوئی تھی۔ گلے میں وہی موتیوں کا مالا تھا جو مجھ سے خریدا تھا۔ مجھے دیکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ نورالدین! میں چاہتی ہوں تم میرے پاس رہو اور سلسلہ کلام ایسا چھیڑا جس کے ہر ہر فقرے سے محبت کی بو آتی تھی۔ پھر مجھ سے کہا کہ "میں اس شہر میں گمنام ہو کر رہتی ہوں میرے نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔ حلف اٹھاؤ اور خدا کی قسم کھاؤ تب میں اپنا راز ظاہر کرونگی۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی، تب کہا کہ "میں یحییٰ برمکی کی بیٹی ہوں، جعفر میرا بھائی ہے میرا نام دینا[1] ہے۔ میں نے خاندان کا نام سُنا تو مجھے کسی قدر تسکین ہوئی اور معذرت کے طور پر عرض کیا کہ "میرا قصور معاف فرمائیے، صرف طمع زر مجھ کو یہاں تک لائی ہے دینا نے کہا کچھ مضائقہ نہیں ہے، میں خود مختار ہوں، ابھی قاضی کو بلاتی ہوں۔" چنانچہ قاضی اور شاہد طلب کیئے گئے۔ پھر قاضی سے کہا کہ "میں اپنا عقد نورالدین علی سے کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نکاح پڑھادیں۔ قاضی نے ایجاب وقبول کے بعد خطبہ نکاح کا پڑھا اور دین مہر میں وہی لڑی موتیوں کی سامنے رکھ دی۔ نکاح ہوتے ہی ہر طرف خوشی اور مبارکباد کے ترانے گائے جانے لگے۔ لحظہ بہ لحظہ خوبصورت کنیزیں عود وغیرہ بجاتی تھیں اور عمدہ راگنیاں سُناتی تھیں۔ صرف ایک شعر اُن میں کا اب یاد رہ گیا ہے۔

موسیٰ اشتیاقی فوق طور رضا کمو	میرے اشتیاق کا موسیٰ تمہارے خوشی کے طور پر ہے
فاذا تنجاه حسنکم ناجا کمو	جب تیرا حسن اُسکو غم دیتا ہے تو وہ تم سے چپکے باتیں کرتا ہے

جب دس لونڈیاں باری باری سے عود بجاچکیں تو پھر دینا نے عود بجانا شروع کیا اور جب

[1] صحیح نام دینا زاد ہوگا۔ ۱۲

حال کچھ اشعار پڑھے جن میں اپنی محبت اور میری خوبصورتی کا ذکر تھا جب میں نے اپنی بی بی سے اشعار سُنے تو بیساختہ اُس سے میں نے عود لے لیا اور عود کے ساتھ کچھ گنگنانا شروع کیا۔ چار بیت اس وقت بھی یاد ہیں۔

سبحان ربی جمیع الحسن عطاکِ	پاک ہے وہ خدا جس نے تمام حسن تجھ کو عطا کیا
حتّی بقیت انا من بعض اسراکِ	یہاں تک کہ تیرے گرفتاروں میں میں بھی شامل ہوگیا
یامن لہا ناظر تسبی الانام بہ	اے وہ کہ تیری آنکھ لوگوں کو گرفتار کرتی ہے اپنی
خذی الامان لنا من سحر عیناکِ	آنکھوں کے جادو سے میرے لئے امان لے لے۔
فالماء والنار فی خدیک قد جمعا	پانی اور آگ دونوں تیرے چہرے میں یک جا ہیں،
والورد جوری[1] بنت وسط خداکِ	اور جور کا گلاب ایک گھانس ہے جو تیرے گالوں میں اُگی ہے
انت الغرام لقلبی والنعیم لہ	تو میرے دل کی جلن بھی ہے اور نعمت بھی۔
فما امرک فی قلبی واحلاکِ	تو میرے دل میں بے انتہا تلخ ہو اور بے انتہا شیریں بھی

اُس کے بعد ہم خوابگاہ کے کمرے میں جو پہلے سے آراستہ تھا چلے گئے اور سو رہے۔ غرضکہ اسی طرح ایک مہینہ عیش و طرب میں گزر گیا۔ عزیز و اقارب، دُکان، مکان، سب یکلخت دل سے محو ہو گئے اور آج تک وہی بیخودی کی حالت ہے۔ ایک دن دینا نے حمام کا قصد کیا اور مجھے قسم دے کر رخصت ہوئی کہ میری واپسی تک خبردار باہر قدم نہ نکالنا جب میں نے اقرار کیا تب وہ باہر نکلی۔ چند ہی قدم طے کئے ہونگے کہ دروازے سے ایک کہن سال عورت محل کے اندر آئی اور مجھ سے کہا کہ بیٹا تجھ کو زبیدہ خاتون نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے معذرت کی کہ اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتا ہوں۔ قسم کھا چکا ہوں۔ لیکن اُس بڑھیا نے نہ مانا اور کہا کہ " زبیدہ خاتون کی ناراضی کے مقابلہ میں کفارہ (قسم) سہل ہے۔ غرضکہ مجبوراً میں اُس کے ساتھ ہو لیا +

---

[1] جور ایک شہر کا نام ہے جہاں کا گلاب تمام دنیا میں مشہور ہے۔

جب زبیدہ کے حضور میں پہنچا تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ نورالدین! تم ہی دینا کے معشوق ہو۔"
میں نے عرض کیا کہ "حضور کا فرمانبردار غلام ہوں"۔ تب خاتون نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے حسن وجمال کی جیسی میں نے تعریف سنی تھی ویسا ہی پاتی ہوں۔ اب مجھے کوئی چیز سناؤ کیونکہ تم عود خوب بجاتے ہو۔" میں نے حکم کی تعمیل کی۔ میری عود نوازی سے حضرت زبیدہ بہت خوش ہوئیں۔ رخصت کے وقت دعا دی کہ "خدا تیرے قدوقامت اور خوبصورتی کو نظر بد سے بچائے۔ اور حکم دیا کہ "دینا کے آنے سے قبل مکان پر پہنچ جاؤ۔"
جو بڑھیا مجکو مکان سے لائی تھی وہ گھر تک پہنچا آئی۔ لیکن میرے آنے سے پہلے وہ پہنچ چکی تھی میں نے چاہا کہ تخت پر جا کر بیٹھ جاؤں وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تخت پر سو رہی ہے۔ میں بھی اُس کے قدموں کے برابر بیٹھ گیا۔ جب اُس نے مجھے بیٹھے دیکھا تو پاؤں سمیٹ لئے اور ایک ایسی لات ماری کہ میں عرش (تخت) سے فرش پر جا پڑا اور غضبناک ہو کر بولی کہ نورالدین! تو نے قسم توڑ ڈالی اور مجھ سے جھوٹ بولا اور زبیدہ کے محل پر پہنچا خدا گواہ ہے! اگر مجھے اپنی رسوائی کا خوف نہ ہوتا تو قصر زبیدہ کو اُسکے سر پر ڈھا دیتی۔" پھر اپنے ایک غلام کو جس کا نام صواب تھا بلایا اور حکم دیا کہ "اس جھوٹے کمینے کی گردن اُڑا دے اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" صواب نے میری مشکیں کس لیں اور آنکھوں پر پٹی باندھی چاہتا تھا کہ قتل کرے کہ اتنے میں محل کی سب چھوٹی بڑی کنیزیں میری سفارش کرنے لگیں۔ اور دینا سے منت عرض کیا کہ "سرکار! نورالدین کا یہ پہلا جرم ہے حضور کے مزاج سے یہ کچھ بھی واقف نہ تھا اور آخر اس کا قصور ہی کیا تھا کہ قتل کیا جاتا ہے؟ چنانچہ کنیزوں کی سفارش سے اُس کا جنون کم ہوا۔ اور میرے قتل سے باز آئی اور کہا کہ "اچھا معاف تو کرتی ہوں۔ لیکن کوئی نشان ضرور ہونا چاہئے جو یہ بھی یاد رکھے۔ چنانچہ پھر مجکو داغا یہ نشانات اُسکے ہیں" اور گھر سے باہر نکال دیا میں دینا کے گھر سے اس رسوائی کے

ساتھ نکلا جس طرح حضرت آدم جنت سے نکلے تھے اور اپنے اوپر ملامت کرتا تھا۔ بہ مشکل آہستہ آہستہ چل کر گھر تک پہنچا اور علاج شروع کیا۔ چند روز میں آرام ہوگیا تو دُکان کی فکر ہوئی۔ اثاث البیت کو فروخت کر ڈالا۔ زرِ ثمن سے چارسو غلام خرید کئے اور تفریح کے لئے جزیرہ میں یہ مکان بنایا اور بڑی کشتی تیار کی جسمیں بیٹھ کر روزانہ سیر کرتا ہوں اور اپنا نام خلیفہ رکھا ہے اور اس حال میں مجکو ایک سال ہوگیا ہے۔ پھر اپنی معشوقہ کو یاد کر کے رونے لگا۔ ہارون الرشید نے یہ واقعہ سُن کر بہت ہی تعجب کیا اور جوان خلیفہ سے اجازت لیکر مکان کو واپس گیا۔ چونکہ نوجوان کی مہمانداری سے ہارون نہایت خوش تھا اس لئے ارادہ کیا کہ اس مظلوم کا انصاف کر دیا جائے۔ چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ کل دربار میں اس نوجوان کو پیش کرو۔ جعفر نے نہایت اعزاز سے اُس جوان کو پیش کیا۔

جب خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا تو شاہی قاعدے سے سلام اور دیر تک دعائیں دیتا رہا۔ ہارون نے بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا کہ نورالدین! میں چاہتا ہوں کہ تمہارا افسانہ پھر سُنوں۔ کیونکہ وہ عجیب و دلکش داستان ہے ؎

حدیث عشق ولاویز داستانے ہست | کہ ذوق بیش وہد چوں دراز تر گردد

نوجوان نے عرض کیا کہ امیرالمومنین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ جب تک عفو قصور نہ ہوگا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔ چنانچہ ہارون نے اُس کا قصور معاف کیا اور امان دی۔ تب اُس نوجوان نے اوّل سے آخر تک دوبارہ اپنا حال سُنایا جب ہارون کو یقین ہوگیا کہ واقعی یہ دینا کا بندہ ہے۔ تب نوجوان سے دریافت کیا کہ " اب بھی تم اپنی معشوقہ سے ملنا چاہتے ہو عرض کیا کہ ہاں۔ امیرالمومنین یہی تو احسان کا وقت ہے' چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ فوراً اپنی بہن کو حاضر کرو۔ جعفر نے دینا کو پیش کیا۔ تب ہارون نے دینا سے پوچھا کہ اس نوجوان کو پہچانتی ہے؟ جواب دیا کہ امیرالمومنین! کیا پردہ نشین عورتیں بھی غیر مردوں کو پہچانتی ہیں؟ یہ جواب سُن کر ہارون کو ہنسی آگئی اور کہا کہ میں خوب سُن چکا ہوں۔ تب دینا نے عرض کیا کہ " جو ہونا تھا

وہ ہوچکا اب میں امیر المومنین سے معافی کی خواستگار ہوں۔" خلیفہ نے قصور معاف کر کے قاضی کو بلایا اور دوبارہ نور الدین علی کا دنیا سے عقد کر دیا۔ چنانچہ نور الدین کی بقیہ زندگی ہارون الرشید کی مصاحبت میں نہایت عیش و عشرت سے گزری۔

۳۔ وزارت کا اقتدار خود مختار حکومتوں میں وزراء ہمیشہ کامل اختیار اور اقتدار رکھتے ہیں، لیکن جعفر برمکی نے اپنے عہد میں جو کام کیے ہیں وہ واقعی عدیم النظیر ہیں جس کی بہترین مثال وہ واقعہ ہے جس کو ابن صابی نے کتاب لاماثل والاعیان میں اور جہشیاری نے کتاب الوزراء میں تفصیل[1] سے لکھا ہے اور وہ یہ ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم موصلی، ابراہیم بن المہدی عباسی سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن علی الصباح ایوان خلافت میں حاضر ہوا، حاجب سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین آج عیش و طرب کے جلسے میں مشغول ہیں، لہٰذا واپس آیا، راستہ میں وزیر السلطنت جعفر برمکی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ خلیفہ خلوت میں ہیں لیکن جعفر، مجھے اسی جگہ ٹھہرا کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا، اور کہا کہ تم اسوقت میرے ساتھ چلو، امیر المومنین نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں انکی مسرت میں شریک ہوں اور دیکھو! یہ پھولوں کے گلدستے مرحمت ہوئے ہیں۔"

بہ تعمیل ارشاد میں جعفر کے ہمراہ محل پر گیا اور پہونچتے ہی خاص جلسہ کا اہتمام کیا گیا دستور کے مطابق شرکائے جلسہ نے حریر کے لباس پہن لیئے اور عطریات و بخورات سے لباس کو معطر کر کے جلسہ میں آن بیٹھے۔ پھر دستر خوان بچھایا گیا، کھانے سے فراغ کے بعد مغنیہ کنیزوں نے ساز چھیڑا، کچھ دیر تک یہی صحبت رہی، پھر میں نے گانا شروع کیا۔ کچھ وقفہ کے بعد جعفر نے حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ خبردار! سوائے عبدالملک بن بحران کاتب کے جو ہمارا خاص ندیم ہے کوئی اور نہ آنے پائے۔

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۶۰ و ابن خلکان

حاجب یہ حکم سُن کر چلا گیا اور نبیذ کا دور شروع ہوا۔ تھوڑی دیر میں یکایک پردہ اُٹھا اور حاجب نے غلط فہمی سے عبدالملک بن صالح ہاشمی کو اندر جانے کی اجازت دیدی مجلس سماع گرم تھی' اور ایک کنیز، عود بجا رہی تھی۔ جب جعفر اور عبدالملک کی نظریں چار ہوئیں تو دونوں نادم اور شرمندہ ہوئے کیونکہ یہ رندانہ جلسہ عبدالملک کے بھی زہد و تقویٰ کے خلاف تھا۔ چنانچہ اس وقت عبدالملک کا آنا جعفر کو ناگوار ہوا قریب تھا کہ مجلس درہم برہم ہو جائے' لیکن عبدالملک نے اس وقت ایسا روپ بھرا کہ "بجائے بار خاطر کے یار شاطر بن گئے" اور جعفر کے تیور دیکھ کر بولے! یاران جلسہ! "[1] اشرکوا فیما انتم فیہ واصنعوا بنا ما صنعتم بانفسکم" جعفر نے جوش مسرت سے جواب دیا "نعم" اور مرحبا کہہ کر خیر مقدم کیا۔ اشارہ ہوتے ہی عبدالملک کی خواہش کے مطابق خدام نے انکو بھی یاران جلسہ کے ہمرنگ بنا دیا۔ یعنی کمر سے تلوار کھولی' وستار اور جبّہ کو اُتار کر الگ پھینک دیا' اور بزم طرب کا لباس (حریر کے کپڑے) پہنا دیا۔ پھر دستر خوان بچھایا گیا؛ چند لقمے تناول کر کے عبدالملک نے نبیذ (کھجور کی تاڑی) کے تین گلاس پئے اور مجلس میں آن بیٹھا۔ اور جملہ تفریحات میں جعفر کا شریک رہا۔ جعفر عبدالملک کی اس اداشناسی اور بے تکلفی سے بہت خوش ہوا اور قہقہے لگائے پھر اسکے بعد بکمال ادب عرض کیا کہ حضرت پر میں فدا ہوں' یہ فرمایئے کہ اس تکلیف اور زحمت کا باعث کیا تھا' اگر کوئی حاجت ہو بیان فرمایئے' بندہ خدمت کے لئے حاضر[2] ہے۔"

عبدالملک نے یہ کہکر ٹال دیا کہ یہ موقع عرض حال کا نہیں ہے' ایسے کاموں کیلئے دوسرے ہی وقت ہوتے ہیں جلدی کیا ہے؟ لیکن جعفر نے نہ مانا اور اصرار سے پوچھا تب مجبوراً عبدالملک نے کہا کہ میری تین خواہشیں ہیں۔

[1] اس عہد میں عرب کا سادہ تمدن عجمیوں کے اختلاط سے بہت کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ ہر وقت کا لباس جداگانہ تھا چنانچہ جب رندانہ مجلس ہوتی تھی تو جملہ شرکائے جلسہ حریر کا لباس پہنتے تھے اور سر پر ایک خاص قسم کی ٹوپی ہوتی تھی جہشیاری صفحہ ۲۶۰

[2] جعفر کے الفاظ حسب ذیل ہیں جعلنی اللہ فداک قد تفضلت وتطولت فھل من حاجۃ تبلغھا مقدرتی وتحیط بھا نعمتی فاقضیھا لک مکافات لما صنعت"

۱- امیر المومنین مجھ سے خفا ہیں، چاہتا ہوں کہ میری طرف سے جو کدورت ہے وہ جاتی رہے اور آیندہ مہربانی سے پیش آئیں۔

۲- چار ہزار دینار کا مقروض ہوں لہٰذا یہ رقم بیت المال سے ادا کی جائے۔

۳- امیر المومنین اپنی کسی شاہزادی کا عقد، میرے لڑکے سے کر دیں تاکہ رشتہ قرابت اور مستحکم ہو جائے، اور شادی کے بعد اسکے سر پر لوآر (علم) کا سایہ ہو۔

جعفر نے عبد الملک کی معروضات کو سُن کر کہا کہ یہ تو معمولی باتیں ہیں۔ امیر المومنین آپ سے بہت خوش ہیں کسی قسم کا ملال نہیں ہے اطمینان رکھیے۔

قرض کی رقم بہت قلیل ہے، چار ہزار دینار حاضر ہیں، مگر آپ کا وہ مرتبہ ہے کہ میں یہ نہیں عرض کر سکتا ہوں کہ آپ اس حقیر رقم کو میری جانب سے قبول فرمائیں، کل یہ دینار خزانہ سے خدمتِ عالی میں پہنچ جائیں گے۔ اور ابراہیم کا عقد میں نے عالیہ سے کر دیا اور نکاح کے بعد ہی حکومت مصر کی سند بھی ملے گی، آپ کل اول وقت دربار میں تشریف لائیں۔"

اسحق کہتا ہے کہ پہلی اور دوسری درخواست کا جواب تو معمولی تھا مگر تیسری خواہش کا جواب سُن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور خیال کیا کہ یہ بھی نشہ کی لن ترانیاں ہیں، کیونکہ امیر المومنین کی خوشنودی مزاج سہل، قرضہ کا ادا ہونا آسان اور حکومت مصر کا ملنا بھی ممکن، لیکن وزیر کی یہ قدرت کب ہے کہ اپنے اختیار سے وہ خلیفہ کی جس دختر کا چاہے عقد بھی کر دے یہ تو محال ہے۔ جلسہ برخاست ہو گیا مگر میں تمام رات بے چین رہا۔

عبد الملک بھی رخصت ہوا، لیکن رفع خمار کے بعد نہایت شرمندہ ہوا، اور اپنی حماقت پر نفرین کرتا تھا، لیکن صبح ہوتی ہے دربار میں پہنچا کہ دیکھیے جعفر کے وعدوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور میں بھی علی الصباح ایوان خلافت میں حاضر ہوا۔

جس وقت پہنچا ہوں، تو کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی ابو یوسف امام محمد بن حسن

دیگر ائمہ اور عباسی اُمراء موجود ہیں۔ ہرون الرشید مسند پر بیٹھا تھا اور جعفر عیش و عشرت کی داستان سُنا رہا تھا جب ان معاہدوں کا ذکر آیا جو عبد الملک سے کئے گئے تھے تو ہرون نے کہا تم نے بہت اچھا کیا اور عبد الملک سے اپنی خوشنودی مزاج ظاہر کی، قرض کے لئے حاکم خزانہ کو حکم دیا کہ فوراً ادا کیا جائے اور عالیہ کا عقد ابراہیم سے ہو گیا اور حکومت مصر کی سند بھی عطا ہوئی اور خوشی خوشی سب رخصت ہوئے۔

اس واقعہ سے جعفر کے اختیارات اور زور حکومت کی عام شہرت ہو گئی جو سنتا تھا دم بخود رہ جاتا تھا۔ جو زمانہ کے نبض شناس تھے اُنہوں نے حکم لگایا کہ برامکہ کے اقبال کا سورج عنقریب ڈھلنے والا ہے۔ چنانچہ ایک مورخ نے تحریر واقعہ کے بعد لکھا ہے "دریں روزگار خداونداں تجارب و اہل رائے و بزرگاں و معتبراں بایکدگر گفتند کہ عجب باشد کہ آلِ برمک را چشم زخم نرسد و خلیفہ و تمامی بنی ہاشم برایشاں غیرت و حسد نہ کنند، و ایشانرا از بیخ قلع و قمع نہ کنند چرا کہ ایشاں فضائل صوری و معنوی را بکمال رسانیدہ اند، و نام ایشان جہان را فرو گرفتہ و محبت آنہا در دلہائے عالمیان منقش گشتہ" (ضیاء برنی)

۶۔ جعفر کا فضل و کمال، ذوقِ علمی، اہل علم کی قدر دانی، علوم کی اشاعت، مناظرہ، علمی مجلسیں اور حکیمانہ اقوال

۱۔ اگرچہ جعفر کے روزانہ اوقات، ملکی مہمات میں صرف ہوتے تھے، تاہم یہ فرائض

اس کی ذوق علمی کے ماتحت تھے۔ عراق، حجاز، شام اور فارس جیسی وسیع سلطنت کے انتظام سے جو وقت دم لینے کو ملتا تھا وہ عیش وطرب کی صحبتوں، مذاکرۂ علمیہ اور کتب بینی میں ختم ہوتا تھا۔ اسلامی علوم، جن میں کمال کی ضرورت تھی وہ بچپن میں درجۂ تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔ اب خاص خاص علوم کے مطالعہ کا زمانہ تھا، چنانچہ ادب، فلسفہ، نجوم پر اس وقت جعفر کی طبیعت مائل تھی اور انھیں علوم سے خاص دلچسپی تھی۔ بیت الحکمۃ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، فنون حکمت کی تصنیفات اور تراجم پر خود سلطنت اور علماء کا رجحان تھا چنانچہ جعفر کو بھی فلسفہ سے خاص رغبت تھی اور اس ذوق میں یحییٰ برمکی سے کچھ کم نہ تھا، چنانچہ زوال برامکہ کے بعد ننگ حرام[1] اصمعی نے جعفر کی ہجو میں جو اشعار لکھے ہیں اس میں اسکو مزدک اور مقلد مزدک[2] قرار دیا ہے۔

ابن ندیم نے جعفر برمکی کو طبقہ شعراء میں شمار کیا ہے، چونکہ خود ماہر فن تھا اس لئے شعراء کی قدر کرتا اور فیاضیوں سے ان کے حوصلے بڑھاتا تھا، یہی وہ قدردانی تھی، جس نے سرگرم طبیعتوں میں علوم وفنون کا ذوق بڑھا دیا تھا اور خود علم کلام کی اشاعت میں جعفر نے جسقدر حصہ لیا ہے اس کی تصدیق متکلمین کے حالات سے ہوتی ہے۔ نجوم، خصوصاً اعمال اصطرلاب میں جعفر کا کمال مورخین کو تسلیم ہے۔ اب جعفر کے علمی حالات ملاحظہ ہوں۔

۲۔ شعراء کی قدردانی

اصمعی کا قول ہے کہ میں نے تمام علوم کے حصول میں سخت محنت کی تھی لیکن لغت، تاریخ، انساب، ایام العرب اور شاعری میں خاص کمال پیدا کیا تھا۔ چنانچہ خلفائے عباسیہ کی قدردانی سن کر میں

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۴۹ و ۲۵۲۔ اشعار یحییٰ کے حالات میں نقل ہو چکے ہیں [2] مزدک، عہد قباد بن فیروز ساسانی میں موبد موبداں تھا۔ اسکا دعویٰ تھا کہ میں مذہب زردشت کو زندہ کرنے آیا ہوں کیونکہ لوگوں نے ژند واوستا کے معنی بھلا دیئے ہیں اور انہیں تحریف ہو گئی ہے۔
نوشیرواں نے مزدک اور اس کے مقلدین کو کثیر تعداد میں قتل کیا۔ تفصیل کیلئے نظام الملک طوسی ملاحظہ ہو۔

بصرہ سے بغداد پہنچا۔ ہارون الرشید اس وقت حکمراں تھا۔ شرکت دربار کی آرزو میں آستانہ خلافت پر شب و روز حاضر رہتا تھا اور دربان و پاسبانوں کو قصہ کہانی سُنا سُنا کر دوست بنا لیا تھا اور اس اُمید میں تھا کہ دیکھئے کس دن اقبال کا سورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ مدتوں اسی اُمیدواری میں گزری، مصائب سے بسا اوقات گھبرا اُٹھتا تھا کہ وطن کو واپس جاؤں، لیکن مجبوراً چند روز تک اور صبر کیا۔ معمول کے موافق ایک شب میں قصر خلافت پر حاضر تھا کہ حاجب نے آکر دریافت کیا "کوئی شاعر موجود ہے جو فنِ شعر کو اچھی طرح جانتا ہو۔" میں نے یہ آواز سُنکر (اپنے دل میں) کہا۔ اللہ اکبر! مصیبت سے نکلنے کا وقت آپہنچا اگر تقدیر نے یاوری کی اور خلیفہ کو میرا کلام پسند آگیا تو پھر کیا پوچھنا ہے؟ اور حاجب سے کہا کہ میں شاعر بھی ہوں اور راوی بھی؟ چنانچہ حاجب نے مجھے ساتھ لیا اور مبارکباد دے کر کہا کہ "اگر خلیفہ کو تمہارا کلام پسند آگیا تو مالامال ہو جاؤ گے اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔" اور ایوان میں لے جاکر ایک ایسے موقع پر کھڑا کر دیا جہاں سے میں خلیفہ کو سلام کر سکتا تھا۔ ہارون الرشید ایک مسند پر جلوہ گر تھا۔ اور اس کا نورانی چہرہ ماہِ کامل کی طرح چمک رہا تھا۔ پہلو میں وزیر اعظم جعفر برمکی بیٹھا تھا۔ خادم قرینے سے کھڑے تھے۔ میں نے بھی خلیفہ کو سلام کیا۔ سلام کا جواب دیکر ارشاد فرمایا "کہ اگر دربار کی ہیبت تم پر چھا گئی ہو تو تھوڑی دیر علیحدہ بیٹھو تاکہ خوف زائل ہو جائے پھر ہمارے حضور میں آؤ تاکہ بات کر سکو۔" میں نے اپنے دل میں کہا کہ توقف مناسب نہیں ہے کیا عجب ہے کہ تھوڑی دیر میں یہ مجلس برخاست ہو جائے۔ اور پھر مجھ کو ایسا موقع نہ ملے۔ اس لئے فوراً ہی عرض کیا کہ "امیر المومنین کے حسن اخلاق اور نوازش نے میرے دل کی وحشت کو دور کر دیا ہے۔ جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں یا اجازت ہو تو میں خود ہی ابتدا کروں۔" میرا یہ برجستہ جواب سُنکر ہارون الرشید ہنسا اور جعفر کی طرف دیکھکر کہا "سالی کہ نکوست از بہارش پیداست" یہ اپنے فن میں کامل معلوم ہوتا ہے! چنانچہ وزیر

نے بھی تائید کی اور کہا کہ "امیر المومنین یہ شاعر آپ کی فیاضیوں سے ضرور فائدہ اُٹھائیگا" پھر خلیفہ نے پوچھا کہ "تم شاعر ہو یا راوی" میں نے عرض کیا کہ راوی۔ پھر پوچھا کس سے روایت کرتے ہو۔" میں نے جواب دیا کہ "جس قدر مشاہیر اہل فن گزرے ہیں اور جنکے کلام میں شیرینی ہے۔" یہ جواب سُن کر کہا اچھا بتاؤ "انصف القارۃ من راماھا"[۱] اس مثل کے کیا معنے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ قارہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی تیر اندازی مشہور ہے اور جو ٹھیک آنکھوں پر تیر مارتے تھے اور رُماۃ الحدق کہلاتے تھے۔ یہ قبیلہ ملوک یمن کے عہد میں تھا اور اُن کے اعزاز کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا کرتے تھے اور سلطانی موکب میں یہی تیر انداز سب سے آگے ہوتے تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے میدان کارزار میں آکر پکارا "این رُماۃ الحدق" یعنی وہ تیر انداز کہاں ہیں اس وقت بادشاہ نے اُن بہادروں سے مخاطب ہو کر کہا تھا "انصف القارۃ من راماھا" دوسرا قول ہے کہ قارہ پہاڑ کی چوٹی اور اُس جگہ کو کہتے ہیں جو سطح زمین سے اونچی ہو۔ قائل کی یہ مراد ہے کہ جو لوگ حلم و ثبات اور شان میں بلند ہیں وہ اُس سے آمادہ پیکار ہوں۔" ہارون یہ سُن کر خوش ہوا اور کہا کہ جواب صحیح ہے پھر کہا کہ کچھ عجاج کا کلام بھی یاد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بہت کچھ، کہا اچھا وہ قصیدہ پڑھو جس کی ابتدا ہے۔ "طارقا ھم طارقا" میں نے پڑھنا شروع کیا جب اُس موقع پر پہنچا جہاں بنی اُمیہ کی مدح تھی تو میں نے اُس کو چھوڑ دیا اور جہاں سے منصور عباسی کی مدح تھی وہاں سے پڑھنا شروع کیا تو ہارون نے پوچھا کہ بنی اُمیہ کی مدح کے اشعار قصداً چھوڑ دیے ہیں یا سہواً میں نے عرض کیا کہ قصداً، کیونکہ جس قدر جھوٹ کا حصہ تھا وہ اُن کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اور جو حصہ سچائی کا ہے وہ عرض کرتا ہوں میرا یہ جواب سُنکر جعفر پھڑک اُٹھا اور کہا "احسنت بارک اللہ علیک" اس قصیدے کے بعد حکم دیا کہ عدی بن رقاع

---

[۱] جو شخص قارہ سے تیر کی لڑائی لڑے گا اُس کا انصاف کیا جاویگا۔

کا وہ قصیدہ پڑھو جو ولید بن یزید بن عبدالملک کی مدح میں ہے۔ اور جس کا مطلع یہ ہے۔
عرف الدیار توھما فاعتادھا۔ چنانچہ میں نے تیزی اور بلند آوازی سے پڑھنا شروع کیا۔
جعفر نے کہا کہ ہلکے ہلکے پڑھو کہ انعام سے محروم نہ رہو۔ ہارون الرشید نے جعفر کی طرف دیکھکر
کہا کہ "اب تو صلہ دینا مجھے فرض ہو گیا ہے لیکن آپ کو بھی میری فیاضی میں شریک
ہونا پڑے گا"۔ یہ گفتگو سُنکر مجھے نہایت مسرت ہوئی اور عرض کیا کہ آج مجھے عرب و
عجم پر فخر کرنے کا موقع ملا ہے کیونکہ خلیفہ اور وزیر دونوں فیاضی میں ایک دوسرے کے
شریک ہیں یہ جملہ سُن کر ہارون الرشید ہنس پڑا۔ اور کہا کہ اچھا اب ذوالرمہ کا قصیدہ
پڑھو جس کا مطلع ہے "امن حذار الھجران قلبک مطیح" میں نے کہا امیرالمومنین یہ
تو اُسکے اشعار کی عروس ہے۔ کہا اگر یہ عروس ہے تو داماد کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ
قصیدہ جس کا مطلع ہے۔ مابال عینک منھا الماء ینسکب"۔ حکم ہوا کہ اچھا یہی سُناؤ
جب میں اُس موقع پر پہنچا جہاں اونٹ کی تعریف تھی تو جعفر ناخوش ہو کر بولا۔ کہ "شاید
دنیا میں اب کوئی اور مضمون باقی نہیں رہا ہے کہ ہم اپنی قیمتی رات خارشتی اونٹ کے
اوصاف سُننے سُنانے میں بسر کر دیں"۔ جعفر کے اس فقرے پر ہارون کو غصہ آگیا اور
تیور بدل کر کہنے لگا کہ "بس خاموش! یہ وہی اونٹ ہے کہ جس نے تمہارے بادشاہوں
(سلاطین عجم) کے سر سے تاج اُتار کر پھینک دیا اور تخت سلطنت سے زمین پر ڈالدیا
اور مرنے کے بعد اُس کی کھال کے تازیانے بنائے گئے کہ جن سے تجھے اور تیری قوم
کو مثل غلاموں کے سزا دیجاتی ہے"۔ یہ سُن کر جعفر نے کہا کہ "مجھے بلا قصور سزا دیگئی
ہے۔ لیکن خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا "یہ دوسری غلطی ہے
ادائے شکر کا یہ کیا موقع تھا۔ ایسی کیا نعمت ملی تھی جس کا شکریہ ادا کیا گیا؟ خیر
دو ایک نوک جھونک میں یہ معاملہ رفع ہو گیا۔ باقی رات قصہ گوئی میں کٹی جب سپیدۂ صبح

لہ خلفاء جب برامکہ پر ناراض ہوتے تھے تو انکو مجوسیت اور سلاطین عجم کا طعنہ دیا کرتے تھے جسکے متعدد نظائر موجود ہیں۔

نمودار ہوا تو ہارون الرشید نے اصمعی سے کہا میرے یہاں ایک مہمان ٹھہرا ہوا ہے اب اُس کے پاس چل کر قصص وحکایات بیان کرو چنانچہ خادم نے جوتیاں سامنے لاکر رکھ دیں اور ہرون الرشید کھڑا ہو گیا لیکن پہنتے وقت پاؤں میں کوئی چیز چبھ گئی تو خلیفہ خادم پر ناراض ہونے لگا۔ جعفر نے کہا کہ امیر المومنین خدا کی قسم اگر آپ ہمارے ملک کی بنی ہوئی جوتی پہنتے تو ایسی تکلیف نہ ہوتی۔ خلیفہ نے جھلا کر کہا کہ تم بار بار عجم کی مدح اور عرب کی ہجو کرتے ہو لیکن یاد رکھو کہ میں خاموش نہ ہونگا اور تمہاری ہر بات کا جواب دونگا" پھر جعفر کو حکم دیا کہ تیس ہزار درہم میری طرف سے اور اسی قدر خود اضافہ کر کے اصمعی کے پاس علی الصباح بھیج دینا۔ جعفر نے کہا کہ اگر امیر المومنین کی مجلس نہ ہوتی تو ضرور میں اس قدر دیتا لیکن اس مجلس میں خلیفہ کی برابری کرنا داخل بے ادبی ہے میں بھی اُنتیس ہزار درہم دیتا ہوں" چنانچہ صبح کی نماز سے ہنوز فراغت نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں عطئے میرے پاس پہنچ گئے۔ اور اُس روز سے دربار کا داخلہ میسر ہوگیا اور ایک ہی دن کے صلہ وانعام سے میرا افلاس دور ہوگیا اور جعفر برمکی میرے حال پر خاص طور پر مہربانی کرنے لگا۔ جعفر برمکی بھی شعرائے باکمال کا نہایت قدرداں تھا۔ ایک ایک قصیدہ پر ہزاروں درہم انعام دیتا تھا اور بہترین تصنیفات جو اہل علم نذر کرتے تھے انکا صلہ خاص تھا۔ (از جامع الحکایات)

(۳) والدہ جعفر کی علمی قدردانی

ابو مسلم ولید انصاری جس کو صریع الغوانی کہتے ہیں، یہ برامکہ کا مشہور شاعر ہے وہ کہتا ہے کہ جب یزید شیبانی کا زمانہ بگڑ گیا تب میں محتاج ہوگیا اور حالت بینوائی میں بغداد پہنچکر ایک کنیز کا مہمان ہوا جس کا نام سکینہ تھا۔ یہ کنیز نہایت سلیقہ شعار تھی اور تمام اُمرا کے محلات میں آیا جایا کرتی تھی ایک روز فاطمہ جعفر برمکی کی والدہ کی خدمت میں حاضر تھی کہ کسی کنیز نے ایک غزل چھیڑی ایک دو بیت فاطمہ نے بھی سُن لئے۔ چونکہ مضمون عالی تھا

اور بات نصیحت کی۔ سُن کر بہت خوش ہوئی۔ سکینہ سے پوچھا یہ کس کا کلام ہے؟ اُسنے کہا کہ حضور یہ غزل صریع الغوانی[1] کی ہے۔ اور یہ مشہور شاعر اتفاق روزگار سے محتاج ہوکر ان دنوں میرا ہی مہمان ہے۔ یہ سُن کر فاطمہ نے دس ہزار درہم سکینہ کو دیئے اور کہا میری طرف سے یہ حقیر رقم اُس کو دینا۔ اور کہدینا کہ اگر یحییٰ اور جعفر کو تمہاری اطلاع ہوئی تو وہ بھی امداد کریں گے۔" چنانچہ اس عطیئے سے میں نے اپنی حالت درست کی اور درباری لباس بنایا۔ اور سہیل بن عبداللہ کے ہمراہ دربار وزارت میں جانے کی تیاری کی۔ اتفاقاً راستے میں ایک موقوف شدہ عامل سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرا قدیم ملنے والا تھا۔ دیکھتے ہی کہا کہ اگر جعفر برمکی کی مدح میں چند شعر کہو اور مجھے عہدے پر بحال کرادو تو پانچ ہزار درہم شکرانہ میں ادا کرونگا۔" میں نے اقرار کرلیا اور چند مدحیہ اشعار لکھے جن کا مضمون مطابق اس حدیث نبوی کے تھا کہ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوہ' اور دربار میں پہنچکر وہی اشعار میں نے نذرانہ میں جعفر کو پیش کئے اُس سے قبل مجھے جعفر نے نہیں دیکھا تھا لیکن اشعار پڑھتے ہی بول اُٹھا کہ صریع الغوانی تیرا ہی نام ہے میں نے عرض کیا "ہاں" یہی خادم ہے چنانچہ بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر پوچھا کہ خاص مطلب کیا ہے میں نے اُس عامل کی سفارش کی۔ چنانچہ درخواست منظور ہوئی۔ جب دیوان عام سے اُٹھ گیا تو مجھے بھی مجلس خاص میں طلب کیا، منتخب احباب کا مجمع تھا، مجلس کی ستھرائی اور آراستگی کا کیا کہنا ہے

---

[1] مسلم بن الولید، ملقب بہ صریع الغوانی (حسین عورتوں کا مغلوب) عہد ہرون الرشید کا مشہور شاعر ہے۔ ایرانی تھا۔ ایک انصار نے خرید کیا تھا اسی نسبت سے انصاری مشہور رہا۔ کوفہ میں سکونت تھی۔ یہ عیش و طرب کا زمانہ تھا' مغنیہ کنیزیں اسکے گھر میں تھیں۔ عیش و طرب کی زندگی تھی۔ آخر عمر میں مے نوشی سے توبہ کرلی تھی اور شاعری سے بھی تائب ہوگیا تھا۔ تقریباً ۵۰ سال کی عمر میں ۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔ اس کی شاعری میں غزلیات اور خمریات، بہت قابل تعریف ہیں۔ اشعار ذیل کی بنیاد پر اس کا لقب صریع الغوانی ہوا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے۔

ان ورد الخدود والاعین النجل وما فی الثغور من اقحوان واسود الصدغین فی واضح الخد وما فی الصدور من رمان ترکتنی لدی الغوانی صریعا، فلهذا ادعی صریع الغوانی ۔ (ان حسین عورتوں نے جنکے رخسار سے گلاب جیسے سُرخ اور جنکی بڑی بڑی آنکھیں اور گل بابونہ جیسے دانت ہیں اور جنکے سفید چہرہ پر سیاہ بال اور سینہ پر انار ہیں) مجھے مغلوب کردیا ہے اس لئے میں صریع الغوانی کہلاتا ہوں۔

شاید کسریٰ اور قیصر کو ایسی مجلس میسر ہوئی ہو دوسروں کا تو کیا ذکر ہے۔ چونکہ بے تکلف دوستوں کا مجمع تھا اس لیے ساز چھیڑ اگیا اور نبیذ کا دور چلنے لگا۔ جعفر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اپنا کلام سناؤ" میں نے حسب حال پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی بیت پڑھے تھے کہ چاروں طرف سے نعرۂ تحسین بلند ہونے لگے۔ اس لطف صحبت کے ساتھ دور برابر جاری تھا جب ساقی مجھ تک پہنچا میں نے عرض کیا کہ "معافی چاہتا ہوں کیونکہ میں نے آج تک پی ہی نہیں ہے۔" جعفر نے کہا۔ "خوب، بنت العنب (شراب انگور) کی تعریف میں ساحری دکھانا اُسکے خواص اور اندرونی اثرات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے جبتک کہ وہ منہ نہ لگائی گئی ہو۔ کچھ ہی ہو۔ آج تو ایک گلاس پینا پڑیگا۔ چنانچہ جعفر کے اصرار سے طوعاً وکرہاً ایک پیالہ چڑھا گیا۔ میرے اِس حسنِ ادب سے جعفر کو نہایت شرمندگی ہوئی اور کہا کہ "ابومسلم میں تم سے بہت خوش ہوا" جب سب لوگ چلے گئے صرف جعفر اور میں باقی رہ گیا اُس وقت جعفر نے کہا اب تم کو ایک کنیز دکھاتا ہوں جس کی نظیر نہیں ہے اور ایسی راگنیاں سنواتا ہوں جو تم نے کبھی نہ سُنی ہونگی۔ چنانچہ ایک کنیز کو طلب کیا جبوقت وہ میرے سامنے آئی تو یہ معلوم ہوا کہ گویا سورج نکل آیا ہے۔ اُس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ شعرا دیوان کے دیوان مدح میں لکھ ڈالیں اور پھر بھی تعریف ختم نہ ہو۔ جعفر نے حکم دیا کہ بربط پر کوئی عمدہ غزل سُناؤ۔ اُس کنیز نے اس کمال سے بربط بجایا کہ جعفر بے خود ہو گیا، اس پر خوبی قسمت سے یہ طرہ ہوا کہ یہ غزل بھی میری ہی تھی۔ جب جعفر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ یہ کس کی غزل تھی میں نے عرض کیا کہ بندہ صریع الغوانی کی۔ لیکن اُس کنیز کی راگنیوں نے مجھے بیچین کر دیا تھا اس لئے جعفر نے حکم دیا کہ ابومسلم اس کنیز کو دختر کہہ کر پکارو تاکہ تمہیں اس کا دیکھنا مباح ہو جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی تب وہ مجھ سے ہم کلام ہوئی میں اس کی طباعی اور ذہانت کی تعریف نہیں کر سکتا ہوں کیونکہ اُس نے ایک تھوڑی دیر میں میری بہت سی غزلیں یاد کر لیں اور اُس غزل کو جس پر جعفر کو غشی کی نوبت

پہنچی تھی۔ کمال موسیقی سے سو طرز پر گایا۔ لیکن اتفاق سے اُس غزل میں صرف چار ہی شعر تھے۔ جعفر نے خوش ہوکر حکم دیا کہ "صریع الغوانی کو اس غزل کا صلہ چار سو دینار دیا جائے" یہ حکم سُنکر مجھے اپنی تقدیر پر افسوس آیا کہ کاش یہ غزل طولانی ہوتی۔ لیکن جب یہ دینار میرے سامنے آئے تو میں حیرت زدہ رہ گیا۔ کیونکہ یہ اشرفیاں وزن میں سَو سَو مثقال کی تھیں۔ پھر جعفر نے میری طرف دیکھکر فرمایا کہ چونکہ یہ غزل بہت مختصر تھی اس لئے میں نے تم کو معمولی اشرفیوں کے بجائے وزنی اشرفیاں دیں کہ رقم بڑھ جائے۔ جب مجھے انعام مل چکا تو کنیز نے عرض کیا کہ حضور! شاعر کو چار سو دینار اس غزل کا صلہ دیا گیا۔ اور جس نے ان اشعار کو سو طرح سے سُنایا۔ اُس کو بھی اسی قاعدے کے مطابق صلہ ملنا چاہیئے" چنانچہ جب مجھے انعام مل چکا تو میں رخصت ہوا۔ چلتے وقت کنیز نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اپنے باپ کی خدمت کروں۔ جعفر نے کہا مناسب ہے۔ چنانچہ اس کنیز نے ایک ڈبہ گرانبہا جواہرات کا اور قیمتی لباس اور ایک خوبصورت لونڈی پیش کی۔ میں نے یہ تحفہ لے لیا اور رخصت ہوا۔ جب میں گھر آیا تو یہ معلوم ہوا کہ گویا میں ابھی جنّت الفردوس سے آرہا ہوں اور ایک حور میرے ساتھ ہے۔ اُس کنیز کا نام ریحان تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ریحان کو عمدہ تعلیم دی اور نہایت عمدہ اشعار یاد کرائے۔ کچھ مدت کے بعد وہ اچھے شعر کہنے لگی اور مجھ سے بہت کچھ سلوک کیا۔ چنانچہ علاوہ عطیات جعفر کے میں نے حساب کیا تو دو سو قیمتی جوڑے ۲۲ ہزار مثقال چاندی ۲۰ دانہ مروارید گرانمایہ اور ایک ڈبہ قیمتی جواہرات کا ریحان سے وصول ہوا تھا۔

۴۔ فصاحت و بلاغت

ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور مامون الرشید سے زیادہ فصیح کسی اور کو نہیں دیکھا اور علامہ حصری[۱] نے زہر الآداب میں اس روایت کو ان لفظوں میں لکھا ہے کہ جعفر برمکی تقریر

---

[۱] صفحہ ۲۰۵۔ حاشیہ عقد الفرید جلد اول سیوطی۔

کے وقت کسی موقع پر نہ رکتا تھا۔ نہ سلسلہ کلام میں الفاظ و معنے کی تکرار ہوتی تھی۔ لغو اور فضول باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ جس فن پر گفتگو کرتا تھا جب تک اس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے دوسرے پہلو پر بحث نہ کرتا تھا اور ایک گفتگو کے بعد جب دوسری شروع کرتا تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ موثر اور دل کش ہوتی تھی۔ غمگین کو ہنسا دینا، عابد و زاہد کے دل پر قبضہ کر لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اعلیٰ درجے کے اشعار، نوادرات، ضرب الامثال، قصص و حکایات میں اس کی معلومات تعجب انگیز تھی اور فصاحت کا منبر بڑھا رہتا تھا۔ سہل[1] بن ہارون کا قول ہے کہ اگر کلام کو موتی اور گفتگو کو جوہر فرض کیا جائے تو خدا کی قسم وہ یحییٰ و جعفر برمکی کا کلام ہے۔ میں نے اس زمانے کے بڑے بڑے شیوا بیان لوگوں کو دیکھا ہے وہ سب اس کے قائل تھے کہ بلاغت کی تکمیل انہیں دونوں سے ہوئی ہے اور انھیں پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دنیا ان کے عہد زندگی پر فخر کرے تو نازیبا نہیں ہے۔" اور اسی فصاحت و بلاغت کا اثر تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے امین و مامون کو قبائل عرب میں نہیں بھیجا۔ بلکہ فضل و جعفر کے سپرد کر دیا تھا۔ جن کی تعلیم سے ان کی فصاحت آج تک ضرب المثل ہے۔ ابو عثمان عمرو جاحظ لکھتا ہے کہ "جعفر برمکی جب کسی مضمون پر گفتگو کرتا تھا تو کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اسکے سامنے بول سکے بلکہ مخاطب پر محویت طاری ہو جاتی تھی اور خاموشی سے تقریر سنا کرتے تھے۔ شمامہ[2] کہتا ہے کہ جعفر انطق الناس (بڑا بولنے والا) تھا۔

۵- کتابت انشا اور کتابت میں بھی جعفر برمکی، عمر[3] بن مسعدہ وغیرہ سے بڑھکر تھا خاص خاص فرامین کے مسودات اور معاہدات خود لکھتا تھا۔ بلکہ محروسہ سے جو ڈاک آتی تھی اسکے جملہ لفافے جعفر اپنے ہاتھ سے کھولتا تھا اور سب پر حکم لکھتا

---

[1] صفحہ ۲۱ جلد ۳ و صفحہ ۳۰۵ جلد اول عقد الفرید۔ [2] جہشیاری صفحہ ۲۲۹ [3] عمرو بن مسعدہ المتوفی ۲۱۵ھ / ۸۳۰ء جو فن کتابت میں بے مثل و یگانہ روزگار تسلیم کیا گیا ہے اس کی یہ صفت تمام فاضلوں کو تسلیم ہے کہ بڑے بڑے مضمون کو مختصر الفاظ میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تھا۔ مامون الرشید کا کاتب تھا۔ مرآۃ الآداب میں جابجا

تھا۔

جہشیاری[1] کی روایت ہے کہ ایک دن ہزار سے زیادہ عرضیاں گزریں جعفر نے سب پر اپنے قلم سے حکم لکھے اور کسی حکم میں مکرر الفاظ نہ آئے۔ اور جملہ احکام تحت قانون (فقہ) تھے اس قسم کی مختصر احکام توقیعات کہلاتے ہیں۔ ہرون الرشید جب دربار عام کرتا تھا اُسدن سیکڑوں عرضیاں گزرتی تھیں۔ اور ہر عرضی پر جعفر خود حکم لکھتا تھا، اور ان توقیعات کی عظمت، حسن کتابت اور فصاحت و بلاغت سے اور بڑھ جاتی تھی۔

جعفر کے توقیعات بازاروں میں ایک ایک اشرفی کو فروخت ہوتے تھے اور فن انشا کے شایق خوشنویسوں سے یہ توقیعات خرید کرتے تھے۔ چونکہ خود ادیب تھا اس لئے دفتر انشا میں مشاہیر کاتب جمع کئے تھے اور کتابت کے ساتھ جعفر درجہ اوّل کا خوش نویس بھی تھا۔

ایک[2] دن کسی خوشنویس کی وصلی پیش ہوئی، جعفر نے برجستہ کہا۔

الخط خیط الحکمۃ ینظم فیہ منثورھا و یفصل فیہ شذورھا	خط، حکمت کا دھاگا ہے جس میں حکمت کے بکھرے ہوئے موتی پروئے جاتے ہیں اور اسکے زریں دانے ممتاز رہتے ہیں۔

محمد بن کیث، دفتر انشا کا میر دبیر تھا ایک مرتبہ اس نے جعفر سے دریافت کیا کہ حسن خط کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں اسکو جواباً لکھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۲) اس کے علم انشاء کے نمونے لکھے ہیں لیکن جعفر برمکی عمرو کی تحریروں کو اکثر کاٹ دیا کرتا تھا۔ اور بطور ہدایت اسی کاغذ کی پشت پر لکھ دیا کرتا تھا چنانچہ عمرو نے جو خط ضمرۃ الحردی کے نام لکھا تھا اُس کو پڑھکر جعفر نے یہ الفاظ لکھ دیئے تھے اذا کان الاکثار ابلغ۔ کان الایجاز مقصرا و اذا کان الایجاز کافیا کان الاکثار عیناً زہر الاداب حاشیہ عقد الفرید صفحہ ۶ جلد ۲ [2] شریسی جلد اول صفحہ ۸۲ - و عقد الفرید جلد ۲

[1] جشیاری صفحہ ۲۴۹ و مراۃ الجنان

[2] شریسی جلد اوّل و کامل جلد ۶

اما بعد فلیکن قلمک صحرفا لا متینا ولا رقیقا ضیق لقلب فا یرۃ بریا مستویا کمنقار الحمامۃ اعطف بطنہ ورقق شفرتیہ ولیکن مدادک فارسیا خفیفا اذا وزنتہ فانقعد لیلۃ ثم صفہ فی الدواۃ ولیکن قرطاسک رقیقا مستویا لنسج محرج السحاءۃ مستویا من حدی لطرفین الی اخرۃ فلیست تستقیم السطور الا فیما کان کذلک ولیکن اکثر مطک فی اطراف القرطاس الذی فیہ یسارک واقلہ فی لوسط ولا تمط فی الطرف الاخر والمط نصف الحظ ولا یقوی علیہ الا العاقل و لا احسب العاقل یقوی علیہ ایضاً الا بالنظر الی الید فی استعمالہا الحرکۃ ۔ والسلام ۔

حمد و نعت کے بعد معلوم ہو کہ اول تو قلم ایسا بنانا چاہئے جو ترچھا ہو لیکن زیادہ سخت اور نازک نہو۔ شگاف تنگ ہو اور برابر اس طرح پر تراشا جائے جیسے کبوتر کی چونچ ہوتی ہے۔ گرا ؤ کی طرف ذرا جھکا ہو اور قط کی جگہ باریک ہو اور روشنائی فارسی ساخت کی وزن میں ہلکی ہو اور تمام رات اسکو بھگو کر صبح کو دوات میں چھوڑو اور کاغذ باریک ہو اور بناوٹ میں برابر اور اس کو طرح پر موڑو کہ ایک جانب کی موٹائی اسکے آخر تک برابر ہو ورنہ سطریں سیدھی نہ آئیں گی اور یہ بھی ضرور ہے کہ لکھتے وقت زیادہ کھینچاؤ کاغذ کے بائیں جانب ہونا چاہئے۔ پھر وسط میں کم اور دوسری جانب بالکل نہو۔ کیونکہ یہ کشش نصف تحریر کے برابر ہے لیکن ان امور پر دانشمند آدمی قابو پا سکتا ہے اور وہ بھی اُسوقت جب کہ اپنے ہاتھ کی حرکت کا خیال رکھے۔

والسلام ۔

۶۔ توقیعات

ادب اور تاریخ کی کتابوں میں جعفر برمکی کے متعدد توقیعات درج ہیں جنکی مختلف حیثیتیں ہیں، بعض اوقات کوئی حدیث یا ضرب المثل بھی لکھ دیتا تھا۔

ا۔ کسی عامل کی شکایت میں ایک عرضی گزری اس پر یہ حکم لکھا۔

قد کثر شاکوک وقل شاکروک فاما اعتدلت واما اعتزلت

"تیرے شاکی تو بہت ہیں اور شکر گزار کم لہذا یا تو اعتدال اختیار کر یا الگ ہو جا۔"

۲۔ ایک شخص نے امداد و اعانت کے لئے کئی عرضیاں پیش کیں آخیر درخواست پر یہ لکھا۔

دع الضرع یدر لغیرك کما در لك	اب تھن کو چھوڑ دو تاکہ دوسرا بھی دودھ دُہے جس طرح تم دُہ چکے ہو"۔ یعنی تم بہت نفع اُٹھا چکے ہو اب دوسروں کو مستفید ہونے دو

۳۔ کسی نے تجرد کی شکایت کی اس کے جواب میں یہ حدیث لکھی،

الصومُ لك وجاء	روزہ تمہارے حق میں خواہش نفسانی کا دافع ہے۔

۴۔ ایک امیر نے اپنی غلام کی شکایت کی جواباً کہا

خذ باذنه و راسه فهو مالك	غلام تمہارا مال ہے اس کی گوشمالی کرو۔

۵۔ ایک قیدی کی عرضی پر یہ حکم لکھا۔

الجنایة جسة والتوبة نطلقه	ارتکاب جُرم میں قید ہے اور توبہ میں رہائی۔

شمامہ کا قول ہے کہ میں نے جعفر سے سوال کیا کہ[1] بیان کی کیا تعریف ہے' جواب یا کہ

ان یکون الاسم محیطا بمعناك مخبراً عن مغزاك مخرجا من الشرکة غیر مستعان علیه بالفکرة۔	لفظ مطلب پر احاطہ کرلے اور مقصود کو بتائے' اور دوسرے پہلو کا احتمال نہ رہنے دے اور فکر سے اعانت نہ کی گئی ہو (یعنی آورد نہ ہو)

۶۔ دوسرا مقولہ یہ[2] ہے

اذا کان الایجاز کافیاً کان الاکثار عیاً واذا کان الایجاز مقصرا کان الاکثار ابلغ	جس موقع پر مختصر کلام (حصول مقصد) میں کافی ہو وہاں طوالت خلاف فصاحت ہے

[1] زہر الآداب میں یہ الفاظ ہیں" ویکون سلیماً من التکلف بعیداً من الصنعة بریاً من التعقید غنیاً من التاویل۔

اور جس محل میں اختصار مفید مطلب نہ ہو وہاں تفصیل کلام عین بلاغت ہے۔

۷۔ حکیمانہ اقوال | توقیعات کے بعد جعفر کے حکیمانہ اقوال ہیں، جن سے جعفر کی بیدار مغزی اور معاملات سلطنت میں ہوشیاری پائی جاتی ہے۔

۱۔ راعی اور رعایا | کے تعلقات پر جو اظہار خیال کیا ہے اس سے جعفر کی بیدار مغزی اور اُمور سلطنت میں ہوشیاری پائی جاتی ہے۔

(۱) الخراج[1] عماد الملوك وما استغزروا بمثل العدل وما استنزروا بمثل الظلم واسرع الامور في خراب البلاد تعطيل الارضين وهلاك الرعية ومثل السلطان اذا اجحف باهل الخراج حتى يضعفوا عن عمارة الارضين مثل من يقطع لحمه وياكله من الجوع فهو ان شبع من ناحية فقد ضعف من ناحية اخرى وما ادخل على نفسه من الضعف والوجع اعظم مما دفع عن نفسه من الم الجوع ومثل من كلفها لرعية فوق طاقتهم كالذي يطين سطحه بتراب اساس بيته واذا ضعف المزارعون عجزوا عن عمارة الارضين فيتركونها فتخرب الارض ويهرب المزارعون فتضعف العمارة ويضعف الخراج وينتج

خراج بادشاہوں کا ستون ہے

عدل سے بڑھکر کسی بات میں عزت، اور ظلم سے زیادہ خوف بادشاہونکو نہیں ہوتا ہے۔ رعایا کے ہلاک کرنے اور اراضی کی پرتی ڈالدینے سے بہت ہی جلد ملک تباہ ہو جاتا ہے۔

جو بادشاہ اپنی رعایا کو یہانتک ستاوے کہ وہ زمین کے آباد کرنے میں عاجز ہو جائیں اُسکی مثال اُس شخص جیسی ہے کہ جو بھوک سے تنگ ہو کر اپنے ہی بدن کا گوشت کاٹ کر کھانا شروع کرے اگرچہ ایک طرف سے اسکا پیٹ بھریگا لیکن دوسری طرف سے وہ ضعیف ہو جائے گا۔

اور یہ درد و تکلیف اُس پر بھوک کی مصیبت سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ اور جس نے رعایا کو اُنکی طاقت وقوت سے زیادہ ستایا اُس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مکان کی بنیاد سے مٹی کھود کر دیواروں کی کہگل کرے اور جب کاشتکار کمزور ہو جاتے ہیں تو زمین کے آباد کرنے سے معذور ہوتے ہیں اور اسکو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تب زمین خراب ہو جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی کم

[1] المستطرف جلد اوّل ۹۸ مطبوعہ مصر

من ذلك ضعف الاجناد. واذا ضعف الجند طمع الاعداء فی السلطان"۔

(۲) اذا احببت انسانا من غیر سبب فارج خیره واذا ابغضت انسانا من غیر سبب فتوق شره

۳۔ شر المال ما لزمك اثم مكسبه وحرمت الاجر فی انفاقه

۴۔ خذ و عنی اربعا، الرزق مقسوم والحریص محروم والحاسد مغموم والبخیل مذموم"۔

ہو جاتی ہے اور خراج گھٹ جاتا ہے اور اس کل کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آخر کو فوج کمزور ہو جاتی ہے اور جب فوج کمزور ہوئی تو دشمن بادشاہ کو لالچ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی سے بلا سبب محبت کرتا ہے تو فائدے میں رہتا ہے اور جب بلا سبب عداوت کرتا ہے تو نقصان اٹھاتا ہے۔

جس مال کے حصول میں گناہ اور جس کے صرف کرنے میں ثواب نہ ہو وہ بدترین مال ہے۔

مجھ سے چار چیزیں حاصل کرو اور ان پر عمل کرو۔

۱۔ رزق جسقدر مقدر میں ہے وہ ملیگا

۲۔ حریص ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

۳۔ حاسد مبتلائے غم رہا کرتا ہے۔

۴۔ کنجوس کی ہر جگہ ہجو ہوتی ہے۔

۵۔ سخاوت اور فیاضی کے متعلق برامکہ کے مقولے مشہور ہیں۔ ابراہیم موصلی کی روایت ہے کہ جعفر کہا کرتا تھا کہ کسی کی حاجت روائی میں اگر توقف ہو جائے تو اس سے معذرت کرنا چاہئے، کیونکہ حاجتمند بدرجۂ مجبوری مانگتا ہے، اور یہ معذرت صدق نیت پر دلالت کرتی ہے۔

۸۔ مناظرہ اور علمی مجلسیں

جعفر کی علمی صحبتیں اور اہل کمال سے مناظرے ادب کی جان ہیں۔ لیکن یہ مناظرے اسقدر ٹھوس اور علمی ہیں کہ اُردو میں انکا ترجمہ کرنا بیکار رہے۔

[1] عقد الفرید جلد اوّل صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مصر [2] رسائل امام ثعالبی

شائقین علم ادب ہیں شریسی وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

فن مناظرہ کی تعلیم کی غرض سے یحییٰ نے ایک خاص[1] علمی سوسائٹی قائم کی تھی، جس میں اکثر مذہبی مباحثے ہوا کرتے تھے۔ ان مباحث میں ہرون الرشید اور اصمعی ایک فریق ہوتے تھے اور جعفر تنہا ہوتا تھا۔

فضل بن ربیع سے ایک لفظی بحث

سعید بن ہرثمہ کا قول ہے کہ فضل بن ربیع حاجب بھی ایک فاضل اور ادیب تھا کہ لیکن وہ جعفر کا ہم پلہ نہ تھا اور خاندانی رقابت بھی تھی، اسوجہ سے جعفر، فضل سے بات نہ کرتا تھا اور فضل کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ جملہ اُمور میں جعفر کا مدمقابل ہے۔ اتفاق سے ایک دن دونوں میں مناظرہ ہوگیا۔

ہرون الرشید، فریقین کی بحث سن رہا تھا، جعفر طراری سے تقریر کررہا تھا اور فضل کی تقریر اُلجھی ہوئی تھی اور مخاطبت میں ادب کا پہلو بھی چھوٹ گیا تھا۔ جب فضل تھک گیا اور سلیمان بن جعفر (رشید کا ایک ندیم اور فضل کا طرفدار) نے دیکھا کہ فضل کو شکست ہوا چاہتی ہے تو اس نے فضل کی حمایت میں تقریر شروع کی، لیکن رشید نے سلیمان کو جھڑک دیا اور فریقین میں گفتگو جاری رہی۔ اس مرتبہ غصہ ہو کر جعفر نے فضل[2] سے کہا کہ او لقیط[3] چپ رہ۔ یہ سنتے ہی فضل جھلا اُٹھا اور بولا! امیر المومنین گواہ رہیں، جعفر نے میری تحقیر کی ہے۔ جعفر نے خلیفہ کو مخاطب کرکے کہا ملاحظہ فرمایئے؟ معلوم نہیں کہ یہ جاہل امیر المومنین کو شاہد بنا کر کس عدالت میں پیش کریگا کیونکہ امیر المومنین تو خود ہی حاکم الحکام ہیں۔ جعفر کے اس جواب پر رشید نے قہقہہ لگایا اور فضل شرمندہ ہو کر خاموش ہوگیا۔

---

[1] عقد الفرید جلد اول و کتاب الفہرست ملاحظہ ہو۔ [2] جہشیاری صفحہ ۲۶۵ [3] لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جو راستہ میں پڑا ہوا ملے اور کوئی اسکو پرورش کرلے۔ جعفر کا مقصد یہ تھا کہ فضل کے باپ کا پتہ نہیں ہے اور وہ گمنام ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔

۹۔ جعفر کے عام اخلاق و عادات

۱۔ فیاضی جعفر کے اخلاق و عادات کے تذکرہ سے پہلے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ وزرائے دولت عباسیہ میں کوئی وزیر ایسا نہیں ہوا ہے جو علم، تدبیر، دانائی، عالی حوصلگی، سیاست اور اخلاقی فضائل میں یحییٰ و جعفر کا ہم پلہ ہو اگرچہ فیاضی میں وہ اپنے بڑے بھائی فضل سے کم ہے، لیکن دوسروں کے مقابلہ میں تو وہ حاتم طائی ہے۔

ایک عجمی مورخ لکھتا ہے کہ زوال خاندان برامکہ کے بعد اگر کوئی بغداد کا امیر مفلس ہو جاتا اور مصائب کے بعد حصول مقصد میں کامیاب ہوتا تو وہ یوں کہتا تھا کہ "خدایا! معلوم نہیں مجھ سے کیا قصور ہوا تھا، جس کی یہ سزا دی گئی کہ برامکہ کے بعد پیدا کیا گیا ہوں۔"

جعفر کی خدا پرستی، حلم و تواضع، عفو و ترحم، اور سچی سخاوت سے بھی مذکورہ بالا قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

زمانہ حکومت میں جعفر نے اکثر پچاس پچاس ہزار دینار لوگوں کو ایک وقت میں دیدیئے۔ چنانچہ عرب کی یہ مثل کہ[۱] "تبرمک فلاں" جعفر کی فیاضی سے قائم ہوئی تھی۔

۲۔ علمی فیاضی جعفر کی یہ علمی فیاضی بھی یادگار ہے کہ اس نے ایک مجمع میں جس میں ایک[۲] ہزار شاعر موجود تھے سب کو ایک ایک ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ بلاشبہ یہی وہ انعام تھے جس کے باعث شعراء مدح جعفر میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ ابن[۳] اشجع سلمی کہتا ہے۔

---

[۱] اعلام الناس صفحہ ۱۴۹ [۲] بغداد کی مردم شماری ۱۵ لاکھ تھی، ایسی حالت میں ایک ہزار شعراء کا ایک وقت میں جمع ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔ [۳] شریشی جلد اول صفحہ ۲۲ مطبوعہ خیریہ پریس مصر۔ و جہشیاری صفحہ ۲۶۴

یریدا الملوث مدی جعفر	سلاطین جعفر کی ریس کرنی چاہتے ہیں۔ لیکن کام
ولا یصنعون کما یصنع	ویسے نہیں کرتے جیسے جعفر کرتا ہے۔
ولیس باوسعهم فی الغنی	جعفر دولتمندی میں اوروں سے زیادہ نہیں
ولکن معروفہ اوسع	لیکن فیاضی میں زیادہ ہے۔
بداهته مثل تفکیره	اس کا فی البدیہہ اور فکر کرنا دونوں یکساں ہے
متی تلقه فهو مستجمع	جب تم اس سے ملو تو وہ تمام صفات کا جامع ثابت ہوگا

۳۔ قبائل عرب سے فیاضی

جعفر کی فیاضی عالم گیر شہرت رکھتی تھی۔ عرب کا ایک ایک قبیلہ اور قبائل کے مرد و عورت جعفر کے نام سے واقف تھے۔ اکثر بدوی کڑی منزلیں طے کر کے بغداد آتے تھے، مدحیہ قصائد اور عہد جاہلیت کے اشعار سنا کر گراں بہا خلعت اور انعام حاصل کر کے واپس جاتے تھے۔

ایک[1] مرتبہ سفر حجاز میں، جب جعفر کا قافلہ وادی[2] عقیق میں پہنچا تو ایک عورت قبیلہ بنی کلاب کی جعفر کے سامنے حاضر ہوئی اور یہ دو برجستہ شعر پڑھے۔

انی مررت علی العقیق و اهلها	عقیق اور عقیق والوں پر میرا گذر ہوا
یشکون من مطر الربیع نزورا	تو وہ بارش کے کم ہونے کے شاکی تھے۔
ماضرهم اذا جعفر جار لهم	جعفر جس کا ہمسایہ ہو،
ان لا یکون ربیعهم ممطورا	اسکو اسکی کیا پروا ہے کہ مینہ نہ برسے۔

جعفر نے اسکے اشعار سُن کر ایک کثیر انعام دیا اور وہ دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئی، اور جعفر کو بھی یہ معلوم تھا کہ اس جگہ مدت سے بارش نہیں ہوئی ہے اور تمام قبیلہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہے۔

۴۔ جعفر کا یہ بھی اُصول تھا کہ سائل کو شئے مطلوبہ سے بہت زیادہ انعام دیا کرتا تھا

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۱ حالات جعفر [2] وادی عقیق مکہ معظمہ کے ایک منزل کا نام ہے۔

ایک[1] دن ابو قابوس نصرانی حیری جاڑے کے موسم میں حاضر ہوا، چادر نہ ہونے سے کانپ رہا تھا، جعفر نے اس کو ایک قیمتی اونی چادر اُڑھا دی، چند روز کے بعد عیسائیوں میں ایک عید ہوئی، قابوس کی بیٹی نے کہا کہ کاش ایسی دوسری چادر ہوتی تو آج میں اس کو اوڑھتی، قابوس نے جعفر کو عرضی لکھی، جعفر نے ہر قسم کی دس چادریں بھیجدیں جو ایک سے ایک بڑھکر تھیں حالانکہ قابوس نے صرف پانچ چادریں طلب کی تھیں۔

۵۔ بزرگان دین کی خدمت ربیع[2] بن سلیمان، امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عید کے موقع پر امام صاحب کے پاس کچھ نہ تھا لہذا ستر دینار قرض منگائے تھے کہ قبیلہ قریش کا ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی حاجت ظاہر کی، امام صاحب نے بھی اپنا حال سنایا اور کہا کہ میرے پاس اسوقت ستر دینار موجود ہیں اس میں سے بقدر ضرورت لے لو۔ قریشی نے کہا کہ یہ کل رقم بھی میری ضرورت کو کافی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ سب دینار اس کو دے کر رخصت کیا۔ اسی وقت جعفر کا ایک خادم آیا اور عرض کیا کہ حضور کو وزیر السلطنۃ نے یاد فرمایا ہے۔ امام صاحب تشریف لے گئے۔ جعفر نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ رات کو میں نے یہ آواز سُنی ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے "الشافعی الشافعی"؟ چنانچہ امام صاحب نے قصہ بیان کیا۔ رخصت کے وقت پانچسو دینار دیئے۔ پھر پوچھا کہ اور اضافہ کروں۔ یہاں تک کہ خود ہی سوال کرتا اور رقم بڑھاتا جاتا تھا۔ جب پوری دو ہزار دینار کی رقم ہو گئی تب رخصت کی اجازت دی گئی۔ اس واقعہ سے جعفر کی ائمہ دین سے ارادت اور جوش محبت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ ترحم اور رقت طبع ایام[3] سفر میں ایک موقع پر جعفر کے روبرو ایک غلام پیش کیا گیا جس کے مالک کی کل جائداد حکم شاہی سے قرق ہو کر نیلام ہونیوالی تھی۔ یہ غلام نہایت

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۵۶ [2] شریشی جلد دوم صفحہ ۱۱۹
[3] شریسی جلد دوم صفحہ ۱۲۷۔

خوب صورت تھا جعفر نے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا نام "ماہر" ہے پھر پوچھا کیا جانتے ہو؟ کہا ادب، شعر، موسیقی اور علاوہ اس کے جو حکم ہو اُس کی تعمیل کر سکتا ہوں۔ ماہر کا کمال سُنکر جعفر نے اُسکے مالک سے پوچھا کہ اِس غلام کی کیا قیمت ہے کہا کہ ضرورتاً پانسو دینار اس کا مول ہے، چنانچہ فوراً قیمت ادا کر دی گئی، ماہر نے کہا تھا کہ موسیقی سے بھی واقف ہوں اس لئے امتحاناً حکم دیا کہ کچھ اشعار سُناؤ۔ غلام نے عود بجانا شروع کیا۔ اور حسب ذیل اشعار سُنائے۔

حملتم جبال الحب فوقی وانني	تم نے میرے اوپر عشق کا پہاڑ رکھ دیا۔
لاعجز عن حمل القميص واضعف	اور میں تو ضعف سے قمیص کا بھی متحمل نہیں۔
ظفر تم بکتمان اللسان فمن لکم	اس میں تو تمہاری جیت رہی کہ زبان کچھ ظاہر نہیں کرتی۔
بکتمان عين دمعها الدهر يذرف	لیکن آنکھوں کو کیا کرو گے جنکے آنسو ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔

جعفر کو یہ ترانہ سنکر نہایت افسوس اور تعجب ہوا۔ اور اُس کے مالک کو علاوہ قیمت کے ایک خلعت اور مرحمت کیا اور اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ جب آقا کے گھر سے ایک میل آگے بڑھ گیا تو اس غلام نے نہایت سوز و گداز سے اس طرح پر گانا شروع کیا۔

وما کنت اخشی معبدا ان يبيعنی	مجھ کو یہ خوف نہ تھا کہ معبد۔ مجھ کو کسی چیز کے معاوضہ میں بیچ ڈالیگا
بشئ ولو أضحت انامله صفرا	گو اُس کا ہاتھ بالکل خالی ہو جاوے۔
اخوهم ومولاهم وحامل سرهم	میں اُن کا بھائی ہوں۔ غلام ہوں۔ رازدار ہوں۔
ومن قد ثوی فيهم وعاشرهم دهرا	مدتوں اُنمیں رہا ہوں اور انکی صحبت اُٹھائی ہے۔
اشوقا ولما تمض لی غير ساعة	ابھی تو گھنٹہ بھر نہیں گزرا گر ابھی سے شوق کی یہ حالت ہے
فکيف اذا احب المطی بنا شهرا	اُس وقت کیا حال ہو گا جب سواری مہینہ بھر کی راہ طے کریگی

یہ اشعار سُنکر جعفر نے پوچھا کیوں ماہر؟ تم اپنے مالک کا گھر جانتے ہو۔ اور اس جگہ سے جا سکتے ہو۔ کہا افسوس!! کیا عشق کی علامتیں بھی چھپی رہتی ہیں۔ جعفر اُس کا یہ برجستہ

جواب سُن کر خوش ہوا اور کہا کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا۔ اور ایک ہزار دینار دیکر رخصت کر دیا جعفر کے ایک ہمراہی نے پوچھا "کیا ایسے غلام بھی آزاد کر دیئے جاتے ہیں" اس نے جواب دیا کہ "اگر آزاد نہیں ہوتے ہیں تو مملوک بھی نہیں بنائے جاتے ہیں" غلام رخصت ہو کر چلا گیا۔ وداع کے وقت اُس نے طنزیہ یہ شعر پڑھا۔

لا یوجد الخیر الا فی معادنہ	نیکی تو صرف اپنی جائے پیدائش ہی میں ملے گی۔
والشر حیث طلبت الشر موجود	اور بُرائی کو جہاں ڈھونڈھو موجود ہے۔

۲۔ اسحٰق بن ابراہیم الموصلی راوی ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے ایام حج میں بمقام بصرہ قیام کیا تو جعفر برمکی نے مجھ سے کہا کہ "آج لوگوں نے مجھ سے ایک کنیز کی بہت ہی تعریف کی ہے جو شکل و شمائل کے علاوہ موسیقی میں عدیم النظیر ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اُس کا مالک گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ جسے خریداری کا شوق ہو اُس کے مکان پر جا کر دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ میں بھی اُس کے دیکھنے کا مشتاق ہوں اور جی چاہتا ہے کہ سوداگروں کا لباس پہنکر بازاری لوگوں کے وضع میں جاؤں کہ کوئی شناخت نہ کر سکے اور تم بھی میرے ساتھ ہو۔" میں نے عرض کیا کہ بسر و چشم حاضر ہوں" چنانچہ دوپہر کے وقت جب کہ لوگوں کی دھوم دھام کم ہوگئی اور بازاروں میں سناٹا ہو گیا۔ اُس وقت دلال (بردہ فروش) حاضر ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں عربی سوداگروں کا لباس پہنکر اُسکے ساتھ ہو لئے۔ تھوڑی دیر میں ایک مکان پر پہنچے جسکی رفعت و شان اور موجودہ حالت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بگڑے ہوئے امیر کا مکان ہے دلال نے دروازے پر دستک دی اندر سے ایک خوبصورت جوان نکلا لیکن اُسکے موٹے کپڑوں اور ظاہری حالت سے فقر و فاقہ کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ ہم دونوں مکان کے اندر داخل ہوئے۔ اور دہلیز میں ایک پرانی چٹائی پر جا کر بیٹھ گئے۔ دلال

لہ جامع الحکایات مولانا حسین ابن اسعد دہستانی مفصلاً۔ وابن خلکان صفحہ ۲۲ مختصراً و مراۃ الجنان یافعی۔

نے فرمائش کی کہ کنیز سامنے لائی جائے۔ چنانچہ اُس کے مالک نے لاکر حاضر کیا۔ جیسی تعریف سُنی تھی اُس سے ہزار درجہ حُسن وجمال میں بڑھکر تھی۔ جب جعفر نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اُسی جگہ بیٹھ گئی لیکن اُس کی صورت سے حیرانی برستی تھی۔ جسم پر اگرچہ قیمتی لباس نہ تھا لیکن وہ موٹے کپڑے جو پہنے ہوئے تھی اُس میں بھی ایک شان دلربائی موجود تھی۔ صورت دیکھتے ہی حسن وجمال کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا لیکن موسیقی کا امتحان ہنوز باقی تھا اس لئے جعفر نے فرمایش کی کہ کوئی عمدہ غزل سُناؤ کنیز نے بربط پر ایک غزل گائی جس کا لفظی ترجمہ فارسی میں حسب ذیل ہے[۱]۔

چرا ز بندہ بریدی بہ عہدِ وصل رواں	چرا ز خانۂ خویشم ہمے کنی مہجور
بہ وصل تو نہ بپائے آوریدہ ام شب و روز	بخدمتت نہ لبسر بردہ ام سنین و شہور
بجز زدیدن تو نیست بندہ ات شاداں	بجز بخدمتِ تو نیست عاشقت مسرور
بدل ز منزل تو مے نگیرم از جنت	عوض ز روئے تو کے خواہم۔ ار بو مہ و حور
چو آرزوے دلی و عزیز تر ز ہمہ[۱]	بگو چگونہ بمانم من از جمالِ تو دور

[۱] اشاعت البرامکہ کے بعد ان اشعار پر میرزا احمد علی کوکب مرحوم (ساکن بمبئی) نے مصرعے لگائے تھے چونکہ یہ اشعار دلچسپ ہیں لہذا بطور یادگار نقل کئے جاتے ہیں۔

چرا ز عاشق خود دل گرفتۂ جاناں	چرا ز دست من امروز می کشی داماں
چرا اسیر نمودی بہ محبس ہجراں	چرا ز بندہ بریدی بعہد وصل رواں

چرا ز خانۂ خویشم ہمے کنی مہجور

منم کہ لذتِ وصلت چشیدہ ام شب و روز	بزیر سایۂ تو آرمیدہ ام شب و روز
نہ بود محو جمالِ تو دیدہ ام شب و روز	بوصل تو نہ بپائے آوریدہ ام شب و روز

بخدمتت نہ لبسر بردہ ام سنین و شہور

اگر تو لحظۂ از چشم من شوی پنہاں	سیاہ و تار شود در نظر زمین و زماں
غلام نرگس مست تو ام شہ خوباں	بجز زدیدن تو نیست بندہ ات شاداں

بجز بخدمتِ تو نیست عاشقت مسرور

زمین کوچۂ تو باشد آسماں رفعت	جواب مہر دہد ذرہ ذرہ در ظلمت
عبیر دانہ برابر کنم بخاک درت	بدل ز منزل تو می نگیرم از جنت

ہنوز اس غزل کے اخیر مصرع کو ادا بھی نہیں کیا تھا کہ اس کنیز نے بے ساختہ رونا شروع کیا اور غم کے آثار اُس پر چھا گئے۔ اتنے میں مکان کے اندر سے ایک نوجوان کے چیخنے کی آواز آئی یہ آواز (بقول ایک ظریف کے) گویا کہ وہ ندا کی صدا تھی جس نے اُس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور فوراً وہ کنیز مکان کے اندر چلی گئی اور دونوں نے مل کر اپنی آہ وزاری سے ایک قیامت برپا کر دی تھوڑی دیر میں وہ نوجوان اندر سے نکلا اور عرض کیا۔ کہ صاحبو! مجھ سے جو گستاخی اور بے ادبی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کنیز سے عہد کر چکا ہوں کہ تجھے فروخت نہ کرونگا اور تیری قیمت مجھ پر حرام ہے اور اس وقت خدا کی راہ میں اُس کو آزاد کرتا ہوں، آپ بھی گواہ رہیں اور اجازت دیں کہ سنّت نبوی کے مطابق اس کنیز سے نکاح کروں۔ نوجوان کی ان باتوں سے جعفر کو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ وہ خود اُس پر فریفتہ ہو چکا تھا لیکن جب اُس نوجوان نے اپنی رام کہانی سنائی تو جعفر مجبور رہا۔ اور ہم لوگ واپس آئے چونکہ مجھے اُس غریب کی حالتِ زار پر نہایت افسوس تھا لہذا جعفر کے سوار ہونے کے قبل میں نے عرض کیا، کہ "مجھے اس شخص کے حال پر رونا آتا ہے اور میرے رونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ آپ کی فیاضی سے یہ غریب محروم رہا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ اعانت کا اور کون محتاج ہوگا۔"

جعفر نے کہا ہاں! سچ ہے وہ ضرور رحم وکرم کا مستحق ہے مگر مجھے اس کنیز کے

عوض ز روئے تو کے خواہم ار بود مہ و ہور

چو کرد جلوۂ روئے تو بے خبر ز ہمہ | بدور حسن تو پوشیدہ ام نظر ز ہمہ
بدل عزیز ترا دارم اے پسر[۲] ز ہمہ | چو آرزوئے دلی و عزیز تر ز ہمہ

بگو چگونہ ہمانم من از خیال تو دور

(حاشیہ ۴۵۴) [۱] اخبار شمس بمبئی مطبوعہ مئی ۱۹۰۸ء نمبر ۱ جلد ۲

[۲] میرزا صاحب نے محبوب کو پسر کے لفظ سے نظم کیا ہے یہ ایرانی مذاق ہے۔

نہ ملنے کا غصہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "مساکین اور فقراء پر ترحم کرنا تو آپ کا خاصہ ہے۔ اور یہی وہ احسان ہے جو عمر بھر باقی رہے گا۔ ایسی حالت میں ابدی نیک نامی کو بدنامی سے تبدیل کرنا مناسب نہیں ہے۔" میری تقریر سُنکر جعفر نے حکم دیا کہ اچھا چالیس ہزار دینار رقمیت جو اوّل طے ہو چکی ہے وہ اُس نوجوان کو دیدی جائے۔ اور آیندہ کے واسطے اُمید دلائی جائے۔ چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل ہوگئی۔ اور جعفر کے صدقے میں بصرے کے اہل دول میں وہ نوجوان بھی شامل ہوگیا۔

۷۔ طباعی و ذہانت طباعی اور ذہانت میں جعفر کے بہت سے قصے مشہور ہیں لیکن اس موقع پر صرف وہ واقعہ جس کو اکثر مورخین نے لکھا ہے، نقل کیا جاتا ہے، خلیفہ ہارون الرشید چونکہ علم و فضل کا حامی تھا۔ اس وجہ سے اُس کے دربار میں ماہرین اور مجتہدین فن ہر وقت موجود رہتے تھے، ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک یہودی منجم دربار میں حاضر ہوا معلوم نہیں کس خیال سے ہارون الرشید نے منجم سے پوچھا کہ اچھا میں ایک سوال کرتا ہوں اُس کا جواب دے سکتے ہو؟ نجومی نے بڑے دعوے سے عرض کیا کہ "وہ کونسی بات ہے جس کا جواب میں نہیں دے سکتا ہوں۔" تب خلیفہ نے پوچھا تو میری عمر اب کس قدر باقی ہے؟ نجومی نے فوراً زائچہ تیار کیا اور بے دھڑک کہہ گذرا کہ یہ سال امیرالمومنین پر کسی طرح بخیر و عافیت گزرتا معلوم نہیں ہوتا ہے اور عمر کا یہ اخیر مرحلہ ہے جو طے ہونے کو باقی ہے۔ خلیفہ منصور وغیرہ کے طرح ہارون کو نجوم پر اعتقاد نہ تھا لیکن پھر بھی بہ مقتضائے فطرت گھبرا گیا اور افسوس کر کے خاموش ہوگیا۔ اس واقعہ سے جعفر برمکی وزیرالسلطنتہ کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت دربار میں ایک یہودی نجومی نے اس طرح کی بیباکانہ پیشین گوئی کی ہے اور وہ ہنوز دربار میں موجود ہے۔ یہ غمناک واقعہ[۱] سُن کر جعفر فوراً حاضر ہوا۔ ہارون الرشید کو مغموم دیکھکر نجومی سے

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۳۱ و مراۃ الجنان یافعی۔

پوچھا کہ کیا تیرا خیال ہے کہ حقیقت میں امیر المومنین کی حیات کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور یہ آخیر سال ہے؟ نجومی نے کہا کہ "ہاں"۔ تب جعفر نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ تم کب مروگے؟ نجومی نے کہا کہ ابھی میری عمر بہت باقی ہے اور اس مدت تک زندہ رہونگا۔ اُس کا یہ جواب سُن کر جعفر نے خلیفہ سے عرض کیا کہ "امیر المومنین اس نجومی کے قتل کا حکم صادر فرمائیں تو ابھی اس کی پیشین گوئی کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتا ہے کہاں تک سچ ہے۔" چنانچہ جعفر کے اصرار سے نجومی کو سولی دیدی گئی۔ اور جعفر کی اس کارروائی سے جو غلط و جان فرسا خیال خلیفہ کے دل میں پیدا ہو گیا تھا وہ نکل گیا اور غم سے نجات پائی۔ ہارون الرشید نے جعفر کی اس عاقلانہ تدبیر کا شکریہ ادا کیا۔ اہل دربار بھی خوش ہو گئے اور یہ واقعہ عام طور پر مشہور ہو گیا چنانچہ اشجع سلمی نے اس عبرت خیز واقعہ کو نظم میں اس طرح پر ادا کیا ہے۔

سل الراکب الموفی علی الجذع هل رأی	سولی پر چڑھنے والے سے پوچھو کہ اس نے
لراکبه نجما بدا غیر اعور	اپنا ستارہ دیکھا ہے؟
ولو کان نجم مخبراً عن منیة	اگر کوئی ستارہ موت کی خبر دے سکتا۔
لاخبر عن رأسه المتحیّر	تو اس کے سر کا حال بتاتا جو حیرت زدہ ہے۔
یعرفنا موت الامام کانه	یہ ہم کو خلیفہ کی موت کی خبر دیتا ہے۔
یعرفنا ابناء کسریٰ وقیصر	گویا کسریٰ اور نوشیرواں کی اولاد کا حال بیان کر رہا ہے
اتخبر عن نحس لغیرك شومه	تو دوسروں کی بدبختی کی خبر دیتا ہے۔
ونجمك بادی الشر یا شر مخبر	لیکن اے بدترین پیشین گو یاں تیرا ستارہ تو صریح منحوس ہے

۸۔ فہم و فراست

معاملہ فہمی اور تصفیۂ مقدمات میں جعفر کا ذہن رسا قاضی ابو یوسف اور بڑے بڑے ائمہ وقت سے کم نہ تھا۔ اہم مطالب اور پیچیدہ مقدمات کا فیصلہ منٹوں میں سُنا دیتا تھا۔ چنانچہ ہارون الرشید کے عہد کا واقعہ ہے

کہ قاضی بصرہ کی عدالت میں ایک مقدمہ[1] دائر ہوا۔ اس مقدمے کے فریقین نہایت ہی معاملہ فہم اور قانون داں تھے۔ ایک فریق کے اعتراض کا جواب دوسرا ایسا دیتا تھا کہ حاکم کو ترجیح کا پہلو نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ اسی ردوقدح میں ڈیڑھ برس تک یہ مقدمہ دائر رہا اور کسی کے حق میں فیصلہ نہ ہوا۔ تب بہ مجبوری عدالت ماتحت نے قاضی ابو یوسف سے جو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر ممتاز تھے۔ استصواب کیا۔ اور روئداد مقدمہ لکھکر بھیج دی اور یہ استدعا کی کہ یا تو مقدمہ عدالت العالیہ میں پیش ہو یا کوئی مشہور عالم جو فقہ کے اصول روایت و درایت سے واقف ہو۔ بصرہ روانہ کیا جائے کہ وہ اس مقدمہ کا فیصلہ کرے۔"

قاضی صاحب نے خواجہ عتبہ کو جو اُن کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے فیصلہ مقدمہ کے واسطے انتخاب کیا۔ اور بصرے کو بھیج دیا۔ خواجہ صاحب نے عرضی دعویٰ اور جواب دعویٰ ملاحظہ کیا اور فریقین کے عذرات کی سماعت کی اور کل بحث مقدمہ کی سُنی لیکن نفس مطلب بالکل سمجھ میں نہ آیا اور پیچیدگی کے سبب سے فیصلہ نہ ہوسکا۔ مجبوراً چندروز بصرے میں قیام کرکے یہ فقیہ واپس آیا۔ تب قاضی بصرہ نے امیرالمومنین ہارون الرشید کے حضور میں ایک مفصل درخواست بھیجی۔ اور فیصلہ مقدمہ کے لیئے دریافت کیا۔ چنانچہ خلیفہ نے فریقین کو اپنے دربار میں طلب کیا اور حالات مقدمہ سن کر حکم دیا کہ دربار خاص میں تمام علماء کے سامنے اس مقدمے کی سماعت کی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ لیکن فریقین کے دلائل کی تردید اور اُن کی تشفی نہوئی تب خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو حکم دیا کہ "یہ مقدمہ آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرکے تجویز پیش کیجئے اور

---

[1] افسوس ہے کہ لائق مورخ نے اصل مقدمہ کو نہیں لکھا ہے کہ کیا دعویٰ تھا جس کا جعفر نے فیصلہ کیا۔

ہر دو فریق میں سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ہو۔ اور رضامندی باہمی سے یہ معاملہ طے ہو جائے"
چنانچہ امام صاحب کے یہاں یہ مقدمہ برابر ایک ماہ تک پیشی میں رہا۔ لیکن خاطر خواہ طے
نہ ہوا۔ تب بہ مجبوری امام صاحب نے خلیفہ سے اطلاع کی کہ یہ معاملہ ایسا اہم اور پیچیدہ
ہے کہ مجھے اُمید نہیں ہے کہ کوئی فقیہہ یا دانشمند اس کو طے کر سکے۔ چنانچہ سب سے
آخر میں یہ مقدمہ خلیفہ نے جعفر برمکی کے سپرد کیا اور یہ کہا کہ "مجھ کو امید ہے کہ اس کا
فیصلہ آپ کے ہاتھ سے ہو جائیگا اور جہاں تک عقل و دانش سے کام لیا جا سکتا ہے۔
اس مقدمے میں لینا چاہئے۔" جعفر نے فریقین کو حکم دیا کہ وہ مکان پر حاضر ہوں اور جب
وہ حاضر ہوئے تو اُن کے ساتھ کمال مہربانی سے پیش آیا اور مقدمے کے واقعات سُنے
چنانچہ تین روز کے مختلف اجلاسوں میں فیصلہ مقدمہ کا سُنا دیا۔ اور ایسا فیصلہ کیا کہ جس
سے فریقین رضامند رہے۔ جب خلیفہ نے مقدمے کے حالات اور فیصلہ جعفر کا سُنا تو
بہت خوش ہوا بلکہ جوش مسرت میں یہ حکم دیا کہ" دوبارہ اس فیصلہ کو مجمع علماء میں سُننا
چاہتا ہوں"۔ چنانچہ ایک تاریخ میں یحییٰ بن معین، قاضی ابو یوسف، امام محمد شیبانی
ابو مطیع بلخی وغیرہ مشہور علماء کا جلسہ ہوا۔ اور جعفر نے سب کے سامنے روئداد مقدمہ بیان
کر کے اُس کا فیصلہ سنایا جس کو تمام علماء نے تسلیم کیا۔ اور کہا انصاف یہ ہے کہ " اگر جعفر
برمکی چند روز اصول و فروع فقہ پر توجہ کرے تو تمام فقہا سے اُس کا مرتبہ بلند ہو جائے"۔[1]

۹۔ ظرافت

باوجود ان فضائل کے جعفر برمکی بالکل زاہد خشک نہ تھا بلکہ نہایت
زندہ دل اور ظریف تھا۔ ہر وقت خندہ پیشانی رہتا۔ اُسکی بذلہ سنجیوں
اور بے تکلفی کی گفتگو سے اکثر خلیفہ ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا۔ ایک دو
روایتیں ہم نے ایسی بھی پڑھی ہیں کہ جن کے لکھنے سے تہذیب مانع ہے۔ لیکن ایک
چٹکلہ اُس کی زندہ دلی کا لکھا جاتا ہے " خلیفہ ہارون الرشید، ابو یعقوب الندیم، ابو نواس

[1] تاریخ دسحانی صفحہ ۹۲ مطبوعہ مصر۔

اصمعی اور جعفر برمکی ایک روز تفریح کی غرض سے صحرا میں جا نکلے۔ ایک بوڑھا آدمی خچر پر سوار منزل مارے ہوئے کہیں سے چلا آرہا تھا۔ خلیفہ نے کہا جعفر ذرا پوچھو تو سہی کہ یہ کون شخص ہے؟

جعفر۔ (بوڑھے سے مخاطب ہو کر) حضرت آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟

مسافر۔ بصرہ سے آرہا ہوں۔

جعفر۔ کدھر کا قصد ہے؟

مسافر۔ بغداد جارہا ہوں؟

جعفر۔ آخر بغداد کیوں جاتے ہو کیا کام ہے؟

مسافر۔ آنکھوں کا علاج کرانا ہے۔

یہ گفتگو سُن کر خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ ذرا اُس کو چھیڑنا چاہیئے۔ جعفر نے کہا مجھے خوف ہے کہ کچھ ایسی باتیں نہ سننا پڑیں جو ناگوار ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ "نہیں تم کو ہماری قسم اس سے مذاق کرو"۔ مجبوراً پھر اُس بوڑھے سے جعفر نے پوچھا شیخ صاحب! اگر میں آپ کو ایسی دوا بتا دوں کہ جس سے صحت ہو جائے تو یہ آپ کو منظور ہے؟

مسافر۔ واہ سبحان اللہ! اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

جعفر۔ اچھا سُنئے یہ عجیب و غریب نسخہ ہے جس کو آج سے پہلے میں نے کسی کو نہیں بتایا ہے خوب یاد کر لیجئے۔ نسخے کے یہ اجزا ہیں۔ سورج کی کرن، چاند کی چمک، ہوا کے جھونکے، چراغ کی لَو۔ یہ چاروں چیزیں تین تین اوقیہ[1] لیجئے۔ اور سب کو ملا کر اُس کھرل میں جس میں گہرائی نہو تین مہینے تک کوٹ چھان کر ایک ٹوٹے ہوئے برتن میں جمع کیجئے اس کے بعد تین مہینے تک ہوا میں رکھئے پھر اونٹ کی پنڈلی کی سلائی سے سوتے وقت تین سَو مرتبہ آنکھوں میں لگائیے۔ بلا ناغہ تین مہینے کے استعمال میں اس سُرمہ سے

[1] ایک اوقیہ برابر دو تولہ ۲ ماشہ چھ رتی کے ہوتا ہے۔

انشاء اللہ آپ کی آنکھیں فوراً علی فور ہو جائیں گی!"

مسافر اس عجیب و غریب نسخے کو سنکر جھلا اٹھا اور خچر سے اتر کر جعفر کی طرف جھکا اور زور سے گوز مارا اور کہا لے! تیرے نسخے کی یہ اجرت ہے اور یہ چل کھڑا ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید کو اس پیر نابالغ کی اس حرکت پر بہت ہی ہنسی آئی اور تین ہزار درہم انعام دے کر رخصت کیا۔!

۱۔ جعفر برمکی کا نکاح حضرت عبّاسہ بنت المہدی سے، اور اس افسانہ کی مورّخانہ تنقید

وزیر السلطنۃ جعفر برمکی سے حضرۃ عباسہ کا نکاح ہونا، دولت عباسیہ کی تاریخ میں محض ایک افسانہ کا درجہ رکھتا ہے اور اس ڈرامہ کی بنیاد مورخ طبری کی ایک ضعیف روایت ہے جس کو انہوں نے اسباب زوال برامکہ میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[۱]

قد حدثنی احمد بن زهیر، احسبه عن عمه زاهر بن حرب، ان سبب هلاك جعفر والبرامكة ان الرشيد كان لا يصبر عن جعفر وعن اخته عباسة بنت المهدی وكان يحضرهما اذا جلس للشرب۔

فقال لجعفر ازوجكها ليحل لك

احمد[۲] بن زہیر نے مجھ سے بیان کیا اور میں گمان کرتا ہوں کہ اس نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے سنا ہوگا کہ جعفر برمکی اور اس کے خاندان کی ہلاکت کا سبب یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو بغیر وزیر جعفر اور اپنی بہن عباسہ کے ایکدم بھی صبر نہ آتا تھا اور یہ دونوں رشید کے جلسہ مے نوشی میں شریک ہوا کرتے تھے (لہذا رشید نے

---

[۱] تاریخ طبری کبیر صفحہ ۶۷۶ جلد ۱۰ ذکر ایقاع الرشید بالبرامکہ مطبوعہ ہالینڈ
[۲] اعلام الناس میں بروایت ابراہیم بن اسحٰق، راوی کا نام ابو نور زاہر بن منقلاب لکھا ہے۔

النظر، ولا یکون منه شیٔ مما یکون للرجل الی زوجۃ فزوجھا منہ علیٰ ذلک"	اس خیال سے کہ یہ دونوں میری بزم طرب میں ہمیشہ شریک ہوا کریں) جعفر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ عباسہ کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں تاکہ تم کو عباسہ کا شرعاً دیکھنا مباح ہو جائے اور تم دونوں بلا تکلف جمع ہوسکو، لیکن شرط یہ ہے کہ میاں بی بی میں مقاربت نہ ہو۔ چنانچہ اس شرط پر نکاح ہوگیا۔

احمد بن زہیر کی روایت کی غلطیاں

علمار نے جرح کے جو اُصول لکھے ہیں، اس روایت کو اب اس نظر سے دیکھئے تو واضح ہوگا کہ طبری نے یہ الفاظ صرف احمد سے سُنے، اس کے بعد مورّخ نے اُن راویوں کے نام نہیں لکھے، جن سے احمد نے یہ روایت سُنی تھی اور آگے چل کر خود ہی فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ شاید احمد نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے یہ واقعہ سُنا ہوگا۔ لہذا اُصولاً یہ مہمل روایت کسی طرح اس قابل نہیں ہے کہ وہ ایک عظیم واقعہ (قتل جعفر) کی بنیاد قرار دی جائے۔ اور طبری کا محض ذاتی گمان، تاریخی حیثیت سے گمان فاسد کے درجہ میں ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ احمد کی روایت کس حد تک قابل سند ہے۔ کیونکہ واقعات تاریخی کے استدلال میں صرف وہی روایت مستند سمجھی جاتی ہے جس میں سند کا سلسلہ علی التواتر ہو اور سب سے اخیر راوی جس پر اخبرنا و حدثنا کا سلسلہ ختم ہو، ایسا شخص ہونا چاہیئے کہ جو اُس واقعہ میں شریک رہا ہو۔

جو سلسلہ روایت طبری نے لکھا ہے وہ احمد سے چل کر زاہر پر ختم ہو جاتا ہے جو ایک ہی معتزلہ خاندان کے دو آدمی ہیں۔ اُن میں سے کسی ایک کا بھی رشید کی بزم طرب میں یا مشورہ قتل جعفر میں موجود ہونا پایا نہیں جاتا ہے۔ کیونکہ خود طبری نے اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جو مشورہ قتل میں اوّل سے آخر تک ہارون الرشید کے شریک و سہیم رہے

ہیں جو مؤرخ اس کے مدعی ہیں کہ جعفر کا نکاح عباسہ سے ہوا اور یہی نکاح خاندان برامکہ کی بربادی کا باعث ہوا اور ایک ہزار یا بارہ سو برمکی قتل ہوئے۔ اُن کی دلیل روایت کی حیثیت سے بس یہی ہے کہ اس کو امام المورخین طبری نے لکھا ہے۔ لیکن خود اُنہوں نے اس کی جانچ نہیں کی ہے کہ طبری کے کون سے ایسے الفاظ ہیں جو قطعی طور پر شہادت میں پیش ہو سکتے ہیں۔ علاوہ بریں طبری کی روایت پر جو حواشی لکھے گئے ہیں۔ اُن میں کوئی سلسلہ سند متصل کا نہیں ہے جس پر اعتبار کیا جائے بلکہ شاعرانہ خیالات کی بنا پر جو دل میں آیا ہے لکھتے چلے گئے ہیں۔

طبری نے عقد عباسہ کی صرف دو وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ ہارون الرشید کو جعفر اور عباسہ دونوں سے ایسا عشق تھا کہ جب تک دونوں پیش نظر نہ ہوں بے قرار رہتا، اور کسی طرح صبر ہی نہ آتا۔ دوسری یہ کہ رات کی مجلس میں دونوں آتے تھے مگر جعفر عباسہ کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ (چہرہ پر نقاب ہوتا ہوگا) اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ شرائط خاص پر عقد کر دیا جائے تاکہ عباسہ کا جعفر کو دیکھنا مباح ہو جائے۔ پہلے سبب کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کو فطرۃً اپنی بہن عباسہ سے اور بلحاظ ذاتی قابلیت وزیر جعفر سے ایسی محبت ہو جو عشق کے درجے تک پہنچتی ہے۔ لیکن صرف مجلس میں دونوں کو شریک کرنے کے واسطے ایسی تکلیف اور خلاف شرع فعل کرنے کی ہارون کو کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فضل، جعفر، ویحیٰی۔ ہارون الرشید کی اجازت سے حرم میں جاتے تھے اور خلیفہ کی خواتین یعنی بیٹیاں اور بہنیں اُن کے سامنے آتی تھیں۔ کوئی پردہ نہ کرتا تھا۔ کیونکہ فضل وہارون برادران رضاعی تھے۔ سلطنت اور وزارت کے خاندان میں کوئی مغائرت نہ تھی۔ باہمی میل جول اور معاشرت کے آداب ویسے ہی برتے جاتے تھے جو باپ، بھائی اور بیٹوں میں ہونا چاہیے۔

پندرہ سال کی عمر تک جعفر نے قصر الخلد میں پرورش پائی تھی۔ لیکن

حقیقت[1] یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کے رقیبوں نے محض بدنام کرنے کے واسطے یہ فسانہ تصنیف کیا ہے اور یہ امر کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ ہرون الرشید جو خاندان رسالت کا ایک رُکن ہے اور فقہ و حدیث جس کے گھر کی چیز ہے وہ اپنی عزیز بہن کا نکاح ایک مجوسی سے کریگا اور وہ بھی اس شرط پر کہ زوجین میں خلوت نہ ہو۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ اس شرط پر نکاح ہوگیا تو ظاہر ہے کہ یہ نکاح باطل ہے۔

طبری نے قتل جعفر کے ایک سَو سولہ سال کے بعد تاریخ لکھی ہے اور طبری کے بعد چھٹی ساتویں صدی ہجری تک ابن اثیر (مصنف تاریخ کامل) و ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) وغیرہ نے بھی جو نامور مورخ ہیں اسی کمزور بنیاد پر ایک عالی شان عمارت بنائی ہے اور متاخرین نے تو فی الحقیقت ایک ڈرامہ تیار کیا ہے (تفصیل آتی ہے) لیکن واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے یہ ضعیف روایت کسی حال میں قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ عباسہ کا فسانہ بھی لیلیٰ مجنوں کی داستان کی طرح باوجود عام شہرت کے سرتاپا غلط ہے[2]۔

مورخ طبری، اور ابن اثیر وغیرہ کے بعد متاخرین میں تین مورخ ایسے ہیں جنہوں نے رسّی کا سانپ بنایا ہے۔ اور بغیر مستند اسناد کے ناول کی حیثیت سے جعفر و عباسہ کے نکاح کو تفصیل سے لکھا ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنقید سے قبل وہ روایتیں قلمبند کی جائیں۔

---

[1] دیکھو اعلام الناس صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ بمبئی۔ شیعی علماء بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ جعفر کے قتل کا سبب عباسہ کا معاملہ تھا لیکن جناب رئیس المحدثین سید نعمت اللہ الموسوی الحسنی الجزائری نے اپنی کتاب زہر الربیع میں حسب ذیل سبب لکھا ہے۔ "سبب استیصال برامکہ ظاہرا حکایت خواہر رشید بود واما سبب حقیقی آں پس نفرین حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کہ در موقف عرفات بر ایشان نفرین کرد۔ بسبب آنکہ ایشان حضرت کاظم علیہ السلام را سعایت کردند و سبب شہادت آں جناب ایشان بودند جلد اول صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ بمبئی۔

[2] جدید تحقیقات نے مجنوں کے وجود کو ایک اسم فرضی قرار دیا ہے اور اس موضوع پر ایک پوری کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۔ تاریخ آلِ برمک اس تاریخ کا مصنف ضیاء الدین برنی ہے، جو فیروز شاہ تغلق کے دربار کا مورخ ہے۔ اس نے تقریباً ۷۵۰ھ میں تاریخ برامکہ لکھی ہے۔ دیباچہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ برنی نے محمد بن علی بن اسمٰعیل ملقب بہ امام قفال (متوفی عہد محمود غزنوی) کی عربی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ اصلی کتاب مفقود ہے۔ صرف ترجمہ باقی ہے۔ جس میں ممکن ہے کہ مترجم نے بطور خود کمی بیشی کی ہو۔ کیونکہ طبری کے روایت پر مسلسل ساتویں صدی تک بکثرت حاشیئے چڑھ چکے تھے۔ چنانچہ برنی لکھتا ہے:۔

خلیفہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں کے بعد شب کو عیش و طرب کے جلسوں میں بیٹھا کرتا تھا اور باوجود صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے اُس کی یہ مجلس رندانہ ہوتی تھی۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا، بے تکلف احباب جمع ہوتے اور نبیذ[۲] کا دور چلتا اس قسم کے جلسوں میں خلیفہ کی بہن عباسہ بھی شریک ہوا کرتی تھی۔"

عباسہ میں علاوہ حسن و جمال کے سلیقہ شعاری اور علم و ادب تمام بیگمات حرم سے زیادہ تھا۔ اس لئے ہارون الرشید کو کمال محبت تھی اور فطری محبت کے علاوہ خاص اتحاد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلیفہ ہادی اپنے عہد حکومت میں ہارون کو تخت سلطنت سے محروم کرنا چاہتا تھا اور دعویدار خلافت سمجھ کر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔ اُس وقت یہ عزیز بہن ہادی کو سمجھاتی تھی، کہ "بھائی جان! ہارون پر اس قدر سختیاں کرنا خلاف مصلحت ہے۔ آپ کے

---

[۲] خلیفہ ہارون الرشید کی مے نوشی سے علامہ ابن خلدون نے انکار کیا ہے۔ لیکن نبیذ کا پینا اُن کو بھی تسلیم ہے۔ یہ نبیذ کھجور کی تاڑی ہوتی تھی جس کو رنگین طبع بجائے شراب کے استعمال کرتے تھے اور علمائے عراق نے اُس کی جواز کا فتویٰ دیدیا تھا چنانچہ ابونواس لکھتا ہے۔ ؎ اباح العراقی النبیذ و شربہ عراقی سے امام ابو حنیفہ مراد ہیں (ثمرات الاوراق) اور اس قسم کے جلسے اور مے نوشی خلفاء میں عام طور سے تھی۔ بلکہ اس وقت کی عام معاشرت کا یہ نمونہ تھا۔ اور مے نوشی سے ہر جگہ نبیذ کا دور مراد ہے۔

[۱] تاریخ برنی قلمی ۱۱۱۲ھ احمد آباد گجرات، برنی کے علاوہ امام قفال کی تاریخ کے اور بھی ترجمے ہوئے ہیں۔

بعد خلافت کا وارث ہارون ہے" چنانچہ اُس وقت کی سفارشوں کا بھی کچھ اثر تھا جو ہارون کے دل پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ غرضکہ از حد محبت تھی لیکن جیسی بہن عزیز تھی ویسا ہی جعفر برمکی وزیر السلطنتہ بھی پیارا تھا۔ ایسے جلسوں سے جعفر کی غیر حاضری بھی ہارون کو شاق گزرتی تھی۔ کیونکہ جعفر کی بذلہ سنجیاں اور ہر موقع پر عمدہ اشعار پڑھنا ہی اس جلسے کی ایک قابل قدر چیز تھی۔ اس لئے ہارون کی یہ خواہش تھی کہ اس بزم طرب میں بلا ناغہ جعفر اور عباسہ دونوں شریک ہوا کریں لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ عفت مآب، پارسا، شہزادی جعفر کے سامنے آتے ہوئے جھجکتی تھی اور ایک جگہ بیٹھنا ناپسند کرتی تھی۔ لیکن مجبوراً بھائی کے حکم کی تعمیل کرتی تھی اس حجاب کے دفعیئے کی ہارون نے یہ تدبیر نکالی کہ دونوں کا عقد کر دیا جائے کہ جو مغائرت اس وقت ہے وہ جاتی رہے۔ چنانچہ اپنے اس خیال کو ایک مرتبہ جعفر سے باین الفاظ ظاہر کیا کہ "جو دلی محبت تم سے ہے وہ ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عباسہ سے مجکو کس قدر اُنس ہے لہذا میری خواہش ہے کہ میں تم دونوں کا عقد کر دوں۔ اس طور پر ایک دوسرے کا دیکھنا مباح ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خلوت صحیحہ نہو۔ اور جب تک میں موجود نہ ہوں تم دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہو۔" خلیفہ کا یہ بیان سُنکر جعفر حیرت زدہ رہگیا اور خلیفہ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ " امیر المومنین ما باوجود اس مہربانی کے جو میرے حال پر ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری جان اور مال اور میرے خاندان کی تباہی کبھی پسند نہ فرمائیں گے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی غلام اور خادم نے اپنے ولی نعمت کے خاندان میں شادی نہیں کی ہے۔ اگر کسی نے ایسا خیال بھی کیا تو وہ خاناں برباد ہوا۔ اور قیامت تک بدنامی اور رسوائی کے داغ سے نہ چھوٹا۔ آخر میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ خلیفہ میرے خون کا پیاسا ہے کیا میری خدمت گزاری کا یہی صلہ ہے کہ خاندان برامکہ تباہ و برباد کر دیا جائے۔ علاوہ بریں میں ایک عجمی، آتش پرست ہوں (باعتبار خاندان) مجکو خاندان رسالت سے (روحی فداہ) نسبت ہی کیا ہے میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں کہ میرا نکاح حضرت عباسہ سے کیا جائے۔ میرے ماں باپ، بھائی

جس وقت اس خبر کو سُنیں گے۔ تغیر مزاج امیر المومنین سے فوراً ہلاک ہو جائیں گے اور میرے دشمن اس خبر کو سُن کر خوش ہونگے اور اِس کو میرے اقبال کا خاتمہ سمجھیں گے۔ امیر المومنین! عجم کی تواریخ پر غور فرمائیں کہ سلطنت اکاسرہ کی سات سو برس کی مدت میں کوئی واقعہ بھی ایسا گزرا ہے کہ کسی نے اپنی بہن یا بیٹی کا عقد ایک ادنیٰ نوکر یا غلام سے کر دیا ہو، بلکہ اس قسم کی قرابت میں بہت احتیاط کی ہے اور بلا سوچے سمجھے کبھی ایسی جرأت نہیں کی ہے۔ اگر کسی غلام نے حرم میں دست درازی کی ہے تو وہ نمک حرام کہلایا ہے۔ اور تباہ ہو گیا ہے۔ بلحاظ تقدس نسب یہ کیونکر جائز ہے کہ شہزادی عباسہ کے شوہر ہونے کی عزت مجھے نصیب[1] ہو۔" چنانچہ جعفر کو اس خیال سے اس درجہ پریشانی ہوئی کہ چند روز کے واسطے کھانا پینا بھی چھوٹ گیا۔ لیکن قضائے الٰہی سے کوئی چارہ نہ تھا ہرون الرشید کے جاہ و جلال کے مقابلے میں جعفر کا کوئی عذر نہ سُنا گیا اور شرط مذکورۂ بالا پر نکاح ہو گیا۔ جب اس نکاح کی یحییٰ و فضل وغیرہ کو اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور خوب روئے اور تمام خاندان سوگوار بن گیا۔

اور یحییٰ وغیرہ کا اُس وقت یہ خیال تھا کہ "جب تمام دنیا میں ہماری شہرت ہو گئی اور ہمارے جود و سخا نے تمام عالم کو گھیر لیا۔ تو ہارون کو ہم پر رشک آیا ہے اور اس فکر میں ہے کہ ہمارے خزانے لوٹ لے۔ اور جاگیریں ضبط کرے یہی عباسہ سبب ہماری ہلاکت کا ہو گی۔ بس خاندان کا اب خاتمہ ہے۔ موت کا زمانہ قریب ہے جس کا انتظار ہر وقت کرنا چاہیئے۔" جب نکاح کے بعد عباسہ و جعفر جلسوں میں شریک ہونے لگے تو ایک دفعہ پھر دونوں کو ہارون الرشید نے مخاطب کر کے کہا "دیکھو! خدا کی قسم میں پھر تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ جس فعل سے میں نے تم کو روکا ہے کبھی بھولے سے اس کا خیال نہ کرنا۔ کسی چھت کا سایہ تم دونوں پر نہ پڑے جب تک ہارون وہاں موجود نہ ہو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ بغیر میری موجودگی تم دونوں ایک جگہ جمع ہو۔" چنانچہ دونوں نے اس نصیحت کو سُنا اور جہاں تک ممکن ہوا جعفر اپنے قول میں

[1] یہ روایت بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی قابل تعریف کوشش کی ہے اور امام قفال کی روایت کا ماخذ کیا ہے یہ خود مورخ نے نہیں بتایا۔

عرصے تک ثابت قدم رہا۔ نکاح کے بعد اب کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اس لئے ہارون الرشید کی مجلس عیش میں بے تکلف دونوں شریک ہونے لگے۔ جب روزانہ نشست سے ایک کو دوسرے کے حسنِ خداداد کے نظارے کا موقع ملا۔ تو طرفین میں محبت بڑھنے لگی۔ لیکن ہارون کی موجودگی میں سوائے معمولی گفتگو اور ظاہری نظارے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ عباسہ جعفر سے روز بروز مانوس ہوتی جاتی تھی چنانچہ جب ہارون الرشید کو یہ معلوم ہوا کہ فریقین میں شیفتگی بڑھ رہی ہے تو اُس کو اس نکاح پر نہایت افسوس ہوا، اور عباسہ کی آمد و رفت میں بھی کمی کر دی۔ کیونکہ ایک دم سے تفرقہ کرنا بھی مصلحت[1] نہ تھا جب کسی قدر روک ٹوک ہوئی تو عباسہ نہایت بے چین ہوئی اور حالت بے صبری میں اپنی دِلی حالت بذریعہ تحریر جعفر تک پہنچائی۔ لیکن جعفر نے قاصد کو حقارت سے نکال دیا۔ اور خط کا کچھ جواب[2] نہ دیا۔ جب اس تدبیر میں کامیابی نہ ہوئی تو اُس نے دوسری تدبیر یہ سوچی کہ عتابہ[3] مادر جعفر برمکی سے میل جول بڑھایا اور نہایت قیمتی جواہرات اور تحائف عتابہ کے نذر کئے جب کسی قدر اپنے موافق کر لیا تو ایک دفعہ عباسہ نے عتابہ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ "خاندان عباسیہ سے جو جدید تعلقات خاندان برمکی کے ہوئے ہیں۔ وہ جعفر کے واسطے باعث فخر ہیں اور یہ رابطہ دن بدن قوی ہونا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تعلق باعث زوال ہوگا۔ اور جعفر کو کسی قسم کا نقصان پہنچیگا۔ جہاں تک ہو سکے آپ کو میری مواصلت میں سعی کرنا چاہیئے"۔ چنانچہ عتابہ نے عباسہ کا کہنا مان لیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی حیلے

---

[1] مورخ کے یہ الفاظ ہیں۔ ہارون الرشید بفراست دریافت کہ میان ایشاں رفت انچہ رفتنی بود و از آن ترود کج بشورید و درحال تفرقہ کردن مصلحت ندید۔ وجعفر و عباسہ بہ جہت مواصلت در حیلہ وچارہ شدند"۔

[2] مسعودی نے بھی یہی لکھا ہے کہ قاصد کو جعفر نکال دیتا تھا۔ لیکن یہ بھی غلط روایات کا ایک جزو ہی۔

[3] مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ ایک مشاطہ جو جعفر کے محل کی کنیزوں کا بناؤ سنگار کیا کرتی تھی۔ عباسہ نے رشوت دیکے اُس کو اپنی طرف ملا لیا تھا۔ اور لونڈیوں کے روپ میں اُسی کے ذریعے سے جعفر تک عباسہ پہنچ گئی۔ اعلام الناس صفحہ ۱۵۳۔

سے میں تم کو جعفر سے خلوت میں ملادونگی[1]۔ اب عتابہ نے حیلے ڈھونڈھنا شروع کئے اور جعفر سے کہا کہ سنتی ہوں ان دنوں ایک کنیز بکنے والی ہے۔ جو ملاحت۔ صباحت کے علاوہ نہایت ہوشیار ہے۔ بلکہ آج اسکا مثل نہیں ہے۔ اور اس درجہ اس کی تعریف کی کہ جعفر غائبانہ مشتاق ہوگیا۔ اور بے صبر ہو کر ماں سے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ کنیز خریدی جائے۔ چنانچہ عتابہ نے اقرار کیا کہ فلاں شب کو وہ آجائیگی اور عباسہ کو اس حال سے مطلع کر دیا۔ لیکن عباسہ نے عتابہ کی ہدایت پر عمل نہیں کیا بلکہ اس ملاقات کے واسطے خود ہی یہ تدبیر سوچی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی باغ میں دعوت کی جائے۔ عباسہ کا یہ باغ دجلہ کے کنارے نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا۔ چنانچہ عباسہ نے ہارون سے درخواست کی کہ اگر آپ مع مصاحبین وارکان سلطنت میری دعوت قبول فرمائیں تو کمال مہربانی اور عزت افزائی ہے۔ اور میری یہ آرزو ہے کہ دس شبانہ روز تک باغ میں جشن منایا جائے۔" ہارون نے اپنی عزیز بہن کی دعوت کو نہایت خوشی سے قبول کیا۔ عباسہ نے شاہانہ تکلف سے دعوت کی۔ اور مہمانداری کی کوئی شرط فروگذاشت نہیں ہوئی دستور کے موافق ہر روز ایک حسین کنیز خلیفہ کی خواب گاہ میں بھیجی جاتی تھی۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو عباسہ نے ہارون سے کہا کہ "آج تیسری رات ہے جعفر تنہا سوتا ہے کوئی کنیز بھی خدمت کے واسطے نہیں بھیجی گئی۔ اور بلا اجازت کنیز کو کیونکر بھیجتی۔ ہارون نے کہا غلطی ہوئی آج ضرور بھیجنا چاہیئے۔ اگرچہ عباسہ نے ہر روز ایک کنیز جعفر کے پاس بھیجی تھی مگر مصلحتاً انکار کر گئی۔ جب ہارون سے کنیز کے بھیجنے کی اجازت مل گئی تو عباسہ نے آج خود لونڈیوں کا سا روپ بھرا۔ اور شب خوابی کا لباس پہن کر جعفر کے پاس پہنچی۔ اگرچہ عباسہ نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ جعفر اس کو نہ پہچان سکے

[1] ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ہر جمعہ کو ایک باکرہ کنیز جعفر کے پاس خلوت میں بھیجی جاتی تھی۔ چنانچہ عباسہ نے عتابہ سے بھی درخواست کی تھی کہ ایک جمعہ کو لونڈی کے روپ میں مجھے بھیج دو۔ لیکن عتابہ نے اس شرط کو اول نہیں مانا۔ تب عباسہ نے عتابہ سے کہلا بھیجا کہ اگر میری یہ شرط نامنظور کی تو میں ہارون سے کہدونگی کہ مجھ سے ایسا ایسا سلوک کیا گیا ہے۔ اور اگر میں جعفر سے حاملہ ہوگئی تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔ [2] ایسی محل اندام کنیز نہیں

لیکن جعفر نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور ہارون کے خوف سے کانپنے لگا اور عباسہ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اے سیدہ میری ہلاکت میں کوشش نہ کر۔ میرے خاندان کی ذلت اور تباہی کا باعث نہ ہو۔ تمہارے اور میرے دشمن بہت ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ یہ حال ظاہر نہ ہو۔ صلۂ رحم اور محبت کا جوش ہارون سے سفارش کر کے تم کو قتل سے بچا لیگا لیکن میرے بھائی اور باپ ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے اور یہ تم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ خلیفہ ہمارا دشمن ہے اور اس قسم کے بہانے ڈھونڈھ رہا ہے۔ عباسہ نے جعفر کی باتوں پر کچھ لحاظ نہ کیا اور مذاق میں اڑا دیا اور نہایت نرم اور شیریں الفاظ میں جعفر سے کہا کہ "میرے پیارے شوہر! کیا شرعاً میں تجھ پر حلال نہیں ہوں۔ میری طرف دیکھ! کیا میری نظیر دنیا میں ہے۔ میرے اوپر سے ہزاروں جانیں قربان ہوں۔ تجھکو کیا ہو گیا ہے۔ کیا تو میرا شوہر نہیں ہے اور میں تو کبھی کبھی ملنے کی خواستگار ہوں۔ اور اس حال سے کسی کو خبر بھی نہ ہو گی۔ جعفر کے دل پر عباسہ کی تقریر کا پورا اثر پڑا۔ نہ ہارون کے معاہدے کا کچھ خیال رہا۔ نہ خاندان کی بربادی کی پروا کی اور اس خلوت کدے میں بتقضائے فطرت وہ سب کچھ ہو گیا جسکا ہارون مانع تھا۔ دس دن کے بعد دعوت کا جلسہ ختم ہو گیا۔ اس بے تکلفی کی ملاقات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۹) جس سے خلفائے عباسیہ کی مجلس کا رنگ دوبالا ہو جاتا تھا۔ وہ روم۔ ایشیائے کوچک کی خوبصورت لڑکیاں ہوتی تھیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی تھیں۔ دلال ان کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے اور موسیقی، شاعری ایام العرب، ادب، خوشنویسی، ظرافت اور حاضر جوابی کی تعلیم دلاتے تھے۔ ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمت پر بازار میں بکتی تھیں۔

[1] ابن بدروں لکھتا ہے کہ جعفر نے عباسہ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور خلوت ہونے کے بعد جب عباسہ نے اپنا نام بتایا اسوقت جعفر کو ہوش آیا۔ لہذا اس روایت سے کامل اثیر کی روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔

[2] مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ زبیدہ نے اول یہ حالات خود نہیں بیان کئے بلکہ ارجوان خادم کی زبانی ہارون تک پہنچائے اور یہ خادم جعفر کے پاس بطور مخبر کے تعینات تھا۔ جب ارجوان نے سب حالات بیان کر دیئے تو خود اس کی تائید کی اور بہت کچھ بڑھا کر عباسہ اور جعفر کی شکایت کی۔ اسکے بعد ہارون الرشید نے ارجوان کو قتل کر دیا تاکہ یہ راز افشا نہ ہو۔

بعد چوری چھپے سے دونوں کبھی کبھی ملا کرتے تھے "

اس روایت میں بہ سلسلۂ دعوت جو حالات بیان کیئے گئے ہیں وہ عباسہ جیسی شریف خاتون سے بہت بعید ہیں۔ اسی طرح عتابہ کا جعفر کے خلوت کدہ میں عباسہ کو کنیز کے لباس میں بھیجنا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ ایک محترم ماں بیٹے کے لیئے دلالہ پن کرے یہ کمینہ حرکت ہے۔

۲۔ روضۃ الصفا | یہ تاریخ مصنفہ میر خواند بن خاوند شاہ (متوفی ۹۰۳ھ) کی ہے۔ زوال برامکہ کے حالات میں اس مورخ نے بھی اول طبری اور اس کے بعد برنی کی روایت کا اعادہ کیا ہے[۱]۔ اور عباسہ کے متعلق لکھا ہے کہ جعفر کے پاس کنیز کے لباس میں بھیجی گئی تھی جب صبح ہوئی تو عباسہ نے جعفر سے دریافت کیا فرمائیے؟ بنات ملوک میں کیا لطف ہے؟ یہ سنتے ہی جعفر کا نشہ اُتر گیا اور اپنی غلطی پر پشیمان ہوا۔ اور وضع حمل کے بعد یہ راز فاش ہو گیا۔ لیکن اس وقت تک صرف عباسہ کی کنیزیں واقف تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے زبیدہ خاتون کو جملہ حالات سے اطلاع دی اور زبیدہ نے ہرون الرشید سے تذکرہ کیا۔ ہرون الرشید نے زبیدہ سے کہا کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جعفر نے میرے حکم کے خلاف ورزی کی، زبیدہ نے جواب دیا کہ عباسہ کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا ہے اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اور یہ لڑکا مکہ معظمہ ایک غلام ایاس کی نگرانی میں بھیج دیا گیا ہے۔ رشید یہ سُن کر چپ ہو گیا اور زبیدہ سے کہا کہ دیکھو خبردار محل کی کوئی کنیز اس حال سے واقف نہ ہونے پائے۔ اور تحقیقات کی غرض سے اس نے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔

۳۔ اعلام الناس | فانڈبک امریکانی کی تحقیقات کے مطابق یہ کتاب ۱۱۰۳ھ کی تصنیف ہے۔ ابتدار میں مصنف نے جو تمہید لکھی ہے وہ روایت طبری کے مطابق ہے، صرف

[۱] اس مورخ کی رائے میں جعفر و عباسہ کا قصہ محض فسانہ ہے۔ عام مورخین کی تقلید میں اگرچہ اس نے زوال برامکہ میں حالات لکھے ہیں، لیکن صفائی میں یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ "از آں جملہ قضیہ جعفر و عباسہ خواہر ہرون الرشید است و این قضیہ را خامہ مشکیں رقم از ثقہ نقل میکند اگر فی الجملہ مخالفتے بروایات مسودہ داشتہ باشد معذور دارند" (حدیقہ صفحہ ۱۷۲)

اسقدر کمی ہے کہ اس میں شراب نوشی کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بجائے عباسہ کے پورے قصہ میں میمونہ کا نام ہے۔ اور جو حالات میں وہ عباسہ کے مطابق ہیں لہذا اس روایت میں عباسہ ہی کا نام درج کیا گیا ہے۔ ہرون الرشید کو جعفر و عباسہ کا واقعہ ایک غلام کی زبانی معلوم ہوا، جس کا نام ارجوان تھا۔ یہ بطور جاسوس کے جعفر کے محل میں تعینات تھا۔ اس نے رشید سے بیان کیا کہ جعفر و عباسہ میں سات برس سے مخفی تعلقات ہیں اور تین لڑکے پیدا ہو چکے ہیں، چنانچہ ایک چھ سال کا دوسرا پانچ سال کا موجود ہے اور تیسرا دو سال کا ہو کر فوت ہو چکا ہے۔ اور عباسہ اسوقت بھی حاملہ ہے۔ اور وہ دو بچے مدینہ منورہ روانہ کر دیئے گئے ہیں تاکہ افشائے راز نہ ہو۔" (لڑکوں کی تعداد میں اختلاف ہے)

یہ حالات سنتے ہی رشید نے سب سے پہلے ارجوان کو مصلحتاً قتل کرا دیا۔ اس کے بعد محل میں زبیدہ خاتون کے پاس گیا، اور اپنی ذلت و رسوائی کا حال بیان کیا۔ خاتون نے حالات معلوم ہونے پر خود رشید کو ملزم بنایا۔ اور اسی حالت غیظ و غضب میں رشید نے مسرور غلام کو طلب کیا اور حکم دیا کہ آج رات کو جلاد اور دس مزدور حاضر رہیں، چنانچہ شب کو عباسہ کی خوابگاہ میں گیا اور عباسہ کو حاملہ پایا۔ اور اس کو سوتے میں قتل کرایا۔ اور جس طرح سو رہی تھی ویسی ہی اس کی نعش کو ایک صندوق میں رکھکر قفل لگایا، اور صندوق کو کنواں کھود کر دفن کیا۔ پھر مسرور کو حکم دیا کہ مزدوروں کو ان کی اجرت ادا کر دو۔ مسرور نے (رشید کی اشارہ کے مطابق) مزدوروں کو بوروں میں سی کر وسط دجلہ میں غرق کر دیا۔

مسرور نے تعمیل حکم کے بعد رپورٹ پیش کی، اس کے بعد ہرون الرشید نے عباسہ کے مدفن کی کنجی مسرور کو دیکر تاکید کی کہ اس کو احتیاط سے رکھنا، جب میں طلب کروں پیش کر دینا۔

ص۳ الکتفاء القنوع بماھو مطبوع صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ مصر۔ (متعلق صفحہ ۴۷۱)

متاثر ہوتا تھا۔طواف مکہ میں دعائیں مانگتا تھا پنجگانہ نماز کا پابند تھا صبح کی نماز اول وقت جماعت سے ادا کرتا تھا اور ہر روز سو رکعتیں نفل کی پڑھتا تھا۔اگر ایک سال فتوحات ملکی میں رہتا تو دوسرے سال حج کو جاتا تھا۔ابن ابی مریم جو اس دربار کا ایک مسخرہ تھا اُس پر ایک مرتبہ سخت ناراض ہوا جبکہ اُس نے نماز میں ہنسانا چاہا اور یہی رشید ہے کہ جس نے امام مالک سے موطا لکھنے کی فرمایش کی تھی جو ایسا شخص ہو بھلا وہ کیونکر دائم الخمر ہو سکتا ہے اور زمانہ جاہلیت کے بھی تمام شرفا شراب سے پرہیز کرتے تھے اور اس کا پینا برا جانتے تھے۔یہی ہارون الرشید ہے جس نے ابو نواس اپنے دربار کے ملک الشعراء کو اس جرم پر جیلخانہ بھیج دیا کہ وہ ہمیشہ شراب خواری میں مست رہتا ہے۔ہاں اس سے انکار نہیں کہ وہ نبیذ پیتا تھا جس کی حلت کا علمائے عراق نے فتویٰ دیدیا تھا لیکن شراب کا پینا تو بالکل ہی غلط ہے۔یہ شہرت بھی اخبارات موضوعہ سے ہے جو برابر[1] تاریخوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے[2]۔"

اسی سلسلہ میں علامہ ابن خلدون کی یہ رائے بھی قابل توجہ ہے کہ فن تاریخ بظاہر تو نہایت آسان ہے اور اس کا سمجھنا ہر عالم وجاہل کو یکساں ہے۔کیونکہ گزشتہ زمانے کے واقعات اُس سے خوب معلوم ہوتے ہیں۔لیکن درحقیقت اس کے واسطے نہایت غور و تامل کی ضرورت ہے تاکہ ان واقعات کے اسباب دریافت ہوں۔مثلاً فلاں واقعہ کیوں ہوا۔اور اُس کے شروع ہونے کا سبب کیا تھا اور پھر انجام کیا ہوا اسلئے فن تاریخ کو ایک عمدہ فن۔فنون حکمت سے سمجھنا چاہئے۔مسلمانوں میں بڑے لائق مورخ ہوئے ہیں جنھوں نے تاریخ اور اخبار کو عمدہ طور پر جمع کیا ہے۔مگر انکے بعد جو مورخ ہوئے اُنھوں نے تاریخ کو لغو اور وہمیات سے خلط ملط کر دیا ہے اور وہی بیہودہ باتیں اور ضعیف روایتیں اور فرضی قصے کہانیاں ہم تک پہنچا دی ہیں۔نہ جن کے واقعات پر غور کیا گیا ہے نہ حالات کی تنقیح پر توجہ کی گئی ہے اس لئے فن تاریخ میں تحقیق اور تنقیح کم ہے اور اوہام و غلطیاں بہت ہیں۔

---

[1] از مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰ لغایت ۱۲

[2] علامہ ابن خلدون نے عقلی دلائل سے اس روایت کی تردید کی ہے۔اگر علامہ کوشش کرتے تو صحیح حالات مل جاتے بہر حال موصوف کے زمانہ تک جعفر و عباسہ کا قصہ عام روایت کی بنا پر مشہور تھا۔جس کی تاریخی حیثیت سے تکذیب کی گئی ہے۔

آگے چل کر تاریخ کی فضیلت میں لکھا ہے کہ "جو شخص[1] دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق چاہتا ہو اُسے تاریخ سے واقف ہونا ضرور ہے۔ لیکن اس فن میں چند امور کا لحاظ رکھنا واجبات سے ہے اول ماخذ کا دریافت کرنا۔ دوسرے اُس پر غور و تامل کرنا اور اُس کی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا۔ کیونکہ یہی دو باتیں انسان کو لغزشوں اور غلطیوں سے بچاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور محض نقل و روایت پر اعتبار کیا جائے اور عادت و سیاست اور دنیا کی طبیعت اور جماعت انسانی کے مستحکم اصول پیش نظر نہ رکھے جائیں اور غائب کو حاضر پر اور گزشتہ کو حال پر قیاس نہ کیا جائے تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کبھی نہیں بچے گا۔ اور قدم اس کا راہِ راست سے ضرور ڈگ جائے گا۔ اور اکثر مورخین، مفسرین، اور ائمہ نقل سے واقعات روایات کے بیان کرنے میں یہی غلطی ہوئی ہے کیونکہ اُنہوں نے محض نقل پر بھروسہ کر لیا اور اُسکے عیب و صواب پر نظر نہ کی نہ اُن کو اُصول و قواعد سے جانچا نہ نظائر و شواہد پر قیاس کیا نہ حکمت و عقل کی کسوٹی پر کسا۔ نہ خود موجودات کے طبائع سے واقف ہوئے نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ کو ان باتوں کی تحقیق میں دخل دیا۔ اس لئے وہ حق سے بہک گئے اور وہم و غلطی کے جنگل میں جا پڑے خصوصاً اعداد[2] کے بیان اور مال و لشکر کے شمار میں تو اُنہوں نے ایسا مبالغہ کیا ہے کہ بادی النظر میں جھوٹ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔"

جعفر و عباسہ کے نکاح کی جملہ روایتیں نقل کر دی گئی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طبری ابن زبیر کی بنا پر روایت منفرد ہے۔ کیونکہ طبری سے قبل اور اس کے بعد کسی مورخ نے احمد بن زہیر کی روایت نہیں لکھی ہے لہٰذا اصولاً یہ روایت متواتر نہیں ہے جو قابل قبول ہو اور تیسری صدی ہجری سے گیارھویں صدی تک اس روایت پر جسقدر اضافہ ہوا ہے، اس نے فسانہ کی صورت اختیار کر لی ہے اور

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۶۔

[2] اس کی نظیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات ہیں کہ میدان جنگ میں صرف وہ نوجوان جن کی عمر بیس برس کی تھی چھ لاکھ تھے علاوہ بصرہ و شام کی فوجوں کے حالانکہ حضرت موسیٰ اور اسرائیل میں صرف چار پشت کا فرق تھا اس قدر مدت یعنی دو سو بیس برس میں نسل کی اس قدر ترقی نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصر میں جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے ہیں تو اس وقت بنی اسرائیل کی کل تعداد ستر نفر تھی۔

ان موضوع روایت میں بھی از حد اختلاف ہے۔ لہذا ابن خلدون کی رائے کے مطابق یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے محض ڈرامہ ہے اور میری رائے میں اس کی ترتیب دینے والے ایرانی ہیں۔ اور انہی روایات کی بنا پر فرانس اور مصر میں جعفر و عباسہ پر ناول لکھے گئے ہیں

حضرۃ عباسہ بنت المہدی
کی
شادی شاہزادہ محمد بن سلیمان عباسی سے

عباسہ کے داستان کا خاتمہ غم پر ہوا ہے۔ لیکن میں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ قتل نہیں ہوئی، اس نے بڑی عمر پائی اور اس کے تین نکاح عباسی شاہزادوں سے ہوئے۔ مورخ طبری[1] نے قدیم تاریخوں کو نہیں دیکھا ورنہ ان کو ذاتی قیاس سے کام نہ لینا پڑتا اور نہ یہ قصہ عالم وجود میں آتا برامکہ کی سب سے پہلی تاریخ کتاب[2] الوزراء والکتاب مصنفہ ابی عبداللہ محمد بن عبدوس الجہشیاری ہمارے سامنے ہے اس میں اشارۃً و کنایۃً جعفر و عباسہ کے نکاح کا تذکرہ نہیں ہے دوسری کتاب المعارف ابو محمد عبداللہ[3] بن مسلم بن قتیبہ دینوری کی ہے۔ یہ ایک مستند مورخ ہے۔ جس نے سب سے پہلے عباسہ کی شادی کا تذکرہ لکھا ہے۔ مورخ[4] کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

ولد المهدی موسی وهرون والبانوقه وامهم الخیزران ام ولد، وعلیا	خلیفہ مہدی عباسی کے خیزران (کنیز شرعی) سے موسیٰ اور ہارون دو بیٹے۔ اور بانوقہ ایک

[1] مورخ طبری پر جو جرح کی گئی ہے وہ تاریخی حیثیت سے ہے۔ چند واقعات کی غلطی سے طبری کی عظمت و شان میں فرق نہیں آسکتا۔ مورخین اسلام میں طبری کا بڑا درجہ ہے۔ [2] مطبوعہ جرمن ۱۳۲۵ھ / ۱۹۲۶ء فوٹوگراف [3] ابن قتیبہ کی ولادت ۲۱۳ھ میں ہوئی اور ۲۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ اور قتل جعفر کے ۸۰ سال کے بعد کتاب المعارف تصنیف ہوئی ہے۔ اور ابن قتیبہ کی عمر کا بڑا حصہ بغداد میں گزرا ہے۔ [4] ابن قتیبہ نحو، لغت اور حدیث میں یکتائے زمانہ تھا۔ کوفہ میں ولادت ہوئی۔ اور بغداد میں پرورش پائی۔ اسحٰق بن راہویہ اور حاتم سجستانی سے تحصیل علم کی۔ المعارف، ادب الکاتب، عیون الاخبار۔ طبقات الشعراء، غریب القرآن، غریب الحدیث، مشکل القرآن۔ دلائل النبوۃ اسکی مشہور تصنیف ہیں خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہد میں مرگ مفاجات سے فوت ہوا۔ دینور (بلاد الجبل) میں عرصہ تک قاضی رہا اسوجہ سے دینوری مشہور ہوا۔

وعبید الله امهما ریطه بنت ابی العباس والعباسه لام ولد، والعالیه ومنصورا وسلیمه امهم البحتریه بنت الاصبهند ویعقوب واسحٰق لام ولد، وابراهیم لام ولد، فاما البانوقه فماتت صغیرة واما العباسه فزوجها هرون من محمد بن سلیمان، فمات عنها فزوجها من ابراهیم بن صالح بن علی (عباسی)	دختر اور ریطہ بنت ابو العباس سے علی و عبید اللہ دو بیٹے۔ اور ایک کنیز سے عباسہ اور بحتریہ بنت الاصبہند سے عالیہ، منصورا و سلیمہ تین بچے اور ایک کنیز سے یعقوب و اسحٰق۔ اور ایک سے ابراہیم۔ چنانچہ بانوقہ نے بچپن میں انتقال کیا باقی رہی عباسہ اسکا نکاح خلیفہ ہرون الرشید نے اول محمد بن سلیمان (بن علی عباسی) سے کیا۔ اور جب محمد کا انتقال ہو گیا تو دوسرا عقد ابراہیم بن صالح بن علی عباسی سے کر دیا۔"

اس روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عباسہ کا یہ پہلا نکاح کس عمر میں ہوا۔ لیکن عباسہ کی ولادت ۱۵۴ھ میں بمقام کوفہ ہوئی تھی۔ اور ۱۷۰ھ میں جس سال ہرون الرشید مسند نشین ہوا ہے، اس نے محمد بن سلیمان کو بصرہ، بحرین، عمان، اہواز اور فارس کی گورنری عطا کی تھی۔ اس حساب سے پایا جاتا ہے کہ یہ نکاح بھی اسی سال ہوا[1]۔ کیونکہ عباسہ کی عمر اس وقت ۱۶ سال کی تھی جو عین شادی کا وقت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ محمد بن سلیمان کا تین سال کے بعد ۱۷۳ھ میں بمقام[2] بصرہ انتقال ہو گیا اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اور خلیفہ ہرون الرشید نے ابراہیم بن صالح (بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب) سے عقد کر دیا۔

---

[1] غازی مختار پاشا نے اپنی مشہور کتاب توفیقات الالہامیہ میں عباسہ کے نکاح کا یہی سال لکھا ہے۔ مطبوعہ مصر۔

[2] محمد بن سلیمان، منصور عباسی کے زمانہ میں بھی کوفہ کا گورنر رہ چکا ہے۔ کامل اثیر جلد ۶ خلافت رشید ۱۲

کتاب المعارف کے علاوہ ابراہیم کے نکاح کی تصدیق طبقات الاطبار سے بھی ہوتی ہے۔ جسکو سالٹہ بن بہلہ طبیب نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ طبیب جس کو عرب صالح کہتے ہیں ہٰرون الرشید کے دربار کا طبیب تھا۔ اور اس نے ابراہیم کا علاج ایسے وقت میں کیا جبکہ وہ بظاہر مر چکا تھا۔ لہٰذا وہ روایت بجنسہ لکھی جاتی ہے۔

صلح (سالٹہ) بن بہلہ ہندی معالج ابراہیم عباسی

(اطبائے ہند میں صالح بہت مشہور تھا۔ اسکے معالجات مشہور ہیں ابوالحسن یوسف بن ابراہیم الحاسب المعروف بہ ابن الدایہ بروایت احمد بن رشید کاتب (بحوالہ مولی سلام الابرش) بیان کرتے ہیں کہ ہارون الرشید کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا تھا اور لوگوں کا مجمع تھا، جبرئیل بن بختیشوع طبیب اُس وقت غیر حاضر تھا امیرالمومنین نے حکم دیا کہ فوراً جبرئیل بھی حاضر کیا جائے، احمد نے جہاں جہاں جبرئیل کے ملنے کی اُمید تھی اُن مکانوں میں تلاش کیا مگر کہیں جبرئیل کا پتہ نہ لگا تب اطلاع کی گئی۔ ہارون، جبرئیل کو بھلا بُرا کہہ رہا تھا کہ اتنے میں جبرئیل بھی آپہنچا ہارون کو اس حال میں دیکھ کر عرض کیا کہ "اگر امیرالمومنین اپنے بھائی ابراہیم بن صالح کے حال پر خاموشی سے آنسو بہاتے تو مناسب تھا۔ تب ہارون نے ابراہیم کا حال پوچھا، جبرئیل نے کہا، کہ

سلہ ابوالعباس احمد بن سدیدالدین قاسم بن خلیفہ مشہور بابن ابی اصیبعہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے ہے۔ اس کا باپ ملک العادل، ملک المعظم، ملک الناصر کے دربار کا طبیب تھا اور آنکھوں کے علاج میں خصوصاً مشہور تھا۔ ۶۴۹ سنہ ہجری میں وہ فوت ہوا۔ احمد نے بھی فن طب پر توجہ کی اور یعقوب بن سقلاب عیسائی کا شاگرد ہوا۔ اور جالینوس کی تمام کتابیں پڑھیں اور رضی الدین رحبی دمشقی سے زکریا رازی کی طب کا علمی حصہ پڑھا۔ اسکے بعد قاضی القضاۃ رفیع الدین دمشقی اور سیف الدین مدی اور شمس الدین خوی سے علوم حکمیہ حاصل کئے۔ اور تخمیناً ۶۴۳ھ (1246) میں عیون الانبار فی طبقات الاطبار تصنیف کی جس سے سارے زمانے میں مشہور ہوگیا۔ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اطباء کے حالات میں اس جامعیت سے کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔ علامہ موصوف نے علاوہ اس کتاب کے معالم الامم واخبار ذوی الحکم تاریخ فلاسفہ یونان، وحکایات الاطبا فی علاجات الادواء (طبار کے تاریخی معالجات کا تذکرہ) وکتاب التجارب والفوائد بھی تصنیف کیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بے نظیر ہے ۶۶۸ھ میں بمقام صرخد (شام) فوت ہوا۔ منتخب از تہذیب الاخلاق جلد اوّل نمبر ۳۶۔ مطبوعہ، اکتوبر ۱۸۹۶ء علیگڈھ۔

وہ قریب المرگ ہیں شاید نماز عشا تک زندہ رہیں۔" یہ سن کر رشید رونے لگا۔ دستر خوان سامنے سے اٹھا دیا گیا۔ مجلس درہم برہم ہوگئی۔ اتنے میں جعفر برمکی نے عرض کیا کہ "جبرئیل کا علاج رومی ہے، اور صالح ہندی طبیب ہے۔ اور اسی طرز پر علاج بھی کرتا ہے۔ اگر ارشاد ہو تو میں اس کو طلب کروں اور ابراہیم کے دیکھنے کو بھیجوں۔ چنانچہ صالح ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور واپس آکر عرض کیا، کہ "امیر المومنین میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابراہیم اس عارضے میں آج رات کو ہرگز نہیں مریگا اور اگر مر جائے تو میرے تمام لونڈی غلام لوجہ اللہ آزاد سمجھے جائیں اور کل مال و دولت میرا فقراء کو تقسیم کر دیا جائے اور میری بیبیاں مطلقہ سمجھی جائیں۔ ہارون الرشید نے کہا "افسوس ہے کہ تو معاملات غیب پر حلف اٹھاتا ہے۔ صالح نے کہا "امیر المومنین کا فرمانا سچ ہے العلم عند اللہ ضرور ہے لیکن میں جو عرض کرتا ہوں اس کو غیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ علمی حیثیت (تجربہ طبابت) سے عرض کرتا ہوں، یہ سن کر ہارون خوش ہوگیا لیکن جب عشا کا وقت آیا تو خبر آئی کہ ابراہیم نے انتقال کیا۔ یہ سنکر ہارون فوراً جعفر کے پاس گیا اور صالح پر ناراض ہوا۔ اور کہا کہ ہندوستان اور اس کی طب پر لعنت ہے اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے افسوس! میرا ابن عم موت کے گھونٹ پی رہا ہے اور میں عیش و طرب میں ڈوبا ہوا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھا اور ابراہیم کے گھر پہنچا خادموں نے تعظیماً مسند اور کرسی بچھانا شروع کی۔ لیکن ہارون تلوار ٹیک کر کھڑا ہوگیا۔ اور کہا کہ عزیزوں کی مصیبت میں تکلف اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ فرش تہ کر ڈالو چنانچہ اسی جگہ زمین پر بیٹھ گیا (اسوقت سے ایسے موقع پر زمین پر بیٹھنا عباسیوں میں سنت قرار پاگیا) صالح طبیب بھی خاموش کھڑا تھا اور سب لوگ سناٹے میں تھے۔ انگیٹھیوں سے خوشبو نکل رہی تھی کہ یکبارگی صالح چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ "کیا سچ مچ میری بیبیوں پر طلاق ہوگی اور وہ دوسروں کے عقد میں جائیں گی، اور میری قسم ٹوٹ جائیگی، خدا کی قسم امیر المومنین آپ کا بھائی زندہ ہے وہ فوت نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ اس کو زندہ دفن کردیں گے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اندر جا کر دیکھوں۔"

لہ الفاظ مذکورہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ صالح مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

ہارون نے اجازت دی اور صالح تنہا ابراہیم کے پاس گیا۔احمد کہتا ہے کہ میں نے ایک آواز سنی گویا کوئی تالی بجا رہا ہے۔ پھر یہ آواز بند ہوگئی اور ایک تکبیر کی آواز آئی اور صالح تکبیر کہتا ہوا نکل آیا پھر کہا کہ امیر المومنین تشریف لے چلیئے میں آپ کو ایک عجیب تماشا دکھاؤں چنانچہ ہارون مع مسرور غلام اور ابوسلیم کے اندر داخل ہوا اور صالح نے ابراہیم کے وائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن میں سوئی چبھودی ابراہیم نے ہاتھ گھسیٹ لیا، تب صالح نے کہا کہ امیر المومنین کہیں مردہ بھی درد سے حرکت کرتا ہے۔ پھر صالح نے کہا کہ ابراہیم اسی وقت باتیں کر سکتا ہے۔ مگر مجھے خوف ہے کہ اس صدمے سے دل پھٹ جائے اور حقیقتاً ابراہیم کا دم نکل جائے؛ کیونکہ اس وقت ابراہیم کفن میں لپٹا ہوا ہے اور حنوط کی خوشبو اُڑ رہی ہے۔ چنانچہ کفن اُتار کر غسل دیا گیا اور وہ تمام خوشبوئیں بدن سے دور کی گئیں اور شاہانہ لباس پہنایا گیا اور عمدہ عطریات لگائے گئے اور خواب گاہ میں پلنگ پر لٹادیا اور کچھ علاج بھی کیا اور ہاروں سے کہا کہ تھوڑی دیر میں ابراہیم باتیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم کو چھینک آئی اور کروٹ بدل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی بہن عباسہ سے ابراہیم کا عقد کردیا اور مصر و فلسطین کی گورنری مرحمت فرمائی یہاں تک کہ ابراہیم نے بمقام مصر انتقال[1] کیا اور وہیں دفن ہوا۔

[2] چنانچہ اس کی تصدیق اخبار الاوّل اور تاریخ ابن ایاس سے بھی ہوتی ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۴ شعبان ۱۷۶ھ ہجری میں ابراہیم کو مصر کی گورنری مرحمت فرمائی تھی۔ اور آخر الامر[3] ۱۷۶ھ میں شہزادے نے انتقال کیا۔ اور یہ حکومت دوبارہ مرحمت ہوئی تھی۔

---

[1] وعاش ابراهيم بعد ذلك دهراً ثم تزوج العباسة بنت المهدي وولي مصر وفلسطين وتوفي بمصر وقبره بها [2] اخبار الاول باب چہارم صفحہ ۱۰۳ تقرری گورنران مصر منجانب خلفائے عباسیہ [3] ثم تولى من بعده الامير ابراهيم بن صالح العباسي وذلك في يوم الجمعة رابع عشر شعبان وهي الولاية الثانية فاقام بها حتى توفي في سنة ست وسبعين ومائة - جلد اول صفحہ ۳۲ - بولاق مصر ۱۳۱۱ھ

[4] ابن واضح یعقوبی، ابن قتیبہ کا ہم عصر ہے اور ۲۷۶ھ میں فوت ہوا ہے۔ اس نے اسباب زوال برامکہ میں عباسہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسکا یہ فیصلہ ہے کہ "اكثر الناس في اسباب لسخط مختلفين" یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۱۰ مطبوعہ لینڈ۔

یاقوتؔ[1] (متوفی ۶۲۳ھ) کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد عباسہ کا تیسرا نکاح محمد بن علی بن داؤد بن علی سے ہوا۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

"عباسہ بنت المهدی تزوجها محمد بن سلیمان بن علی فمات عنها ثم تزوجها ابراهیم بن صالح بن المنصور فمات عنها ثم تزوجها محمد بن علی بن داؤد بن علی فمات عنها ثم اراد ان یخطبها عیسیٰ بن جعفر فلما بلغہ هذا الشعر بد اله تحامی الرجال تزویجها الی ان ماتت"

ہرون الرشید نے عباسہ کا پہلا عقد محمد بن سلیمان بن علی سے کیا۔ اس کے انتقال پر دوسرا نکاح ابراہیم بن صالح بن المنصور سے ہوا۔ پھر ابراہیم کے رحلت پر تیسرا عقد محمد بن علی بن داؤد بن علی سے کیا گیا۔ محمد کی وفات پر عیسیٰ بن جعفر نے نکاح کرنا چاہا۔ لیکن جب ابونواس نے یہ اشعار سُنے تو اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور لوگوں نے عباسہ سے نکاح کرنا چھوڑ دیا یہاں تک عباسہ نے وفات پائی۔

ابونواس کے ہجو کے وہ اشعار جو عباسہ کے متعلق لکھے گئے ہیں اور جس کا اشارہ عبارت مندرجہ بالا میں ہے، حسب ذیل ہیں۔

الا قل لامین الا ...... ہ	وابن السادۃ السا سہ
اذا ما خالف سر	ک ان تفقدہ راسہ
ا فلا تقتلہ بالسیف	و زوّجہ بعبّاسہ

عبّاسہ کے مسلسل جب تین شوہر انتقال کر گئے تو پھر لوگوں نے اس سے نکاح کرنے سے گریز کیا، کیونکہ عباسہ سے نکاح کرنا اور مرنا دونوں کے ایک ہی معنی تھے۔ لہذا ابونواس (متوفی ۱۹۵ھ) نے ہرون الرشید کو مخاطب کرکے کہا کہ امین اللہ! اگر آپ کسی دشمن کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو تلوار سے گردن اُڑانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عباسہ سے اس کا

---

[1] معجم البلدان جلد ۵۔ صفحہ ۱۸۲ مادہ سولقیۃ العباسہ

نکاح کر دیجیئے (وہ خود ہی مر جائیگا)

جس ترتیب سے نکاح ہوا ہے وہ ایسی تاریخی شہادت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر جعفر کا عباسہ سے اوّل عقد ہوتا تو ان روایات میں اس کا ذکر ہوتا اور ابن قتیبہ سب سے پہلے لکھتا۔ اگر معترض یہ کہیں کہ یہ چوتھا نکاح ہوگا' تو ایسی عورت کے نکاح میں جو شرطیں کی گئی ہیں وہ بالکل فضول ہیں' کیونکہ عباسہ کا شباب جا چکا تھا اور اب وہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور کسی شوہر سے اولاد بھی نہیں ہوئی تھی"

زمانہ حال کے محققین "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" نے عباسہ پر جو آرٹیکل لکھا ہے۔ انکی تحقیقات کا بھی یہی نتیجہ ہے کہ جعفر و عباسہ کا نکاح محض ایک شاعرانہ تخیل ہے۔ عہد جاہلیت میں بھی ایسی کہانیاں مشہور تھیں جن میں وزراء کی شادی بادشاہ کی بہن سے ہوئی ہے۔ جو قصہ عباسہ کے متعلق ہے اسی قسم کا قصہ میمونہ اور فاختہ (ہرون الرشید کی بہنیں) کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ متاخرین اس بات پر ساکت ہیں کہ جعفر کے قتل پر عباسہ کا کیا حشر ہوا' البتہ سب سے آخر میں جو لوگ ہوئے ہیں اُنھوں نے عباسہ کے مصائب و آلام کی پراسرار داستان بیان کی ہے اور جعفر و عباسہ کی داستان عشق نے یورپ اور عرب کے مصنفین کے تصورات پر گہرا اثر کیا ہے' چنانچہ ۱۷۵۲ء میں ایک فرانسیسی ناول نگار نے از نام عباسہ ایک ناول لکھا ہے اور ۱۹۰۴ء میں ایک فرانسیسی خاتون نے "شبہائے بغداد" کے نام سے اسی قصہ کو دوہرایا ہے[1]۔ اور انہیں ناولوں کے تقلید میں جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر نے عربی میں ایک ناول لکھا جسکا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور سب سے اخیر میں حکیم محمد علی مرحوم (ہردوئی آودہ) نے ایک ناول جعفر و عباسہ لکھا جو مذکورہ بالا ناولوں کا خلاصہ تھا۔ چنانچہ یہ ناول بہت مقبول ہوا۔ اور اسی ناول کو پڑھکر ۱۸۹۶ء میں میں نے کتاب البرامکہ شایع کی کہ غلط واقعات کی صحت ہو جائے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا نے جن کتابوں سے یہ واقعہ لکھا ہے۔ الف لیلہ (وائل جرمنی) مورخ (جر بن مصنف) ابو المحاسن اور ابن ابی حجلہ کا بھی نام ہے۔ بقیہ ماخذ میں طبری' مسعودی' ابن قتیبہ' مسعودی' یاقوت وغیرہ بھی ہیں۔ جو پیش نظر ہیں۔

جعفر و عباسہ کا واقعہ اس قابل نہ تھا کہ لکھا جاتا۔ لیکن برامکہ کی تاریخ میں یہ بھی غیر ممکن تھا کہ اس غلط واقعہ کی تنقید نہ کی جاتی، لہذا میں نے نکاح عباسہ کی جملہ روایات نقل کر دی ہیں کہ ناظرین کو بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ ہٰرون الرشید نے جعفر کے قتل اور استیصال خاندان برامکہ میں جو اہتمام کیا اس کا بھی یہ نتیجہ تھا کہ یہ فرضی واقعہ تاریخی درجہ تک پہنچ گیا ورنہ چند روز میں خود بخود مٹ جاتا۔ ایک وزیر کا قتل نہایت آسان تھا جسکی مثال، خلیفہ مامون الرشید اور فضل بن سہل ذوالریاستین کا واقعہ ہے کہ جب یہ وزیر سلطنت و خلافت پر حاوی ہو گیا اور بقائے حکومت کے لئے فضل کا قتل ضروری سمجھا گیا تو مامون کے اشارہ سے وہ قتل کر دیا گیا۔

بلاشبہ قتل جعفر اور برامکہ کے بربادی کے متعدد اسباب ہیں جسکی تصدیق ذیل کے واقعات سے ہو گی۔ اور ہٰرون الرشید نے کامل چار سال کے غور و فکر کے بعد جعفر کو قتل کیا تھا محض دشمنوں کی مخبری سے فوری اشتعال پیدا نہیں ہوا تھا۔

۱۔ عالیہ بنت المہدی کی روایت، ابن بدرون[1] راوی ہے کہ قتل جعفر کے بعد عالیہ بنت المہدی نے ہارون الرشید سے پوچھا کہ بھائی جان! جب سے آپ نے جعفر کو قتل کیا ہے اُس دن سے میں دیکھتی ہوں کہ ایک دن بھی آپ کا خوشی میں بسر نہیں ہوا اسکا کیا سبب ہے اور یہ کہ آپ نے جعفر کو کس وجہ سے قتل کیا ہے؟ یہ سُن کر رشید نے کہا کہ میری عزیز بہن! اگر مجھے معلوم ہو کہ میری قمیص بھی جعفر کے قتل کا سبب جانتی ہے تو میں اُس کو جلا دوں۔"

لیکن دوسری روایت میں ہارون نے خود جعفر کے قتل کا سبب اُس وقت بیان کیا ہے جب قتل جعفر کے بعد برامکہ کے خیالات لوگوں سے دریافت کئے ہیں۔ وہو ہذا۔

ہٰرون[2] الرشید کی بدگمانی جعفر سے عیسٰی[3] پسر فیروز شاہ، صالح بن سلیمان عباسی سے راوی ہے کہ قتل جعفر کے بعد مجکو ہارون الرشید نے ملازمت سے برخاست کر دیا۔ کیونکہ میں جعفر برمکی کا آوردہ تھا۔ لیکن چند روز بعد مجھے بُلایا اُسوقت خلیفہ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا۔ سوائے ایک

---

[1] ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۱۰ مطبوعہ ہالینڈ [2] شرح قصیدہ ابن عبدون نسخہ قلمی حمیدیہ لائبریری [3] تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱

دو خادموں کے اور کوئی نہ تھا۔ مجھ سے کہا کہ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ اگر جھوٹ ہوا تو میرے ہاتھ سے رہائی محال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "امیرالمومنین کیا مجھے اپنی جان عزیز نہیں ہے کہ میں جھوٹ عرض کرونگا" یہ سن کر سب کو رخصت کر دیا۔ جب تنہائی ہوئی تو مجھ سے کہا کہ تجھے خدا کی قسم! سچ سچ کہہ کہ جعفر نے میرے قتل کی کونسی تدبیر سوچی تھی آیا زہر خورانی کی نیت تھی۔ یا تلوار سے سر جدا کرنا منظور تھا تو جعفر کا ہمراز رہا ہے۔ اس لئے تجھے یہ حال خوب معلوم ہوگا" میں نے خدا اور رسول کی قسم کھا کر عرض کیا کہ جعفر نے کوئی تدبیر امیرالمومنین کے قتل کی نہیں کی تھی، بلکہ وہ سچا خیر خواہ تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے جعفر کا اسلحہ خانہ دیکھا تو معمولی مقدار سے زیادہ آلات حرب جمع تھے، میرا دل کھٹکا اور وزیرالسلطنۃ سے خلوت میں پوچھا کہ حضور کو اس قدر اسلحہ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو بادشاہوں کا کام ہے۔ آپکے کس مصرف کے ہیں۔ جعفر نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن اگر امیرالمومنین پر کوئی غنیم چڑھ آئے اُسوقت یہ کام آسکتے ہیں۔ تب میں نے کہا کہ خلیفہ تو خود ہی آپکی فکر میں ہیں۔ یہ سن کر جعفر نے کہا کہ رب کعبہ۔ اگر امیرالمومنین میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں تب بھی میں اُن کے حق نعمت نہیں بھول سکتا ہوں۔ ظاہر و باطن میں امیرالمومنین اور اُن کی اولاد کا خیر خواہ ہوں۔ یہ سنکر ہارون نے کہا کہ "میں نے جعفر کو ملکی سیاست سے قتل کیا ہے۔ افسوس! اگر سلطنت نہ ہوتی تو جعفر کیوں قتل کیا جاتا؟ قیامت کے دن میں جعفر کو کیا منہ دکھاونگا۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ وہ اخلاقاً نہ فیاضی سے ہرگز اپنے خون کا دعوے مجھ پر نہ کریگا" اس کے بعد ہارون رونے لگا۔ اور مجھے خدمت سابقہ پر بحال کر دیا"۔ اب یہ بحث خلیفہ مامون الرشید کی ایک ملکی تقریر پر ختم کیجاتی ہے جو ایک موقع پر احمد بن داؤد سے مخاطب ہوکر کی تھی اور جو اس موقع کے بھی مناسب ہے جسکے پڑھنے سے ان تمام مباحثات کا خود بخود تصفیہ ہو جائیگا۔ اور آگے چل کر جو اسباب زوال تحریر ہیں اُسکی تصدیق ہو جائیگی، اور وہ یہ ہے "بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو کر گزرتا ہے۔ عوام ہرگز اُس کا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر

یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں اُن کے بار سے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہو سکتی۔ وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگ دلی کی وجہ سے کیا لیکن اُن کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز ہیں۔ اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کر سکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگزر کر سکتا ہے۔ مجبورانہ وہ کر گزرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہئے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُس کو معذور نہ رکھیں گے۔ لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کر سکتی[1]"

مامون کی یہ تقریر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور اسی بناء پر عربوں میں یہ مثل ہے کہ "الملک عقیمۃ[2]" یعنی سلطنت بانجھ ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب سلاطین، ملکی معاملات میں اپنی آل و اولاد کا بھی خیال نہیں کرتے ہیں تو پھر وزراء اور اُمراء کس شمار میں ہیں۔

S.A. HAMID. 1-2-3-4

اسبابِ زوالِ برامکہ

جعفر و عباسہ کے واقعۂ نکاح کی طرح اسباب زوال برامکہ میں بھی مورخین کا اختلاف ہے لیکن مستند روایات کے مطابق جو اسباب زوال ہیں وہ لکھے جاتے ہیں۔

تمہید: کسی ایک واقعہ کی بناء پر ہرون الرشید نے برامکہ کو برباد نہیں کیا بلکہ اول معمولی واقعات پر طبیعت میں انقباض پیدا ہوا پھر آہستہ آہستہ ناراض ہونے کے اسباب پیدا ہوئے اور جب برامکہ خلافت و حکومت کے مالک بن گئے اور ہرون الرشید برائے نام خلیفہ رہ گیا، اس وقت سیاست ملکی نے اس خاندان کو تباہ و برباد کر دیا۔

فی زمانا ہرون الرشید پر یہ الزام ہے کہ اس نے برامکہ پر بڑا ظلم کیا لیکن جب شخصی حکومتوں

[1] المامون بحوالہ رسالہ حکم و آداب صفحہ ۶۶ — [2] ضرب الامثال میدانی۔

کے اختیارات اور اُن کی مجبوریوں پر نظر ڈالی جاتی ہے اسوقت یہ سنگین جرم، خفیف معلوم ہوتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا بہت خوب ہوا۔ یہی حال رشید و برامکہ کا ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں کو سب سے زیادہ جانتا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ ع

باغباں از بہر یک گل پرورد صد خار را

اب وہ واقعات لکھے جاتے ہیں جن کو مورخین نے اسباب زوال سے تعبیر کیا ہے

۱۔ تعمیر قصر جعفر برمکی

بغداد کے مشرقی حصہ میں جسکا نام شماسیہ تھا برامکہ آباد تھے سب سے پہلے خالد برمکی نے اس جگہ ایک محل تعمیر کیا تھا۔ چنانچہ خالد کی وفات پر یحییٰ اور فضل نے بھی شماسیہ میں شاندار عمارتیں بنائیں اور سب سے اخیر میں جعفر نے اپنی سکونت کے لئے ایسی عدیم النظیر عمارت بنائی جسکا مقابلہ قصر الخلد اور قصر الذہب سے ہو سکتا تھا۔ جو سیاح بغداد میں آتے تھے وہ اس محل کو ضرور دیکھتے تھے۔ شاہان عجم کے طرز عمارت پر اسکی تعمیر ہوئی تھی، اور جس کی لاگت دو کروڑ درہم تھی اور جعفر کو خود بھی اس محل پر ناز تھا۔

جعفر کی یہ اولوالعزمی، ہٰرون الرشید کے برہمی کا باعث ہوئی کیونکہ خلیفہ ابوجعفر منصور[۱] عباسی نے تعمیر بغداد میں بھی اسیقدر رقم صرف کی تھی۔ چنانچہ جعفر کو بھی اس معاملہ میں ہٰرون الرشید کی طرف سے خطرہ تھا۔ جو حضرات مکان دیکھنے آتے تھے جعفر اُن سے یہ سوال ضرور کرتا تھا کہ اس میں جو عیوب ہوں وہ بیان کیجئے تاکہ اصلاح کردی جائے۔ ختم تعمیر پر جب یحییٰ برمکی جعفر کے محل میں آیا تو اس نے یحییٰ سے بھی یہی سوال کیا۔ یحییٰ نے کہا کہ میری[۲] رائے میں بجز اسکے اور کوئی عیب نہیں ہے کہ تمہارے پڑوسیوں کو تکلیف ہوگی۔ لہٰذا تم ان سب کا روزینہ مقرر کردو کہ ان کی زبان بندی ہو جائے۔ اور جن کے گھر شکستہ ہیں وہ از سر نو بنوا دیئے جائیں اور مہمانوں کے لئے ہر وقت دسترخوان بچھا رہے۔

---

[۱] جہشیاری صفحہ ۲۰۰ و طبری صفحہ ۳، مطبوعہ ہالینڈ دوران تعمیر میں جعفر نے یحییٰ سے سوال کیا تھا کہ پدر بزرگوار میں یہ مکان کیسا بنواؤں، یحییٰ نے جواب دیا کہ مکان گویا ایک قمیص ہے چاہے ڈھیلا رکھو خواہ تنگ کر دے (عقد الفرید) [۲] ضیاء برنی۔

جب یہ قصر رفیع الشان بنکر تیار ہوگیا اور جعفر نے اُس میں رہنا چاہا تو چند نجومی جمع کئے اور اُن سے پوچھا کہ نقل مکان کے لئے کونسی تاریخ سعید ہے۔ سب نے زائچہ بنایا اور یہ قرار پایا کہ جعفر برمکی شب کے وقت اس جدید مکان میں داخل ہو چنانچہ جعفر اپنے مکان کو جارہا تھا رات کا وقت سناٹے کا عالم تھا، لوگ آرام کر رہے تھے لیکن ایک شخص کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

تدبّر بالنجوم ولست تدری	تم نادان بن کر ستاروں پر اپنی تدبیر قائم کرتے ہو۔
وربّ النجم یفعل ما یشاءُ	اور ستاروں کا خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ برجستہ شعر سُنکر جعفر ٹھہر گیا اور قائل سے پوچھا کہ تمہارا اس شعر کے پڑھنے سے کیا مطلب ہے اُس نے کہا کچھ نہیں، اتفاقیہ زبان سے نکل گیا ہے جعفر نے اِس کو اپنے حق میں بدفالی سمجھی۔ جب مکان میں داخل ہوا تو شعرا نے مبارکباد کے قصیدے پڑھے اور ابو نواس شاعر نے بھی ایک مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ لیکن اتفاق سے اُس میں یہ دو شعر اُس کی زبان سے نکل گئے

ربع البلاء ان الخشوع لبادی	اے مکان شکستگی کا آثار تجھ پر ظاہر ہے۔
علیك وانی لم اخنك ودادی	لیکن میں نے تیری دوستی میں خیانت نہیں کی۔
سلام علی الدنیا اذا ما فقدتم	اے برمک کی اولاد۔ جب تم دنیا سے گم ہو جاؤ
بنی برمك من رائحین وغادی	تو دنیا کو سلام ہے۔

جعفر نے جب یہ اشعار سُنے تو بہت افسوس کیا۔ اور ابو نواس سے کہا کہ "خدا محفوظ رکھے تم نے آج ہماری موت کی خبر سُنائی ہے۔" اُسکے کچھ دنوں کے بعد جعفر قتل کیا گیا۔ چنانچہ اسکی تائید ابراہیم بن مہدی اور جعفر کی حسب ذیل گفتگو سے بھی ہوتی ہے۔ ابراہیم بن مہدی عباسی راوی ہے کہ میں ایک دن جعفر کے اس نئے محل میں گیا۔ جعفر کو نہایت غضبناک پایا۔ لیکن مجھے دیکھا تو معانقہ کیا اور مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ جب غصہ دھیما ہوا تو میں نے پوچھا کہ برہمی مزاج کا باعث کیا تھا؟ جعفر نے کہا کہ "منصور بن زیاد جو ہمارا دشمن ہے۔ آج اس مکان میں

لہ حیاۃ الحیوان جلد ۲ و روضۃ الصفا و مراۃ الجنان ؎ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۸۴۔

آیا تھا میں نے اُس سے پوچھا کہ بغداد یا اس کے اطراف میں بلحاظ عمارت اور کمال صنعت کوئی دوسری عمارت ہے جو اس قصر کے مثل ہو۔ اور آپ کی نظر میں یہ کیسی معلوم ہوتی ہے یہ سن کر منصور نے کہا کہ اس میں ایک عیب ہے میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ کہا کہ اس میں کھجور کا درخت[1] نہیں ہے۔ اُس کا یہ جواب سن کر میں نے کہا! سبحان اللہ! دو کرور کی رقم تو صرف ہو چکی ہے اور آپ اس میں عیب نکالتے ہیں جب جعفر کہہ چکا تو میں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ منصور حاسد اور دشمن ہے کیا عجب ہے کہ یہ ساری باتیں ہارون الرشید سے کہدے کہ وزیر السلطنتہ نے نئے محل میں تو اسقدر صرف کیا ہے دیگر جواہرات اور مال کا کیا شمار ہوگا۔ اگر ہارون نے منصور کا یہ قول تسلیم کر لیا تو آپ قیاس فرما سکتے ہیں کہ اس کے برہمی مزاج کا کیا حال ہوگا۔ یہ سنکر جعفر ہنس پڑا' اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "جو لوگ دولت کو جمع کر کے دفینہ کرتے ہیں بھلا وہ ایسی عمارت کیونکر بنا سکتے ہیں' اور میں نے یہ مکان اس لئے بنایا ہے کہ لوگ دیکھیں اور سمجھیں کہ مجکو خدا نے اپنی مہربانی سے کس قدر دولت عطا فرمائی ہے اور میں نے یہ مکان بنا کر منعم حقیقی کے عطئے کا اظہار کیا ہے۔ لہذا آپ ہی خیال کیجئے کہ یہ صرف خواہشات نفسانی میں ہوا ہے یا اظہار تجمل میں اور میرا ایثار فی سبیل اللہ ہے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ دنیا سے رخصت ہوں' تو مال و دولت کے خزانے چھوڑ جاؤں کیونکہ خلیفہ میری جاگیر اور خزانوں کی فکر میں ہے۔ جو کچھ ہے صرف کر کے جاؤں گا اور میرے بعد آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میرے باپ یحیٰی اور بھائی فضل کے پاس کس قدر سرمایہ تھا اور گھر سے کیا برآمد ہوا۔" ابراہیم کا قول ہے کہ حقیقت میں جیسا جعفر کہتا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور جعفر کے قتل کے بعد جب برامکہ کے مکانات کی قرقی کی گئی تو جیسا خیال تھا اُس کا ہزاروں حصہ بھی نہ برآمد ہوا۔

ہرون الرشید' اپنے دوستوں سے کہتا تھا کہ جب ایک مکان کی تعمیر میں جعفر نے

[1] عربوں کو کھجور کا درخت سب سے پیارا ہے۔

اس قدر دولت صرف کردی تھی تو دوسرے مصارف کا کیا حال ہوگا۔

۲۔ خریداری بازغہ کنیز

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے تخت خلافت پر بیٹھ کر تمام مالی و ملکی انتظامات اپنے وزیر کے سپرد کر دیئے تھے۔ کُل خزانے کا مالک وزیر اعظم تھا جب کبھی روپے کی ضرورت ہوتی تو خلیفہ کو وزیر سے درخواست کرنی پڑتی تھی لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ کبھی ملتا تھا اور کبھی نہیں چنانچہ ایک کنیز بکنے آئی جس کا نام بازغہ تھا۔ یہ حساب، خوشنویسی، موسیقی اور فن رقص میں کامل دستگاہ رکھتی تھی۔ اور اس کے مالک نے یہ قسم کھائی تھی کہ ایک لاکھ درہم سے کم فروخت نہ کرونگا۔ اور ہارون اُس کنیز کا شیدا تھا جعفر سے کہا کہ ایک لاکھ درہم خزانے سے دیدیا جائے، جعفر نے یحییٰ سے مشورہ کیا اور کہا کہ اگر رشید اسی طرح خرچ کرے گا تو خزانہ جلد خالی ہو جائے گا" چنانچہ جعفر نے یہ حکمت کی کہ خزانے سے توڑے نکلوا کر راستے میں پھیلا دیے تاکہ ہارون کی اُس پر نظر پڑے اور کیا عجب ہے کہ خریداری سے باز آئے۔ چنانچہ جب خلیفہ کی نظر روپے کے اُس انبار پر پڑی جو گزرگاہ میں پھیلا ہوا تھا تو خزانچی سے پوچھا کہ یہ روپیہ کیسا بکھرا پڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ بازغہ کی قیمت کے واسطے خزانے سے نکالا گیا ہے۔ چنانچہ اُس وقت تو خریداری کنیز کی ملتوی ہوگئی۔ لیکن ہارون نے ایک مکان علیحدہ بنوایا اور اُس کا نام بیت المال عروس رکھا اور یہ روپیہ اُس میں امانتاً رکھوایا اور اس واقعہ کے بعد جب خزانے کی جانچ شروع کی تو معلوم ہوا کہ برامکہ نے خزانہ خالی کر دیا ہے۔[۱]

افسوس ہے کہ جعفر کی یہ حکمت عملی کام نہ آئی اور ہارون الرشید بدگمان ہو گیا۔

۳۔ ابو الربیع محمد بن لیث کی شکایت

دنیا میں کیسا ہی عاقل اور مدبر وزیر کیوں نہ ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام ملک کو راضی رکھ سکے۔ برامکہ کے اوج حشم کو دیکھ کر اکثر حاسد اور دشمن پیدا

---

[۱] روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۸۴۔ جامع التواریخ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۳۵

ہو گئے تھے۔ اُن میں سے محمد بن لیث بھی ایک قوی دشمن برامکہ کا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر[1] بسس بروایت احمد بن یوسف روایت کرتا ہے کہ محمد بن لیث نے جو عہد خلیفہ ہارون الرشید میں ایک باوقار عالم تھا، خلیفہ کو ایک طولانی خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "امیر المومنین! قیامت کے دن تو خدا کو کیا جواب دیگا کہ تو نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے اور جو کام مسلمانوں کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کیا ہے۔" خط کا مضمون پڑھ کر ہارون چپ ہو رہا اور ایک دن یحییٰ برمکی سے پوچھا کہ محمد بن لیث کے حق میں آپ کا کیا خیال ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ امیر المومنین وہ منافق اور مرتد ہے۔ اسلام سے اُسے کوئی تعلق نہیں ہے محض اپنی شیریں زبانی سے لوگوں کو فریب دیتا ہے۔ اور مسلمانوں کی بدگوئی اور جھوٹی شکایتیں کیا کرتا ہے۔"

بہرحال برامکہ کے مذہب اور عقائد کی طرف سے علماء اور ہرون الرشید بدگمان ہو گئے تھے لیکن فی نفسہ یہ خاندان اسلام کا پابند تھا۔ البتہ فلسفے کے ذوق نے زندقہ اور ارتداد سے منسوب کر دیا تھا۔

فضل بن ربیع کی مخالفت[4]

برامکہ کے کھلے ہوئے دشمنوں میں ایک فضل بن ربیع حاجب[2] بھی تھا جو برامکہ کی برابری کا دعویدار تھا۔ اگر اُس کا اختیار ہوتا تو وہ بھی برامکہ کے درجے پر پہنچتا۔ اُس کے مخبر اور جاسوس صرف اسی کام کے واسطے مقرر تھے کہ وہ برامکہ کے جزو کل حالات جو روزمرہ معلوم ہوں دریافت کیا کریں اور جو نئی بات معلوم ہوتی وہ فوراً ہارون الرشید سے جاکر کہدیتا۔

عبداللہ بن سلیمان[3] بن وہب کا قول ہے کہ "جب خدا کسی قوم کا زوال نعمت اور ہلاکت چاہتا ہے تو اُس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے چنانچہ برامکہ کے زوال میں یہ بھی ایک

[1] طبری کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۶۸۔ [2] حیوۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ و الفخری صفحہ ۱۹۱ [3] منصور، مہدی اور ہادی کے زمانے میں بھی فضل حاجب تھا [4] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۲۱ و مرآۃ الجنان یافعی۔

سبب تھا کہ وہ فضل بن ربیع کے معاملات میں پہلو تہی کرتے تھے۔ ایک دن[1] کا ذکر ہے کہ فضل بن ربیع یحییٰ برمکی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت یحییٰ لوگوں کی حاجت روائی کر رہا تھا چنانچہ فضل نے بھی دس رقعے مختلف مضمون کے پیش کئے۔ یحییٰ نے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کر واپس کر دیئے۔ تب فضل غصے ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا[2]۔ جعفر بھی اُس وقت یحییٰ کے پاس موجود تھا۔ روانگی کے وقت یحییٰ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ فوراً دوڑ جس وقت فضل گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو سننا دیکھو وہ کیا کہتا ہے کیونکہ انسان اپنے دلی خیالات کا اظہار تین موقوں پر کرتا ہے اوّل جب پلنگ پر بقصد آرام لیٹنا چاہتا ہے۔ دوسرے جب اپنی بی بی کے پاس تنہا بیٹھتا ہے تیسرے جب گھوڑے پر سوار ہوتا ہے چنانچہ جس وقت فضل گھوڑے پر سوار ہوا تو اُس کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

عسیٰ وعسیٰ یثنی الزمان عنانہ	(کب (اور یہ قریب ہے) زمانہ اپنی باگ پھیرے گا۔
بتصریف حال والزمان عثور	حالت کو بدل کر) اور زمانہ بڑا ٹھوکر کھانے والا ہے۔

یحییٰ نے سُنا تو فضل کو بُلایا اور سب کام کر دیئے۔ چنانچہ اس واقعہ کے چند روز ہی بعد برامکہ کا زوال ہوا محمد بن لیث اور فضل ربیع کے علاوہ اسمٰعیل بن صبیح بھی برامکہ کی بُرائیاں ہارونؔ سے بیان کیا کرتا تھا جس سے ہارون کا اشتعال بڑھ گیا تھا۔[3]

۵۔ زراوہ محمد ندیم خاص کی گم شدگی

ہارون الرشید کے خاص مصاحبوں میں زراوہ محمد ایک مشہور شخص تھا۔ ایک دن خلوت خاص میں زراوہ اور جعفر برمکی دونوں موجود تھے زراوہ نے اس خیال سے کہ شائد خلیفہ کو کوئی راز کی بات وزیر سے کہنا ہے اجازت لیکر جانا چاہا لیکن ہارون نے حکم نہیں دیا

---

[1] فضل بن ربیع کے ساتھ برمکیوں نے احسانات نہیں کئے۔ چنانچہ فضل نے بھی برامکہ کے ساتھ انتہائی دشمنی کی قدیم مورخ جہشیاری لکھتا ہے کہ "من اسباب زوال امر البرامکہ تقصیرھم بالفضل بن الربیع"۔ [2] جامع الحکایات میں یہ اشعار لکھے ہیں جو عربی کا ترجمہ ہیں ؎ قضا عجب نبود گر عناں بگرداند ۔ صفات اہل زمان در زمان بگرداند + سرو بسیرت بخشند ترا ازیں اندوہ ۔ چو حال گردان حال جہاں بگرداند + وجہشیاری صفحہ ۲۱۷

[3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۱۰

تب جعفر نے اشارتاً سمجھا کہ ذراوہ سے کوئی خاص بات کہنا منظور ہے تو خود اجازت لیکر رخصت ہوگیا۔ اور ایک خادم سے کہتا گیا کہ جب ذراوہ چلا جائے تو مجھ سے اطلاع کرنا جب خلوت ہوگئی اور سوائے اس مصاحب کے کوئی باقی نہ رہا۔ تو ہارون نے ذراوہ سے کہا کہ تم ہمارے خاص مصاحب ہو۔ جہانتک ہوسکے جعفر سے بچے رہنا کیونکہ میری خاص مہربانیاں جعفر کے رشک وحسد کا باعث ہونگی۔ ایسا نہو کہ تم کو کوئی صدمہ پہنچ جائے۔ ذراوہ نے عرض کیا کہ "امیرالمومنین کی شفقت اور خیر خواہی میری محافظ ہے۔ جب تک یہ مستحکم ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا ہے" اور چلتے وقت بہت سی راز کی باتیں ذراوہ سے کہیں جب جعفر کو معلوم ہوا کہ ذراوہ خلیفہ سے رخصت ہو کر اپنے مکان پہنچ گیا ہے تو خود ذراوہ کے مکان پر گیا جہاں تک ممکن ہوا ذراوہ نے وزیر کی عزت اور تعظیم کی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ آخر جعفر نے پوچھا کہ آج جن خاص معاملات پر خلیفہ سے گفتگو ہوئی ہے میں اس کو سننا چاہتا ہوں۔ ذراوہ نے معذرت کے بعد کہا کہ "مجکو یہ زیبا نہیں ہے کہ امیرالمومنین کے راز کسی غیر سے کہوں اور غالباً اس کو آپ بھی جائز رکھیں گے۔"

جب جعفر کا اصرار ختم ہوگیا اور ذراوہ خاموش رہا۔ تب جعفر رخصت ہو کر مکان میں آیا اور ذراوہ فوراً خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا اور جو گفتگو ابھی ہوئی تھی وہ سب کہہ سنائی ہارون الرشید، جعفر پر بہت غصہ ہوا اور ذراوہ سے کہا کہ "جعفر تمہارا دشمن ہوگیا ہے لیکن اطمینان رکھو اس کی کوئی بات جو تمہارے خلاف ہوگی نہ سنونگا۔ بلکہ تمہارے موجودہ اعزاز میں بھی اضافہ کروں گا۔" چنانچہ ذراوہ بہ اطمینان رخصت ہوگیا۔ جب جعفر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے مناسب سمجھا کہ کسی حکمت سے ذراوہ کو خلیفہ کی نظر سے پوشیدہ کردے۔ ہر چند یہ مشکل کام تھا لیکن جعفر نے تمام حاجبوں، مصاحبوں اور خدام کو اپنا رازدار بنا لیا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی جعفر کے خلاف ایک بات بھی زبان سے نکال سکے اور حاجب سے کہدیا کہ جب ذراوہ حاضر ہو تو اس کی اطلاع خلیفہ سے نہ کرے بلکہ یوں

کہدے کہ اب وقت ملاقات کا گزر گیا ہے۔ یا یہ کہ اس وقت کسی کو حاضری کی اجازت نہیں ہے اور جب خلیفہ دریافت کرے تو ہر ایک یہی جواب دے کہ ذراوہ ان دنوں بیمار ہے۔ عارضہ مہلک ہے اور کیا عجب ہے کہ فوت ہو جائے۔ اور جب اسی طور پر چند روز گزر جائیں تو یہ کہنا کہ اُس غریب کا انتقال ہو چکا ہے۔" چنانچہ جعفر کے حکم کے بموجب سب نے ایسا ہی کیا۔ جب خلیفہ کو ذراوہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو سنکر بہت افسوس کیا اور اُس کے اہل و عیال کے واسطے وظیفہ مقرر کر دیا لیکن جو لوگ اس سازش میں شریک تھے اُن کو اس صریح جھوٹ سے خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہو یہ راز کھل جائے اس لئے سب کو یہ فکر ہوئی کہ یا تو ذراوہ کو قتل کر ڈالنا چاہئے یا جلاوطن کیا جائے۔ اور خلیفہ کو اس کی مطلق خبر نہ ہو۔ اتفاق سے ان معاملات کی جعفر عبداللہ ہاشمی کو بھی (جو جعفر کا دشمن تھا) اطلاع ہوگئی وہ ذراوہ سے جاکر ملا اور سب حالات بیان کئے اور یہ تجویز کی کہ ذراوہ اور ہارون الرشید کی شکارگاہ میں ملاقات کرادے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ذراوہ کو دیکھکر ہارون الرشید بہت خوش ہوا۔ اور سمجھ لیا کہ واقعی یہ سب شرارتیں جعفر کی ہیں۔ جب شکار سے واپس آیا تو ایک مجلس جشن مرتب کی اور ذراوہ کی زبانی سب حالات سُنے علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں کہ جب بطور تعریض کے مجلس رشید میں ایک موقع پر مغنی نے یہ اشعار گائے[۲]

لیت ھند انجزتنا ما تعد	کاش۔ ہند اپنا وعدہ پورا کرتی
وشفت انفسنا مما نجد	اور ہماری روح کو غم سے شفا دیتی
واستبدت مرۃ واحدۃ	کاش وہ ایک دفعہ بھی خود مختار بنتی
انما العاجز من لا یستبد	وہ شخص عاجز ہے جو خود مختار نہ ہو۔

تو رشید نے کہا "خدا کی قسم عاجز میں ہی ہوں" اور بطور تعریض کئی مرتبہ کہا انما العاجز لا یستبد اس واقعہ سے بھی ہارون الرشید کا جوش انتقام[۱] بڑھ گیا۔

---

[۱] یہ واقعہ مفصلاً تاریخ برمی سے لکھا گیا ہے۔ عربی تاریخوں میں مختصراً تحریر ہے۔

[۲] مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۱۱

۶۔ گمنام خطوط سے اشتعال پیدا ہوا

اسباب مذکورۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ واقعات چھوٹے چھوٹے تھے مگر ہارون الرشید جعفر اور اُس کے خاندان کی طرف سے بدظن ہو چکا تھا۔ اور خیالات فاسد اُس کے دل میں جم گئے تھے چنانچہ واقعات مذکورہ کو اُن خطوط اور گمنام[1] عرائض نے اور بھی مستحکم کر دیا جو برامکہ کی شکایات میں ہارون کے پاس بھیجی گئیں جس میں یہ اچھی طرح ہارون کو بتایا گیا کہ حقیقت میں ملک و سلطنت کے مالک تو برامکہ ہیں اور خلافت برائے نام ہے۔ چونکہ مہدی اور منصور کے زمانے سے یہ خاندان مالک الملک ہو رہا تھا۔ اس وجہ سے ہارون کی نظر اس قدر وسیع نہیں تھی کہ وہ سمجھ لیتا کہ سلطنت اور وزارت میں کیا فرق ہے لیکن رعایا کی نظریں ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں کہ خلافت عباسیہ عنقریب خاندان برامکہ میں منتقل ہونیوالی ہے۔ چنانچہ ان اشعار سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے۔

قل[2] لامین اللہ فی ارضہ	خدا کی زمین کا جو امانت دار ہے
ومن الیہ الحل والعقد	اور جو حل وعقد کا مالک ہے اُس سے کہدو۔
ھذا ابن یحیی قد غدا مالکا	کہ یہ یحیی کا بیٹا تیری طرح مالک بن بیٹھا ہے
مثلک ما بینکما حد	تجھ میں اور اس میں کوئی حدِّ فاصل نہیں۔
امرک مردود الی امرہ	تیرا کہنا اس کے حکم سے رد ہو جاتا ہے۔
وامرہ لیس لہ رد	لیکن اُس کا حکم رد نہیں ہو سکتا
وقد بنی الدار التی مابنی ال	اس نے ایک مکان بنایا ہے۔
فرس لہا مثلا ولا الھند	جسکے مثل فارس اور ہند کسی نے نہیں بنایا۔
والدر والیاقوت حصباؤھا	موتی اور یاقوت اُس کی کنکریاں ہیں۔
وتربہا العنبر والند	اور اُس کی خاک عنبر اور لوبان ہے۔

[1] دیکھو ابن خلکان ومرآۃ الجنان یافعی حالات جعفر برمکی۔ [2] یہ اشعار حیوٰۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ سے نقل کئے گئے ہیں

ونحن نخشی انہ وارث ملک ان غیبک اللحد	ہم لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ جب آپ کو قبر چھپا لے گی تو وہ ملک کا وارث ہو جائے گا۔

جب ہارون نے یہ اشعار پڑھے تو مادہ آتشیں یکایک بھڑک اُٹھا اور بُری طرح سے برامکہ کے پیچھے پڑ گیا۔

۷۔ عرب کا گروہ اور اُس کا اقتدار

ہر ایک سلطنت میں شخصی ہو یا جمہوری ایک شخص یا ایک خاندان نیکنام ہو کر زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے۔ اور لوگ اس کے مخالف بلکہ جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خلافت ہارون الرشید میں بھی عرب کا گروہ دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا اور وہ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ چنانچہ خاندان برامکہ کی بربادی کے باعث عرب بھی تھے اور یہ مسلم ہے کہ دولت عباسیہ کی سلطنت دو قوتوں سے مرکب تھی (فوجی قوت کا عنصر عرب تھا اور ملکی صیغہ عجم یعنی برامکہ کے ہاتھ میں تھا) یہ شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لہٰذا یہ حالت دونوں میں رشک پیدا کرنے والی تھی اور امین و مامون کی رقابت نے یہ علیحدگی اور بڑھا دی تھی کیونکہ عرب[1] کا گروہ برامکہ کی شان و شوکت اور اقتدار کو حسد کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور ہارون کو بات بات پر برانگیختہ کرتا تھا۔ معمولی خبریں۔ ہولناک اور واقعات عظیم کے پیرائے میں دکھلائی جاتی تھیں۔ جس سے ہارون کا اشتعال طبع روز بروز بڑھتا گیا[2]۔

۸۔ یحییٰ ابن عبداللہ کی رہائی

عہد ہارون الرشید میں جس قدر بغاوتیں حصول خلافت کے لئے ہوئیں منجملہ اُن کے حضرت یحییٰ بن عبداللہ الحسنیؑ (برادر محمد مہدی ملقب بہ نفس زکیہ) کی بغاوت بھی مشہور ہے (تفصیل ہو چکی ہے) چنانچہ فضل برمکی کی حکمت عملی سے ہارون الرشید کو کامیابی ہوئی اور امام یحییٰ

[1] عربوں کا اقتدار اگرچہ منصور اور مہدی نے گھٹا دیا تھا۔ پھر بھی من حیث القوم عرب خصوصاً عباسی بہت کچھ صاحب اثر تھے۔
[2] ابن خلکان صفحہ ۱۳۳۔ کامل ابن اثیر صفحہ ۵۰ طبری کبیر صفحہ ۶۶۶ جلد ۳ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰۔ ابو الفدا صفحہ ۱۸ جلد ۲

دارالخلافہ میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے بہ نظر احتیاط و اعتبار جعفر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس سیاسی قیدی کو اپنی نگرانی میں رکھے اور جہانتک ممکن ہے حفاظت کی جائے۔ چنانچہ جعفر نے یحییٰ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ایک دن جعفر نے یحییٰ کو اپنے پاس بُلایا اور حالات دریافت کئے۔ چونکہ یحییٰ کو یقین تھا کہ ہارون الرشید آل ابو طالب کا جانی دشمن ہے اس لئے نہایت عاجزانہ لہجہ میں کہا "جعفر! باوجود اس فضل و تقدس کے کیا تو مجھے ہلاک کرے گا۔ کیا تجکو معلوم نہیں ہے کہ میں فرزند علی ہوں۔ خدائے عزوجل سے ڈر اور رسول کریم کی دشمنی سے محترز رہ، میں بے گناہ ہوں۔ ہاروں نے مجھ سے فریب کیا ہے اور پناہ دیکر خلاف معاہدہ قید کیا ہے۔" جعفر نے رحم کھاکر جناب یحییٰ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ "جہاں جی چاہے چلے جائیے۔" یحییٰ نے کہا مجھے گرفتاری کا خوف ہے۔ تب ایک خاص شخص کی معیت میں یحییٰ کو ایک محفوظ جگہ میں بھیج دیا۔ لیکن جعفر کے ایک خادم نے جو فضل بن ربیع کا مخبر تھا یہ حال فضل سے کہدیا اور فضل نے موقع پاکر رشید سے سب حال بیان کیا۔ چنانچہ خلیفہ نے تحقیقات کے بعد جب واقعہ کی صحت کرلی تو ایک دن اثنائے کلام میں کھانے کے وقت جعفر سے پوچھا کہ "یحییٰ حسنی کا کیا حال ہے؟ جعفر نے کہا "امیرالمومنین وہ بدستور قید میں ہے اور بھاری زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔" یہ سُن کر رشید نے پھر پوچھا کہ تجھے میری جان کی قسم کیا یحییٰ قید میں ہے؟ تب تو جعفر سمجھ گیا اور کہا۔ امیرالمومنین میں نے اُس کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک خلیفہ برحق کو کوئی آزار اُس کی ذات سے نہیں پہنچ سکتا ہے۔" ہارون الرشید کو یحییٰ کے رہائی کا نہایت افسوس ہوا۔ لیکن بظاہر خوش ہو کر کہا کہ "بہت خوب کیا۔ میرا بھی یہی ارادہ تھا۔ جب جعفر رخصت ہوا تو ہارون اُس کو دیکھ رہا تھا اور کہتا جاتا تھا "قتلنی اللہ ان لم اقتلك فکان من امرہ ما کان"۔ طبری نے اس روایت کو ابو محمد یزیدی کی زبانی بیان کیا ہے جو ایک معتبر راوی ہے اور تحریر واقعہ کے قبل لکھتے ہیں "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے جعفر کو بلا سبب قتل کرادیا۔ یہ محض غلط ہے، سبب یہ تھا کہ جعفر نے یحییٰ کو قید سے چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ

اُس کی نظر بندی کی سخت ہدایت جعفر کو کی گئی تھی"۔ اس واقعہ کے بعد ہی جعفر کے قتل کا حکم صادر ہوا تھا۔ اور ہارون کا غیظ و غضب پورے جوش پر تھا۔ یہ سبب عام روایات کے مطابق سب سے اہم تھا۔ کیونکہ جعفر نے ایک سیاسی قیدی کو نہیں بلکہ ایک امام وقت کو قید سے رہا کر دیا تھا۔ جو ہر وقت خروج کر سکتے تھے۔

علامہ ابن خلدون کی رائے "زوال برامکہ پر"

اسباب مذکورۂ بالا جو قلمبند ہو چکے ہیں وہ مختلف مورخین کی رائے ہیں۔ لیکن امام المورخین علامہ ابن خلدون نے جعفر و عباسہ کی نکاح کے غلط افسانے پر تنقید کرنے کے بعد برامکہ کے زوال پر یہ رائے لکھی ہے کہ[1] برامکہ دولت عباسیہ کے خزانوں پر قابض ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید کو ضرورت کے وقت تھوڑا سا بھی روپیہ خزانے سے نہیں ملتا تھا۔ برامکہ کا قدم استقلال اور استحکام کے ساتھ سلطنت میں جم گیا تھا اور وہ حکومت پر غالب تھے۔ رشید کو سلطنت میں دخل و تصرف کا کچھ بھی اختیار باقی نہ تھا اور تمام دنیا میں آہستہ آہستہ اُنکی شہرت پھیل گئی تھی اور سلطنت کے تمام اعلیٰ درجے کے منصب اُنہوں نے حاصل کر لئے تھے چنانچہ وزارت، کتابت، حجابت اور سپہ سالاری کے تمام معزز عہدوں پر یحییٰ برمکی کی اولاد میں سے پچیس[2] شخص حکمران تھے۔ مختصر یہ کہ برامکہ سیف و قلم دونوں کے مالک تھے اور دولت عباسیہ کے قدیم جاں نثار عرب ذلت سے خارج کر دیئے گئے تھے اور یہ سارے کرشمے یحییٰ برمکی کے دم سے تھے کیونکہ وہ ایام ولیعہدی سے تخت نشینی تک ہارون الرشید کا اتالیق تھا بلکہ یحییٰ کی گود میں بچپن سے پرورش ہوا تھا اور یحییٰ کو باپ کہتا تھا۔ یہ ذریعہ اعزاز کا باعث تھا۔ تمام اعیان سلطنت برامکہ کی طرف متوجہ تھے۔ دور دراز ملکوں سے بادشاہوں کے تحائف برامکہ کے پاس آتے تھے اور یحییٰ سلطان

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۱۰ الفخری صفحہ ۱۹۱

[2] نہایت افسوس ہے کہ آج اُن پچیس آدمیوں کے نہ نام معلوم ہو سکتے ہیں نہ حالات۔

کھلاتا تھا اور خزانہ دولت سے بھرتا چلا جاتا تھا۔ تمام خاندان محتاجی کی ذلت سے چھوٹ گیا تھا۔ چھوٹے بڑے سب امیر کبیر تھے۔ جن الفاظ میں برامکہ کی مدح کی جاتی تھی وہ الفاظ خلیفہ کے مدحیہ قصائد میں بھی نہ ہوتے تھے۔ شعرا اور سائل بڑے بڑے صلے پاتے تھے۔ تمام جاگیرات اور علاقے برامکہ کے قبضے میں تھے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو دوست بھی دشمن بن گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بنو قحطبہ یعنی جعفر کے نانہال کے لوگ بھی اُس کے علانیہ بدخواہ ہو گئے۔ تب تو رشید تمام شکایتوں پر توجہ کرنے لگا اور برامکہ کی معمولی فروگذاشتیں بھی اس کو جرم سنگین نظر آنے لگیں یہ اسباب تھے جنھوں نے برامکہ کو تباہ کر دیا اور اُن کی سوانح ہمارے واسطے عبرت کی داستان بن گئے۔ یہی فیصلہ قدیم مورخ جہشیاری کا بھی ہے۔

خلافت عباسیہ میں برامکہ کا اقتدار

علامہ ابن خلدون کے ہر ہر جملہ کی تصدیق اکثر واقعات سے ہوتی ہے خصوصاً برامکہ کا کل سلطنت پر قابض اور مالک کامل ہونا اور صرف یہی ایک سبب جعفر کے قتل اور آل برمک کی بربادی کے واسطے کافی ہے۔ مصنف حیٰوۃ الحیوان لکھتا ہے کہ جب ہارون الرشید نے دارا سلطنتہ سے نکل کر ملک کا دورہ شروع کیا تو جس جگہ اور جس باغ میں اُسکے خیمے کھڑے ہوتے تھے۔ وہاں یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ برامکہ کی جاگیر ہے۔ ان صداؤں نے ہارون کے کان بھر دیئے تھے اور بعض اشخاص کو جعفر نے باختیار خود قتل کر ڈالا تھا۔ یہ اسباب ناراضی تھے۔

اسباب زوال پر جہاں تک تحقیقات ہو سکی وہ سب رائیں تحریر ہو چکی ہیں۔ علامہ ابن خلکان کی ایک روایت اور باقی ہے وہ بھی لکھی جاتی ہے۔ "سعید بن سالم سے لوگوں نے پوچھا کہ برامکہ پر رشید کیوں غضب ناک ہوا۔ سعید نے کہا خدا کی قسم اُن کا قصور مستلزم قتل نہ تھا۔ لیکن اُن کا زمانہ طول پکڑ گیا تھا اور ہر طوالت کا انجام ملال ہے۔ دیکھو عمر[1] بن الخطاب

[1] حضرت عمرؓ ۱۳ھ ۶۳۴ء میں خلیفہ ہوئے۔ ۱۰ برس کی خلافت کے بعد ۲۳ھ ۶۴۴ء میں شہید ہوئے۔ ایام جاہلیت میں جب قریش کے قبیلوں

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے کو یہ کیسا اچھا زمانہ تھا۔ عدل و انصاف جاری تھا زمانہ پُرامن تھا۔ فتوحات کی ترقی اور اموال کی وسعت تھی۔ لیکن جب اُن کے زمانے نے طول پکڑا دونوں خلیفہ شہید ہوئے۔ جب رشید نے دیکھا کہ برامکہ کی طرف لوگ رجوع ہیں۔ اُن کے مداح ہیں تو وہ ناراض ہوگیا اور بادشاہ تو اس سے کم میں بھی ناخوش ہوجاتے ہیں"۔ برامکہ کے دشمن بہت تھے۔ فضل ربیع وغیرہ برامکہ کے محاسن کو چھپاتے تھے اور اُن کے ذمائم شائع کرتے تھے چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا اور کھلی ہوئی مخالفتیں طرفین سے ہونے لگیں، اور عداوت کا کامل اعلان ہوگیا۔ چنانچہ واقعات ذیل سے بھی اس کی شہادت ہوتی ہے۔

۱۰۔ **عبرت** | حکیم بختیشوع[۱] بن جبرئیل کہتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن قصر الخلد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں بھی وہاں جانکلا وسط میں دریائے دجلہ کا خوشنما منظر عجیب لطف دے رہا تھا سامنے سے آل برمک کی رفیع الشان عمارتیں نظر آرہی تھیں، یحییٰ برمکی کے دروازے پر سوار اور پیادوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ رشید نے دیکھا تو کہا کہ "خدا یحییٰ برمکی کا بھلا کرے غریب ہمارے واسطے کیسی سخت محنت اُٹھاتا ہے اور ہم اُس کی بدولت آرام سے عیش کرتے ہیں"۔ حکیم مذکور کہتا ہے کہ ایک زمانے کے بعد پھر مجھے قصر الخلد میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہی گذشتہ سماں آنکھوں کے سامنے تھا اُس روز میں نے رشید کو یہ کہتے سُنا کہ "حقیقت میں یحییٰ تو خلافت کرتا ہے میں تو برائے نام ہوں"۔ میں اُسی وقت سمجھ گیا کہ بس اب برامکہ کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۵) میں لڑائی ہوتی تو آپ سفیر ہوکر جایا کرتے تھے۔ اکثر مشاورۃ کے جلسوں میں بھی پیش ہوتے تھے۔ اس عہد میں ملک شام بعلبک، حمص، بیت المقدس، حلب، انطاکیہ، تبریز۔ آذربیجان۔ ہرات۔ جرجان فتح ہوا۔ سلطنت کسریٰ برباد ہوئی۔ سب سے پہلے امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا۔ سزائے تازیانہ اور رات کے لئے چوکیدار مقرر کئے دفتر مرتب کیا گیا شہروں میں قاضی بھیجے۔ رمضان کے مہینے میں مسجدوں میں قندیلیں جلائیں اور حضرت عثمانؓ ۲۳ھ ہجری میں مسند خلافت پر بیٹھے ۱۲ برس خلافت کرکے ۳۵ھ؁ (۶۵۶ء) میں شہید ہوئے۔ جزیرۂ قبرص اندلس۔ خراسان، اصطخر، طبرستان، کرمان، سجستان، نیشاپور، سیستان، قہستان، مرو اور طالقان فتح ہوا ۳۰ھ؁ (۶۴۹ء) میں قرآن شریف کے سب نسخے جمع کرکے دوبارہ ترتیب کیا اور وہی آج تک جاری ہے۔ مسجد الحرام کو وسیع کیا۔ اور بطور پولیس کے اول سپاہی مقرر ہوئے۔

[۱] اطبا میں نہایت ہی جلیل القدر اور فاضل طبیب تھا۔ خلفائے عباسیہ سے جس قدر دولت کے خزانے اسکو حاصل ہوئے وہ دوسرے کو

۱۱- یحییٰ برمکی سے مخالفت کا اعلان

ہارون الرشید برامکہ میں یحییٰ کا سب سے زیادہ ادب کرتا تھا۔ لیکن جب اشتعال بڑھ گیا تو یحییٰ کی بھی ہر ہر بات پر اعتراض ہونے لگے۔ یحییٰ کا دستور تھا کہ وہ بلا اجازت ہارون الرشید کے پاس چلا جاتا تھا۔ کسی دربان اور حاجب سے اطلاع کرانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی چنانچہ ایک دن یحییٰ دستور کے موافق ہارون کے پاس گیا اُس وقت جبرئیل بن بختیشوع حکیم موجود تھا۔ یحییٰ نے سلام کیا تو ہارون نے سلام کا جواب دھیمی آواز سے دیا اور جبرئیل سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تمہارے مکان میں کوئی شخص بلا اجازت آسکتا ہے۔" جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ پھر یحییٰ سے پوچھا کہ آپ بلا اجازت کیوں آئے؟ یحییٰ نے جواب[1] دیا کہ "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں بلا اجازت اسی وقت نہیں آیا ہوں بلکہ جس وقت امیر المومنین بستر خواب میں ہوتے تھے تو میں وہاں تک چلا جاتا تھا لیکن اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا اور میرا آنا امیر المومنین کو ناگوار ہے۔" یہ جواب سنکر ہارون چپ ہو رہا۔ اور یحییٰ نے سمجھا کہ بس اب اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ ہارون نے یحییٰ کی یہاں تک حقارت کر دی تھی کہ مسرور کو حکم دے دیا تھا کہ اب کوئی غلام یحییٰ کی تعظیم کو نہ کھڑا ہو۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟

۱۲- برامکہ اعلیٰ جاگیرات کے مالک تھے

مبرو نحوی لکھتا ہے کہ ابو عبید اللہ بارستانی نے قاضی یحییٰ بن اکثم سے[2] اور اُنھوں نے اسمٰعیل بن یحییٰ ہاشمی سے سوال کیا تھا کہ آپ کو برامکہ کے قتل کا سبب معلوم ہے۔ تو اسمٰعیل نے کہا کہ ہاں مجھے اس معاملہ کے ظاہر و باطن سے اطلاع ہے۔ میں ایک دن ہارون الرشید کے ہمراہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۶) نہیں ملے۔ خلیفہ متوکل کے عہد میں اس طبیب سے اعلیٰ رتبے کا کوئی شخص نہ تھا۔ بلکہ لباس اور دیگر سامان آرائش میں اس میں اور خلیفہ میں کچھ فرق نہ تھا۔ طبقات الاطبا صفحہ ۱۳۸ جلد ۲

[1] یہ واقعہ الفخری سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن جہشیاری نے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ [2] طبری کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۷۶

[3] اعلام الناس صفحہ ۱۵۳

شکار گاہ میں تھا کہ ناگاہ دور سے کچھ سوار نظر آئے۔ رشید نے پوچھا کہ یہ کس کا موکب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی جعفر بن یحییٰ کی اردلی کے سوار ہیں۔ تب اپنے دائیں بائیں دیکھا تو بہت سے سوار ہمراہ تھے۔ پھر اُس طرف نظر کی تو جعفر کے سوار نہ دکھائی دیئے تب مجھ سے پوچھا کہ وہ سوار کیا ہوئے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی صاحب کسی دوسرے راستے سے تشریف لے گئے ہیں اور جس طرف سے آپ جا رہے ہیں اُن کو یہ راستہ معلوم نہ ہوگا، کہا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جعفر نے ہم کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ وہ ہمارے ساتھ ہو کر زیب و زینت کا باعث ہو۔ میں نے کہا امیر المومنین! معاف فرمائیے اگر جعفر کو یہ جگہ معلوم ہوتی تو ہرگز تجاوز نہ کرتے اور ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ تھوڑی دور چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں مواشی کی کثرت تھی اور خوبصورت مکانوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اور اسی جگہ سے گاؤں کی طرف جانے کا راستہ تھا، تھوڑی دور چل کر موضع کے اندر پہنچ گئے یہاں کی زمین سرسبز و شاداب تھی۔ کھلیانوں میں غلہ کی افراط تھی اور رعایا بھی خوش حال نظر آتی تھی۔ یہ دیکھ کر میری طرف مخاطب ہوا، اور پوچھا کہ یہ کس کی جاگیر ہے میں نے کہا جعفر کی یہ سُنکر چپ ہو رہا، پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آگے چلا۔ راستے میں جہاں تک جانے کا اتفاق ہوا کوئی موضع بھی ایسا نہ ملا جس کی حالت خراب ہوتی۔ بلکہ سرسبز و شاداب تھے۔ ہر موضع کو دیکھتا اور مجھ سے پوچھتا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ میں عرض کرتا تھا کہ آپ کے بھائی جعفر کا جب شکار سے دار الخلافہ بغداد میں واپس آئے۔ میں نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ تب ہارون نے چاروں طرف دیکھا میں بھی سمجھ گیا اور جو مجمع تھا وہ منتشر ہو گیا۔ جب میں اکیلا رہ گیا تو مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا "اسمٰعیل! تم دیکھتے ہو برامکہ نے دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے۔ خود امیر بن گئے ہیں، اور میری اولاد کو فقیر کر دیا ہے۔ اُن کے معاملات سے میں نے اب تک غفلت کی ہے"۔ یہ سُنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اس خاندان پر

بلا نازل ہوا چاہتی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ امیر المومنین کے یہ خیالات کس بنا پر ہیں کہا جو کچھ ہے ظاہر ہے۔ میں نے صریح غفلت کی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ بغداد سے اسقدر نزدیک اور مسلسل برامکہ کی جاگیر ہے۔ میری اولاد میں سے کسی ایک کی بھی ایسی جاگیر نہیں ہے۔ دار الخلافہ کے قریب کی تو یہ حالت ہے دور دراز ممالک کا معلوم نہیں کیا حال ہوگا میں نے کہا کہ برامکہ تو آپ ہی کے خادم اور بندے ہیں۔ اُن کا خزانہ اور جاگیریں۔ حقیقت میں آپ ہی کا مال ہے۔ یہ سُنکر مجھے قہر کی نظروں سے دیکھا اور کہا "یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ بنی ہاشم کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور خود ہی خلیفہ ہیں۔ اور آل عباس کے پاس جو دولت ہے اُس کو بھی وہ اپنا عطیہ سمجھتے ہیں۔" میں نے کچھ اور عرض کیا تو کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو میری باتیں ان سے جاکر کہہ دیگا۔ میں تجکو حکم دیتا ہوں کہ افشائے راز نہ ہو۔ اور اگر ہوا تو میں سمجھونگا کہ یہ تیرا ہی کام ہے میں نے کہا "نعوذ باللہ! میں اور آپ کا راز کہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" خلیفہ ہارون الرشید کی یہ پہلی تقریر تھی جو برامکہ کی مخالفت میں کی گئی۔ پھر میں رخصت ہوکر مکان چلا گیا اور دوسرے دن صبح کو حاضر ہوا۔ اُس وقت باب السلام کے شرقی جانب ہارون الرشید بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی پاس جاکر بیٹھ گیا اور سامنے جانب مغرب جعفر کے محل نظر آرہے تھے، دروازے پر سرداران فوج، عمال اور اُمرائے دربار کا ایک ہجوم لگا ہوا تھا اور ہر روز جعفر کے دروازے پر ایسا ہی مجمع رہتا تھا۔ یہ دیکھکر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا "اسمٰعیل! میں کل تم سے کیا کہتا تھا دیکھو! جعفر کے دروازے پر کس قدر لونڈی غلاموں اور اور سواروں کا مجمع ہے اور ایک میں ہوں کہ میرے محل پر ایک بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا "امیر المومنین آپ کو خدا کی قسم! اپنے دل میں اس قسم کے خیالات نہ رکھئے جعفر حقیقت میں آپ کا خادم اور غلام ہے اور سپہ سالار بھی ہے۔ اگر اُسکے دروازے پر فوج نہ ہوگی تو کس کے دروازے پر ہوگی۔" یہ سُنکر کہا کہ "دیکھو گھوڑوں کی

اس قدر کثرت سے ہے کہ یہاں تک تانتا لگا ہوا ہے۔ میری سُبکی کے واسطے جعفر ایسا کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں ان باتوں پر اب صبر نہیں کر سکتا ہوں" پھر اُس کا غصہ بھڑک اُٹھا اور ایسا جوش میں آیا کہ بات کرنا بھی بند کر دی۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ ؎

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی ہے اِس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

اور میں اجازت لے کر گھر چلا گیا۔ راستے میں جعفر کو آتے ہوئے دیکھا میں قصداً چھپ گیا اور جعفر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد معمولی آداب کے ہارون نے اپنی دائیں جانب جعفر کو بٹھایا اور از حد تعظیم کی۔ دیر تک بہ خندہ پیشانی باتیں کرتا رہا اور اپنے خاص خادموں میں سے ایک خادم مرحمت فرمایا۔ یہ خادم نہایت حسین، ظریف، کاتب، محاسب، ہوشیار اور عقیل تھا۔ امیر المومنین کی اس فیاضی سے جعفر نہایت خوش ہوا۔ حالانکہ یہ خادم جاسوس تھا اور جعفر کے حق میں بلا تھا۔ ہارون سے ایک ایک حال جعفر کا کہا کرتا تھا۔ اس واقعہ کے تیسرے دن میں جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا جب تخلیہ ہو گیا اُس وقت میں نے جعفر سے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں (کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو گفتگو اس وقت ہو گی یہ خادم ضرور جا کر ہارون سے کہدیگا) جعفر نے کہا کہ اجازت ہے جو کہنا ہے کہئے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب خلیفہ نے جعفر کو خراسان کا والی مقرر کر کے چند روز کے بعد معزول کر دیا تھا اور اب نہروان کی حکومت سپرد کی گئی تھی اور سامان سفر درست ہو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے سردار! آپ ایسے علاقہ میں تشریف لے جانے والے ہیں جس کے اطراف نہایت وسیع ہیں اور خیر و برکت کی جگہ ہے۔ اگر آپ بعض جاگیریں امیر المومنین کی اولاد کے نام منتقل فرما دیں تو ترقی دولت کا باعث ہو سکتا ہے۔ جب میں کہہ چکا تو جعفر نے میری طرف غضب ناک ہو کر دیکھا۔ اور کہا کہ "اسمٰعیل! تمہارے ابن عم (ہارون الرشید) میرے ہی طفیل میں روٹی کھاتے ہیں اور سلطنت عباسیہ کا قیام میری ذات سے ہے۔ خزانہ کو دولت سے پُر کر دیا ہے۔ اس پر بھی صبر نہیں آتا ہے۔ اب اُن چیزوں پر تاک لگائی

ہے جس کو میں نے اپنی اولاد کے واسطے ذخیرہ کیا ہے کہ وہ میرے بعد اُن کے کام آئے۔ خدا کی قسم اگر کوئی شئے بھی مجھ سے ہارون نے طلب کی تو اُس پر جلد وبال نازل ہوگا۔" میں نے عرض کیا کہ" خدا کی قسم جیسا آپ کا گمان ہے اُس کے مطابق امیرالمومنین نے ایک حرف بھی نہیں کہا ہے۔ بلکہ یہ تو میری ذاتی رائے ہے۔" تب جعفر نے کہا کہ پھر ایسی فضول تقریر کا کیا نتیجہ ہے اور میں تھوڑی دیر بیٹھکر اپنے گھر چلا گیا اور اُس دن سے نہ میں جعفر کے پاس گیا نہ دربار میں حاضر ہوا۔ کیونکہ میں نے سمجھا کہ یہ وزیر ہے اور وہ بادشاہ۔ ان کے جھگڑوں میں پڑنا فضول ہے۔ دونوں آپس میں نبٹ لینگے لیکن زوال برامکہ میں اب کچھ دیر نہیں ہے کیونکہ اُن کے معاملات میں کمزوری آگئی ہے۔ اس کے بعد خادم ام جعفر نے مجھ سے بیان کیا کہ اُس غلام نے جو بطور مخبر تعینات تھا یہ تمام باتیں جو مجھ سے اور جعفر سے ہوئیں تھیں ہارون کو لکھ بھیجیں اور وہ اُس کے پڑھتے ہی غضبناک ہوگیا اور برامکہ کی بربادی کے حیلے سوچنے لگا۔

۱۳۔ تفویض حکومت خراسان علی بن عیسٰے[1]

برامکہ کی سب سے بڑی جاگیر جس پر تمام فیاضیوں اور اخراجات کا انحصار تھا۔ وہ خراسان کا زرخیز صوبہ تھا کیونکہ معمولی خراج داخل خزانہ ہوتا تھا، اور باقی آمدنی کے مالک برامکہ تھے۔ اس جاگیر کا رشک وحسد سب سے زیادہ علی بن عیسٰے بن ماہان بن مالک کو تھا اور اس امیر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ جس طرح ممکن ہو یہ صوبہ برامکہ کے قبضے سے نکل کر میرے پاس آجائے۔ لہذا ہمیشہ جعفر اور یحییٰ کی برائیاں بیان کیا کرتا تھا۔ جب ہارون کا مزاج برامکہ کی طرف سے برہم دیکھا تو دل کھول کر خوب ہی شکائتیں کیں اور یحییٰ کے احسانات بالکل بھلا دیئے۔ جس وقت علی کی تقرری کا ہارون الرشید نے ارادہ کیا تو یحییٰؒ سے مشورہ کیا کہ اگر آپ کی رائے ہو تو میں فضل

---

[1] طبری کی روایت ہے کہ یحییٰ نے اوّل مخالفت کی تھی لیکن جب علی نے تحائف پیش کئے اُسوقت ہارون نے لبطور تعریض کے یحییٰ سے

کو کوئی عمدہ خدمت عطا کروں اور خراسان کی حکومت علی بن عیسٰے کو سپرد کردوں۔ یحییٰ نے کہا کہ بہت مناسب ہے اور کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ چنانچہ ۱۸۰ھ میں منصور بن یزید الحمیری کو جو بجائے فضل کے ۱۷۹ھ میں مقرر کیا گیا تھا معزول کر کے علی کو خراسان کی حکومت مرحمت فرمائی۔ اور جعفر کو بغاوت شام کے دور کرنے کے حیلے سے وزارت سے بھی الگ کر دیا۔ اور مہر وزارت یحییٰ برمکی کے سپرد کر دی۔ علی نے جب یہ موقع پایا تو خراسان میں جا کر خوب دست درازیاں شروع کیں اور حفظ ماتقدم کے لحاظ سے ایک اور چال چلا یعنی اپنا میر منشی یحییٰ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے انعام کثیر کا وعدہ کر کے کہا کہ تم یحییٰ سے ایک امان نامہ میرے نام لکھا لاؤ۔ چنانچہ وہ منشی دربار یحییٰ میں حاضر ہوا اور یحییٰ سے تمام حالات خلوت میں جا کر عرض کر دیئے۔ یحییٰ برمکی نے نہایت صاف دلی سے ایک خط اپنے قلم سے لکھ کر میر منشی کو حوالہ کر دیا مضمون اس کا یہ تھا کہ "تمام برائیوں سے خدا ہم دونوں کو بچائے اگر تمہارے دل میں مجھ سے یا میری اولاد کی جانب سے کوئی بدگمانی ہے کہ ہم تمہارے بدخواہ ہیں یا تمہارے کاموں میں خلل انداز ہیں تو اس خیال کو دل سے نکال ڈالو۔ کیونکہ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جن کے یہاں بدی کا بدلہ بدی ہے۔ ہماری طرف سے محبت اور بھلائی کے ہر وقت امیدوار رہو۔ اور اس کا کبھی خیال نہ کرو کہ جو جاگیر فضل اور جعفر کے قبضے میں تھی آج اس پر کون قابض ہے؟ عدل و انصاف بڑی دولت ہے یہ ہاتھ سے نہ جانے پائے دنیا کی سرخروئی اور آخرت کی نجات اسی پر ہے۔ والسلام" جب یحییٰ کی تحریر علی کے ملاحظے سے گزری تو بہت خوش ہوا۔ اور انعام و اکرام سے میر منشی کو مالا مال کر دیا اب چونکہ یحییٰ کی مخالفت کا بھی خوف باقی نہیں تھا۔ اس لئے رعایا پر سخت گیری اور ظلم

کہا کہ تم اس کے مخالف تھے۔ لیکن اس خیر و برکت کو دیکھو۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ امیر المومنین کی رائے صائب ہے اور میرے علم سے اُس کا علم وسیع ہے۔ لیکن یہ مال جبر کا ہے اور جو تین برس میں فراہم ہوا ہے وہ ایک گھنٹے میں جمع ہو سکتا ہے طبری جلد ۳ صفحہ ۷۰۲

ملہ ابن خلدون جلد ۳ حالات ۱۷۹ء-۱۸۰ھ و کامل اثیر صفحہ ۵۰ جلد ۶ و تاریخ ضیائے برنی۔ و جہشیاری صفحہ ۲۸۱۔

کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ موروثی جاگیریں ضبط کرلیں اور جن وسائل سے روپیہ جمع ہوسکا خوب ہی فراہم کیا۔ لوگ یحییٰ سے شکایت کرتے تھے۔ مگر وہ مجبور تھا۔ چند سال کے بعد قیمتی جواہرات اور دیگر مال، لونڈی، غلام وغیرہ لے کر علی بغداد میں داخل ہوا۔ اور دربارِ عام میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تاکہ جو تحائف خراسان سے لایا ہے اُسکو سب کے سامنے پیش کرے۔ اس کارروائی سے یہ دکھانا منظور تھا کہ برامکہ کے مقابلے میں میری کارگزاری کی ملک اور سلطنت میں وقعت ہو۔ اور خراسان کے محاصل کا اندازہ بھی ہو جائے۔ چنانچہ علی کی درخواست کو خلیفہ ہارون الرشید نے منظور کیا، اور حکم دیا کہ ایک وسیع میدان میں دربارِ عام کی تیاریاں کی جائیں اور وہاں علی اپنی نذر پیش کرے، چنانچہ ایک خوش فضا میدان میں ایک رفیع الشان بارگاہ سجائی گئی، اور صدر میں تختِ شاہی بچھایا گیا علی نے نہایت سلیقہ شعاری سے اپنے تحائف کو پیش کیا۔ ایک جانب اشرفیوں کے انبار تھے۔ دوسری جانب دینار و درہم کے ڈھیر تھے۔ تیسری جانب ریشمی کپڑے اور قیمتی اسباب تھا۔ چوتھی جانب ترکی غلام صف باندھے کھڑے ہوئے تھے جن کے گلے میں مرصع تلواریں حمائل تھیں اور قصب مصری کی دستاریں اُن کے سروں پر تھیں۔ انھیں کے برابر حور وش کنیزوں کا جھرمٹ تھا۔ جنکے قیمتی لباس اور زیوروں کے جھلا جھلی سے میدان جگمگا رہا تھا، مشک نافے اس کثرت سے تھے کہ بغداد کا جنگل مہک رہا تھا۔ اسکے بعد عربی اونٹ اور گھوڑوں کی قطار تھی جو قیمتی ساز و یراق سے سجے ہوئے تھے۔ جب یہ تحائف اپنے اپنے موقع پر سجا دیئے گئے۔ اُسوقت امیر المومنین کی سواری آئی یہ سامان دیکھکر خوش ہوگئے اور دور سے سرخ، سفید اور سیاہ انبار نظر آئے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مصاحبوں نے عرض کیا کہ اشرفی، نقرہ اور مشک اذفر کے انبار ہیں جو نظر آرہے ہیں۔ غرضکہ ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ جب سب سامان دیکھ چکا تو صدر ایوان میں آکر تختِ زرنگار پر بیٹھ گیا۔ یحییٰ اور جعفر بھی

لہ جہشیاری کی روایت ہے کہ علی نے دس کروڑ درہم کا نذرانہ رشید کو روانہ کیا تھا۔ صفحہ ۲۸۲۔

موجود تھے اور دربار لگا ہوا تھا۔ یحییٰ نے جعفر سے کہا دیکھتے ہو؟ علی نے اس قدر مدت میں کسقدر ظلم وستم سے خزانہ جمع کیا ہے۔ اور یہ ساری نمایش اس واسطے کی گئی ہے کہ امیرالمومنین کا مزاج ہماری طرف سے برہم ہو جائے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ خراسان کس قدر زرخیز ملک ہے اس کارروائی سے میرے دل پر علی نے کاری زخم لگایا ہے۔" جعفر نے کہا کہ "علی کی کارروائی پر افسوس اور رنج کرنا فضول ہے کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ خلیفہ کی خوشنودی مزاج کے واسطے رعایا سے یہ دولت حاصل کی ہے۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں ملک اور خلیفہ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ روپیہ کیونکر جمع ہوا ہے۔ خراسان میں عنقریب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکنے والی ہے۔ بجائے ایک ایک درہم کے جو خزانے میں اس وقت آیا ہے خلیفہ کے ننو ننو دینار خرچ ہونگے تب بھی ملک کی بغاوتیں دور نہ ہونگی۔ خراسان اور ماوراء النہر بالکل تباہ کر دیا گیا ہے۔ علی نے امیرالمومنین کے ساتھ بھلائی نہیں کی ہے بلکہ یہ سلطنت کی بربادی کے آثار ہیں۔" جعفر کی اس گفتگو کو لوگوں نے سُنا تو ہارون الرشید سے اطلاع کر دی۔ خلیفہ نے جعفر سے پوچھا تو جعفر نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ امیرالمومنین کو اس مال پر جو بہ جبر رعایا سے وصول کیا گیا ہے خوش نہونا چاہئے۔ خلیفہ نے یہ جواب نہایت ناگواری سے سُنا اور علی بن عیسیٰ کی اس درجہ عزت کی کہ سب دربار کو اُس سے حیرت اور عبرت ہوئی۔ یحییٰ اور جعفر نہایت افسردہ دل ہو گئے۔ جب مکان پر پہنچے تو یحییٰ نے جعفر سے کہا کہ "جو تم کہتے ہو وہ بالکل سچ ہے تمہارے اقوال آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، لیکن ہارون لالچی اور طامع ہے اب وہ کچھ نہیں سنیگا، اور جہاں تک ہوگا ہماری ہلاکت کی فکر کرے گا۔"

۱۴ جعفر کے قتل کا سامان

چنانچہ اس واقعہ کے بعد روز بروز خلیفہ کا مزاج بگڑتا گیا۔ احمد بن محمد واصل راوی ہے کہ ایک دن خلوت میں ہارون

لہ جہشیاری کی روایت ہے کہ جب رافع بن لیث نے بغاوت کی اور رشید مقابلہ کو گیا اسوقت جعفر کے قول کی تصدیق ہوئی اور اس نے سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔

کے پاس ہیں کھڑا ہوا تھا۔ لوبان اور عطریات کی خوشبو سے تمام محل مہک رہا تھا۔ ہارون لحاف اوڑھے ہوئے لیٹا تھا مگر جاگ رہا تھا کہ جعفر برمکی آگیا اور کسی معاملے میں مشورہ کرکے فوراً واپس ہوا۔ جب جعفر رخصت ہوا تو ہاروں کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمہ نکلا کہ "اے خدا تو جعفر کو ایسی توفیق دے کہ وہ مجھے ہلاک کرے یا مجھے اُس پر قدرت مرحمت فرما، کہ میں اُس کا سر تن سے جُدا کر دوں۔ کیونکہ اب میری زندگی تلخ ہو رہی ہے۔" یہ باتیں ہارون خود بخود کر رہا تھا۔ میں نے سُنا تو میرا بدن کانپ اُٹھا اور سمجھا اگر ہارون کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کلمات کو سُنا ہے تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اسی دھن میں تھا کہ خلیفہ نے لحاف سے سر نکالا اور کہا کہ میں نے ابھی جو کہا ہے وہ تو نے سُنا ہے، میں نے انکار کیا۔ ہارون نے کہا کہ نہیں تو نے ضرور سُنا ہے کیونکہ اس وقت عود اور انگیٹھی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر جان عزیز ہے تو افشائے راز نہ ہو۔ خیر اس وقت کی تو بات ٹل گئی لیکن چند ہی روز میں ہارون نے اپنا حوصلہ پورا کیا۔

۱۵۔ جعفر کے قتل کا مشورہ[1]

ابوالحسن عیسٰی بن موسٰی راوی ہے کہ ایک دن مجکو ہارون الرشید نے بُلا کر کہا کہ "میں ایک مخفی راز کہنا چاہتا ہوں مگر خوب سمجھ لو کہ اگر افشا ہوا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔" میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین کی مجھ پر کمال شفقت ہوگی کہ آپ مجھ سے وہ راز ظاہر نہ کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قیاس اور عقل سے وہ واقعات سمجھ جائے اس صورت میں صرف شبہ میں میری جان جاتی رہے گی۔ لیکن رشید نے میرا عذر نہ سُنا اور کہنے لگا۔ میرا قطعی ارادہ ہے کہ برامکہ کا استیصال کروں، اور فضل بن

۱۶۔ وزارت کی تبدیلی پر ہارون الرشید کے خیالات

ربیع کو جو امیرالمومنین مہدی کا پروردہ ہے وزارت عطا کروں مگر افسوس ہے کہ فضل میں ویسی عقل و دانش نہیں ہے جو برامکہ میں ہے، ایسا نہ ہو کہ انکے زوال پر ملک میں بدامنی

---

[1] نمبر ۱۴-۱۵- تاریخ برنی سے لکھے گئے ہیں۔

اور ابتری پھیل جائے یہ خیالات اکثر میرے دل میں آتے ہیں لیکن سخت مجبور ہوں۔ اس معاملے میں میری قوت فیصلہ بالکل کمزور ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں یہ تقریر سنکر دم بخود رہ گیا۔ کیونکہ نہ تو صاف جواب دے سکتا تھا اور نہ بغیر کچھ کہے ہوئے چارہ تھا۔ اور میں سمجھتا تھا کہ خلافت عباسیہ کا نظم ونسق جعفر اور یحیٰی کے ہاتھ میں ہے اُن کے قتل ہوتے ہی خلافت کا ڈھیر ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین کی رائے میں میرے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو غور و فکر سے کام لینا مناسب ہے، ورتمثیلاً برامکہ کی چند خدمات گا میں نے ذکر کیا۔ رشید نے سر جھکا لیا۔ جس جگہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے یہ ایک خوش فضا باغ دجلہ کے کنارے تھا۔ اس باغ کے متصل ایک ٹکڑا اراضی کا غیر آباد پڑا ہوا تھا' لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی زمین ہے، کسی نے جواب نہیں دیا۔ فضل بن ربیع سے بھی (جو اُس وقت حاجب تھا) دریافت کیا اُس نے بھی کہا کہ مجھکو اس کا علم نہیں ہے تب جعفر کو بُلا کر دریافت کیا اُس نے اوّل سے آخر تک اُس کی تاریخ بیان کردی کہ پہلے فلاں کے قبضے میں تھی اور اس وقت فلاں شخص مالک ہے۔ تب ہرون کو اطمینان ہوگیا اور نظر اغماض سے میری طرف دیکھا جس میں یہ کنایہ تھا کہ ایسے عاقل اور دانا وزیر کو کیونکر قتل کروں۔"

خلیفہ ہارون الرشید کی ناراضی کا اثر برامکہ پر اُن کے باہمی مشورے اور ہارون و یحیٰی کا معاہدہ

جب یحیٰی برمکی کو خلیفہ ہارون الرشید کے اعمال و حرکات سے یقین ہوگیا کہ اُس کا جوش انتقام اور غلبہ غضب کسی طرح کم نہ ہوگا اور وہ روز سیاہ عنقریب آنیوالا ہے کہ جعفر قتل ہوگا

اور خاندان کے چھوٹے بڑے قید کی سخت مصیبتیں اُٹھائیں گے۔ اس لئے یحیٰی نے اپنے تمام خاندان کو جمع کیا۔ اور اُنؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم سب کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید

یحیٰی کا مشورہ خاندان سے

کا مزاج کس درجہ برہم ہے اب مصلحت یہ ہے کہ ہمارے پاس جس قدر مال، دولت اور جاگیریں ہیں اُن کی ایک فہرست مرتب کریں۔ اوّل میں اپنا تمام سرمایہ پیش کرونگا۔ خاندانی عزت کا اگر کچھ بھی پاس ہے تو یہ سب سرمایہ جمع کرکے ہاروں کو دیدینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی سے اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے کیونکہ وہ بڑا لالچی ہے۔ میں اُس کے مزاج سے خوب واقف ہوں"۔ یحیٰی کی تقریر سُنکر سب لڑکے خاموش رہے فضل نے جو فرزند رشید تھا۔ باپ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ "میرے پیارے باپ آپ کی ہمیشہ ہم سب کو یہ نصیحت تھی کہ جہانتک ہو سکے دنیا میں نیک نامی حاصل کرو۔ مساکین وفقرار کی اعانت کرو اور دولت جمع نہ کرو اب آپ فرماتے ہیں کہ اثاث البیت کی فہرست تیار کی جائے اور جو اندوختہ ہے وہ برآمد کیا جائے آپ کو خوب معلوم ہے کہ مال ہمارے پاس اب کہاں ہے' اور اگر الامر فوق الادب حکم کی تعمیل کی جائے اور ہم اپنا کل سرمایہ ہارون کے خوش کرنے کو دے دیں تب بھی کوئی نتیجہ نہ ہوگا کیونکہ ہارون طامع ہے۔ اس دولت کو دیکھکر اُس کی طمع کو اور تحریک ہوگی اور جلب منفعت کی غرض سے وہ ہم کو قید کرے گا۔ میرے نزدیک دیدہ ودانستہ ہلاکت میں نہ پڑنا چاہیئے۔ بفرض محال اگر کچھ ہوا تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بڑھاپے پر رحم کرکے آپ کو زندہ چھوڑ دے گا۔ لیکن ہمارا زندہ رہنا محال نظر آتا ہے اور اس وقت بھی امید حیات نہیں ہے۔ خدا کا حکم عنقریب جاری ہونے والا ہے الحکم حکمہٗ والقضاء قضاءہٗ[1]۔ جب یحیٰی نے فضل کا عاقلانہ جواب سُنا تو رونے لگا، چونکہ کُل کنبہ کے دل سوز وگداز سے بھرے ہوئے تھے یحیٰی کی آواز سُنتے ہی سب اس ماتم میں شریک ہو گئے۔ اب

[1] ضیاء برنی۔ ۱۲

برامکہ پر ایک ایک دن بھاری تھا۔ صدقہ اور خیرات کا یہ حال تھا کہ راتوں کو مساکین اور فقراء کے مکان پر جو کچھ ہو سکتا تھا روانہ کرتے تھے اور اپنی حالت پر افسوس کیا کرتے تھے۔ جو مشورہ یحییٰ برمکی نے اپنے بیٹوں کو دیا تھا۔ اگر اس پر عملدرآمد کیا جاتا تو ممکن تھا کہ ہارون الرشید کا غصہ دھیما ہو جاتا اور درگزر کرتا لیکن افسوس ہے کہ خود فضل وجعفر کو بھی طمع نے اس مفید مشورے سے فائدہ نہ اُٹھانے دیا۔

۲۔ جعفر کو اپنے قتل کا یقین تھا علی بن سلیمان سے روایت ہے کہ ایک دن جعفر اپنے مکانات کی سیر کر رہا تھا اور ہر چیز کو نہایت غور سے دیکھ رہا تھا جب سب دیکھ چکا تو کہا کہ "اس مکان میں کوئی عیب نہیں ہے شاہان عجم کے مکانات کے نمونے پر بنا ہے ہاں اگر کچھ عیب ہے تو یہی کہ اس کے مالک کی حیات کا جام لبریز ہو چکا ہے۔" پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رونے لگا۔ نجوم میں جعفر کو کمال تھا اسی عالم میں اس نے اپنا زائچہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ خانۂ طالع ہبوط میں ہے اور منحوس ستارے غالب ہو رہے ہیں چنانچہ اس واقعہ کے تین مہینے بعد قتل ہوا۔ اور ایک سال میں کل خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔

۳۔ احباب کے مشورے برامکہ کے عام احسان اور فیاضی نے رعایا کے دلوں پر پورا قبضہ کر لیا تھا: اس لئے تمام ملک (باستثنائے چند اُمرا) برامکہ کا طرفدار تھا۔ احباب جیسی جیسی وحشت انگیز خبریں سنتے تھے۔ ویسے ہی مفید مشورے دیتے تھے۔ عثمان بن عبدالرحمٰن ایک خراسانی فاضل راوی ہے کہ جب میں نے رشید کا مزاج برامکہ کی طرف سے برہم پایا تو یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو غمناک واقعات مدینۃ السلام میں سنے تھے اُس کا ذکر کیا اور مشورہ دیا کہ خلیفہ کے کئی بیٹے ہیں مصارف بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ نقدی تو آپ کے پاس نہیں ہے۔ البتہ جاگیریں فضل وجعفر کے پاس موجود ہیں مناسب ہے

لہ طبری صفحہ ۶۷۴ جلد ۳

کہ اُن میں سے آپ امین و مامون کو دیدیں کہ ہارون کا غصہ کم ہو جائے۔[1] یحییٰ نے سُنا تو رو کر کہنے لگا کہ میری ہمیشہ لڑکوں کو یہ نصیحت رہی کہ خوب صرف کرو اور دُنیا میں نیک نام ہو کر رہو چنانچہ جو جاگیریں تھیں اُن میں سے بڑا حصہ اوقاف کا ہے۔ آمدنی میں سے خفیف رقم خزانے میں رہتی ہے۔ بفرض محال اگر گنج قارون بھی ہارون کو دیدیا جائے تب بھی وہ زندہ نہ چھوڑے گا۔ رضینا بقضاء اللہ اور کلام مجید کی یہ آیت پڑھکر چپ ہو رہا من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها وهم لا یظلمون ٥

۴۔ اسحاق بن سلیمان سے مشورہ

ثمامہ راوی ہے کہ ایک دن میں یحییٰ کے ہمراہ اسحاق بن سلیمان کے مکان پر حاضر ہوا۔ اسحاق نے یحییٰ کا استقبال کیا اور بڑے تپاک سے مسند پر بٹھایا اور خود یحییٰ کے سامنے مؤدب بیٹھ گیا۔ تب یحییٰ نے کہا کہ "اس وقت آپ دونوں صاحب موجود ہیں مجھے مفید مشورہ دیجئے کیونکہ ہارون کے مزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے قتل پر تُلا ہوا ہے۔ موقع ملنے پر وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا" ثمامہ کہتا ہے کہ دوسری نماز کے وقت تک ہم لوگوں نے نشست کی، لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا ع نشستند و گفتند و برخاستند"

جب یحییٰ نے یہ رنگ دیکھا تو خوب رویا اور کہا "المقدر کائن" جو ہونے والا ہے وہ حکم الٰہی ہے۔ ہمارے زوال کی واضح علامت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی بھی زبان بند ہے۔ حالانکہ تمام بغداد میں آپ کی صائب رائے مشہور ہے۔ پھر یحییٰ اُٹھ کھڑا ہوا اور مکرر کہا کہ المقدر کائن اس گفتگو کے ایک ہفتے بعد جعفر قتل ہوا ہے

۵ خلیفہ ہارون الرشید اور یحییٰ کا معاہدہ

ہارون الرشید کے طرز عمل اور روزانہ معاملات سے یحییٰ کو اپنی تباہی

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۸۱ و ضیاء برنی۔

کے سامان نظر آرہے تھے اور دن رات اسی اُدھیڑ بُن میں رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یحییٰ کے قویٰ بالکل مضمحل ہو گئے تھے اور حزن و ملال کی علامتیں اُس کے چہرے پر نظر آتی تھیں، جب رشید نے یحییٰ کو دیکھا کہ وہ بالکل تحلیل ہو گیا ہے اور ہر وقت اُس پر اوداسی چھائی رہتی ہے۔ تو ایک دن یحییٰ سے پوچھا کہ میں آپ کو ان دنوں بہت پریشان دیکھتا ہوں اس کا باعث کیا ہے یحییٰ نے جواب دیا کہ اُس شخص کی غمنا کی کیا پوچھتے ہو جس کے سامنے موت کا فرشتہ کھڑا ہو۔" خلیفہ نے تجاہل عارفانہ سے یحییٰ کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری حیات میں آپ کو اس قسم کے واقعات پیش آئیں۔ آخر وہ ہے کون جس کی طرف سے آپ کو خدشہ ہے؟ یحییٰ نے کہا کہ سوائے امیر المومنین کے اور کون ہے جس سے مجھے خوف ہو سکتا ہے۔ میری مشکلات کی انتہا آستانۂ خلافت تک ہے اور یہی باعث میری پریشانی کا ہے"۔ یحییٰ کی تقریر سنکر رشید نے بہت سی قسمیں کھائیں اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی قسم کی بُرائی نہ کرونگا۔" یحییٰ نے کہا کہ مجھے زبانی باتوں کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ جب غضب کی آگ بھڑکتی ہے اُس وقت معاہدے اور حلف کا خیال نہیں رہتا ہے۔ تب خلیفہ نے ایک کاغذ پر اُن قسموں کو جس کا زبانی اقرار تھا لکھا اور معاہدے کے طریقہ سے کچھ اور بھی اضافہ کیا۔ تکمیل کے بعد عبداللہ بن علی، عباس بن محمد، محمد بن ابراہیم ور موسیٰ بن عیسیٰ (جو بنی ہاشم تھے) کے اس معاہدے پر دستخط ہوئے۔ علاوہ اس شہادت کے ارکان فوج کی بھی مہریں ہوئیں اور دستاویز یحییٰ کے حوالہ کرتے ہوئے ہارون الرشید نے کہا کہ " بخدائے لایزال! میرے دل میں کبھی خاندان برامکہ کی بُرائی کا خیال بھی نہ آئے گا" ہارون الرشید کی اس کارروائی سے یحییٰ بہت خوش ہوا۔ اور اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ اس کاغذ کو با احتیاط رکھنا۔ کسی وقت یہ کام آئیگا۔ فضل نے کہا کہ "اگرچہ ہارون میرا بھائی ہے (باعتبار رضاعت) لیکن انتقام کے وقت اپنی تحریر کا وہ

کچھ بھی خیال نہ کرے گا بلکہ اُس کا جو جی چاہے گا کر گزرے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
جہشیاری[1] کی روایت ہے کہ یہ خط یحییٰ کے خزانہ سے قتل جعفر کے بعد برآمد ہوا تھا۔

واقعات سفر مکہ معظمہ ۱۸۶ سنہ ہجری

خلافت عباسیہ میں سب سے زیادہ جس خلیفہ نے حج کئے ہیں وہ صرف ہارون الرشید ہے جس کی تفصیل مورخ مسعودی نے بقید سنین لکھی ہے۔ لیکن صفر ۱۸۶ھ (۹ فروری ۸۰۲ء) میں جو آخیر حج اس نامور خلیفہ نے کیا ہے اُس کو تمام مورخوں نے کسی قدر مفصل لکھا ہے کیونکہ واقعات کے لحاظ سے یہ سفر خاص سمجھا جاتا ہے جو مورخ جعفر و عباسہ کی نکاح کے قائل ہیں۔

۱۔ مقاصد سفر وہ یہ لکھتے ہیں کہ "جب زبیدہ خاتون کی شہادت سے ہارون کو یہ یقین ہو گیا کہ جو لڑکا عباسہ سے پیدا ہوا ہے وہ مکہ معظمہ روانہ کر دیا گیا ہے اس لئے واقعات کی صحت کے لئے اُس نے یہ سفر کیا تھا۔ لیکن جس مبتدا کی یہ خبر ہے وہ خود ہی غلط ہے۔ اس لئے یہ بھی ایک معمولی فقرہ ہے۔ بلکہ اصلیت یہ ہے کہ ہارون الرشید کو مصلحت ملکی سے دار السلطنۃ میں جعفر کا قتل کرنا منظور نہ تھا۔ اس لئے حج کا قصد کیا اور بلا شبہ ارض حجاز میں مشکلات کا سامنا ہارون کو نہیں کرنا پڑا۔ اور جب جعفر کے قتل کا مصمم ارادہ ہو گیا اسوقت حیرہ سے براہ دریا انبار[2] (متعلق صوبہ رقہ) کی طرف کوچ کیا پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا۔ اس سفر میں کوئی واقعہ بجز اس کے قابل ذکر نہیں ہے۔ کہ خاندان خلافت نے اہل مدینہ کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔ چنانچہ اسی سال کا نام "عام الاعطیۃ الثلاثۃ" قرار پایا اور خلیفہ کے مقابلے میں برامکہ نے جو فیاضیاں اس سفر

۲۔ مدینہ منورہ میں خلیفہ اور برامکہ کی فیاضی

---

[1] جہشیاری صفحہ ۳۰۰ [2] کامل ابن اثیر صفحہ ۵ واقعات حج انبار بغداد کی جانب مغرب نہر فرات پر واقع ہے ایرانی اس کو فیروز سابور کہتے ہیں اس کا بانی سابور بن ہرمز ہے۔ اور ابو العباس سفاح نے اسکو از سر نو آباد کیا تھا اور شاہانہ عمارتیں بنوائی تھیں معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۱۱ [3] عرب میں ہر بڑے واقعات کی تاریخیں بطور یادگار قائم ہیں چونکہ ہارون الرشید۔ امین الرشید۔ مامون الرشید تینوں نے ملکر معمول سے زیادہ فیاضی کی تھی اس وجہ سے اس سال کا نام "عام الاعطیۃ الثلاثۃ" قرار پایا۔

یں کی ہیں اُن کی نسبت محمد بن مناذر نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

اتانا بنوا الاملاك من آل برمك	ہمارے ملک میں آل برمک آئے جو بادشاہوں کی نسل
فیا طیب اخبار و احسن منظر	سے ہیں تو کیا اچھی خبر ہے اور کیا اچھا منظر ہے۔
لهم رحلة فی کل عام الی العدا	ہر سال اُن کا ایک سفر دشمنوں کی طرف ہوتا ہے
واخری الی البیت العتیق المطهر	اور دوسرا سفر کعبہ پاک کی طرف۔
اذا نزلوا بطحاء مکة اشرقت	جب یہ بطحائے مکہ میں اترتے ہیں تو وہ
بیحیی و بالفضل بن یحیی و جعفر	یحییٰ اور فضل بن یحییٰ اور جعفر کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے
فتظلم بغداد و تجلو لنا الدجی	جب یہ تینوں چاند حج کرتے ہیں تو مکہ میں اُجالا ہو جاتا
بمکة ما حجوا ثلاثة اقمر	ہے اور بغداد میں تاریکی چھا جاتی ہے۔
فما خلقت الا لجود اکفهم	اُن کی ہتھیلیاں سخاوت کے لئے بنی ہیں۔
واقدامهم الا لسعی مظفر	اور پاؤں ظفرمند کوشش کے لئے۔
اذا رام یحیی الامر ذلت صعابه	جب یحییٰ کام کا ارادہ کرتا ہے تو مشکلیں سہل ہو جاتی ہیں۔
وناهیك من راع له و مدبّر	اور اس سے بڑھکر کام کا مدبّر اور محافظ کون ہوگا۔

غرضکہ اسی طرح پر تالیف قلوب کرتا ہوا۔ ہارون الرشید مکہ معظمہ پہنچا اور خالدؒ بن عیسیٰ کاتب کے مکان میں ٹھہرا علاوہ یحییٰ، جعفر، فضل اور موسیٰ کے اس سفر میں محمد برمکی بھی ہمراہ رکاب تھا جو اپنے بھائیوں سے علیحدہ ابن نوح کے یہاں فروکش تھا۔ درپردہ اگرچہ ہارون الرشید جعفر کے قتل کی فکر میں تھا۔ لیکن انتظام سلطنت سے بھی غافل نہ تھا کیونکہ سب سے بڑا کام

۳۔ معاہدۂ امین الرشید و مامون الرشید بمقام مکہ معظمہ

اُس نے یہ کیا کہ شہزادہ قاسم جس کا موتمن لقب تھا اُس کے واسطے لوگوں سے بیعت لی کہ بعد امین و مامون کے یہی وارث تاج و تخت ہوگا اور جزیرۂ ثغور و عواصم کی حکومت بھی اُسی کے

لہ طبری کبیر صفحہ ۷۰۶ جلد ۳ واقعات حج ۱۸۶ھ ہجری

سپرد کی اور بہ نظر فسادِ آیندہ و استحکام سلطنت یہ بھی کیا کہ امین و مامون کو خانۂ کعبہ کے اندر لے جاکر نصیحت کی۔ پھر دونوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے (جس کی تفصیل لکھی جا چکی ہے)

بظاہر خلیفہ ہارون الرشید ایسے کام کر رہا تھا جس سے نہ اُس کا مافی الضمیر معلوم ہو اور نہ برامکہ میں انتشار و وحشت پیدا ہو لیکن پھر بھی دلی جذبات کو نہ روک سکا اور اسی مقدس مقام سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ سب سے پہلی چشمک یہ ہوئی کہ مقام عسفان[1] میں جعفر برمکی جو دعوت ہمیشہ کیا کرتا تھا وہ اس مرتبہ ہارون الرشید نے نامنظور کی۔ جس سے جعفر کو یقین ہو گیا کہ بس اب میری خیر نہیں ہے۔[2]

آ لگی ہے سرِ گردابِ فنا کشتیٔ عمر   ہر نفس بادِ مخالف کا ہے جھونکا ہم کو

یحییٰ برمکی و خلیفہ ہارون الرشید کی مناجات خانۂ کعبہ میں

واقعاتِ مذکورۂ بالا کے ذیل میں ایک دلچسپ روایت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ خاندانِ خلافت اور وزارت میں اس درجہ رنج بڑھ گیا تھا کہ حرمِ محترم میں دونوں نے ایک دوسرے کی بربادی کی دعا مانگی ہے۔ اس موقعہ پر پہنچ کر علامہ ابن الاثیر الجزری مذہبی نقطۂ نظر سے تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس واقعہ کو سبب زوال برامکہ نہیں قرار دیا ہے، حالانکہ سب سے بڑا اور قوی سبب تو یہی ہے (یعنی مناجات کعبہ اثر سے خالی نہیں جاتی ہے۔)

چنانچہ یحییٰ[3] حرم کا پردہ پکڑ کر یہ مناجات کرتا ہے۔ کہ "اے خدا میں گنہ گار ہوں، اور میرے

---

[1] عُسفان الجحفہ اور مکہ کے مابین ایک مشہور قریہ ہے جہاں حجاج کا قافلہ ٹھہرتا ہے۔ اس مقام پر پانی کا ایک چشمہ ہے اسکو مدرج عثمان بھی کہتے ہیں اور حال میں حجاز ریلوے کا ایک اسٹیشن بھی ہے۔ معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۱۷۴ ؂

[2] کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۶ [3] یحییٰ کی دعا میں دو روایتیں ہیں لہٰذا ہر دو روایات مع اصلی الفاظ کے نقل کی جاتی ہیں (روایت موسیٰ بن یحییٰ برمکی) اللّٰھم ان ذنوبی جمۃ عظیمۃ لا یحصیھا غیرک ولا یعرفھا سواک اللّٰھم ان کنت تعاقبنی فاجعل عقوبتی بذلک فی الدنیا و ان احاط ذلک بسمعی و بصری و ولدی و مالی حتی تبلغ رضاک ولا تجعل عقوبتی فی الآخرۃ (بروایت احمد بن حسن حرب) اللّٰھم ان کان رضاک فی ان تسلبنی مالی و اھلی و ولدی فاسلبنی الا الفضل طبری کبیر صفحہ ۶۷۴ جلد سوم۔ حیات الحیوان دمیری صفحہ ۱۱۴ جلد ۲۔ وجہشیاری صفحہ ۲۷۴

گناہ بھی بے شمار ہیں جس کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ اگر تیری یہ مرضی ہے کہ مجکو سزا دیجائے تو میں راضی ہوں لیکن یہ سزا مجکو دنیا ہی میں دی جائے اور آخرت میں محفوظ رہوں مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا اگر میری دولت اور اہل وعیال مجھ سے چھین لئے جائیں لیکن اے خدا میری عزت باقی رہے۔"

مسرور کی روایت ہے کہ جب ہارون طواف کر رہا تھا اُس وقت اُس نے یہ دعا مانگی کہ "اے خدا! تو خوب جانتا ہے کہ جعفر واجب القتل ہے میں تجھ سے اُسکے قتل میں استخارہ چاہتا ہوں"۔ چنانچہ مکہ معظمہ کی واپسی کے بعد انبار کے قریب ہارون نے جعفر کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

ہارون الرشید کی مکہ معظمہ سے مراجعت انبار میں قیام اور جعفر برمکی کا قتل ۱۸۷ھ[1]

خود نوید زندگی لائی قضا، میرے لئے
شمع کشتہ ہوں، فنا میں ہے بقا میرے لئے

ہرون الرشید اور جعفر برمکی کا یہ اخیر حج تھا، جو ذی الحجہ ۱۸۶ھ میں کیا گیا۔ حج سے واپسی پر منزل بمنزل ٹھہرتا ہوا، رشید حیرہ پہنچا اور چند روز قصر عون العبادی میں قیام کیا

[1] جہشیاری از صفحہ ۲۹۱۔ طبری ۱۸۷ھ جلد ۳۔ کامل زوال برامکہ و اعلام الناس اسباب زوال۔

پھر حیرہ سے چل کر انبار میں آیا' لیکن آبادی سے ہٹ کر ایک ویران گاؤں میں جس کا نام دیر عمر (فرات کے کنارہ جانب رقہ) تھا' خیمے نصب کئے گئے، یہاں صرف ایک راہب کی خانقاہ تھی' اور شاہی خیام سے متصل جعفر برمکی نے اپنی بارگاہ سجائی تھی۔

اگرچہ مکہ معظمہ سے رشید کا مزاج' جعفر کی طرف سے برہم ہو چلا تھا۔ لیکن رشید نے انتہائی ظاہرداری برتی اور اپنے طرز عمل سے رنج و عناد کا اظہار نہ ہونے دیا۔

جعفر بھی بے خبر نہ تھا وہ اپنے بچاؤ کی تدبیریں' ہردم سوچا رہتا تھا اور حسرت و یاس کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر اصطرلاب سے ستاروں کو دیکھتا' زائچہ کشی کرتا، اور فال و شگون سے دل بہلاتا تھا' لیکن بیقرار دل کو کسی طرح صبر و سکون نہ ہوتا تھا اور موت کا خطرہ ہردم پیش نظر تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

فلک دیتا ہے جن کو عیش انکو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے' وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

اور اسی مقام پر علی بن عیسٰی نے موسٰی بن یحیٰی کی شکایت کی کہ وہ اُمرائے خراسان کو بغاوت پر آمادہ کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی رشید نے موسٰی کو قید کر کے کوفہ روانہ کیا' لیکن کچھ دنوں کے بعد ام الفضل کی سفارش سے رہائی نصیب ہوئی۔

اعلام الناس کی روایت ہے کہ قتل سے ایک دن پہلے' پنجشنبہ کے دن صبح کے وقت' جب جعفر رشید کے سلام کو حاضر ہوا تو رشید نے مزاج پرسی کی اور جو ڈاک ملک محروسہ سے آئی تھی وہ اس کے حوالہ کی، احکام نویسی کے بعد رخصت کے وقت جعفر نے عرض کیا کہ امیرالمومنین! آج میرے خراسان کی روانگی کا دن ہے۔"

یہ سنتے ہی رشید نے ایک منجم سے سوال کیا کہ اب کیا وقت ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ساڑھے تین گھڑی دن چڑھ گیا ہے۔ تب منجم سے اصطرلاب لے لیا اور دل ہی دل میں کچھ حساب لگا کر آسمان کی طرف دیکھا اور جعفر سے مخاطب ہو کر کہا

کہ بھائی صاحب! آج کا دن تو نحس ہے اور یہ ساعت سفر کے لئے بہت خطرناک ہے۔ کل انشاء اللہ جمعہ کو رخصت ہونا، رات کو نہروان[1] میں قیام کر کے علی الصباح شنبہ کے دن روانہ ہو جانا، جعفر اس مشورہ پر رضامند ہو گیا۔ اس کے بعد رشید سے اصطرلاب لیکر آسمان کو دیکھا اور کہا

"واللہ صدقت یا امیر المومنین! ان ھذہ الساعۃ نحس وما رأیت نجماً اشد احتراقاً فی مثل ھذا الیوم۔"

خدا کی قسم! امیر المومنین! آپ نے سچ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ نحس گھڑی ہے۔ اور آج جیسے ستارے احتراق[2] میں ہیں ایسے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔

اس گفتگو کے بعد جعفر اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ رشید نے شاندار طریقہ سے رخصت کیا اور ندیم مشائعت کے لئے قیام گاہ تک گئے۔

جمعہ کے دن تڑکے تڑکے رشید، شکار کو نکلا اور جعفر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ شام کو واپس آیا۔ رخصت کے وقت جعفر سے کہا بھائی صاحب! کل آپ خراسان روانہ ہونگے، لہذا آج کی رات عیش و طرب میں گزارنا چاہئے اور میں بھی آپ کی اس مسرت میں شریک ہوں۔" جعفر ادائے شکریہ کے بعد اپنے خیمہ میں آیا۔ اور مغنیوں کو حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ رات ہوتے ہی رشید کی طرف سے قیمتی ہدایا اور عطریات و بخورات کی کشتیاں جعفر کے پاس آنے لگیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ندیم مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے (رشید کو یہ دیکھنا منظور تھا کہ جعفر کس شغل میں ہے)

جبرئیل بن بختیشوع طبیب راوی ہے کہ اول شب میں بھی جب جعفر رشید سے ملا ہے تو اس نے معانقہ کیا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور ہاتھ میں ہاتھ دیکر دونوں ایک ہزار گز کے فاصلہ تک ٹہلتے رہے۔ جب جعفر رخصت ہوا تو رشید نے کہا تم کو میری جان کی قسم!

[1] بغداد اور واسط کے مابین ایک تعلقہ ہے جس کا نام نہروان ہے۔ یہ تین نہروں سے سیراب تھی اور اسکے عذر اسکاف اور جرجرایا وغیرہ چھوٹے چھوٹے شہر آباد ہیں۔ خوش منظر علاقہ ہے۔ یاقوت صفحہ ۳۲۴ جلد ۸ [2] احتراق اور تصمیم نجوم کی اصطلاح میں دو متقابلہ کے لفظ ہیں۔ مرکز آفتاب سے

آج کی رات بزم طرب سجانا اور مجھے حکم دیا کہ تم بھائی صاحب کے ساتھ لطف صحبت میں شریک رہو۔" چنانچہ میں جعفر کے ہمراہ خیمہ میں داخل ہوا۔ ابن[۱] ابی شیخ نفری ندیم اور میرے سوا کوئی اور موجود نہ تھا۔ نبیذ کا دور شروع ہوا۔ اور نابینا مغنی ابوزکار نے گانا شروع کیا۔

ان بنی المنذر حین انقضوا	منذر کا خاندان جب فنا ہو گیا
بحیث شاد البیعة الراھب	جس جگہ کہ راہب نے کلیسا بنایا تھا۔
اضحوا ولا یرھبھم راھب	ان کی یہ حالت ہو گئی کہ نہ ان سے
حقا ولا یرجوا ھم راغب	کوئی ڈرتا ہے۔ نہ کسی کو ان سے کچھ امید ہے۔
کانت من الخز لبوساتھم	انکے لباس ریشم کے تھے صوف کو انکے لئے کوئی لایا ہی نہیں
لم یجلب الصوف لھم جالب	

جب کوئی برا وقت آنے والا ہوتا ہے تو بدشگونیاں پہلے سے شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ ابوزکار کے یہ اشعار بھی اسی قسم کے ہیں تاہم جعفر خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

اسوقت ہرون الرشید کی فرضی محبت جوش پر ہے، منٹ منٹ پر خادم آتے ہیں اور جاکر عرض کرتے ہیں کہ امیرالمومنین کے بھائی صاحب! محو سماع ہیں، اور جعفر کا یہ حال ہے کہ جب کوئی ندیم یا خادم آتا ہے تو وہ بدحواس ہو کر ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے۔ اور جبرئیل کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "ابو عیسیٰ! امیرالمومنین کی مہربانیوں سے میں کانپ رہا ہوں، خدا خیر کرے، دیکھئے آج پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے"

ہرون الرشید کو جب معلوم ہو گیا کہ جعفر اپنے خیمہ میں گانا سن رہا ہے، تب اس نے سیاف اعظم (جلاد) ابوہاشم مسرور الکبیر کو طلب کیا۔ اور اس سے یہ گفتگو کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶) جب کسی ستارہ کا فاصلہ ۱۲ درجہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ستارہ احتراق میں ہے۔ اور جب یہ فاصلہ ۱۶ دقیقہ کم ہو تو کہتے ہیں کہ ستارہ تصمیم میں ہے۔ بہر حال پہلی صورت نحس اور دوسری سعد ہے۔ [۲] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۲۴

[۱] روضۃ الصفا وجہشیاری حالات رشید۔

ہارون الرشید۔ مسرور! جس کام کے واسطے میں نے تجھ کو اس وقت طلب کیا ہے میرے نزدیک اُس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین الرشید) میں ہے نہ عبداللہ (مامون الرشید) میں ہے نہ قاسم (موتمن) میں۔ یاد رکھ! میں جو حکم دیتا ہوں ٹھیک ٹھیک اس کی تعمیل کرنا ورنہ تیرے اعزاز اور مرتبے میں فرق آجائے گا۔

مسرور۔ امیر المومنین! اگر حکم ہو تو تلوار اپنے سینے میں پار کر دوں؟

ہارون الرشید۔ ہاں مجھ کو تجھ سے ایسی ہی اُمید ہے۔ تو جعفر برمکی کو پہچانتا ہے؟

مسرور۔ ہاں جانتا ہوں اور ایسا کون ہے جو اُس بزرگ شخص کو نہ جانتا ہو۔

ہارون الرشید۔ تو نے دیکھا ہوگا کہ میں نے آج صبح کو اُس کو کس شان سے رخصت کیا ہے۔

مسرور۔ 'ہاں' امیر المومنین!

ہارون الرشید۔ اچھا اب تو رخصت ہو اور جعفر کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کر۔

مسرور۔ (کانپ کر) امیر المومنین! یہ تو سخت مشکل کام ہے۔ اگر یہ خدمت کسی اور کے سپرد کی جائے تو مناسب ہے۔

ہارون الرشید، نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ کام تجھی کو کرنا پڑے گا۔ اب اگر کوئی عذر کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائیگا۔ جب مسرور نے ہارون الرشید کا غصہ بڑھتے ہوئے دیکھا تو جان کے خوف سے رخصت ہوا۔ معاملہ اہم تھا لہذا رشید نے حماد بن سالم، ابن عصمہؒ، اور ہرثمہؒ بن اعین کو حکم دیا کہ تم بھی مسرور کے ساتھ جاؤ، اور سوڈان کے حبشیوں میں سے چالیسؔ سوار اپنے ہمراہ لیتے جاؤ، چنانچہ مسرور اس جماعت کے ساتھ، جعفر کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا اور سب کو باہر کھڑا کر کے تنہا خیمہ کے اندر داخل ہوا جعفر کی مختصر صحبت اپنے رنگ پر جمی ہوئی تھی اور ابو زکار عود پر یہ اشعار گا رہا تھا جسکی ہر تار سے جعفر کے قتل کی صدا نکل رہی تھی۔

فلاتبعد[1]، فکل فتی سیاتی	تو دور نہو (یعنی زندہ رہ) ہر جوان کو موت آئیگی۔
علیہ الموت یطرق او یغادی	رات کو آئے یا صبح کو
وکل ذخیرۃ لا بد یوماً	اور ہر ذخیرہ
وان کرمت تصیر الی نفاد	گو بڑا ہو۔ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا۔
ولو فودیت من حدث اللیالی	اور حوادث زمانے کے مقابلے میں اگر فدیہ دیکر تجھکو بچایا جا سکتا
فدیتك بالطریف و بالتلاد	تو میں نئی پرانی سب چیزیں تیرے فدیہ میں دیتا۔

ابوزکار نے دوسرے مصرع کو اچھی طرح ادا بھی نہیں کیا تھا کہ یکایک جعفر نے مسرور کو دیکھا مسرور[2] نے جعفر کو سلام بھی نہیں کیا اور ابوزکار سے مخاطب ہو کر کہا۔

مسرور۔" ہاں ابوزکار کیا خوب اور حسب حال گا رہے ہو۔میں بھی اسی لئے آیا ہوں اور وقت بھی رات کا ہے۔"

جعفر ابو ہاشم، تمہارے آنیسے مجھ کو مسرّت ہوئی لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔

مسرور۔بیشک آپ کو افسوس ہوا ہوگا۔لیکن میں جس غرض کے لئے حاضر ہوا ہوں وہ تو اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہے۔

جعفر۔مسرور یہ موقع اشارہ و کنایہ کی گفتگو کا نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو۔

مسرور۔(نہایت غصّہ سے) امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔

جعفر۔یہ تمہاری غلط فہمی ہے خدا کی قسم نبیذ کے نشے میں مذاقاً ایسا حکم دیا ہوگا تم لوٹ جاؤ

مسرور۔مذاق کیسا؟ میں تو آپ کا سر کاٹنے آیا ہوں اور حکماً آیا ہوں۔

جعفر۔مسرور تم اس وقت واپس جاؤ۔اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پانا تو کہہ دینا کہ

---

[1] کسی عجمی شاعر نے ان اشعار کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔
رگ در مردماں ہمے آید + بامداد و شبانگہ و بیگاہ + گرچہ پنہاں کنی از و خود را + آشکارا کند بجوید راہ۔
آنچہ داری بہ دست اگر بدہی + ہم نیابی از و تو ہیچ پناہ

[2] شیاری کی روایت ہے کہ ابوزکار یہ شعر گا رہا تھا۔ یاتینی بومک واھا لکم ولا ایام کم المقبلہ۔ کانت الدنیا عروساً لکم فھی الآن ثکول ارملہ۔

جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر مستقل رہا تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا اور چند گھنٹوں کی مہلت کا صلہ اس قدر دونگا کہ جس کا حساب نہیں ہے اور اگر یہ ناممکن ہے تو مجھ کو امیرالمومنین کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دے کیا عجب ہے کہ مجھے دیکھ کر رحم آجائے اور اپنے حکم کو منسوخ کر دے۔

مسرور۔ مجھے خوب معلوم ہے امیرالمومنین آپ کو کسی طرح زندہ نہیں چھوڑیں گے اور نہ اب کسی عذر و حیلہ کا وقت باقی ہے۔

جب جعفر نے مسرور کی یہ گفتگو سُنی تو اُس کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا اور مسرور سے کہا کہ "اچھا میرے قتل میں تھوڑا سا اور توقف کر اور اس مہلت کے صلہ میں یہ پچاس ہزار دینار موجود ہیں اسکو قبول کر اور امیرالمومنین سے جاکر کہہ کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی اور میں بھی یہ حکم اپنے کانوں سے سُننا چاہتا ہوں" چنانچہ مسرور نے یہ منظور کیا اور رشید سے جاکر اطلاع کی کہ میں نے جعفر کو قتل کر دیا ہے۔ ہارون الرشید اُسوقت غضبناک بیٹھا ہوا تھا پوچھا "فاین راسہ یا ابن الفاعلۃ" او! بدکار عورت کے جنے! جعفر کا سر کہاں ہے۔؟ مسرور نے عرض کیا کہ فلاں خیمے میں جہاں قتل کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ فوراً پیش کر۔ چنانچہ مسرور جعفر کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو میرے قول کی آپ کو تصدیق ہو گئی اُس وقت جعفر رونے لگا، اور مسرور کے قدموں پر گرنا چاہا۔ اور نہایت عاجزی کے لہجے سے کہا کہ "مجھے اس قدر مہلت دے کہ میں حرم میں جاکر جو وصیّت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کی اور کہا کہ "جو وصیّت کرنا ہے اس قبہ ترکیہ میں کر لیجئے، اندر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی ہے۔" تب جعفر نے کہا کہ "اے مسرور! میرے جس قدر حقوق تجھ پر ہیں کیا اُس کے مکافات میں ایک ساعت کی مہلت دینے کی تجھکو قدرت نہیں ہے؟" مسرور نے کہا میں مجبور ہوں امیرالمومنین کے حکم کے خلاف کیونکر کروں؟ جب جعفر کو یقین ہو گیا کہ کمبخت مسرور کسی طرح اُس کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس وقت کلمۂ طیبہ باواز بلند پڑھا اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ

جعفر کی وصیّت تم گواہ رہو۔ میرے جس قدر لونڈی غلام ہیں وہ آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں۔ اور میرا جس قدر مال ہے وہ مساکین پر وقف ہے۔ جس قدر امانتیں اور قرضہ لوگوں پر ہے میں اُس کو بھی معاف کرتا ہوں"۔ حاضرین جلسہ کا اُس وقت بُرا حال تھا۔ سب زار زار رو رہے تھے۔ جبرئیل[۱] کی روایت ہے کہ پھر ہرثمہ بن اعین نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ " او فاسق اُٹھ کھڑا ہو"۔ اتنے میں ہارون الرشید کا ایک اور خادم آیا اور کہا کر جلد لے چلو" چنانچہ جعفر کو اس کے خیمے سے دوسرے خیمے تک بُری طرح گھسیٹتے لے گئے اور اسی جگہ مسرور نے ایک ہاتھ تلوار کا جعفر کی گردن پر ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا!!

جعفر کی موت چھتیس[۲] یا سینتیس برس کی عمر میں سترہ[۲] برس سات مہینے گیارہ دن وزارت کر کے محرم کی آخری تاریخ (مستہل صفر) شنبہ کی رات[۳] سنہ ۱۸۷ھ مطابق ۲۹۔ جنوری سنہ ۸۰۳ء میں بمقام دیر عمر نہایت حسرت و بیکسی کی حالت میں بر بلند اقبال وزیر دنیا سے رخصت[۴] ہوا۔ ع

نوشس درخشیدہ و لے دولت مستعجل بود

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۞

جب مسرور جعفر کو قتل کر چکا تو خون میں رنگی ہوئی تلوار لئے ہوئے ہرون کے سامنے حاضر ہوا اور جعفر مرحوم کا سر جس سے خون کے فوارے جاری تھے ایک طشت میں رکھکر پیش کیا۔ چہرہ پر نظر پڑتے ہی ہرون چیخ مار کر رونے لگا۔

---

[۱] طبقات الاطبا صفحہ ۱۲ جلد اوّل [۲] ایّام وزارت کی تعداد تمام مورخوں نے سترہ برس لکھی ہے لیکن تاریخی مطابقت سے تخمیناً پندرہ برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ توفیقات غازی مختار پاشا صفحہ ۹ [۳] صفر کی چاند رات اور سنیچر کی شب میں جعفر قتل ہوا۔ یہی روایت معتبر ہے اکثر شعراء نے مرثیوں میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ رقاشی نے بھی لکھا ہے کہ ؎ اتی السبت بالامر الذی هلاکنا وفی صفر جاء البلاء مصمما [۴] جعفر کے قتل کے واقعات طبری کبیر۔ روضۃ الصفا۔ کامل ابن اثیر۔ اعلام الناس۔ المعارف۔ حیاۃ الحیوان سے لکھے گئے ہیں۔

جبرئیل[1] بن بختیشوع طبیب کا قول ہے کہ جعفر کو قتل ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک خادم آیا اور کہا کہ "چلئے امیر المومنین یاد فرما رہے ہیں" چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا۔ جعفر کا سر ایک طشت میں ہارون کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہا کہ "جبرئیل تم مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ غذا کیوں گھٹ گئی ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں"۔ کہا "مجھے اسی کی فکر تھی جو تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اب میں اچھا ہوں چنانچہ اسی وقت کھانا منگایا اور خوب سیر ہو کر کھایا"۔

قول فیصل جعفر کا قتل اور خاندان برامکہ کا زوال، کن اسباب سے ہوا؟ اس مضمون کو مستند مورخین نے شرح و بسط سے لکھا ہے، جس کو آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن بہ حیثیت مصنف **البرامکہ** اس موضوع پر چند سطریں لکھتا ہوں جو قابل توجہ ہیں۔

اے ہم نفس از بہرِ دلِ زار بگوئے
افسانۂ آن شب کہ با یار گذشت

تاسیس دولت عباسیہ کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے کہ ابو العباس عبداللہ ملقب بہ سفاح (خلیفہ اوّل) کو داعی اعظم، ابو مسلم خراسانی نے مسند خلافت پر بٹھایا اور امیر معاویہ کی قائم کی ہوئی خلافت اموی کو صفحۂ عالم سے مٹا دیا۔

---

[1] جبرئیل راوی ہے کہ پہلی تاریخ محرم ۱۸۷ھ ہجری کو میں نے رشید سے شکایت کی کہ آپ کی غذا روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اس کا کیا سبب ہے کچھ جواب نہ دیا۔ جب میں نے متواتر پوچھا تو کہا کہ بغداد کی آب و ہوا ان دنوں مجھے موافق نہیں ہے اور دار السلطنت سے دور دراز مقام پر جانا بھی منظور نہیں ہے تمہارے نزدیک دار السلطنہ سے متصل اگر کوئی مقام ہو تو تجویز کرو کہ تبدیل آب و ہوا کے واسطے وہاں چلوں۔ میں نے حیرہ کا نام لیا یہ ناپسند کیا۔ کیونکہ وہ دور تھا لیکن انبار کو پسند کیا۔ اور بغداد سے کوچ کر دیا۔ مگر کمی غذا کی شکایت بدستور رہی۔ یہاں تک کہ جس دن جعفر کو قتل کیا ہے اُس روز خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور مجھ سے کہا کہ "میں تھوڑا تھوڑا اس وجہ سے کھاتا تھا کہ بیمار نہ ہو جاؤں"۔ طبقات الاطباء حالات جبرئیل صفحہ ۱۳۴ جلد اول۔

یہ وہ حزنیہ داستان ہے جو صفحات تاریخ میں خون کی روشنائی سے لکھی گئی ہے
ابو مسلم، اگو درز گیانی کی نسل سے تھا، جس کی خاندانی عظمت مسلم تھی، لہذا خلفائے امیہ کے خلاف، عجم کی پوری قوت، مجاہدانہ حیثیت سے اس کی ساتھ ہو گئی اور فوج کے افسر بھی مشاہیر ایرانی تھے خصوصاً خاندان برامکہ، جس کا رکن اعظم، خالد بن ابوالحسن جعفر برمکی (اول) تھا۔ خالد کے سپرد مال غنیمت کی تقسیم تھی۔ اور تولیت نوبہار کی وجہ سے بھی کسی ایرانی میں یہ جرأت نہ تھی کہ خالد کے حکم کی خلاف ورزی کرے (یہ قدیم مجوسیت کا اثر تھا) چنانچہ فوج میں یہی دو زبردست قوتیں تھیں، جن نے چھ لاکھ سپاہیوں کی گردنیں کٹوا دیں، اور خلافت عباسیہ، نہایت جاہ وجلال سے بلا شرکت غیرے قائم ہو گئی۔

ابو مسلم کو فی نفسہ عباسیوں سے کسی قسم کی ارادت ومحبت نہ تھی تاہم اس نے قیام خلافت میں خود بھی جانبازی کی اور نہایت بیدردی سے اپنی قوم کا خون بہایا۔

اس میں یہ راز تھا کہ "خلفائے امیہ نے ایرانیوں پر جو مظالم کئے اور قومی حیثیت سے انکی تحقیر کی اور سیاسی حقوق سے محروم رکھا۔ اسکا عربوں سے بدلہ لیا جائے اور عباسیوں کی سیادت میں ایرانی سلطنت قائم ہو" (حوالے اصلی مضمون میں موجود ہیں)

ابو مسلم کی یہ تجویز آیندہ زمانہ میں ضرور کامیاب ہو جاتی، لیکن استقلال حکومت سے قبل، اسکی رائے پلٹ گئی اور شیعیت کے جوش میں، مسئلہ خلافت کو تبدیل کر کے، اپنے مقصد سے منزلوں دور ہو گیا، اور اس انقلاب کا سبب، شیعان علی کا یہ عام اعتقاد تھا کہ "شہید کربلا کے بعد، جناب علی بن حسین (زین العابدین) امام ہونگے، اور ان کے بعد امام منتظر علیہ السلام تک سادات (علویین) کی خلافت باقی رہیگی" اس لئے ابو مسلم نے امام جعفر بن صادق رضی اللہ عنہ اور دیگر سادات کرام سے قبول خلافت کے لئے صیغۂ راز میں مراسلت کی، لیکن جب امام محترم نے اپنی مدبرانہ سیاست سے ابو مسلم کی غداری کا راز سمجھ لیا تو انہوں نے دعوت خلافت کو نامنظور کر دیا۔ یہ وہ عظیم الشان غلطی تھی جسکی پھر تلافی نہ ہو سکی

اب مجبور ہو کر ابو مسلم نے سفاح کی علانیہ بیعت کی، لیکن یہ راز طشت از بام ہو گیا اور تمام عباسی ابو مسلم کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ سفاح نے بھی اپنی عارضی حکومت میں مصلحتہً ابو مسلم سے ظاہر داری برتی، اور اسکا اقتدار قائم رکھا۔ لیکن دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے فردِ جرم مرتب کر کے ابو مسلم کو قتل کر دیا۔ اور صرف اس ایک تدبیر نے ایرانیوں کی آیندہ منصوبوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور ایرانی حکومت کی تاسیس کا جو ارمان ابو مسلمؒ کے دل میں تھا وہ اپنے ساتھ قبر میں لے گیا۔

اب ابو مسلم کے جانشینوں میں جو ایرانی اُمراء باقی تھے، اُن میں برمکی عنصر سب پر غالب تھا۔ چنانچہ خالد برمکی، ابو مسلم کا قائم مقام ہوا۔ اور اس نے اپنا ماتحت عملہ خود مقرر کیا جو سب ایرانی تھے۔

برمکیوں کا ابتدا سے اس مقولہ پر عمل تھا کہ "دُر مع الدھر کیف ما دار" (چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی) لہٰذا خالد نے صدق دل سے سفاح عباسی کی اطاعت قبول کر لی، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ منصور اور مہدی نے بھی خالد کے مشوروں پر عمل کیا اور اس کو

سلہ عباسی حکومت کے قیام پر ابو مسلم نے ۱۳۶ھ میں سفاح سے درخواست کی کہ حج کی اجازت دیجائے اور امیر حج کی خدمت بھی سپرد ہو سفاح نے حج کی تو اجازت دی لیکن دوسری خدمت کی نسبت کوئی حکم نہیں دیا اور مخفی میں ابو جعفر منصور کو لکھا کہ وہ بھی حج کو روانہ ہو، چنانچہ ابو جعفر امیر حج ہوا (ایک عجمی، قریشیوں اور عباسیوں کا سردار نہیں ہو سکتا تھا) سفاح کی اس کارروائی سے ابو مسلم بہت برہم ہوا حج کے بعد قافلہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا کہ سفاح کا انتقال ہو گیا۔ اور منصور خلیفہ ہوا لیکن ابو مسلم نے فوراً حاضر ہو کر مبارکباد نہیں دی۔ یہ پہلی مخالفت تھی جو فریقین میں ہوئی لیکن منصور نے ابو مسلم کو شام کا گورنر مقرر کیا وہ اپنی سرکشی سے بجائے شام کے خراسان روانہ ہو گیا کیونکہ یہ صوبہ ایرانیوں کا مرکز تھا جب منصور نے جواب طلب کیا تو کہلا بھیجا کہ میں امیر المومنین سے اب دور رہنا چاہتا ہوں لیکن ہر حال میں مطیع رہونگا منصور نے یہ جواب ناگواری سے سنا، لیکن ابو اسحاق کو جو ابو مسلم کی طرف سے سفیر ہو کر آیا تھا ملا لیا اور وعدہ کیا کہ اگر تم ابو مسلم کو میرے پاس لے آؤ تو میں تم کو والی خراسان کر دونگا۔ چنانچہ ابو اسحاق نے ایسی تقریر کی کہ ابو مسلم منصور کی خدمت میں بمقام مدائن حاضر ہو گیا۔ اسوقت ابو مسلم کی ہمراہ تین ہزار سوار تھے۔ منصور نے ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ میں ابو مسلم کو اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی پہلا سوال یہ تھا کہ تم نے مال غنیمت کیا کیا؟ ابو مسلم نے جواب دیا کہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ تم نے عباسی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میری چچی آمنہ بنت علی سے نکاح کا پیغام دیا ہے، ابو مسلم اسکا جواب نہ دے سکا اور عاجزانہ انداز سے منصور کے ہاتھ چومے۔ منصور نے جھڑک دیا اور اشتعال بڑھتا گیا۔ ابو مسلم معافی قصور کا خواستگار تھا لیکن منصور نے معافی نہیں دی اور قرارداد کے مطابق پردہ کی آڑ سے جلادوں نے نکلکر ابو مسلم کا خاتمہ کر دیا۔ عباسیوں نے منصور کو مبارک باد دی کہ آپ آج خلیفہ ہوئے۔ ابو مسلم کے عقائد ملحدانہ تھے تناسخ کا قائل تھا اور فرقہ راوندیہ ابو مسلم ہی کا مقلد تھا۔ ابو مسلم اس درجہ کا سپہ سالار تھا کہ اسکی سوانح عمری جداگانہ لکھی جائے۔

دیوان الخراج کے درجہ سے منصب وزارت تک پہنچا دیا۔

ابو مسلم کے بعد خالد اور دیگر اُمرائے عجم، اس نظریہ کو فراموش کر چکے تھے کہ عباسیوں کو معزول کر کے ایرانیوں کی سلطنت قائم کی جائے لیکن اس خیال پر سب متحد تھے کہ عربوں کا کا سادہ تمدن، ایران کے شاندار تمدن سے تبدیل ہو جائے چنانچہ جشن نوروز کی بنیاد خالد کے عہد وزارت میں پڑ چکی تھی اور جعفر برمکی نے اپنے دور میں جشن[1] مہرجان (جب آفتاب برج میزان میں آتا ہے) بھی جاری کیا۔ یہ دونوں مجوسیوں کی عید تھیں۔ چنانچہ ایرانی امراء کی صحبت کا خلفائے عباسیہ پر خود بخود اثر ہوا، اور وہ لباس، غذا، عیش و طرب اور دیگر خانگی معاشرت میں عجمیوں کے نقش قدم پر چلنے لگے۔ اور فضل بن سہل نے تو مامون الرشید کو سراپا ایرانی بنا دیا تھا اور حکومت خراسان کے زمانہ میں مامون نے فارسی زبان بھی حاصل کر لی تھی اور اسی عہد میں فارسی قصائد کا آغاز ہوا جس میں عربیت غالب تھی۔

یہ لکھا جا چکا ہے کہ جب امام محمد بن علی عباسی کا انتقال ہوا تو ابو مسلم نے امام صاحب کے ماتم میں فوج کی وردی سیاہ کر دی اور لشکر کے مشہور علم "رایت النصر" ظل اور سحاب پر سیاہ حریر کے پھریرے چڑھائے گئے۔ اور امام ابراہیم عباسی مع اپنے خاندان کے سیاہ پوش ہو گئے تھے اور اُسی دن سے عباسیوں نے سیاہ لباس کو خاندانی شعار (بانا) بنا لیا تھا اور یہ ابو مسلم کی چالاکی تھی جس نے اپنی خاندانی یادگار اس رنگ میں قائم کی اور سادہ مزاج عباسی یہ سمجھے کہ ابو مسلم کی ہمارے ساتھ انتہائی ہمدردی ہے، اور جب عباسیوں نے سیاہ رنگ کی اصلیت دریافت کی تو کہہ دیا کہ فتح مکہ کے دن، نبی کریمؐ کے سر پر شاعمہ تھا۔ اور یہ وہ رنگ ہے جس سے دلوں پر ہیبت چھا جاتی ہے لہذا میں نے بھی سیاہ رنگ اختیار کیا ہے۔

دوسری بنیاد ابو مسلم نے یہ ڈالی تھی کہ جب دولت عباسیہ قائم ہو گئی تو جسقدر ایرانی والنٹیر (مطوعہ) تھے، ان سب کو فوج نظام (مشاہرہ یاب) میں داخل کر لیا۔ اور فضل برمکی نے بھی

[1] مروان بن ابی حفصہ جشن مہرجان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بدا لک حیف ہذا الزمان + بیا بک کل یوم مہرجان"

قومی ہمدردی سے اپنے عہد وزارت میں صوبہ خراسان میں جسقدر فوج بھرتی کی وہ بھی خالص ایرانی تھی۔ اور فوج کے علاوہ تقریباً چوبیس ۲۴ معزز عہدوں پر برامکہ فائز تھے، البتہ سپہ سالار عراق، صاحب الشرطہ، ندیم، حبیب، حاجب و دربان اور ذاتی خدام عرب و عیسائی تھے

خلاصہ یہ ہے کہ عربوں پر عجم حکمراں تھے لیکن باوجود غلبۂ عجمیت، جعفر نے ہمیشہ ہارون الرشید کی اطاعت کی اور کبھی انتزاع خلافت کا قصد نہیں کیا۔ اور یہ ایک بہترین حکمت عملی تھی، کیونکہ جو عیش برامکہ کو وزارت میں حاصل تھا وہ سلطنت میں محال تھا۔

برامکہ کا نصب العین یہ تھا کہ عجمی، عربوں سے بالاتر رہیں اور اس خیال کی تائید میں، انہوں نے جو کارروائیاں کیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- یحییٰ برمکی نے آغاز وزارت ہی میں عراق عرب اور خراسان میں جسقدر سرسبز و زرخیز علاقے تھے اُن پر خود قبضہ کیا۔ اور ایسی ہی منتخب جاگیریں اپنے بیٹوں کو دیں۔

۲- صدر و اضلاع کے خزانوں پر ایرانی افسر مقرر کئے اور خود نگراں رہا۔ ہارون الرشید کو یحییٰ کی منظوری کے بعد خزانہ سے روپیہ ملتا تھا۔

۳- عام تالیف قلوب کے لئے فیاضی اختیار کی اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا اور ہر موقع پر سوال سے زیادہ رقم عطا کی اور یہی ہدایت بیٹوں کو تھی۔ اور یہ ایک زبردست حکمت عملی تھی۔

۴- شعرائے دربار کو قصائد کے صلہ میں ایک ایک لاکھ دینار و درہم مرحمت کئے۔ اور ان مدحیہ قصائد نے برامکہ کو عرب و عجم اور ہند تک مشہور کر دیا۔ اور ایسی مداحی کی جو خلفاء کو بھی نصیب نہ تھی۔

۵- خانوادہ عباسس کے ہر بڑے، چھوٹے کو تحائف اور صلاۃ سے مالامال کر دیا۔ اور انکی ہر خواہش کو پورا کیا۔

۶- ہارون الرشید کے جملہ کتاب، ندیم، خدام وغیرہ کو ہمیشہ انعامات سے غلام بنائے رکھا۔

۷- حجاز (حرمین)، بیت المقدس، یمن اور عراق کے شیوخ و قبائل کو اپنا مطیع رکھا - اور ان سے زیادہ قبائل اعراب (بدو) اور کردوں (علاقہ موصل) سے فیاضی کی، قحط کے زمانہ میں سیکڑوں میل سے بدوی مرد اور عورتیں آیا کرتی تھیں، اور انکی حاجت روائی کیجاتی تھی- جسکی تصدیق کلام شعراء سے[1] بھی ہوتی ہے

الی جعفر سارت بنا کل حیرۃ

طواھا سراھا نخودوا لتہجر

۸- حج کے زمانہ میں رشید کے ہمراہ برامکہ بھی ہوتے تھے اور اسقدر فیاضی کرتے تھے کہ خلیفہ کی زرریزی بھی ماند پڑجاتی تھی-

۹- سادات کی در پردہ ہمیشہ خدمت کرتے تھے اور جعفر برمکی نے سب سے بڑے پولیٹکل قیدی امام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کو رہا کردیا تھا جو اسباب قتل جعفر برمکی میں ایک اہم سبب قرار دیا گیا ہے-

خالد برمکی نے سفاح کے ساتھ احسانات کئے تھے لیکن یحییٰ نے منصور اور مہدی کی خلافت کو مستحکم کیا اور رشید کو قتل سے محفوظ رکھ کر خلافت دلائی- یہ وہ سبب تھا جس کی بدولت برامکہ کا ہر فعل رشید کی نظر میں مستحسن تھا- اور غائبانہ تعریف کیا کرتا تھا- مختصر یہ کہ برامکہ کو اپنی حسن عمل پر ناز تھا، اور وہ رشید کی طرف سے مطمئن تھے - اور رشید، برامکہ کی کارروائیوں سے بے خبر تھا چنانچہ دس سال تک فریقین دھوکہ میں رہے-

برامکہ نے بقائے حیات و وزارت کے جو سامان مہیا کر لئے تھے وہ ایک حد تک صحیح تھے لیکن انہوں نے جو غلطی کی وہ یہ تھی کہ "آلِ ربیع کو ہمیشہ حقیر سمجھا، اُن سے خصومت کا برتاؤ کیا اور ان کی کسی خواہش کو پورا نہ کیا، اِس بے پروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ خاندان برامکہ تباہ ہوگیا"-

[1] جعفر کی مدح میں مروان بن ابی حفصہ کا ایک قصیدہ ہے جسکی تشبیب کا یہ شعر ہے- شاعر کہتا ہے کہ جعفر کے پاس اونٹوں پر سوار ہو کر اہلِ غرض آتے ہیں اور اسقدر طویل مسافت طے کرکے آتے ہیں کہ اونٹنیاں دُبلی ہوجاتی ہیں- آغانی جلد ۹-

واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں ربیع بن یونس، حاجب تھا اور یہ عرب کے ایک معزز خاندان کا رکن تھا اور قدیم الخدمت بھی، اس بناء پر ربیع خود وزارت کا امید وار تھا اور منصور و مہدی کے عہد میں جو وزیر مقرر ہوئے، ربیع نے انکی وزارتوں کو اپنے اقتدار سے کامیاب نہ ہونے دیا۔

یہ وہی ربیع ہے جسکے مشورہ سے ابومسلم کو منصور نے قتل کرایا تھا۔ اور برامکہ اس کا قصاص، ربیع سے لینا چاہتے تھے چنانچہ فریقین میں بنائے مخاصمت یہ تھی۔ ربیع کے فوت ہونے پر فضل بن ربیع کو ہرون الرشید نے حاجب مقرر کیا یہ فضل بھی برامکہ کے انعامات سے محروم رہا، تب اس نے تمام ملک میں جاسوس پھیلا دیئے اور رشید کو برامکہ کے مخفی حالات سے مطلع کیا، جس سے وہ ابتک واقف نہ تھا۔ اور اس اثناء (۱۸۶ھ) میں رشید نے خراسان کا دورہ کیا۔ علی بن عیسیٰ گورنر خراسان نے فضل کے اشارہ سے رشید کو باور کرایا کہ موسیٰ برمکی، خراسان میں بغاوت پھیلا رہا ہے اور جعفر برمکی ابومسلم کا قصاص امیرالمومنین سے لینا چاہتا ہے اور خلافت کے مالک برامکہ ہیں۔ یہ خیالات رشید کے دل میں بیٹھ گئے اور صفائی نہ ہو سکے اور راکھ کی دبی ہوئی چنگاریاں جو کجلا گئی تھیں۔ ایک دم سے بھڑک اٹھیں۔ اور آغاز ۱۸۷ھ میں جعفر کو قتل کر دیا۔ اور کامل دس سال کے غور و فکر کے بعد رشید کامیاب ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب زوال برامکہ کے قوی سبب صرف دو ہیں۔ ایک برمکیوں کا غیر معمولی اقتدار اور اثر تھا، جسکی تصدیق مورخین کے علاوہ کلام شعراء سے بھی ہوتی ہے، اشجع سلمی[۱] کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذهبت مكارم جعفر و فعالـه	جعفر کے جود و کرم اور اسکے اخلاق کا فیضان
في الناس مثل مذاهب الشمس	ویسا ہی ہے جسطرح آفتاب کی عام ضیاء افشانیاں تمام دنیا پر

[۱] آغانی جلد ۱۷۔

ملك لنوس له المعالي لنفسه والعقل خير سياسة النفس	جعفر ایک ایسا بادشاہ ہے، جو حامل فضائل ہے اور نفسیاتی مسائل کے حل کرنے میں عقل سب سے بڑھ کر ہے۔
فاذا ترائتة الملوك تراجعوا جهر الكلام بمنطق همس	جعفر کی ہیبت و جلال کا یہ عالم ہے کہ ملوک اسکے سامنے بلند آہنگی سے بات نہیں کر سکتے ہیں۔
ساد البرامك جعفر وهم الاعالي بعد الخلائف سادة الانس	خلفاء کے بعد برامکہ انسانوں کے سردار ہیں، اور پھر برمکیوں میں جعفر سب سے بڑھکر ہے۔
لا ضر من قصد بن يحيى راغباً بالسعد حل به ام النحس	نیک بختی یا نحوست میں جس کسی نے بھی جعفر بن یحییٰ سے ملاقات کی اسکو کبھی مضرت نہیں پہونچی (بلکہ نفع ہوا)

دوسرا سبب آل ربیع کی عداوت و مخالفت ہے۔ بقیہ اسباب قتل جعفر و زوال خاندان، جو مورخین نے لکھے ہیں وہ سب داخل فروع ہیں۔ اور نکاح جعفر و عباسہ کا واقعہ تو سرے سے قابل ذکر ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک ڈراما ہے، جس کے مصنف دشمنانِ آلِ عباس ہیں۔ اور قتل جعفر کے نو سو برس بعد یعنی گیارہویں صدی ہجری میں تصنیف ہوا ہے۔ علامہ ابن خلدون کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ ہٰرون الرشید جیسا دیندار خلیفہ ایک مجوسی سے اپنی بہن کا عقد کسی طرح نہیں کر سکتا تھا اور نہ خاندان والے اس ذلت کو برداشت کر سکتے تھے اور مردانہ جلسوں میں شریک ہو کر شاہزادی عباسہ کا مے نوشی کرنا یہ ایک صریح بہتان ہے۔" اگر ایسا ہی تھا تو رشید سب سے پہلے زبیدہ خاتون کو شراب خوار بناتا کیونکہ بی بی کے مقابلہ میں بہن زیادہ قابل احترام ہے۔

آپ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ رشید نے برامکہ پر ظلم عظیم کیا، لیکن سلطنت کبھی نکتہ چینی کی پرواہ نہیں کرتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کے زمانہ سے یہ مثل عام ہے کہ نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ ابوجعفر منصور نے اپنے محسن ابومسلم کو قتل کیا، اسی طرح رشید نے جعفر کو بھی تہ تیغ کیا اور اسکے قبل عبدالملک بن مروان[1] نے خلافت اُمیہ کے بانی ابوامیہ عمرو بن سعید (ابوالعاص بن امیہ کا پوتا اور عمرو بن ابی العاص صحابی کا بھتیجا) کو ۶۶ھ میں ذبح کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور نظائر بھی ہیں، لہٰذا قتل جعفر تاریخ اسلام کا ایک معمولی واقعہ ہے۔

جعفر کی نعش کا بغداد روانہ ہونا، برامکہ کی گرفتاری، مال منقولہ کی قرقی اور جاگیروں کی ضبطی

گواہ انقلاب دہر ہیں، اوراق تاریخی
خیال عیش فانی، کم نہیں خواب پریشاں سے

ویر عمرو میں ہرون الرشید ایک خیمہ کے اندر چند مصاحبوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور جعفر مرحوم کا سر ایک طلائی طشت میں رکھا ہے اور اس کے دانتوں پر بید مار کر یہ کہہ رہا ہے کہ "جعفر! میں نے تجھ کو عظیم الشان منصب دیا تھا، کیا اس کا یہی عوض تھا؟ افسوس! تو نے میرے عنایات و نوازشات کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ ذرا دیر میں زمانہ کیسے انقلاب برپا کرتا ہے؟۔"

اس کے بعد حاضرین جلسہ کے سامنے، جعفر کے جرائم بیان کیے اور خوابگاہ کے خیمہ

[1] امیر معاویہ کے خاندان کے بعد مروان نے دوبارہ بنی اُمیہ کی خلافت قائم کی تھی۔

میں چلا گیا۔

محمد بن اسحٰق[1] راوی ہے کہ مجھ سے سندی بن شاہک نے بیان کیا کہ جعفر کے قتل کی صبح کو میرے پاس ایک ہرکارہ آیا اور سربمہر لفافہ حوالہ کیا۔ میں نے اسکو کھول کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ امیر المومنین نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے۔ حکم کے الفاظ یہ تھے۔

یا سندی! اذا نظرت فی کتابی هذا فان کنت قاعداً فقم، و ان کنت قائماً فلا تقعد حتی تصیر الیّ"۔

"سندی! جس وقت تم اس تحریر کو پڑھو، پس اگر بیٹھے ہو تو اُٹھ کھڑے ہونا اور اگر کھڑے ہو تو پھر نہ بیٹھنا، یہانتک کہ مجھ تک پہنچ جاؤ۔"

سندی کہتا ہے کہ میں ہرون الرشید کے لشکر میں فوراً پہنچا اوّل عباس بن فضل بن ربیع سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ امیر المومنین فرات کے کنارے تشریف فرماہیں حاجب نے میری اطلاع کی، فوراً طلبی ہوئی۔ جو ندیم موجود تھے وہ رخصت کر دیئے گئے۔ جب خلوت ہوگئی تو ارشاد ہوا قریب آؤ" اس کے بعد پوچھا یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے تم کو کیوں بُلایا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ خبر نہیں ہے۔ تب فرمایا کہ ایک ضروری مشورہ کے لئے طلب کیا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ افسران فوج اور خدام میں کون کون حاضر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہرثمہ اور مسرور، یہ سنتے ہی حکم دیا کہ ان دونوں کو اپنے ہمراہ لیکر اسی وقت بغداد روانہ ہو جاؤ اور برامکہ کے مکانات ضبط کر کے اُن پر پہرہ بٹھا دو کہ سامان گھروں سے نکلنے نہ پائے اور جعفر کی نعش کو بھی ساتھ لیجاؤ' اس کے دو ٹکڑے کر کے شرقی و غربی پلوں پر ایک ایک حصّہ آویزاں کرا دو اور سر علیحدہ کر کے عبرت کے لئے جسر اوسط' (درمیانی پل) پر لٹکا دیا جائے"۔

کیا خدا کی شان ہے کہ جس سر کے سامنے سرداروں اور متکبروں کی گردنیں جُھک

---

[1] طبری و عقد الفرید۔

جاتی نہیں، جس[1] کا اعزاز خلیفہ سے بڑھکر تھا آج اس کا سر بغداد کے ایک پل پر لٹک رہا ہے۔ جن کا کوئی پرساں حال نہیں، کل تک وہ اقبالمند تھا اور آج دنیا میں اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں!!

ابو نواس (دوسری[2] روایت علی بن ابی معاذ) نے اس دلگداز منظر کو اس طرح پرادا کیا ہے۔

یا ایھا المغتر بالدھر	اے زمانہ پر دھوکہ کھانے والے!
والدھر ذو صرف و ذو غدار	یہ ذرا میں پھر جاتا ہے اور دھوکہ دے جاتا ہے،
لا تأمن الدھر و صولاته	اس سے اور اس کے حملوں سے
وکن من الدھر علی حذار	ہمیشہ بچتے رہنا۔
ان کنت ذا جھل بتصریفه	اگر تو اسکی اُلٹ پھیر سے واقف نہیں ہے
فانظر الی المصلوب بالجسر	تو اس کے حال سے عبرت پکڑ جس کو بغداد کے پُل پر سولی دی گئی ہے۔

جہشیاری کی روایت ہے کہ نعش کے ہمراہ ہرثمہ، مسرور، سلام الابرش، اور ابراہیم بن حمید مروزی روانہ کئے گئے۔ جعفر کی نعش ایک اونٹ پر تھی جس پر پالان (ٹاٹ یا بالوں کا بنا ہوا جال) تک نہ تھا۔ ہرثمہ نے بغداد پہنچ کر حکم کی تعمیل کی۔

یحییٰ، فضل اور موسیٰ پہلے ہی قید ہو چکے تھے۔ بغداد[3] میں عبد الملک، یحییٰ، خالد پسران جعفر اور عاصی، مزید، خالد و معمر پسران فضل و یحییٰ، جعفر و زید پسران محمد بن یحییٰ اور ابراہیم، مالک، جعفر، عمر اور معمر پسران خالد بن یحییٰ بھی گرفتار کیے گئے۔ صرف محمد بن خالد اوّل اور محمد بن یحییٰ اول مستثنےٰ رہے۔

[1] مسعودی جلد ۲ [2] عقد الفرید صفحہ ۲۱ جلد ۳

[3] طبری صفحہ ۹۶۷ جلد ۳ وصفحہ ۶۷۳ جلد ۳

سلام الابرش خادم اور ابو صالح یحییٰ بن عبدالرحمٰن کاتب نے قصر الطین کے سامان کی فہرست تیار کی۔

سلام راوی ہے کہ جب یحییٰ نے جعفر کے قتل کا واقعہ سُنا تو نہایت صبر و سکون سے کہا کہ اے ابو سلمہ! قیامت بھی یکایک اسی طرح آئے گی۔ اور پھر کہا "لا یواخذ اللہ العباد الّا بذنوبھم وما ربک بظلام للعبید، وللہ الحمد علیٰ کل حال"۔ اور جعفر کی طرح رشید کا ایک بیٹا بھی اسی طرح قتل کیا جاویگا۔ امین الرشید کے قتل پر لوگوں کو یحییٰ کی پیشین گوئی یاد آتی تھی جب رشید نے یہ واقعہ سُنا تو بدحواس ہو گیا اور کہا مجھے خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کیونکہ یحییٰ بڑا نجومی ہے۔ اور اس کا ہر حکم صحیح ہوتا ہے۔

جعفر کے مکان پر مسرور اور فضل کے محل پر ابراہیم بن حمید اور حسن کاتب تعینات کئے گئے اور جملہ مال منقولہ کی فہرست مرتب ہوئی اور اسی سلسلہ میں عراق کی جاگیریں بھی ضبط ہوئیں۔ البتہ موسیٰ اور محمد کے یہاں سے کوئی سامان برآمد نہیں ہوا، خزانہ بھی خالی پڑا تھا۔ خزانچی عرصہ تک قید رہے، پھر چھوڑ دیئے گئے۔

یحییٰ کے قصر الطین سے پانچ لاکھ دینار اور فضل کے یہاں سے چالیس[1] لاکھ درہم برآمد ہوئے۔

حارث[2] بن ابی اسامہ راوی ہے کہ جعفر کے مکان میں ایک حوض نکلا جس میں سے ۲۲ لاکھ اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ ہر اشرفی کا وزن ایک سو ایک دینار تھا۔ جسکی دوسرے رُخ پر جعفر کی تصویر تھی۔ اس نقدی کے علاوہ جعفر کے ہمراہ سفر میں جسقدر نقد و سامان تھا وہ جداگانہ ہے، اور مجموعی تعداد نقد اور قیمت سامان کی تین کرور چھ لاکھ چھیتر ہزار دینار ہے۔ جعفر کے قتل کے بعد صبح کو انس بن ابی شیخ (کاتب و شاعر) اور ہیثم یمنی کے قتل کا حکم ہوا۔ انس، جعفر کا ندیم خاص تھا۔ ہارون الرشید نے قتل جعفر کی بعد انس کو بُلایا اور

---

[1] جہشیاری صفحہ ۳۰۰ [2] کامل و عقد الفرید۔

دیر تک گفتگو کی پھر قتل کرادیا۔ انس پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ زندیق ہے۔[1] اور ہیضم نے جلاد سے کہا کہ میں عراق کی راگنیوں کا ماہر ہوں، اگر مجھے قتل کیا تو عرب کی موسیقی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ چنانچہ امتحان کے بعد ہیضم کی جاں بخشی کی گئی اور مغنیوں میں داخل ہو گیا۔

اعلام الناس کی روایت ہے کہ قتل جعفر[2] کے بعد ایک ہزار برمکی قتل ہوئے۔ یہ روایت[3] غلط ہے۔ قدیم تاریخوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہے۔

دیر عمر[4] میں جسقدر برمکی موجود تھے وہ اور ان کے خدام وغلام سب رقہ روانہ کر دیئے گئے اور حفاظت کے لئے عبد الملک بن صالح ان پر افسر مقرر ہوا۔ اسوقت تک یہ قیدی آرام سے تھے لیکن بغداد پہونچ کر پھر ان پر سختی کی گئی (باستثناء یحیٰی وام الفضل وعتابہ) ان قیدیوں میں فضل اور جعفر کی اولاد کو خود رشید نے رہا کر دیا تھا۔ اور جو باقی رہ گئے تھے ان کو عہد مامون الرشید میں رہائی نصیب ہوئی، اور ملکی خدمتوں پر بھی مقرر ہوئے۔ جعفر کے قتل کے بعد یحیٰی نے جس صبر وضبط سے کام لیا ہے وہ اسکی زندگی کا اہم واقعہ ہے۔

سہل بن ہرون[5] راوی ہے کہ رقہ میں یحیٰی کے ہمراہ میں بھی موجود تھا کہ یکایک یحیٰی پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گیا چند منٹ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور مجھ سے کہا، غضب ہو گیا، میری عزت اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے عرض کیا خیر تو ہے آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ تب کہا تم نے نہیں سنا؟ ابھی کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا انیس ولم یسمر بمکۃ سامر	حجون سے صفا تک گویا کوئی کبھی دوستوں میں تھا ہی نہیں۔ اور گویا مکہ میں کبھی کسی نے قصہ نہیں کہا تھا۔

---

[1] طبری ۶۸۱ جلد ۳ و معارف صفحہ ۱۴۰، واقعہ قتل میں طبری نے یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔
تلمظ السیف من شوق الی انس ÷ فالسیف یلحظ والاقدار تنتظر ÷ [2] جہشیاری صفحہ ۲۹۶ [3] اعلام اسباب زوال برامکہ [4] جہشیاری صفحہ ۳۰۷

میں نے عرض کیا کہ یہ خواب و خیال کی باتیں ہیں اور جواباً فی البدیہہ اسی شاعر کا دوسرا شعر پڑھا۔

بلیٰ نحن کنا اھلھا فاباد نا	ہاں! ہم وہاں کے رہنے والے تھے لیکن
صروف اللیالی والجدود العواثر	ہمکو زمانہ کے انقلابات اور تقدیر نے مٹا دیا۔

یہ سُن کر یحییٰ خاموش ہو رہا اور اس واقعہ کے تیسرے دن جعفر قتل ہوا۔

جعفر کی توصیف اور مرثیہ نگاری کی ممانعت کا اعلان خلافت کی خلاف ورزی اور شعرائے عہد کے مرثیے

برمکیوں کا لٹا ہوا قافلہ، جب بغداد پہنچ گیا اور کل مرد و عورتیں جیل میں داخل ہوگئیں تو ہر گھر میں کہرام مچ گیا، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو قیدیوں کے حال زار اور جعفر کے مقتول پر اشکبار نہ ہو۔ جب ہرون الرشید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انسداد فتنہ کے غرض سے اس نے تمام بغداد میں منادی کرادی[1] کہ "کوئی شخص برامکہ کا تذکرہ نہ کرے اور نہ کوئی شاعر، جعفر کا مرثیہ لکھے۔ درصورت خلاف ورزی قتل کی سزا دی جائیگی"۔

عورتوں کے بَین و ماتم کے علاوہ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگ پرچے لکھکر آویزاں کرتے تھے، جس میں برامکہ کی مدح ہوتی تھی، لہذا افسر شرطہ بغداد (سپرنٹنڈنٹ پولیس) کو حکم دیا گیا کہ ایسے اشتعال انگیز پرچے ضبط کر کے تلف کر دیئے[2] جائیں۔

برامکہ کی فیاضی سے تمام ملک کا یکایک محروم ہوجانا اور جعفر کا قتل ہونا کوئی معمولی

---

[1] الفخری و اعلام الناس [2] تاریخ اسحاقی۔

واقعہ نہ تھا لہذا عام رعایا اور شعراء پر اس اعلان کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، چند آدمی جس جگہ جمع ہو جاتے تھے، اسی جگہ جعفر مرحوم کا ذکر خیر شروع ہو جاتا تھا اور عوام الناس کا یہ حال تھا کہ راہ چلتے شعراء سے مرثیہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے چنانچہ خود رشید کے درباری شعراء نے جعفر کے مرثیے لکھے اور اس کثرت سے لکھے جو ایک فرمانروا کی موت پر لکھے جا سکتے تھے۔ یہ مرثیے نہایت غم انگیز اور واقعات کی تصویر ہیں، لہذا طبری وغیرہ سے مشاہیر شعراء کے مرثیوں کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سیف[1] بن ابراہیم

هوت انجم الجدوی وشلت ید الندی وغاضت بحار الجود بعد البرامك	برمکیوں کے بعد فیاضی کا ستارہ ٹوٹ پڑا اور سخاوت کے ہاتھ ہوگئے اور بخشش کے دریا خشک ہو گئے
هوت انجم کانت لابناء برمك بها یعرف الحادی طریق المسالك	خاندان برمک کے وہ ستارے جن سے اونٹ چلانے والے راستہ پہچانتے تھے غروب ہوگئے۔

ابونواس[2]

یا غائبا فی الثری یبلی محاسنه الله یولیك غفرانا واحسانا	اے وہ شخص کہ خاک میں گم ہو گیا ہے اور لوگ اس کی خوبیوں کا وظیفہ پڑھتے ہیں خدا تجھ کو مغفرت اور احسان عنایت کرے۔
ان کنت جرعت کاس الموت واحدة فی کل یوم اذوق الموت الوانا	اگر تو نے موت کا ایک پیالہ پیا ہے۔ تو ہم لوگ ہر روز طرح طرح کی موت چکھتے ہیں۔

[1] بعض تاریخوں میں یہ اشعار سلم الخاسر مداح فضل برمکی سے منسوب ہیں۔

دعبلؒ بن علی الخزاعی

ولما رایت السیف جندل جعفرا
ونادی مناد للخلیفة فی یحیی
بکیت علی الدنیا وایقنت انما
قصاری الفتی فیها مفارقة الدنیا

جب میں نے دیکھا کہ تلوار نے جعفر کو خاک پر گرادیا
اور خلیفہ کے مناوی نے یحیٰی کی نسبت اعلان کردیا۔
میں دنیا پر رویا اور مجھ کو یقین ہوگیا۔
کہ آدمی کا اخیر نتیجہ دنیا کو چھوڑنا ہے۔

رقاشیؒ عبدالمطلبؒ بن الفضل

هدأ الخالون عن شجوی فناموا
وعینی لا یلایمها منام
وما سهری لانی مستهام
اذا ارق المحب المستهام
ولکن الحوادث ارقتنی
فلی سهر اذا هجد النیام
اصبت بسادة کانوا عیونا
بهم نسقی اذا انقطع الغمام
فقلت وفی الفواد ضریم نار
وللعبرات من عینی انسجام
علی المعروف والدنیا جمیعاً
لدولة آل برمك السلام

جن لوگوں کے دل غم سے خالی ہیں وہ آرام سے سوتے ہیں
لیکن میری آنکھوں سے نیند کو انس ہی نہیں ہوتا
میری بیداری اس لئے نہیں ہے کہ میں شیفتہ ہوں
جبکہ عاشق شیفتہ بے خواب رہتا ہے۔
البتہ مصیبتوں نے مجھ کو بیخواب کر رکھا ہے
تو جب اور لوگ سوتے رہتے ہیں میں جاگتا رہتا ہوں
مجھ کو اُن سرداروں کے مرنے کی مصیبت پیش آئی جو
جود وکرم کے چشمے تھے اور جن سے ہم لوگ سیراب ہوتے ہیں جبکہ مینھ بند ہوجاتا ہے
میں نے کہا جبکہ دل آتش فراق سے جل رہا تھا اور
آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔
جب خاندان برمک نہ رہا تو
دنیا اور بھلائی۔ دونوں کو سلام ہے

لہ "المختار من شعر بشار" مرتبہ سید محمد بدرالدین العلوی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

جزعت علیك یا فضل بن یحییٰ	اے فضل بن یحییٰ میں تیرے لئے روتا ہوں۔
ومن یجزع علیك فلا یلام	اور جو تجھ پر روئے وہ قابل ملامت نہیں۔
قلم ارقبل قتلك یا ابن یحییٰ	تیرے قتل سے پہلے میں نے اے یحییٰ کے بیٹے (جعفر)
حساما فلّہ السیف الحسام	یہ نہیں دیکھا تھا کہ تلوار تلوار کو کاٹے۔
أالھو بعد کم واقر عینا،	کیا میں تم لوگوں کے بعد کھیل کود میں پڑ سکتا ہوں اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں
علیّ اللھو بعد کم حرام	تمہارے بعد مجھ پر کھیل کود حرام ہے۔
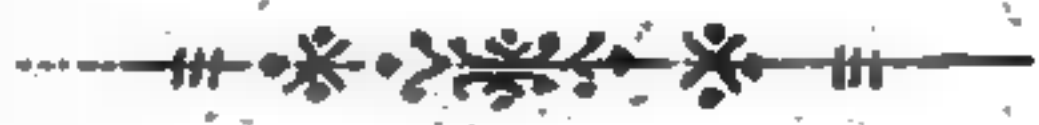
وکیف یطیب لی عیش وفضل	کیا میری زندگی پر لطف ہو سکتی ہے۔
اسیر دونہ البلد الشآم	جبکہ ایسے منحوس شہر میں فضل قید ہے۔
وجعفر ثاویا بالجسر أبلت	اور جعفر پل پر پڑا لٹک رہا ہے جس کی خوبیوں کو
محاسنہ السمائم والقتام	گرد اور لو نے مٹا دیا ہے۔
اقول وقمت منتصبا لدیہ	میں اُسکے (لاشہ) کے پاس سرو قد کھڑا ہو کر کہتا رہا
الی ان کاد یفضحنی القیام	یہانتک کہ قریب تھا کہ میری فضیحتی ہو۔
اما واللہ لولا خوف واش	واللہ اگر چغل خور اور خلیفہ کی
وعین للخلیفۃ لا تنام	آنکھوں کا ڈر نہ ہوتا جو کبھی سوتی نہیں۔
لطفنا حول جذعك واستلمنا	تو میں تیری سولی کے گرد طواف کرتا
کما للناس بالحجر استلام	اور بوسہ دیتا جس طرح حجر اسود کو لوگ بوسہ دیتے ہیں۔

اور ایک[1] پرچہ پر حسب ذیل اشعار لکھے ہوئے ملے، اور غالباً یہ شعر جعفر کے دوست انس بن ابی شیخ کے ہیں۔

---

[1] آغانی جلد ۱۰۔

لعمرك مافی الموت عار علی الفتی	تیری جان کی قسم! کسی نوجوان کے لئے موت باعث
اذا لم تصبه فی الحیاة المعایر	شرم نہیں بشرطیکہ اسکی زندگی معائب سے پاک رہی ہو
ومن کان مما یحدث الدهر جازعًا	اور ہر وہ شخص جو حادثات زمانہ پر صبر نہ کرسکا ہو اسکے
فلا بد یومًا ان یری وهو صابر	لئے بھی ضرور ایک دن ایسا آئیگا جب وہ صبر اختیار
فلا یبعدنك الله عنی جعفرا	کرچکا ہوگا - خدا وہ دن نہ کرے کہ جعفر مجھ سے
بروحی ولو دارت علی الدوائر	جدا ہو جائے خواہ مجھ پر کیسی ہی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں -
فالیت لا انفك ابکیك مادعت	جب تک قمریاں ڈالیوں پر نغمہ سنجی کرتی رہیں اور
علی فنن ورقاء او طار طائر	چڑیاں فضا میں اڑتی رہیں اسوقت تک میں نے
	بھی رونے کی قسم کھائی ہے -

اشجع سلمی کہتا ہے -

ولی عن الدنیا بنو برمك	آل برمک! دنیا سے منھ موڑ گئے
فلو تو الی الناس ما زادوا	اب لوگ پیدا ہوا کریں مگر (فضائل میں)
کانما ایامهم کلها	اُن سے بڑھکر نہیں ہو سکتے -
کانت لاهل الارض اعیادِ	برمکیوں کا سارا زمانہ، تمام عالم کے سلئے
	گویا عید کا دن تھا -
قد ساد دهر بنی برمك	برمکیوں کو زمانہ نے ہم سے اس طرح چھین لیا ہے کہ
ولم یدع فیهم لنا لقیا	اب اُن سے ملنے کا کوئی موقع نہیں رہا -
کانوا اولی الخیر وهم اهله	یہ تمام خاندان صاحب خیر تھا،
فارتفع الخیر عن الدنیا	داب انکے اٹھ جانے سے) ساری بھلائیاں دنیا سے اٹھ گئیں -

صالح اعرابی کا قول ہے -

لقد خان هذا الدهر ابناء برمك	اس زمانہ نے برمکیوں کے ساتھ بے وفائی کی

واني ملوك لم تخنها دهورها	اور وہ ایسے کون بادشاہ ہیں جنکے ساتھ زمانہ نے بدسلوکی نہ کی ہو۔
الم يك يحيى والي الارض كلها	کیا یحییٰ برمکی! تمام دنیا کا حاکم نہ تھا؟
فاضحى كمن وارته منها قبورها	لیکن خدا کی شان اب قبر میں جا بسا ہے۔

صرف طبری اور آغانی میں جعفر مرحوم کے جسقدر مرثیے لکھے ہیں اُن کے انتخاب کیواسطے بھی البرامکہ کی وسعت کافی نہیں ہے لہذا مذکورۂ بالا انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یوں تو اپنے اپنے رنگ پر ہر ایک شاعر نے جعفر کے مرثیے خوب لکھے ہیں لیکن ان سب میں رقاشی کا مرثیہ نہایت دلکش ہے کیونکہ اس شاعر نے سچے جوش اور دلی ذوق سے لکھا ہے۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ جس مقام پر جعفر کا سر آویزاں تھا۔ رقاشی وہاں بیٹھ کر بہروں رویا کرتا تھا اور جیساکہ اُس نے اخیر شعر میں لکھا ہے فی الحقیقۃ جعفر کے سر کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ اور جب اس شعر پر پہنچتا تھا تو اس کو رقت ہوتی تھی۔

سلطنت نے برامکہ کی مداحی کو قانوناً جرم قرار دیا تھا، لیکن جعفر کے عام احسانات رقاشی پر اسقدر غالب تھے کہ اُس نے بلا خوف مواخذہ قانونی خفیہ طور پر جعفر کا مرثیہ لکھ ڈالا۔

آغانی[1] کی روایت ہے کہ جب مخبروں نے ہارون الرشید سے رقاشی کی اطلاع کی تو اُس نے رقاشی کو دربار میں بلایا اور مخاطب کر کے کہا کہ "رقاشی! کیا تو نے میرا حکم نہیں سُنا ہے کہ کوئی شاعر جعفر کا مرثیہ نہ لکھے۔ پھر تجھے کس چیز نے جعفر کے مرثیے نگاری کی جرأت دلائی ہے؟" رقاشی نے عرض کیا کہ "امیر المومنین جعفر کی سرکار سے مجھ کو ایکہزار دینار سالانہ وظیفہ ملتا تھا اس کے علاوہ جعفر کے احسانات مجھ پر اس قدر ہیں کہ جن سے میں مجبور ہوا۔ جب رشید نے یہ مرثیہ سُنا تو اُس کا بھی دل بھر آیا اور حکم دیدیا کہ "جب تک رقاشی زندہ رہے اُس کو دو ہزار دینار سالانہ وظیفہ ملا کرے"۔ حقیقت میں رقاشی بڑا

[1] آغانی علامہ اصفہانی صفحہ ۲۵-۲۶- جلد ۱۵-

خوش نصیب تھا کہ وہ زندہ بچ گیا۔

ابراہیم بن عثمان بن نہیک کا قتل

طبریؔ کی روایت ہے کہ قتل جعفر کے بعد ابراہیم بن عثمان بن نہیک برامکہ کا ذکر کرکے اُن کے حال پر رویا کرتا تھا۔ بلکہ روتے روتے اُسکی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ جعفر کا قصاص مانگنے لگتا تھا۔ اور جب نبیذ پیکر کنیزوں کے ساتھ مجلس عیش میں بیٹھتا تو تلوار ہاتھ میں لے کر کہتا تھا " واجعفراہ، واسیداہ! ہائے جعفر ہائے میرے سردار! میں تیرے قاتل کو ضرور قتل کر ڈالوں گا اور تیرے خون کا عوض لونگا"۔ جب ابراہیم میں یہ جوش انتقام بڑھ گیا تو ابراہیم کے بیٹے نے رشید سے جاکر اطلاع کردی۔ رشید نے ابراہیم کو بلایا اور اُسے خوب نبیذ پلائی اور جب ابراہیم نشے میں متوالا ہو گیا تو رشید نے ابراہیم سے کہا کہ " میں جعفر کو قتل کرکے نادم ہوں، بلکہ یہی جی چاہتا ہے کہ بغداد سے چلا جاؤں اور جعفر کے غم میں مجھے نیند حرام ہو رہی ہے"۔ بقول شخصے دیوانہ را ہوئے بس ست، رشید کی باتیں سنتے ہی ابراہیم رونے لگا اور اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر رشید سے کہنے لگا کہ " ابوالفضل! خدا تجھپر رحم کرے، خدا کی قسم تو نے بڑی غلطی کی ہے۔ اب دنیا میں جعفر کا مثل کہاں مل سکتا ہے"۔ یہ سنکر رشید جھلا اُٹھا اور ابراہیم سے کہا کہ " چل اُٹھ کھڑا ہو ملعون"۔ دو قدم اُٹھ کر چلا تھا کہ پیچھے سے اُس کے بیٹے نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جس کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکا اور چند ہی راتوں میں انتقال کر گیا۔[1]

آل برمک کا بغداد میں قید ہونا اور مصائب اُٹھانا یحییٰ کا ہارون الرشید سے رہائی کی درخواست کرنا اور نا منظور ہونا

[1] طبری کبیر صفحہ ۶۹۹ جلد سوم وکامل ابن اثیر صفحہ ۷۱ جلد ۶ وابن خلدون۔

مع دیگر واقعات

جعفر کا غم سب سے زیادہ فضل برمکی کو تھا، اور اپنے عزیز بھائی کے فراق میں کسی وقت اُس کو آہ وزاری سے فرصت نہ تھی۔ خالد بن عثمان، فضل کا ایک مصاحب راوی ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد فضل کا کھانا، پینا بالکل چھوٹ گیا تھا اور یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوں۔ جب ہارون نے یہ حال سُنا تو رات کے وقت فضل کے پاس گیا اور جب فضل نے ہارون کو آتے ہوئے دیکھا تو تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور ہارون کو سلام کر کے بیساختہ رونے لگا۔

ہارون اور فضل کی گفتگو

ہارون نے فضل کو مخاطب کر کے کہا کہ "جعفر کے قتل کا تم کو اسقدر افسوس کیوں ہے؟ وہ تو فاسق اور بدچلن تھا اور تم سے اُس کو دلی رنج تھا۔ کیونکہ مجھے اکثر جعفر نے اس پر آمادہ کیا تھا کہ میں تم کو صدمہ پہنچاؤں، علاوہ بریں تمہاری ماں اور ہے اور جعفر کی ماں اور۔" ہارون کی تقریر سُنکر فضل سے ضبط نہ ہو سکا اور رونے لگا۔ تب ہارون نے گلے لگا لیا اور جو چادر اوڑھے تھا وہ فضل کو اُڑھا دی پھر کھانا منگایا اور قسمیں دلا کر کسی قدر کھلایا اور فضل سے کہا کہ "تم جعفر کا غم نہ کرو وہ تم سے نہ صرف عداوت ہی رکھتا تھا بلکہ تم کو معزول کرانا چاہتا تھا۔" فضل نے جواب دیا کہ "میں نے مانا کہ جعفر ایسا ہی تھا، لیکن اُس کا قصور ایسا نہ تھا جس پر امیر المومنین نے قتل کر دیا یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اب جعفر جیسا وزیر آپ کو میسر نہیں آسکتا ہے اور وہ بیگناہ قتل کیا گیا ہے جب اُس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا تو میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ یحییٰ اور نیز میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔" فضل کی تقریر سُنکر ہارون چپ ہو رہا اور خفا ہو کر چلا گیا، پھر ان قیدیوں پر جو سختی کی گئی وہ ناقابل بیان ہے[1]

[1] تاریخ ضیا برنی وابن خلکان۔

قید میں فضل پر تشدد

ابوالحسن احمد بن حسین (عدالت میں محرر تھا) راوی ہے کہ ایک دن مسرور نے چند غلاموں کو طلب کیا اور اُن کو جیل روانہ کیا، اور پھر چند غلام ساتھ لیکر خود روانہ ہوا۔ مندیل سر پر بندھی ہوئی تھی اور ایک تازیانہ ہاتھ میں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ فضل کو سزا دینے جاتا ہے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا اور مسرور کو سلام کیا مجھے دیکھکر کہنے لگا کہ تم بھی چلو دیکھو تو آج فضل کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ یہ سُنکر میرے ہوش جاتے رہے۔ کیونکہ میں فضل کا پروردہ تھا اور ہر روز دو مرتبہ جاکر دیکھ آتا تھا' مسرور نے جیل میں پہنچکر فضل کو بلایا اور نہایت حقارت آمیز کلمات سے مخاطب ہوا۔ فضل نے کہا کہ "مسرور ہم پر یہ عتاب کیوں ہے" جواب دیا کہ" امیرالمومنین نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال و دولت کی تصدیق کروں کہ کسقدر ہی اور جو کچھ ہے وہ پیش کیا جائے کیونکہ امیرالمومنین کو روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر صحیح صحیح نہ بتاؤ گے تو دو سو تازیانے لگائے جائیں گے" فضل نے کہا "اے مسرور تو خدا سے نہیں ڈرتا ہے بس تجھے اس کے قہر سے آگاہ کرتا ہوں جو تجھے حکم ہے اس کو پورا کر البتہ اس قدر التجا ہے کہ کوڑے کی آواز باباجان کے کانوں تک نہ پہنچے ورنہ اُن کے دل پر سخت صدمہ پہنچے گا۔ دوسرے یہ کہ امیرالمومنین سے کہدے کہ ہمارے پاس جو دولت تھی وہ سب خرچ ہو چکی ہے۔ بلکہ اس ایثار و کرم سے امیرالمومنین رضامند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "تم پر خدا کی رحمت ہو کیا اچھی زندگی بسر کرتے ہو" اور یہ بھی معلوم ہے کہ نہ ہم نے چوری کی ہے نہ خیانت جو مال تھا وہ سب فی سبیل اللہ صرف ہو چکا ہے"۔ مسرور تو خوب جانتا ہی کہ ہم اپنی عزت کو مال سے بچاتے ہیں اور جان تو مال سے کہیں زیادہ عزیز ہے بجائے ایک کوڑا کھانے کے جان دیدینا آسان ہے" مسرور نے فضل کی باتیں سُنیں تو غصے سے آگ ہو گیا اور چاروں غلاموں کو جو اُسکے ہمراہ تھے حکم دیدیا کہ ہر ایک پچاس پچاس کوڑے فضل کی پیٹھ پر ماریں' چنانچہ اُن ظالموں

سلہ مینا وہرنی ۱۲

نے نہایت بیدردی سے حکم کی تعمیل کی اور شدت ضرب سے فضل بیہوش ہوگیا۔ جب مسرور چلا گیا تو میں نے فضل کا سر گود میں لے لیا۔ تھوڑی دیر میں فضل نے آنکھ کھولی میں نے تسلی دی اور کہا کہ ہارون الرشید پر خدا کی لعنت ہو جس لئے تم کو صدمہ پہنچایا ہے فضل نے کہا کہ اس کی جواب دہی قیامت میں ہوگی"۔ اور مجھے حکم دیا کہ ایک ہوشیار جراح کو لاؤ کیونکہ میرے جسم کا اکثر حصہ پھٹ گیا ہے اور زخموں کی تو کوئی انتہا نہیں ہے میں نے جراح کو حاضر کر دیا اور علاج شروع ہو گیا۔ جب یحییٰ کو فضل کی خبر ہوئی تو خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن پہرے کے سپاہیوں نے اُس کو اس ارادے سے روکا۔ جس وقت بغداد میں یہ خبر مشتہر ہوئی ہے اُسوقت لوگوں کا بُرا حال تھا۔ مگر ہارون کے خوف سے سب چپ تھے۔ میں روزانہ مزاج پرسی کو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ چند روز میں فضل کو صحت ہو گئی۔ غسل صحت[۱] کے دن یحییٰ بن معاذ سے قرض لیکر دس ہزار دینار اُس جراح کو انعام دیئے لیکن اس نے لینے سے انکار کیا۔ فضل نے سُنا تو دس ہزار دینار اور بڑھا دیئے لیکن جراح نے اب بھی یہ انعام قبول نہ کیا۔ (حقیقی فیاضی اسکو کہتے ہیں) اور مجھ سے کہا کہ "بھائی صاحب! دیکھتے ہو۔ ہارون نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ میرے[۲] باپ نے ہارون

فضل کی ایک تقریر

پر ہزاروں احسان کئے ہیں خلیفہ ہادی، ہارون کے قتل پر تُلا ہوا تھا۔ صرف میرے باپ کی سعی کا نتیجہ ہے کہ وہ زندہ رہا اور ہماری ہی کوشش سے ہارون کو تخت سلطنت پر بیٹھنا نصیب ہوا ہے۔ میری ماں کا اُس نے دودھ پیا ہے اور جس قدر ممالک فتح ہوئے ہیں وہ ہماری ہی جانفشانی کا نتیجہ ہے جو خدمت ہمارے سپرد تھی اُس میں اور نیز جاگیرات میں ہم نے کوئی خیانت نہیں کی ہے نہ کبھی بدخواہی کا خیال ہمارے دل میں آیا ہے ہمارے ساتھ ہارون نے بڑے بڑے وعدے اور عہد کئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس وقت اُس نے سب کو بھلا دیا ہے ماں کے حیلے سے ہم کو قید کر دیا

[۲] جہشیاری صفحہ ۳۰۶

ہے۔ نہ اُس کو خدا کا خوف ہے نہ لوگوں سے شرم ہے کہ آخر اس ظلم کو دیکھ کر خلق خدا مجھکو کیا کہے گی۔ ہارون الرشید کی بے وفائی اور عہد شکنی مسلمانوں کو یاد رہے گی اور ہم تو اب چند روز کے مہمان ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہمارے بعد ہارون کو بھی بقا نہیں ہے"۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ زمانۂ قید میں فضل یہ اشعار پڑھا کرتا تھا۔[1]

الی اللہ فیما نالنا نرفع الشکوی	جو مصیبت ہم پر پڑی ہم اُس کا شکوہ خدا سے کرتے ہیں
ففی یدہ کشف المضرۃ والبلوی	کیونکہ اُسی کے ہاتھ میں تکلیف اور مصیبت کا دفع کرنا ہے
خرجنا من الدنیا ونحن من اھلھا	ہم دنیا سے خارج ہو گئے حالانکہ ہم ابھی تک دنیا ہی میں ہیں
فلا نحن فی الاموات فیھا ولا الاحیاء	سو ہم زندہ ہیں نہ مردہ۔

مذکورۂ بالا واقعہ پر شمس العلما حالی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ماجرا ہوگا ہمارا عبرت اوروں کے لئے
چھپ جائیں گے بہت سُنکر ہماری داستاں

باپ کی طاعت

باپ اور بیٹے میں جو فطری محبت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن فضل کو یحییٰ کے ساتھ جو محبت تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ یحییٰ کو زمانۂ قید میں بواسیر کا عارضہ تھا اور اس وقت جاڑا شدت سے پڑ رہا تھا۔ ان قیدیوں کو بجائے گرم پانی کے سرد دیا جاتا تھا یحییٰ کو بھی مجبوراً اُسی سرد پانی سے وضو کرنا پڑتا تھا جب فضل نے دیکھا کہ یحییٰ کو تکلیف ہوتی ہے تو اُس نے یہ ترکیب نکالی کہ آفتابہ قندیل کے پاس رکھ دیتا تھا۔ صبح کی نماز تک قندیل کی حرارت سے پانی میں گرمی آجاتی تھی۔ یحییٰ اُس پانی سے وضو کرتا تھا۔ یحییٰ نے جب بیٹے کی یہ خدمت دیکھی تو بہت خوش ہوا۔ اور دعائیں دینے لگا جب داروغۂ جیل کو یہ حال معلوم ہوگیا تو اُس کمبخت نے قندیل کمرے سے علیحدہ کرا دی۔ تب فضل نے یہ تدبیر کی کہ ابتدائے شب سے آفتابہ کو اپنے پیٹ میں لگا لیتا تھا

[1] اسمیں اختلاف ہے کہ یہ اشعار ابو العتاہیہ کے ہیں یا صالح بن عبدالقدوس کے، لیکن کلیات ابو العتاہیہ

جس سے پانی میں کسی قدر گرمی آجاتی تھی۔ اس حال کو دیکھ کر آخرکار داروغہ کو بھی رحم آگیا اور گرم پانی ملنے لگا۔

قید میں سب سے زیادہ سختی فضل برمکی پر تھی[1] اور اس کی ایذا ہی کے واسطے ہارون طرح طرح کی فکریں کرتا تھا۔ یحییٰ برمکی (بہ سبب ضعیفی) قید کی سزاؤں سے مستثنیٰ تھا تاہم فضل کی تکلیفیں دیکھ کر وہ بیچین ہو جاتا تھا۔ جب ہارون الرشید فضل کے صبر و استقلال کا امتحان کرچکا اور جہانتک ممکن ہوا۔ اُس کو سزا بھی دے چکا۔ تب یحییٰ کو ستانا شروع کیا۔

عبدالملک بن صالح ہاشمی کی گرفتاری بہ الزام بغاوت

اور ایک دوسرا حیلہ نکال کر فضل کے قتل کی دھمکی دی۔ لیکن یحییٰ نے اس کی کچھ پروا نہ کی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسی زمانے میں عبدالرحمٰن عباسی نے اپنے باپ عبدالملک (بن صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی) کی ہارون الرشید سے شکایت کی کہ وہ خلافت کا دعویدار ہے اور امیرالمومنین کو معزول کرنا چاہتا ہے اور اپنی تائید میں قمامہ[2] بن ابی زید کاتب کو پیش کردیا۔ یہ خبر سنکر ہارون سے ضبط نہ ہو سکا اور فوراً عبدالملک کو گرفتار کرکے فضل بن ربیع کے سپرد کر دیا کہ تم اس کو اپنی قید میں رکھو۔ چنانچہ زمانہ قید میں ایک دن عبدالملک کو اپنے سامنے طلب کیا اور نہایت غصے سے کہا کہ "عبدالملک تم نے ناسپاسی کی اور ہمارے انعام و احسانات کے منکر ہوئے"۔ عبدالملک نے نہایت فصاحت سے تقریر شروع کی اور عرض کیا کہ "مجھ پر تو آپ کی اطاعت فرض ہے۔ کیونکہ آپ خلیفہ رسول اللہ اور

(بقیہ صفحہ ۵۵۵) میں یہ اشعار موجود ہیں۔

[2] حیاۃ الحیوان وابن خلکان۔

---

[1] یہ واقعہ حسب ذیل تواریخ سے ماخوذ ہے کامل اثیر صفحہ ۵۹ جلد ۶، تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱۳، طبری کبیر صفحہ ۶۹۲ جلد ۱۲، ابن خلدون جلد ۳ واقعات ۱۸۷ھ جہشیاری صفحہ ۲۴۲ [2] رشید کو خیال تھا کہ فضل سب سے زیادہ دولتمند ہے لیکن اسکے خیال کے مطابق مال نہ ملا تو بہت نادم ہوا اسکے بعد کسی نے رشید کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "فضل برادر رضاعی من است، جعفر را کشتم وایشان را معزول ساختم این کار، بائے ملکی است و در امور ملکی نظر در صلاح ملک اختند۔" [3] قمامہ کاتبوں میں مقرر تھا اور قدیم متوسل تھا حمیمہ سے کوفہ میں سفاح کے ہمراہ آیا تھا۔ جہشیاری۔

حامی دین ہیں لیکن جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں ہے یہ سارا فساد ہمارے حاسدوں کا ہے اور انھیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہے کہ باعتبارِ قرابت مجھے امیر المومنین سے کس قدر تعلق ہے۔" ہارون نے کہا: "نہیں یہ بالکل غلط ہے۔ جیسا تم زبان سے کہتے ہو ویسا دل سے کرنا نہیں چاہتے ہو۔ خود قمامہ نے جو تمہارا کاتب ہے تمہاری بدنیتی اور مخالفت کی مجھ سے اطلاع کی ہے ذرا اُس کی بھی تقریر سنو۔" چنانچہ قمامہ حاضر کیا گیا۔ ہارون نے کہا کہ "بلا خوف وخطر جو کچھ جانتے ہو بیان کرو۔" قمامہ نے کہا کہ "عبد الملک جو امیر المومنین کے سامنے حاضر ہے وہ نقص بیعت پر آمادہ ہے اور بغاوت کیا چاہتا ہے۔ عبد الملک نے کہا کہ "امیر المومنین! قمامہ تو جھوٹا ہے، جبکہ وہ میرے سامنے تہمت لگا رہا ہے تو میرے پیچھے وہ ضرور جھوٹ بولتا ہوگا۔ ایسے شخص کی باتوں کا مجھے کیونکر یقین آسکتا ہے"۔ ہارون نے کہا کہ "میں نے مانا قمامہ جھوٹ بولتا ہے لیکن عبد الرحمن بھی تمہاری مفسدانہ کارروائیوں کی خبر دیتا ہے اگر کہو تو وہ بھی پیش کیا جائے اور ہمارے نزدیک ان دو گواہوں سے زیادہ کیا سچی شہادت ہوسکتی ہے؟ جب عبد الملک نے عبد الرحمن کا نام سُنا تو کہا "امیر المومنین! وہ تو مامور ہے یا عاق ہے یا مجنوں ہے اگر مامور ہے تو معذور ہے، اگر عاق ہے تو فاجر ہے اور اُس کی بات کا یوں بھی مجھے اعتبار نہیں ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ عبد الرحمن گو میرا ہی بیٹا ہے لیکن جبکہ وہ باغی ہوگیا تو پھر ایسی نافرمان اولاد کی باتوں کا یقین نہیں ہوسکتا۔" یہ سُنکر رشید اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا معاملے کی اصلیت تو مجھ پر کھُل گئی ہے مگر عجلت منظور نہیں ہے میں خدا کو حکم قرار دیتا ہوں، عبد الملک نے کہا "میں بھی رضامند ہوں، خدا ہی میرا حکم ہے اور امیر المومنین حاکم ہیں اور میں جانتا ہوں۔ امیر المومنین خدا کی رضامندی پر خواہشات نفسانی کو ترجیح نہ دینگے"۔ اس گفتگو کے بعد عبد الملک کو پھر قید میں بھیج دیا اور چند روز کے بعد دوبارہ اپنے سامنے بلا کر ایک دن پھر سمجھایا۔ عبد الملک نے کہا کہ "امیر المومنین خدا سے خوف کیجیے بجائے شکر گذاری کے خدا کی نعمتوں کی ناشکری نہ کیجیے۔ آپ کے قیام سلطنت کے واسطے جو کوششیں

میں نے کہیں ہیں ذرا اس پر خیال فرمائیے"۔ لیکن ہارون الرشید نے کچھ خیال نہیں کیا اور کہا کہ اگر بنی ہاشم پر رحم کرنے کی میری عادت نہ ہوتی تو میں ضرور تجکو قتل کر دیتا۔ کیونکہ بغاوت کے تمام سامان میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔ اس کے بعد مسرور کو یحییٰ کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا میں نے سنا ہے کہ تو اس کی کوشش کر رہا ہے کہ عبد الملک بن صالح تخت خلافت پر بیٹھے اور میں محروم کیا جاؤں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عبد الملک جس قدر تمہاری عزت کرتا ہے ویسی میری نہیں کرتا ہے۔ اگر اصلی حالات ظاہر کرو تو میں فوراً تم کو قید سے چھوڑ دونگا اور پھر اسی اعزاز پر پہنچا دونگا یحییٰ نے جب یہ پیام سنا تو مسرور سے کہا "خدا گواہ ہے اگر میں اس جرم میں شریک ہوں۔ مجھ پر یہ محض بہتان ہے۔ ہاں اگر خلیفہ کو یہ منظور ہے کہ امور سلطنت میں خیانت کا الزام لگا کر مجھے بدنام کرے اور لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ جو سزا دیجاتی ہے وہ حق بجانب ہے تو ایسی حیلہ سازی کی میرے قتل کے لئے حاجت نہیں۔ کیونکہ ساری خدائی جانتی ہے کہ ہم لوگ بے گناہ ہیں لیکن اگر وہ قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم کو قتل کر دے تاکہ اس کا بھی دلی بخار نکل جائے اور ہم بھی اس مصیبت سے چھوٹ جائیں اب رہی یہ بات کہ میں عبد الملک کی محبت کا دم بھرتا ہوں اور اس کی عزت کرتا ہوں۔ یہ امر بلحاظ تقدس دینی کے ہے۔ اس کو کسی دنیاوی معاملے سے تعلق نہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ عبد الملک میں ادب، شرم، حیا، پارسائی، دیانت اور عقل وفہم سب عباسیوں سے بڑھکر ہے۔ نعوذ باللہ ایسے نفس زکیہ کو حکمرانی کی آرزو کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور اس کی تصدیق خود عبد الملک سے ہو سکتی ہے اسوقت ہارون الرشید کو میری سچائی کا حال معلوم ہو جائیگا"۔ چنانچہ مسرور نے یحییٰ کا جواب ہارون الرشید کو جا سنایا۔ ہارون نے یہ پیام سنکر کہا کہ جو کچھ یحییٰ نے کہا ہے وہ بالکل غلط ہے میں بھی تحقیق کر چکا ہوں کہ عبد الملک کے واسطے بیعت ہو چکی ہے۔ یحییٰ سے دوبارہ جاکر کہو کہ "اگر صحیح صحیح حالات ظاہر کر دوگے تو قید سے چھوٹ جاؤگے ورنہ فضل کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور فضل کے قتل کی دھمکی اس وجہ سے دی گئی تھی کہ یحییٰ کو فضل سب لڑکوں سے

لہ عبد الملک ہارون الرشید کے زمانے تک برابر قید رہا۔ امین الرشید نے تخت سلطنت پر بیٹھکر قید سے رہا کیا اور شام کا والی مقرر کر دیا (جہشیاری)

زیادہ عزیز تھا۔لیکن مسرور کو درپردہ یہ حکم تھا کہ فضل کو یحییٰ سے الگ کرکے دوسری جگہ چند روز
تک قید رکھے کیونکہ فضل کے فراق کی طاقت یحییٰ میں نہیں ہے وہ ضرور عبدالملک کی بیعت
کا حال کہدیگا۔چنانچہ جب مسرور نے یحییٰ سے دوبارہ جاکر کہا تو یحییٰ رونے لگا اور کہا کہ اے
مسرور مجھے اس بیعت کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔بفرض محال اگر میرا گناہ بھی ہے تو مستحق سزا کا
میں ہوں۔غریب فضل نے کیا کیا ہے کہ وہ قتل کیا جاتا ہے؟ خداوند تعالیٰ ایسا ظلم پسند نہیں کرتا
اور وہ منتقم ہے ضرور اس ظلم کا بدلا لے گا۔" مسرور نے جواب دیا کہ آپ ہارون الرشید کی نازک
مزاجی سے واقف ہیں جو اس نے حکم دیا ہے اگر میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کروں تو مجھے مع
اہل وعیال قتل کرڈالیگا۔یہ کہکر فضل کا ہاتھ پکڑ لیا اور لے چلا اس وقت یحییٰ کی حالت قابل رحم
تھی۔آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔یحییٰ نے رخصت کے وقت فضل کو دعا دی۔مسرور کی روایت
ہے کہ جب میں فضل کو باہر لے آیا تو ایک گوشے میں لے جاکر اس کے کپڑے اتروالیے اور
بجز ایک شلوار کے اس کے پاس کچھ نہ رہا اس وقت فضل نے کہا کہ "اے مسرور ہارون الرشید
سے میرا ایک پیام کہہ دینا اور وہ یہ ہے کہ جو معاہدے تم نے کئے تھے وہ سب شکست کردیئے
اب بجز بچوں اور عورتوں کے کوئی نہیں ہے۔جیسا برتاؤ تو ان سے کرے گا ویسا ہی لوگ
تیرے ساتھ کریں گے۔" مسرور نے فضل کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی لیکن تھوڑی دیر بعد
پھر کھول دی اور کہا کہ میرا جی نہیں چاہتا ہے کہ میں تجھ ایسے نوجوان کو قتل کروں۔اب میں
واپس جاتا ہوں۔خلیفہ سے عرض کرونگا۔" فضل نے کہا افسوس جس قدر آج تو مہربان ہے
کاش جعفر مرحوم کے ساتھ ایسی شفقت کی ہوتی کیونکہ جعفر نے کسی قسم کی بدسلوکی تجھ سے نہیں کی تھی
چنانچہ مسرور نے تین دن تک یحییٰ سے فضل کو الگ رکھا جب کچھ نہ معلوم ہوا تو مجبوراً پھر یحییٰ کے
پاس بھیج دیا۔اور مسرور نے بھی سفارش کی کہ فضل عالم اور پارسا ہے اس کو عبدالملک کی بیعت کا کچھ
علم نہیں ہے ورنہ وہ ضرور بیان کردیتا چنانچہ ہارون نے بھی اس کی سچائی کا اس طرح پر تجربہ
کیا کہ فضل سے پوچھا کہ قید میں تمہارے ساتھ کس کس شخص نے سلوک کیا ہے۔فضل نے صاف

کہہ دیا کہ یحیٰی بن معاذ اور محمد بن عباس نے میری امداد کی ہے چنانچہ ہارون نے بھی یحیٰی سے دریافت کیا تو اُس نے بھی تصدیق کی اور یحیٰی کی وفاداری پر تحسین کی۔ لیکن محمد بن عباس نے چونکہ انکار کر دیا تھا لہٰذا اُس کو چار مہینے کے واسطے قید کر دیا۔

ہارون الرشید کے حکم سے قدم قدم پر مخبر اور جاسوس بیٹھے ہوئے تھے جو شخص برامکہ کی خدمت کرتا یا مالی امداد پہنچاتا۔ فوراً اس کی اطلاع کی جاتی تھی مگر وہ لوگ جن کو برامکہ سے فائدہ پہنچا تھا بلاخوف وخطر جیل میں جا کر یحیٰی وغیرہ سے ملتے تھے اور جس قدر ممکن تھا اُن کی مدد کرتے تھے۔

خلیفہ ہٰرون الرشید کے نام یحیٰی برمکی کا ایک خط

سیّارؒ بن معروف راوی ہے کہ جب زمانۂ قید میں یحیٰی برمکی پر سختی ہونے لگی۔ اُس وقت یحیٰی نے ہارون کو ایک خط لکھا جسکا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط یحیٰی کی طرف سے امیرالمومنین ہارون الرشید کے نام ہے جو تمام مسلمانوں کا امام اور رسول اللہ صلعم کا جانشین ہے۔ یحیٰی گنہگار ہے اور اُس کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے لیکن پھر بھی وہ امیرالمومنین کی مہربانیوں کا اُمیدوار ہے کیونکہ جب سے امیرالمومنین نے اپنی مہربانی کی نظر پھیر لی ہے اُس وقت سے تمام بلائیں اُس پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ راحت تکلیف سے تبدیل ہوگئی ہے آنکھوں نے شب بیداری کا سرمہ لگا لیا ہے۔ بجائے جگمگاتے ہوئے عالیشان محلوں کے تنگ وتاریک زنداں میں گرفتار ہے۔ اب مرتے دم تک اُس کو بجز غم کھانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اُس کی مصیبت کا ایک ایک دن سال کے برابر ہے اور جو رات کہ رنج وغم میں کٹتی ہے وہ درازی میں روز قیامت کے ہم پلہ ہے۔ موت اُس کے سامنے ہردم کھڑی رہتی ہے۔ اب وہ مرنے پر آمادہ ہے۔ اے موت! کاش تو اپنے وقت سے پہلے آجاتی اور قید حیات سے

لہ عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۲۲ - اعلام الناس صفحہ ۱۶۲ - تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱۲۶

چھڑادیتی۔ امیر المومنین مجھے اِس کا افسوس نہیں ہے کہ میں آپ کی فیاضیوں سے محروم ہوں۔ بلکہ دلی صدمہ یہ ہے کہ آپ سے دور ہوں۔ امیر المومنین! خدا گواہ ہے اگر میں جھوٹ کہتا ہوں مجھے اپنی عزت اور مال و اسباب کے تلف ہونے اور جعفر کے قتل کا کچھ بھی افسوس نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب چیزیں مستعار تھیں، اور اگر شے مستعار اُس کے مالک کو واپس کی جائے تو شکایت بے جا ہے۔ میرا مقصد اس تحریر سے صرف اسقدر ہے کہ جعفر پر جو مصیبت آئی وہ اُس کے گناہوں کا نتیجہ تھا میں اس معاملے میں کوئی نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ آپ نے ظلم کیا بلاشبہ جس سزا کا وہ مستحق تھا سیاست ملکی نے اُس کو پورا کیا۔

ہاں یہ فقیر بہ اقرار صالح اپنے گناہوں کا معترف ہے اور امیر المومنین سے معذرت کرتا ہے اگر اس کے خدمات اور ضعیفی پر لحاظ فرمایا جائے تو وہ اُس کا مستحق ہے کیونکہ نوکروں سے قصور ہوا ہی کرتے ہیں اور آقا ہمیشہ معاف کرتے ہیں۔ پس اگر امیر المومنین بھی رحم فرمائیں اور رضامند ہو جائیں تو آخرت کی نجات اور دنیا کی نیکنامی کے لئے بس ہے۔"

نثر کے بعد جو نظم یحییٰ برمکی نے لکھی ہے اُس کا انتخاب بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قل للخلیفة ذی الصنیعة	خلیفہ سے کہدو جو صاحب احسان
والعطایا الفاشیة	اور بکثرت سے انعام دینے والا ہے۔
وابن الخلائف من قریش	اور قریشی خلفاء
والملوك العالیة	اور بلند پایہ بادشاہوں کی اولاد میں سے ہے
راس الامور وخیر من	جو مہمات کا سردار ہے اور اُن سب سے بڑھکر ہے
ساس الامور الماضیة	جنہوں نے امور کو انجام دیا۔
ان البرامكة الذین	"برمکی" جن پر
رموا لدیك بداهیة	تیری وجہ سے مصیبت پڑی۔
صفر الوجوه علیهم	اُن کے چہرے زرد ہیں

خلع المذلة بادیه	اور اُن پر علانیہ ذلت کا لباس ہے
فکانهم مما بهم	تو گویا وہ اُس مصیبت کی وجہ سے
اعجاز نخل خاویه	درخت کے تنے ہیں جو اُلٹ گیا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے یحیٰی کے اس طولانی خط کو پڑھ کر یہ مختصر جواب نظم میں دیا۔[1]

یا ال برمك انکم	اے خاندان برمک
کنتم ملوکا عاتیه	تم سرکش بادشاہ تھے
فعصیتمو و طغیتموا	تم نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے۔
وکفرتمو نعمائیه	اور میری نعمتوں کی ناشکری کی
هذی عقوبة من عصی	یہ اُس شخص کی سزا ہے۔
من فوقه وعصانیه	جو اپنے افسر کی اور میری نافرمانی کرے۔

اور نظم کے خاتمے پر قرآن شریف کی یہ آیت لکھی وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ[2] جب یحیٰی برمکی نے ہارون الرشید کا جواب پڑھا تو اُس کو یقین ہو گیا کہ بس اب[3] میری قید سے رہائی نہ ہو گی اور دلی رنج و غم کا یہ نتیجہ ہوا کہ یحیٰی کو بخار آنے لگا۔ اب یحیٰی کا یہ حال تھا کہ وہ زمین پر سوتا تھا اور اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔

یحیٰی کے اقبال اور ادبار کی حکایت

زمانۂ قید کا ذکر ہے کہ یحیٰی برمکی سے کسی نے سوال کیا کہ اے وزیر مکرم! اسب سے عجیب واقعہ جو آپ

---

[1] عقد الفرید اور اعلام الناس میں یحیٰی کا خط موجود ہے لیکن جواب کے اشعار صرف اعلام الناس میں ہیں

[2] اور خدا ایک گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہاں کے لوگ (ہر طرح پر) امن و اطمینان سے تھے ہر طرف سے بافراغت ان کا رزق اُنکے پاس چلا آتا تھا پھر اُنہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو انکے کرتوتوں کے بدلے میں اللہ نے انکو مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کو (اُنکا) اوڑھنا (بچھونا) بنا دیا۔ سورۂ نحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۴

[3] جہشیاری کی روایت ہے کہ رشید نے اس خط پر یہ جواب لکھا۔ "قضی الامر الذی فیہ تستفتیان" جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو وہ طے ہو گیا۔ صفحہ ۲۱۹۔

کے زمانۂ اقبال میں گزرا ہو بیان فرمائیے۔" یحییٰ نے کہا کہ ایک دن تفریحاً میں دجلہ کی طرف گیا۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت انگوٹھی کا نگینہ دریا میں گر پڑا۔ یہ نگ یاقوت احمر کا تھا جس کا وزن ایک ہزار مثقال سونا تھا۔ میں نے اس واقعہ کو فال قرار دیا اور گھر کو واپس آیا تو باورچی نے وہی یاقوت میرے سامنے لاکر پیش کیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور باورچی سے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر ہاتھ لگا۔ اُس نے کہا کہ "میں نے آج ایک مچھلی خریدی تھی۔ اُس کے پیٹ سے یہ یاقوت نکلا۔ میں نے خیال کیا وزیر کے سوا اور کون ہے جسکے نذر کے قابل یہ ہو سکتا ہے؟" یہ واقعہ تو میرے اقبال کے زمانے کا ہے۔ اب میرے ادبار کا ذکر سنو کہ اسی قید میں ایک دن میں نے گوشت کھانا چاہا۔ ہزار دینار قرض منگائے اور گوشت، سرکہ، دیگچی اور ضروری سامان خرید کرایا۔ اور آگ جلاکر گوشت پکانا شروع کیا۔ آگ پھونکتا جاتا تھا اور میری داڑھی زمین جھاڑتی تھی، جب گوشت تیار ہو گیا تو میں نے روٹی پکانا شروع کی اور دیگچی کو اوتارنا چاہا اُسوقت میرا ہاتھ ڈگمگایا اور وہ ہاتھ سے چھوٹ کر چولھے میں گر پڑی شوربا جو دل سے مرغوب تھا وہ سب گر چکا تھا۔ مجبوراً زمین سے بوٹیاں چن لیں اور صاف کر کے انہی کو کھا لیا اس سے زیادہ مصیبت کا اور کیا واقعہ ہوگا؟"

جہشیاری کی روایت ہے کہ جب دیگچی گر پڑی تو یحییٰ اور فضل دونوں خوب ہنسے۔ ہرون الرشید کو اس واقعہ سے اطلاع ہوئی تو اس نے باورچیخانہ سے خوان مقرر کر دیا اور یحییٰ کی اس مصیبت پر بہت رویا اور سعید بن وہب شاعر کو حکم دیا کہ روزانہ یحییٰ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو کر اس کا دل بہلایا کرے اور سرمائی کپڑے بھی بھیجے۔

اس سے زیادہ عبرت کا یہ واقعہ ہے کہ محمد بن غسان حاکم کوفہ کا بیان ہے کہ عید الضحیٰ کے دن میں اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اُس کی

یحییٰ کی بیوی اور اُسکی مصیبت

[1] جہشیاری صفحہ ۲۰۸ [2] اعلام الناس صفحہ ۱۹۲ حیات الحیوان دمیری ابن خلکان تاریخ نگارستان میں بھی یہ روایت کم و بیش تحریر ہے
[3] تاریخ ضیاء الدین برنی و تاریخ اصفہانی بروایت احمد بن خطیب کاتب و جہشیاری صفحہ ۳۰۷۔

مجلس میں میں نے ایک ضعیف عورت کو دیکھا جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے نہایت فصاحت و بلاغت سے بول رہی ہے۔ میری ماں نے کہا کہ بیٹا! اپنی خالہ کو سلام کرو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تب کہا کہ یہ عتابہ ام جعفر برمکی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اور انقلاب زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا۔ پھر میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ خالہ جان! کیا حال ہے بیان فرمائیے؟ کہا بیٹا! کیا پوچھتا ہے۔ دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ عید کے دن میرے سرہانے سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں۔ باوجود اسکے میرا خیال تھا کہ جعفر میری خدمت میں کوتاہی کرتا ہے اور ایک دن یہ ہے کہ میرے پاس دو پوستین ہیں جن میں سے ایک اوڑھنا ہے اور ایک بچھونا، اور ایک گوشت کے ٹکڑے کے لئے محتاج ہو رہی ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

حقیقت میں برامکہ کی تباہی اور ان کی مصیبت کے حالات پڑھنے سے دل پر زمانے کے انقلاب کا پورا اثر پڑتا ہے اور انسان کے اقبال و ادبار کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے یہ وہی جعفر کی والدہ ہے کہ جو آج معمولی تن کے کپڑوں کو محتاج ہے اور کل اسکے بیٹے کا وہ زمانہ تھا کہ ہزاروں اس کے مکان سے خلعت فاخرہ پہنکر نکلتے تھے۔

جعفر کے قتل پر خلیفہ ہارون الرشید کا تاسف، وزیر کی ضرورت، ملکی بغاوتیں، سفر رے، جعفر کی نعش کا جلانا اور بغداد سے سفر رقہ، محمد، یحییٰ اور فضل برمکی کی موت

جعفر کے قتل کے بعد خلیفہ ہارون الرشید کو کسی وقت اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ ہر مشکل موقع

پر جعفر یاد آتا تھا۔ خصوصاً جب ملک میں بغاوتیں شروع ہوئیں اور والیانِ ملک کی سرکشی کی خبریں آنے لگیں۔ اُس وقت جعفر کا نام وردِ زبان تھا۔ اور چونکہ وزارت کمزور ہاتھوں میں تھی۔ اس لئے انتظاماتِ مُلکی میں ایک ایک مصاحب سے صلاح لیتا تھا ابوالحسن[1] علوی کا بیان ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد ہارون الرشید دن رات پریشان اور غمناک رہتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک دن میں بھی ہارون کے پاس گیا۔ اپنے پاس بلاکر بٹھالیا اور باتیں کرنے لگا پھر سب کو رخصت کر دیا۔ جب میں تنہا رہگیا تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ایک راز کی بات کہنا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ افشا نہ کروگے کیونکہ اپنے آقا کے حقوقِ نعمت سے تم واقف ہو" میں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! ایسی گفتگو ہونا چاہئے جسے دراتیاً یا فراستاً کوئی نہ پہنچ سکے ورنہ درباری قیاسِ عقلی پر بہت کچھ خبریں مشہور کردینگے" خلیفہ نے کہا کہ نہیں وہ ایسی بات ہے جس کو کنایۃً بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ ابوالحسن! مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے انجامِ کار پر کچھ خیال نہ کیا اور صرف ذاتی غصّہ اور حسد سے میں نے ایسے خاندان کو تباہ کر دیا جس کی ذات سے میری سلطنت کا نظام تھا۔ دیکھو ملک میں ہر طرف بدامنی پھیل رہی ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر شورش کے واسطے مجکو خود جانا پڑتا ہے ورنہ پیشتر یہ حال تھا کہ ملک کا بڑے سے بڑا حادثہ باغ میں بیٹھے بیٹھے برامکہ کی تدبیروں سے ختم ہو جاتا تھا جب بہت ہی بڑی ضرورت ہوتی تھی اُس وقت جعفر یا فضل کو بھیج دیتا تھا۔ برامکہ کی بربادی کے مسئلہ پر میں نے برسوں[2] غور کیا تھا۔ لیکن اخیر کو میری عقل جاتی رہی، اور مغلوب الغضب ہو گیا، اور اپنی نادانی و ناتجربہ کاری سے جو نہ کرنا تھا وہ کر چکا[3]۔

---

[1] تاریخ ضیاء الدین برنی صفحہ ۴۵۔

[2] مصنف زہر الربیع لکھتا ہے "ہارون الرشید عزم کرد کہ برامکہ را مستاصل نماید دازدقیکہ ایں ارادہ کرد تا ہنگامے کہ ایشاں را از میاں بر داشت دہ سال گزشت۔ سرور خادم سبب تاخیر قتل ایشاں از وقت ارادہ از رشید پرسید گفت کسے را نہ یدم کہ بجاسے ایشاں قرار بدہم واگر ایشاں را دفع مے کردم ملکت من فاسد میشد بعد از انکہ اشخاصے بہم رسید کہ بجائے ایشاں تواں قرار داد۔ ایشاں را نابود کردم۔ جلد اول صفحہ ۲۲۲۔

جعفر کو قتل کر کے ہارون الرشید کا نادم ہونا

جب میں نے جعفر کو قتل کر دیا تو پھر دوسروں کے قتل کی ضرورت نہیں رہی لیکن کُلیتاً اس خاندان کو میں نے برباد کر دیا۔ اب جو کام برامکہ کے سپرد تھے، بتاؤ میں کس کے سپرد کروں؟ میں نے عرض کیا جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب اُس کی تلافی محال ہے پشیمانی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میری رائے میں بشرطیکہ امیر المومنین کے نزدیک بھی مناسب ہو تو فضل بن ربیع کو (جو اس خاندان کا پروردہ ہے) وزیر مقرر کر دیا جائے۔ میری رائے سُنکر ہارون الرشید نے کہا کہ "ابو الحسن! خدمت وزارت کا مستحق وہی شخص ہے جو قوم میں افضل ہو۔ سیف و قلم کا مالک ہو اور اُس کی تقریر میں یہ اثر ہو کہ خواص و عوام دونوں کو اپنا شیدا بنالے۔ ان میں سے ایک بات بھی فضل میں نہیں ہے نہ اُس کا خاندان بڑا ہے نہ اخلاق میں مشہور ہے نہ فیاضی میں اُس کی شہرت ہے۔ جس کے باعث ملک کا اُس کی طرف رجحان ہو۔ نہ کسی خاص ہنر میں کمال ہے نہ عقل و فہم میں ممتاز ہے۔ علاوہ بریں درہم و دینار کا بندہ ہے۔ فضل ربیع کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ہو۔ فضل کی طرف سے مجھے بھی افسوس ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا ہی خادم اور پروردہ ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو معزز درجہ پر مقرر کرنے سے ملکی غرض حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اولوالعزم بادشاہوں کا قول ہے کہ "انتظامی خدمتیں اور بڑے عہدے اُن لوگوں کو دینا چاہئے جن کی ذات سے اس عہدے کو شرف اور اعزاز حاصل ہو اور جن کے قلم اور کلام سے بادشاہ کا مطلب پورا ہو جائے۔ اور اگر اُس خدمت سے وہ معزول کر دیئے جائیں تو بھی اُن کے ذاتی جاہ و حشم میں کچھ فرق نہ آئے۔ بدرجہ مجبوری میں بھی چاہتا ہوں کہ فضل ربیع کو خدمت وزارت پر مقرر کروں لیکن مجھے یقین ہے کہ جو کام برامکہ نے کئے ہیں اُس کا ہزارواں حصہ بھی فضل سے نہ ہو گا۔" یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ فضل بھی آموجود ہوا۔ اور آتے ہی یہ اطلاع کی کہ "جملہ سرداران فوج سلیمان کے لڑکوں کے ہمراہ آئے ہیں اور اُن کا بیان ہے کہ پچھلے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کی بڑی عزت تھی اور ہم خلیفہ کے کام آتے تھے۔ اب امیر المومنین کے زمانہ میں ہم سے کوئی کام نہیں لیا جاتا ہے لہذا

ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارا استعفاء منظور فرمایا جائے اور جاگیر پر واپس جانے کی اجازت ہو کیونکہ موجودہ برتاؤ امیر المومنین کا ہم کو پسند نہیں ہے۔ ایسی ملازمت سے کاشتکاری کر کے زندگی بسر کرنا بدرجہا بہتر ہے۔ میں نے ان لوگوں کو ہرچند سمجھایا کہ اس وقت امیر المومنین خلوت میں ہیں وقت فرصت کے عرض کرنا مگر اُنہوں نے نہیں مانا۔ سلیمان کرد کے یہ لڑکے بڑے فسادی ہیں اُن کے سروں میں باغیانہ خیالات ہیں میرے نزدیک یہ گستاخ واجب القتل ہیں۔" جب فضل اپنی تقریر ختم کر چکا تو ہارون الرشید نے میری طرف دیکھا (یعنی اس بات کا اشارہ کیا کہ فضل کی عقل وسمجھ کو دیکھو) پھر فضل کو حکم دیا کہ "میری طرف سے پیام دو کہ کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ میں نے غفلت کی ہے۔ جس سے تم کو صدمہ پہنچا۔ لیکن مجھے تمہاری ضرورت اس سے بھی زیادہ ہے جس قدر ابوجعفر منصور و مہدی کو تھی جو کچھ ہوا میں اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ آیندہ کے واسطے میری مہربانی کے اُمیدوار رہو۔" فضل نے ہارون الرشید کا جواب سُنکر کہا کہ "ایسے سرکشوں کے واسطے ایسا نرم جواب مناسب نہیں ہے۔" خلیفہ یہ گستاخانہ جواب سُن کر فضل پر بہت غصہ ہوا اور کہا کہ "میرے حکم میں دخل دینے کا تجھکو کیا حق ہے، جو میں نے حکم دیا ہے وہ اُن لوگوں سے جا کر کہدے۔ اور پھر میری طرف دیکھکر کہا کہ بجائے جعفر اور یحییٰ کے ایسے شخص کی سفارش کرتے ہو جس کی عقل اور سمجھ کا یہ حال[1] ہے۔ تھوڑی دیر میں فضل واپس آیا اور عرض کیا کہ "میں نے امیر المومنین کا فرمان سُنا دیا۔ سب گھوڑوں پر سے اُتر پڑے اور اطاعت کا سر جھکا دیا۔ اور خوشی خوشی دعا دیتے ہوئے واپس گئے۔" پھر مجھ سے کہا کہ "دیکھو اس وقت نرمی سے کیسا کام نکل گیا۔ اگر میں فضل کے کہنے پر چلتا تو معلوم نہیں کیا انجام ہوتا اور میں نے تاریخ عجم میں پڑھا ہے کہ نوشیرواں عادل نے بزرجمہر سے پوچھا کہ عورتیں جس قدر باتوں سے خوش ہوتی ہیں اتنا مال سے نہیں آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حکیم نے جواب دیا کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اُن کی سمجھ مال یا مقاصد

---

[1] انہی حالات کے لحاظ سے ابونواس، فضل بن ربیع کی نسبت کہتا ہے۔ ما رعی الدهر آل برمك لما، ان رمی ملکهم بامر فظیع ان دهر اکم یدع عهد الیحیی، غیر راع ذمام آل الربیع۔

مال تک نہیں پہنچتی ہے۔ غرضکہ تم نے میری بات کا نتیجہ سمجھ لیا ہوگا۔ اب میں تم کو ایک واقعہ جعفر[1]

جعفر کی ذکاوت

کی ذکاوت و فراست کا سناتا ہوں۔ ایک روز میں شکار میں تھا جعفر برمکی میرے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ مجھے اُس وقت اُسکے جرائم یاد آگئے اور طبیعت میں غصہ پیدا ہوگیا اور دل میں یہ خیال آیا کہ جعفر کی گردن اُڑا دوں (جعفر کی گردن لانبی اور خوبصورت تھی جس میں جربان (قمیص) نہایت موزوں معلوم ہوتی تھی) اور اس خیال سے دل کو ایسی مسرت ہوئی کہ مجھے ہنسی آگئی جعفر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ امیرالمومنین! ہنسی کا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا کہ شب کو کنیزوں نے جو بے تکلفی اور شوخیاں کی تھیں اُسی کا خیال آگیا ہے۔ جعفر نے کہا "نہیں بلکہ امیرالمومنین کا خیال ہے کہ جعفر کی گردن تلوار سے اُڑا دی جائے۔ خداوند نعمت! اس خیال سے ڈرنا چاہیئے۔ میں بیگناہ ہوں۔ خون ناحق اپنی گردن پر نہ لیجئے"۔ میں جعفر کی ذہانت سے دنگ رہ گیا اور فوراً کہا اعیذك باللہ من ھذا القول، اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ابوالحسن تم ہی بتاؤ کہ جعفر کے علاوہ، کوئی ایسا ہی جو محض اپنی ذہانت سے خطرات قلب کو بیان کرسکے، کیونکہ جعفر نے جو کچھ کہا وہ واقعہ تھا۔ جب یہ قصہ کہہ چکا تو پھر مجھے رخصت کردیا اور تاکید کی کہ دیکھو ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ آئے، چنانچہ میں رخصت ہوگیا اور اس گفتگو کا یہ نتیجہ نکالا کہ سلطان اور وزیر دونوں کی کم عقلی سے ملک میں ابتری پیدا ہوتی ہے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ برامکہ کے معاملات میں ہارون افسوس کیا کرتا تھا[2] بلکہ ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ برامکہ کی نیت اچھی ہے تو میں اُن کو پھر اصلی درجہ پر پہنچا دوں)

(جعفر[3] کا قتل نہ صرف اُس کے دوستوں کو گراں تھا بلکہ مسرور جو دشمن برامکہ اور جعفر کا قاتل تھا۔ اُس نے بھی اکثر موقعوں پر کہا ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد مجھے کھانے میں مزا نہ ملا۔

---

[1] اعلام الناس صفحہ ۱۳۰، جہشیاری صفحہ ۲۶۵ [2] ابن خلکان صفحہ ۳۲۵ جلد دوم
[3] تاریخ ضیاء برنی۔

جب میں بغداد میں سوار ہو کر نکلتا تھا تو مجھے یہی ڈر لگا رہتا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ رعایا مجھے سنگسار کر ڈالے، یہ تو خود میرا حال تھا اور ہارون الرشید کی یہ حالت تھی کہ چپ رہتا تھا۔ جب اطراف ملک سے کوئی وحشت انگیز خبر آتی تو چلا اٹھتا تھا کہ "آج اگر برامکہ ہوتے تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا۔" اور اس کی یہ پریشانی مرتے دم تک نہ گئی۔"

جب امین اور مامون میں لڑائی ہوئی اور طاہر ذوالیمینین فتحیاب ہوا اور امین مارا گیا۔ اُس وقت تمام ملک میں صدا بلند تھی کہ "یہ بے گناہ جعفر کے خون کا بدلہ ہے"۔

جعفر کے قتل کے بعد ہارون الرشید کا دماغ صحیح نہیں تھا، اور نظامِ سلطنت بھی درہم برہم ہو رہا تھا۔ اس سبب سے خاندانِ خلافت کے بعض ارکان خودسر ہو گئے تھے اور والیان صوبہ میں بھی باغیانہ خیال پیدا ہو چلے تھے۔ اس لئے جب کسی قدر خمار اُترا تو اس طرف متوجہ ہوا لیکن ٹیکو فورس (نقفور) قیصر روم[1] سے جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے ان سازشوں کا کوئی انتظام نہیں ہوا لیکن جب غزوہ روم سے فراغت ہوئی تو خراسان کی فکر ہوئی کیونکہ جب سے یہ ملک برامکہ کی حکومت سے نکلا تھا اُسی وقت سے یہاں کی ہوا بگڑ گئی تھی۔ چنانچہ ۱۸۹ھ میں خراسان کے لئے خود ہارون نے سفر کیا اور اس سفر کی تحریک کا خاص سبب یہ ہوا کہ اعیان خراسان نے علی بن عیسیٰ گورنر کے ظلم و ستم کی متواتر عرضیاں بھیجی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ علی امیر المومنین کی مخالفت پر تیار ہے۔ چنانچہ صفر ۱۸۹ھ (مطابق، جنوری ۸۰۵ء) میں ہارون نے رے کا سفر کیا مامون، اور موتمن دونوں شہزادے بھی ساتھ تھے۔ چار مہینے تک رے میں خیام شاہی نصب رہے۔ علی بھی جوابدہی کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن اُس نے اطاعت و خوشامد سے ہارون الرشید کا خیال پلٹ دیا۔ اور لاکھوں ہی کے قیمتی تحفے نذر کئے اور علاوہ شاہی نذر کے مامون، موتمن افسران فوج، اور اہلکاران دفتر کو جدا جدا تحفے دیئے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی لالچی طبیعت نے

---

[1] دیکھو واقعات مطابق ۱۹ جنوری ۸۰۵ء تفصیل ضمیمہ میں ہے۔ [2] کامل اثیر صفحہ ۲، جلد ۶ و
[2] کامل اثیر صفحہ ۲، جلد ۶ واقعات ۱۰۹ھ

اُس کے ظلم وستم کی کچھ بھی تحقیقات نہیں کی اور پھر خراسان کو واپس کر دیا اور آخر ذی الحجہ میں بغداد کو لوٹ آیا۔ غریب جعفر کا سر اِس وقت تک بغداد کے پُل پر لٹکا ہوا تھا۔ سہل[۱] بن ہارون راوی ہے کہ میں نے جعفر کے چہرے کی طرف دیکھا سورج کی سیدھی کرنیں جعفر کے مُنہ پر پڑتی تھیں تو خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا سورج جعفر کی بھووں (ابرو) کے اندر سے نکل رہا ہے۔ جب ہارون کی نظر جعفر کے چہرے پر پڑی تو اُس کے قریب گیا اور پریشان بالوں کو جمع کر کے چہرے کو گرد وغبار سے صاف کیا۔ عبدالملک بن فضل حاجب نے کہا کہ افسوس جعفر کا گناہ اس درجہ عظیم الشان تھا کہ اُس کو امیر المومنین کا عفو بھی معاف نہ کر سکا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ "جو شخص حد سے گزر جاتا ہے اُس کی یہی سزا ہے۔" پھر حکم دیا کہ جعفر[۲] کا سر اور نعش جلا دیجائے، چنانچہ اُسی وقت حکم کی تعمیل ہو گئی۔ جس وقت جعفر کا سر جلایا جا رہا تھا۔ ہارون کہتا جاتا تھا کہ 'اگرچہ جعفر کا اثر زائل ہو گیا ہے۔ لیکن اُس کے حالات باقی رہیں گے اور گو اُس کا مرتبہ گھٹ گیا ہی مگر اُس کا ذکر بلند ہو گا'۔

عبرت

ایک محرر[۳] عدالت کا بیان ہے کہ میں نے ہارون الرشید کے دفتر کے جمع خرچ کو دیکھا تو ایک فرد حساب میں لکھا تھا کہ جعفر برمکی کو نقد اس قدر اور عطریات اور کپڑا اسقدر مرحمت کیا گیا جس کی کل میزان تیس ہزار درہم تھی۔ دوسری فرد کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیمت نفط (ایک قسم کی بارود) اور بوریہ جس میں جعفر کی نعش جلائی گئی چار درہم اور نیم دانگ تھی۔

جب[۴] تک جعفر کا سر پُل پر لٹکتا رہا۔ لوگوں کے واسطے وہ بھی ایک عجیب وغریب تماشا تھا۔ جو آتا تھا عبرت کے آنسو بہا کر گزر جاتا تھا۔ ایک دن ایک عورت نے اس سر کو دیکھا تو کہا "جس طرح کل تو سخاوت میں فرد تھا۔ ویسا ہی آج لوگوں کے واسطے عبرت ہے۔"

حالات سفر رقہ

خلیفہ ہارون الرشید نے رَے سے واپس ہوتے ہوئے بغداد میں قیام نہیں کیا، اور دارالسلطنۃ سے باہر ہی باہر رقہ کو کوچ کر دیا۔ رو انگی کے بعد ہارون الرشید

[۱] عقد الفرید جلد ۳ و کتاب الامامت والسیاست قتیبہ دینوری صفحہ ۲۲۲۔ [۲] طبری کبیر صفحہ ۶۸۳ جلد سوم بروایت محمد بن اسحاق [۳] نگارستان [۴] حیات الحیوان صفحہ ۱۳ جلد دوم کامل اثیر صفحہ ۷۳ جلد ۶

کو یہ خیال ہوا کہ "برامکہ کو اپنے ہمراہ رقہ لے جانا مناسب[1] ہے کیونکہ لشکری، بازاری، دیہاتی اور شہری رعایا مع اعیان ملک سب برامکہ کے مرہون منت ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میری عدم موجودگی میں جیل پر دھاوا کر کے قیدیوں کو لے جائیں"۔ اس لئے یحییٰ کو ایک اونٹ پر بٹھا کر حکم دیا کہ یحییٰ میرے ساتھ رہے۔ اور فضل، موسیٰ اور عورتوں کی سواریوں کے اونٹ لشکر کے ساتھ کر دیئے جائیں چنانچہ حمید بن ابراہیم مروزی کو ان لوگوں پر نگراں مقرر کیا اور جب کوچ و مقام کرتا ہوا یہ لشکر دیر قائم[2] میں پہنچ گیا تو ہارون نے یحییٰ کے پاس پیام بھیجا کہ یہ مقام مع اطراف کے ہمیشہ تمہاری جاگیر میں رہا ہے اگر پسند کرو تو میں اجازت دیتا ہوں کہ اسی جگہ پر رہو لیکن اہل و عیال ساتھ نہ رہ سکیں گے اور تم پر کسی قسم کا پہرہ بھی نہ ہوگا۔ لیکن فضل وغیرہ قید رہیں گے۔ یحییٰ نے کہا میں اس قید کو جو اہل و عیال کے ساتھ ہو اس آزادی پر فوق دیتا ہوں۔ چنانچہ بتاریخ ۱۵ مارچ ۸۰۷ء (جمادی الاول ۱۹۱ھ یوم دوشنبہ) داخل رقہ ہوا۔ اور جب لشکر رقہ پہنچ گیا۔ اُس وقت سب قیدی ایک جگہ کر دیئے گئے مسرور اور ہرثمہ بن اعین نگراں مقرر ہوئے۔ لیکن یہ حکم ہو گیا تھا کہ برامکہ سے جو لوگ ملنا چاہیں وہ بلا مزاحمت مل سکتے ہیں، اور تین لاکھ درہم اور تین سو جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے۔ اور جو سزائیں دی جاتی تھیں وہ بند کر دی گئیں۔ اس کارروائی سے برامکہ و نیز رعایا سے بغداد کی تالیف قلوب منظور تھی۔ کیونکہ برامکہ کی سخت سزائیں دیکھکر بعض لوگ خلیفہ کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے کو تیار رہتے۔

سرداران قبائل اعراب کا جعفر کی تعزیت کو آنا

رقہ پہنچ کر اب کسی قدر آرام ان قیدیوں کو ملا تھا۔ دوست و احباب یحییٰ وغیرہ سے ملنے آتے تھے اور جعفر کی تعزیت کرتے تھے۔ خلیل بن ہشیم کی روایت ہے کہ رقہ میں مختلف قبائل عرب کے سردار آتے تھے۔ ایک دن عبدالعزیز بن حمید جو تمام قبائل اعراب کا سردار تھا جعفر کی تعزیت کو آیا۔ جب یحییٰ کو اونٹ پر سوار دیکھا تو گھوڑے سے اُتر پڑا اور یحییٰ کے قدم کا بوسہ لیا اور اس حال

---

[1] تاریخ ضیاء الدین برنی۔ [2] دیر القائم ۱۱ قصبہ۔ دریائے فرات کے کنارے رقہ سے مغرب کی طرف واقع ہے۔ معجم البلدان صفحہ ۱۷۱ جلد ۴

ہیں دیکھکر رونے لگا۔ پھر بلند آواز سے جعفر کا مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ عبدالعزیز کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ یحییٰ کے آنسو جاری تھے۔ حاضرین چیخیں مار کر روتے تھے اور عبدالعزیز وہ شخص ہے جس کو جعفر نے نہایت معزز درجہ دیا تھا۔ گھوڑے کی سواری تیر اندازی اور بہادری میں (جو عرب کا حصہ ہے) عبدالعزیز بے مثل تھا جب عبدالعزیز لشکر میں آیا تو ہارون الرشید کو بھی ان حالات سے اطلاع ہوئی اس لئے عبدالعزیز کو جواب دہی کے لئے اپنے حضور میں طلب کیا اور مخاطب کر کے کہا کہ "عبدالعزیز کیا تم نے نہیں سُنا ہے کہ میں نے تمام مُلک میں منادی کرادی ہے کہ کوئی جعفر کا مرثیہ نہ پڑھے۔ نہ اُس کے غم میں سوگوار ہو ورنہ وہ سیاست کا مستحق ہوگا۔ تم نے میرے مشتہرہ حکم سے انحراف کیا ہے۔ بتاؤ کیا وجہ ہے کہ تم کو اس عدول حکمی کی سزا نہ دی جائے۔" عبدالعزیز نے جواب دیا کہ "امیر المومنین! جعفر مرحوم کا غم اس سے کہیں بالاتر ہے کہ آپ کے حکم سے مرثیہ پڑھنا یا تعزیت کرنا بند ہو جائے اور پھر جعفر ایسے شخص کا کہ جس کا مثل ہفت اقلیم میں نہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُس کی مدح نہ کی جائے اور ایسے بزرگوں کا مرثیہ پڑھنا تو عربوں کی ایک رسم ہے جس کو خلیفہ خود جانتا ہے اور میں جعفر سے بے انتہا نفع اُٹھا چکا ہوں۔ اگر اس مصیبت میں جعفر کا شریک ہوں تو میری ناسپاسی ہے۔ البتہ میں ملزم ہوں، لیکن جعفر کے صدقے میں امیر المومنین میرا قصور معاف فرمائیں" خلیفہ نے عبدالعزیز کا جواب نہایت ناگواری سے سُنا، غصّہ سے چہرہ سُرخ ہوگیا اور پھر عبدالعزیز سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے جعفر کی بد اعمالیاں نہیں سُنی ہیں۔ اور میرے اعلان کی صدا بھی تمہارے کانوں میں نہیں گئی ہے۔ ورنہ ایسی نافرمانی تم سے

---

[۱] قتل جعفر کے بعد تو بیشک سختی سے مرثیہ پڑھنے کی ممانعت تھی، لیکن جب یہ واقعہ ماضی ہوگیا تو ہارون الرشید برامکہ کے مدحیہ قصائد کلثوم بن عمرو عتابی شاعر سے سُنا کرتا تھا جو جعفر کا درباری شاعر تھا۔ جشیاری ۲۲۳ صفحہ

ہوتی۔ بہرحال اب یہی بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کو لوٹ جاؤ کہ میری رعایا اور فوج میں کسی اور شخص کو ایسی گستاخی کی جرأت نہو۔"

چنانچہ عبدالعزیز یحییٰ سے مل کر واپس چلا گیا اور ہارون رشید نے اس معاملے میں زیادہ زور نہیں دیا، کیونکہ اگر عبدالعزیز سے ذرا بھی سختی کی جاتی تو تمام قبائل بگڑ جاتے اور ملک میں ایک شورش ہو جاتی۔ خاندان برامکہ اعراب کی (جنکی تقریر وخطبوں پر لغت وفن ادب کا مدار ہے) ہمیشہ قدردانی کرتا تھا اس وجہ سے یہ بادیہ نشیں قبائل برامکہ کے ہر وقت مطیع رہتے تھے۔

رقہ میں ہارون کے کیا خیالات تھے

رقہ پہنچ کر رشید کے خیالات میں تغیر پیدا ہو گیا تھا، اور برامکہ کو بنظر ترحم دیکھتا تھا۔

محمد بن محمد (ایک منصب دار) راوی ہے کہ بہ مقام رقہ بعد نماز فجر ہارون الرشید نے مجھے بلا بھیجا۔ میں ڈر گیا کہ معلوم نہیں کیا کہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں قصر ابیض (کوشک سفید) میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ صحن میں ٹہل رہا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر مصری خچر پر سوار ہو کر سیر کو نکلا اور مجھ سے کہنے لگا کہ:-

"خلفا میں سے کسی کو خداوند تعالیٰ نے ایسے فرزند اہلکار، اُمراء۔ غلام اور خادم نہیں عطا فرمائے تھے جیسے میرے ہیں، اگر خدا مجھ سے یہ نعمتیں چھین لیتا تو بھی مجھے اس قدر رنج نہوتا۔ جتنا رنج مجھکو قتل جعفر کا ہے۔ جب رشید رقہ سے بغداد آیا ہے اُس وقت شدت سے جاڑا پڑ رہا تھا اس لئے اُس نے حکم دیا کہ:-

---

لہ ضیا برنی قلمی نسخہ۔

"ایک ہزار خچروں پر لکڑی، اور تین سو خچروں پر کوئلہ لدوا کر یحییٰ کے پاس بھیجا جائے، اور تین سو نفیس کپڑے علاوہ پوستین سمور اور قاقم کے عتابہ ام جعفر کے پاس روانہ کئے جائیں۔" اور خود اپنے قلم سے ایک رقعہ لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ:۔

"آپ بجائے خیزراں کے ہیں اور آپ کی لڑکیاں میری بہنیں ہیں۔ اگر یحییٰ کے پاس رہنا مناسب ہے تو وہاں قیام کیجئے ورنہ بغداد میں تشریف لائیے۔ آپ کے واسطے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔"

ہارون الرشید کا خط بنام مادر یحییٰ

اور دوسرا خط یحییٰ برمکی کی والدہ کے نام تھا۔ مادر من! شرم و خجالت مانع تھی اس سبب سے آج تک میں نے کوئی عریضہ نہیں لکھا تھا، اور یہ تو آپ پر ظاہر ہے کہ جعفر نے کیا گناہ کیا تھا؛ اور ایسے جرم کی خلفاء اور بادشاہ کیا سزا دیتے ہیں، چونکہ یہ معاملہ سلطنت کا تھا میں نے بھی وہی کیا جو کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ معافی قصور کی گنجائش باقی نہیں تھی۔ میں نے غور و فکر کے بعد جعفر کے قتل کا حکم دیا ہے؛ اور اب جعفر قتل ہو چکا۔ اس لئے آل برمک کو کوئی موقع مجھ سے مصالحت کا باقی نہیں رہا۔ مشیئت الٰہی کا منشاء پورا ہو چکا، لہٰذا پشیمانی اور تاسف بیسود ہے۔ میں نے اب تک کوئی چیز نہیں بھیجی تھی، جو ضرورت ہو لکھئے فوراً تعمیل کی جائیگی۔"

چنانچہ یہ دونوں خط مع سرمائے کے پہنچے۔ یہ عورتیں بہت خوش ہوئیں۔

ؒ تاریخ ضیاء برنی ۱۲

اس ضعیفہ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن فاطمہ[1] ملقب بہ عتابہ نے ہارون الرشید کے ہر دو خط کا جواب اپنے قلم سے لکھا اور روانہ کر دیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل[2] ہے۔

[1] فاطمہ دختر محمد بن حسین بن قحطبہ ملقب بہ عتابہ کی نسبت ایک مورخ لکھتا ہے کہ وہ عالمہ اور متکلمہ تھی۔ خصوصاً خوشنویسی اور حساب میں فرد تھی۔ لیکن یہ عزت صرف فاطمہ ہی کو نہیں تھی بلکہ تاریخ سے واضح ہے کہ برامکہ میں جس طرح علی العموم مرد قابل تھے ویسے ہی اس خاندان کی عورتیں بھی جامع صفات تھیں جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور ہارون کو مخاطب کر کے یہ دعا دی "یا امیر المومنین اقر اللہ عینك وفرحك بما اتاك واتم سعدك لقد حكمت فقسطت" (خدا امیر المومنین کی آنکھ ٹھنڈی کرے اور جو دیا ہے اُس سے فرحت بخشے اور سعادت کو پورا کرے۔ بیشک تو نے انصاف سے حکومت کی ہے) جب یہ کہہ چکی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں خاندان برامکہ سے ہوں جن کے مردوں کو تو نے ہلاک کر دیا ہے۔ جن کی دولت چھین لی ہے اور اُن کی فیاضیاں بند کر دی ہیں۔ یہ سُن کر خلیفہ نے کہا کہ مردوں کی بابت تو اب کچھ نہیں ہو سکتا حکم الٰہی سے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ البتہ مال تجھے واپس ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد حاضرین جلسہ سے پوچھا کہ تم بھی سمجھے کہ اس عورت نے کیا کہا؟ سب نے کہا اس نے امیر المومنین کو دعا دی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ بیشک تم کچھ نہیں سمجھے وہ مجھ کو کوس رہی ہے۔ پہلی بات تو وہ یہ کہتی ہے کہ میں اندھا ہو جاؤں کیونکہ جب آنکھ کو اُس کی معمولی حرکت سے سکون ہوتا ہے تو وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھنڈا ہونا عدم بصارت کی دلیل ہے اور دوسرا فقرہ اس آیت سے ماخوذ ہے حتّیٰ اِذَا فَرِحُوا بِمَا اُوتُوا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً (یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئیں تھیں جب اُن کو پا کر خوش ہوئے یکایک ہم نے ان کو (عذاب میں) دھر پکڑا) اور تیسرا فقرہ اس شعر سے ماخوذ ہے ؎ اذا تم أمر بدا النقصه + ترقب زوالا اذا قيل تم جب کوئی کام پورا ہو چکتا ہے تو اُس میں نقص شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر کمال کے بعد زوال شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اب میری سلطنت کا خاتمہ قریب ہے، اور چوتھا فقرہ اس آیت سے ماخوذ ہے وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور جنہوں نے سرتابی کی وہ (ٹیڑھے رستے چلے اور آخر کار) دوزخ کے کندے بن گئے) خلیفہ ہارون الرشید کی اس عجیب و غریب نکتہ سنجی سے سب دنگ رہ گئے اور وہ عورت چلی گئی۔ (المستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول صفحہ ۴۰۔

[2] از تاریخ ضیاء الدین برنی نسخہ قلمی۔

فاطمہ (عتابہ) مادر جعفر برمکی کا خط ہٰرون الرشید کے نام

امیر المومنین کا فرمان، خدمتگزار کنیز کے پاس پہنچا۔ بمقتضائے بزرگی جو شفقت آمیز کلمات لکھے ہیں وہ معلوم ہوئے۔ لیکن امیر المومنین کی عالی ہمتی پر مجھے سخت تعجب ہے کہ جعفر مرحوم کے سوگ میں میرے دل کے زخموں کو تازہ کر دیا۔ جعفر کی خیانت جو بیان کی گئی ہے۔ امیر المومنین کو اپنی فیاضی سے سزاوار تھا کہ مجھ تک ان باتوں کا ذکر نہ آتا کیونکہ جو الزام تھے اُس کی سزا دیدی گئی اور اگر ناکردہ گناہ جعفر پر ظلم کیا گیا ہے تو اُس کی بھی امیر المومنین کو خبر ہے۔ مجھ غریب دُکھیا کے دل جلانے سے کیا فائدہ ہے۔ امیر المومنین کو معلوم ہے کہ میرا بیٹا جعفر! کس رتبے کا شخص تھا، ادب، علم، ہنر، عقل، فیاضی، اور شجاعت میں کوئی اُس کا مثل نہ تھا۔ افسوس کہ جب ایسا فرزند جوان اور وہ بھی مظلوم مارا جائے تو اُس کی ماں کا کیا حال ہوگا اور وہ کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ میری زندگی یا سعادت جو کچھ سمجھو اب اس میں ہے کہ میں بھی جعفر مرحوم سے جا ملوں، جو معاملہ اب چھپا ہوا ہے[1] روز محشر میں کیسے چھپا رہے گا؟

امیر المومنین نے اپنی مہربانی، ذرہ نوازی اور فیاضی سے یہ حکم دیا ہے کہ جو آرزو ہو لکھو۔ اس دنیا میں میری اُمید اور آرزو میرا وہی بیٹا تھا جس کو امیر المومنین نے مجھ سے جدا کر دیا خداوند تعالیٰ سے بہ تضرع وزاری اب یہی دعا ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں وھو المامول للاجابۃ والقادر علیہ۔ اگر امیر المومنین مجھ ضعیفہ کی خدمات پر لحاظ فرمائیں تو صرف ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ جاگیرات منضبط میں سے تھوڑی سی اراضی واگزار فرمائی جائے جو میرے یتیم بچوں کی پرورش کے واسطے کافی ہو۔ اور گدائی کی ذلت سے محفوظ رہیں کیونکہ یہ صدمہ میرے لئے مرنے کے بعد بھی موت سے زیادہ ہوگا امیر المومنین کو جاننا چاہئے کہ مجھ جیسا مصیبت زدہ نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جیسا مجکو فقید المثل بیٹا دیا تھا اب ویسی ہی عدیم النظیر مصیبت بھی دی ہے۔ جس نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا ہے اُس کے حقوق بھی مجھ

[1] جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا۔

بہت ہیں۔ اس لئے میرے دل سے بد دعا نہیں نکلتی ہے' اور یہ مروت اور حق شناسی کا نتیجہ ہے کہ بدگوئی سے میری زبان بند ہے اور قیامت میں بھی میری طرف سے کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔ فقط والسّلام

خلیل بن ہشیم کہتا ہے کہ جب ہارون نے یہ خط پڑھا' بہت رویا اور کہنے لگا کہ مجھ پر خدا کی پھٹکار ہو۔ اور اُس دن پر بھی کہ جس دن میں نے جعفر کو قتل کیا تھا' اور فاطمہ سے کہلا بھیجا کہ "مجھکو اور آپ کو خدا جعفر مرحوم کا صبر مرحمت فرمائے۔ جو حال فراق جعفر میں آپ کا ہے وہی میرا بھی ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا! مسرور کی روایت ہے کہ ہارون الرشید نے اس خط کو مکرر پڑھا۔ میں اپنے دل میں ڈر رہا تھا کہ اس حالت بے قراری میں کہیں میرے قتل کا حکم نہ دیدے کیونکہ جعفر کا قاتل تو میں ہی تھا جب کسی قدر تسکین ہوئی تو مجھے حکم دیا کہ خزانے سے زر نقد، ظروف اور کل اسباب واپس کردے[1]' اور حکم دیا کہ جعفر کی ماں سے کہو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مجھے اپنے حال سے اطلاع دیا کریں ÷

زبیدہ بنت منیرا مادر فضل کی موت

مادر فضل[3] برمکی نے بحالت قید رقہ میں انتقال کیا۔ یہ ہارون الرشید کی رضاعی ماں تھی۔ جب اُس کے انتقال کی خبر سُنی تو رشید نے بہت افسوس کیا اور نہر فرات کے کنارے دیرماسرجیس[2] میں اُس کا مقبرہ تیار کرادیا۔ یہ عالیشان عمارت سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک باقی تھی اور قبہ برمکیہ مشہور تھی

یحییٰ کی موت

زبیدہ[3] کے انتقال کے بعد اسی قید میں یحییٰ نے بھی ۳ر محرم ۱۹۰ھ مطابق ۲۴ر فروری ۸۰۶ء میں دنیا سے سفر کیا۔ لیکن اپنی اولاد کو بدستور قید میں چھوڑ گیا۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ انتقال کے وقت یحییٰ کو کسی قسم کا عارضہ نہ تھا۔ لیکن متواتر صدمات اور بڑھاپے کی وجہ سے تحلیل ہوگیا تھا اور یکایک مرگیا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ

---

[1] واپسی نقدی کی کسی اور تاریخ سے تصدیق نہیں ہوتی ہے۔ [2] معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ ام الفضل ایک مدینہ کنیز تھی۔
[3] ماخوذ از اعلام الناس۔ عقد الفرید۔ المستطرف و خلکان۔ کامل اثیر۔ ضیا برنی۔

جب یحییٰ کی موت کا وقت قریب آگیا تو اس نے اپنے قلم سے ایک رقعہ لکھا اور فضل کو وصیت کی کہ میرے بعد اس کو ہارون الرشید کے پاس بھیج دینا۔ مضمون اس کا یہ تھا" قد تقدم الخصم الی موقف الفصل والمدعی علیہ فی الاثر والحاکم لایحتاج الی بنیّہ" یعنی مدعی دادخواہی کے واسطے عدالت کے کٹہرہ میں جاتا ہے اور مدعا علیہ پیچھے آنے والا ہے۔ اور حاکم گواہوں کی شہادت کا محتاج نہیں ہے۔ اور نثر کے ساتھ حسب ذیل اشعار لکھے۔ ؎

ستعلم فی الحساب اذا التقینا غدا یوم القیام من الظلوم	قیامت کے دن حساب کے وقت جب ملاقات ہوگی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون ظالم تھا۔
وینقطع التلذذ عن اناس من الدنیا وتنقطع الھموم	دنیا کی لذت لوگوں سے منقطع ہو جائے گی۔ اور غم کا خاتمہ ہو جائے گا۔
تنام ولم تنم عنك المنایا تنبه للمنیة یا نؤوم	تم سو رہے ہو لیکن موت نہیں سوئی اے سونے والے موت کے لئے ہوشیار رہ
وحق الله ان الظلم لوم وان الظلم مرتعه وخیم	خدا کے حق کی قسم ظلم کرنا کمینہ پن ہے۔ اور ظلم کی چراگاہ بری ہے۔
الی دیان یوم الدین نمضی وعند الله تجتمع الخصوم	قیامت کے دن بڑے بدلے دینے والے کے پاس ہم لوگ جائینگے اور خدا ہی کے ہاں۔ دشمنوں کا جمع ہوگا۔

موسیٰ کی روایت ہے کہ فضل نے انتقال یحییٰ برمکی کے بعد یہ رقعہ ہارون الرشید کے پاس بھیجدیا تھا۔ مضمون پڑھ کر وہ بہت رویا اور کہنے لگا کہ" خدا کی قسم یحییٰ نے انتقال نہیں کیا۔ بلکہ آج سخاوت دنیا سے اٹھ گئی اور سب سے بڑا عقیل شخص فوت ہو گیا۔ یحییٰ نے ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا اور فرات کے کنارے رافقہ میں دفن[1] ہوا۔

[1] اس حساب سے یحییٰ کا سنہ ولادت ۱۱۵ھ یا ۱۲۰ھ قرار پاتا ہے۔ جہشیاری ۲۳۰۔

یحیٰی کی رہائی کے واسطے فاطمہ ام جعفر کی کوششیں

اخیر زمانے میں یحیٰی برمکی پر قید میں وہ سختی نہیں تھی جو عموماً قیدیوں پر ہوتی ہے اور بمقام رقہ وہ بالکل آزاد تھا۔ لیکن فاطمہ کو جو یحیٰی کی غمگسار بنی تھی اُس کا اس حالت میں بھی رہنا منظور نہ تھا۔ اس لئے یحیٰی کے انتقال سے پہلے اُس نے یہ کوشش کی تھی کہ عفو قصور ہو کر قید سے رہائی مل جائے۔ لیکن ہارون الرشید کی سنگدل طبیعت بالکل نہ پسیجی اور اُس نے یحیٰی کا بغداد میں آنا اور رہنا نامنظور کیا۔

سہل بن ہارون کی روایت ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے فاطمہ کا بھی دودھ پیا تھا۔ اور اپنی اُس رضاعی ماں کی وہ بہت عزت کرتا تھا۔ اسی زمانے میں جبکہ خاندان برامکہ معرض زوال میں تھا ہارون نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ”فاطمہ کے واسطے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے وہ جب چاہیں میرے پاس آ سکتی ہیں اور جو سفارش کریں وہ منظور ہو سکتی ہے۔“ چنانچہ ہارون الرشید کی اجازت سے جب فاطمہ۔ رقہ سے بغداد میں واپس آئی تو دار بانوقہ[۱] سے محل شاہی میں آنے کی اجازت چاہی مگر جب اجازت کے ملنے میں دیر ہوئی تو گھبراہٹ میں بلا اجازت فاطمہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور ننگے پاؤں بلانقاب محل شاہی تک آ پہنچی۔ عبدالملک بن فضل حاجب نے اطلاع کی کہ ”امیرالمومنین کی دایہ دروازے پر حاضر ہے۔“ اُس وقت ہارون نے گھبرا کر جلدی سے آنے کی اجازت دی اور برہنہ پا چل کر چند قدم کے فاصلے پر خود استقبال کیا اور پیشانی کا بوسہ لے کر اپنے قریب بٹھایا۔ فاطمہ نے ہارون الرشید سے کہا کہ ”امیرالمومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کئے جائے گا اور آپ کے خوف سے ہم کو لوگ یونہیں ستاتے جائینگے۔ اور ایسی ہی جھوٹی تہمتیں لگائے جائینگے۔ میں نے اس واسطے آپ کو دودھ پلایا اور خدمت کی تھی کہ زمانہ، اور دشمنوں کے ہاتھ سے امان ملیگی۔“ فاطمہ کا یہ سوال سُنکر ہارون نے بطور تجاہل کے پوچھا کہ مادر مہربان کیا ہوا اور کس بات کی شکایت ہے؟ فاطمہ نے جواب دیا کہ ”مہدی عباسی کے بعد یحیٰی کا

[۱] بانوقہ، ہارون کی بہن تھی۔ عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۲۲

درجہ ہے اور وہ جس رتبے کا شخص ہے اُس سے آپ خود واقف ہیں کہ اُس نے کیسی کیسی مہربانیاں کی ہیں اور خاصکر ہادی کے مقابلے میں جو کوشش کی ہے وہ تو ظاہر ہے۔" ہارون الرشید نے کہا کہ "ہاں۔ لیکن جو حکم الٰہی تھا وہ جاری ہو چکا ہے اور یہ بھی ایک خدا کا غضب تھا"۔ فاطمہ نے کہا کہ "خدا کو بڑی قدرت ہے۔ یمحوا اللّٰہ مایشاء ویثبت وعندہٗ اُمّ الکتاب" ہارون نے کہا بیشک یہ سچ ہے کہ خدا جس کا چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا ہے، لیکن یہ قصور ایسا نہیں ہے جس کو خدا معاف کر دے۔ فاطمہ نے کہا کہ "معاملات غیب کی تو انبیائے مرسلین کو بھی خبر نہ تھی، امیرالمومنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا معاف نہیں کریگا۔" سہل بن ہارون کہتا ہے کہ یہ چبھتا ہوا فقرہ سُنکر ہارون چُپ رہ گیا۔ پھر کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا	جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے۔
الفیت کل تمیمۃ لا تنفع	تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا۔

لیکن فاطمہ نے بھی فی البدیہہ جواب دیا کہ "امیرالمومنین میں تو یحییٰ کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے لیکن آپ اُسی شاعر کا یہ دوسرا شعر بھی پڑھیں۔

واذا افتقرت الی الذخائر لم تجد	جب تم کو سرمایہ کی ضرورت پیش آئے۔
ذخرا یکون کصالح الاعمال	تو کوئی سرمایہ اچھے اعمال سے بڑھکر نہیں ملے گا۔

اور خدا نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے وَالکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس واللّٰہُ یُحِبُّ المُحْسِنِیْن۔ فاطمہ کی یہ برجستہ تقریر سُنکر ہارون الرشید نے سر جھکا لیا۔ پھر دیر تک جانبین سے اسی قسم کی عالمانہ گفتگو ہوتی رہی اور فاطمہ نے گذشتہ اقوال اور معاہدے ہارون کو یاد دلائے لیکن ہارون پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوا۔ تب مجبور ہو کر فاطمہ نے ایک ڈبہ زمرد سبز کا پیش کیا، جس میں سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ ہارون نے اُس کو کھولا تو اُسی کے بال اور بچپن کے ٹوٹے ہوئے دانت نکلے جو مشک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تب فاطمہ نے کہا کہ "میں ان چیزوں کو اپنا شفیع بناتی ہوں، اپنے ہاتھ پاؤں کے صدقے میں رحم فرما کر یحییٰ

کو چھوڑ دیجئے۔ لیکن ہارون نے کچھ لحاظ نہیں کیا۔ البتہ ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگا، اور اُس کے درباری بھی اس غم میں شریک ہوئے۔ لیکن جب آنسو تھمے تو پھر ڈبہ بند کر دیا اور فاطمہ سے کہا کہ "حقیقت یہ ہے کہ آپ نے خوب ہی امانت کا حق ادا کیا ہے۔" فاطمہ نے جواب دیا "تو میں اس صورت میں معاوضے کی مستحق ہوں۔" لیکن ہارون الرشید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ڈبہ کو بند کر کے واپس کر دیا اور کہا کہ "خدا کا حکم یہی ہے کہ امانتیں اُنکے مالکوں کو واپس کیجائیں۔" اس کے بعد امین الرشید کے ذریعہ سے زبیدہ خاتون کو یحییٰ کی سفارش کے لئے آمادہ کیا، اور زبیدہ نے سفارش بھی کی لیکن ہارون نے یہ کہکر ٹال دیا کہ "یہ جرائم قابل معافی نہیں ہیں۔"

محمد برمکی کی موت

یحییٰ کے انتقال کے بعد فضل اور موسیٰ اس خاندان میں باقی رہ گئے تھے۔ محمد برمکی بھی صفر ۱۸۵ھ ہجری میں انتقال کر چکا تھا۔ محمد کے انتقال میں دو روایت ہیں بعض مورخین کا قول ہے کہ اگرچہ محمد کو کوئی ہمدردی اپنے خاندان سے نہ تھی تاہم بھائی کا قتل اور بھتیجوں کی گرفتاری کا اُس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی غم میں مر گیا، اور بعض کا قول ہے کہ یحییٰ برمکی کے طرفداروں نے جبکہ وہ اپنی دار الحکومت سواد کو جا رہا تھا زہر دے دیا۔ ہارون الرشید کو محمد کے انتقال کا بہت افسوس ہوا جنازے کی نماز خود ہی پڑھائی اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوا۔ اور رعایا کی تالیف قلوب کے واسطے حکومت سواد پر اُس کے بیٹے کو مقرر کر دیا۔ برامکہ میں محمد برمکی درجہ اول کا بخیل تھا، اس نے فقیر کو بھی کبھی ایک پیسہ خیرات میں نہیں دیا۔

جہشیاری[2] کی روایت ہے کہ ایک دن یحییٰ برمکی نے ابو الحارث حمیری سے محمد کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا کہ محمد کے ندیم تو کراماً کاتبین ہیں، اور مہمانوں میں صرف مکھیاں ہوتی ہیں اور کھجور کی چٹائی کا دستر خوان ہے، اور محمد کی کنجوسی کی یہ حالت

---

[1] تاریخ ضیاء الدین برنی۔ [2] جہشیاری صفحہ ۳۰۲۔

ہے کہ اگر اسکے قبضہ میں بغداد سے نوبہ (مصر-افریقہ) تک ایوان و محلات ہوں اور سب میں سوئیاں بھری ہوں اور یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کی قمیص سینے کے لئے ایک سوئی مستعار طلب کریں اور جبرئیل و میکائیل مع تمام فرشتوں کے ضمانت دیں اور کل پیغمبر سفارشی ہوں تب بھی محمد برمکی ایک سوئی نہ[1] دیگا"

بخل کی یہ لاجواب مثال ہے لیکن باوجود خساست ایک شاعر[2] نے محمد برمکی کا مرثیہ لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں محمد نے اس شاعر کو معقول انعام دیا ہو۔ اور وہ اشعار یہ ہیں

سالت الندیٰ والجود مالی اراکما	میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ میں تم کو دیکھتا ہوں
تبدلتما عزاً بذل مؤبد	کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی ہے
و ما بال رکن المجد امسی مهدما	اور یہ کیا بات ہے کہ آج عزت کا ستون گرا ہوا ہے۔
فقالا اصبنا یابن یحییٰ محمد	دونوں نے جواب دیا کہ ہمپر محمد برمکی کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے
فقلت فهلا متما بعد موته	اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اس کے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے
وقد کنتما عبدیه فی کل مشهد	اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
فقالا اقمنا کی نعزی لفقده	دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسلئے ٹھہر گئے کہ اسکے مرنے کا ہمکو پرسا
مسافة یوم ثم نتلوه فی غد	دیا جائے پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

---

[1] اس مضمون کو ایک اعرابی نے نظم کیا ہے۔ (زہر الربیع جلد اول صفحہ ۱۰۴)

لو ان دارك انبتت لك واحتشت	اگر تیرے گھر میں سوئی کی کھیتی اُگے اور
ابراً یضیق بها فناء المنزل	وہ کثرت ہو کہ صحن مکان میں کہیں رکھنے کی گنجائش نہ رہے
واتاك یوسف یستعیرك ابرة	اور حضرت یوسف اپنے قمیص سینے کے لئے
لیخیط قد قمیصه لم تفعل	سوئی لینے آویں تو تو کبھی نہ دیگا

[2] محمد برمکی کے شعراء میں صرف مختم الراسی کا نام ملتا ہے۔

یحییٰ اور محمد برمکی کے انتقال کے بعد فضل کی حالت بھی نہایت خراب تھی کیونکہ وہ عارضہ ثقل باللسان (زبان کا بھاری ہو جانا) میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور[1] ہارون الرشید بھی اندرونی صدمات اور ملک کی بدامنی سے نہایت پریشان تھا۔ علی بن عیسیٰ والی خراسان کا زور شور ہنوز قائم تھا۔ اس[2] لئے ۱۹۱ھ میں تنگ آکر اس کو معزول کر دیا اور اُس وقت جعفر کا قول یاد آیا جو اُس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "بجائے ایک ایک درہم کے جو خزانہ میں اُس وقت آیا ہے خلیفہ کے سو سو دینار خرچ ہونگے تب بھی ملکی بغاوتیں دور ہونگی" اور بجائے علی کے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کی حکومت سپرد کر دی اور ضبطی خزانہ کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ہرثمہ نے اسی لاکھ کی رقم منضبط اکیہزار پانچ سو اونٹوں پر لاد کر دار الخلافہ میں روانہ کر دی اور اسکے بعد نہایت ذلت سے ایک اونٹ پر سوار کر کے علی بن عیسےٰ کو بھی روانہ کیا۔ حسن بن عبداللہ کاتب کا بیان ہے کہ جب بعض اضلاع خراسان کی برہمی کے حالات ہارون الرشید نے سُنے تو ۱۹۲ھ میں پھر سفر کیا اور بغداد میں امین الرشید کو اپنا جانشین بنایا اور انتظام رقہ، قاسم کے سپرد کر کے خراسان کو روانہ ہو گیا۔ چونکہ جرجان میں بیمار ہو گیا تھا اس لئے خراسان میں ایک مہینے قیام کیا۔ جب کسی قدر افاقہ ہوا تو طوس کو روانہ ہوا۔ یہاں پہنچکر عوارض شکم میں مبتلا ہو گیا اور بیماری نے اس قدر طول کھینچا کہ اپنی زیست سے ناامید ہو گیا اور فضل کی علالت کی گرم خبروں نے ہارون کو اور بھی بے تاب کر دیا تھا۔ اس لئے فضل بن ربیع وزیر اعظم کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو رقہ سے فضل طلب کیا جائے لیکن ربیع نے فضل کی طلبی میں بہت توقف کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر فضل برمکی ہارون الرشید تک پہنچ گیا تو مجھے معزول کر کے فضل کو پھر وزیر مقرر کر دیگا۔ چنانچہ ہارون نے جب پوچھا کہ اب فضل کا کیا حال ہے تو یہی جواب دیا کہ وہ سخت بیمار ہے۔

[1] دوران علالت میں ہرون الرشید نے ایک مرتبہ شاہزادہ محمد امین کو فضل کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا تھا۔ اور فضل کے علاج میں بڑی کوشش کی گئی لیکن اسکی زبان نہ کھلنا تھی نہ کھلی اور اس عارضہ میں فوت ہوا[2]۔ واقعات ۱۹۱ھ و ۱۹۲ھ و ۱۹۳ھ

معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔ چنانچہ فضل برمکی نے بعمرہ ۴۵ سال بروز شنبہ وقت صبح

فضل کی موت

۲ اکتوبر شنبہ مطابق پانچویں محرم ۱۹۳ سنہ ہجری میں بمقام رقہ[1] انتقال کیا۔ عزیزوں نے مکان کے اندر جنازے کی نماز پڑھائی۔ پھر دوسری مرتبہ مجمع عام میں جماعت سے نماز پڑھی گئی جس میں شاہزادہ محمد امین اور مشہور عباسی اُمرا شریک تھے اور یحییٰ برمکی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ناصر بن خلیل کہتا ہے کہ فضل اپنی بیماری میں ہارون الرشید کے مرنے کی خبر پوچھا کرتا تھا میں نے سوال کیا کہ آپ بار بار کیوں ہارون کی موت کو دریافت کرتے ہیں تو جواب دیا کہ میری اور ہارون کی ولادت ایک ہی وقت اور ایک ہی ساعت کی ہے۔ اجرام فلکی کا اثر جو باعتبار نجوم کے ہے وہ ہم دونوں پر یکساں ہے۔ یعنی اگر وہ مر چکا ہے تو میری موت بھی قریب ہے۔ فضل کی موت کا تمام ملک کو افسوس ہوا۔ لیکن فضل ربیع کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ فضل برمکی اُس کا دشمن تھا اور اس موقع پر جو خوف وزارت کے نکل جانے کا اُس کے دل میں تھا اُس سے تو فی الجملہ تسکین ہو گئی۔

شعرا نے فضل کے انتقال پر جانگداز مرثیے لکھے ہیں۔ چنانچہ رقاشی کے دو تین شعروں پر ہم بھی اکتفا کرتے ہیں اور فضل سے رخصت ہوتے ہیں۔

الآن استرحنا واستراحت رکابنا	ہم اور ہماری سواریاں آرام سے بیٹھ گئیں۔
وامسك من یجدی ومن کان یجتدی	اور دینے والا اور مانگنے والا۔ دونوں رک گئے۔
فقل للمطایا قد امنت من السری	اونٹنیوں سے کہدو کہ اب راتوں کے سفر
وطی الفیافی فدفدا بعد فدفد	اور صحراؤں کے طے کرنے سے تم بےکھٹکے ہو گئیں
فقل للعطایا بعد فضل تعطلی	فضل کے بعد سخاوت سے کہدو کہ بیکار ہو جا
وقل للرزایا کل یوم تجددی	اور مصیبت سے کہدو کہ ہر روز نئی ہوتی جائے۔

[1] ابن خلکان صفحہ ۵۲۰ جلد ۲۔ وکامل اثیر صفحہ ۵۰ و ۹۹ و تاریخ برمکی صفحہ ۱۶۰ وجہشیاری صفحہ ۲۳۰

الا ان سیفاً برمکیاً مهنداً	ہاں برمکی ہندی تلوار کو
اصیب لسیف ہاشمی مهنداً[1]	ہاشمی ہندی تلوار نے ضرر پہنچایا۔

۱۲۔ امیر المومنین مامون الرشید کی خلافت فضل بن سہل کی وزارت۔ آل برمک کا قید سے رہائی پانا اور ملکی عہدوں پر مقرر ہونا

خلیفہ ہارون الرشید کے انتقال (۱۹۳ھ) پر امین الرشید بغداد میں اور مامون الرشید مرو میں مسند خلافت پر بیٹھے کیونکہ یہ دونوں شہزادے مع اپنے اپنے اعیان و انصار کے مستقل خلافت کی فکر میں تھے لیکن بقول ایک فلسفی کے کہ "ایک جنگل میں دو شیر اور ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے ہیں۔" خیر خواہوں کو یہ فکر ہوئی کہ صرف ایک ہی خلیفہ بلا شرکت غیرے کل سلطنت پر حکمرانی کرے۔ اس لئے فضل بن الربیع نے جو دربار خلافت کا مالک تھا امین الرشید کا ساتھ دیا اور جس کی پُرزور کوششوں کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ دار الخلافہ بغداد میں فوج شاہی اور خزانہ عامرہ پر امین کا قبضہ ہو گیا ادھر فضل بن سہل نے بھی حق رفاقت ادا کیا اور اس ناداری میں مامون کے ساتھ رہا چنانچہ اس وزیر کی دانائی اور طاہر بن الحسین ملقب بہ ذو الیمینین کی بہادری سے کئی سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد بتاریخ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ یوم پنجشنبہ مطابق یکم ستمبر ۸۱۳ء مامون الرشید مستقل خلیفہ ہو گیا اور فضل بن سہل جس کو مامون الرشید نے ذو الریاستین (ریاست سیف و قلم) کا خطاب دیا تھا۔ وزارت کے درجے پر ممتاز ہوا۔ جب اس وزیر کو جو بہ لحاظ اقتدار حقیقت میں خلافت کرتا تھا۔

[1] جہشیاری نے فضل کی موت پر صرف دو شعر لکھے ہیں۔

لیس یبکی علیکم یا بنی برمک	ان زوال ملککم فقضا
بل نبکیکم لنا ولاد لنفس	الخیر بعدکم جل ارضا

ان خانہ جنگیوں سے فرصت ہوئی اور ملک میں امن وامان کی عام منادی ہو گئی۔ تب اپنے قدیم سرپرست اور محسن خاندان کا خیال[1] آیا یعنی آل برمک کو قید سے رہا کرانا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید سے تمام موجودہ قیدیوں کا قصور معاف کرا کر قید سے رہا کرا دیا اور مامون الرشید نے بھی اپنی فیاضی سے سب کو بیش قیمت خلعت اور انعامات سے مالا مال کر دیا۔ اور جو نوجوان لڑکے اس خاندان میں باقی رہ گئے تھے اُن کو خلیفہ کے روبرو پیش کر کے حسب استعداد ملکی عہدوں پر مقرر کرا دیا۔ چنانچہ مقام مرو سے جو خط فضل[1] بن سہل نے اپنے مخدوم زادوں کے نام لکھا تھا وہ حسب ذیل ہے جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں آل برمک پر اس وزیر نے بہت بڑا احسان کیا اور یحیٰی و جعفر کے حقوق نعمت سے سُبکدوش ہوا[2]

فضل بن سہل منون برامکہ

فضل[1] بن سہل کا خط بنام عباس بن فضل و موسیٰ بن یحیٰی برمکی

"یہ آپ کو معلوم ہے کہ میری تعلیم و تربیت میں آپ کے آبا و اجداد نے کس قدر کوشش کی تھی خصوصاً یحیٰی برمکی کی شفقتیں اور احسانات مجھ پر بہت ہیں میری تعلیم و تربیت میں جیسی محنت یحیٰی نے کی تھی میں کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بیٹوں کی پرورش، تہذیب، اور تادیب میں بھی اسقدر

---

[1] فضل بن سہل اور حسن بن سہل (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) نسباً و مذہباً مجوسی تھے سنہ ۱۹۰ھ میں مامون الرشید کے ہاتھ پر فضل اسلام لایا تھا جعفر برمکی نے ہارون الرشید کی خدمت میں اس تقریب سے اُسکو پیش کیا تھا کہ شہزادہ مامون کی مصاحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہارون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا۔ اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا فضل نے بڑھ کر عرض کیا "امیر المومنین! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہو۔ ہارون بہت خوش ہوا اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی۔ ابتداء میں مامون کا ندیم خاص رہا۔ اور اب وزیر اعظم تھا نہایت فیاض۔ مدبر۔ فرزانہ۔ علم دوست تھا کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ فضل کا باپ سہل خلیفہ مہدی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ فضل و حسن دونوں یحیٰی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ بہر حال اس خاندان کی رسائی دربار خلافت میں برامکہ کے طفیل میں ہوئی تھی دیکھو کامل صفحہ ۶ جلد ۶ و جہشیاری مفصل۔

[2] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ یحیٰی بن جعفر برمکی۔ امین الرشید کا رضیع تھا۔ اور مامون الرشید بھی یحیٰی سے بہت خوش تھا۔ اسکی سفارش سے تمام منضبطہ جاگیریں بحال کر دی گئی تھیں۔ لیکن یہ ضعیف روایت ہے۔ عباس جعفر برمکی کا بیٹا تھا۔ یہ بڑا شاعر، کاتب اور ظریف تھا۔ اور ایک بیٹے کا نام فضل تھا۔ جہشیاری صفحہ ۲۳۰ و ۲۰۵

سختیاں یحییٰ کو نہ اُٹھانا پڑی ہونگی۔ علاوہ بریں فضل وجعفر کے حقوق نعمت ہیں۔ میں ان تمام حقوق کو فروگذاشت نہیں کرسکتا ہوں، اس لئے جو کچھ آپ کے حق میں کوشش کروں وہ کم ہے۔ امیر المومنین مامون الرشید کا اقتدار بڑھتا جاتا ہے۔ تمام خراسان پر قبضہ ہوچکا ہے۔ اور ہر صوبہ میں والی وحکام مقرر ہوتے جاتے ہیں۔ اب عراق کا قصد ہے۔ انشاء اللہ عنقریب تمام سلطنت عباسیہ کا مامون الرشید مالک ہونے والا ہے، اور مستقل خلافت مامون کے حق میں ہوگی، اب جس قدر جلد ممکن ہو دربار میں تشریف لائے اور میں بھی خدا سے مدد کا امیدوار ہوں کہ آپ کے حق سے جلدادا ہوں۔"

عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ خلیفہ مامون الرشید کے حضور میں سات آٹھ نوجوان فضل نے پیش کئے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے عبداللہ بن یحییٰ کو سب سے زیادہ پسند کیا اور اپنے خاص ندیموں میں مقرر کیا۔ موسیٰ بن یحییٰ کو مدینہ اور عباس بن فضل کو خراسان کی حکومت مرحمت فرمائی ان نوجوانوں میں احمد بن محمد بن یحییٰ بھی تھا۔ اسکی بھی خاطر ومدارات کی گئی۔

مامون الرشید کے اس انتظام سے رعایائے خراسان نہایت خوش ہوئی اور جو بغاوتیں اور بدامنیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ سب دور ہوگئیں اور جو خاندان جلاوطن ہوگئے تھے وہ سب ملک میں واپس آگئے۔ چنانچہ موسیٰ اور عبداللہ نے اپنے اپنے مقام حکومت پر انتقال کیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے جیسی آل برمک پر سختی کی تھی، مامون الرشید نے اس سے بڑھکر اُن کے حال پر مہربانی فرمائی، لیکن موجودہ خاندان میں کوئی شخص جعفر یا فضل کے مثل باقی نہیں رہا تھا اس وجہ سے عہد مامون میں اس خاندان کو وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جو ہونا چاہیئے تھی جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ عبرت کا نمونہ تھے جو اُن کے دشمن تھے وہ خوش تھے اور جو دوست تھے وہ اُن کے افسانے سُن کر اور مرثیے پڑھ کر غم کے آنسو بہاتے تھے خصوصاً جعفر برمکی جو

سلہ موسیٰ اور عباس کے تقرری کے حالات کامل ابن اثیر وغیرہ تاریخوں میں نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ یہ چند روزہ انتظام ہو، البتہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ موسیٰ منصورہ (سندھ) کا گورنر تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۴۴۴۔ (جہشیاری صفحہ ۲۷۶)

حسن وجمال اور فضل وکمال میں اپنا آپ نظیر تھا۔ وہ بہت یاد آتا تھا اور انصاف یہ ہے کہ آلِ برمک میں جعفر اس شعر کا مصداق تھا:

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں | فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

برامکہ کی تباہی اور فیاضی پر نوحہ خوانی

جعفر کے قتل اور برامکہ کی تباہی کو اگرچہ عہد مامون الرشید تک گیارہ یا بارہ برس کا زمانہ ہو چکا تھا مگر جو لوگ برامکہ کے دلدادہ اور اُن کی فیاضیوں سے امیر الامرا بن گئے تھے اُنکے دلوں میں ہنوز یہ واقعات تازہ تھے اور جس طرح وہ عہد ہارون میں بلا خوف وخطر برامکہ کے قصص وحکایات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آج بھی وہ اُن کے حال پر آنسو بہاتے تھے چنانچہ مسرور کی روایت ہے کہ

منذرؔ بن المغیرہ دمشقی دربار مامون الرشید میں

ایک روز بوقت شب مجکو خلیفہ مامون الرشید نے طلب کیا اور کہا کہ "چند آدمیوں نے مجھ سے اطلاع کی ہے کہ ایک بوڑھا شخص ہر روز آدھی رات یا پچھلے پہر کو برامکہ کے کھنڈرات میں آکر رویا کرتا ہے اور اُنکے مرثیے پڑھ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے" لہٰذا تو اسی وقت علی بن محمد اور دینار بن عبداللہ کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہو۔ جب وہ بوڑھا اپنے کاموں سے فارغ ہو تو بلا تامل میرے سامنے پیش کر۔" چنانچہ ہم لوگ اُس مقام پر پہنچے اور دیواروں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھے۔ صبح ہوتے ہوئے ایک حبشی غلام آیا اور ایک لوہے کی کرسی بچھا کر چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد ایک بوڑھا آیا اور اُس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اوّل اُس نے برامکہ کی مدح وثنا میں بہت سے اشعار پڑھے پھر نوحہ وزاری شروع کی جب

لہ ماخوذ از مستطرف جلد اول صفحہ ۱۸۱۔ کتاب فرج بعد الشدۃ صفحہ ۲۹۰۔ اعلام الناس صفحہ ۱۸۱۔ وکتاب المحاسن والمساوی بیہقی صفحہ ۴۸ جلد اول۔ ۲ہ مصنف جامع الحکایات نے اس واقعہ میں یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

سنگ دل آنکہ چوں بہ منزل یار | بگذرد، نگزرد زصبر وقرار
بیقراری وبیخودی نکند | ترک آئین بیخودی نکند

رو چکا تو اُٹھ کھڑا ہوا لیکن ہم لوگوں نے اُس کو فوراً گرفتار کر لیا۔ تب اُس نے گھبرا کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ امیر المومنین کا خادم ہوں۔ چلئے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی اُسکے ہوش اُڑ گئے اور کہا کہ بس اب پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ مجھے اس قدر مہلت دو کہ وصیت کر لوں میں نے کہا کہ کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔ اطمینان سے چلئے۔ چنانچہ ایک دکان کھلوا کر لکھنے کا سامان منگایا اور وصیت نامہ لکھکر غلام کو دے دیا اور ہمارے ساتھ ہو لیا۔ جس وقت مامون الرشید کا سامنا ہوا تو اُس نے بوڑھے سے پوچھا کہ "تو کون ہے اور برامکہ کا تجھپر کیا حق ہے کہ اُن پر رویا کرتا ہے جو سچی بات ہو عرض کر؟" اُس نے کہا کہ میں امیر المومنین سے برامکہ کے احسانات اور فیاضیاں کیا عرض کروں۔ اُن کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ تاہم اگر آپ اجازت دیں تو میں صرف اپنا ایک ابتدائی واقعہ عرض کروں۔ خلیفہ نے کہا ہاں اجازت ہے۔ تب اُس نے کہا کہ امیر المومنین! میرا نام منذر ہے۔ مغیرہ دمشقی کا بیٹا ہوں۔ میرا خاندان حسب و نسب میں ممتاز تھا اور میں نے عیش و آرام کی گود میں پرورش پائی تھی لیکن زمانہ کی عادت کے موافق میرے خاندان پر بھی تباہی آگئی اور راحت و دولت دونوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ مردوں کی پگڑیاں اور عورتوں کی چادریں بک گئیں تب مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ برامکہ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ دمشق سے میں بغداد میں آیا۔ میرے ساتھ مرد و عورت ملاکر سب تیس آدمی تھے۔

جب میں مدینۃ السلام بغداد میں پہنچا ہوں اُسوقت اتنا بھی سہارا نہ تھا کہ کچھ بیچ کر یا رہن کر کے کھانے پینے کی فکر کروں اس لئے ایک مسجد میں ٹھہر گیا اور ایک جوڑہ کپڑا جو میرے ساتھ تھا اُسکو پہنکر باہر نکلا اور اہل و عیال کو اُسی حالت میں خدا کے سپرد کیا۔ چنانچہ برامکہ کا پتہ پوچھتے پوچھتے ایک مسجد کے دروازے پر جا پہنچا۔ یہ نہایت عالیشان مسجد تھی۔ دروازے پر خوب صورت نقش و نگار تھے اور صحن میں نفیس پُرتکلف فرش بچھے ہوئے تھے۔ دروازے پر دو خادم کھڑے تھے اور اندر دیرینہ سال بزرگوں کا مجمع تھا۔ چنانچہ میں بھی اُن میں جاکر بیٹھ گیا۔ پھر یہ ارادہ کیا کہ اُن

لوگوں سے اپنا حال کہوں لیکن سوال کی ذلت سے مجھے پسینہ آگیا اور خاموش بیٹھا رہا اتنے میں ایک خادم آیا اور سب سے کہا کہ مکان میں تشریف لے چلئے چنانچہ سب کے ساتھ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا، اور ایک رفیع الشان محل کے دروازے پر پہنچا، یہ بڑی لمبی چوڑی عمارت تھی صحن سے ملا ہوا پائیں باغ تھا اس میں ایک زرنگار تخت پر یحییٰ بن خالد برمکی بیٹھا تھا۔ اور دائیں بائیں دس نوجوان سبزہ آغاز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تخت کے چاروں طرف ہاتھی دانت کی مرصع کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ہم لوگ اس پر جا کر بیٹھ گئے۔ پھر ایک خادم نے حاضرین مجلس کو شمار کیا تو سب ایک سو ایک تھے۔ پھر بقدر تعداد مذکورہ خادم آئے جن کی کمر میں زریں پٹکے بندھے تھے، اور ہر ایک کے ہاتھ میں نقرئی انگیٹھی تھی جس میں عود اور لوبان سلگ رہا تھا، چنانچہ سب مہمانوں کے کپڑے بخورات سے بسائے گئے۔ اس کے بعد ایک نوجوان نہایت خوبرو، موزوں اندام سبزہ آغاز آیا اور یحییٰ کے قریب آکر بیٹھ گیا اس وقت قاضی ابو یوسف سے یحییٰ نے کہا کہ آپ میرے اس بھتیجے کا عقد میری بیٹی عائشہ سے کر دیجئے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا، چاروں طرف سے مبارک باد کی صدائیں بلند ہوئیں اور یحییٰ نے جوش مسرت میں مشک و عنبر کی گولیاں لوگوں پر پھینکیں[1]۔ امیر المومنین! خدا کی قسم میں نے تو اس لوٹ میں اپنی آستین بھر لی۔ جب نچھاور ہو چکی تو پھر ایک سو ایک خادم آئے۔ ان سب کے ہاتھ میں ایک ایک طبق نقرہ تھا اور ہر طبق میں ایک ہزار دینار تھے۔ چنانچہ سب کے سامنے ایک ایک رکھ دیا ان لوگوں نے دینار اپنی آستینوں میں رکھ لئے اور طبق بغل میں دبا لیا اور رخصت ہو گئے۔ اب میں اکیلا رہ گیا، چونکہ مال زیادہ تھا اس وجہ سے میری جرأت نہ ہوتی تھی کہ میں بھی لے دے کے چلتا ہو جاؤں اور نہ مفلسی کی وجہ سے یہ ہو سکتا تھا کہ یہ رقم چھوڑ کر خالی ہاتھ جاؤں جب مجھے اس شش و پنج میں ایک خادم نے دیکھا تو اشارہ کیا کہ دونوں چیزیں لے کر چلا جا چنانچہ میں اٹھا کر چلا لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا کہ میں گھر تک اس کو لے جاؤں گا بلکہ میرا خیال

[1] ہر گولی کے اندر ایک پرچہ تھا جس میں لونڈی، غلام، اور جاگیر وغیرہ کے انعام تھے۔ یہ اسی عہد کی ایجاد تھی۔

تھا کہ نوکر مجھ سے چھین لیں گے، اس لئے پھر پھر کر پیچھے دیکھتا جاتا تھا۔ میری ان حرکتوں کو خود یحییٰ نے دیکھا تھا اس لئے جب پہلے دروازے کے قریب پہنچا اور میں نے چاہا کہ پردہ ہٹا کر باہر نکل جاؤں کہ اتنے میں ایک خادم نے مجھے روکا اور یحییٰ کے پاس لے گیا اب تو مجھے یقین آگیا کہ ضرور یہ دینار چھین لئے جائیں گے۔ لیکن یحییٰ نے مجھے اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور مفصل حالات پوچھے۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا اور جس وقت میں نے کہا کہ میرے اہل و عیال بھوکے پیاسے فلاں مسجد میں بیٹھے ہیں اُس وقت اپنے بیٹے موسیٰ کو بُلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص عالی خاندان ہے اور کسی زمانے میں صاحبِ ثروت تھا۔ اب حوادثِ ایام سے پریشان ہے۔ اس کو اپنے گھر لے جاؤ اور مہمانداری کرو، چنانچہ ایک شبانہ روز میں موسیٰ کا مہمان رہا۔ بڑی تکلف کی دعوتیں کھائیں، لیکن اہل و عیال کی فکر سے طبیعت بےچین تھی۔ میں نے موسیٰ سے اُنکا حال پوچھا تو جواب دیا کہ خدا اُن کے رزق کا خود کفیل ہے۔ اِسکے بعد ایک خلعت فاخرہ دے کر مجھے رخصت کیا اور اپنے بھائی عباس کے سپرد کیا اور کہا کہ مجھے امیرالمؤمنین نے یاد فرمایا ہے۔ یہ ایک ہمارے مہمان ہیں۔ آج آپ شرط مہمانداری ادا کیجئے۔ چنانچہ عباس نے بھی میری ویسی ہی خاطر کی جیسی موسیٰ نے کی تھی۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایک ایک بھائی کا مہمان ہوا دسویں دن جعفر کی باری آئی ایک روز یہاں بھی رہا گیارھویں دن ایک خادم نے کہا کہ اب چلکر اپنے اہل و عیال سے ملئے میں نے کہا کہ میں ناحق دس روز یہاں پڑا رہا، کچھ نقد بھی ہاتھ نہ لگا اور جو انعام یحییٰ کے یہاں سے ملا تھا وہ بھی چھن گیا۔ کاش! میں اُسی دن چلا جاتا تو اچھا رہتا۔ غرضکہ اُسی دھن میں خادم کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اُس نے ایک مکان کے دروازے پر لے جاکر کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مکان ہے۔ مجھے اس مکان کی رفعت و شان اور ساز و سامان دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ معاملہ ہے کیا؟ چنانچہ چار درجے طے کر کے میں مکان کے اندر پہونچا۔ وہاں میں نے اپنے اہل و عیال کو دیکھا کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں، اور ایک لاکھ درہم اور دس ہزار دینار کا عطیہ بھی موجود ہے (جس میں شادی کی رقم انعام بھی

شامل تھی) اِس کے بعد خادم نے دو موضع کی جاگیر کی سند میرے حوالہ کی اور کہا کہ یہ مکان مع اسباب کے تمہارا ہے۔ امیر المومنین! اِسی شان و شوکت سے میں تیرہ برس تک برامکہ کا خدمت گزار رہا۔ اُن کی فیاضیوں اور مہربانیوں سے کسی کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ آیا میں بھی آل برمک سے ہوں یا کوئی غیر اور اب بھی جو کچھ ہے اُنہیں کے خوانِ کرم کا صدقہ ہے لیکن جب امیر المومنین ہارون الرشید نے اس خاندان کو برباد کر دیا تو مجھ پر بھی سخت مصیبت پڑی اور جو میری معافی تھی اُس پر عمرو بن مسعدہ نے لگان تشخیص کر دیا ہے۔ اب اُس میں کچھ منافع نہیں ہے۔ اور ادائے لگان سرکاری کے بعد مجھے کچھ نہیں بچتا ہے۔ اب میں برامکہ کو یاد کرتا ہوں اور اُنکے حق میں دعا کرتا ہوں۔ مامون الرشید بھی یہ حال سُنکر متاثر ہوا۔ اور اُسی وقت عمرو بن مسعدہ کی طلبی کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو پوچھا کہ اس شخص کو پہچانتے ہو کون ہے؟ عمرو نے کہا ہاں، واقف ہوں۔ یہ برامکہ کا ایک جاگیر دار ہے۔ اور اس کی معافی پر جمع تشخیص کر دی گئی ہے، چنانچہ مامون الرشید نے اُسی وقت حکم دیا کہ بندوبست سے آج تک جو رقم وصول ہوئی ہو وہ سب واپس کیجائے اور بدستور معافی رہے۔ مامون الرشید کا یہ حکم سُنکر منذر و مشفی خوب رویا مامون الرشید نے پوچھا کہ اب رونے کا کیا موقع ہے۔ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ منذر نے کہا امیر المومنین کا ارشاد صحیح ہے لیکن ھذا ایضًا من صنائع البرامکۃ یعنی امیر المومنین کی یہ فیاضی بھی برامکہ ہی کی بدولت ہے، نہ میں اُنکے حال پر روتا نہ آپ کو خبر ہوتی، نہ یہاں تک پہنچتا، نہ یہ صلہ ملتا۔ ابراہیم بن میمون کہتا ہے کہ مامون الرشید نے بھی تسلیم کیا اور کہا لعمری ھذا ایضًا من صنائع البرامکۃ بیشک برامکہ کے احسان اور فیاضی پر جس قدر تو آنسو بہائے تجھ کو سزاوار ہے اور جس قدر غم کرے وہ تھوڑا ہے۔ اُسوقت سے منذر کا قول ضرب المثل بن گیا۔ اور عرب میں ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔[1]

فضل کی فیاضی کا ایک عظیم الشان واقعہ | یحییٰ بن سلام الابرشی بیان کرتا ہے کہ خاندان

[1] ماخوذ از مراۃ الجنان یافعی و اعلام الناس۔

فضل[۱] کی فیاضی کا ایک عظیم الشان واقعہ

برامکہ کی تباہی کے بعد ایک دن خلیفہ ہارون الرشید بہ قصد شکار جارہا تھا کہ برامکہ کے کھنڈرات کی طرف جانکلا۔ ایسے مقامات پر لوگوں کی عادت ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھدیا کرتے ہیں چنانچہ ایک دیوار پر یہ اشعار لکھے دیکھے۔

یا منزلا لعب الزمان باهله	اے گھر جسکے رہنے والوںکے ساتھ زمانہ نے مذاق کیا۔
فاباد هم بتفرق لا یجمع	سو اسطرح ان کو بکھیر کر مٹادیا کہ پھر یک جانہ ہونگے۔
ان الذین عهد تهم بك مرة	میں نے ایک دفعہ یہاں جن لوگوں کو دیکھا تھا۔
کان الزمان بهم یضر و ینفع	زمانہ انھیں کے ذریعہ سے لوگوں کو فائدہ اور نقصان پہنچاتا تھا
اصبحت تفزع من راك وطالما	تجھکو اب جو دیکھتا ہے وہ چیخ اٹھتا ہے۔
کنا الیك من المهاول نضرع	حالانکہ مدتوں ہم مصیبتوں میں تیری طرف رجوع کرتے تھے۔
ذهب الذین یعاش فی اکنافهم	وہ لوگ چلے گئے جن کے زیر سایہ زندگی بسر کیجاتی تھی
و بقی الذین حیاتهم لا تنفع	اور وہ رہ گئے جن کی زندگی سے کوئی فائدہ نہیں۔

ہارون الرشید یہ اشعار پڑھ کر بہت متاثر ہوا۔ پھر علامہ **اصمعی** سے جو ہمراہ تھا پوچھا کہ کچھ برامکہ کے حالات بھی جانتے ہو۔ اصمعی نے عرض کیا کہ امیرالمومنین امان دیجئے تو عرض کروں۔ چنانچہ ہارون الرشید نے امان دی۔ تب اصمعی نے اس طرح پر اپنا چشم دید واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ امیرالمومنین میں ایک دن **فضل بن یحیی** کے ہمراہ شکار میں تھا۔ چاروں طرف خیمے لگے ہوئے تھے کہ لشکر میں ایک بدو اونٹ پر سوار جنگل کی طرف سے آیا۔ فضل نے مجھ سے کہا کہ یہ بدو میرے پاس آیا ہے۔ چنانچہ جب لشکر کے اندر پہنچ گیا تو خیموں کی افراط اور لوگوں کا مجمع دیکھکر سمجھا کہ یہ امیرالمومنین کا لشکر ہے۔ چنانچہ وہیں اُتر پڑا اور اونٹ کو باندھ دیا۔ پھر فضل کی طرف بڑھکر کہا "السَّلامُ علیك یا امیرالمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"۔ فضل نے کہا کہ چپ رہ

---

[۱] مراۃ الجنان یافعی و اعلام الناس ۔

کیا کہتا ہے؟ تب کہا السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّھَا الْاَمِیْر فضل نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بدو فضلؒ کے قریب بیٹھا تو دونوں میں گفتگو شروع ہوئی۔

بدو سے فضل کا مکالمہ

فضل۔ آپ کس قبیلہ سے ہیں اور اُن میں کونسا درجہ ہے۔ اعلیٰ یا ادنیٰ۔

بدّو۔ حضور والا! میں قبیلہ قضاعہ سے ہوں اور درجہ اعلیٰ ہیں۔

فضل۔ عراق سے ارض قضاعہ تک کیا مسافت ہے۔

بدّو۔ جہانتک مجھے علم ہے دو ہزار چار سو میل ہے۔

فضل۔ یہ فرمائیے کہ ایسی کٹھن اور اتنی بڑی منزلیں طے کر کے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

بدّو۔ جناب! مجکو یہاں تک اُن بزرگوں کی شہرت کھینچ لائی ہے۔ جن کی فیاضی اور نیکی کی تمام ملکوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

فضل۔ بھائی صاحب۔ آخر وہ ہیں کون؟ جو ایسے مشہور و معروف ہیں۔

بدو۔ "برامکہ"

فضل۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن برامکہ تو ایک خاندان کا نام ہے اُن میں چھوٹے بڑے بہت سے آدمی ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ خاصہ ہے۔ آپ نے اُس خاندان میں سے کس کو انتخاب کیا ہے جس سے حاجت برآری کی اُمید ہے۔

بدّو۔ اطولھم باعا و اسمحھم کفا۔ یعنی میں نے اُس کو انتخاب کیا ہے جو سب سے بڑھ کر فیاض ہے۔

فضل۔ آخر اُس کا نام بھی جانتے ہو؟

بدّو۔ ہاں اُس کا نام فضل ہے۔ وہ یحییٰ کا بیٹا اور خالد کا پوتا ہے۔

لہ فضل نے بدو پر اپنا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔

فضل - بیشک سچ کہتے ہو۔ لیکن وہ بڑا جلیل القدر اور مقتدر آدمی ہے۔ جب وہ مجلس عام میں بیٹھتا ہے تو اُس کے ساتھ علماء، فقہا، ادبا، شعرا، کتاب اور مناظرین علم وفن کا بڑا مجمع ہوتا ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ کون ہیں۔ عالم یا ادیب۔ یا ماہر ایام العرب۔

بدو - نہیں۔ جناب! میں تو ایک معمولی دہقانی ہوں۔ نہ عالم ہوں نہ ادیب۔

فضل - اچھا عالم فاضل نہ سہی فضل کے نام کوئی سفارشی خط لائے ہو۔

بدو - "نہیں"

فضل - تعجب ہے کہ پھر کس ذریعے سے فضل جیسے بڑے آدمی کی ملاقات ہو سکتی ہے۔

بدو - اے امیر! خدا کی قسم۔ میرے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ البتہ اُس کی مدح میں میں نے دو شعر کہے ہیں وہ اُس کے حضور میں پڑھونگا امید ہے کہ اُس کی فیاضی مجھے انعام سے محروم نہ رکھے گی۔

فضل - بہتر ہے آپ وہی شعر پڑھ دیجئے گا۔ لیکن پہلے مجھے سنائیے اگر وہ عمدہ ہونگے تو میں فضل کی ملاقات کی صلاح دونگا اور اگر معمولی ہوئے تو جو کچھ مجھ سے ہو سکیگا آپ کی نذر کرونگا۔ اور آپ کو اسی مقام سے رخصت کر دونگا۔

بدو - بہت خوب عرض کرتا ہوں سُنئے! جناب!

الم تران الجود من عهد آدم	تم نے دیکھا! سخاوت حضرت آدمؑ کے زمانہ سے
تحدر حتی صار ممتلا لفضل	اُترتی چلی آئی۔ یہانتک کہ فضل کے پاس پہنچی۔
ولو ان اما مسها جوع طفلها	کسی بچے کو اگر بھوک لگے۔
غذته باسم الفضل لاغتذی الطفل	اور اُسکی ماں فضل کا نام لے تو بچے کی غذا ہو جائیگی۔

فضل - سبحان اللہ کیا خوب مضمون ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور وہ فضل کی مدح کر کے صلہ بھی پا چکا ہے تب کیا کہو گے۔

بدو - اُس وقت میں یہ شعر پڑھونگا۔

قد کان آدم حین حان وفاته	آدمؑ نے جان دیتے وقت
اوصاك وهو یجود یالحوباء	تجھ کو وصیت کی تھی۔
ببنیه ان ترعاهمو فرعیتهم	کہ میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ سو تو نے اس وصیت
وکفیت آدم عولة الابناء	کا خوب پاس کیا اور آدمؑ کی اولاد فاقہ سے محفوظ رہی۔

فضل بہت خوب ہے۔ لیکن اگر فضل نے امتحاناً کہا کہ یہ اشعار آپ نے لوگوں سے سُن سُنا کر پڑھ دیئے ہیں۔ اُس وقت کیا کہو گے؟ اور وہ دربار کا موقع ہو گا جہاں چاروں طرف سے تم پر نظریں پڑینگی اُس وقت تو فی البدیہ کہنا پڑیگا۔

بدو۔ اگر ایسا اتفاق ہوا تو میں خاموش نہیں رہونگا اور یہ شعر پڑھونگا۔

ولو قیل للمعروف نادا اخا العلا	اگر "بھلائی" سے کہا جائے کہ صاحب حوصلہ کو پکارو
لنادی باعلی الصوت یا فضل یا فضل	نہایت اونچی آواز سے پکارے گی کہ اے فضل فضل"
ولو انفقت جدواك من رمل عالج	اگر تیری سخاوت ریتی کو خرچ کرنے لگے
لاصبح من جدواك قد نفد الرمل	تو تیری سخاوت سے ریت بھی ختم ہوجائے گی۔

فضل ۔ واہ وا! کیا اچھا مضمون ہے۔ لیکن اگر معترض اس پر بھی اعتراض کرے۔ تب کیا کہو گے؟

بدو۔ اُس وقت میں برجستہ یہ کہونگا۔

وما الناس الا اثنان صب وباذل	آدمی دو قسم کے ہیں۔ مشتاق، اور فیاض
وانی لذاك الصب الباذل الفضل	سو مشتاق تو میں ہوں اور فیاض۔ فضل
علی ان لی مثلا کما ذکر الوری	لیکن یہ فرق ہے کہ مجھ جیسے دنیا میں اور بھی ہیں
ولیس لفضل فی سماحته مثل	اور فضل جیسا سخاوت میں کوئی بھی نہیں۔

فضل ۔ بہت ہی عجیب مضمون ہے لیکن اگر فضل آپ کے اشعار سُنتے سنتے گھبرا جائے اور یہ کہے کہ "الکنایة ابلغ من التصریح" یعنی میری مدح میں ایسے اشعار پڑھو۔

جس میں بہ صراحت نام نہ ہو بلکہ صرف کنیت ہو۔

بدو۔ اگرچہ بکثرت ایسے اشعار ہیں لیکن میں صرف دو بیت پر اکتفا کرونگا۔

الا یا ابا العباس یا واحد الوری	اے ابوالعباس۔ اے یکتائے زمانہ
و یا ملکا خد الملوک لہ نعل	اے وہ بادشاہ کہ بادشاہوں کے چہرے اُسکی جوتیاں ہیں
الیک تسیر الناس شرقا و مغربا	لوگ پورب پچھم سے تیرے ہی طرف آتے ہیں۔
فرادی و ازواجا کا نھم نحل	تنہا تنہا اور کئی کئی شہد کی مکھی کی طرح

فضل۔ بس کافی ہے۔ لیکن اگر فضل نے اسکے بعد بھی یہ کہا کہ قافیہ بدل کر کنیت اور نام کو چھوڑکر اشعار سناؤ تب بھی کچھ کہہ سکتے ہو۔

بدو (غصہ ہوکر) اس امتحان کے بعد بھی اب اگر فضل میرا امتحان لے گا تو صرف چار شعر پڑھونگا لیکن وہ ایسے ہونگے کہ جس پر کوئی عربی یا عجمی سبقت نہ لیجائیگا۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانا اور پھر فرمائش کی تو یاد رہے کہ فضل کی ۔۔۔۔۔ ہے اور میرے ناقہ کے چاروں پاؤں۔ زیادہ کیا کہوں اور بلا حصول مطلب قضاعہ کو لوٹ جاؤنگا۔

فضل۔ (بدو کی فحش ظرافت سے شرمندہ ہوکر) اُمید نہیں ہے کہ فضل اس قدر سختی سے امتحان لے، لیکن میں بہت مشتاق ہوں۔ آپ شعر بھی سُنا دیجئے۔

بدو۔ سُنئے جناب!

ولائمۃ لامتک یا فضل فی لندی	ایک ملامت کرنیوالی نے فضل کو ملامت کی۔ فیاضی کے بارہ میں
فقلت لہا ھل یقدح اللوم فی البحر	تو میں نے اُس سے کہا کہ کیا ملامت دریا کو کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے
اتنھین فضلا عن عطایاہ للغنی	کیا تو فضل کو سخاوت سے روکتی ہے؟
فمن ذا الذی ینھی لسحاب عن القطر	بادل کو بھی کوئی بارش سے روک سکتا ہے۔
کان نوال الفضل فی کل بلدۃ	فضل کی بخششیں ہر شہر میں اس طرح ہیں
تحدر ھذا المزن فی مھمہ قفر	جس طرح اس بادل کا برسنا ویرانہ میں

كان وفود الناس في كل وجهة	لوگ ہر طرف سے فضل کے پاس چلے آتے ہیں
الى لفضل لا قواعنده كليلة القدر	گویا اُن کو فضل کے پاس شب قدر مل جاتی ہے۔

جب اعرابی یہ اشعار سُنا چکا تو پھر کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ لیکن بدو کی شوخی اور ظرافت سے فضل کو ہنسی آگئی اور ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ پھر بدو سے کہا اے عرب خدا کی قسم! فضل بن یحییٰ برمکی میں ہوں۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ فضل کا نام سُنکر و بقانی کے ہوش اُڑ گئے اور کہا خدا کیواسطے سچ بتایئے آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کرتے ہیں۔ فضل نے کہا۔ نہیں۔ تب بدو نے بکمال ادب درخواست کی کہ میرے گستاخانہ اور غیر مہذب جملہ کو معاف فرمایئے۔ فضل نے کہا خدا معاف کرے گا۔ اب تو اپنی حاجت بیان کر۔ اُس نے کہا کہ مجھے دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ فضل نے کہا کہ درخواست منظور ہے اور حکم دیا کہ ۱۰۰۰ × ۱۰۰۰ (دس لاکھ درہم) دیا جائے۔ اس قدر کثیر رقم دیکھکر فضل کے کاتب سے نہ رہا گیا اور عرض کیا کہ خداوند نعمت! یہ فیاضی نہیں ہے، بلکہ اسراف ہے، ایک بدو کو جس نے چوری کے اور نیز ادھر اُدھر کے اشعار آپ کو سُنائے اس قدر انعام دینا مناسب نہیں ہے۔ فضل نے کہا کہ میرے نزدیک یہ اس عطیہ کا مستحق تھا کیونکہ وہ ایک بڑی مسافت طے کرکے مجھ تک آیا ہے۔

جب کاتب نے دیکھا کہ میری بات کارگر نہیں ہوئی تو دوسری چال چلا اور فضل کو قسم دیکر کہا کہ حضور عالی! میں کمان میں تیر جوڑ کر دیتا ہوں آپ اس بدو پر نشانہ لگایئے۔ اگر اس وار کو بدو کسی عمدہ شعر کی سپر سے روک لے تو یہ مال اُس کا ہے ورنہ کچھ دیکر رخصت کر دیا جائیگا چنانچہ فضل کمان میں تیر جوڑکر چاہتا تھا کہ بدو پر نشانہ لگائے کہ اُس نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

لقوسك قوس المجد والوتر الندا	تیری کمان بزرگی، فیّاضی اور سخاوت کی کمان ہے
وسهمك سهم العز فارم به فقري	اور تیرا تیر عزت کا تیر ہے تو اس سے میری مفلسی پر نشانہ لگا

بدو کا یہ شعر سُنکر فضل بہت خوش ہوا اور اس کی شاعری کی داد دی، اور ایک لاکھ درہم یہ کہکر اور دیئے کہ خدا نے مجکو تیرے ناقہ کے شر سے بچا لیا۔ جب بدو انعام پا چکا تو رخصت ہوا لیکن

اس وقت اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے فضل نے پوچھا اب کیوں روتا ہے کیا کوئی اور خواہش باقی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں اس بات پر روتا ہوں کہ جب تجھ ایسے فیاض شخص کو موت ہم سے چھین لے گی اُسوقت ہم جیسے غریبوں پر کون فیاضی کرے گا اور کسی[1] شاعر کے یہ اشعار پڑھے۔

لعمرك ما الرزية فقد مال	مصیبت اِس کو نہیں کہتے کہ مال گم ہو جائے
ولا فرس يموت ولا بعير	یا گھوڑا یا اونٹ مرجائے۔
ولكن الرزية فقد حرّ	مصیبت اُسکا نام ہے کہ ایسا شریف آدمی گم ہوجائے
يموت لموته خلق كثير	جس کے مرنے سے ایک عالم مرجائے۔

جب اصمعی ہارون الرشید سے یہ واقعہ بیان کرچکا تو خلیفہ نے کہا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خاندان برامکہ ایسا ہی فیاض تھا۔ افسوس میں نے اُن کو ناحق قتل کیا اور یہ وہ واقعات ہیں جو مجکو تمام عمر یاد رہیں گے۔

۳۔ خلیع[2] شاعر راوی ہے کہ ایک دن فضل[3] برمکی نے مجکو بلایا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ فوجی خدمات بھی فضل کے سپرد تھیں اور لوگوں نے میری بہت سی چغلیاں بھی فضل سے کھائیں تھیں اس لیے میں ڈر گیا کہ دیکھئے آج کیا معاملہ پیش آتا ہے اور زندگی سے نا امید ہو کر میں فضل کے مکان پر گیا

لہ اشجع سلمی کے یہ اشعار بھی آغانی (جلد ۱۷) نے فضل کے مدح میں لکھے ہیں۔

وما قدم الفضل بن يحيىٰ مكانهٗ	فضل کو اسکے مرتبہ نے دوسروں سے ممتاز نہیں بنایا
علىٰ غيره بل قدمتهٗ المكارم	بلکہ اس کی امتیازی شان، مکارم، اخلاق کی رہین منت ہے
لقد ارهب الاعداء حتى كانما	اس نے دشمن کو ایسا خوفزدہ کردیا ہے کہ گویا ہر سرحد پر
علىٰ كل ثغر بالمنية قائم	اُن کے لئے موت کھڑی ہے۔

سلہ ابو علی حسین بن ضحاک بن یاسر متخلص بہ خلیع۔ طبقہ اول کے شعرا میں ہے۔ ۱۶۲ھ میں پیدا ہوا۔ بصرے کا رہنے والا تھا۔ باوجود علم و فضل کے مزاج میں مسخرہ پن زیادہ تھا۔ اعزاز و مرتبے میں اسحاق موصلی کا ہم رتبہ تھا۔ امین الرشید کا مصاحب خاص تھا ابو نواس کے ساتھ اس کے اکثر مباحثے ہوا کرتے تھے ۲۵۰ھ میں فوت ہوا۔ آغانی میں یہ اشعار ابو النضر بصری سے منسوب ہیں۔

سلہ مرآۃ الجنان یافعی و تاریخ نگارستان صفحہ ۸۴ مطبوعہ بمبئی۔

وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ فضل صحن میں بیٹھا ہوا ہے تین سو مغنیہ کنیزیں جمع ہیں اور عیش کی مجلس تیار کی ہے ۔ میں نے سلام کیا کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور میرے سلام کا جواب دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "خلیع میں نے تمہیں ایک کار خیر میں طلب کیا ہے ۔ آج میرے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے ۔اُس کی تہنیت میں دو مصرعے میں نے لکھے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ تم اُس کو پورا کردو۔ چنانچہ میں نے پڑھنے کی فرمائش کی تب فضل نے یہ ایک شعر پڑھا۔

و نفرح بالمولود من اٰل برمك	آل برمک کے اِں بچہ ہونے پر ہم کو خوشی ہوتی ہے
بغاة الندی والسیف والرمح والفضل	جو کہ سخاوت - تلوار - نیزہ - اور فضیلت کے طالب ہیں

میں نے فی البدیہہ جواباً عرض کیا

وتنبسط الاٰمال فیه بفضله	اور اُس کی عنایت کی توقع میں اُمیدیں وسیع ہوتی ہیں
ولا سیما ان کان والدہ الفضل	اور خصوصاً اگر اُس بچہ کا باپ فضل ہو۔

فضل یہ شعر سُنکر بہت خوش ہوا اور بارہ ہزار درہم صلہ مرحمت فرمایا۔ پھر مجھے جعفر کے پاس بھیج دیا میں نے وہ اشعار جو بھتیجے کی تہنیت میں لکھے تھے پڑھ کر سُنائے بارہ ہزار درہم وہاں سے ملے۔ پھر اسی قدر یحییٰ نے دیا۔ غرضکہ ۳۶ ہزار درہم ایک شعر کا صلہ لے کر گھر کو واپس آیا۔ یہ واقعہ اُن کے عروج کے زمانہ کا ہے لیکن اس خاندان کے زوال کے بعد مجھے مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک دن میں ایک حمام میں نہانے گیا وہاں ایک نوجوان لڑکا میری خدمت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور میرا خط بنانے لگا۔ اُسوقت اتفاقیہ میری زبان سے یہ مصرعہ نکل گیا۔ " و نفرح بالمولود من اٰل برمك " اس مصرعہ کے سُنتے ہی اُس نوجوان کی حالت متغیر ہو گئی ہاتھ کانپنے لگے اور اُسترہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا، اور بیہوش ہو گیا مجھے اس کی حالت پر بہت تعجب ہوا جب ہوش میں آیا تو میں نے پوچھا کہ اے عزیز یہ کیا واقعہ تھا۔ اُس نے کہا کہ " آپ ہی کے طفیل میں میری یہ نوبت پہنچی ہے جو مصرع آپ نے پڑھا ہے اس کا شان نزول میں ہوں۔ کسی شاعر نے میری ولادت کے وقت یہ مصرعہ کہا تھا۔ یہ

سُنکر میں سناٹے میں رہ گیا اور انقلاب زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا اور اُس نوجوان سے کہا کہ "اے عزیز وہ بدنصیب شاعر میں ہوں" اس کے بعد میں نے اُس نوجوان کے سامنے ایک معقول نذرانہ پیش کیا لیکن اُس نے اپنی عالی حوصلگی سے کچھ نہ لیا اور اُٹھکر چلا گیا۔

برامکہ کی تباہی کے قصص وحکایات اس کثرت سے تاریخوں میں پائے جاتے ہیں کہ فیصدی پانچ کا بھی انتخاب ہم نہیں لکھ سکتے ہیں اور نہ فی نفسہ ایسے واقعات سے قوم کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس عنوان کو ہم ختم کرتے ہیں۔

برامکہ کا مذہب

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلاے شیخ
تو کہے گبر، مجھے، گبر، مسلماں مجھ کو

برمک اعظم گبر تھا اور آتشکدۂ **نوبہار** کا مذہبی پیشوا۔ لیکن مسلمان ہوجانے کے بعد حقیقی معنی میں مذہب اسلام کا پابند رہا اور اُس کا بیٹا خالد برمکی تو مشاہیر اسلام میں سب سے نامور اور ممتاز تھا۔ البتہ باعتبار عقائد مورخین نے برامکہ کو **شیعہ** لکھا ہے اور ایک ایرانی خاندان کا شیعہ ہونا تعجب خیز نہیں ہے لیکن برامکہ پر فلسفہ کا اثر مذہب سے بالاتر تھا اسلئے

لہ ایک مرتبہ راستہ میں ایک شخص نے فضل کی گھوڑے کی رکاب تھام کر یہ شعر پڑھے۔

سأرسل بيتًا ليس في الشعر مثله	میں ممدوح کی خدمت میں ایک ایسے نادر شعر کا ہدیہ بھیجوں گا جسکے
يقطع اعناق البيوت الشوارد	سامنے بہترین اشعار ہیچ ہیں۔
اقام الندى والباس في كل منزل	ممدوح نے فیاضی اور شجاعت کی ہر جگہ دھاک بٹھا دی ہے اور یہی تو
اقام به الفضل بن يحيى بن خالد	وہ مضبوط بنیاد ہے جس پر فضل بن یحییٰ بن خالد کی نیکنامی قائم ہے

حقیقتاً برامکہ کو شیعہ سنّی وغیرہ کے خانہ برانداز جھگڑوں سے چنداں بحث بھی نہ تھی اور اسی فلسفہ پسندی کا اثر تھا کہ برامکہ زندقہ مشہور ہو گئے تھے۔ بہر حال ہم اُن کو تاریخی حیثیت سے شیعہ کہتے ہیں لیکن خود شیعی مورخوں کی نظروں میں برامکہ کا تشیع مشتبہ سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ لکھتے ہیں کہ "خاندان برامکہ حضرت امام موسیٰ کاظم کی شہادت کا باعث ہوا ہے اور انہیں لوگوں نے امام صاحب کو زہر دلوایا ہے جو بہ حیثیت شیعہ ہونے کے نہایت بعید ہے اور یہ تو نہایت غلط روایت ہے کہ وہ تمام عمر مجوسی رہے۔ چونکہ یہ بحث طول دینے کے قابل نہیں ہے لہذا اسی مضمون پر البرامکہ کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔"

ضمیمہ

الہرون

زشرح قصۂ ما رفتہ خواب از چشم خاصاں را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

۱۔تمہید برامکہ کے جسقدر حالات لکھنا مقصود تھے وہ ختم ہو چکے، لیکن یہ واقعہ ہی کہ ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے، کیونکہ وزارت کے ساتھ، جب تک سلطنت کے کارنامے نہ دکھائے جائیں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا مصور نے یک رخی تصویر کھینچی ہے۔ اس لئے البرامکہ کے خاتمہ پر خلیفہ ہرون الرشید کے وہ مختصر حالات زندگی لکھتا ہوں جو اوراق ماقبل میں نہیں ہیں اور اگر ہیں تو مختصر۔

خلفائے عباسیہ میں رشید ہی اس قابل تھا کہ "رائل ہیروز آف اسلام" میں بجائے مامون الرشید کے انتخاب کیا جاتا، کیونکہ شانِ خلافت و حکومت کی تکمیل اس عہد میں ہو چکی تھی۔ فرق اسقدر ہے کہ مامون کے دور میں علمی ترقیاں زیادہ ہوئیں، باقی نظام حکومت بدستور رہا۔

۲۔حضرت عباس کا عالی شان خاندان عبد المطلب بن ہاشم قریشی کے کثیر اولاد میں تین صاحبزادے عبد اللہؓ، ابو طالبؓ عبد مناف اور عباسؓ فخر خاندان تھے۔

جن میں تمام دنیا کی شرافت اور سیادت جمع تھی، چنانچہ عبد اللہ کے جوہر فرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہوئے۔

عبد مناف کے مایۂ ناز صاحبزادے، جناب علی مرتضیٰ ہیں، جن کی ذات گرامی سے خلافت راشدہ کی تکمیل ہوئی۔

حضرت عباس (متوفی ۳۲ھ) کے نور نظر، عبد اللہ (یہ دوسرے بیٹے ہیں) جن کی نسلیں دیار اسلام میں بلاد مغرب سے ماوراء النہر (وسط ایشیا) تک پھیل گئیں۔ یہی وہ عبد اللہ ہیں جن کے حق میں نبی کریم نے دعا فرمائی تھی کہ "اللّٰھم علمہ التاویل" چنانچہ علمائے اسلام میں یہ سب سے پہلے مفسر قرآن حکیم ہیں۔ یہ اس درجہ عقیل و فہیم تھے کہ حضرت عمرؓ نے انکو باوجود کم سن ہونیکے معمر صحابہ کی مجلس شوریٰ میں شریک کیا تھا، اور انکے فتووں پر عمل کرتے تھے۔

دوسری بشارت یہ تھی کہ عباس کی نسل میں خلافت (سلطنت) قائم ہو گی، چنانچہ علی بن عبد اللہ بن عباس کی ذات سے یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ جس دن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے رحلت فرمائی (۴۰ھ) اُسی شب میں عبد اللہ کے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے تھے، لہذا خاندانی یادگار کے طور پر انکا بھی نام علی رکھا گیا اور کنیت ابوالحسن قرار پائی۔ یہ عبد اللہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ حسن و جمال کے علاوہ، شریف النفس، عابد مرتاض اور ذی وجاہت تھے۔ اور خاموش زندگی بسر کر رہے تھے لہذا خلفائے اُمیہ نے ان کو حمیمہ (بلقاء، شام) میں جاگیر عطا کی تھی۔ علی نے ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ بائیس ۲۲ بیٹے اور گیارہ ۱۱ بیٹیاں چھوڑیں، چھ بیٹوں کی نسل نہیں چلی، بقیہ کی اولاد سے عباسیوں کی نسل میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔

علی کے جانشین انکے بڑے بیٹے محمد (متوفی ۱۲۵ھ) ہوئے۔ اور اُنھوں نے بنواُمیہ کے خلاف خروج کیا، اور بانی دولت عباسیہ ہوئے، اور انکا بیٹا ابوالعباس عبد اللہ

(ملقب بہ سفاح) پہلا عباسی خلیفہ ہوا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ہرون الرشید (پانچواں) خلیفہ ہے۔

۳۔ ہرون الرشید کی ولادت

رشید کی ولادت بمقام رے، رجب ۱۴۸ھ / ۷۶۵ء میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب مہدی عباسی، رے کا والی تھا۔ رشید کی والدہ کا نام خیزران[1] تھا

---

[1] خیزران خلیفہ مہدی کے محل میں کنیز کی حیثیت سے داخل ہوئی تھی، لیکن اپنی دانشمندی سے کچھ ہی دنوں میں ملکہ بن گئی۔ خیزران حسن وجمال کے علاوہ دیگر کمالات نسوانی میں بھی فرد تھی۔ مہدی نے اس کو ایک لاکھ درہم میں خرید کیا تھا۔ اسکے بعد محل میں علمائے وقت سے تعلیم دلائی گئی۔ ہادی اور رشید کی ولادت کے بعد مہدی نے آزاد کر کے خیزران سے ۱۵۹ھ میں نکاح کر لیا، اور یہ اسکی عروج کا زمانہ تھا۔ مہدی کی وفات پر جب بڑا بیٹا ہادی وارث تاج وتخت ہوا تو خیزران خلافت کی مالک تھی۔ روزانہ صبح کو قصر الخلد میں پس پردہ دربار کرتی تھی اور وزراء احکام حاصل کرتے تھے لیکن کچھ مدت کے بعد ماں بیٹے میں ان بن ہو گئی۔ ہادی نے حکومت سے بیدخل کر کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔

مزنہ بنت مروان اموی خلیفہ کی بیٹی سے جو سلوک خیزران نے کیا وہ اسکی نیک نفسی کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک دن محل کے دروازہ پر ایک فلاکت زدہ عورت آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ خیزران نے کنیزوں کی سفارش سے بلا لیا۔ سلام وتہنیت کے بعد خیزران نے نام پوچھا تو عرض کیا کہ کبھی شاہزادی تھی اور آج روٹیوں سے محتاج ہوں۔ مجھ فقیرنی کا نام مزنہ ہے۔ قدیم خاندانی عداوت سے جھلا کر مزنہ کا نام سنتے ہی خیزران نے کہا "چل دور ہو" میں تیرا خیر مقدم کرنے سے مجبور ہوں۔ مزنہ؛ کیا تجھے وہ دن یاد نہیں ہے، جب بوڑھی سیدانیاں رو رو کر تجھ سے کہہ رہی تھیں کہ امام ابراہیم بن محمد عباسی کی نعش بے گور وکفن پڑی ہے اسکی تجہیز وتکفین کی مروان سے اجازت دلادے، لیکن تو نے ہماری یہ درخواست ٹھکرا دی اس لئے جس سزا کی تو مستحق تھی خدا کی طرف سے وہ تجھ کو مل گئی، کیا ایسی حالت میں بھی تو مجھ سے ہمدردی کی اُمیدوار ہے۔"

یہ تقریر سنتے ہی مزنہ ہنسی اور بولی "بی بی! بلاشبہ مجھکو اپنی کرتوتوں کی سزا مل گئی ہے، لیکن اسوقت میں تیری ڈیوڑھی پر ایک سائلہ کی حیثیت سے آئی ہوں۔ اگر تو عقل سے کام لے تو تیرے لئے شکر گزاری کا یہ بہترین موقع ہے کہ ایک شاہزادی مبتلائے مصائب وآلام ہو کر امداد کی طالب ہے۔"

یہ کہکر خیزران کو سلام کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب مزنہ کی تقریر کا خیزران سے جواب نہ بن پڑا تو شرمندہ ہو کر مزنہ کو منت سماجت سے روکا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ مزنہ کو حمام میں لیجاؤ، اور جو لباس وہ پسند کرے پہناؤ جب مزنہ غسل کر کے اور شاہانہ لباس پہنکر آئی تو معلوم ہوا کہ بدلی سے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ اب خیزران نے اسکو بہن کہکر گلے لگایا، اور مہدی کی مسند پر لیجا کر بٹھایا، اور سکونت کے لئے ایک خاص کمرہ عنایت کیا (باقی صفحہ ۶۰۶)

خلفائے عباسیہ میں ابوجعفر منصور، ایرانی اور ہندی نجومیوں کے اثر سے مقتطع نجوم کا معتقد تھا، لہذا رشید کا زائچہ ولادت بنوایا۔

تاریخ اسلام میں یہ نیا واقعہ ہے، لہذا مورخین نے یہ زائچہ[1] نقل کیا ہے جو ماہر نجوم تھے انکے لئے یہ زائچے دلچسپی سے خالی نہ تھے۔

زائچہ ولادت ہرون الرشید

نام ستارہ	نام برج	درجہ تحویل
۱۔ شمس	سنبلہ	دس ۱۰ درجہ
۲۔ قمر	حوت	پچیس ۲۵ درجہ پچاس دقیقہ
۳۔ زحل	دلو	دس درجہ راجعاً (وکرّی یعنی اُلٹی چال چلنے والا)
۴۔ مشتری	قوس	سترہ ۱۷ درجہ
۵۔ مریخ	〃	اٹھائیس ۲۸ درجہ، دس ۱۰ دقیقہ
۶۔ زہرہ	سنبلہ	پانچ درجہ چالیس ۴۰ دقیقہ
۷۔ راس	میزان	آٹھ درجہ، چھ ۶ دقیقہ

۴۔ ہرون الرشید کی تعلیم و تربیت

رشید کی ولادت کے وقت ابوجعفر منصور (دادا) زندہ تھا۔ اس لئے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام ہوا، اور ہر علم و فن کے معلم مقرر کئے گئے، اور عام نگرانی و تربیت یحییٰ بن خالد برمکی کے سپرد ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۵) پھر انتہائی مہربانی سے کہا کہ بہن! جب تک میں زندہ ہوں تم میری مہمان ہو"۔ مصارف کیلئے اسی وقت پانچ لاکھ درہم بھیج دیئے۔ اس اثناء میں خلیفہ مہدی بھی آگیا۔ مزنہ کا نام سن کر پہلے تو وہ بھی برہم ہوا لیکن تفصیلی حالات معلوم کر کے خاموش ہوگیا اور اپنی طرف سے دس تھیلیاں درہموں کی نذر کیں اور سلام کہلا بھیجا۔ مزنہ نے امیرالمومنین کی نوازش کا شکریہ ادا کیا، چنانچہ عہد رشید میں مزنہ کا انتقال ہوا۔ خیزران نے اسکا مقبرہ بھی بنوادیا"۔

خیزران کا مخصوص محل اشناس تھا لیکن ہادی کی زمانہ میں قصر الخلد میں رہا کرتی تھی۔ اسکی سواری بڑی شان سے نکلتی تھی سیکڑوں غلام (سوار و پیادے) ہمرکاب ہوتے تھے ۱۷۳ھ میں انتقال کیا۔ انتخاب از آغانی وغیرہ + [1] تاریخ یعقوبی مطبوعہ لینڈ۔

سیوطی کی روایت ہے کہ کسی سلطان نے حصول علم کے لئے سوائے ہارون الرشید کے سفر نہیں کیا۔ رشید نے کتاب موطا، خود امام مالک کی حلقہ درس میں پڑھی (یہ نسخہ مدت تک مصر کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ رہا ہے) رشید کو حدیث، فقہ اور ادبیات میں کمال تھا شعراء کو ادبی غلطیاں بتاتا تھا۔ خود بھی شاعر تھا۔ مگر بہت کم شعر کہتا تھا اور شاعری کو ایک مقتدر فرمانروا کی حیثیت سے ذریعہ فخر نہیں سمجھتا تھا، چنانچہ مامون الرشید نے ایک خاص موقع پر جب چند شعر لکھ کر پیش کئے تو جواباً لکھا "جان پدر! تم کو شعر سے کیا کام؟ شاعری عوام کے لئے باعث زینت ہے مگر عالی مرتبہ لوگوں کے لئے نہیں" رشید کے ابتدائی حالات البرامکہ میں موجود ہیں اب ملکی انتظامات مختصراً لکھے جاتے ہیں۔

۵۔ ہارون الرشید کے ملکی انتظام

خلیفہ ہادی کے فوت ہوتے ہی خیزران نے رشید کی خلافت کا سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ کو اعلان کر دیا تھا۔ اور یحییٰ برمکی نے وزیر ہوتے ہی ساسانی اصول کے مطابق جملہ دواوین (دفاتر) قائم کئے، اور رشید نے خیزران کی تسکین خاطر کے لئے یحییٰ کو حکم دیدیا تھا کہ امور سلطنت میں وہ خیزران سے مشورہ کر کے احکام جاری کیا کرے، اور ۱۷۱ھ میں یحییٰ کو مہر خلافت عطا کر کے اسکے اقتدار کو تمام ارکان دولت سے بڑھا دیا تھا۔ مسند نشینی (صدارت) کے پہلے سال میں، امین الرشید اور مامون الرشید کی ولادت اور افریقہ و مدینہ منورہ کے گورنروں کی تبدیلی کے سوا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا ہے چنانچہ یزید بن حاتم مہلبی کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا داؤد افریقہ میں اور عمرو بن عبدالعزیز العمری کے معزولی پر مدینہ میں اسحٰق بن سلیمان عباسی گورنر مقرر ہوا۔

۱۔ عمال کا عزل ونصب — یہ عنوان نہایت وسیع ہے لیکن مختصر یہ ہے کہ ۱۷۱ھ سے ۱۷۴ھ تک خراسان، موصل، سندھ اور مکران کے گورنروں کا انتظاماً

تبادلہ کیا گیا۔ البتہ ۱۷۶ھ میں عبداللہ بن حسن علوی کے خروج کے باعث بعض گورنروں کے خیالات باغیانہ ہو چلے تھے اس لئے رشید نے تمام صوبوں پر ایک نظر ڈالی اور جس والی کی نسبت شبہہ ہوا وہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں گورنری مصر کا انتظام بھی ہے جسکے دلچسپ حالات لکھے جا چکے ہیں۔

اس تبادلہ کے بعد ۱۷۶ھ سے ۱۸۱ھ تک افریقہ اور خراسان کے والیوں کے تبادلے ہوئے، بعد ازاں رشید کے انتقال تک زیادہ ردوبدل نہیں ہوا۔

ذیل کی فہرست سے اس عہد کی معزز طبقہ کے نام معلوم ہونگے اور تفصیلی واقعات جہشیاری اور کامل اثیر وغیرہ میں ہیں۔ ان ولاۃ میں اکثریت عباسیوں کی ہے۔

نام صوبہ	نام والیان صوبہ
۱۔ مکہ معظمہ	عباس بن محمد بن ابراہیم۔ سلیمان بن جعفر بن سلیمان۔ موسیٰ بن عیسیٰ۔ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم۔ عبداللہ بن قثم۔ عبداللہ محمد بن عمران۔ عُبیداللہ بن محمد بن ابراہیم عباس بن موسیٰ، علی بن موسیٰ، محمد بن عبداللہ عثمانی، حماد بربری۔ فضل بن عباس بن محمد۔ احمد بن اسمٰعیل۔
۲۔ مدینہ منورہ	اسحٰق بن علی۔ عبدالملک بن صالح بن علی۔ محمد بن عبداللہ۔ موسیٰ بن عیسیٰ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم۔ علی بن عیسیٰ۔ محمد بن ابراہیم۔ عبداللہ بن مصعب بکار بن عبداللہ بن مصعب۔ محمد بن علی۔ وہب بن منبہ۔
۳۔ کوفہ	موسیٰ بن عیسیٰ۔ محمد بن ابراہیم۔ عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم۔ یعقوب بن ابوجعفر عباس بن عیسیٰ۔ اسحٰق کندی۔ جعفر بن ابوجعفر۔
۴۔ بصرہ	محمد بن سلیمان بن علی۔ سلیمان بن ابوجعفر۔ عیسیٰ بن جعفر۔ خزیمہ بن خازم۔ جریر بن یزید۔ جعفر بن سلیمان۔ جعفر بن جعفر۔ عبدالصمد بن علی۔ مالک بن الخزاعی۔ اسحٰق بن سلیمان۔ سلیمان بن جعفر۔ حسن بن جمیل۔ اسحٰق بن عیسیٰ بن علی۔

نام صوبہ	نام والیان صوبہ
۵۔ خراسان	ابو العباس طوسی۔ جعفر بن محمد الاشعث۔ عباس بن جعفر۔ غطریف بن عطاب۔ سلیمان بن راشد۔ علی الخراج حمزہ بن مالک۔ فضل بن یحییٰ برمکی۔ منصور بن یزید۔ جعفر بن یحییٰ برمکی۔
۶۔ افریقہ	روح بن حاتم مہلبی۔ یزید بن حاتم۔ داؤد بن علی بن یزید۔ فضل بن روح بن حاتم۔ ہرثمہ بن اعین۔ محمد بن مقاتل بن حکم۔ ابراہیم بن اغلب۔ عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب۔
۷۔ سندھ (ہندوستان)	اسحٰق بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ۔ داؤد بن یزید بن حاتم

ان صوبوں کے علاوہ اگر تاریخوں کی ورق گردانی کی جائے تو بحرین، اہواز، فارس، موصل، جزیرہ، آرمینیہ کے گورنروں کی فہرست جداگانہ مرتب ہوسکتی ہے

۲۔ امین و مامون کی ولیعہدی عہد رشید (۱۸۲ھ / ۷۹۸ء) میں، امین و مامون کی ولیعہدی بھی ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ رشید نے اپنے حیات میں چار بیٹوں کو جداگانہ ملک تقسیم کر دیئے تھے لیکن حقیقت میں یہ ملکی تقسیم ہی خانہ جنگی کا باعث ہوئی۔ پانچویں بیٹے معتصم کو اس بنیاد پر حکومت سے محروم کر دیا تھا کہ وہ جاہل محض تھا لیکن خدا کی شان ہے کہ خلافت عباسیہ معتصم کی نسل میں باقی رہی۔ ولیعہدی کے بعد رشید نے مامون کو جعفر برمکی کی اتالیقی میں دیدیا تھا۔

۳۔ ملکی بغاوتیں ہرون الرشید کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ عمال کی بے عنوانیاں رعایا کی ناراضی، اور سادات و علویین کی مدعیانہ حقوق طلبی کا نتیجہ تھا چنانچہ ابو جعفر

۱؎ جب برامکہ کی وزارت مستقل ہوگئی تو خراسان کی حکومت ایرانیوں کے لئے تھی ۲؎ افریقہ میں ہمیشہ عرب حاکم رہے اخیر میں خاندان اغلبیہ خود مختار ہوگیا۔ ۳؎ رشید کی وفات کے بعد ۲۵۰ھ سے امرائے سجستان کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۲

منصور عباسی کے عہد میں امام محمد بن عبداللہ بن حسن نے جو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے پرپوتے تھے، علمائے مدینہ کے فتوی پر خروج کیا تھا اور بڑی خونریزی کے بعد امام صاحب شہید ہوئے، موصوف کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ جان کے خوف سے روپوش تھے، لیکن ۱۷۶ھ میں جب انکی جماعت ترقی کر گئی تو دیلم میں خروج کیا اور اس مہم کا خاتمہ فضل برمکی نے کیا اس شکست کے بعد سادات نے ملک گیری کا خیال ترک کر دیا تھا۔

اسی سال دمشق میں عامر بن عمارہ (ابوالہیذام) نے بغاوت کی اور برسوں لڑائیاں جاری رہیں، چنانچہ ۱۸۲ھ میں عامر کی وفات پر یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ یہ وہ معرکے تھے جس نے عرب کے متعدد قبائل کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس مہم کے بعد موصل، مصر اور ماوراالنہر کے صوبوں نے بغاوت کی لیکن یہ معمولی تھیں، جس کا حکومت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

۴۔ جہاد اور فتوحات ہارون الرشید اُن اُولوالعزم، خلفائے اسلام میں تھا جسکے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قلم تھا لیکن قلم کا پلہ بھاری تھا اس لئے فتوحات کی فہرست مختصر ہے، تاہم تئیس سال کی خلافت میں باوجود خانہ جنگیوں کے مہمات جہاد و فتوحات کا نمبر خلیفہ منصور و مہدی سے کم نہیں ہے۔

رشید میں جہاد کا جذبہ کم سنی سے تھا، خلیفہ ہونے پر ایک سال جہاد کرتا، اور دوسرے سال حج، اسکے دُرّاعہ[1] (روئی بھرا چوغہ) پر ایک جانب حاجی اور دوسری طرف غازی کا طراز تھا۔ اور ۱۶۳ھ سے مہمات صائفہ[2] شروع ہو گئیں۔

رشید کا عالم شباب تھا کہ خلیفہ مہدی نے اسکو قسطنطنیہ (مشرقی روم) پر جہاد کا حکم دیا چنانچہ جمادی الاول ۱۶۵ھ (یوم شنبہ ۲۱ جنوری ۷۸۲ء) میں ۹۵۷۹۳ کی جمعیت سے روانہ ہوا۔ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے، سپہ سالار کی شان سے فوج کے آگے

---

[1] جہشیاری صفحہ ۲۵۲۔ ایک روایت ہے کہ یہ طراز ٹوپی پر تھا۔
[2] صائفہ کی تعریف صفحات مابعد میں آتی ہے۔

آگے تھا' اور یحییٰ برمکی اتالیق ہمرکاب تھا۔ قسطنطنیہ میں اسوقت ملکہ ایرینی (ودیہ قسطنطین سادس از ۷۸۰ء لغایت ۷۹۰ء) اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے حکمراں تھی۔ جب رشید کو معلوم ہوا کہ رومیوں کی فوجی قوت زبردست ہے تو اس نے امیر البحر حمید بن معیوف کو حکم بھیجا کہ وہ شامی، مصری، اساطیل (بحری بیڑہ) سے قسطنطنیہ پر حملہ کرے۔ چنانچہ اس شہر پر خشکی وتری دونوں جانب سے حملہ کیا گیا' اور رشید نے قسطنطنیہ کی فصیلوں پر زبردست منجنیقیں نصب کرادیں اور گولہ باری شروع ہوئی۔ ملکہ نے شہر کی تباہی سے بدحواس ہوکر قیاصرۂ سابق کے اصول پر صلح کا پیغام دیا۔ اور یحییٰ برمکی کے سفارش پر نوے ہزار دینار سالانہ پر صلح ہوگئی اور طے پایا کہ یہ رقم جزیہ دو قسطوں میں براہ راست داخل خزانہ بغداد ہوگی۔

اس جہاد میں مال غنیمت کی وہ افراط ہوئی کہ گھوڑا چار چار آنہ میں نیلام ہوگیا۔ اور ۵۴ ہزار رومی قتل ہوئے اور امیر البحر نے جزیرہ قبرص سے ۱۶ ہزار عیسائی گرفتار کیے۔

اس مہم میں ۱۹۴۴۵۰ دینار اور ۱۸۱۴۸۰۰ درہم صرف ہوئے۔ فتوحات کے بعد جب اسلامی لشکر بغداد روانہ ہوا تو شرائط صلح کے مطابق ملکہ ایرینی نے اپنی سرحد تک فوج کو رسد پہنچائی اور سفیر روم جزیہ لیکر فوج کے ہمراہ بغداد تک آیا۔ ادائے رقم کے بعد عیسائی قیدی رہا کردیے گئے۔ اور سرحد کی حفاظت کے لئے رشید نے طرسوس، مصیصہ اور مرعش نئے شہر آباد کرائے[1]۔

۴ **قیصر نقفور کی معاہدہ شکنی** ملکہ ایرینی کی معزولی پر، قیصر نقفور (نیک فورس یا نائس فورس) حکمراں ہوا۔ اس نوجوان کی حکومت تو عظیم الشان تھی مگر خود مدبر نہ تھا' لہذا مشیران دولت کے مشورہ سے ۱۸۷ھ / ۸۰۲ء میں ہرون الرشید کو حسب ذیل خط لکھا۔

من نقفور ملک الروم الی ہرون — نقفور شاہ روم کی طرف سے ہرون

---

[1] تفصیل کے لئے تاریخ روم گبن، ابو الفرج ملطی، جہشیاری، ابو الفدا جلد ۲ کامل اثیر جلد ۶۔ الخمیس اور توفیقات احمد مختار پاشا ملاحظہ ہوں۔

ملك العرب، امّا بعد! فان الملكة التي كانت قبلي، اقامتك مقام الرخ واقامت نفسها مقام البيدق، فحملت اليك من اموالها احمالاً وذلك لضعف النساء وحمقهن فاذا قرأت كتابي فاردد ما حصل قبلك من اموالها والّا فالسيف بيني وبينك۔"

فرمانروائے عرب کے نام۔ وہ ملکہ جو مجھ سے قبل حکمراں تھی اس نے تجھ کو (ملکی بساط پر) رُخ کی جگہ رکھا اور خود پیدل کی جگہ رہی اور اپنی دولت کا کثیر حصہ تجھ کو بھیج دیا۔ یہ عورتوں کی کمزوری اور حماقت تھی، لہٰذا میرا خط پڑھتے ہی وہ تمام مال جو اسکے پہلے بغداد جاچکا ہے واپس کردو ورنہ فریقین میں "تلوار فیصلہ کرے گی"۔

خط پڑھتے ہی رشید غضبناک ہوگیا۔ ندیم دربار سے اُٹھ گئے اور کسی کو خلیفہ سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوئی اور رشید نے اسی وقت قلمدان منگا کر خط کے پشت پر، اپنے قلم سے حسب ذیل جواب لکھکر سفیر کے حوالہ کیا جس کے ایک ایک جملہ سے شوکت اسلام نمایاں ہے۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم۔

من هرون امير المومنين الي نقفور كلب الروم، قد قرأت كتابك يا ابن الكافرة والجواب ماتراه دون ان تسمعه؛

یہ خط امیر المومنین، ہرون الرشید کی طرف سے نقفور (سگ رومی) کے نام ہے۔ او! کافرہ کے بچے! میں نے تیرا خط پڑھا، اسکا جواب تو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ سُننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کارروائی کے بعد ہی سپہ سالار کو تیاری لشکر کا حکم دیا۔ اور ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج نظام (متطوعہ یا والنٹیر جداگانہ تھے) کے ساتھ روم کو روانہ ہوگیا۔ یہ واقعہ محرم ۱۸۷ھ ۸۰۲ء کا ہے۔ اور ڈبل منزلیں طے کرتا ہوا ہرکلی (ہرقلہ) تک پہنچ گیا، اور جنگی کارروائی شروع

ہوگئی۔ جب دار الحکومت تباہ و برباد ہوگیا تب نقفور کو ہوش آیا۔ معافی چاہی اور شرائط سابقہ پر صلحنامہ مرتب ہوگیا۔

دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہر رومی باشندہ ایک دینار جزیہ سالانہ ادا کریگا۔ چنانچہ تکمیل معاہدہ کے بعد رشید واپس آیا۔ رقہ (عراق عرب) تک پہنچا تھا کہ نقفور نے اس معاہدہ کو بھی شکست کر دیا۔ اور سرکشی شروع کی، جب یہ خبر لشکر میں پہنچی تو مشیران دولت نے واقعہ کی اطلاع کرنا مناسب نہ سمجھی، لیکن ایک امیر کے اشارہ سے ابو محمد عبد اللہ بن یوسف مکی شاعر نے ایک قطعہ میں جملہ واقعات لکھکر پیش کر دیئے۔ یہ ایک طویل نظم ہے لیکن اکثر مورخین[1] نے یہ دو شعر نقل کیئے ہیں۔

نقض الذی اعطیتہ نقفور	امیر المومنین سے جو معاہدہ نقفور نے کیا
فعلیہ دائرۃ البوار تدور	اس کو توڑ ڈالا (جس کا نتیجہ یہ ہے) کہ اس پر مصیبتیں چھا رہی ہیں۔
ابشر امیر المومنین فانہ	امیر المومنین کو یہ خوش خبری سنادو کہ نقفور
فتح آتاک بہ الالہ کبیر	کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی ہو وہ خدا داد ہے۔

یہ قطعہ سُن کر رشید نے حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کا منشاء سمجھ لیا ہے اور اسی وقت رقہ سے روم کو واپس گیا۔ نقفور کو معاہدہ شکنی کی یہ جرأت اس بنا پر ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں سرحد روم پر شدت سے برفباری ہو رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اسلامی لشکر ایسے موسم میں حملہ آور نہیں ہوسکتا ہے اور نیز قیصر کا دشمن شاہ فرانس ولمبارڈیہ (شارلیمین) جو قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا وہ قیصر سے دوستانہ معاہدہ کر چکا تھا بہر حال قیصر مطمئن تھا کہ رشید ہرقلہ پہنچ گیا۔ اور خاص قیصر کے محل پر جا کر دم لیا۔ ابو العتاہیہ نے تفا دلاً حسب ذیل اشعار رشید کو سنائے۔

[1] جہشیاری ذاتعات جہاد روم۔ ۱۲

الا نادت هرقلة بالخراب
من الملك الموفق بالصواب
غدا هارون یرعد بالمنایا
ویرقب بالمذکرة القضاب
ورایات یحل النصر فیها
تمر کانها قطع السحاب
امیر المومنین ظفرت فاسلم
وابشر بالغنیمة والایاب

ہاں! امیر المومنین کے ہاتھوں (جسکو خدا کی طرف سے بھلائی کی توفیق دی گئی ہے) ہرقلہ چیخ اُٹھا کل ہرون کے ساتھ موتیں گرج تڑپ رہی تھیں جبکہ وہ تلوار لیکر گھات میں بیٹھا تھا۔
جھنڈے جو فتح کے حامل تھے، اُن کے پھریرے ہوا میں بادل کے ٹکڑوں کی طرح اُڑ رہے تھے
امیر المومنین زندہ باد! خدا نے تجھ کو فتحمند کیا اب اپسی اور مال غنیمت پر مبارکباد پیش کیجاتی ہے۔

قیصر نے مجبور ہوکر پھر نہایت عاجزی سے صلح کی درخواست کی اور ارکان فوج کی سفارش پر صلح ہوگئی۔ اور اس مرتبہ معاہدہ میں یہ شرط لکھی گئی کہ اب ہرقلہ کبھی آباد نہیں کیا جائے گا

(اسلامی قوت ملاحظہ ہو)

یہ وہ غیر معمولی فتح تھی جس کی نظیر گزشتہ تاریخ میں نہ تھی، اور مورخین کو تسلیم کرنا پڑا کہ رشید سیف و قلم دونوں کا مالک ہے۔ نقفور کا ۱۸۱ھ میں انتقال ہوگیا لیکن اس کا جانشین فرمانبردار رہا۔ اور رقم معینہ جزیہ سالانہ داخل بیت المال ہوتی رہی۔ چنانچہ مروان شاعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وکل ملوك الروم اعطاه جزیة   علی الرغم قسرا عن ید وهو صاغر

۵۔ ہرون الرشید کی سیاست ملکی

رشید کی عہد خلافت میں سب سے بڑی سلطنت روم کی تھی۔ جو باج گزار تھی۔ اور قیصر دوستانہ تعلقات بڑھانے کی ہر وقت کوشش کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کی اخیر کوشش یہ تھی کہ رشید کو ملک گیری کے طمع سے ہموار کرکے خلافت اندلس پر حملہ کیا جائے اور ملک مفتوحہ

دو حصّوں پر تقسیم کر لیا جائے۔ لیکن رشید نے اس تجویز پر عمل نہیں کیا۔ اور قیصر در پردہ رشید کا مخالف ہو گیا۔ رشید کو بھی قیصر کی جانب سے حملہ کا ہر وقت خوف رہتا تھا۔ اس مصلحت سے رشید نے الجزیرہ اور قنسرین کا علاقہ متحد کر کے اس مجموعہ کا نام عواصم رکھا، گویا یہ سرحدی صوبہ (عاصمہ) مسلمانوں کا محافظ تھا۔

اس صوبہ کا قاعدہ، شہر منبج کو قرار دیا تھا، اور سرحد پر یہ زبردست چھاؤنی تھی۔ اور قیصر کی مداخلت کے خیال سے عواصم میں انطاکیہ اور طرطوس کے مشہور شہر بھی داخل کر لئے گئے تھے۔

ان مہمات کے قبل رشید ہی کے زمانہ میں عبدالملک بن صالح عباسی بہ سلسلہ صوائف[1] انقرہ (انگورہ) تک پہنچ گیا تھا اور ملکہ ایرینی کے زمانہ میں رشید کا بیٹا قاسم، عواصم کا گورنر تھا اور مادی ترقی کا یہی وہ دور تھا جس کو مورخین یورپ نے عہد زریں کا خطاب دیا ہے۔

اس عہد میں ہند، سندھ، آرمینیہ، کرمان، فارس، خراسان، مصر، شام، عراق، اور ماوراء النہر، حجاز اور ایشیائے کوچک سے خراج وجزیہ وصول ہو کر داخل خزانہ ہوتا تھا۔ اور دنیائے اسلام میں دولت عباسیہ، سب سے بڑی حکومت تھی۔

مورخین نے سیاست میں، رشید کو دوسرا ابو جعفر منصور تسلیم کیا ہے، اس نے قدیم منضبط جاگیرات کو واگزار کیا۔ مالیہ میں تخفیف کی اور جاں نثاروں کو خدمات کا صلہ دیا۔ آلِ مہلب کو والی بنایا، اور بعض والیوں کو موروثی حقوق عطا کئے (مثلاً آلِ غالب افریقہ) البتہ سادات کرام سے عدل نہیں کیا۔ امام موسیٰ بن جعفر کو جیل میں قتل کیا۔ اور شہرت دی گئی کہ طبعی موت سے فوت ہوئے ہیں اور جنازہ کے ساتھ باب لتین تک گیا۔ یہ سختیاں اس لئے تھیں کہ اہل بیت بنی اُمیہ کا عوض رشید سے لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ مورخین نے رشید کے اس طرزِ عمل

[1] جو علاقے برفستانی تھے، ان میں جرمانہ گرما (صیف) جہاد کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان مہمات کا نام صوائف تھا اور سپہ سالار امیر الصائفہ کہلاتا تھا۔ تاریخ اسلام کی یہ ایک اصطلاح ہے۔

کو بقائے حکومت کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ جب خراسان کا دورہ کیا تو مترجم ہمراہ (رشید فارسی نہیں جانتا تھا) تھے۔ تہذیب دفاتر بھی ایرانی اصول پر تھی، رعایا کو مساوی حقوق دیئے گئے تھے اور ذمی رعایا (غیر مسلم) خاص معاہدہ کی پابند تھی، انصاف کے لئے آزاد عدالتیں قائم تھیں ہر شخص براہ راست قاضی اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تک پہنچ جاتا تھا۔

وصول مالگزاری میں رشید بلاشبہ بہت سخت تھا۔ بقایا کی رقم ذریعہ قرقی وضبطی جائداد وسزائے جیل، عمال ووالیان صوبہ سے بیباق کرائی جاتی تھی۔

بغداد کی حفاظت کا خاص اہتمام تھا، علاوہ فوج نظام کے چوکیدار اور افسران شرطہ (پولیس) شہر میں گشت کیا کرتے تھے۔ مخفی خبروں کے لئے جاسوس جداگانہ تھے۔ جنگی رپورٹیں سربمہر آتی تھیں مسرور الکبیر اس صیغہ کا افسر تھا۔ رشید کے فوت ہونے پر سیکڑوں لفافے برآمد ہوئے جنکی مہریں بھی نہیں ٹوٹی تھیں۔ علاوہ بریں رات کو سوداگروں اور ملاحوں کا روپ بھر کر جعفر برمکی اور مسرور کی ہمراہ گلیوں میں پھرا کرتا تھا۔ اور اس طریقہ سے سیکڑوں مخفی جرائم کا انکشاف ہوتا تھا[۱]۔

۶۔ خراج سلطنت فوج واسلحہ اور ادر کی تعداد

گورنمنٹوں کے خراج اور مالیہ کا اندازہ حدود مملکت اور تجارت سے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رشید جن ممالک کا فرمانروا تھا اسکی حدیں ہند اور فرغانہ (ترکستان) سے بحر[۲] اوقیانوس تک تھیں۔

---

[۱] جہشیاری، الفخری کامل، ابن خلدون۔ [۲] دنیا میں سمندروں کا جسقدر جال پھیلا ہوا ہے وہ ایکدوسرے سے جُدا نہیں ہے بلکہ یہ سب مشترکہ حیثیت سے متحد ہیں، اور مختلف امصار و دیار میں پہنچکر انھیں ناموں سے مشہور ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ہند، چین، فارس، حبش، روم وشام کا بحری سلسلہ ایک ہی جو کرہ ارضی کو محیط ہی چنانچہ منجملہ ان سمندروں کے ایک کا نام اوقیانوس ہے۔ یہ یونانی نام ہے جسکو عرب بحر المحیط یا بحر ظلمات کہتے ہیں جہازراں اس سمندر کے کنارے کنارے جہاز چلاتے تھے۔ اس سمندر کے مشہور شاخیں بحر ہند، بحر چین، بحر احمر (ریڈ سی) بحر فارس ہیں۔ بصرہ، عباداں، سیراف، کرمان، بحرین، جزیرہ کیش (قیس)، ویبل (ٹھٹھہ) زنج سراندیپ کا تعلق بحر فارس سے ہے۔ اور یونانیوں نے بحر محیط کے مغربی حصہ کا نام اوقیانوس رکھا تھا (باقی صفحہ ۶۱۷ پر)

اور باستثنائے اسپین بقیہ کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی۔ یورپ جس پر ناز کرتا تھا وہ روم کا ملک تھا جسکے قیصر باج گزار تھے۔

علامہ ابن خلدون نے عہد رشیدی کا خراج بحساب قنطار (ایک قنطار برابر ہے اٹھائیس ہزار چار سو دینار کے) سات ہزار پانسو قرار دیا ہے۔ لیکن جو نقشہ محاصل البرامکہ میں نقل کیا گیا ہے اس کے حساب سے سکہ انگریزی میں بارہ کرور اناسی لاکھ اٹھائیس ہزار روپیہ کی آمدنی تھی جو اس عہد میں کسی فرمانروا کی نہ تھی۔ غلہ، ملکی مصنوعات، خشک وتر میوے، عرقیات (گلاب وغیرہ) اور فوج کے گھوڑوں کے لئے گھانس بھی بلاقیمت آتی تھی، اوران اشیاء کی بھی قیمت لاکھوں روپیہ تھی۔ ملک محروسہ کا بندوبست، قاضی القضاۃ ابو یوسف انصاری کے مشورہ سے ہوا تھا۔ چنانچہ مدات خراج کی تفصیل قاضی صاحب کی کتاب الخراج میں موجود ہے۔ دنیائے اسلام میں یہ پہلا قانون مالگذاری ہے۔ ملکی رسم ورواج کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاضی صاحب نے تشخیص جمع میں قرآن حدیث اور فقہ سے بھی کام لیا ہے اور ذاتی اجتہاد سے بھی۔ چنانچہ ایسے مواقع پر قاضی صاحب کے تبحر علمی، ذہن وفراست اور سیاسیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ بیت المال میں جسقدر خراج آتا تھا انمیں کوئی ناجائز نہ تھی (ازقسم مسکرات وغیرہ)

فوج نظام کی تعداد چار لاکھ تھی (سوار و پیادے) جو انتظاماً کافی تھی کیونکہ اس عہد کا ہر مسلمان پیدائشی سپاہی تھا۔ اور ضرورت کے وقت لاکھوں والنیٹر (منطوعہ) جمع ہوجاتے تھے۔ جن کو صرف سواری اور اسلحہ دیئے جاتے تھے اور مال غنیمت سے ایک حصہ جداگانہ ملتا تھا۔

(بقیہ نوٹ) جسکے ساحل پر مراکش اور اندلس آباد ہیں اور اسی حصہ میں جزائر خالدات تھے جسکو مرکز مان کر عربوں نے طول البلد اور عرض البلد کا حساب لگایا تھا اور یہ سلسلہ خط استوا تک ہے۔ بعد ازاں مشرق میں کوہ قمر (منبع دریائے نیل مصر) کے عقب سے نکلکر افریقہ میں بہتا ہے اور مشرق شمال میں بحر چین اور بحر ہند سے ملجاتا ہے۔ اور مغرب میں اس سمندر سے بحر الروم نکلا ہے جسکا عرض بارہ میل ہے، اور مشرق میں یہ چھ سو میل تک وسیع ہے، اسکے ساحل پر ملک شام (سیریا) کی آبادیاں ہیں اور پھر حبش سے بحر اخضر نکلا ہے۔ یہ حصہ سندھ اور یمن (احقاف) کے مابین ہے جو جانب شمال بصرہ کے ساحل ابلہ پر ۴۰۰ فرسخ چلکر ختم ہوجاتا ہے اور اب اسکا نام بحر فارس ہوجاتا ہے جسکے مشرقی ساحل پر سندھ، مکران، کرمان اور فارس واقع ہیں۔ جسکے بجھم بحرین، یمامہ عمان، اور شحر کا علاقہ ہے جسکے درمیان جزیرۃ العرب ہے۔ ملاحظہ ہو تقویم البلدان ابوالفدا و مقدمہ ابن خلدون۔

رشید کی رحلت پر جب مامون الرشید نے بغداد کے خزانۃ السلام (میگزین) کا جائزہ لیا تو حسب[1] ذیل اسلحہ موجود تھے۔ اور یہ تعداد علاوہ ان اسلحہ کے ہے جو فوج کے قبضہ میں تھے

١۔ مطلا و مذہب تلواریں	دس ہزار
٢۔ نیزے	ایک لاکھ پچاس ہزار
٣۔ مطلا زرہیں	ایک ہزار
٤۔ خُود	بیس ہزار
٥۔ ڈھال (غلاموں کے لئے)	ڈیڑھ لاکھ
٦۔ کمانیں	ایک لاکھ
٧۔ عام زرہیں	ایک ہزار
٨۔ جوشن	بیس ہزار
٩۔ مطلا زین	چار ہزار
١٠۔ عام قسم کے زین	تیس ہزار

رسالے، پلٹن اور توپ خانوں کے علاوہ[2] اساطیل (بحری بیڑے) کا اہتمام جداگانہ تھا۔

---

[1] شمار الاوراق بالائے حاشیۂ مستطرف جلد اول مطبوعہ مصر ۱۲

[2] عربوں میں تجارت کے ساتھ جہازرانی بھی عالم وجود میں آئی اور ان کی تجارت ہند، چین، شام و روم وغیرہ میں دو ہزار برس قبل مسیح سے ثابت ہے۔ اور یہ سلسلہ عہد جاہلیت سے اسلام تک جاری رہا۔ عربوں کی جہازرانی پر کلام شعرائے عرب لغات، اور نیز آیات قرآنی سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ مال تجارت کی درآمد برآمد کے لئے ابتدا میں عربوں کے پاس چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں، پھر رومیوں کی تقلید میں بڑے جہاز بنائے گئے اور جب خدا نے انکو سلطنت بخشی تو فوجی ضرورت سے بحری بیڑہ قائم کیا۔ جس کا نام اسطول (جمع اساطیل) تھا۔ یہ لفظ یونانی سے عربی میں آیا ہے، مسلمانوں کا بحری بیڑہ عہد خلافت فاروقی میں قائم ہوا۔ اور علاء بن حضرمی عامل بحرین نے اول مرتبہ اس کو فارس روانہ کیا جو طوفان میں تباہ ہو گیا یہ بیڑہ گشت کے طور پر ہندوستان میں تھانہ (علاقہ بمبئی براہ خلیج فارس تک آیا تھا۔ مصر و شام کے ممالک سمندر کے کنارے آباد تھے، اس ضرورت سے امیر معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی منظوری سے شام میں بحری بیڑہ بنایا، لیکن

۷۔ تجارت و زراعت	قبائل حجاز (مکہ، مدینہ، یمن) عہد جاہلیت سے تجارت پیشہ تھے۔ لیکن جب دیار عرب میں اسلام پھیل گیا اور خلافت راشدہ میں فتوحات کی کثرت ہوئی تو

مسلمانوں میں مال غنیمت سے دولتمندی کا آغاز ہوا۔ اور تجارت تدریجاً بڑھتی گئی۔ اور سیکڑوں قبائل دیہاتی زندگی (بدویّت) ترک کر کے شہروں میں آباد ہو گئے اور ملکی امن وامان کے طفیل جب ملک محروسہ میں عموماً پختہ سڑکیں بن گئیں تو تجارت کو عروج ہوا۔

ہرون الرشید کے عہد میں بغداد تجارت کی سب سے بڑی منڈی تھی۔ اور عراق کا صوبہ کلکتہ و بمبئی بنا ہوا تھا۔ خشکی کے علاوہ دجلہ اور فرات سے کشتیوں کی آمد و رفت جاری تھی اور علاوہ بغداد کے حسب ذیل[1] تجارتی منڈیاں تھیں، جہاں مال کا درآمد برآمد ہوتا تھا۔

۱۔ ہندوستان	خلیج فارس اور بحر ہند کے ڈانڈے عرب سے ملے ہوئے تھے۔ اس لئے ہر قسم کے مسالے، ظروف، روئی، ناریل، قسط، کبابہ، کافور، ہاتھی اور دوسری چیزیں ہند سے عراق تک جاتی تھیں اور سندھ کا صوبہ زیادہ کامیاب تھا پھر عراق سے روم وشام تک ذریعہ قافلہ مال جاتا تھا۔
۲۔ کشمیر	قیمتی شال، بنفشہ، اور زعفران۔
۳۔ سراندیپ	یاقوت والماس

(بقیہ نوٹ صفحہ ٦١٨) دربار خلافت سے یہ حکم ہوا کہ مجاہدین پر جبر نہ کیا جائے جو خوشی سے ان جہازوں پر سوار ہو جا سکتا ہے عبداللہ بن ابی سرح نے قسطنطین بن ہرقل پر جو حملہ کیا تھا اسمیں دو سو جہاز تھے اور رومی اسطول میں تین ہزار کشتیاں تھیں۔ عبدالملک اموی نے ٹونس اور عکہ میں دار الصناعہ (کارخانہ جہاز سازی) قائم کیا تھا۔ عہد مامون الرشید تک یہ کارخانہ موجود تھا۔ آتش باری (ذریعہ نفط۔ ایک قسم کی بارود) چھوٹے چھوٹے جہازات سے کی جاتی تھی جس کا نام حراقہ تھا۔ طولون مصر کے عہد میں دمیاط اور اسکندریہ بحری مرکز تھے جسمیں چھ سو جہاز موجود تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں اساطیل کا مرکز قیوم تھا۔ مقس اور روضہ میں بھی دار الصناعہ تھے۔ اندلس میں امیر عبدالرحمٰن ناصر کی عہد میں بحری بیڑہ عروج پر تھا۔ تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون باب قیادۃ الاساطیل بلاذری۔ اور ان حکومتوں کی تاریخیں ملاحظہ ہوں

[1] عقد الفرید، قزوینی، مسعودی، ابن خرداذبہ، مقریزی، مقدمہ خلدون، آغانی مختلف جلدیں۔

۴،۵،۶- اصفہان، شیراز، یزد	یہ ایران کے دساور تھے۔ دیگر پیداوار کے علاوہ شراب بھی بکثرت باہر جاتی تھی۔
۷- خراسان	لوہا اور لوہے کا سامان، خراسان سے دور دراز ممالک میں جاتا تھا۔
۸- کرمان	یہ قلعی اور رصاص (رانگا) کی منڈی تھی۔
۹- فارس	اسلحہ، زیورات، قیمتی فرنیچر، خصوصاً ریشمی پردے۔
۱۰- چین	عود، مشک، زعفران، خوبصورت بلّیاں، گرد انداز، چرمی ساز، دار چینی، خولنجان، ظروف، ایک قسم کی لزج مٹی (چپکنے والی جس سے مہر لگائی جاتی تھی)
۱۱- جزائر وقواق قدیم یا جاپان	طلا۔ آبنوس
۱۲- یمن	عطریات، بیش قیمت سادہ و پھولدار چادریں
۱۳- بحر عربی	مونگا۔
۱۴- ایشیائے کوچک	مصطگی، متفرق قسم کے چمڑے۔ لونڈی غلام
۱۵- عیذاب	موتیوں کا ذخیرہ
۱۶- شام	اسلحہ، خصوصاً دمشق کی تلوار، فواکہات، لوہا (جبل لبنان سے)
۱۷- روس	مختلف قسم کے سمور، خصوصاً سرخ رنگ[1]

یہ مال (نمبر ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷) براہ شام یا جرجان بغداد آتا تھا۔ اور بغداد سے براہ اصفہان الجزیرہ اور نصیبین تک پہنچتا تھا۔ یہ مشرقی تجارت تھی اور ممالک مغرب کا مال بُعدِ مسافت کی وجہ سے عراق تک آنا دشوار تھا۔ اس بنا پر رشید نے قدیم نہر سویس (سوئز) کا اجرا تجویز

---

[1] روس کے علاقہ میں سرخ لومڑیاں ہوتی ہیں جن کا سمور قیمتی ہوتا ہے۔ مولانا نظامی کا قول ہے ؎

شنیدم کہ روباہ رنگیں بروس — خود آرائے باشد چو زیبا عروس

جس زمانہ میں تیز ہوا چلتی ہے تو یہ اپنے بھٹے سے محض بالوں کی حفاظت کے لئے باہر نہیں جاتی ہے۔

کیا تھا۔ اگر یہ نہر جاری ہوجاتی تو مغرب سے عمان اور وہاں سے سیراف، پھر فارس اور اطراف عراق تک اور خاص کر بحر روم[1] کے سواحل تک مال کی درآمد برآمد جاری ہوجاتی، لیکن یحییٰ برمکی نے اس تجویز سے سخت مخالفت کی اور عرض کیا اگر یہ دریائی راستہ جاری ہوگیا تو رومی (براہ جدہ) حرمین تک دخیل ہوجائینگی۔ اس کے بعد جعفر برمکی نے تائید مزید میں بیان کیا کہ "اس نہر کا اجراء اسلام میں ایک قسم کی رخنہ اندازی ہے۔ اور اگر خلفائے سلف نے یہ نہر جاری کی ہوتی تو آج امیر المومنین کو بند کرنا پڑتی، اور سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ بحر قلزم کی سطح آب بحر روم سے تین ۳۰ فٹ بلند ہے' اس لئے اگر نہر جاری ہوئی تو ارض مصر، عیذاب، نوبہ، سواحل یمن اور حجاز تک ڈوب جائیگا۔"

یہ بحث سُنکر رشید خاموش رہا اور نہر سوئز کی تجویز ملتوی رہی۔ لیکن یہ عزت قدرت کی طرف سے لسپ فرانسیسی انجنیر کے لئے مقرر تھی اور اس کے دلائل اسقدر زبردست تھے کہ یہ تجویز منظور ہوگئی اور تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ باستثنائے سطح بحر لوط (ڈیڈ سی) دونوں سمندروں کی سطح مساوی ہے اور اجرائے نہر سے کوئی حصہ ملک کا برباد نہ ہوگا' لہٰذا مشترکہ سرمایہ سے ۱۸۳۱ء میں کام جاری ہوا اور ۱۶ / نومبر ۱۸۶۹ء کو "آب رفتہ بجو آمد" اور عظیم الشان جشن کے بعد نہر کا افتتاح[2] ہوا۔

---

[1] افریقہ، ٹونس، طرابلس، اندلس، مغرب وجنوب اور سواحل صقلیہ وشمالی یورپ سواحل روم وشام جانب مشرق مصر۔

[2] زمانہ قدیم میں اسکندریہ سے قاہرہ تک (ذریعہ نیل) جہاز آتے تھے اور پھر یہ تبدیل راستے بحر قلزم تک چلتے تھے۔ عمرو بن العاص نے ۲۱ھ میں قدیم نہر کو صاف کرایا تھا۔ اور راستہ میں کچھ ترمیم کردی تھی' زمانہ قحط میں اسی راستہ سے مکہ معظمہ غلہ جاتا تھا۔ ۱۴۵ھ میں منصور عباسی نے سادات کے حملوں کے خوف سے یہ نہر بند کرادی تھی۔ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصر نے اپنے عہد میں یہ نہر جاری کرائی جو قریب زمانہ تک رواں تھی۔ موجودہ نہر ۱۵۰ گز چوڑی اور ۴۰ گز عمیق ہے۔ نپولین نے بھی نہر کو جاری کرنا چاہا تھا لیکن قلت سرمایہ کی سبب سے یہ تجویز ملتوی رہی اور بعد میں مشترکہ سرمایہ سے جاری ہوگئی۔ جس میں سالانہ سیکڑوں جہاز آتے جاتے ہیں۔

عہد رشیدی میں ترقی تجارت کا راز بغداد کا محل وقوع ہے یہ ایسی جگہ آباد تھا، جس کے چاروں طرف تجارت کے راستے کھلے ہوئے تھے اور اس لحاظ سے بغداد، شہر دمشق کا مماثل تھا۔ بغداد کی تجارت بڑے پیمانہ پر دولتمندوں کے ہاتھ میں تھی اور کثرت مردم شماری سے غرباء اور متوسط طبقہ میں سرمایہ کی قلت تھی اس لئے صرافہ یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور عموماً شہری کاروبار کے لئے یہودی ساہوکاروں سے قرض لیتے تھے۔ جو اخیر سال پر مدیون سے مع اصل وسود دوچند وصول کرتے تھے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔ یہ مہاجن "جہبذ" کہلاتے تھے، انکی کوٹھیاں (دوکان) ہر بڑے شہر میں موجود تھیں فرمانروائے وقت اور عمال اور والیان ملک بھی ضرورت کے وقت جہابذ سے قرض لیتے تھے۔

غلہ کی تجارت بھی اس عہد میں ترقی پر تھی اس لئے دوکانداروں نے اوزان (باٹ) میں کمی وبیشی کر دی تھی۔ چنانچہ اس ضرورت سے محکمہ احتساب قائم ہوا۔ اور جانچ پڑتال کے لئے محتسب (انسپکٹر گشتی) مقرر ہوئے جنکے ہاتھوں میں درہ ہوتا تھا۔ اور وہ اپنی ذاتی اختیار سے مجرموں کو سزا دیتے تھے۔ اس انتظام کے بعد غلہ کی تجارت میں ترقی ہوگی۔ اور محکمہ احتساب کی سفارش سے احتکار (گوداموں میں غلہ بھر کر رکھنا اور گرانی کے زمانہ میں فروخت کرنا) کا بھی طریقہ بند کیا گیا۔ جس سے غرباء کو بہت نفع ہوا۔ دولت مغلیہ کے زمانہ تک ہندوستان میں بھی محکمہ احتساب قائم تھا۔ انکے دُرّے ہنوز قدیم خاندانوں میں موجود ہیں۔

عہد رشیدی میں اوزان کا تو بندوبست ہو گیا تھا، لیکن ایرانی، رومی اور یمنی سکے جو مختلف وزن اور قیمت کے تھے اقتصادی مجبوریوں سے بدستور جاری رہی۔ اور اسمیں بھی صرافوں کا نفع تھا۔ (تبادلہ پر بٹہ میں کافی منافع لیتے تھے)

اس عہد کے بعض سکّے والیان ملک کے نام سے بھی جاری تھے مثلاً خالدیہ، یوسفیہ، ہبیریہ (یہ عہد امیہ کے خالص درہم تھے) انکے علاوہ ایرانی سکہ بغلی اور طبری بھی رواں تھا۔ اموی اور عباسی دور کے تعداد خراج میں جو اختلاف ہے وہ نقرئی وطلائی سکوں کے

وزن کی کمی وبیشی کی بناء پر ہے۔ مورخ گبن نے کامل تحقیقات کے بعد عموماً چار آنہ کا درہم[1] اور پانچ روپیہ کا دینار قرار دیا ہے۔ یہ سیدھا حساب ہے" اس شرح سے درہم ودینار کی تحویل روپیہ میں ہو سکتی ہے۔ اور البرامکہ میں بھی اسی معیار سے مالیہ کا اندراج کیا گیا ہے۔

---

[1] الفاظ درہم، دینار اور فلوس، عربی میں یونانی سے معرب کئے گئے ہیں۔ جنکی اصل Droohmg. (Folis Dinarius.) ہے۔ قدیم زمانہ میں جنس کے تبادلہ سے لین دین ہوتا تھا، اور دور تمدن میں سکہ جاری ہوا۔

قبل اسلام دیار عرب میں بھی کوئی خاص سکہ جاری نہ تھا۔ ملک کا جو حصہ جس حکومت سے محکومانہ یا تاجرانہ تعلق رکھتا تھا اس کا سکہ چلتا تھا۔ چنانچہ جنوبی عرب میں حمیری (یمنی) وسط عرب میں ساسانی اور شمالی حصہ میں رومی درہم ودینار جاری تھے۔

خلافت فاروقی (۱۸ھ) میں اسلامی سکہ جاری ہوا، نام اور صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی" صرف متبرک الفاظ کا اضافہ ہوا۔

عبداللہ بن زبیر (۶۴ھ) نے اپنے عارضی دور حکومت میں قسطنطنیہ سے سکے مسکوک کرائے (ایرانی ٹکسال بند ہو چکی تھی) عبدالملک اموی نے سکہ میں اپنی تصویر بھی منقش کرائی۔ جب یہ سکہ روم میں پہنچا تو قیصر جسٹی نین نے دھمکی دی کہ یہ سکہ بند کرو، قدیم سکے جاری رہیں گے لیکن عبدالملک نے کچھ سماعت نہ کی، تصویر کے علاوہ اس سکہ پر کلمۂ طیبہ بھی تھا۔ یہ رومی سکوں کا جواب تھا، جس پر صلیب کی تصویر تھی۔ ۱۰۵ھ میں سکہ پر ٹکسال کا نام بھی مضروب ہوا۔ ۱۲۸ھ میں ابومسلم خراسانی نے اپنے نام سے سکہ جاری کیا۔ اور ۱۳۲ھ میں سفاح عباسی خلیفہ اول نے سکہ جاری کیا، منصور عباسی نے اپنے نام کے ساتھ ولیعہد کا بھی نام بڑھایا۔ جعفر برمکی نے پھر اپنے نام سے سکہ جاری کیا تھا۔ انتخاب از مقریزی وغیرہ۔

۶۔ خلیفہ ہارون الرشید کی خانگی زندگی اور متفرق حالات

۱۔ بغداد عہد رشید میں

بغداد کی مفصل تاریخ لکھی جا چکی ہے، جسکی آبادی جدید تحقیقات کے مطابق بیس لاکھ تھی، موجودہ لندن کی طرح بغداد بھی چھوٹے بڑے چالیس حصوں میں تقسیم تھا۔ جسکے اندر براہ دجلہ (کشتیوں پر) اور سواریوں کے ذریعہ سے آمدرفت تھی۔ شہر کی گنجان آبادی دو فصیلوں کے اندر تھی، اوران کے مابین سڑکوں کا جال پھیلا ہوا تھا، سب سے بڑی سڑک (شارع الکبیر) چالیس گز چوڑی تھی، جب اُمراء خصوصاً برامکہ کی سواریاں نکلتی تھیں تو بازاروں میں آمدورفت بند ہو جاتی تھی۔ اور خواتین بالاخانوں سے جُلوس کی بہار دیکھا کرتی تھیں۔ ہر سواری کے ساتھ سوار، پیادوں اور غلاموں کا ہجوم ہوتا تھا۔ گھوڑوں کے ساز و یراق نقرئی تھے۔

مال تجارت کے لحاظ سے ہر بازار جداگانہ تھا۔ سیکڑوں دوکانیں ایک ہی قسم کے مال سے آباد تھیں۔

غلاموں کا بازار (سوق النخاس) علیحدہ تھا، جس میں ایشیا اور یورپ کے غلام اور کنیزیں فروخت ہوتی تھیں، اس بازار میں ۲۴ گھنٹہ لین دین جاری رہتا تھا، کنیزوں کی خریداری میں، حسن ظاہری کے علاوہ خریدار اُن کے اعضا کے بھی عیب وصواب دیکھتے تھے یہ کنیزیں عموماً تعلیم یافتہ ہوتی تھیں، اور اسقدر شوخ و فتنہ انگیز، کہ خریداروں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سودا کر لیتی تھیں، اور اپنے اوصاف برجستہ اشعار میں بیان کرتی تھیں کہ خریدار مجبور ہو جاتا تھا۔ اس بازار میں حبشیات، رومیات، جرجیات، شرکیسات (چرکس) اور عربیات کنیزیں فروخت ہوتی تھیں، المنیس مدینہ، طائف، یمامہ سب شامل تھے۔ کرخ کے بازار میں شاندار ہوٹل تھے، جن میں ہر وقت بہترین کھانا، شربت، لوزات، اور میوے

ملتے تھے۔ بعض ہوٹلوں میں موسیقی کا بھی اہتمام تھا۔ جہاں زندہ دل اصحاب کھانے کے بعد گانا سنتے تھے۔

بغداد کی مدح میں شعرائے عرب کا کلام آپ پڑھ چکے ہیں، اب سلمان ساوجی کے یہ مدحیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

اے قبلۂ سعادت و دے کعبۂ صفا — جائے خوشی و منیت نظیر تو ہیچ جا
ہر طاق از رواق تو چرخ زمین ثبات — ہر خشت از اساس تو جام جہاں نما
در ساحت تو مروحہ جنباں بود شمال — در مجلس تو مجمرہ گرداں بود صبا
چوں روضۂ بہشت، زمیں تو روح بخش — چوں چشمۂ حیات، ہوائے تو جاں فزا
بازار خور چو سایہ او سرد در تموز — پشت زمیں پشتی او گرم در شتا

بغداد سایہ بر سر آفاق ازاں فگند
کا فگند سایہ بر سر او سایۂ خدا

۲۔ حریم خلافت بغداد کے مغربی حصہ میں، حریم خلافت میلوں تک چلا گیا تھا، جسکے اندر قصر الخلد، قصر الذہب اور زبیدہ خاتون کا خاص محل قصر السلام واقع تھا۔ اور ہرون الرشید ان ہی محلوں میں رہتا تھا اور ہر محل مختلف دائروں میں تقسیم تھا، جن میں رشید کے بیٹے، بیٹیاں (مع خدام) الگ الگ رہتے تھے۔ جس طرح قسطنطنیہ میں قصر یلدز کی آبادی تھی بغداد کے جانب مشرق رصافہ اور برامکہ کے قصر و ایوان تھے۔ دونوں جانب آباد بازار، جامع مسجدیں اور حمامات تھے۔ اور ان عمارات کے دونوں طرف دجلہ رواں تھا، اور کوئی محل باغ سے خالی نہ تھا۔ اور ہر باغ میں سنگ مرمر کے حوض اور فوارے تھے۔

قصر خلافت میں سات سو خواجہ سرا، اور دو ہزار سے زائد غلام تھے جو ایرانی، رومی اور یونانی تھے۔ جن میں تین سو غلام سوڈانی تھے اور دو ہزار کنیزیں مختلف امصار و دیار کی تھیں۔ یہ جملہ خدام نچلے طبقہ میں رہتے تھے اور ہر ایک کے حجرے بلحاظ مدارج جداگانہ تھے اور

مسرور الکبیر ان سب پر افسر تھا۔ اور وہی ناظر حرم بھی تھا۔

کنیزوں میں جو خلیفہ کے شبستان عیش میں جا سکتی تھیں وہ چار سے زیادہ نہ تھیں۔ کسی غلام کا لباس سٹو دینار (پانسو روپیہ) سے کم نہ تھا اور سال میں کئی بار یہ خاصہ کے جوڑے ملتے تھے۔ کنیزوں کو ریشمی لباس کے ساتھ مرصع زیورات بھی عطا ہوتے تھے اور حکم تھا کہ یہ ہر وقت ریشمی مکلف لباس اور بناؤ سنگھار سے رہا کریں" کنیزوں کے جوڑے تین قسم کے تھے، سادہ، رنگین اور زرتار۔ لوازمات حسن میں سب سے دلکش عصائب تھے۔

رشید کی بہن عُلَیہ کی پیشانی، بہت چوڑی تھی، چنانچہ اس عیب پوشی کے لئے شاہزادی اپنی پیشانی پر چار انگل چوڑی حریر کی پٹی باندھے رہتی تھی، جس میں جواہرات ٹانکے جاتے تھے اس کا نام عصابہ تھا۔ چنانچہ یہ فیشن مقبول ہوا۔ اور کنیزوں کو بھی عصابہ کی اجازت مل گئی۔ اُنھوں نے یہ جدت کی کہ عصائب پر ریشم اور سنہرے تاروں سے مختصر عاشقانہ جملے اور اشعار مطرز (کاڑھنا) کرائے مثلاً من کان لہ کُنّا لہ (تم ہمارے ہو ہم تمھارے ہیں) اشعار کا یہ نمونہ تھا۔

الا باللہ قولوا یا رجال	لوگو! تم کو خدا کی قسم! یہ بتاؤ کہ میرے
آلشمس فی لعصابۃ ام ھلال	عصابہ میں آفتاب چمک رہا ہے یا ہلال،

۳۔ ایوانات کی آرائش

قصر و ایوان کی آرائش نہایت سلیقہ سے کی جاتی تھی نشست گاہ اور خواب گاہ کے کمروں میں طلائی نقش و نگار ہوتے تھے۔ بڑے طاقوں میں ایرانی ریشمی پردے لٹکائے جاتے تھے اور ان پر طلائی اور زریں تاروں سے اشعار کاڑھے جاتے تھے۔ یہ کارچوبی پردے اول عرب میں تیار ہوتے تھے لیکن خلیفہ عبدالملک کے حکم سے انکا بننا بند ہو گیا تھا۔

سلہ عقد الفرید، کنز المدفون سیوطی۔ کشکول۔ آغانی۔ ایران میں بھی عصائب کا دستور تھا۔

سلہ آغانی جلد ۵۔ الفخری، ابن اثیر، مقدمہ ابن خلدون۔

رنگین اور پھولدار قالینوں کا فرش تھا جن پر خوبصورت طیور کی تصویریں ہوتی تھیں یہ بھی ایران سے آتے تھے۔ چھوٹے طاقوں پر طلائی کوزے، نقشی پیالے، آئینے اور بلوری صراحیاں آرائش کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ ہر محل کے صحن اور باغات میں فوارے اچھلتے تھے، اور فواروں کے وسطی ستون پر درندوں اور چڑیوں کے بھتے تراشے جاتے تھے۔ اور سیپ کے حاشیہ پر بیل بوٹے ہوتے تھے جن پر سورج کی روشنی میں نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ ایوان میں عموماً فرش پر نشست ہوتی تھی اور مسندیں حریر و دیبا کی تیار کی جاتی تھیں۔ رشید مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھتا تھا، اور دائیں ران کے نیچے ایک چھوٹا تکیہ ہوتا تھا۔ مشائخ عباسیہ برامکہ اور قاضی ابو یوسف بھی مسندوں پر بیٹھتے تھے۔ قالین کے علاوہ طبریہ کے فرش تھے جن کی بناوٹ میں اشعار ہوتے تھے۔

۴۔ قدیم اشیاء نوادرات

ہرون الرشید کو قدیم ظروف، اسلحہ اور کپڑے وغیرہ کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ محل کے ایک کمرہ میں یہ نمائشی سامان جمع تھا۔ ایک صندوقچہ میں خلفائے راشدین اور بنو امیہ کی انگوٹھیاں اور مُہریں بھی محفوظ تھیں۔ بنو امیہ کا توشک خانہ مال غنیمت میں آیا تھا جس کی تصدیق اصمعی کی اس روایت سے ہوتی ہے ایک دن اصمعی ہرون الرشید کے ہمراہ کھانے پر تھا کہ بر سبیل تذکرہ بیان کیا کہ سلیمان بن عبدالملک اموی بڑا پُرخور تھا، اور بے صبری سے کھانوں پر ہاتھ ڈالتا تھا۔ گرما گرم بھنے ہوئے گوشت کی بوٹیاں اور دل، گُردے آستین سے پکڑ کر کھانا شروع کرتا تھا۔ یہ سُن کر رشید کو تعجب ہوا، اور اسی وقت توشک خانہ سے سلیمان کا چوغہ نکلوایا تو آستین پر چکنائی کے داغ اور دامن پر شراب کے دھبے موجود تھے۔[۲]

---

[۱] عقد الفرید، مسعودی، مقریزی، الخمیس ابن خلکان، ۱۲۔ [۲] تاریخ میں سلیمان کے متعدد واقعات ہیں (۹۷ھ) میں بہ تقریب حج مدینہ طیبہ گیا۔ اُمراء کے دعوت کے لئے چوراسی دُنبے ذبح ہوئے، چنانچہ دعوت سے قبل کُل گُردے نوش جان کئے۔ اور ایک دوسری دعوت میں ایک دنبہ، چھ مُرغیاں مع چپاتیاں اور ایکسو ستر انار کھائے۔ غذا کی طرح لباس کا بھی شائق تھا، بحالت سفر توشک خانہ کے لئے سات سو اونٹ درکار ہوتے تھے۔"

۵۔ ہٰرون الرشید کے کھانے کا کمرہ اور آداب طعام

حریم خلافت میں سیکڑوں ایوان تھے اور ہر ضرورت کے لئے جُداگانہ کمرے مخصوص تھے۔ چنانچہ کھانے کا کمرہ (ڈائننگ ہال) بھی خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا اس کا فرش سبز مرمر کا تھا۔ اور دیواروں پر زرتار پردے آویزاں تھے۔ کھانے کے وقت (باعتبار موسم) گلاب وغیرہ کے پھول جا بجا بکھرا دیئے جاتے تھے، جبکی خوشبو سے تمام کمرہ مہک اُٹھتا تھا۔ اور ہندوستان کے خوشبودار اور غیر موسم کے پھولوں کے گملے جا بجا رکھے جاتے تھے۔

فی زمانناً یورپ میں کھانے کا جو اُصول ہے (یعنی میز پر نمبروار کھانوں کا آنا) یہ طریقہ عہد رشیدی ہی میں جاری تھا۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ تین قسم کے کھانے دسترخوان پر آتے تھے جنکی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ مرق (شوربا) فی الاکل یبدء عبا لمرق من السکباج تنشیطاً لجسمہ" — سب سے پہلے شوربے کا پلیٹ آتا تھا۔ جس میں قدرے سرکہ کی آمیزش ہوتی تھی۔

۲۔ ثم یاکل الفاتر من الطعام من البقول واشباھھا۔ — شوربے کے بعد سبزی اور ترکاریاں۔

۳۔ الدجاج وانواع الطیر — مرغ اور دوسرے پرندوں کا گوشت

۴۔ الشواء — بُھنا ہوا گوشت جو ہاضم ہوتا ہے

۵۔ ثم انواع السمک — اسکے بعد مختلف قسم کی مچھلیاں (تازہ مچھلیاں علی الصباح دجلہ سے شکار کرکے آتی تھیں)

۶۔ ثم ما طبخ بالتوابل من اللحم والبقول وغیرھا — مچھلیوں کے بعد مسالہ دار گوشت اور ترکاریاں وغیرہ کا نمبر تھا۔ گرم مسالہ میں لونگ، زیرہ، دارچینی اور گول مرچ کا استعمال ہوتا تھا

ملہ آغانی جلد پنجم و مسعودی

۷- فرانی — فرن، تنور کو کہتے ہیں - فرانی سے خمیری تنوری روٹی مراد ہے۔[1] اور امیر معاویہ کے عہد سے چپاتیوں کا بھی رواج ہو گیا تھا - مہدی عباسی نے مسند نشینی کے بعد جو دعوت کی تھی اسمیں پرندوں کا قورمہ اور چپاتیاں موجود تھیں -

۸- المسلوقہ او بیض السلیق — مسلوقہ سے وہ غذا مراد ہے جو صرف پانی میں اُبالی جائے اور بیض السلیق نیم برشت انڈے کو کہتے ہیں -

۹- فراریج — چوزوں کا گوشت

۱۰- اَلبَھتہ — البہتہ، ہندوستان کا بھات ہے یہ لفظ براہ راست سندھ سے بغداد گیا تھا - دودھ اور مکھن میں اُبلے ہوئے چاول کو بھات کہتے تھے - اور بھتہ عربی لہجہ ہے -

۱۱- لوزینج — حلوے اور لوزات (متعدد قسم کے)

۱۲- فالوذج — موسم گرما میں فالودہ

۱۳- فواکہات — انگور، سیب، نارنگیاں اور خشک میوے، کھانے کے وقت زبیدہ خاتون اپنے ہاتھ سے سیب تراش کر دسترخوان پر بھیجتی تھی - کیونکہ سیب رشید کو بہت مرغوب تھا -

۱۴- سنبوسج[2] یا سنبوسہ — سموسہ بھی ہندوستان سے بغداد پہنچ گیا تھا - یہ تحفہ اطبائے ہند اپنے ہمراہ لے گئے تھے - عربوں کے لئے یہ نئی چیز تھی، اس لئے مورخین نے الفاظ میں اسکی تصویر کھینچی ہے[3]

---

[1] مفاتیح العلوم خوارزمی مطبوعہ لیڈن و مسعودی جلد ۲

[2] ابوالفضل نے آئین اکبری میں سنبوسہ کا نام مطاب لکھا ہے - لیکن یہ صراحت نہیں کی ہے کہ اسکے موجد عرب تھے یا ہندو - ممکن ہے کہ سموسہ کا نام مطاب ابوالفضل نے رکھا ہو - مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ء

[3] مسعودی جلد ۲ - آغانی جلد ۵ - مستظرف جلد اول ۱۲۰

وهی رقاق تحشی باللحم والدهن علیه التوابل من الفلفل والزنجبیل ثم تغلی بالزیت ویطرف بالخردل وھو یخلل طعامه بتناول الیسر من التوابل اللتی تشتهیه الیه

سنبوسہ ایک قسم کی روٹی (کلچہ) ہے۔ جس میں روغن اور گوشت بھرا جاتا ہے اور مسالہ کی قسم میں سے گول مرچ اور سونٹھ ڈالی جاتی ہے۔ پھر یہ روٹی روغن زیتون میں تلی جاتی ہے اور ہاضمہ کے لئے اسکے دونوں طرف رائی چھڑکی جاتی ہے۔" (ترجمہ)

ہندوستان میں سموسہ کے اندر صرف گرم مسالہ بھرا جاتا تھا۔ گوشت کا اضافہ عرب کے باورچیوں نے کیا ہے جس کی آج تک مسلمانوں میں تقلید کی جاتی ہے۔"

سموسوں کے ساتھ پوری اور کچوری بھی دستر خوان پر ضرور آتی ہوگی لیکن مورخین نے تشریح نہیں کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کھانے کی ابتدا گرم (حار) غذا سے ہوتی تھی اور خاتمہ ٹھنڈی (بوارد) غذاؤں پر ہوتا تھا۔ مسعودی لکھتا ہے "یبتدای بالطعام الحار وینتهی باکل البوارد" سب سے اخیر میں نقل کی کشتی آتی تھی جس میں وہ چیزیں ہوتی تھیں جواز قسم دال موٹھ ہیں۔ ہندوستان سے پان بھی جاتا تھا جس کو چونہ اور لونگ کے ساتھ کھاتے تھے۔ مقوی غذاؤں کے ساتھ ٹھنڈے پانی کا بھی خاص اہتمام تھا اور مہتمم آبدار خانہ کا لقب ثلاج (ثلج بمعنی برف) تھا۔ آسمانی برف اونٹوں پر بار ہوکر باہر سے آتی تھی۔ اور کھتوں میں محفوظ رہتی تھی۔ ہر دن کے باورچیخانہ کا روزانہ صرف دس ہزار درہم تھا۔

ظروف طعام کھانے کے برتن عموماً چینی کے تھے۔ اگرچہ ایرانیوں کی تقلید میں نقرئی اور طلائی رکابیاں (صحاف الفضۃ وصحاف الذہب) بھی تھیں لیکن ان میں کھانا شرعاً

---

[۱] الفخری ۱۲

ممنوع تھا اس لئے مستعمل نہ تھیں۔

دستر خوان بڑھائے جانے کے بعد، غلام ہاتھ دھو لاتے تھے اور آفتابہ کے عوض چھوٹے چھوٹے طلائی آبخوروں (تماقم الذہب) سے کام لیا جاتا تھا۔ اور پانی میں گلاب کی آمیزش ہوتی تھی۔

متوسط اور غریب خاندانوں میں اُشنان (ایک خوشبودار گھانس) کا استعمال ہوتا تھا اسکے بعد مجور (عود، عنبر، لوبان) کی انگیٹھیاں آتی تھیں اور کپڑے بسائے جاتے تھے۔ دن میں کھانے کے بعد امیر المومنیں قیلولہ (دوپہر کا آرام) کرتے تھے اور شب میں بزم طرب منعقد ہوتی تھی یا ایران کی تاریخ پڑھی جاتی تھی (یہ خالد برمکی کی ایجاد تھی) تاریخ کے بعد شعر وسخن کا مشغلہ رہتا تھا۔

۶۔ دارالضیافۃ | محل میں روزانہ دونوں وقت امراء، علماء، قضاۃ وغیرہ مدعو ہوتے تھے اور بڑی دعوتیں (ڈنر) دارالضیافۃ میں ہوا کرتی تھیں۔ یہ محل دجلہ کے کنارہ تھا۔ رشید یہاں بیٹھکر کشتیوں کی سیر دیکھا کرتا تھا۔ یہ کشتیاں مختلف شکل وصورت کی تھیں (گھوڑا، ہاتھی، شیر، سانپ وغیرہ) اور ساخت کے لحاظ سے ہر ایک کے نام جداگانہ تھے۔ اور مزید لطف یہ تھا کہ اس محل کے ہر حصّہ میں ملاحوں کے عامیانہ گیتوں کی آواز آتی تھی۔ ۱۲ بجے شب کے بعد اسی محل سے بھیس بدل کر شہر کی گلیوں میں گشت کرنے چلا جاتا تھا۔ جعفر برمکی اور مسرور غلام ساتھ رہتا تھا۔

ابراہیم، اسحٰق اور مخارق مغنی اکثر اسی محل میں گانا سُناتے تھے۔ اور یہ بزم نشاط تمام رات قائم رہتی تھی۔ صبح کو جب نسیم چلتی تھی اسوقت مہمان و ندیم رخصت ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں مہمانوں کو گفتگو کی عام اجازت تھی۔ اور رشید خود بھی حاضرین جلسہ سے فرمایش کرتا تھا۔ "ھلم بحدیثک" (کچھ کہنا ہو تو ارشاد فرمایئے) اور یہ انتہائی محبت اور نوازش کی علامت تھی۔ ایک خصوصیت دارالضیافۃ کی یہ بھی تھی کہ یہاں مغنیہ کنیزیں، امیر المومنین کے سامنے

گلے بازیاں کرتی تھیں اور قصر الخلد وغیرہ میں پس پردہ گانا ہوتا تھا۔

۷۔ دیگر مشاغل | عربوں میں گھوڑوں اور اونٹوں (تربیت الخیل والجُمل) کی پرورش کا شوق فطری تھا۔ کیونکہ یہی دونوں سرمایۂ دولت تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات میں ڈکیتی کر کے صبح سے قبل اپنے قبیلہ میں پہنچ جاتے تھے، اور مال غنیمت اونٹوں پر آتا تھا مہدی عباسی کی طرح رشید بھی گھوڑ دوڑ کا شایق تھا اور شاہی اصطبل میں مختلف نسلوں کے گھوڑے موجود تھے۔ رقہ کے میدان میں دوڑ ہوتی تھی، اس کھیل میں امین، مامون اور فضل وجعفر وغیرہ کے گھوڑے بھی شریک ہوتے تھے۔ جب ربیذ (ایک سیاہ گھوڑا) بازی جیت کر میدان سے واپس آتا تھا تو رشید گردن تھپک کر اس کا منھ چومتا تھا۔ ربیذ، غضبان (مہدی کا مشہور گھوڑا) سے بہت زیادہ تیز رفتار تھا۔

اصمعی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رشید نے کہا کہ عرب اپنے گھوڑوں کے نام اکثر طیور کے ناموں پر رکھتے تھے۔ میں نے اسکی تائید میں ابی حرزہ کا ایک شعر پڑھا جو پسند آیا، ایک ہزار درہم انعام دیئے۔ اس کے بعد میں نے وہ اشعار سنائے جمیں کانوں سے قدم تک گھوڑے کی تعریف تھی۔ باغ حیوانات میں خوبصورت طیور مختلف ممالک کے جمع تھے۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے پہلے رشید نے چوگان (پولو) کھیلا۔ اور آویزاں نشانہ پر شرط بد کر تیر اندازی کی، کھلے میدان میں جب گیند کھیلتا تھا تو طبطاب (لکڑی کا حلقہ جس پر گیند رکھ کر پھینکا جاتا تھا) کے ذریعہ سے گیند اچھالتا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر شاہین اور باز بھی اُڑاتا تھا۔ اسوقت شکاری کتے ساتھ ہوتے تھے۔

وادی دجلہ میں شکار گاہ تھی جہاں ہرنوں کا شکار ہوتا تھا۔ شعراء نے ان جملہ مضامین کی تصویر نظم میں کھینچی ہے۔ کبھی کبھی شطرنج بھی کھیلتا تھا۔ مرغ اور مینڈھوں کی بھی پالی ہوا کرتی تھی۔ یہ مشغلہ عرب سے ہندوستان میں داخل ہوا جسکو دربار دہلی اور لکھنؤ نے غیر معمولی ترقی دی۔[1]

[1] عقد الفرید۔ مسعودی، آغانی

شبستانِ عیش میں قِصّہ خوانی، کنیزوں کی خوش فعلیاں، انکی برجستہ گوئی، شعراء کی بلند خیالیاں اور متفرق روایتیں

عرب عہد جاہلیت سے قصص و حکایات کے شیدا تھے۔ چاندنی راتوں میں مائیں، بچوں کو کسی پر فضا مقام میں لیکر بیٹھ جاتی تھیں اور انکو اخلاقی کہانیاں، موسمی حالات استاروں اور بادلوں کی شناخت (آیا یہ بدلی برسے گی یا کھُل جائیگی) ایام العرب، قومی دعوتیں، اُمراء کی فیاضیاں، بھوت اور جنوں کے حیرت انگیز قصے، جنگلی درندوں سے مقابلے اور قدیم شاہوں کی حکایتیں سُنایا کرتی تھیں۔

مردانہ جلسوں میں شعر و سخن، عشاق عرب کے فسانے، شہسواری اور سیر و شکار کے فخریہ واقعات بیان کیئے جاتے تھے اور شیوخ (قبائل کے سردار) نوجوانوں کو اپنی سوانح حیات کے معرکۃ الآرا حالات سناتے تھے۔ الغرض تربیت اولاد کے لئے یہ بہترین درسگاہیں تھیں۔ اور عربوں میں اس قصہ خوانی کا نام سمر تھا۔ اور داستان گو سمیر کہلاتے تھے۔ چنانچہ یہ کل واقعات بجنسہ وہی ہیں جو آغاز اسلام میں کتابی صورت میں منتقل ہوئے۔ خلفاء اور اُمراء کے محل میں نصف شب اور کبھی اخیر رات میں قصہ گو بلائے جاتے تھے۔ اور نادر کہانیاں سُناکر انعام و خلعت پاتے تھے۔ ابن درید وغیرہ نے عہد جاہلیت کے فسانے جمع کئے ہیں اور اصمعی کی روایتیں (اصمعیات) سب سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ اس سلسلہ میں اب ہم چند قصے، اعلام الناس اور آغانی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ جو مضامین فحش تھے وہ حذف کردیئے گئے ہیں، صرف ادبیات و تمدن و معاشرت کے واقعات نقل کیئے گئے ہیں جو

دلچسپی سے خالی نہیں۔

ا۔تین بہنوں کی فی البدیہہ شاعری

ہرون الرشید کو ایک رات نیند نہ آئی، بے چینی سے محل سرا میں ٹہلنا شروع کیا، جب تکلیف سے دم گھٹنے لگا تو صبح کے قریب اصمعی کی طلبی ہوئی۔ حاضری پر امیر المومنین نے مرحبا (خوش آمدید) کہہ کر بیٹھنے کا حکم دیا پھر ارشاد ہوا کہ اسوقت تمہاری زبان سے محض عورتوں کے سرور انگیز فسانے اور انکی شاعری سُننا چاہتا ہوں۔"

اصمعی نے سرِ نیاز جھکا کر عرض کیا کہ "بسر وچشم! امیر المومنین! عورتوں کے اشعار یوں تو مجھے بکثرت یاد ہیں لیکن ایک موقع پر تین دوشیزہ لڑکیوں کے شعر سُننے کا اتفاق ہوا وہ مجھے بہت پسند آئے اور میں انکی برجستہ گوئی سے حیرت زدہ رہ گیا۔ رشید نے کہا بہتر ہے وہی سناؤ۔"

اجازت ملنے پر اصمعی نے عرض کیا، امیر المومنین! ایک سال مجھے بصرہ جانے کا اتفاق ہوا، اس زمانہ میں شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، دوپہر کا وقت تھا، اب یہ فکر ہوئی کہ کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کروں، اتفاق سے ایک چھتہ (ساباط) نظر آیا، جو صاف ستھرا تھا اور ایک تخت بھی بچھا تھا اور ٹھنڈک کے لئے چھڑکاؤ بھی کیا گیا تھا۔ جھروکوں سے معطر ہوا آ رہی تھی اس جگہ کو غنیمت سمجھکر میں چھتے پر چڑھ کر تخت پر بیٹھ گیا، سونا چاہتا تھا کہ یکایک آواز آئی کہ ایک لڑکی دوسرے سے کہہ رہی تھی کہ بہن! جی چاہتا ہے کہ ہم تینوں بہنیں آج تین سو دینار جمع کریں اور ہم میں سے ہر ایک برجستہ شعر کہے جسکے شعر میں سب سے زیادہ خوبیاں ہوں وہ کل دینار اٹھالے۔" چنانچہ معاہدہ ہوتے ہی بڑی بہن نے یہ شعر پڑھا۔

عجبت له ان زارنی فی النوم مضجعی ولو زارنی مستیقظاً کان اعجبا	مجھے حیرت ہے کہ محبوب میری خوابگاہ میں (بحالت خواب) آکر ملا۔ اگر وہ عالم بیداری میں ملتا تو بہت زیادہ تعجب خیز ہوتا؟

مجھلی بہن نے اس شعر کی داد دی اور بولی آپا جان! اب میرا شعر سُنئے۔

وما ارانی فی النوم الا خیالہ فقلت لہ اھلاً و سھلاً و مرحبا	میں صرف خواب میں اسکے خیال سے ملاقات کر سکی اور میں نے اس کو مخاطب کر کے مرحبا اور خوش آمدید کہا۔

اسکے بعد چھوٹی بہن نے یہ شعر سُنایا۔

بنفسی و اھلی من اریٰ کل لیلۃ ضجیعی و ریاہ من المسک اطیبا	میری جان اور میرا کنبہ اس پر قربان! جسکے ساتھ میں ہر رات کو ہم خواب ہوتی ہوں اور جسکے بدن کی خوشبو مشک سے بھی بڑھکر ہے

امیر المومنین! یہ شعر سُن کر میں پھڑک اُٹھا اور اپنے دل میں کہا، اگر یہ لڑکی حسین بھی ہو تو نسائیت کی تکمیل ہو جائے" اب میں اس مکان سے باہر جانا چاہتا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا اور ایک کنیز نے پیام دیا کہ شیخ صاحب! تشریف رکھئے میں ٹھہر گیا۔ چند منٹ بعد کنیز نے مجھے ایک رقعہ دیا جو نستعلیق خط میں تھا اور اس کا یہ مضمون تھا۔

"جناب قبلہ! خدا آپ کی عمر دراز کرے! ہم تین بہنیں ہیں اور آج ہم نے یہ شرط کی تھی کہ ہم سب فی البدیہہ شعر کہیں اور جبکا شعر سب سے اچھا ہو وہ تین سو دینار اُٹھالے۔ اب آپ ہمارے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ اور بہ حیثیت حکم (پنچ) فیصلہ فرمائیے کہ انعامی رقم حاصل کی جاوے۔ والسلام"

میں نے کنیز سے قلم دوات اور کاغذ مانگا، وہ سامان تحریر لائی، دوات چاندی کی تھی اور قلم طلائی تھا۔ میں نے اپنا فیصلہ نظم میں لکھ کر اندر بھیج دیا، جو چھوٹی بہن کے حق میں تھا۔ جب میری تحریر محل میں پہونچی تو یکایک تالیوں کی آواز آئی۔ میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر قصد کیا، کہ اب یہاں سے رخصت ہوں، چھتے سے اُتر رہا تھا کہ اسی کنیز نے آواز دی، اصمعی صاحب! ابھی تشریف رکھئے! میں نے تعجب سے پوچھا، میرا نام تجھے کیسے

معلوم ہوا؟ وہ بولی، بلاشبہہ، اِسوقت تک آپ کا نام پردۂ راز میں تھا مگر آپ کا برجستہ کلام کیسے چھپ سکتا ہے؟ میں اِن لڑکیوں کی شاعرانہ جذبات سے حیران تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے مجبوراً ٹھہر گیا، اب بالاخانہ کا دروازہ کھلا اور وہی کنیز میوے اور حلوے کے دو پلیٹ لیکر حاضر ہوئی۔ میں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور میز بانوں کا شکریہ ادا کیا۔ جانا چاہتا تھا کہ آواز آئی، ٹھہریئے جناب! اور سب سے چھوٹی لڑکی پردہ سے نکل کر سامنے آئی پہلے اس کی خوبصورت کلائیاں زرد آستین میں نظر آئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ بدلی سے یکایک چاند نکل رہا ہے۔ اس نے میرے سامنے تین سو دینار کی تھیلی پیش کی اور بولی آپ کے فیصلہ کے مطابق میں بازی جیت گئی، یہ دینار جو مجھے ملے تھے وہ میں آپ کے نذر کرتی ہوں۔ ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف۔

یہ واقعہ سُن کر ہٰرون الرشید نے سوال کیا، اصمعی! تم نے بڑی اور منجھلی بہن کو محروم کر کے چھوٹی کے حق میں کس بناء پر فیصلہ کیا؟ اصمعی نے عرض کیا امیرالمومنین! بڑی بہن نے تو یہ کہا تھا کہ میرا محبوب عالم خیال میں آیا۔ اگر وہ عالم بیداری میں آتا تو زیادہ پُرلطف ہوتا یہ محض ایک شرط تھی اور شرط کا پورا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح منجھلی بہن نے بھی خواب میں اپنے رفیق کا خیر مقدم کیا اور اس نے بھی اس موہوم ملاقات کو غنیمت سمجھا تھا، البتہ چھوٹی بہن اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور اس نے برائے العین دیکھا کہ وہ اپنے دلنواز کے ساتھ ایک مسہری پر محوِ خواب ہے اور اسکے مہکتے ہوئے انفاس سے وہ اس درجہ مسرور ہوئی کہ اس نے نہ صرف اپنی جان، بلکہ خاندان کو بھی اس پر تصدق کر دیا۔ اور یہ وہ محسوس حقیقت تھی جس سے وہ متوالی ہو گئی۔“

یہ فیصلہ سُنکر رشید نے کہا کہ اصمعی! بیشک تیرا فیصلہ صحیح تھا۔ اور خوش ہو کر تین سو دینار انعام دیئے۔ اصمعی کہتا ہے کہ صبح کو انعام لیکر میں اپنے گھر گیا اور جوشِ مسرت سے بار بار یہی کہتا تھا کہ کیسا اچھا زمانہ ہے کہ چند شعر کی تنقید میں تین سو دینار ملے اور پھر اس

واقعہ کے اظہار میں بھی تین سو دینار حاصل ہوئے۔

یہی تو وہ علمی فیاضیاں تھیں جسکی بدولت عہد عباسیہ میں نامور ادیب اور باکمال شاعر پیدا ہوئے تھے۔

۲۔ ضمرہ بن مغیرہ کی داستانِ محبت

سجستانی کی روایت ہے کہ نیند کی تکلیف سے پریشان ہو کر ہرون الرشید نے حکم دیا کہ اصمعی اور حسین الخلیع کو بلاؤ، حاجب نے بیکوقت دونوں کو پیش کیا، اسکے بعد حسین سے فرمایا کہ پہلے تم ایسے قصے سناؤ جس سے میرا دل بہلے۔ حسین نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! میں ایک سال بصرہ گیا اور محمد بن سلیمان زینبی امیر بصرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدحیہ قصیدہ سنایا۔ امیر نے صلہ دیکر رخصت نہیں کیا بلکہ مہمان رکھا۔ ایک دن میں سیر کے لئے بصرہ کے مشہور بازار مربد میں گیا، لیکن گرمی کی شدت سے بدحواس تھا، ایک محل کے دروازہ پر پانی پینے کے لئے ٹھہرا تھا کہ ایک کم سن خاتون یکایک پردہ سے نکلی جسکا قد رعنا شاخ بید کی طرح نازک تھا۔ آنکھیں سرمگیں اور بڑی، بھوین

عربی حسن

چوڑی اور پیشانی کشادہ تھی، سرخ قمیص پر عدن کی ریشمی چادر اوڑھے تھی۔ بہامہ زیبی کا یہ عالم تھا کہ پنڈے کی سفیدی قمیص کی سرخی پر غالب تھی۔ اور میقاس الشباب' ایک خاص نقطہ پر تھا۔ (شوخی معاف ہو یہ محض روایت ہے) پیٹ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حریر کا تھان لپٹا ہوا رکھا ہے۔ اور اسکی بٹیں (شکن) کاغذ کی تہہ سے مشابہ تھیں۔ سر کے بالوں سے مشک کی خوشبو اڑ رہی تھی[1] اور پیشانی کے بالوں کو اس طرح سنوارا تھا کہ یمنی چادر کا ایک ٹکڑہ معلوم ہوتا تھا۔

امیر المومنین! اس کے گلے میں جواہرات کے مرصع زیور بھی تھے ناک ستواں اور تھوڑی (زنخداں) موتی جیسی گول تھی۔ دانت موتیوں کی لڑیاں اور منہ سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں لیکن یہ حسن کی دیوی از حد پریشان نظر آتی تھی۔ دہلیز کے اندر بار بار آتی تھی اور پازیب کی جھنکار سے اس کا آنا معلوم ہوتا تھا۔

---

[1] پیشانی کے بالوں کی آرایش آجکل کلپ وغیرہ سے کیجاتی ہے اور اس زمانہ میں مختلف بالوں سے نقش و نگار بنائے جاتے تھے جسکو یمن کی منقش چادر کا ٹکڑا قرار دیا ہے۔

امیرالمومنین! میں اسکے قد و قامت اور حسن و جمال کی کیا تعریف کروں مختصر یہ ہے کہ وہ کسی شاعر کی مجسم تخیّل تھی"۔ اور میں اسکے حسن سے مرعوب ہو چکا تھا (حسینوں کا رعب حسن ضرب المثل ہے) تاہم سلام کی غرض سے میں ڈیوڑھی میں ٹھہر گیا اور جب وہ دوبارہ آئی تو اسکو ادب سے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا مگر ایسا معلوم ہوا کہ اس کی زبان میں گویائی کی طاقت نہیں ہے، دل زخمی ہے اور خود کھوئی ہوئی ہے۔ اسکے بعد میں نے کہا سیدہ! میں ایک بوڑھا مسافر ہوں اور پیاس کا مارا ہوا، کسی کنیز کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دے، خدا آپ کو اس کا اجر دیگا"۔

یہ سن کر بولی چل دور ہو؟ نہ یہاں پانی ہے نہ کھانا' میں نے پوچھا کہ اس عتاب کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ میں آپ ہی عشق و محبت کی ستائی ہوئی ہوں اور جسکو دل دے چکی ہوں وہ بڑا ہی ظالم ہے، اور محض اسکے رحم و کرم پر پڑی جی رہی ہوں"۔

اب میں نے سوال کیا کہ آپ کا وہ محبوب ہے کہاں ہے؟ بولی اسی عالم میں، اور وہ مجھ سے اس لئے الگ رہتا ہے کہ اسکو اپنے حسن و جمال پر خود بڑا ناز ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ بار بار دروازہ پر کیوں آتی جاتی ہیں؟ کہا کہ وہ روزانہ اسی طرف سے گزرتا ہے اور وہ اب آنیوالا ہی ہے۔ جواب ملنے پر مجھے جرأت ہوئی اور دریافت کیا کہ وہ آپ سے کبھی ملا بھی ہے؟ یہ سنکر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اور گالوں پر اس طرح آنسو ڈھلک پڑے، جیسے گلاب کی پتیوں پر شبنم کے قطرے جھلکتے ہیں۔ پھر بولی میں اور وہ درخت بان (عرب کا سرو) کی دو شاخوں کی طرح ملے جلے رہتے تھے، لیکن کسی ظالم نے ایک شاخ قلم کر دی ہے۔ اب صرف ایک شاخ باقی ہے جو اپنے رفیق کے غم میں سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے۔ میں نے مکرر سوال کیا کہ آپ کی اس بیقراری کا اس مغرور کو کچھ علم بھی ہے؟ فرمایا اس کا علم تو خدا ہی کو ہوگا۔ میری تو یہ حالت ہے کہ جب دیواروں پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو میں خیال کرتی ہوں کہ وہ آگیا۔ اور جب اچانک اس کو دیکھ لیتی ہوں تو حیرت زدہ رہ جاتی ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم کا

خون خشک ہو گیا ہے اور روح قالب سے نکل چکی ہے - یہ تقریر سنکر میں نے کہا معاف فرمائیے! باوجود عاشقانہ زندگی کے آپ کا رنگ وروپ نکھرا ہوا ہے اور یہ بات آئین محبّت کے خلاف ہے۔ اسکا خاتون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب میں نے دوسری تقریر شروع کی اور عرض کیا کہ اگر آپ اس مرض میں مبتلا نہ ہوتیں تو امرائے بصرہ آپ کے شمع جمال پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے؛ بولی تم سچ کہتے ہو! اس نوجوان کے محبت سے قبل میں سراپا حسن وجمال تھی اور اُمرائے بصرہ میرے دیوانے تھے۔ میں اتفاقیہ اس نوجوان پر فریفتہ ہوگئی ہوں اور گردش روزگار سے مبتلائے فراق ہوں۔ اور میری مصیبت کی ابتدائی داستان یہ ہے کہ جشن نوروز کا دن تھا میں نے بصرہ کی چند پری جمال سہیلیوں کی دعوت کی تھی۔ ان مہمانوں میں ایک بڑی آنکھوں والی چنچل شیرازی کنیز بھی تھی جسکی قیمت تاجروں نے آٹھ ہزار دینار لگادی تھی۔ یہ شیرازن مجھ پر فریفتہ تھی۔ آتے ہی مجھے خلوت میں لے گئی اور بولی جب تک کھانا تیار ہو، چلو قہوہ نوش کریں۔ اسکے بعد اس سراپا نازنے ڈھول وھپّا اور خوش فعلیاں شروع کیں۔ میں اس کھیل میں مصروف تھی کہ وہ نوجوان آگیا اور مجھے اس لغویت میں دیکھکر برہم ہوا، اور فوراً واپس گیا، اور ایسا بھڑکا جیسے عرب کے بچھیرے لگام کی جھنکار سے چوکنا ہو جاتے ہیں۔

شیخ صاحب! تین سال ہو گئے ہیں کہ اس نے مجھے نہیں دیکھا نہ خط لکھا نہ کوئی قاصد آیا۔ اب میں نے سوال کیا کہ وہ نوجوان عربی ہے یا عجمی! خفا ہو کر بولی! اے کم بخت! وہ تو عرب ہے سادر اُمرائے بصرہ میں سے ہے۔ اسکے بعد میں نے پوچھا کہ وہ بوڑھا ہے یا جوان اس سوال پر غضبناک ہوکر کہا معلوم ہوتا ہے سٹھیا گئے ہو، وہ تو جوان ہے بدر سے زیادہ خوبصورت ہے اور ہنوز کنوارا ہی ہے، اس کے سر کے بال کوّے کے پَروں کو شرماتے ہیں۔ مجھ سے الگ الگ رہتا ہے، اسکے سوا، اور کوئی عیب نہیں ہے۔"

اچھا! یہ بتائیے کہ اس کا نام کیا ہے؟ خفا ہو کر بولی تجھ کو نام سے کیا غرض ہے۔ میں نے کہا اس نوجوان سے ملاقات کرونگا اور یہ دیکھوں گا کہ تم دونوں میں کون زیادہ خوبصورت ہے

کہا، خیر! اس شرط پر نام بتاتی ہوں، میری طرف سے قاصد لیکر خط لیجاتا، میں نے منظور کیا، تب اس خاتون نے کہا کہ اس امیر کا نام ضمرہ بن المغیرہ اور کنیت ابوالسحاق ہے اور اس کی حویلی بازار مربد میں ہے۔

اس گفتگو کے بعد چیخ کر بولی، ارے کوئی ہے؟ ذرا قلم دوات و کاغذ لانا ایک کنیز نے فوراً سامان تحریر لاکر پیش کیا، اب اس نے اپنی خوبصورت کلائیوں پر آستینوں کو چڑھاکر خط لکھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے آقا! خط کے عنوان میں، جان بوجھکر میں نے دعائیہ کلمات نہیں لکھے ہیں، تاکہ آپ یہ سمجھ جائیں کہ میں خفا ہوں، اب یہ التماس ہے کہ جب آپ میرے گھر کی طرف سے گزریں تو کرم فرماکر ایک نظر مجھے بھی دیکھ لیا کریں کہ مردہ جسم میں جان پڑ جایا کرے اور کبھی کبھی اپنے قلم سے ایک خط بھی لکھدیا کیجئے، تب میں سمجھونگی کہ آپ کی یہ عنایت، خلوت و محبت کی اُن راتوں کی یادگار ہے جو میں نے اور آپ نے اس نیلگوں شامیانے (آسمان) کے نیچے بسر کی ہیں۔ اور وہ دن آپ کو بھی یاد ہونگے، اور اس خلوص و محبت کا شکریہ ادا کرونگی۔ اور خدا آپ کو اس کا اجر دیگا۔ والسّلام،

میں یہ خط لیکر دوسرے دن صبح کو امیر بصرہ محمد بن سلیمان کے محل پر پہنچا۔ امیر کی مجلس گرم تھی اور مجمع احباب میں ایک نہایت حسین نوجوان بھی موجود تھا جو رونق محفل تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام ضمرہ بن مغیرہ ہے جو امیر بصرہ کا ایک معزز درباری ہے۔ اس مجسمہ حسن و جمال کو دیکھ کر تسلیم کرنا پڑا کہ فی الحقیقت اُس بیچاری پر جو مصیبت نازل ہے وہ کم ہے۔

دربار امیر سے اُٹھکر میں ضمرہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، اُسیوقت ضمرہ بھی شان و شوکت سے آیا، میں نے سلام و دعا کے بعد وہ خط پیش کیا۔ خط پڑھکر ضمرہ نے کہا کہ

شیخ صاحب! میں نے اب اسکے عوض ایک دوسری عورت کو انتخاب کر لیا ہے اور تم بھی اس کو دیکھ سکتے ہو؟ چنانچہ میری فرمایش پر یہ گل اندام اور نوخیز حسینہ پردہ سے نکل کر سامنے آئی جو تنگ آستین کی قمیص پہنے تھی اور حسن وجمال میں فرد تھی۔

ضمرہ نے ستم ظریفی سے خط مذکور اسکے حوالہ کیا اور یہ بھی کہا کہ سیدہ! تم ہی اسکا جواب اپنے قلم سے لکھو وہ خط پڑھتے ہی اس شوخ کا چہرہ زرد پڑ گیا اور رشک وحسد کی حرارت سے پسینے پسینے ہو گئی اور بولی! حضرت آپ کو یہ کیا سوجھی کہ میری سوکن کا خط لیکر آئے۔ اس سوال کا جواب میں کیا دیتا' اٹھکر چلا آیا۔ میرے لئے یہ بڑی مصیبت کا وقت تھا' چلنے میں پاؤں ڈگمگاتے تھے' الغرض میں گرتا پڑتا خاتون کے پاس آیا' دیکھتے ہی پوچھا کیا خبر لائے؟ میں نے جواب دیا کہ حسرت ویاس کے سوا کوئی خبر نہیں ہے' تفصیلی حالات سنکر وہ چپ ہو گئی اور مجھ سے پوچھا تمھارا کیا حال ہے؟ میں نے اپنے افلاس کی داستان سنائی' تب پانسو دینار انعام دیئے' میں یہ رقم لیکر اپنے گھر آیا۔"

کچھ دنوں کے بعد میں پھر اس خاتون کے محل پر گیا' اسوقت دروازہ پر سوار و پیادوں کا ہجوم تھا۔ میں گھر کے اندر گیا' دیکھا تو ضمرہ کے احباب اس خاتون کو سمجھا رہے تھے کہ اب صلح کر لیجئے! اور وہ بگڑ کر کہہ رہی تھی' خدا کی قسم' میں کبھی اسکی صورت نہ دیکھونگی۔ یہ دیکھ کر میں نے شکر کا سجدہ ادا کیا کیونکہ یہ صلح کے آثار تھے اور ع

بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

اس کے بعد خاتون نے مجھے ضمرہ کا خط بھی دکھایا' جس کا یہ مضمون تھا کہ سیدہ! خدا تیری عمر دراز کرے' کاش! میری زندگی تجھ پر منحصر نہ ہوتی اور میں تیری بے وفائیوں کا شکوہ کر سکتا' اور خیانتوں کے دہرانے کی جرأت ہوتی' افسوس! تو نے میری محبت کو ٹھکرا دیا اور غیر کو مجھ پر ترجیح دی' والسلام۔"

اس کے بعد خاتون نے وہ تحائف بھی دکھائے جبکی قیمت تیس ہزار دینار تھی اور

کچھ دنوں کے بعد اس کا عقد ضمرہ سے ہو گیا۔ یہ قصہ سنکر ہرون الرشید نے کہا کہ اگر ضمرہ سے نکاح نہ ہوا ہوتا تو میں اس خاتون کو اپنے حرم میں داخل کر لیتا اور اسکی میرے محل میں کچھ اور ہی شان ہوتی۔

۳۔ کنیزوں کی شوخیاں اور اُنکی شاعری

کسی جگہ لکھا جا چکا ہے کہ اس عہد میں دلال کنیزوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر بڑے داموں پر فروخت کرتے تھے اور خریداری کے وقت ان کی قابلیت کا امتحان بھی ہوتا تھا۔

ایک روز کا واقعہ سنئے! ہرون الرشید دربار میں تھا اور سامنے ایک طبق میں گلاب[1] کے پھول رکھے ہوئے تھے جسکی لطافت، خوشبو، رنگینی اور شادابی سے وہ مسرور ہو رہا تھا کہ کسی امیر نے ایک حسین و جمیل کنیز نذر کی، رشید کبھی پھولوں کو دیکھتا تھا اور کبھی کنیز کے گلنار رخساروں کو؟ لیکن آخر میں پھولوں پر کنیز کا حسن غالب آیا۔ رشید نے مفضل بن ضبی شاعر سے اپنا خیال ظاہر کر کے حسب حال شعر کی فرمائش کی، اس نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

کانّہٗ خد مرموق یقبلہ فم الحبیب قد ابدی بہ خجلا	یہ گلاب کا پھول، گویا کسی محبوب کا رخسارہ ہے جس پر بوسہ لیتے ہی ندامت چھا گئی ہے،

یہ شعر سنتے ہی کنیز بول اُٹھی، جناب! یوں ارشاد فرمائیے۔

کانّہ لون خدّی حین یدفعنی | اکف الرشید لامر یوجب الغسلا

یہ سنتے ہی مفضل پر تو اوس پڑ گئی اور رشید کنیز کی حاضر جوابی پر وجد کرنے لگا اور اسی وقت کنیز داخل حرم کی گئی۔

---

[1] شہر جور کا گلاب، کوفہ کا بنفشہ، جرجان کا نرگس، بغداد کا منثور مشہور ہے۔ خلیفۃ المتوکل علی اللہ گلاب کے پھولوں کا عاشق تھا۔ فصل شروع ہوتے ہی ایوان شاہی گلابی ہو جاتا تھا۔ فرش کے علاوہ لباس بھی گلابی پہنتا تھا۔ اور گلابی پھول طاقوں میں نظر آتے تھے، اور خلیفہ کے سوائے کسی اور کو استعمال کی اجازت نہ تھی۔ اور گلاب کے پھول کی توہین سمجھتا تھا کہ کوئی اور اسکو سونگھے!!

ایک دوسری کنیز کی برجستہ گوئی ملاحظہ ہو۔

اصمعی راوئی ہے کہ میں ایک دن رشید کو اشعار سنا رہا تھا کہ ایک کنیز فروخت کیلئے آئی، اجازت ملتے ہی دلال نے پیش کیا۔ رشید نے صورت دیکھتے ہی کہا کہ اسکے چہرہ پر جھائیاں ہیں اور ناک بھی چپٹی ہے، اگر یہ عیب نہ ہوتے تو خرید کر لیتا۔ یہ سنکر کنیز چند قدم آگے بڑھی اور دست بستہ عرض کیا، امیر المومنین! میں فی البدیہہ دو شعر پڑھتی ہوں، اسکے بعد خریداری کا اختیار ہے۔ چنانچہ اجازت ہوتے ہی کنیز نے یہ شعر پڑھے:۔

ما سلم الظبی علی حسنہ کلا ولا البدر الذی یوصف الظبی فیہ خنس بیّن والبدر فیہ نکتہ تعرف	ہرن باوجود خوش قامتی عیب سے نہ بچ سکا، اسی طرح چودھویں رات کا چاند بھی۔ جسکی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ ہرن کی ناک کا چپٹا پن تو ظاہر ہے اور بدر میں ایک سیاہ داغ ہے تاہم وہ پہچانا جاتا ہے۔

رشید اس حاضر جوابی سے خوش ہو گیا، قیمت ادا کر دی گئی اور یہ کنیز اپنی قابلیت سے کچھ ہی دنوں میں منظور نظر ہو گئی۔

ہرون الرشید کے حرم میں ادبی قابلیت کی بکثرت کنیزیں تھیں جنکی برجستہ گوئی کی سیکڑوں حکایتیں ادب کی کتابوں میں درج ہیں۔

۳۔ ہرون الرشید شب کے وقت کنیزوں کے دائرہ میں گشت کر رہا تھا۔ کہ یکایک اسکی نظر ایک کنیز پر پڑی جو ادائے خاص سے محو خواب تھی، رشید نے اسکی پنڈلی پر اپنا پاؤں رکھا، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو امیر المومنین ہیں، شرما کر بولی۔

یا امین اللہ ما ھذا الخبر	اے خدا کے امین یہ کیا واقعہ ہے؟
رشید نے فی البدیہہ جواب میں کہا قلت ضیف طارق فی ارضکم	تمہارے گھر میں، رات کے وقت ایک مہمان آگیا ہے

ؔ۱؎ تحفۃ المجالس سیوطی صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

هل تضیفوہ الی وقت السحر"	کیا صبح تک اسکی مہمانی کر سکتی ہو؟

کنیز نے عرض کیا۔

بسرور وھناء یا سیدی	میرے آقا! بسر و چشم! انتہائی مسرت سے
اخدم الضیف بسمعی والبصر	میں اپنے مہمان کی خدمت کرونگی۔

صبح کو رشید نے درباری شعراء کو طلب کیا، جب ابونواس حاضر ہوا تو حکم دیا کہ اس مصرع کو تضمین کرو۔ "یا امین اللّٰہ ما ھذا الخبر"

ابونواس نے برجستہ عرض کیا۔

طال لیلی حین وافانی السھر فتفکرت فاحسنت الفکر قمت امشی فی لمجال ساعۃ ثم اجری فی مقاصیرا لحجر	مجھ کو شب میں نیند نہ آئی، اور جاگتا رہا۔ تب میں نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہئے معًا لمبیں یہ بات آئی میں اٹھ کر، صحن میں ٹہلنے لگا، پھر کنیزوں کے حجروں میں جا نکلا۔
فاذا وجہ جمیل مشرق زانہ الرحمٰن من بین البشر فلمست الرجل منھا موطئاً فدنت منی و مدت للبصر	(تو کیا دیکھتا ہوں) کہ ایک حسین چہرہ والی سامنے ہے جسکو خدا نے انسانوں میں حسن و جمال سے آراستہ کیا ہی میں نے اس کے پاؤں کو چھوا تو اس نے قریب سے مجھے بغور دیکھا۔
واشارت بی لیقول مفصح یا امین اللہ ما ھذا الخبر	اور میری طرف متوجہ ہو کر شیریں الفاظ میں بولی کہ اے اللہ کے امین کیا خبر ہے؟

قلت ضیفٌ طارقٌ فی ارضکم
هل تضیفوہ الی وقت السحر

ہرون الرشید، یہ تضمین سُنکر بہت خوش ہوا، اور ابونواس کو انعام و خلعت دیکر رخصت کیا۔

۴۔ابو نواس کی ایک دوسری تضمین

کسی کنیز نے رات کے وقت ہارون الرشید سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ صبح کو جب ایفائے وعدہ کی یاد دلائی گئی تو کنیز نے ایک ادائے خاص سے عرض کیا ع

کلام اللیل یمحوہ النہار | یعنی رات کی بات صبح کو بھولی بسری ہو جاتی ہے۔

رشید کو یہ مصرع پسند آیا اور متعدد شعراء کو تضمین کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ابونواس کے مصرعے سب سے زیادہ پسند آئے۔ اور اس نے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ گویا رشید کے ہمراہ تھا۔ کہتا ہے۔

وخود اقبلت فی القصر سکریٰ	ایک چھوکری! محل میں نشہ سے چور سامنے آئی۔
ولکن زین السکر الوقار	جسکے متوالے پن نے اسکے وقار کو بڑھا دیا تھا۔
وھز الریح ارد افاً تقالا	جب اسکے بھاری سُرین کو (یہ عرب کا حسن ہے) ہوا نے حرکت دی
وغصنا فیہ رمان صغار	تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک شاخ میں چھوٹے چھوٹے انار جھول رہے ہیں
وقد سقط الرداء عن منکبیھا	اور چادر کاندھوں سے سرک گئی ہے۔ اور ازار.....
من التخمیش والحل الازرار	گئی ہے۔
فقلت الوعد سیدتی فقالت	میں نے کہا سرکار! ایفائے وعدہ کیجئے۔ بولی
کلام اللیل یمحوہ النہار	حضور! رات کی بات رات کے ساتھ گئی۔

یہ اشعار سنکر رشید حیران رہ گیا اور عالم اضطراب میں بولا" یاغلام سیفاً و نطعاً (ارے غلام تلوار اور نطع (چمڑہ کا ایک ٹکڑہ جس پر سر کٹ کر گرتا ہے) حاضر کر!

ابونواس نے بدحواس ہو کر عرض کیا کہ امیر المومنین اسکی کیا ضرورت ہے؟ ارشاد ہوا کہ کیا تو میرے ساتھ تھا؟ جواباً کہا کہ یہ شاعرانہ خطرات قلب تھے۔ جسکو میں نے نظم کیا ہے۔ رشید کو ہنسی آگئی اور دس ہزار درہم انعام دیکر رخصت کیا۔

ہندوستان کی شاعری میں بھی ایسے متعدد اشارات ہیں مثلاً ع

"سکے کارن سندر ہاتھ جرے"[1]

بعض اصحاب ایسی روایتوں کو محض فسانہ سمجھیں گے، لیکن انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہرون الرشید ایک زندہ دل انسان تھا، فرشتہ نہ تھا۔

نمبر ۸۔ ہرون الرشید کا فضل و کمال، ارکین دربار اور ندماء

ہرون الرشید میں وہ تمام اوصاف جمع تھے جو ایک مسلمان فرمانروا میں ہونا چاہیئے امام ذہبی اور جاحظ کا قول ہے کہ "رشید میں جسقدر خوبیاں تھیں وہ کسی دوسرے خلیفہ کو نصیب نہ ہوئیں۔ علم و ہنر، تدبیر و سیاست، دانائی، فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند حوصلگی میں وہ ممتاز تھا۔"

شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے رشید کے نام کو چمکا یا تھا۔ اس کی علمی قدردانی نے دلوں میں وہ شوق و حوصلے پیدا کر دیئے تھے کہ عرب، عجم اور ہند کے اہل کمال دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ مدینۃ السلام بغداد علوم و فنون کا مرکز تھا مساجد جامع اور مدارس میں طلبہ ہر وقت درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ مذہبی علوم کے علاوہ طب اور حکمت وغیرہ کی بھی تعلیم عام تھی۔ الف لیلہ (ع۔ بی) کی تالیف بھی اسی زمانے میں ہوئی جس نے اُسکے نام کو یورپ تک پہنچا دیا۔

رشید کو فلسفہ سے دلچسپی نہ تھی، لیکن قرآن، حدیث، فقہ، ادب اور ایام العرب کا عالم تھا۔

عظیم القدر شاہنشاہ ہونے کے باوجود مزاج میں تکلف اور تعصب نام کو نہ تھا عیسائیوں

[1] کتاب نورتن بلاحظ ہو۔

(جبرئیل و بختیشوع وغیرہ) کا دربار میں وہ عروج تھا جسکی نظیر سے یورپ کی تاریخ خالی ہے
انکے بعد یہودی، پارسی اور ہندو علماء کا درجہ تھا۔ مذہب میں مستحکم اور الحاد و زندقہ کا
دشمن تھا۔ روزانہ نفل کی سنو رکعتیں پڑھتا تھا جسکا سلسلہ مرتے دم تک قائم رہا۔ نماز پنجگانہ اور
جمعہ کا پابند تھا۔ باستثنائے علالت کبھی نماز جماعت قضا نہیں ہوئی۔ اگر ایک سال حج کو
جاتا تو دوسرے سال جہاد کرتا اور خطرناک موقعوں پر سب سے آگے ہوتا تھا۔ ۲۳ سال
کی خلافت میں نو حج کیئے (اخیر حج ۱۸۸ھ میں کیا تھا) زبیدہ خاتون کے ہمراہ ایک سال
مکہ معظمہ سے عرفات تک پیدل گیا۔ ابو المعالی کلابی شاعر نے سچ کہا ہے۔

فمن یطلب لقاءک او یردہ فبا الحرمین او اقصی الثغور	اگر رشید کو دیکھنا چاہتے ہو تو وہ مکہ یا مدینہ میں ملیگا یا جہاد کرتا ہوا سرحد پر نظر آئیگا۔

ایام حج میں ایکسو مشاہیر علماء، فقہاء اور محدثین ساتھ ہوتے تھے۔ اور جس سال حج کو
نہ جاسکتا تو اپنے طرف سے تین سو حاجیوں کا ایک قافلہ روانہ کرتا۔ علاوہ عام صدقات و
خیرات کے ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کرتا تھا۔ جناب علی مرتضیٰ
کا فدائی تھا۔ فضائل حسنین میں اس نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابو اسحٰق فزاری اور عبداللہ مبارک
حدیثیں سنایا کرتے تھے اور مسائل زندقہ پر بھی مباحثے ہوا کرتے تھے۔ کتاب موطا امام مالک کا حافظ
تھا۔ علم الکلام میں رسائل لکھوائے۔ فضل بن عیاض (صوفی) کے خانقاہ میں خود جاتا تھا۔
ابو معاویہ نابینا (عالم) کے دسترخوان پر آفتابہ سے ہاتھ دھولائے۔ ابن سماک کے وعظ سے
بیقرار ہو کر رونے لگتا تھا۔ ابن ابی مریم قصہ گو بہت منھ لگا تھا ایک بار نماز میں اس نے ہنسانا
چاہا تو نماز کے بعد اس کو بہت تنبیہ کی۔ عدل و انصاف کا بھی جوہر موجود تھا۔ رعایا کی
تکالیف سے متاثر ہوجاتا تھا۔ ایک سال قحط پڑ گیا تو محل میں جسقدر طلائی سامان اور
آلات طرب تھے انکو توڑ کر زرثمن خیرات کردیا۔ اور جب تک قحط دور نہ ہوا عیش و طرب
کی طرف راغب نہ ہوا[1]

[1] طبری و سیوطی وغیرہ

باوجود اس کے زاہد خشک بھی نہ تھا عیش وطرب کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ پیالوں میں اشرفیاں بھری رہتی تھیں۔ اور مٹھیاں بھر بھر کر مطربوں کو انعام دیتا تھا۔ ادبیات میں عہد رشیدی ممتاز ہے۔ سیکڑوں کتابیں اس عہد میں تصنیف ہوئیں۔ علماء سے ایک لغت مرتب کرایا۔ بہ سلسلۂ تجارت جو عجمی الفاظ عہد جاہلیت میں داخل زبان ہو گئے تھے وہ بدستور قائم رہے، باقی عجمی اور بازاری الفاظ خارج کیئے گئے۔

رجال دولت ارکان سلطنت کی تفصیل البرامکہ میں ہو چکی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہر علم وفن کے باکمال دربار میں جمع ہوتے تھے۔ جن میں سب کے سرتاج برامکہ تھے جعفر برمکی کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ خلیفہ کے برابر تخت یا مسند پر بیٹھتا تھا۔ دیگر اُمراء میں آل شیبان اور مہالبہ مقتدر تھے۔ عہد رشیدی کے ارباب کمال کو مصنف عقد الفرید نے روشنی کے میناروں سے تشبیہ دی ہے۔ فقہاء میں قاضی ابو یوسف (چیف جسٹس) کا مرتبہ سب سے بلند تھا۔ اُمرائے عرب میں ہرثمہ بن اعین سپہ سالار تھا۔ اور عباس بن محمد عباسی ندیم، مروان بن ابی حفصہ، ابو نواس اور اصمعی درباری شاعر تھے[1]۔ فضل بن ربیع حاجب، ابراہیم، اسحاق مخارق خاص مغنی اور ابن بختیشوع عیسائی طبیب تھا۔ یہ جملہ ارکان سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے۔ مطربوں میں اسحاق موصلی کی اس لئے سب سے زیادہ عزت تھی کہ وہ جامع علوم وفنون تھا۔ غلاموں میں مسرور کا درجہ سب سے بالاتر تھا۔ بغیر مسرور کی اجازت کے محل کے اندر کوئی عورت بھی نہیں جا سکتی تھی۔ رشید جب کبھی سفر پر روانہ ہوتا تو مسرور کے سوا کوئی یہ دریافت نہیں کر سکتا تھا کہ کہاں کا قصد ہے؟

اصلی عہدہ اسکا سیاف (جلاد) تھا۔ اور چونکہ اس شعبہ میں اور بھی ملازم تھے مسرور سیاف اعظم کہلاتا تھا۔ فربہ اندام، سیہ تاب، تنگ دل، کینہ‌ور، نفس پرور اور شقی تھا۔ ناک چپٹی

[1] شعراء کی قدردانی مہدی عباسی کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی عہد مہدی کے شاعر (ابن المولی بدوی، سلم الخاسر ابن الخیاط اور اشجع اسلمی حجازی، ابو العتاہیہ، بشار، و مروان بن ابی حفصہ تھے۔

اور پھیلی ہوئی تھی، جعفر برمکی کا قاتل یہی تھا۔ لہٰذا تمام ملک اسکی صورت سے بیزار ہو گیا تھا زبیدہ کی رحلت پر محل سرا میں مسرور کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ اسکا دفتر نظارت بھی محل کے اندر تھا۔ اور اس کا میر دبیر، زیاد بن ابی الخطاب تھا۔

۹۔ خلفائے عباسیہ کے دربار، سفیروں سے ملاقات اور ہارون الرشید کی درباری شان و شوکت

تمدن اسلام کا آغاز عہد رسالت سے ہوا، اور اس مبارک عہد کی ہر ادا میں سادگی تھی نہ نفیس غذائیں تھیں، نہ حریر و ریشم کا لباس، نہ گلے میں مالائے مروارید، نہ ہاتھوں میں طلائی کنگن، کیونکہ مردوں پر جملہ زنانہ آرائیشیں حرام تھیں۔ مسجد نبوی کا صحن دیوان عام کا قائمقام تھا۔ جب کوئی اہم مذہبی یا سیاسی معاملہ پیش آتا، مدینہ کی گلیوں میں منادی کی جاتی، مسلمان جمع ہوتے، مشورہ ہوتا، اور اتفاق رائے سے جب فیصلہ ہو جاتا، مجلس برخاست ہوتی۔ دروازۂ مسجد پر حاجب اور دربان بھی نہ ہوتا تھا۔ یہ دربار رسالت کی شان تھی۔

خلفائے راشدین بھی اسی طرح دربار کرتے تھے۔ اور اسی رنگ میں اپنے ولاۃ اور عمال کو بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ امیر المومنین فاروق رضی اللہ عنہ جب شام کے دورہ کو نکلے اور امیر معاویہ (والی دمشق) کو پر تکلف لباس میں دیکھا تو برہم ہو کر پوچھا "اَکِسْرَیۃ یا معاویہ! (معاویہ! یہ کسریٰ پن کیسا؟) یہ سوال اس لئے کیا گیا تھا کہ حضرت معاویہ امرائے عجم کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ امیر نے عرض کیا کہ "ہم رومیوں کی حکومت پر قابض ہیں اور شامی رعایا ابتدا سے شان و شوکت کی دلدادہ ہے، اس لئے اس قسم کا لباس پہننا پڑتا ہے۔

لیکن امیر المومنین! یہ میری مصنوعی شان ہے۔ اور ریشمی عبا کے نیچے کمبل کا کرتہ موجود ہے۔ جب حضرت فاروق کو اطمینان ہو گیا تب انکا غصہ ٹھنڈا ہوا" امیر معاویہ دور رسالت کے تربیت یافتہ تھے لہذا انکی حیات تک اسلامی خصائص باقی رہے۔ لیکن انکی رحلت پر یزید وغیرہ نے خلفائے راشدین کی سنت کو ترک کر دیا۔ اور ایرانی و رومی اصول پر دربار سجائے گئے دربار عام کی بنیاد اگرچہ امیر کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ لیکن انکی جانشینوں نے مختلف دربار سجائے اور سب کا رنگ جداگانہ تھا، مثلاً روزانہ دربار، علمی دربار، عیدین، تفریحات کے جلسے، محل سرا کی محفلیں وغیرہ۔

جب اموی خلافت کے جانشین عباسی ہوئے تو انہوں نے بھی دربار دمشق کی تقلید کی اور دربار عام' ایوان خلافت میں ہونے لگے۔ جس میں طلائی کرسیاں اور طلائی تخت بچھایا گیا۔ زریں کرسیاں' ایران سے آئیں' اور تخت[1] پایۂ روم کی سنت تھی (یورپ کے خلفاء دمشق میں رہتے تھے۔ وہ جلسہ عام میں طلائی تخت پر بیٹھا کرتے تھے) دربار کے علاوہ ہر کام کیلئے مختلف ایوان تعمیر ہوئے اور سفراء کو دیوان خاص میں باریابی کا شرف عطا ہوا۔ قلعہ معلّٰی دلی کے ایوان بھی دولت عباسیہ کی یاد دلاتے ہیں۔ الغرض پہلی صدی ہجری سے آج تک مسئلہ ارتقا کے تحت میں تمدنی ترقیاں ہو رہی ہیں۔

عہد عباسیہ کی جملہ تعمیرات میں دیوان خاص سب پر فوق لے گیا تھا۔ اس عمارت کی دیواروں پر طلائی نقش و نگار تھے اور حریر کے پردوں پر مناظر قدرت کے نقشے اور ایرانی قالینوں کا فرش تھا اور موسم کی تبدیلی پر یہ فرش بھی اٹھا دیا جاتا تھا۔ شب کے وقت (عموماً ہر محل میں) دیواروں پر طلائی و نقرئی چھوٹے چھوٹے فتیل سوز روشن ہوتے تھے جن میں موم اور عنبر کی شمعیں جلتی تھیں اس عہد میں دیواروں پر مرقعے آویزاں نہیں ہوتے تھے بلکہ ریشمی پردوں پر آیات قرآنی' اشعار اور نصیحت آموز جملے ریشم سے مطرز کیئے جاتے تھے۔

ہرون الرشید عموماً مسند پر بیٹھتا تھا، اور شان و شکوہ کے موقع پر تلے اوپر متعدد مسندیں

---

[1] خلفائے فاطمین مصر نے بھی تخت کو جواہرات سے مرصع کرایا تھا شاہجہاں کا تخت طاؤسی اسی قدیم نمونہ پر تیار کیا گیا تھا۔

بچھا کر اسکو تخت نما بنا لیتے تھے۔ داہنی ران کے نیچے ایک چھوٹا سا زرین تکیہ ہوتا تھا درباریوں کو حاجب[1] انکے مرتبہ کے لحاظ سے نمبروار بٹھاتا تھا۔ درباری مہمان اگر وقت سے قبل آجاتے تو وہ ایک دوسرے ایوان میں بٹھائے جاتے تھے، اور ٹھیک وقت پر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ جاتے تھے۔

آداب سلام خلافت راشدہ تک عام مسلمانوں کے لئے صرف "سلام علیک" کے معمولی الفاظ مقرر تھے، لیکن جب کبر و غرور بڑھا تو صیغہ مفرد، جمع سے تبدیل ہوگیا اور سلام کے ساتھ دعائیہ الفاظ اور خطاب کا بھی اضافہ ہوا مثلاً السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ یا امیر المومنین" لیکن غنیمت ہے کہ اسوقت تک امیر المومنین جواب کے لئے لب کشائی فرماتے تھے۔ لیکن جب بغداد میں ایرانی تمدن کا غلبہ ہوا تو سلام کے الفاظ بھی رخصت ہوگئے کیونکہ سلام کا جواب دینا شان امارت کے خلاف تھا۔ ادب سے سر جھکا کر[1]، دعائے عمر و ترقی دولت کے الفاظ کا ادا کرنا کافی تھا۔

اسکے بعد دست بوسی، اور آستین بوسی کا قاعدہ جاری ہوا۔ پھر طبقہ اعلیٰ کی عزت افزائی کے لئے آستین بوسی معاف کی گئی۔ ایک وقت آیا کہ امیر المومنین نے پردہ اختیار کیا، تخت کے سامنے ایک سیاہ پردہ لٹکتا رہتا تھا، درباری پردہ کو بوسہ دیکر بیٹھ جاتے تھے۔"

خلافت عباسیہ کے جب ٹکڑے ہوگئے اور مختلف صوبوں میں طوائف الملوکی ہوگئی تو ایرانی اور ترکی نژاد حکمرانوں نے بجائے دست بوسی وغیرہ کے رکاب بوسی کو بھی جائز رکھا۔ یہ آخری درجہ کی فرعونیت[2] تھی۔ ہندوستان کے مغلیہ دربار میں آداب، کورنش اور سجدہ زمیں بوس وغیرہ انہیں رسومات کی تقلید تھی۔

---

[1] ایران کے شاہوں کا طریقہ تھا کہ دعا کے بعد درباری کسیقدر جھک کر سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ فارسی علم ادب میں یہ اشارے موجود ہیں۔ [2] ظہیر فاریابی نے اپنے ممدوح قزل ارسلان کے مدح میں یہ شعر لکھا تھا؂

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا ۔۔۔ تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان زند

سعدی شیرازی میں اسلامیت تھی لہذا اس نے رکاب بوسی کی مخالفت کی اور سعد بن زنگی کو مخاطب کرکے کہا؂

چہ حاجت کہ نہ کرسی آسماں ۔۔۔ نہی زیر پائے قزل ارسلاں (بوستاں)

درباری لباس عربوں کا قومی لباس کُرتہ، عبا، تہبند اور عمامہ تھا۔ اور تلوار زینتِ حیات تھی۔ عہد عباسیہ میں پاجامہ اور موزہ کا عام اضافہ ہوا۔ چپل کے عوض جعفر برمکی نے ایرانی جوتہ کو رواج دیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے برنس (قلندری کلاہ) پر عمامہ باندھا۔ یہ درباری لباس تھا۔ اور یہی ٹوپی فوج کے لئے بھی تھی۔ خلیفہ اور سپہ سالاروں کی زرہ میں "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" کے طغرا کا اضافہ ہوا۔ خلفائے امیہ کا لباس سفید تھا۔ لیکن عباسیوں نے سیاہ لباس کو شعار بنایا۔

گفتگو کا طریقہ دربار میں عموماً خاموشی چھائی رہتی تھی' کیونکہ گفتگو کا آغاز خلیفہ کے جانب سے ہوتا تھا۔ مامون الرشید نے اس قاعدہ کو توڑ دیا۔ سلام و تہنیت کے بعد ہی دربار میں گفتگو شروع ہو جاتی تھی۔ تاہم لمبی چوڑی تقریر کی اجازت نہ تھی (باستثنائے مجالس مناظرہ) اور امیر المومنین سے کسی لفظ یا جملہ کے اعادہ کی فرمائش بھی داخل جرم تھی۔

پردہ کا رواج امیر معاویہ پر نماز میں ایک خارجی نے تلوار سے حملہ کیا تھا۔ امیر زخمی ہوئے لیکن جان بچ گئی' اس ضرورت سے مسجد میں مقصورہ (خاص حجرہ امام کے قریب) تعمیر کیا گیا جس میں وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ طرزِ عمل مجبوراً تھا۔ لیکن ابو جعفر منصور وغیرہ نے درباریوں سے پردہ کیا اور پس پردہ گفتگو شروع ہوئی اور اسقدر شدت ہوئی کہ بجائے ایک پردہ کے چار پردے لٹکائے گئے۔ اس خدمت پر جو افسر متعین ہوتا تھا۔ وہ "صاحب الستارہ (پردہ دار) کہلاتا تھا۔ دراصل یہ اردشیر ساسانی کی تقلید اور برامکہ کی ایجاد تھی جنہوں نے عجم کی رسوم کو عرب میں زندہ کیا۔ اور اس حجاب کو شان امارت قرار دیا تھا۔

دربار کی برخاستگی خلافت مآب کچھ زبان سے ارشاد فرمائیں' یہ آئین جلالت کے خلاف تھا لہذا یہ اعلان کرنا بھی ادب کے منافی تھا کہ دربار برخاست کیا گیا۔ لہذا خلفاء نے ختم دربار کے لئے خاص اشارے مقرر کیے تھے مثلاً امیر معاویہ ایسے موقع پر

۱؎ ہندوستان کے عہد غلامی کی خاص مساجد میں مقصورے موجود ہیں جسکو میں نے خود دیکھا ہے۔

"العزۃ للہ" کہہ دیا کرتے تھے۔ خلیفہ سفاح ہاتھ سے پنکھا رکھ دیتا تھا۔ اسی قسم کے متعدد اشارات تھے جس کی جاحظ نے کتاب التاج میں صراحت کی ہے۔ (مطبوعہ مصر)

خلیفہ ہرون الرشید نے ان تکلفات کو موقوف کر دیا تھا۔ اب سفیروں کی ملاقات کا حال سنیئے!

سفیر فرانس دربار بغداد میں

اس تمہید کے بعد اب ہم ایک سفارت کا تذکرہ کرتے ہیں جو انبر ذورد (امپرر) شارلیمین شاہ فرانس نے بغداد روانہ کی تھی۔ شارلیمین نے نائس فورس قسطنطین سے دوستانہ تعلقات بڑھانیکے بعد ہرون الرشید سے دوستانہ مراسم پیدا کرنا چاہے اور اس ضرورت سے ایک سفارت روانہ کی جو اسحاق یہودی کی قیادت میں تھی۔ شارلیمین کی اس سفارت سے یہ غرض تھی کہ رشید کو دوست بنا کر اور نیز فوجی متحدہ قوت سے کام لیکر اندلس (اسپین) پر قبضہ کیا جائے اور فتح کے بعد یہ ملک دو مساوی حصوں پر تقسیم کر لیا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ جو عیسائی قافلے بیت المقدس کی زیارت کو جاتے ہیں انکے ساتھ خاص مراعات کی جائیں اور اس طرح شارلیمین تمام یورپ کو اپنا ھمدرد بنانا چاہتا تھا اور دلی مقصد یہ تھا کہ دیار مشرق میں اسکا مرتبہ نقفور قسطنطینی سے بڑھ جائے۔ لہذا قیمتی ہدایا (تفصیل نہیں ہے) کے ساتھ سفارت بغداد پہونچی، سفیر کو شرف باریابی حاصل ہوا اور شارلیمین کا خریطہ ملاحظہ ہوا۔ ہرون الرشید نے شان بے نیازی سے سفیر کو چار سال تک واپسی کی اجازت نہ دی اور اسحاق متعدد درخواستوں کے بعد ۸۰۱ء میں رخصت کیا گیا۔

دربار خلافت سے تین مقتدر امیر سفیر کے ہمراہ روانہ کئے گئے۔ رشید نے شارلیمین کو خریطہ کے ساتھ حسب ذیل تحائف ارسال کئے۔

لہ ابن خلکان میں بجائے انبر ذورد کے انبرور آیا ہے۔ جو لیجہ میں امپرر کے قریب ہے۔ مصری جرائد بجائے امپرر (شاہنشاہ) کے امپرطور لکھتے ہیں۔

۱۔ سب سے قیمتی تحفہ فیل سفید تھا۔ جو ہندوستان کے کسی راجہ نے خلیفہ منصور کو بھیجا تھا اور منصور ایک مرتبہ اس ہاتھی پر سوار ہو کر مکہ معظمہ بھی گیا تھا۔ واقعہ اصحاب الفیل کے بعد جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فیل سفید داخل مکہ ہوا۔ یورپ کے لئے یہ ایک نادر ہدیہ تھا۔ ہاتھی مع جملہ سامان آرائش روانہ کیا گیا تھا۔

۲۔ شطرنج کا ایک مکمل سٹ تھا۔ جسکے مہرے ہاتھی دانت کے تھے اور ہر مہرہ پر نام کے علاوہ خوبصورت نقش و نگار تھے۔ اس کو یوسف الباہلی عیسائی نے تیار کیا تھا۔ تمام مہروں میں ہاتھی نہایت شاندار تھا۔ جو اپنی سونڈ (خرطوم) اٹھائے ہوئے تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا بساط کے گھوڑوں پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ فیلبان بھی موجود تھا جو صرف ایک لانبا کورتہ پہنے تھا۔ کانوں میں مرکیاں اور ہاتھ میں کنگن تھے (یہ لباس ہندوستانی تھا) عماری کے اندر بادشاہ تاج پہنے ہوئے بیٹھا تھا یہ تاج قدیم نمونہ کا تھا جو عہد جاہلیت میں شاہان حمیر (صوبہ یمن' ایرانیوں کا باماوران) استعمال کرتے تھے۔ ہاتھی کے جلو میں آٹھ گھوڑے تھے جنکے سوار' پیادوں پر حملہ آور تھے۔ سواروں کے گلے میں تلواریں حمائل تھیں۔ گھوڑ پر مرصع ساز تھا۔ یہ سٹ ہنوز فرانس کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔

۳۔ ریشمی اور قیمتی کپڑوں کے تھان

۴۔ طبرستان کے بنے ہوئے فرش

۵۔ عطریات حجاز و یمن

۶۔ مشک نافے، صندل اور ہندوستان کے بخور (لوبان وغیرہ)

۷۔ ایک بڑا کلاک (ساخت بغداد) تھا۔ جب شارلیمین کے حضور میں یہ پیش کیا گیا تو اس وقت کے مطابق گھنٹے بجائے۔ یہ تماشہ دیکھکر درباری بدحواس ہو گئے اور اس کلاک کو وہ طلسم سمجھے۔ قریب تھا کہ یہ کلاک توڑ دیا جائے۔ لیکن شارلیمین نے اسکو بچالیا

---

[1] آغانی جلد ۹ [2] مروج الذہب جلد ۲

اور بڑی مشکل سے اِن جاہلوں کو یقین آیا کہ یہ ایک مصنوعی چیز ہے جس سے وقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے تاریخ عرب پروفیسر سیدیو اور زبدۃ الصحائف نوفلی آفندی دیکھئے۔

۸۔ مختلف قسم کے ریشمی پردے۔ جن کے ٹک طلائی تھے۔

۹۔ ایک ارغنوں[1] (ارگن باجہ) جو زمانہ حال کی ساخت سے بالکل جداگانہ تھا۔

۱۰۔ بیت المقدس کے تبرکات میں طلائی کنجیاں تھیں۔ یہ سب سے قیمتی تحفہ تھا۔ یہ سفارت بغداد سے براہ انبار، کوفہ پہنچی، اور یہاں سے دمشق روانہ ہوئی اور دمشق سے براہ بعلبک روانہ ہوکر جبل لبنان کے وادی میں مقیم ہوئی۔ لبنان سے بیروت آئی۔ یہاں سے جہاز پر سوار ہوکر مالٹہ (یورپ میں یہ پہلا جزیرہ ہے) اتری، اور مارسیلیز (مارسیلز) پہنچ کر سفر ختم ہوگیا۔

ایک دربار میں یہ ہدایا سفیر نے پیش کیے۔ اور ہرون الرشید کا سلام پہونچایا، کچھ زبانی حالات بھی بیان کیے۔ ہرون الرشید نے شارلیمین کے خط کا کیا جواب دیا۔ تاریخ میں اسکی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن اسقدر معلوم ہوا ہے کہ اندلس پر فوج کشی کی تجویز کو ہرون الرشید نے نامنظور کردیا تھا۔ اس لحاظ سے سفارت فرانس اپنے مقصد میں ناکام رہی اور شارلیمین خلیفہ سے ناراض ہوگیا۔

۱۰۔ خلیفہ المقتدر باللہ کا ایک عظیم الشان دربار

عہد رشیدی کے بعد المقتدر باللہ کے عہد میں قسطنطنیہ سے جو سفارت بغداد آئی وہ اسلامی حکومت کے جاہ وجلال کا ایک نادر مرقع ہے اور دور حاضر کے لئے عجائبات سے ہے۔ لہذا اسکی تفصیل بھی لکھی جاتی ہے

شوکت عباسی کا جاہ وجلال، رشید کے بعد المقتدر باللہ عباسی (متوفی ۳۲۰ھ / ۹۳۲ء) کے عہد میں بہت ترقی کرگیا تھا۔ چنانچہ اس دور (محرم ۳۰۵ھ / ۹۱۷ء) میں ملکہ زو (و بیہ قسطنطین ہفتم)

[1] الخضری ۲

نے دربار خلافت میں جان رہا ڈینس اور میکائیل ٹوکراوس کو سفیر کر کے بغداد روانہ کیا۔ اس سفارت کا مقصد بھی بجائے جنگ کے صلح تھا۔ چنانچہ اس تقریب میں جسطرح شہر اور ایوان شاہی سجائے گئے اس کی مختصر روئداد ملاحظہ ہو۔

جب سفارت تکریت (عراق عرب) میں داخل ہو گئی تو آرام و راحت کے لئے سفیروں کو دو ماہ تک اسی جگہ قیام کا حکم ہوا۔ ختم میعاد کے بعد بغداد پہونچکر دار سعید میں کامل دو مہینے پھر ٹھہرائے گئے۔ چنانچہ اس حیلہ سے چار ماہ کے اندر بغداد اور قصر شاہی کی آرایش ہوئی۔ جب ملاقات کا دن آیا تو چھاونی بغداد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار و پیدل باب الشماسیہ سے ایوان خلافت تک صف آرا ہوئے۔ اسلحہ کا بڑا حصہ مرصع بجواہر تھا۔ گھوڑوں کے ساز نقرئی تھے۔ اور سواروں کو حکم تھا کہ وہ راس پکڑ کر پیدل چلیں۔ بغداد کے تمام بازار، گلیاں اور کوچے تماشائیوں سے بھر گئے تھے۔ جس راستہ سے جلوس گزرنے والا تھا اسکے دو منزلہ اور سہ منزلہ مکانات، دوچند اور سہ چند کرایہ پر لوگوں نے لے لئے تھے۔ اور دریائے دجلہ سیکڑوں قسم کی کشتیوں سے سجایا گیا تھا۔ وقت معینہ پر دونوں سفیر گھوڑوں پر سوار ہو کر دار سعید سے روانہ ہوئے اور خاص خاص بازاروں سے گزرتے ہوئے باب عامّہ تک پہونچے۔ یہ ایوان خلافت کا صدر دروازہ تھا۔ ایوان ملاقات اس حسن و خوبی سے آراستہ کیا گیا تھا جسکی نظیر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ ایک ادنی سی بات یہ ہے کہ ایوانات میں جسقدر پردے آویزاں تھے وہ اڑتیس ۳۸ ہزار تھے اور سب کمخاب کے تھے اور ہر پردہ پر جام و ساغر طیور اور دیگر حیوانات (فیل، اسپ، شتر، شیر وغیرہ) کی تصویریں تھیں۔ یہ منقش اور طلا کار پردے ارمن، واسط، بہنسہ (مصر) میں تیار ہوئے تھے اور کامدانی کے پردے جو بغداد میں بنائے گئے تھے وہ جداگانہ تھے اور درمیانی ایوانات سے ملاقات کے کمرہ تک وارآب جرد (فارس) کے بنے ہوئے قالینوں کا فرش تھا۔

صدر دروازہ پر پہونچ کر سفیر گھوڑوں سے اُترے اور پیدل روانہ ہوئے۔ راستوں

میں قالین کا فرش تھا لہذا جوتے اُتار کر چلنا پڑا، اب یہ سفیر آزاد تھے۔ فوجی حلقہ ختم ہو چکا تھا حاجب خواجہ سراؤں اور غلاموں کے اشاروں پر راستہ طے ہو رہا تھا۔ غلاموں (رومی، حبشی، تاتاری) کی تعداد چھ ہزار اور خواجہ سرا سات ہزار (چار ہزار رومی تین ہزار حبشی) تھے۔ باب عامہ سے ابو عمر طرسوسی (حاجب ملقب بہ صاحب السلطان) بطور استقبال ہمراہ ہو گیا تھا سفیر اب تھک گئے تھے لہذا خان خیل میں آرام کرنے کا موقع دیا گیا۔ یہ عمارت اس درجہ وسیع تھی کہ اسکے کھلے ہوئے صحن میں پانسو گھوڑیاں کوتل طلائی ساز و یراق سے آراستہ موجود تھیں، اس محل کے جملہ ستون سنگ مرمر کے تھے۔ یہ جلوس بھی قابل دید تھا۔ سائیسوں کی وردیاں یورپین طرز کی تھیں اور گھوڑیوں کے چہروں پر مہرہ نماز رتار جھالریں پڑی ہوئی تھیں۔

جب سفیر آرام کر چکے تو اب باغ حیوانات میں داخل ہوئے۔ یہ حیوان انسانوں سے اسدرجہ مانوس تھے کہ اُنہوں نے سفیروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس باغ سے نکل کر سفیر دار الفیل میں پہونچے۔ یہاں چار ہاتھیوں پر حبشی غلام، ہاتھوں میں نیزے لیئے ہوئے سلام کی غرض سے حاضر تھے۔ انکو دیکھ کر سفیر سہم گئے۔ اسکے بعد سفیروں کا دار الاسد میں گذر ہوا۔ اس جگہ دو صفوں میں پچاس پچاس شیر موجود تھے جنکی زنجیریں محافظوں کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ منظر از حد ہولناک تھا۔ الغرض یہ عجائبات دیکھتے ہوئے اب سفیر جوسق المحدث میں داخل ہوئے اس محل کے چاروں طرف سرسبز اور خوش منظر باغات تھے۔ اور وسط پائیں باغ میں ایک حوض (۳۰ ہاتھ طویل ۲۰ ہاتھ عریض) تھا۔ جسکی سادہ اور رنگین پتھروں کی چمک دمک سورج کو شرماتی تھی۔

اطراف حوض میں زریں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، جو زرتار گدّوں سے آراستہ تھیں، اور چاروں سمتوں پر سَو سَو درخت کھجوروں کے تھے۔ اور ہر درخت کا تنہ طول میں پانچ ہاتھ تھا۔ اور تقریباً ہر درخت میں خوشے لٹک رہے تھے۔ یہ خالص عرب کا منظر تھا۔

اس نخلستان سے گزر کر سفیر دار الشجرہ میں پہونچے۔ یہ ایوان ایک طلائی درخت کی وجہ سے دار الشجرہ[1] مشہور تھا۔ حوض مذکور کے اندر جو درخت تھا اس میں سونے، چاندی کے اٹھارہ گدّے تھے، اور ہر ایک گدّے میں متعدد شاخیں تھیں اور ہر شاخ میں مختلف رنگ کے جواہرات سے پھول، پتے بنائے گئے تھے، جن پر قدرتی پھولوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ جس وقت ہوا چلتی تھی یہ درخت موسم بہار کا تماشہ دکھاتے تھے، اور ڈالیوں پر طرح طرح کی چڑیاں جھولے جھولتی تھیں۔ اور انکی ساخت کچھ اس قسم کی تھی کہ جب ہوا چلتی تھی تو سب چڑیاں خوش الحانی سے گاتی سیٹیاں بجاتی تھیں۔ اس درخت کا وزن پانچ لاکھ درہم (تقریباً ڈیڑھ لاکھ تولہ) تھا۔ اور حوض کے دائیں بائیں پندرہ مصنوعی سوار تھے جن کی وردیاں حریر و دیبا کی تھیں، گلے میں تلواریں اور ہاتھ میں نیزے تھے۔ یہ سوار اس انداز سے حرکت کرتے تھے کہ گویا اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کیا چاہتے ہیں۔ سفیروں کے لئے یہ منظر سب سے زیادہ حیرت انگیز تھا۔ دار الشجرہ سے نکل کر اب سفیر قصر الفردوس میں داخل ہوئے۔ اس محل میں قالینوں کا فرش تھا۔ اور دیواروں پر دس ہزار نیزے اور زرہیں ایک خاص انداز سے آویزاں تھیں۔ (یہ اسلحہ خانہ کا ایک جزو تھا) اس قصر سے چل کر سفیر ایک چھتے کے نیچے سے گزرے جسکا طول ۳۰۰ ہاتھ تھا۔ اس گزرگاہ کی دیواریں، ڈھال، شیر پنجہ، زرہ، بکتر خود، اور مرصع تیر و کمانوں سے آراستہ تھیں۔ قصر الفردوس سے یہاں تک حبشی اور رومی خواجہ سرا نقرئی عصا لئے ہوئے کھڑے تھے۔ الغرض صدر دروازہ سے یہاں تک مسلسل تیئس ۲۳ ایوان طے کرنے کے بعد سفیر قصر التعیین میں داخل ہوئے۔ یہاں نوجوان غلام نیزہ، تلوار، اور عصا لیے ہوئے استقبال کو موجود تھے۔ غلاموں کے بعد حاجب، چوبدار، اردلی خاص اور فوجی عہدہ داروں کے لڑکے صف بستہ تھے۔ اب سفیر ایوان خاص میں داخل ہوئے۔ اور سمجھے کہ یہاں امیر المومنین تشریف فرما ہونگے۔ لیکن انکو بتایا گیا کہ یہاں صدر حاجب

---

[1] دار الشجرہ کے حالات میں تاریخ روم گبن سے بھی انتخاب ہوا ہے۔ ۱۲

نصر القشوری اجلاس کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر وزیر اعظم ابن الفرات نے سفیروں کا استقبال کیا۔ اس جگہ پہونچکر سفیر تھک گئے تھے، لہٰذا ان کو آرام کرنے کا موقع دیا گیا۔ یہ ایوان دجلہ کے کنارہ تھا۔ نمائشی سامان کے علاوہ اس قصر کے اندر جواہرات کی کشتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن پر سیاہ کمخواب کے خوان پوش پڑے ہوئے تھے۔ یہ جون کا مہینہ تھا لہٰذا برف اور فقاع (ہلکی شراب از قسم نبیذ) کے جام پیش کئے گئے، شراب اور شربت پی کر سفیروں کے حواس درست ہوئے۔ اور اب وہ قصر التاج میں طلب کیے گئے، جو دجلہ کے کنارہ تھا سفیر ایک سرنگ کے راستہ سے قصر میں داخل ہوئے۔ اور یکایک آبنوسی تخت پر امیر المومنین المقتدر باللہ عباسی کا جلوہ نظر آیا جو زرتار حریر کے لباس میں ملبوس تھے۔ سر پر کلاہ قلندری تھی اور نظر بد سے محفوظ رہنے کے لئے تخت کے دائیں بائیں نو کنٹھے جواہرات کے (از قسم ثوباج) آویزاں تھے۔ یہ کنٹھے بڑے دانہ کے تھے، جسکی روشنی سے محل جگ مگ ہو رہا تھا۔ تخت کے دائیں جانب تین اور بائیں جانب دو شاہزادے استادہ تھے۔ سفیر تخت کے سامنے سر نیاز جھکا کر کھڑے ہوگئے۔ اسکے بعد ایک سفیر نے مونس خواجہ سرا اور نصر القشوری حاجب (یہ مترجم تھے) سے دریافت کیا کہ اگر آپ کے آقا کے خلاف مزاج نہ ہو تو ہم سجدہ زمین بوس کریں، لیکن یہ وہ طریقہ نیازمندی ہے کہ جس سے آپ کے سفیر رومی دربار میں معاف کیے گئے تھے۔ مگر یہ طرز کورنش رومی آداب وسلام کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ امیر المومنین نے بھی سجدہ زمین بوس کی اجازت نہیں دی، سفیروں کو ایک گھنٹہ تک حاضری کا موقع دیا گیا وہ تخت کے سامنے کھڑے رہے، اسکے بعد المقتدر باللہ نے اپنے ہاتھ سے خریطہ سفیروں کے حوالہ کیا، سفیروں نے خریطہ کو بوسہ دیا اور سلام کر کے رخصت ہوئے اور دربار برخاست ہوگیا۔"

واپسی میں سفیر باب الخاصہ سے نکل کر دجلہ کے کنارے پہونچے اور شاہی کشتی پر سوار ہو کر دار السعید میں داخل ہوئے۔ قیام گاہ پر پہونچ کر سفیروں کو پچاس تھیلیاں درہم کی انعام دی گئیں۔ جن میں سے ہر ایک کے اندر پانچہزار درہم تھے۔ اور قیصر کی خدمت میں

ایک لاکھ ۲۰ ہزار دینار فدیہ قیدیان روانہ کیا گیا۔ اسکے پہونچنے پر مسلمان قیدی رہا ہو کر بغداد واپس آگئے اور آیندہ کے لئے صلحنامہ مرتب ہو گیا۔

نمبر ۱۱۔ ہٰرون الرشید کا سفر طوس اور موت ازواج و اولاد معاصر سلطنتیں اور خاتمہ

۱۔ علالت اور موت

ما ورالنہر میں جب رافع بن لیث نے بغاوت کی تو رشید انتظاماً خراسان روانہ ہوا۔ بغداد میں امین الرشید کو اپنا قائم مقام کیا اور مامون الرشید کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد مامون کو مرو روانہ کر دیا۔ اور رشید یکا یک سخت بیمار ہو گیا۔ امین نے جب باپ کی علالت کی خبر سُنی تو بکر بن المعتمر کو ایک ہزار دینار یومیہ صلہ پر طوس روانہ کیا۔ بظاہر امین کی غرض عیادت تھی مگر باطن میں فضل ربیع کے نام حکم تھا کہ "امیر المومنین کے ہمراہ دورہ میں جسقدر جواہرات، خزانہ، توشک خانہ، اسلحہ اور دیگر کارخانے ہیں ان سب پر قبضہ کر لیا جائے"۔

امین الرشید کی یہ پہلی خلاف ورزی تھی، کیونکہ رشید نے ذریعہ دستاویز اپنے جملہ اثاث البیت کا مامون کو مالک جائز قرار دیا تھا اور امین کو محروم کر دیا تھا۔ جب بکر رشید کے سلام کے لئے حاضر ہوا تو رشید نے بغداد کے حالات دریافت کئے مگر بکر نے کسی سوال کا صاف جواب نہ دیا، لہذا رشید نے جاسوسی کے شبہہ پر اسکو قید کر دیا[1]۔

[1] جہشیاری از صفحہ ۲۴۷

۲۔ ہرون الرشید کا آخری دربار اور موت

اسی زمانہ میں رشید نے ایک دربار عام کیا۔ سیاہ ریشمی درباری خیمہ نصب کیا گیا جس کا محیط چار سو گز تھا، اور چار قبتوں پر تقسیم تھا جس کے ہر ستون پر سیاہ حریر لپٹا ہوا تھا اور جملہ ستون آبنوس کے تھے۔ رشید کا روزانہ لباس عموماً سفید ہوتا تھا، سیاہ لباس صرف شاہی تقریبات پر پہنتا تھا اور گرمی کے موسم میں نرم ریشمی بوٹہ دار لباس استعمال کرتا تھا۔ کلاہ میں مرصع کلغی کے ساتھ موتیوں کی جھالر آویزاں ہوتی تھی، چنانچہ آج بھی درباری لباس سیاہ تھا اور اتفاق سے جسم پر قمیص بھی نہ تھی، صرف سیاہ جبّہ تھا۔ اور سر پر لانبی قلندری (پارسی نما) ٹوپی پر سیاہ عمامہ تھا۔ اور پورا جسم سیاہ طیلسان (چادر) سے چھپا ہوا تھا، گلے میں تلوار حمائل تھی۔

مسند کے سامنے گیارہ خادم سیاہ لباس میں استادہ تھے اور درباری بھی سیاہ لباس میں تھے۔ اب رشید نے بکر کو اپنے حضور میں طلب کیا اور بہ حیثیت ملزم اس سے استفسار کیا گیا۔ لیکن فضل حاجب کی ہدایت کے مطابق وہ اسوقت بھی خاموش رہا، تب مجبوراً اُسے حراست میں بھیج دیا۔ مرض میں ہر روز ترقی ہو رہی تھی، چنانچہ شنبہ کی رات، ۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ (۲۴ مارچ ۸۰۹ء) کو ۲۳ سال دو ماہ ۱۸ یوم خلافت کر کے ۴۵ سال ۵ ماہ کی عمر میں رشید نے انتقال کیا۔ اور طوس ہی میں دفن کیا گیا۔ شاہزادہ محمد صالح نے نماز جنازہ پڑھائی رشید کے بیٹوں میں یہ سب سے بڑا تھا۔ باپ کی وصیت کے مطابق اس نے اوّل امین الرشید اور امین کے بعد مامون کے لئے بیعت لی۔ رشید کی رحلت پر بکر نے امین الرشید کا مخفی لفافہ فضل کو دیا۔ فضل نے رشید کی موت کا اعلان نہیں کیا اور ہدایت کے مطابق صیغہ راز میں جملہ اُمور کی تکمیل کی گئی، لیکن مامون کے ہوا خواہوں نے بھی اس کو رشید کی موت سے مطلع کیا، بکر خط کا جواب لیکر فوراً بغداد روانہ ہو گیا۔

ہرون الرشید نے انتقال سے قبل خواب دیکھا تھا کہ "میری موت طوس میں ہو گی"، اس وجہ سے وہ بہت پریشان تھا، لہذا اس نے یہ اخیر دربار منعقد کیا تھا اور اسکے بعد

جو وصیتیں کرنا تھیں وہ بھی کیں۔ خزانہ کا جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ رشید کے ہمراہ علاوہ دیگر سامان کے ۴۲ کروڑ درہم نقد تھے اور کروڑوں کے جواہرات اور متفرق سامان جداگانہ تھا۔

۳۔ رشید کا حلیہ | طویل القامت تھا، دُہرا بدن، اور داڑھی سیاہ لانبی مائل بہ سُرخی تھی آنکھیں چمکدار اور بڑی تھیں۔

۴۔ مرثیہ | شعراء نے رشید کی موت پر دردناک مرثیے لکھے، لیکن ہم صرف ابوالشیص کے دو شعروں پر اکتفا کرتے ہیں۔

غربت فی المشرق شمس فلنا عینان تدمع ما رأینا قط شمساً غربت من حیث تطلع	آفتاب مشرق میں ڈوب گیا اس لئے ہماری دونوں آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ ہم نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آفتاب جہاں سے طلوع ہوتا ہے وہیں غروب ہو (یہ طوس کی طرف اشارہ ہے جو خراسان میں ہے اور آفتاب اسی سمت سے نکلتا ہے)

کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں

امین الرشید کی بدنیتی کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے، لیکن مامون الرشید کی شریف النفسی کا یہ حال تھا کہ اس نے بھائی کو مسند خلافت کی مبارکباد بھیجی اور بیعت کا اقرار کیا اور تہنیت نامہ میں بصراحت لکھا کہ "معاہدات کی خلاف ورزی نہ کی جائے"۔ مگر فضل بن ربیع نے امین کو بھڑکایا اور جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ مسلسل چار سال کے خونریزی کے بعد ۲۵۔ محرم سنہ ۱۹۸ھ (۵ ستمبر سنہ ۸۱۳ء) میں بمقام بغداد امین قتل ہوا[1]۔ اور مامون خلیفہ ہو گیا۔

[1] امین اور مامون کی مفصل تاریخ کے لئے میری جدید تصنیف "مامون الرشید" کا انتظار کرنا چاہیے جو ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔

اور رعایا کے نام ایک مفصل فرمان جاری کیا، جسکو مورخ جہشیاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

۵۔ مشاہیر کی موت یہ فہرست نہایت طویل[1] ہے لیکن اس مختصر فہرست سے بھی واضح ہوگا کہ رشید کے دور خلافت میں کسقدر ارباب کمال جمع تھے

امام مالک، امام موسیٰ کاظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد بن الحسن شیبانی، عبداللہ بن مبارک مسلم بن خالد زنجی، مروان بن ابی حفصہ، عباس بن حنف شاعر، فضیل بن عیاض صوفی، مفضل بن فضالہ، ابن سماک، سیبویہ نحوی، کسائی، یونس بن حبیب، یعقوب بن عبد الرحمن قاری، ابو الحکم مصری، صعصعہ بن سلام اندلسی۔

۶۔ ازواج و اولاد مختلف اوقات میں ہارون الرشید کی بیس[2] بیویاں رہیں، لیکن علاوہ خاص کنیزوں کے انمیں چار بیویاں معزز طبقہ سے تھیں۔ اوّل زبیدہ خاتون، دوسری ام محمد بنت صالح المسکین۔ تیسری عباسہ بنت سلیمان بن المنصور، چوتھی جرشیہ بنت عبداللہ العثمانیہ۔ چنانچہ ان ازواج سے بارہ بیٹے اور بارہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ یہ لڑکیاں ہاشمیات کہلاتی تھیں۔ بیٹوں میں صرف امین الرشید ہاشمی تھا۔ بقیہ کنیز زادے تھے۔ جن میں مامون موتمن اور معتصم کو تاریخی شہرت حاصل ہوئی، ایک بیٹا احمد تھا جو اپنی محنت سے معاش حاصل کرتا تھا اور تمام عمر گوشہ نشین رہا۔ مامون الرشید کا شمار حکما میں ہے اور معتصم جاہل محض تھا۔ امین و معتصم عیش پسند شاہزادے تھے۔ امین اور مامون دونوں ولیعہد تھے امین بلند حوصلہ اور صاحب وقار تھا۔ چہرہ پر نقاب ڈالے رہتا تھا۔

۷۔ زبیدہ خاتون ہارون الرشید کی ازواج میں زبیدہ[3] خاتون سب کی سرتاج تھی۔ اور وہی ملکہ کہلانے کی مستحق تھی۔ زبیدہ نسباً ہاشمیہ تھی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفہ

---

[1] انتخاب از سیوطی ۱۲ [3] عقد الفرید

[2] آغانی مختلف جلدیں، مسعودی، عقد الفرید، شریشی، ابن خلکان، المستطرف، تزیین الاسواق، سیوطی، در المنثور

منصور عباسی کے دو بیٹے تھے، ایک مہدی اور دوسرا جعفر، چنانچہ زبیدہ اسی جعفر کی نور نظر تھی۔ اور یہ جعفر رشید کا حقیقی چچا تھا۔ زبیدہ کی ۱۴۵ھ میں بمقام موصل ولادت ہوئی، جہاں اس کا باپ گورنر تھا۔ اس شاہزادی کا نام امۃ العزیز تھا۔ ہنوز شیر خوار تھی کہ یتیم ہو گئی۔ دادا نے آغوش محبت میں لیکر بڑے چاؤ اور پیار سے پرورش شروع کی۔ زبیدہ نہایت حسین اور گوری چٹی، نک سک سے درست اور نازک اندام تھی۔ منصور دونوں ہاتھ پکڑ کر زبیدہ کو نچایا کرتا تھا اس لئے اس کا لقب زبیدہ (متھنی کو کہتے ہیں جس سے مکھن نکالا جاتا ہے) پڑ گیا۔ اور یہ لقب نام پر غالب آ گیا۔

۱۶۵ھ/۷۸۱ء میں مہدی عباسی نے جو اسوقت خلیفہ تھا۔ اپنے بیٹے ہارون الرشید سے نکاح کر دیا۔ تقریب نکاح میں مشک و عنبر کی گولیاں لٹائی گئیں جنکے اندر انعامات کے پرچے تھے۔ دعوت ولیمہ میں طلاء اور نقرئی ظروف تقسیم کیے گئے۔ قاضی ابو یوسف کی روایت ہے کہ اس دعوت میں ۲ کروڑ پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے۔ نکاح کا جوڑہ (مرصع بجواہرات) اسقدر بھاری تھا کہ پہن کر چلنا مشکل تھا۔ الغرض ۱۷۰ھ/۷۸۶ء میں جب رشید خلیفہ ہوا تو زبیدہ سلطانہ ہو کر دنیائے اسلام کی ایک محترم ملکہ بن گئی۔ اور قصر اسلام سکونت کے لئے آراستہ کیا گیا۔ زبیدہ نے ذاتی خوبیوں سے شوہر کو مطیع الامر بنا لیا تھا۔ اور یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے سیاسیات میں کبھی دخل نہیں دیا، اور تمام عمر شوہر کی فرمانبردار رہی لیکن خانگی امور میں رشید ہمیشہ زبیدہ سے مشورہ کرتا تھا۔ اور محل سرا کے معاملات میں وہ خود مختار تھی۔

رشید کا محل خوبصورت کنیزوں سے راجہ اندر کا دربار بنا ہوا تھا لیکن زبیدہ کی پیشانی پر کبھی شکن نہ آئی، نہ کبھی شوہر کے عیش و طرب میں مخل ہوئی۔ امین الرشید زبیدہ کا لاڈلا بیٹا تھا اور یہی وہ شاہزادہ تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ ابو العینا کا قول ہے کہ اگر زبیدہ اپنے بالوں کو بکھرا دے تو اسکی ہر لٹ کسی خلیفہ

کسی خلیفہ پر جاکر پڑے گی۔ اور یہ واقعہ ہے۔

الف لیلہ میں زبیدہ کے متعدد فسانے ہیں لیکن اکثر فرضی ہیں۔ اس مصنف کی غرض یہ تھی کہ حرم کے حالات فسانہ کی صورت میں دکھائے جائیں خصوصاً عہد عباسیہ کا تمدن۔

ہرون الرشید کی حیات میں زبیدہ فارغ البال زندگی بسر کرتی تھی کیونکہ مصارف کے لئے کئی کرور کی جاگیر مقرر تھی، البتہ رشید کی رحلت پر مبتلائے رنج و آلام ہوئی، لیکن مامون الرشید کے دور خلافت نے زبیدہ کو پھر مطمئن کردیا تھا کیونکہ مامون نے وہ خاطر داریاں کیں کہ زبیدہ رشید اور امین دونوں کو بھول گئی خود کہتی ہے۔

اذا لبقی لمامون لی فالرشید لی	جب مامون الرشید موجود ہے تو میرے لئے رشید دشوہر)
دلی جعفر لم یفقد او محمد	جعفر (باپ) اور محمد امین (بیٹا) گویا سب ہی زندہ ہیں

امین کے قتل کے بعد مامون نے زبیدہ کو قصر الخلد میں دوبارہ آباد کیا۔ اور معمولی مصارف کے لئے بیت المال سے ایک لاکھ اشرفیاں اور دس لاکھ درہم نذر کیئے اور قدم چومے اس اطاعت سے زبیدہ کا دل، مامون سے صاف ہوگیا۔ بیوگی کے بعد زبیدہ نے عیش وطرب کی زندگی سے توبہ کرلی تھی اور شبانہ روز مصروف عبادت رہتی تھی۔

۲۰۸ھ میں بوران (مامون الرشید کی بی بی) کی سفارش سے مامون نے زبیدہ کو حج کی اجازت دی، اور وسیع پیمانہ پر سامان سفر کردیا اور خود بھی ڈیوڑھی خاص سے لاکھوں کی رقم ساتھ لے گئی۔

زبیدہ نے عراق کا عام راستہ چھوڑ کر شام کی طرف سے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ راستہ میں بکثرت پل، مسجدیں اور سرائیں (رباط) آباد کیں، جس پر ۱۷ لاکھ اشرفیاں صرف ہوئیں، اور بیت المقدس جاتے ہوئے جب قافلہ جبل لبنان کے دامن میں ٹھہرا اور لوگوں نے قلت پانی کی شکایت کی تو انجنیروں کو نہر نکالنے کی ہدایت کی گئی چنانچہ چشمہ عوعار (کوہ لبنان) سے نہر نکالی گئی جسکے ذریعہ سے بیروت اور وادی مکلس تک پانی کی افراط ہوگئی۔ اس نہر کے

پُل، کتبِ جغرافیہ میں آج تک قناطر زبیدہ کے نام سے مشہور ہیں۔

مکہ معظمہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حج کے زمانہ میں بعض وقت ایک مشک پانی کی قیمت ایک اشرفی ہوجاتی ہے، لہٰذا زبیدہ نے اجرائے نہر کا حکم صادر کیا۔ انجینیروں نے پیمائش کے بعد مکہ کی پتھریلی زمین کو ہموار کرکے بارہ میل کی مسافت میں ایک نہر نکالی جس کا نام عین المشاس ہوا۔ یہ وہی نہر ہے جو آج تک نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی تعمیر میں سکہ انگریزی کے مطابق پچاسی لاکھ روپے صرف ہوئے۔ عرب زبیدہ کی ہر یادگار کو زبیدیہ کہتے ہیں اسی مناسبت سے یہ نہر بھی زبیدیہ کہلاتی ہے۔ ارض حجاز میں نہر زبیدہ کا اجرا معجزہ سے کم نہیں ہے۔ یہ پوری نہر ریگ زار میں ہے اور آندھیوں سے اَٹ جانے کا خطرہ تھا۔ اسلئے اوّل زمین پختہ کی گئی تاکہ ریت میں پانی جذب نہ ہو۔ اسکے بعد تمام و کمال نہر کو پاٹ دیا اور آبادی کے موقع پر چاہات کی طرح دہانے کھلے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے علاوہ وہ اپسی میں جو راستہ عراق سے حجاز کو جاتا ہے اس میں مسافروں اور حاجیوں کے آرام کے لئے بکثرت حوض اور تالاب (مصانع) تیار کرائے جس سے آج تک قافلے سیراب ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اعمال حسنہ میں زبیدہ، دوسری خیزران تھی۔ مکہ معظمہ میں دار بن یوسف جس میں نبی کریم کی ولادت ہوئی تھی اسکو متولیوں سے خرید کرکے مسجد تعمیر کرائی۔

شہروں میں بدخشاں اور تبریز بھی زبیدہ کے آباد کردہ ہیں اور ایشیائے کوچک میں بھی اس کی یادگاریں ہیں۔ خاص بغداد میں قصر السلام کے قریب (کنار دجلہ) ایک رفیع الشان مسجد تیار کرائی جس پر تیس ہزار دینار صرف ہوئے۔ دوسری مسجد باب خراسان اور شارع دار الرقیق کے مابین تعمیر ہوئی۔

تعمیرات کے علاوہ زیب و زینت کی سیکڑوں چیزیں زبیدہ نے ایجاد کیں جو خواتین عرب میں مقبول ہوئیں، مثلاً عنبر کی شمعیں اور جواہرات کی مرصع سلیپریں، ریشمی کپڑوں میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ خاص زبیدہ کے لئے بغداد میں ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا

ہوا جسکے نمونے ہنوز یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

قصر السلام کے بڑے ہال کے لئے ایک فرش دیبا کا تیار کرایا تھا جو نقرئی اور طلائی تاروں سے بنا گیا تھا، اسکے اندر طیور کی تصویریں تھیں جن کے بازو اور آنکھیں جواہرات کی تھیں اس فرش کی لاگت دس لاکھ دینار تھی، یہ فرش نوشیرواں کے قالین موسومہ نوبہار کا جواب تھا، جو فتح مدائن کے بعد مال غنیمت میں (عہد امیر المومنین فاروق رضی اللہ عنہ) آیا تھا۔

عبادت اور رسوم شرعیہ میں زبیدہ رابعہ بصری کی ہم پلہ تھی۔ اسکے محل میں سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں (تعلیم القرآن ملاحظہ ہو) جو روزانہ دس دس پارے ختم کرتی تھیں۔ صبح کی نماز کے بعد جب یہ کنیزیں تلاوت شروع کرتی تھیں تو معلوم ہوتا تھا کہ چڑیاں چہچہا رہی ہیں یا شہد کی مکھیاں گنگنا رہی ہیں۔ فیاضی میں بھی ضرب المثل تھی۔

شادی کے بعد ۲۸ سال تک رشید کی رفیق حیات رہی اور ستر سال کی عمر میں بمقام بغداد جمادی الاول ~~۲۱۵~~ ۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ زبیدہ کا مقبرہ ۱۹۰۲ء تک موجود تھا۔

۸۔ کنیزیں رشید کے محل میں کسقدر کنیزیں تھیں اس کا ذکر ہو چکا ہے لیکن ہزاروں میں جو ممتاز تھیں وہ سحر، ضیاء اور خنث تھیں، آغانی کی جلدیں ان کے اوصاف سے مالا مال ہیں۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

ان سحر، وضیاء وخنث	ھن سحر وضیاء وخنث
اخذت سحر ولا ذنب لھا	ثلثی قلبی وثریا ھا الثلث

یہ موسیقی میں بھی باکمال تھیں اور اکثر پس پردہ بیٹھکر گاتی تھیں۔ رشید کی دختر حمدونہ کی کنیز دقاق، جب انکی ساتھ مل کر گلے بازی کرتی تھی تو رشید پر بیخودی طاری ہو جاتی تھی اور عالم محویت میں یہ کہتا ہوا کہ "واللہ لاصبر لی علی الحجاب" خود پردہ کے اندر چلا جاتا تھا۔

لہ آغانی جلد ۵ ص ۱۵

۹- معاصر سلطنتیں

یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ جس عہد میں خلیفہ ہرون الرشید عباسی جاہ و جلال کے ساتھ اقصائے عالم پر فرمانروائی کر رہا تھا، اس کی معاصر سلطنتیں کہاں کہاں قائم تھیں اور انکی کیا حالت تھی؟ تاریخی صراحت کے مطابق وہ حکومتیں حسب ذیل تھیں۔

۱- اندلس یا اسپین

۱- امیر عبدالرحمٰن الداخل ۱۳۸-۲۰۶ھ / ۷۵۵-۸۲۱ء

۲- ہشام بن عبدالرحمٰن

۳- حکیم بن ہشام

۲- مغرب الاقصیٰ

۱- امیر ادریس بن عبداللہ بن الحسن ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں یہ حکومت قائم ہو چکی تھی۔

۳- لندن

دولت برطانیہ جس کے اقبال کا سورج آج ہفت اقلیم میں تاباں و درخشاں ہے، اس زمانہ میں یہ چھوٹی چھوٹی سات حکومتوں پر تقسیم تھا۔ ان میں جو سردار دوسری ریاستوں پر غالب ہو جاتا تھا وہی انگلینڈ کا بادشاہ ہوتا تھا۔

جرمن، ہنگری وغیرہ کی بھی حکومتیں تھیں مگر ان پر بھی شاہی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور نہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے قابل لحاظ تھیں۔

۴- فرانس

اسوقت یورپ میں بلا شرکت غیرے شارلی مین

	(شارل اعظم) کی حکومت تھی - جس نے آٹھویں صدی عیسوی میں جملہ متصلہ ممالک کو فتح کرکے فرانس کو دارالحکومت بنایا تھا اور لمبارڈیہ کے کل علاقہ پر قابض تھا۔	
۵۔ قسطنطینہ	۱۔ ملکہ ایرینی ولیہ قسطنطین سادس نابالغ	۷۹۷-۸۰۱ء / ۱۸۱-۱۸۶ھ
	۲۔ نائس فورس (نقفور)	۸۰۲-۸۱۱ء
۶۔ ہندوستان	کل ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ کوئی ایک شاہنشاہ نہ تھا۔	

اُمرائے اندلس اور مغرب الاقصیٰ سے رشید کے دوستانہ مراسم نہ تھے اور نہ ان ممالک کے فتح کا ارادہ تھا۔ شاہ فرانس سے اتحاد تھا اور قیاصرہ روم باج گزار تھے۔

خاتمہ

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا | ہم کیا ہیں؟ جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے | جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اے خدا! تیری حمد و ثنا سے اِس کتاب کا آغاز ہوا تھا اور اب تیرے شکر و سپاس پر اُس کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ جب میں اپنی بے سر و سامانی پر نظر کرتا ہوں اور اس مجموعہ کو دیکھتا ہوں تو تیری شکرگزاری مجھ پر اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اگر تیرا افضل شامل حال نہ ہوتا تو مجھ میں اسقدر طاقت کہاں تھی کہ آل برمک کے منتشر دفتر کو سمیٹتا اور چیونٹیوں کے مُنھ سے شکر جمع کر کے لڈّو بناتا لیکن ع

لے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تُست

معزز ناظرین! چمنستان فارس اور نخلستان عرب کی سیر میں شبانہ روز مصروف رہ کر میں نے جسقدر رنگین، لطیف اور مہکتے ہوئے پھول دامن میں جمع کئے تھے اُس کا گلدستہ بنا کر ہدیۃً آپ ہی کے حضور میں پیش کرتا ہوں۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ محقر تحفہ ایسا ہی ہے جیسے امیرالمومنین ہرون الرشید کے دربار میں ایک اعرابی (بدو) نے کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر نذر پیش کی تھی اور

صلہ کا اُمیدوار تھا۔ اس لئے اگر یہ ہدیہ قبول ہو تو آپ کی فیاضی اور حسنِ اخلاق ہے، ورنہ گھر کے حالات سے صاحب البیت ہی خوب واقف ہوتا ہے۔

برامکہ اور ہرون الرشید کی سیرۃ نگاری میں جسقدر محنت کی گئی ہے اس کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ جعفر و عباسہ کے نکاح کے متعلق (خلافت اور وزارت کے اتحاد سے) تاریخوں میں جو غلط واقعات درج ہو گئے ہیں، مورخانہ تنقید کے بعد اس کا صحیح فاصلہ کیا جائے، چنانچہ لبفضلہ تعالیٰ میں اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں کیونکہ علمی دنیا کے موجودہ محققین، میری رائے سے متفق ہیں، جس کی تصدیق جدید تاریخی تصانیف سے ہوتی ہے، جو مصر اور ہند میں شایع ہو چکی ہیں۔

اب بزرگان قوم اور مخلص دوستوں سے جنکی نگاہیں عیب و ہنر پر یکساں پڑتی ہیں، عاجزانہ التماس ہے کہ اگر کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو معاف فرماکر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ آیندہ اصلاح ہو سکے۔! برامکہ کے حالات میں جسقدر لکھنا مقصود تھا وہ لکھا جا چکا ہے اور حتی الوسع کوئی اہم تاریخی واقعہ ایسا نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گیا ہو لیکن اسقدر کہنے سے خاموش نہیں رہ سکتا ہوں کہ ناظرین جب غور سے اِن اوراق پر نظر ڈالیں گے اور خیال کرینگے کہ وہ کیا صفات تھے؟ جس نے برامکہ کو ضرب المثل کے ایسے بلند درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ "کونوا برامکہ فمادو لتکم برامکہ" تو برای العین معلوم ہو گا کہ اُن کی تمام دنیاوی ترقیوں اور عروج کا مدار انکی علمی فضیلت اور اعلیٰ تعلیم و تربیت پر تھا جسکے باعث وہ اوّل سے اخیر تک خلفاء کے درباروں میں ممتاز رہے، چنانچہ موجودہ نسلوں کو معراج کمال پر پہونچنے کے لئے آج بھی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے کیونکہ وہ دور ختم ہو چکا ہے جب علوم کو من حیث العلم حاصل کرتے تھے۔ اب تکمیل علوم محض معاش اور بقائے حیات کے لئے ہے۔

خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارحم الراحمین نوجوانان قوم کو توفیق دے کہ وہ ماضی

سے متاثر ہو کر مستقبل کی فکر کریں۔ آمین!

جمعہ، ۳۰ر شوال المعظم ۱۳۵۷ھ
مطابق
۲۳ر دسمبر ۱۹۳۹ء

خاکسار مؤلف
محمد عبدالرزاق کانپوری
(ابن منشی الٰہی بخش رمال و منجم ہند)
مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی وغیرہ

لقد کان فی قصصهم عبرۃ لاولی الالباب ما کان حدیثا یفتریٰ

سلسلۂ وزراء اسلام

کی

پہلی جلد

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہرون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحییٰ، فضل و جعفر برمکی

کی

مفصل سوانح عمری

کا

پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یحییٰ، دوسرے میں فضل، تیسرے میں جعفر برمکی کی سوانح عمری اور اُن مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور حضرت عباسہ کی شادی کے غلط واقعہ کی تحقیقات سے متعلق ہیں

مؤلفہ

خاکسار محمد عبد الرزاق۔ کانپوری

خواجہ عبد الله کے اہتمام سے نامی پریس کانپور میں چھپکر شائع ہوا